مرزا عبدالقادر بیدلؔ
حیات اور کارنامے

(ہندوستانی اسلوب کے عظیم ترین نمائندہ شاعر
مرزا عبدالقادر بیدل کی حیات اور ان کی تصانیف کا
تازہ ترین تحقیقات پر مبنی ایک جامع، مستند اور مفصل مطالعہ)

جلد دوم
(کارنامے)

ڈاکٹر سید احسن الظفر
سابق ریڈر شعبہ فارسی
لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

رام پور رضا لائبریری، رام پور

سلسلۂ مطبوعات رام پور رضا لائبریری

Name of the Book : **Mriza Abdul Qadir Bedil : Hayat Aur Karname**
Vol-II (Karname)
Name of Author : Dr. Syed Ahsanuz Zafar
Edition : 1430AH / 2009AD
Published By : **Prof. Shah Abdus Salam**
O.S.D, Rampur Raza Library, Rampur

نام کتاب : مرزا عبدالقادر بیدلؔ: حیات اور کارنامے
(جلد دوم [کارنامے])
نام مصنف : ڈاکٹر سید احسن الظفر
سن اشاعت : ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
صفحات : ۷۲۰
قیمت : -/650 روپے
مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز، نئی دہلی - 9811126868
ناشر : پروفیسر شاہ عبدالسلام
افسر بکارِ خاص، رام پور رضا لائبریری، رام پور

رام پور رضا لائبریری
حامد منزل، رام پور-۲۴۴۹۰۱ (یو. پی.)

Rampur Raza Library, Rampur
Phone Library : 0595-2325045, 2327244
0595 - 2325346
Fax : 0595 - 2340546
Website : www.razalibrary.com
E-mail : osdrampurrazalibrary@gmail.com

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

باب سوم

بیدل ایک ادیب کی حیثیت سے

(چہار عنصر، رقعات و نکات)

عمری بفنون نظم مائل گشتم — چندی بانثر نیز شاغل گشتم
دیدم کرم تو سخت بی پایانست — عاری ماندم ز شکر و بیدل گشتم
[مدت سے ہوں مصروف شعر گوئی میں میں — گاہے ہوا مصروف نثر نویسی میں میں
دیکھا کہ کرم کی نہیں حد ہے کوئی — عاجز ہوا جب شکر سے بیدل ہوا میں]

"اگر انشای بیدلت ز حلاوت نشاں دہد   شقی از خامہ طرح کن، در مصر شکر کشا
[دیتی ہے لطف گر تجھے انشائے بیدلی   شق کر قلم کو کھول تو پھر مصر کی ڈلی]
دوستاں! عیب من بیدل حیران مکنید   گوہری دارم وصاحب نظری می جویم (حافظ)
[بیدل حیراں کا کرو عیب نہ ہرگز یارو!   پاس میرے ہے گہر چاہیئے ایک اہل نظر مجھ کو]

بیدل کی نثری اور شعری تخلیقات کے مطالعہ کے بعد راقم السطور اس نتیجے پر پہونچا کہ اس کا اصل میدان شعر ہے۔ اسی وجہ سے اس کی شعری تخلیقات اس کی نثری تخلیقات کے مقابلے پر تین گنی ہیں لیکن اس کی نثر بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

یہاں ہم پہلے اس کی نثری تخلیقات کا جائزہ لیں گے کیونکہ اس کی شعری تخلیقات کے پیچھے کیا عوامل اور محرکات تھیں اور کیا حالات و کیفیات تھے جن کی وجہ سے وہ سبک ہندی کا ایک غیر معمولی نمائندہ شاعر تسلیم کیا گیا؟ یہ باتیں اس کی نثری تخلیقات چہار عنصر، رقعات اور نکات کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتی ہیں۔

بیدل کی نثر کے بابت خود اس کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی لوگوں کی مختلف رائیں رہی ہیں۔ بیدل چونکہ اواخر گیارہویں اور اوائل بارہویں صدی ہجری کا ادیب اور شاعر تصور کیا جاتا ہے اس لئے مناسب ہوگا کہ اس دور کے اسلوب نگارش اور اس کی خصوصیات بیدل کے معاصر اور اس سے پہلے کے ادیبوں کے نثری نمونے کے ساتھ پیش کی جائیں، پھر بیدل کی نثر کے بابت تذکرہ نگاروں اور اس کے معاصرین کے خیالات، اس کے بعد بیدل کے نقطۂ نظر سے ایک معیاری نثر کی خصوصیات اور آخر میں اس کی ہر ایک نثری تصنیف کا جداگانہ جائزہ لیا جائے گا۔

بارہویں صدی ہجری کا اسلوب نگارش:

لسانیات کے ماہرین جانتے ہیں کہ دوسری سماجی قدروں کی طرح زبان بھی تبدیلیوں کے مختلف مراحل سے گذرتی ہے۔ یہ بات بالکل فطری ہے۔ ٹکنالوجی کی اس ترقی کے دور میں جبکہ طرح طرح کی مشینیں اور آلات ایجاد ہو رہے ہیں اور انہوں نے تمام سماجی اقدار میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا ہے۔ جو چیز چند سال پہلے نئی اور انوکھی معلوم ہوتی تھی اب وہ پرانی ہوگئی ہے۔ اس طرح ہم کہہ

سکتے ہیں کہ دنیا ہنوز عبوری دور سے گذر رہی ہے اور اس کی منزل کہاں ہے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک زمانہ تھا جب انسان تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ پرواز کرسکتا ہے صرف خواب میں دیکھتا تھا کہ پرواز کر رہا ہے اور اب اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا ہے۔ اس لئے ہر ایک سماجی قدر کا جس میں زبان و بیان بھی داخل ہے اس عہد کے ماحول اور معاشرہ کے حوالے سے مطالعہ کرنا اور اس پر غور وفکر کرنا ضروری ہے۔ اب ہم خاص طور سے فارسی زبان وادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مشہور ادیب اور محقق استاد سعید نفیسی لکھتے ہیں:

"در قرن دوازدہم تا مدتی ہمان اصول (تکلف وتصنع در کار برد کنایات واستعارات) در نثر فارسی رائج بود وباز چہ در نامہ ہای رسمی واحکام وفرامین دولتی وچہ در تاریخ نویسی وچہ در کارہای ادبی دیگر در استعارہ وکنایہ منتہای مبالغہ می کردہ اند چنانکہ حتی در نامہ ہای کہ بسلاطین اروپا نوشتہ می شد، ایں روش کاملاً رائج بود...... نویسندگان این دورہ را ہم می تواں بد ودستہ تقسیم کرد۔

گروہی کہ در این زمینہ بیشتر مبالغہ کردہ اند مانند میرزا رضی تبریزی، منشی الممالک، فاضل خان گروسی، میرزا ابوالحسن عفاری، میرزا علی رضا شیرازی، میرزا محمد صادق نامی اصفہانی، میرزا عبدالکریم شیرازی، علی قلی خان والہ داغستانی، محمود میرزا قاجار، میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی، میر غلام علی آزاد بلگرامی، سراج الدین علیخان آرزو، نعمت خان عالی محمد ہاشم معروف بخافی خان۔"(۱)

بارہویں صدی میں ایک عرصہ تک (تکلف، تصنع اور تشبیہات وکنایات کے استعمال کا) وہی قدیم اصول فارسی پر کارفرما رہا۔ کیا سرکاری خطوط وفرامین میں، کیا تاریخ نگاری میں اور کیا دوسرے ادبی امور میں، استعارات وکنایات کے استعمال میں غیر معمولی مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ جو خطوط یورپین سلاطین کو لکھے گئے ان میں بھی اس کی پوری رعایت رکھی جاتی تھی۔ اس دور کے ادیبوں کو دوطبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ایک طبقہ وہ تھا جس نے اس سلسلے میں انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جیسے مرزا رضی تبریزی، منشی الممالک، فاضل خان گروسی، مرزا ابوالحسن غفاری، مرزا علی رضا شیرازی، مرزا محمد صادق نامی اصفہانی، مرزا عبدالکریم شیرازی، علی قلی خان والہ داغستانی، محمود مرزا قاجار، مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی، میر غلام علی آزاد بلگرامی، سراج الدین علی خاں آرزو، نعمت خان عالی، محمد ہاشم معروف بہ خافی خاں۔

مرحوم ملک الشعراء بہار ''نثر ہندی'' کے تحت لکھتے ہیں:

''......بعینہٖ ہمین بود حالت نثر در ہندوستان جز اینکہ فضلا و علمای ہندی در اظہار فضیلت زیاد تر از منشیان و نویسندگان ایرانی کوشیدہ اند۔ در مناشیر و مکاتیبی کہ رجال ہند بر جال ایران نوشتہ اند و در سفینہ ہا یافتہ می شود، معلوم است کہ نویسندہ مقیم ہند بیشتری خواہد اظہار فضلی کند و کمتر مطلب بیان کردنی دارد و اگر دارد بجای اینکہ حرف خود را بنویسد از در و دیوار صحبت داشتہ و کلمات مناسب فضل فروشی خود بدست آوردہ است نہ مناسب مطلبی کہ باید بنویسد۔'' (۲)

عین یہی حالت تھی ہندوستان میں فارسی نثر کی، بجز اس کے کہ ہندوستانی فضلا اور علماء اپنی علمی فضیلت کے اظہار کی ایرانی ادیبوں اور منشیوں سے بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے تھے۔ جو خطوط اور مکاتیب ہندوستانی ادیبوں نے ایرانی ادیبوں کو لکھے ہیں اور جو سفینوں میں محفوظ ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی ادیب اپنے علم و فضل کا اظہار زیادہ کرنا چاہتا ہے جب کہ مطلب کی بات اس کی تحریر میں بہت کم ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہے تو بجائے اس کے کہ اپنی بات بیان کرے ایسا لگتا ہے کہ در و دیوار سے باتیں کر رہا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس کی فضل فروشی کے مناسب تو ہیں اس مضمون کے مناسب نہیں ہیں جس کے لئے وہ لکھ رہا ہے۔

استاد سعید نفیسی اور ملک الشعراء بہار کے بیانات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے اسلوب بیان میں تکلف، تصنع اور پیچیدگی کی طرف ادیبوں کا جو عام رجحان شروع ہو گیا تھا بعد کے ادوار میں اس میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں استعارات و کنایات اور انواع و اقسام کے صناع و بدائع کے استعمال میں غیر معمولی مبالغہ سے کام لیا گیا۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری عہد اورنگ زیب کی نثر کے بابت جس کے ادیبوں میں بیدل بھی شامل ہے۔ ایک عام تبصرہ یوں کیا ہے:

''عہد اورنگ زیب کی نثری تخلیقات مقدار اور معیار دونوں لحاظ سے اہم ہیں۔ اس عہد میں تقریباً تمام اہم موضوع پر معیاری کتابیں لکھی گئیں جو تاریخ ادب میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔ یہ عہد خاص طور پر مکاتیب اور انشا کے لئے ممتاز ہے۔ اورنگ زیب نے خود مکتوب نگاری کی ایک صحت مند روایت قائم کی جس کا تتبع اس کے ہم عصر دانشوروں نے کیا۔ یہ مکاتیب سادہ بھی ہیں اور مرصع بھی لیکن موخر الذکر طرز ہی زیادہ مقبول تھا۔ بیدل، میر عبدالجلیل بلگرامی، نعمت خاں عالی اور خلیفہ شاہ محمد وغیرہ مرصع نگاری کے پیشواؤں میں تھے۔ (۳)

تقریباً یہ بات واضح ہوگئی کہ جس ماحول، معاشرے اور جس عہد میں بیدل سانس لے رہا تھا اس میں فارسی نثر نگاری کے بابت ادیبوں کے عام رجحانات کیا تھے۔ اب بیدل کے معاصر اور کچھ پہلے کے ادیبوں کی نثر کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ طغرای مشہدی: (متوفی ۷۲۴ھ)

''تابد ستیاری کاتب صنع ورق آفتاب از خط شعاع منور است، خانہ علم آن سحر رقم تاریکی ندیدہ روشن باد۔ جان من! قطعہ مشتمل بر دو بیت کہ بدست یکی از یاران فرستادہ بودند چراغ افروز دوستی گشت۔'' (۴)

۲۔ ابوالفضل: (متوفی ۱۰۱۳ھ)

''از ورود گرامی مفاوضہ و مطالعہ آن ابتہاج یافت۔ اللہ تعالیٰ آں خیر اندیش را بالذات دیر داراد۔ اگر ارسال رسل و رسائل را از قوہ بفعل نمی آرد، از اں سبب است کہ نسبت آشنائی بلکہ محبت تام بآں منظور نظر تربیت و عاطفت صاحب خود ندارد۔'' (۵)

۳۔ ظہوری ترشیزی: (متوفی ۱۰۲۵ھ)

''سرود سرایان عشرت کدہ قال، کہ بہ نورس سرایشان حال، کار کام و زبان ساختہ، بہ شہد شای عذب البیان اند، کہ چاشنی نغمہ ہای شکرین در رگ و پی دوایندہ۔ وخوش نفسان چمن نشاط، کہ بہ بط بساط انبساط پرداختہ، بہ زلال حمد خالقی رطب اللسان اند، کہ گل ترانہ ہای تر از شاخسار صوت و صدا دمانیدہ۔'' (۶)

۴۔ ناصر علی: (متوفی ۱۱۸۰ھ)

''دیوانہ از کائنات رمیدہ بخود آرمیدہ ناصر علی کہ از عنفوان شباب پر افشانی شہباز طبیعت ہمطرح کرگس مزاجان روزگار نگردیدہ۔ واز طلوع نخستین صبح شکار اندازی پلنگ ہمت از ہم پیشگی سگ طبیعتان زمانہ دست کشیدہ۔ امیران عالی مقام اگر بر فرش حصیرش قدم گذارند گرہ مائی تاراج آب کشیدن است۔'' (۷)

۵۔ ایزد بخش رسا (متوفی ۱۱۱۹ھ)

''زہی سالگرہی کہ سالش سرخوش بہار است، وگرہش برنگ غنچہ مایل خندہ ہای سرشار۔

در ہر سالش سایلان را جہان جہان نوید و در ہر گرہش ہزاران عقدہ امید۔ گرہش تخمیست درگلزمین حیات ابر اندیشہ دوانیدہ۔ یا دانہ سبحہ ایست کہ منجمان را داد یا حیی و یا قیوم با تمام رسانیدہ۔" (۸)

۶۔ مرزا طاہر وحید: (متوفی ۱۱۲۰ھ)

"ہر چند بتحریک دل دوستی ذاتی است، شوق بخامہ سخن سرا آشنا و نامہ موالات سیما رقم پذیر کلک والا می گردد۔ چون بدیدہ تحقیق ملاحظہ می رود انچہ قلم را بزبان می آید نظر بغلو اشتیاق حرفی است خود از کار دخنی کہ بر صفحہ نقش گیرد مانند ورق سادہ خالی از اعتبار۔ نہ قلم راز مکنون قلب محبت سرشت خبری کہ بدستیاری زبان سطری نگارد، و نہ دہان حوادث راز بانی کہ بقدم تحریر و مقال خود ہر گامی کہ باید بردارد۔" (۹)

۷۔ نعمت خان عالی: (متوفی ۱۱۲۰ھ)

"ما می دانستیم کہ فریفتہ شدن بہ زر خاصہ نوع سافل است، نہ عرض عام، و تو از جنس عالی خواہی بود۔ از ین حمایت و رعایت بہ دلالت تضمنی محکوم علیہ شد کہ این معنی در جمیع افراد تمام مشترک است۔ رسم سلطنت این بود کہ ترا بہ حدی رسانیم اما بہ ترحم کلی بہ ہمین جزو اکتفا فرمودیم کہ ہمچو اوسط قضایا نقل نمودہ از ین لشکر بیرون روی و مانند روی در آخر بیوت اردو باشی۔" (۱۰)

۸۔ عبدالجلیل بلگرامی: (متوفی ۱۱۳۸ھ)

"بر یک کروہ از بنگاہ برای نماز چاشتگاہ در صحرائیکہ قاعاً صفصفا بیان اوست، مسجدی از خیمہ بہار پیرایہ سودای لمسجد اسس علی التقوی بر پاشد۔ بادشاہ آفاق بہ منطوق اقم الصلوۃ لذکری، نماز اشراق خواندہ اوراق مسافت راہ بہ مقتضای کطی السجل للکتب طی نمودہ، داخل دولت خانہ ظفر آگین شدند۔" (۱۱)

۹۔ خلیفہ شاہ محمد (۱۰۸۵ھ میں اپنی تصنیف انشاء خلیفہ ترتیب دیا)

"تا وسمہ مشکبار غالیہ مویان، نازنین تسکین بخشای خونین جگران، سپہر وصفحہ رخسار مہوشان، زہرہ جبین رشک افزای مہر است، بہار جمال طراوت گلشن آمال و امانی، و نضارت حدیقہ عیش و کامرانی، گلگونہ عارض خوبی، خال چہرہ محبوبی سواد دیدہ وداد، سرمہ چشم اتحاد، مقبول ایزد

جہان آفرین، میاں شہاب الدین رنگ فروز گل و نالہ آموز بلبل باد۔" (۱۲)

یہ تھے بعض ادیبوں کی نثر کے نمونے جو بیدل کے معاصر تھے یا کچھ پہلے کے تھے اور اپنی نثر نگاری کے لئے مشہور تھے۔

ان نمونوں پر غور کرنے کے بعد اس اسلوب کی جو خصوصیات سامنے آتی ہیں ان کو درج ذیل نکات میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ استعارات و کنایات کے استعمال میں مبالغہ
۲۔ اضافات اور صفات کا تکرار
۳۔ انواع و اقسام کے صنائع و بدائع کا استعمال
۴۔ جملوں کا تکرار
۵۔ سجع اور قوافی کی پابندی
۶۔ عبارتوں میں تکلف اور تصنع
۷۔ جا بجا مناسب اشعار کا استعمال

یہ خصوصیات اس عہد کے اکثر ادیبوں، کیا ہندوستانی اور کیا ایرانی، میں پائی جاتی ہیں جن کی پابندی کے نتیجے میں مصنف کا مقصد اکثر پردہ راز میں چھپا رہ جاتا ہے یا مبہم اور نا قابل فہم ہو جاتا ہے یا اس میں کئی پہلو پیدا ہو جاتے ہیں جس میں کسی ایک کو بھی قطعی اور یقینی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کی نثر کو استاد بہار "نثر فنی" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:-

"چیز یکہ در نثر فنی عہد صفویہ (برابر عہد مغل در ہند) شباہتی بہ نثر قدیم دارد یکی سجع است، دیگر تکلفات شاعرانہ کہ موجب دشواری فہم و گم شدن سر رشتہ مطلب از دست خوانندہ می شود۔ وعلت این قسم دوم کثرت ملق وتعارف وتکرار مدح وآفرین واعادہ جملہ ہای مکرر در نیمواردمی باشد۔" (۱۳)

عہد صفوی (جو ہندوستان میں مغلیہ عہد کے برابر ہے) کی "فنی نثر" میں جو چیز قدیم نثر سے شباہت رکھتی ہے وہ ایک تو سجع ہے دوسرے شاعرانہ تصنع ہے جن کی وجہ سے قاری کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اور مطلب کا سرا ہاتھ سے گم ہو جاتا ہے اس دوسری قسم کا سبب تملق، تعارف اور تکرار مدح و تحسین ہے، نیز ان جملوں کا تکرار ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے اور اس ماحول میں فضل و کمال اور علم و دانش کا انحصار اسی امر پر تھا کہ ادیب اپنی بات کو انتہائی پیچیدہ، مرصع، مسجع اور مقفیٰ عبارت میں پیش کرے۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی تحریر

قاری کو متاثر کر سکتی تھی تو اسے درج بالا خصوصیات کی حامل ہونی چاہئے اور بیدل جو ادیب ہونے کے ساتھ اپنے عہد کا ایک نقاد بھی تھا، اپنے بعض خطوط میں بعض احباب کی تحریروں کی انہیں خصوصیات کی وجہ سے غیر معمولی تعریف کرتا ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔

بیدلِ کی نثر پر تذکرہ نگاروں کا تبصرہ:

اسی پس منظر، ماحول اور معاشرہ کو پیش نظر رکھ کر ہم بیدل کی نثری خصوصیات کا جائزہ لیں گے لیکن خود بیدل سے پہلے اس کے معاصر دانشوروں کی رائے اس کے بارے میں معلوم کریں گے۔

سر خوش لکھتا ہے:

''سلیقہ نوشتن نثرہای رنگین وعبارت پر مضامین خوب دارد۔'' (۱۴)

رنگین نثر اور مضامین سے معمور عبارت لکھنے کا سلیقہ اسے خوب آتا ہے۔

سراج الدین علی خاں آرزو لکھتا ہے:

''نثرش (چار عنصر) درکمال دقت وپاکیزگی است''۔ (۱۵)

اس کی نثر (چہار عنصر) انتہائی دقیق وباریک اور پاکیزہ ہے۔

خوشگو لکھتا ہے:

''درفن انشا منشی بی نظیر چنانچہ چہار عنصر ورقعات او برین دعوی دلیل ساطع است ودر نثر چیز یکہ عیانست چہ محتاج بیان''۔ (۱۶)

فن انشاء میں ایک بے مثال منشی ہے چنانچہ چہار عنصر اور رقعات اس دعوی کی واضح دلیل ہیں۔ نثر کی خصوصیات میں جو چیز واضح اور ظاہر ہے انہیں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

سید محمد بن عبدالجلیل لکھتا ہے:

''درجمیع فنون سخن، چہ نظم وچہ نثر صاحب قدرت است''۔ (۱۷)

نثر و نظم کے جملہ فنون میں اسے پوری توانائی حاصل ہے۔

آزاد بلگرامی لکھتا ہے:

''دراسالیب نثر رتبہ ارجمند دارد۔'' (۱۸)

نثر کے مختلف اسالیب میں اس کا پایہ نہایت بلند ہے۔

حسین قلی خاں لکھتا ہے:

''طرز جدید و مسلک نو اختراع کردہ، درنظم ونثر بغایت دست قدرت داشتہ۔'' (۱۹)

انہوں نے اپنا ایک الگ اور انوکھا انداز بیان ایجاد کیا نظم ونثر دونوں میں انہیں ید طولی حاصل تھا۔

قدرت اللہ گوپاموی لکھتا ہے:

''بہ انشا طرازی طاقت مالا کلام، نسائم النفس قدسیہ اش گلشن سخن را آب و رنگی تازہ بخشید۔'' (۲۰)

انشا نویسی میں وہ ایسی توانائی کا حامل تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی ذات قدسی صفات کی نسیم نفس نے گلشن سخن کو نئی آب وتاب اور انوکھا رنگ وروغن بخشا۔

یہ تو تھے خیالات بیدل کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں اور نقادوں کے۔ مجموعی طور پر انہوں نے رنگین، دقیق اور پاکیزہ نثر پر بیدل کی غیر معمولی توانائی کا اعتراف کیا ہے حتی کہ بیدل کے ایک دوست ایزد بخش رسا نے تو بیدل کے ذوق لطیف اور طبع رسا کو کسی تخلیق کی خوبی وخامی کی پرکھ کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ لکھتا ہے:

''......تحفہ کامل عیاریست کہ ہرچہ نہ سنجیدہ طبع رسای اوست، از حسن قبول معراست۔ وآنچہ نہ پسندیدہ فکر والای او، از زیور لطف مبرا۔'' (۲۱)

(بیدل کا ذوق) انتہائی معیاری ہے جو چیز اس کے طبع رسا پر پوری نہ اترے وہ حسن قبول کی دولت سے عاری ہے اور جو بات اس کی فکر والا کو پسند نہ پڑے وہ زیور لطف سے خالی ہے۔

بیدل کے زاویہ نگاہ سے ایک عمدہ نثر کی خصوصیات:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیدل کے سامنے ایک معیاری اور عمدہ نثر کی کیا خصوصیات رہی ہیں؟ رقعات، چہار عنصر اور نکات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نثر کی اہم ترین خصوصیات اس کے نزدیک متانت، نزاکت، رنگینی، روشنی اور سجع وقوافی ہیں۔

مرزا خسرو بیگ کے اسلوب نگارش کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

''بی تکلف درمقابل نشست این قلم، اگر خط جدار کوہ باشد چوں صدا، سینہ ہوامی خراشد۔ ودر برابر لطف عبارات نزاکت، اگر تحریر بوی گل بعرض رساند خامہ از رگ خارامی تراشد۔'' (۲۲)

اس قلم کی نشست کے مقابلے پر اگر پہاڑ جیسی مضبوط دیوار بھی ہو تو بلا تکلف آواز کی طرح وہ سینۂ ہوا کو چیرتی چلی جائے گی۔ اور پُر نزاکت عبارت کے لطف کے سامنے اگر تحریر پھول کی خوشبو پیش کرے تو قلم سخت پتھر کو بھی تراش کر رکھدے۔

اور ملا درویش والہ ہروی کے اسلوب نگارش کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

"......ملا درویش والہ ہروی، کہ تمکین عبارات متینش، بر رگ خارا، خط نسخ کشیدی و نزاکت مضامین رنگینش، بر لطافت بوی گل، افسون تبسم دمیدی۔" (۲۳)

ملا درویش والہ ہروی، جس کی متین عبارات کی تمکینی رگ خارا پر خط نسخ کھینچتی ہے (یعنی عبارت کی متانت کے مقابلے پر سخت پتھر کی متانت ہیچ ہے) اور اس کے مضامین رنگین کی نزاکت بوئے گل کی لطافت پر خندہ زن ہے۔

شاکر خاں کی طرز تحریر کی تعریف میں لکھتا ہے:

"امروز از عبارت دلنواز نامہ کیفیتی بر طبع قاصر پر تو انداخت، کہ اگر از متانتش دم زند، نفس بر رگ یاقوت، بار تمکین می تواند فروخت۔ و اگر بر نگینی تامل نماید، خیال از دیدہ تا دل، بہار می تواند اندوخت۔" (۲۴)

دلنواز نامہ کی عبارت سے آج طبع قاصر پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اگر اس کی متانت کا دعویٰ کریں تو سانس رگ یاقوت پر تمکین فروشی کرسکتا ہے (یاقوت سخت پتھر ہوتا ہے اس پر اپنی متانت اور سختی کا اظہار کرتا ہے) اور اگر اس کی رنگینی پر غور کرے تو قوت متخیلہ از دیدہ تا دل بہار اندوزی کرسکتا ہے۔

مرزا سہراب رونق کی نثر و نظم کے بابت لکھتا ہے:

"بالمعہ سطور نثرش نفس صبح را بغبار خجالت پیچیدن است۔ و در حسرت متانت نظمش موج گوہر را آب از بن دندان چکیدن۔" (۲۵)

اس کی نثر کے سطور کی چمک دمک کے سامنے نفس صبح کو غبار شرمندگی میں پیچ و تاب کھاتے ہی بنے اور اس کی نظم کی متانت کی حسرت میں موج گوہر کے منہ سے رال ٹپکے ہی بنے۔

قرآن پاک میں جو موزوں، مقفی اور موسیقی کے زیر و بم سے بھرا کلام آیا ہے اسے فصاحت کی علامت قرار دے کر لکھتا ہے:

"بسملہ کتاب، کہ بی نیاز معنی ساختہ است و مستغنی الفاظ پر داختہ، از کتابخانہ لوح محفوظ، بعبارت کمال موزونی منزل است۔ و ما بقی کلام اللہ ہمچنان ترتیب قوانی مسجع، منزہ از شائبہ خلل۔ انکار فروش کلمات موزون منبع منکران کلام الٰہیست۔ و عنان تاب طریقہ فصاحت پیرو ضلالت قدمان انحراف آگاہی۔" (۲۶)

"بسم اللہ" شریف جس نے معنی اور الفاظ سے بے نیاز کر دیا ہے، لوح محفوظ کے کتب خانے سے انتہائی موزوں عبارت میں نازل ہوئی ہے اور بقیہ کلام اللہ بھی مسجع قوانی سے مرتب ہو کر ہر قسم کے

شائبہ خلل و بدنظمی سے پاک ہے۔ موزوں الفاظ کی اہمیت کا منکر کلام الٰہی کے منکروں کا سرچشمہ ہے اور شیوۂ فصاحت سے روگردانی کرنے والا علم و دانش سے منحرف گمراہ لوگوں کا پیروکار ہے۔

ان تمام اقتباسات کو پیش نظر رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ بیدل کے نزدیک ایک معیاری نثر وہ ہے جس میں متانت، نزاکت، رنگینی، روشنی، قوافی و سجع کی خصوصیات کی رعایت رکھی جائے۔ اس لئے خود بیدل نے بھی ان خصوصیات کی رعایت رکھنے کی کوشش کی ہے جو اس کے نزدیک فصاحت و بلاغت کی علامات تھیں۔

بیدل کی نثر کی خصوصیات:

اب جبکہ اس کی تحریروں سے معیاری نثر کی یہ چھ خصوصیات مستنبط ہوتی ہیں ہر ایک خصوصیت پر جداگانہ بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ متانت: "متانت" لغت میں استواری، پائداری اور استحکام کا نام ہے (۲۷) اور کلام میں نثر ہو چاہے نظم، ایسی پختگی اور رزانت کا نام ہے کہ کوئی آدمی اس کے اندر الفاظ کی معمولی سی سستی، بے مائیگی اور سیاق و سباق سے بے ربطی کی نشاندہی نہ کرسکے۔ بیدل کے نزدیک متانت و رزانت کلام کی انتہا یہ ہے کہ ہر لفظ، ترکیب، جزو جملہ اور جملہ اپنی جگہ اس درجہ استواری سے جما ہوا ہو کہ پہاڑ بھی اپنے تمام تر استحکام کے باوجود اس کے مقابلے پر نہ ٹک سکے اور "رگ خارا" جو اپنی تمام تر سختی کے لئے مشہور ہے اور "رگ یاقوت" جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ آگ میں ڈالنے سے بھی ضائع نہیں ہوتا، ان الفاظ، تراکیب اور جملوں کی استواری کے مقابلے پر نہ ٹھہر سکے۔

یہ خصوصیت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے لئے ایک لمبے عرصے تک ریاض درکار ہے کیونکہ ہر لفظ کی روح اور مزاج سے پوری واقفیت کے بغیر ممکن نہیں ہے کوئی ادیب اس ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہوسکے۔ ڈاکٹر مندور اس خصوصیت کو ایک عمدہ ادب پارہ کے لئے رکن لازم تصور کرتے ہیں۔

"بسیاری از نویسندگان نمی دانند کہ یک اثر ادبی نفیس اثری است کہ در آن ہیچ کلمہ را نتوان بجای کلمہ دیگری گذاشت، زیرا در ہیچ زبانی کلمات مترادف وجود ندارد۔" (۲۸)

بہت سے ادیبوں کو نہیں معلوم کہ ایک عمدہ ادب پارہ یا شاہکار وہ ہے جس میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ کی جگہ نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ کسی زبان میں مترادف الفاظ کا وجود نہیں ہوتا ہے۔

بیدل نے بھی اپنے ایک خط میں لفظ کی روح، مزاج اور اہمیت سے ادیب کی واقفیت کو

فصاحت و بلاغت کی علامت قرار دیا ہے۔ لکھتا ہے:

''صاحب عیار دارالامتحان افکار سلامت، وقدرت انشایان دیوان بلاغت را، درشرایط
ابلاغ فصاحت، غور نقص وکمال الفاظ ضروریست۔'' (۲۹)

افکار سلامت کی امتحانگاہ کے معیاری ادیبوں اور دیوان بلاغت کے قادر الکلام انشا پردازوں کو فصاحت تک رسائی کے لئے منجملہ دیگر شرایط کے ایک شرط یہ ہے کہ الفاظ کی خامی و خوبی اور نقص و کمال پر خاص دھیان دیں۔

''لفظ کی اہمیت'' پر بیدل نے اپنی مثنوی ''عرفان'' میں بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ لکھتا ہے:

خواہ آسودہ خواہ تگ وپوست   ہر چہ لفظ ست معنی ای با اوست

چاہے ساکن ہو چاہے رواں ہر لفظ کا اپنا ایک مخصوص مفہوم ہوتا ہے۔

ہست ہر لفظ بیگمان و شکی   آشیان حقیقت ملکی

ہر لفظ بلاشبہ حقیقت ملکی کا ایک آشیانہ ہے

ہر یکی دام آرزو فگن است   صید حکم خواص خویشتن است

ہر لفظ اپنا مخصوص جال ڈالتا ہے اور اپنی خاص خصوصیات کو شکار کرتا ہے۔

این خواص آنزماں شود معلوم   کہ رسد معنیش بشکل رقوم (۳۰)

ان خصوصیات کا علم تب ہوتا ہے جب اس کا معنیٰ و مفہوم تحریری شکل میں سامنے آتا ہے۔

لہذا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بیدل ان کی اہمیت کا تو قائل ہو پر اپنی تحریروں میں اس کی رعایت نہ رکھتا ہو اور چونکہ اس مقالے میں اس کے بہت سے مقولے نقل ہوئے ہیں اور آئندہ صفحات میں بھی آئیں گے اس لئے یہاں اس کی نثر کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی یہ خصوصیت اس کی نثری اور شعری تخلیقات کے بڑے حصے میں ملتی ہے۔

۲۔ نزاکت: ''نزاکت'' لغت میں لطافت و ظرافت، نرمی و ملائمت اور زیبائی و دلکشی کو کہتے ہیں (۳۱) بیدل کے خیال میں کسی مضمون اور عبارت کی انتہائی نزاکت یہ ہے کہ پھول کی خوشبو اپنی تمام تر لطافت کے باوجود، اس کے مقابل پر نہ ٹک سکے۔ الفاظ کی استواری، اس معنیٰ میں کہ ہر لفظ اپنی جگہ اس طرح براجمان ہو کہ اس کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسرا لفظ نہیں رکھا جاسکتا، اگر اس لطافت کے ہمراہ ہو جو پھول کی خوشبو کی طرح کسی مخصوص جگہ کی پابند نہ ہو، بظاہر متضاد بات معلوم ہوتی ہے لیکن بیدل کے نزدیک دو متضاد خصوصیات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا ہی کمال فن ہے یہ ایسا ہی جیسے غالب نے کہا ہے:

سادگی و پرکاری، بیخودی و ہشیاری   حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

ظاہر ہے سادگی اور پرکاری دو متضاد خصوصیات ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان ایک حسین امتزاج پیدا کرنا اعلیٰ درجے کی دلکشی و رعنائی ہے۔ رقعات اور چہار عنصر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے اس انداز سے صرف دو شخصیتوں ملا درویش والہ ہروی اور مرزا خسرو بیگ کی تحریروں کی تعریف کی ہے جبکہ اس کے بہت سے احباب لکھا کرتے تھے۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ان دونوں حضرات کی نثر کے نمونے دستیاب نہیں ہیں۔ بہرحال یہ تبصرہ واضح کرتا ہے کہ بیدل خود بھی ان دو خصوصیات میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا شدت سے پابند رہا ہے۔

۳۔ رنگینی: رنگین لغت میں مختلف خوش نما رنگوں سے رنگی ہوئی اور منقش چیز کو کہتے ہیں لیکن مجازی طور پر فصیح، بلیغ، خوش بیاں اور خوش گفتار آدمی کو کہتے ہیں (۳۲)۔ اس لئے مضامین کی رنگنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام انتہائی دلکش، حسین، فصیح اور سیاق و سباق سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ بیدل کے نزدیک اعلیٰ درجہ کے رنگینی یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر خیال کو وہی لطف ملے جو موسم بہار کر دیکھ کر دل و دیدہ کو ملتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ لفظ ''بہار'' ایسے منظر کو ہماری نگاہوں کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے جس میں انواع و اقسام کے دلکش و دلآویز رنگ و بو کا ایک حسین امتزاج ہوتا ہے۔ کسی کلام میں یہ لفظ جبھی آسکتا ہے جب اس میں انواع و اقسام کی صنائع و بدایع اور استعارات و کنایات کا استعمال ہو۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بیشتر ادیبوں کے پاؤں پھسل گئے ہیں۔ انہوں نے صنائع و بدائع کے استعمال میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا کہ ان کی بات کا سرا ہاتھ سے گم ہو گیا لیکن اس کے استعمال میں اگر اعتدال اور میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہیں دیا اور اصل مقصود کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے دیا تو قوت متخیلہ اس سے بے اندازہ لطف اندوز ہوتی ہے۔ ایک مثال سے اس نکتہ کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ بیدل چہار عنصر میں ایک جگہ چھری پر سان دھرنے کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''از ناز کیہای پرداز کارد چہ نویسد، کہ اگر بسمل تصور لطافتش بخاطر آرد محتاج زخم دوبارہ می تواند گردید۔ واز کیفیت اختراع غلاف چہ نگارد، کہ اگر معنی شوخی عریانی بخیال اندیشد، خود را باین لباس تواند پوشید، تیغہ اش، درعرض صفا بر دم صبح می نازد۔ ودستہ بترتیب موزونی قطعہ بہشت می پردازد۔'' (۳۳)

(چھری کی آرائش اور سان کی نزاکت کے بابت کیا تحریر کریں؟ بس یہ سمجھئے کہ کوئی زخمی اور گھائل آدمی اپنے دل میں اس کی لطافت کا تصور کرے تو دوبارہ زخمی ہونے کی تمنا کرے اور خول کی ایجاد کی کیفیت کے بابت کیا لکھیں (بس یہ سمجھئے کہ) کوئی شوخ معنی اگر اپنی عریانی کا خیال کرے تو خود کو اس لباس سے آراستہ کرلے۔ اس کی دھار اپنی صفائی و پاکیزگی اور چمک دمک میں نفس صبح پر ناز کرتی

ہے اور اس کا دستہ اپنی موزونیت میں بہشت کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔

اس مضمون کو اگر ہم انتہائی سادہ اور استعارات و کنایات سے عاری الفاظ میں ادا کریں تو صرف ایک جملے میں ادا کر سکتے ہیں۔ چھری کی سان انتہائی نازک اس کا غلاف انتہائی خوبصورت، اس کی دھار انتہائی تیز اور اس کا دستہ انتہائی موزوں ہے۔

اس جملے کو پڑھ کر مقصد بغیر کسی زحمت کے سمجھ میں آ گیا لیکن بیدل کے خیال میں شاید قوت خیال کو اس سے کوئی لطف نہ مل سکا۔ لہذا اس معمولی سی بات یا مضموں کو ایک بلند مضموں بنانے کے لئے اور اس کی انتہائی نزاکت، لطافت، حسن اور موزونیت کو بیان کرنے کے لئے تشبیہات و استعارات کا سہارا لیتا ہے اور اسے وہ طول دیتا ہے جس سے مقصد تو معلوم ہوتا ہی ہے قوت خیال بھی اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ رقعات چہار عنصر اور نکات کا بہ غور مطالعہ واضح کرتا ہے کہ بیدل بڑی شدت سے اس خصوصیت کا پابند ہے اور بعض مواقع کو چھوڑ کر اکثر جگہوں میں وہ اس میں کامیاب رہا ہے۔ گویا جو کلام تشبیہات، استعارات اور کنایات سے خالی ہو وہ اس کے خیال میں اس بہار کی طرح ہے جو رنگ برنگے پھولوں سے خالی ہونے کی وجہ سے بے لطف ہو۔ گویا بیدل کے نزدیک ''فن'' نام ہے اس حسن و زیبائی کا جو انواع و اقسام کے صنائع و بدائع کے حسین موزوں و متوازن امتزاج سے پیدا ہوتی ہے اور اس سے صرف قوت خیال ہی لطف اندوز ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر مندور کا خیال ہے:

''مقیاس زیبائی در کار نویسندگی تنہا یک چیز است و آن این است کہ صنعت در آں بقدری متین و مخفیانہ بکار رفتہ باشد کہ بچشم نخورد و طبیعی نماید و معنی سہل ممتنع ہمین است۔'' (۳۴)

تحریر میں حسن کا معیار صرف ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ صنعت کا استعمال اس میں اتنی پختگی، استحکام اور پوشیدہ طریقے پر کیا گیا ہو کہ نگاہوں کو نہ کھٹکے اور فطری معلوم ہو۔ سہل ممتنع کے یہی معنٰی ہیں۔

اس معیار پر اگر ہم بیدل کی نثر کو پرکھیں تو ہمیں خلوص کے ساتھ اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس کی نثر ایسی نہیں ہے حقیقت میں ڈاکٹر مندور نے جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ بیسویں صدی کے شیوہ بیان کی دین ہے اور اگرچہ بیدل سے پہلے سہل ممتنع کے نمونے موجود تھے جیسے گلستاں سعدی لیکن گلستاں کو اگر مستثنیٰ کر دیجیے تو مجموعی طور پر صنائع و بدائع کی طرف عام رجحان ملے گا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیدل کے بعض معاصر ادیبوں کی نثر کے نمونے ہم نے پڑھے۔ درحقیقت بیدل جس ماحول میں زندگی گذار رہا تھا وہاں نثر رنگیں اور مرصع اپنے نقطہ عروج کو پہنچ چکی تھی اور علم و دانش اور فضل و ہنر کی ایک بڑی علامت تصور کی جاتی تھی۔ عنصر سوم میں جہاں بیدل نے اپنے اس فن کی دانستہ نمائش کی ہے اور احباب کی درخواست پر اور کبھی ادبی مقابلے میں شرکت کی غرض وغیرہ سے مختلف مناسبتوں سے نثر رنگیں اور

مرصع و مسجع پر اپنی غیر معمولی توانائی کا اظہار کیا ہے، لکھتا ہے:

''حاصل آنکہ این نظمہای متین نثر مجمل اند و این نثرہای رنگین نظم مفصل''۔ (۳۵)

غرض کہ یہ ''متین اور پختہ نظمیں''، ''نثر مجمل'' ہیں اور یہ ''رنگیں نثر'' ایک ''نظم مفصل'' ہیں۔

یہاں بیدل نے ''نثر رنگیں'' کو ''نظم مفصل'' کا نام دے کر ایک نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو ڈاکٹر نیر مسعود صاحب نے اپنی کتاب ''رجب علی بیگ سرور'' میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

رنگین نثر کو دراصل نثر اور شعر کے درمیان کی چیز کہنا چاہئے جس طرح شاعر اپنے خیال کو ادا کرنے کے لئے الفاظ کی خارجی اور داخلی شکل کے ساتھ تعداد حروف، اس کی تحریری شکل اور صوتیاتی آہنگ کو پیش نظر رکھتا ہے نثر رنگین کے ادیب کو الفاظ کے انتخاب میں اوزان و اشکال اور اس کی آواز کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علاوہ ازیں نثر رنگین میں ان تمام لفظی صنائع کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے۔

اسی چہار عنصر میں بیدل نثر کو ''پریشانی زلف کاکل'' یا ''آرائش گل'' سے تعبیر کرتا ہے:

''بعضی از دوستان کہ بمقتضای میلان طبیعت از رغبت نظم بذوق انشای نثر می پرداختند و از جمعیت مراتب حسن، پریشانی زلف کاکل غنیمت می شناختند۔

آنجا کہ تمیز محرم جز و کلست بیشی و کمی لازم انگور و ملست

در گلشن اعتبار قدرت سنجاں ''آرائش نظم غنچہ و نثر گلست'' (۳۶)

کان تک بکھری ہوئی زلف پریشاں کا جو حسین منظر نگاہوں کے سامنے پھرتا ہے وہی حسن نثر میں بھی محسوس ہو یا مختلف پھولوں کو موزونیت سے سجا کر جو گلدستہ تیار ہوتا ہے اور جو لطف اس سے ملتا ہے وہی لطف کسی نثری تحریر کو پڑھ کر حاصل ہو۔

۴۔ روشنی: ''روشنی'' سے مراد نثر کی ایسی خصوصیت ہے جس میں ابہام و پیچیدگی نہ ہو جو کسی نثر کے سمجھنے میں آڑے آتی ہے۔ بیدل کے نزدیک روشنی کی انتہا، جیسا کہ مرزا سہراب رونق کی نثر پر اس کے تبصرے سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس کی آب و تاب کے مقابلے پر نفس صبح اپنی تمام تر صفائی اور پاکیزگی کے باوجود خجالت محسوس کرے۔ یہ وہی خصوصیت ہے جسے ہم روانی سے تعبیر کرتے ہیں 'روانی'' ماخوذ ہے ''دریا کی روانی'' سے۔ کلام میں روانی سے مراد یہ ہے کہ مطلب کو سمجھنے کے لئے قوت فہم کو کہیں رکنا نہ پڑے ٹھیک جس طرح پانی اپنے بہنے میں کہیں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا ہے۔

اس توضیح کی بنیاد پر روشنی اور رنگینی میں ایک طرح کا تضاد ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے تقاضے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پھر بھی بیدل کے نزدیک ان دونوں خصوصیات میں ہماہنگی پیدا کرنا کمال ہنرمندی ہے۔ جب ہم انواع و اقسام کی تشبیہات و استعارات استعمال کرتے ہیں تو بہت

ممکن ہے عبارت کی روانی اور روشنی اس سے متاثر ہو لیکن بیدل کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس ''جام شریعت'' اور ''سندان عشق'' کے درمیان مطابقت اور شیشہ وسنگ میں ہم آہنگی پیدا کرے۔

صلاح الدین سلجوقی چہار عنصر کی نثر کے بابت لکھتے ہیں:

''چہار عنصر بہترین وروانترین نثرہای بیدلست''۔ (۳۷)

چہار عنصر بیدل کی بہترین اور رواں ترین نثر ہے۔

اور ''نکات'' کے نثر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بیدل واقعاً دریں راہ ہمان طریقہ عطار وجامی را پیمود ونخواست کہ آن نثرہای را کہ شعر منثور می خوانند، تماماً بمیان آرد ولی با این ہم گامی کہ قابل تذکر باشد برنداشت و در نثر نبوغی نہ کرد برای آنکہ از روح نظم خود بتواند بآں طبقہ کہ بشعر او چندان آشنائی نہ دارند، بہ زبان نثر کلاسیک تعبیری کند تا شرح پارہ غزلہای او گردد، لازم دانست کہ نکات رابروی کار آرد۔'' (۳۸)

بیدل نے یہاں درحقیقت عطار و جامی کا ہی انداز بیان اختیار کیا۔ اس نے وہ نثر لکھنی چاہی جسے 'شعر منثور' سے تعبیر کرتے ہیں اس کے باوجود اس نے اس میں کوئی قابل ذکر قدم نہیں اٹھایا اور نثر میں وہ وہ نبوغ اور کمال پیدا نہ کرسکا۔ جو لوگ اس کے شعری کلام سے پوری طرح واقف نہیں تھے انہیں اپنی نظم کی روح سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی باتوں کو اس نے کلاسیکی نثر میں بیان کردیا تا کہ اس کی بعض غزلوں کی شرح ہو جائے اس مقصد کے لئے اس نے ''نکات'' کی تصنیف ضروری سمجھی۔

جبکہ ''نکات'' کا بڑا حصہ (تقریباً دو تہائی یا اس سے بھی زیادہ) چہار عنصر ہی کا انتخاب ہے اور میری تحقیق کے مطابق یہ نکات من وعن اسی طرح نقل کر دیئے گئے ہیں جس طرح چہار عنصر میں تھے صرف غزلیات کا ان میں اضافہ ہے۔ استاد سلجوقی کے بیان میں یہ تضاد کہ ایک جگہ اس کی نثر کو رواں ترین نثر کہتے ہیں اور دوسری جگہ اسے نثر شخصی اور ذاتی کہتے ہیں جس میں اس نے کوئی کمال نہیں پیدا کیا ان متضاد تاثرات کو واضح کرتا ہے جو بیدل کی نثر کے مطالعہ کے دوران انکے صفحۂ ذہن پر ابھرے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دو متضاد خوبیوں کو ایک جگہ جمع کرنے اور ان میں ہماہنگی پیدا کرنے کی کوشش میں بیدل کہیں تو کامیاب رہا ہے اور کہیں ناکام رہا ہے جہاں اس کے پیش نظر اپنے حالات اور سوانح کا بیان کرنا ہے وہاں اس کوشش میں وہ کامیاب رہا ہے جیسے:

''اما طریق ارشادی بیان می نمایم و رمز اسراری بی پردہ می سرایم۔ بیمنت بی ساختگیہای تاریخ تولدت کہ زبان الہام بیان سر چشمہ زلال سعادت، محیط آبروی سیادت،

میر ابوالقاسم ترمذی قدس سرہ برشحات بشارت ''فیض قدس'' مخبر حال تقدس مآل اوست۔ وبروانی عبارت ''انتخاب'' مشعر زبان فضل اشتمال او۔ پیکر استعدادت راہیولای صور کمال دریافتہ ام۔'' (۳۹)

لیکن رہنمائی کا ایک اصول بیان کرتا ہوں اور بعض اسرار سے پردہ اٹھاتا ہوں کہ تیری تاریخ ولادت کی برجستگی کی برکت سے، جو سرچشمہ زلال سعادت اور محیط ابروی سعادت ابوالقاسم ترمذی قدس سرہ کے زبان الہام بیان نے لفظ ''فیض قدس'' کی خوشخبری دے کر جوان کے حال تقدس مآل کی اطلاع دیتا ہے اور لفظ ''انتخاب'' کی روانی سے جوان کی زبان فضل اشتمال کی نشاندہی کرتا ہے، تیرے پیکر استعداد کو میں نے صور کمالات کا ایک ہیولی تصور کیا ہے۔

اور جہاں مطلب کی ادائیگی سے زیادہ اپنے فن کی نمائش پیش نظر رہی ہے وہاں سلاست و روانی کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا نظر آتا ہے جیسے:

''طاؤس خرامی کلک مدعا رنگ آمیزی فوایدیست کہ در بعضی موسم شوق شگفتگیہای بہار نثرش گل افشان وضوح گردیدہ بود و بحسب اقتضای فصول اتفاق آشفتگیہای سنبلستان تحریرش مالیدہ۔ یعنی گوہری چند از فرط غلطانی بسلک رشتہ نظم نمی ساخت ودستہ گلی از ہجوم شگفتن بضبط غنچگی نمی پرداخت۔'' (۴۰)

یہ دونوں اقتباس چہار عنصر سے لئے گئے ہیں کیا دوسرے اقتباس کو رواں ترین نثر کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

شاید بیدل کی یہ خواہش بلکہ کوشش رہی ہے کہ اپنی نثر میں سعدی کی نثری خصوصیات پیدا کریں جو سہل ممتنع میں اعلیٰ ترین نمونہ ہے اور جس میں سعدی نے روشنی روانی، رنگینی اور صنائع و بدایع کا اعتدال کے ساتھ نہایت کامیاب استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ایک شعر میں وہ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

از گل و سنبل بہ نظم و نثر سعدی قانعم   ایں معانی در گلستاں بیشتر دارد بہار

سعدی کی نظم ونثر کو گل و سنبل مان کر میں نے اس پر قناعت کرلی ہے۔ اس خصوصیت کا اظہار گلستاں میں زیادہ ہوا ہے۔

لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نثر سعدی کی کیا خصوصیات ہیں۔ مشہور ایرانی ادیب جناب علی دشتی مرحوم ''قلمرو سعدی'' میں لکھتے ہیں:

''نثر سعدی درزمان خود این ابداع را داشت کہ از سنگلاخ تکلف وتصنع متداول زمانہ بیرون شد، بدون اینکہ از تزئین عبارات عاری شود۔ گلستان میان سادگی نثر پیشینیان کہ جز

برای ادای مقصود نمی نوشتند وسبک ہنرنمائی متاخرین کہ حسن انشاء را در کثرت تزئینات می پنداشتند قرار گرفت از ینرو مقبول طباع مختلف گردید۔‘‘ (۴۱)

نثر سعدی کی اپنے زمانہ میں ایک لاثانی خصوصیت یہ تھی کہ اپنے عہد کے متداول تکلف و تصنع کے سنگلاخ سے وہ باہر آگئی جبکہ عبارت کی آرایش و زیبائش میں کوئی فرق نہیں آیا۔ گلستان درحقیقت اگلے ادیبوں کی شیوہ سادہ نویسی کے جو صرف مقصد کی ادائیگی کے لئے لکھتے تھے اور پچھلے ادیبوں کے شیوہ ہنرنمائی کے درمیان جو انشا کی خوبی کثرت سے آرایش صنائع و بدائع کے استعمال میں مضمر سمجھتے تھے، واقع ہوئی ہے اسی وجہ سے لوگوں میں اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔

دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

’’سراسر گلستان نثر یست سادہ منزہ از حشو و در عین حال مرصع بشعر و آیات و امثال۔ بدون آنکہ در عبارت آں تعقیدی روی دہد و بنقل مطلب خللی رسد۔ زیرا گلستان میدان فضل فروشی نیست وسعدی ہنگامی بنگارش آن پرداختہ است کہ خویشتن راشناختہ وارزش کار خود را باز دانستہ۔ وغرض وی از تدوین این کتاب عرضہ داشتن فکر و تجربہ ہای پنجاہ و شش سال زندگانی خویش است۔ و در گلستان معلم و مرشد است و طبعاً انجام این امر با عبارت پردازی مباینت دارد۔‘‘ (۴۲)

گلستاں کی نثر سراسر سادہ اور حشو و زوائد سے پاک ہے۔ اسی کے ساتھ اشعار، آیات اور امثال و حکم سے وہ آراستہ ہے کہیں بھی اس میں کسی پیچیدگی اور تعقید کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ مطلب کی ادائیگی میں کوئی چیز آڑے آتی ہو کیونکہ گلستان فضل فروشی اور ہنرنمائی کا میدان نہیں ہے سعدی نے اس وقت اسے ضبط قلم کرنا شروع کیا جب وہ خودشناسی کی منزل پر پہنچ کر اپنے کام کی اہمیت سمجھ چکے تھے۔ اس کتاب کی تصنیف سے ان کا مقصد اپنی ۵۶ سالہ زندگی کے تجربات اور افکار و خیالات کو پیش کرنا رہا ہے۔ وہ گلستاں میں ایک معلم اور مرشد کا رول ادا کرتے ہیں اور فطری طور پر یہ امر عبارت پردازی سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کیا بیدل کی نثر کی اس طرح توصیف و توجیہ کی جاسکتی ہے؟ صمیم دل سے یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ بیدل نثر سعدی کی پیروی کی تمام تر کوششوں کے باوجود، اگلوں کے شیوہ سادہ نویسی اور پچھلوں کے شیوہ ہنرنمائی کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے اعلیٰ رنگین بیانی کے سختی سے پابند ہونے کی وجہ سے بعض مواقع پر اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے کہ روشنی و روانی وسلاست وصراحت کی خصوصیت رخصت ہوگئی ہے ار مقصد کی ادائیگی

بری طرح متاثر ہوئی ہے اس موضوع پر ’’بیدل کی نثر میں ابہام اور پیچیدگی‘‘ کے زیر عنوان ہم الگ سے بحث کریں گے۔

۵۔ سجع اور قوافی: سجع لغت میں کبوتر کی آواز کو کہتے ہیں اصطلاح میں سجع نام ہے اس امر کا شاعر یا ادیب ایسے الفاظ استعمال کرے جو کہ آخری حروف و وزن میں باہم ملتے جلتے ہوں۔ سجع کی تین قسمیں ہیں: متوازی، متوازن، مطرف۔ نثر میں سجع کا وہی مقام ہے جو شعر میں قافیے کا۔ (۴۳)

کلام میں موزونیت پر بحث کے دوران بیدل نے شاہ ملوک کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

’’......بمشق موزونی خامہ جہدی بر تراش کہ ہیأت انسان در کمال موزونی مصور است وہیکل بشری بصفت سنجیدگی تمام جلوہ گر۔ حیف باشد کہ ثمر این نخل مسجع پوچ برآید و عبارت این نسخہ مقطع مغشوش نماید۔‘‘ (۴۴)

انداز بیان کی موزونی کی خاصی ریاضت کرو کیونکہ انسانی ہیئت کدائی انتہائی موزوں اور سنجیدہ شکل میں ہی جلوہ گر ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ اس مسجع نخل کا پھل پوچ اور تہی مغز ہو اور اس مقطع نسخے کی عبارت میں کھوٹ اور نقص ہو۔

یہ تو خیر شاہ ملوک کا ارشاد تھا بیدل کے حق میں۔ اس سلسلے میں اس نے گفتگو کو طول دیتے ہوئے کلام اللہ میں سجع وقوافی کی بحث چھیڑ دی ہے اور اس اقتباس سے جو شروع میں نقل کیا گیا واضح ہے کہ وہ قرآن مجید کے سجع وقوافی سے بہت زیادہ متاثر ہے اور اسے وہ فصاحت و بلاغت کا ایک رکن لازم تصور کرتا ہے، لکھتا ہے:

’’انکار فروش ’’کلمات موزون‘‘ متتبع منکران کلام الہیت۔ وعناں تاب ’’طریقہ فصاحت‘‘ پیرو ضلالت قدمان انحراف آگاہی۔‘‘ (۴۵)

موزوں الفاظ کی اہمیت کا منکر کلام الٰہی کے منکروں کا پیرو ہے اور شیوۂ فصاحت سے روگردانی کرنے والا علم و دانش سے برگشتہ گمراہ لوگوں کا تابع ہے۔

نہ صرف قرآن پاک بلکہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء کی اہمیت بھی اسی وجہ سے ہے کہ وہ کمال فصاحت کی علامت ہے۔

یہ تھے وہ پس منظر اور محرکات جس نے بیدل کو اپنے کلام میں سجع وقوافی کی پابندی پر آمادہ کیا۔ چونکہ وہ اوزان اور آہنگ کا سختی سے پابند تھا اس لئے بہتر ہے اول وزن و آہنگ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر مندور لکھتے ہیں:

’’شک نیست کہ در نثر نیز وزن و آہنگ خاصی حکمفر ماست، اما مانند شعر اصول یکی و مشترکی

ندارد۔ در اروپا وزن نثر را نیز مانند وزن شعر مطالعہ می کنند۔ مقصود از وزن دو امر ست:
ا۔ کیت وریتم RYTHM (ایقاع) ۲۔ ہماہنگی حروف''۔
''کمیت'' عبارتست از مدت زمانیکہ برای خواندن یک جملہ ضرورت دارد و بدیہی است کہ
بین جملہ ہای مختلف از نظر کمیت واز راہ تساوی وتقابل باید تناسبی در کار باشد۔
''ایقاع'' عبارتست از واحد ہای متقارن و متکرر یک وزن۔ ایقاع گذشتہ از شعر در نثر نیز
ہست ولی میان ایقاع شعر و نثر یک اختلاف اساسی وجود دارد۔ چہ در نثر واحد ایقاع با واحد
کلمہ تطابق دارد امادر شعر این تطابق در بسیاری موارد نقض می شود و ایقاع ناچار بدون آنکہ
جملہ تمام شود در وسط کلمہ پایئین می آید۔
چون ہر سخنی طبیعۃً بواحد ہای تقسیم می شود، ناچار ہر نثری دارای ایقاع خواہد بود۔ زشتی و زیبائی
یک نثر بستگی با یقاع آن دارد۔ زیبائی ہموارہ در یکنواختگی و ہماہنگی ایقاعہا نیست چہ در
بسیاری موارد این امر تکلفی را پدیدی آورد کہ ملال انگیز است چنانکہ در سبکہای مصنوع
وبخصوص مسجع این نقص را بخوبی می توان احساس کرد۔ ناقدان برای نثر دو سبک کلی قایلند
: سبک متناوب و سبک مقطع۔ در نوع اول جملہ ہا بلند و در دوی کوتاہ است، در قرآن نیز آیات
مکی از نوع اول و آیات مدنی از نوع دوم است۔'' (۴۶)

نثر میں بھی بلاشبہ ایک طرح کا وزن و آہنگ ہوتا ہے لیکن شعر کی طرح اس کا کوئی واحد اور
مشترک اصول نہیں ہے، یورپ میں نثر کا وزن بھی شعر کے وزن کی طرح موضوع بحث ہے۔ وزن
سے مقصود دو باتیں ہیں اول کمیت اور آہنگ (Rythm) دوسرے حروف کی ہماہنگی۔

کمیت یا آہنگ اس مدت کو کہتے ہیں جس کی ایک لفظ کے پڑھنے میں ضرورت پڑتی ہے ظاہر
ہے مختلف جملوں کے درمیان تساوی و تقابل کے لحاظ سے ایک تناسب کی ضرورت ہوتی ہے۔

''ایقاع'' کہتے ہیں ایک وزن کی ساتھ ساتھ اور بار بار آنے والی اکائیوں کو۔ ''ایقاع'' شعر
کے علاوہ نثر میں بھی ہوتا ہے لیکن شعر اور نثر دونوں کے ایقاع میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے کیونکہ نثر
میں ایقاع کی اکائی لفظ کی اکائی سے ہم آہنگ ہوتی ہے لیکن شعر میں یہ مطابقت اکثر جگہوں میں قائم
نہیں رہتی اور ایقاع مجبوراً جملہ مکمل ہوئے بغیر ہی وسط کلمہ میں آجاتا ہے۔

چونکہ ہر کلام فطری طور پر اکائیوں میں بٹا ہوتا ہے اس لئے ہر نثر لامحالہ ایقاع کی حامل ہوگی۔
کسی نثر کی خوبی اور خامی ایقاع سے وابستہ ہوتی ہے۔ حسن و دلکشی کا تعلق سدا ایقاعوں میں ہماہنگی اور
یکسانیت سے نہیں ہوتا ہے کیونکہ بہت سے مواقع میں اس کی وجہ سے تکلف بھی پیدا ہوجاتا ہے جو گرانی

طبع کا باعث ہوتا ہے چنانچہ مصنوع اور پر تکلف خصوصاً مسجع انداز بیان میں اس عیب کا احساس اچھی
طرح ہوتا ہے۔ نقاد حضرات نثر کے لئے عام طور سے دو اسلوب کے قائل ہیں: سبک متناوب اور سبک
مقطع۔ پہلے اسلوب میں جملے لمبے اور دوسرے میں چھوٹے ہوتے ہیں قرآن پاک میں بھی مکی آیتیں
پہلے اسلوب میں ہیں اور مدنی آیتیں دوسرے اسلوب میں۔

وزن اور اس کے ترکیبی اجزاء کے بارے میں ڈاکٹر مندور کی اس تفصیلی وضاحت کے بعد ہم
بیدل کی تحریر سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ بیدل ''نکات'' میں ایک جگہ لکھتا ہے:

''طبایع را تقلید اوضاع یکدیگر رہزن تحقیق است، و تبعیت عادات و رسوم مانع سیر منزل
توفیق۔ اکثر استعداد ہا در حجاب قوہ از فعل محروم ماند، و یکی از آنہا عنان خیال بعرصہ وقوع
نگرداند۔ فرصت سر زانو آنقدر دور ساختہ کہ بسعی دستہای برہم سودہ آوازش توان داد۔ و
کلفت تضییع اوقات بر روی حقیقت دیواری بر نیاوردہ کہ بجا کہای گریبان ندامت راہی
توان کشاد۔ جمعیت دل بشرط عزلت ہمہ را میسر است، اگر ہمصحبتان معذور دارند مطالعہ
نسخہ تسلی ہر کس در بغل دارد، اگر ہمدرسان بحال خود وا گذارند۔ آب در ہر طبعیکہ راہ یافت
تکلیف تری نمودنست۔ و آتش بر ہر مزاجیکہ غالب افتاد، سرگرم دکان حرارت کشودن۔
دیریان را بحکم تسلط رسوم سر از جیب بر نیاوردہ در خروش ناقوس غوطہ خواریست۔ و مسجدیانرا
سر حساب ادراک نفس ناگردیدہ ہمان تعلقہ سبحہ شماری۔ نہ برہمن را از کشاکش دام اختلاف
زنار تعلق گسیختن تا بتامل کوشد کہ ناقوسی دیرستان فطرت چہ آہنگ دارد۔ و نہ شیخ را از آفات
رجوع خلق بحصار تنہائی گریختن تا فہم نماید کہ لبیک طپید نگاہ کعبہ دل چہ سبحہ می شمارد۔''

(چہار عنصر ص ۳۲، ۳۳)

یہ اقتباس اگرچہ کافی طویل ہوگیا لیکن بیدل کی نثر میں کیت و آہنگ، ایقاع اور حروف کے
درمیان ہماہنگی کو ثابت کرنے کی غرض سے اس کا نقل کرنا ناگزیر تھا۔ تاکہ ہر جملے اور ایک وزن کی مکرر
اور متقارن اکائیوں کے پڑھنے کا وقفہ پوری طرح واضح ہوجائے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ترکیبوں اور جزو
جملہ کے درمیان مناسب فاصلے کی ایک جدول پیش کی جائے۔

حروف اور بار بار آنے والی اکائیوں میں ہماہنگی

طبایع را	تقلید اوضاع یکدیگر	رہزن تحقیق است	
و	تبعیت عادات و رسوم	مانع سر منزل توفیق	تقابل

اسی طرح دوسرے جملوں پر غور کیجئے۔ ان دونوں جملوں کے درمیان پڑھنے کے وقفہ کے لحاظ

سے جو تناسب، تساوی اور تقابل پایا جاتا ہے، اسی طرح وزن کا دوسرا جز یعنی حروف کے درمیان ہماہنگی اور ساتھ ساتھ آنے والی اکائیاں بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ بیدل کی تحریروں میں سبک متناوب اور سبک مقطع دونوں اسلوب بیان پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ بیدل کو اپنے کلام میں وزن و آہنگ پیدا کرنے پر اعجاز کی حد تک قدرت تھی۔

ڈاکٹر علی شریعتی لکھتے ہیں:

''بنظر من در یک نوشتہ چہار گونہ موسیقی را باید مورد مطالعہ قرار داد: ا۔ موسیقی حروف ۲۔ موسیقی کلمات ۳۔ موسیقی جملہ ہا ۴۔ موسیقی کلی نوشتہ ہا کہ از آغاز تا انجام چہ آہنگی را۔ پیروی کردہ و ایں آہنگ ہمگام با معنیٰ چہ تحولاتی را یافتہ است۔'' (۴۸)

یعنی میرے خیال میں ایک تحریر میں چار قسم کی موسیقی کا جائزہ لینا چاہیے۔ ا۔ حروف کی موسیقی ۲۔ الفاظ کی موسیقی ۳۔ جملوں کی موسیقی اور ۴۔ پوری تحریر کی مجموعی موسیقی کہ شروع سے آخر تک کس آہنگ کی پیروی کی ہے اور اس آہنگ نے معنیٰ کے ساتھ مل کر کیا انقلاب اس میں برپا کیا ہے۔

بیدل کی نثر کو اس معیار پر پرکھنے کے لئے اقتباس زیر ملاحظہ ہو:

''اہل زندگی را تا کشاکش نفس باقیست بستگی ابواب تردد محال است و تا رشتہ عمر پیچ و تابی دارد کمند پریشانی را چین کوتاہی وہم وخیال''۔ (۴۹)

زندوں میں سانس کی کشاکش کا سلسلہ جب تک باقی ہے ان کے لئے تردد کے دروازے کا بند ہونا محال ہے اور ان کی عمر کے دھاگے میں جب تک پیچ و تاب موجود ہے پریشانی کے کمند میں شکنیں نہ پڑنا وہم وخیال ہے۔

ان جملوں پر اگر غور کیجئے تو اس میں چاروں قسم کی موسیقی ملے گی۔ ان میں ہر حرف، لفظ اور جملہ اپنے سیاق وسباق کے ساتھ ایک ہم آہنگی رکھتا ہے جس میں موسیقیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور کہیں بھی ذوق کو کسی قسم کی گرانی اور زبان کو ثقالت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ یہ موسیقی اس سبک متناوب یعنی لمبے جملوں میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا اور سبک مقطع یعنی چھوٹے جملوں میں بھی پائی جاتی ہے مثال کے طور:

''دوش مزدور/ جز با خمیدن/ سری ندارد/ وگردن غیر تسلیم/ از ہیچ جیبی/ سر برنمی آورد۔'' (۵۰)

(مزدور کے کاندھے کو جھکنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور غیر تسلیم گردن (جو گردن اپنے کو حالات کے حوالے نہ کرے) کسی بھی گریباں سے سر نہیں اٹھا سکتا۔

یہ موسیقی بیدل کی منظوم تخلیقات میں نسبتہً زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

بیدل کا اسلوب:

غرض ان پانچ خصوصیات کی پابندی نے بیدل کی نثر کو ایک مخصوص رنگ و روپ عطا کیا جو دوسروں کے اسلوب سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ بیدل نے اپنے ایک شعر میں اسلوب نگارش کو ''شیریں تر'' کا ٹائٹل دیا ہے جو اسے بڑھاپے میں حاصل ہوا۔

بہ پیری گشت بیدل طرز انشای تو شیریں تر ندانم اینقدر لعل کہ قند آمیخت با شیرت

بیدل! بڑھاپے میں تیرے طرز انشا میں بڑی شیرینی اور حلاوت پیدا ہوگئی ہے، جانے کس لب لعل نے تیرے دودھ میں اس قدر شکر گھول دی ہے۔

بیدل کے اس مخصوص اسلوب بیان کو بعض یورپین نقادنے ''ریالیزم'' (Realism) حقیقت نگاری یا اصلیت نگاری سے تعبیر کیا ہے۔

مشہور مستشرق الکزنڈر بوزانی (Alexandar Buzani) واحد یورپین شخص معلوم ہوتا ہے جس نے بیدل کا باقاعدہ سنجیدہ مطالعہ کیا ہے اس نے بیدل کی تخلیقات سے متعلق چند مقالے لکھے اور ''ریالزم بیدل'' کے تحت کابل یونیورسٹی کے آڈیٹوریم ہال میں ایک لکچر دیا تھا۔ اس میں اس نے بیدل کو ریالیزم (حقیقت نگاری) کے اسلوب کا ایک نمایاں نمائندہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

''ریالیزم'' (حقیقت نگاری) ایک ایسا اسلوب ہے جس پر یورپین مصنفین اپنے ادب کو پرکھتے ہیں۔ اس اسلوب کے بابت سعید نفیسی مرحوم لکھتے ہیں:

''ریالیزم آن روشیست کہ طبعیت را در ہمہ مظاہر واقعی وحقیقی محسوس آن با زشتی و زیبائی کہ دارد معرفی کنند وجلوہ بدہند وسعی نکند کہ برخی از مظاہر آنرا پنہان کنند یا اینکہ تغییر بدہند حتی زیباتر بکنند و ہر چہ را کہ ہست ہمچنانکہ ہست شرح دہند۔'' (۵۱)

ریالیزم فطرت کا اس کے تمام تر محسوس اور حقیقی مظاہر میں اس کی خوبیوں اور خامیوں سمیت تعارف کرانے کا نام ہے۔ بعض مظاہر کو چھپانے یا بدلنے حتی کہ اسے زیادہ حسین اور دلکش بنا کر پیش کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ جو چیز جیسی ہو اس کو اسی طرح بیان کیا جائے۔

گویا ریالیزم نام ہے حقائق و واقعات کی ترجمانی کا عین اس شکل میں جس میں وہ خارج میں موجود ہیں۔ اب آپ پروفیسر بوزانی کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔

موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بیدل کے پٹنہ سے مہسی کے سفر کے واقعہ کا ایک اقتباس پیش کیا ہے جو ۱۰۷۰ ہجری ۱۶۵۹ء میں پیش آیا تھا اور بیدل کے حالات کے ضمن میں اس کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اور اس واقعہ کی تحلیل وتجزیہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''ہر کسیکہ با ادبیات کلاسیکی فارسی آشنا باشد، باید تاکید کند قصہ ای بدین طرز در ادبیات فارسی کمیاب است کہ نقل کنندہ ہمہ تفاصیل زمان و مکان را اہمیت مخصوص می دہد۔ مانند شیخ سعدی نمی گوید کہ روزی، در جائی یا در شہری کسی را دیدم وغیرہ بلکہ راہ ہا، اوقات، فاصلہ ہا، شکل و موقعیت اشیا را با کمال دقت توصیف می نماید ثانیاً باستثنای جملہ شمارہ (۹)'' کہ در آن جہد راحتی جہد ناتوانی را ستایش می نماید۔ رشتہ سخن بوسیلہ جملہ ہای شامل بر پند و نصیحت ہیچ وقت قطع نمی شود بلکہ گذشتہ از پیچیدگی استعارات کہ بعد اُزاں حرف خواہم زد، بطور بسیار سادہ و مستقیم پیش می رود الخ۔ (۵۲)

جو آدمی فارسی کے کلاسیکی ادب سے واقف ہے اسے معلوم ہے کہ اس قسم کی کہانی فارسی ادبیات میں بہت کم پائی جاتی ہے جس میں نقل کرنے والا زمان و مکان کی ساری تفصیلات کو اہمیت دیتا ہے اور شیخ سعدیؒ کی طرح نہیں کہتا کہ روزی، (کسی دن) جائی۔ (کسی جگہ) یا ''شہری'' کسی شہر میں کسی کو دیکھا ہے بلکہ راستوں، اوقات، فاصلوں اشیاء کی شکل و صورت اور اس کی حالت و کیفیت کو انتہائی دیدہ ریزی سے بیان کرتا ہے دوسرے جملہ شمارہ ۹ کو چھوڑ کر جس میں جدوجہد بلکہ جہد ناتوانی کی تعریف کرتا ہے اور جو پند و نصائح پر مشتمل جملوں پر مشتمل ہے کی وجہ سے کلام کا فطری تسلسل اور ربط کبھی ختم نہیں ہوتا بلکہ پیچیدگی استعارات کے علاوہ جس پر بعد میں بحث کی جائے گی انتہائی سادہ اور براہ راست آگے بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

حقیقت نگاری سے وابستہ تفصیلات اور جزئی و خصوصی واقعات کو کلاسیکی افسانہ نگاری اور قصہ نویسی میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی بلکہ ان کا تذکرہ تک نہیں ہوتا تھا، یہاں انتہائی دیدہ ریزی کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں مثلاً ''درخت پر برگ'' پتوں سے لدا پھندا درخت) یا ''مادیاں بچہ دار'' (بچے دار گھوڑی) یا شمارہ ۷، ۱۷ اور ۱۸ نمبر کے جملوں میں مؤلف کی تمام مایوسانہ حرکتیں، جملہ ۱۷ میں لفظ ''رداء'' کا تذکرہ وغیرہ۔ ممکن ہے سعدی اس رداء کو جس پر وہ سویا ہے، بدل کر صرف ''روی زمین خوابیدم'' کہتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک سبک شناسی کی اہمیت نہیں ہے لیکن حقیقت نگاری (ریالیزم) نہ صرف سعدی یا کلاسیکی عہد کے دوسرے فارسی ادیبوں کی تخلیقات کے موازنہ سے معلوم ہوتی ہے بلکہ ان ادیبوں کی تخلیقات کے موازنہ سے بھی معلوم ہوتی ہے جنہوں نے کلاسیکی عہد کے بعد کچھ لکھا ہے۔

پھر اسی قسم کے اقتباسات مرکزی ایشیا کے مشہور ادیب زین الدین واصفی (صاحب بدائع الوقائع) اور ایران کے ادیب و شاعر علی حزین کے (تذکرہ احوال) سے جو مسافرت سے وابستہ ہے، نقل کرکے اس کی تحلیل و تجزیہ کرتا ہوا بیدل کے اسلوب سے اس کا موازنہ کرتا ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے:

''در سبک نقل کردن اتفاقات، بیدل شاید برای دفعہ اول در تاریخ ادبیات فارسی بہ اتفاقات غیر عمومی بہ اشیاء جزئی اہمیت می دہد و طرز وی ''سمبولیک'' نیست بلکہ ''فرصتی است۔'' (۵۳)

واقعہ نویسی کے اسلوب میں بیدل پہلا شخص ہے جس نے فارسی ادب کی تاریخ میں غیر عمومی واقعات اور جزئی چیزوں کو بھی اہمیت دی ہے یہاں اس کا اسلوب سیمبولک (رمزیاتی نہیں بلکہ فرصتی (وصفیاتی) ہے۔

پھر فرصت پر بحث کے بعد لکھتا ہے:

''اشخاصیکہ بیدل را پیشقدم ماتریالیزم می دانند از خودمی پرسند کہ چرا بیدل اینگونہ سبک را اختیار کردہ و ہیچ جواب دادہ نمی توانند۔ اما این سبک برای بیدل دوست برای نیل مقصود او مفید بودہ یعنی درہم شکستن پلاتونیزم ادبیات کلاسیک فارسی و باز کردن برای مکان از ریالیزم بعبارت دیگر اگر بیدل سبک عادی را بکار می برد البتہ ہمان سبک وی را مجبور می کرد دوبارہ بہ سمبولیزم ادبیات قدیمی بیفتد درصورتیکہ بوسیلہ این سبک بدیع قادر است بفرصت بہ حقایق این دنیا جلب توجہ کردہ و اتفاقات کہ برای سبک کلاسیک فاقد ہر گونہ اہمیت بودہ بطور دقیقتر مطالعہ و ابراز نماید۔'' (۵۴)

جو لوگ بیدل کو میٹریالزم (مادہ پرستی) کا پیشرو سمجھتے ہیں وہ خود آپ سے پوچھتے ہیں کہ بیدل نے ایسا اسلوب کیوں اختیار کیا؟ لیکن کوئی جواب انہیں اس کا دیتے نہیں بن پڑتا۔ یہ انداز بیان بیدل دوستوں کے نزدیک اس کے حصول مقصد میں کارآمد تھا یعنی فارسی کے کلاسیکی ادب کے پلاٹونزم (فلاطونیت) کو توڑنا اور ریالیزم کے امکان کو دوبارہ الم نشرح کرنا۔ دوسرے الفاظ میں بیدل نے اگر عام اسلوب اختیار کیا ہوتا تو یہی اسلوب اسے ادب کے سمبولیزم (رمزیاتی اشاریت، مصوری اور شاعری کی وہ طرز جو زمانہ حال میں فرانس سے نکلی ہے جس میں اشیاء اور خیالات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے اشارات اور کنایات سے کام لیا جاتا ہے(۵۵))۔ میں دوبارہ گرفتار ہونے پر مجبور کر دیتا جبکہ اس نرالے اسلوب کی بدولت اسی میں صلاحیت تھی کہ ''فرصت'' یا اس دنیا کے حقائق پر لوگوں کی توجہ مبذول کرانے اور ان واقعات کا جو کلاسیکی اسلوب میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے، دقیق و عمیق مطالعہ کرے اور انہیں ظاہر کرے۔

ایک طرف بیدل کو زمان کے جزئی فرصت و اتفاقات کے گوناگوں رنگ سے دلچسپی ہے اور اس امر میں وہ ہمارے جدید ادیبوں سے مشابہت رکھتا ہے تو دوسری جانب اپنے تجربات کو بیان کرنے

کچھ لئے وہ ایسے استعارات استعمال کرتا ہے کہ ہر جزئی چیز یا ہر ذرہ جو اس کے دقیق قلم کے زیر اثر آتا ہے مخصوص توانائی حاصل کر لیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بوزانی نے بیدل کی نثر کی جو تحلیل و تجزیہ کیا ہے اس کے بعد اسے ریالیزم سے مشابہت دی ہے وہ ایک حد تک دلائل و براہین پر مبنی ہے اور ان کے سارے افکار و خیالات کا صرف ایک جملے میں اس طرح خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

بیدل نے اپنے گرد و پیش کے حالات و کیفیات بلکہ غیر اہم جزئیات کی تصویر کشی پر غیر معمولی توانائی، مہارت اور ذوق کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور یہی ریالیزم ہے۔

اس طرح وہ بیدل کے اسلوب کو اگلے اور معاصر ادیبوں کے اسلوب سے زیادہ اہم قرار دیتا ہے اب ذرا استاد صلاح الدین سلجوقی کے خیالات ملاحظہ ہوں جو بوزانی کے خیال سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

"بیدل چیزی را کہ بر حسب فطرت خود اظہار کردہ است نظم اوست و طبیعی است در نثر یکہ او بآن المامی نداشتہ تابع عصر خود بودہ است۔ واز نیز و نثر او عین ہمان نثر بست کہ دیگران می نوشتند بفرق اینکہ در ہر کلام شعوری و غیر شعوری بیدل نزعہ ای از تصوف است و در عین حال او ذاتاً نویسندہ مقتدر است۔" (۵۶)

بیدل نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق جس چیز کا اظہار کیا ہے وہ تو نظم ہے۔ نثر میں جس کی طرف اس کی طبیعت کا میلان چنداں نہ تھا، فطری طور پر وہ اپنے عہد کا پابند ہے۔ اس لحاظ سے اس کی نثر عین وہی نثر ہے جو دوسرے لوگ لکھا کرتے تھے اس فرق کے ساتھ کہ اس کے کلام میں شعوری یا غیر شعوری طور پر تصوف کی چاشنی موجود ہے اسی کے ساتھ ذاتی طور پر وہ ایک زبردست اور قادر الکلام ادیب بھی ہے۔

لیکن ریلیزم کی جو تعریف سعید نفیسی نے کی ہے اس کی بنیاد پر بیدل کو ریالیست نہیں کہہ سکتے کیونکہ جزئی واقعات کی منظر کشی میں اس نے کبھی کبھی اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے کہ قاری کو شبہ ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ واقعہ خارج میں اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح اس نے بیان کیا ہے یا اس میں کچھ نمک مرچ لگا کر پیش کیا ہے۔ اس دعویٰ کو ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ شاہ شجاع کے ایک فوجی دستے میں شرکت کے وقت جبکہ مرزا عبداللطیف کی قیادت میں وہ ترہت (مظفر پور) کے باغی راجاؤں سے برسرِ پیکار تھا، بیدل نے اپنے فوجی دستے کی دلیری کا نقشہ، جس میں وہ خود بھی شامل تھا، اس طرح کھینچا ہے:

"دلیری ہر پیادہ را کہ می دیدم داد مقابلہ صد سواری داد و ہر سوار یکہ می سنجیدم، با فوجہای جرار گران سنگ می افتاد۔" (۵۷)

جس پیادہ کی دلیری کو میں دیکھتا وہ سو سواروں سے مقابلے کی داد دے رہا تھا اور جس سوار کی دلیری کو دیکھتا ایک لشکر جرار کے ساتھ بھڑتا نظر آتا ہے۔

الٰہ آباد سے شاہ شجاع کی فوج کی شکست کی خبر جب مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے کو ترہت میں ملی تو وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ:

"زلزلہ ہای در بنیاد حاضران افتاد و انقلابی بتاراج ہوشہا دست داد، کہ ہول محشر خلایق را آنقدر نعل در آتش بنشاند۔" (۵۸)

حاضرین کی صف میں ایسا زلزلہ برپا ہوا اور ہوش و حواس کی تاخت میں ایسا انقلاب رونما ہوا کہ گویا قیامت کے ہولناک مناظر نے عوام کو نعل در آتش (بے چین و بیقرار) کر دیا ہو۔

ظاہر ہے جو آدمی کل تک اتنا بہادر تھا کہ سو سوار بھی اس کے سامنے نہیں ٹکتے تھے آج وہ اس قدر بزدل ہو گیا کہ شکست کی محض خبر سن کر ہوش و حواس کھو بیٹھا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ یہاں اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ بیدل کا مقصود اس مبالغہ آمیز بیان سے پہلی جگہ انتہائی دلیری اور دوسری جگہ انتہائی بزدلی دکھانا ہے لہذا ایک معمولی بات کو اپنے زورِ بیان سے بڑی بات بنا کر دکھانا یا ذرے کو خورشید، قطرے کو سمندر اور تنکے کو پہاڑ بنا دینا زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت کی علامت تو ہو سکتا ہے "ریالیزم" نہیں ہو سکتا۔

چہار عنصر اور رقعات میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں خود اسی سفر میں جس کا حوالہ بوزانی نے دیا ہے جو بیدل نے پٹنہ سے مہسی کا کیا تھا اسی طرح کی مثال موجود ہے۔ بیدل نے اس بدامنی کی جو اس وقت خاص طور سے دیہات کی سڑکوں پر پائی جاتی تھی اور اس کی وجہ سے سفر کرنا جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہ تھا، اس طرح تصویر کھینچی ہے۔

"خاصہ در راہ عبور دہات بآن صعوبت کہ شاہبازان نشیمن قدرت در آں فضاہا بملاحظہ غارت کمینی زاغ و زغن متاع بال و پر از آشیان بیرون نمی آوردند۔ و شیران کنام غیرت از ہر اس غالب آہنگی سگ و خوک جنس ناخن و دندان جز در چنگال و دہان محفوظ نمی دارند۔" (۵۹)

خصوصاً دیہات کے راستہ گھاٹ میں اس دشواری کے ساتھ کہ نشیمن قدرت کے شاہباز یعنی دلیر اور بہادر لوگ بھی اس فضا میں چیل اور کووں کی غارتگری کے پیش نظر متاع بال و پر کو آشیانے سے باہر نہیں نکالتے اور کنام غیرت کے شیر (سور مالوگ) کتوں اور سور کے غل غپاڑہ کے ڈر سے ناخن و دنداں کے جنس کو پنجوں اور منہ کے سوا کہیں محفوظ نہیں سمجھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ دلیر، بہادر اور سورما لوگ اور بیدل کی مخصوص تعبیر میں ’[شاہبازان نشیمن قدرت وشیران کنام غیرت‘‘ چیل اور کوے صفت رہزنوں کے ڈر سے اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے تھے تو وہ خود کیسے اس سفر پر روانہ ہوا؟ اس لئے اس کے سوا کوئی اور توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ بیدل کا مقصد اس مبالغہ آمیز بیان سے انتہائی بدامنی کی نشاندہی ہے نہ کہ واقعی یہ صورت حال تھی۔ کیا اسے ریالیزم کہہ سکتے ہیں اس کے برعکس راقم السطور اسے سمبولیسم سے تعبیر کرتا ہے۔ سعید نفیسی سمبولیسم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

’’سمبولیم وقتی است کہ در ادبیات سنتی پیداشدہ وتشبیہات فراوان کردہ اند ودر نتیجہ این تشبیہات صفات وافکار واحساسات حتی تصورات وتخیلات ہر یک نمایندہ ویا مظہر وسمبولی (SYMBOLE) پیدا کردہ اند مثلا سرو مظہر قدرعنا، گل مظہر روی تروتازہ، وسنبل ویا بنفشہ مظہر بوی وعناب مظہر لب ......در حقیقت سمبولیسم بیان روابط نہانی اشیا باروح انسانی است۔‘‘ (۶۰)

کلاسیکی ادب میں سمبولیزم کا عمل دخل اس وقت شروع ہوا جب اس میں تشبیہات کا استعمال کثرت سے کیا جانے لگا۔ ان تشبیہات کے نتیجے میں افکار وخیالات، جذبات واحساسات، تصورات و تخیلات میں سے ہر ایک چیز نے ایک نمائندہ، ایک مظہر یا سمبل کی شکل اختیار کر لی مثلاً سرو، قدرعنا کا مظہر ہے ’’گل‘‘ تروتازہ چہرے کا مظہر ہے ’’سنبل یا بنفشہ‘‘ خوشبو کا مظہر ہے اور ’’عناب‘‘ ہونٹ کا مظہر ہے.........در حقیقت سمبولیزم انسانی روح کے ساتھ اشیاء کے پوشیدہ روابط کے بیان کا نام ہے۔

بیدل کی نثر کا جو اقتباس اوپر نقل کیا گیا اس میں بھی ’’شاہبازان نشیمن قدرت‘‘ اور ’’شیران کنام غیرت‘‘ بہادروں اور سورماؤں کا مظہر ہے ’’زاغ وزغن‘‘ ’’سگ وخوک‘‘ ڈاکوؤں اور رہزنوں کا مظہر اور ’’متاع بال وپر در آشیاں وناخن ودندان در چنگال ودہن محفوظ نگہداشتن‘‘ عزت وآبرو اور متاع ہستی کے لٹنے سے حفاظت کا مظہر ہے۔

بیدل کی نثر میں ابہام اور پیچیدگی:

تشبیہات واستعارات اور انواع واقسام کی صنایع وبدایع کے استعمال کی پابندی نے بیدل کی نثر کو اگر ایک طرف سمبولیزم (اشاریت) کے قریب کر دیا تو دوسری جانب اس میں ابہام، پیچیدگی، تعقید، تکلف اور تصنع کا سبب بھی ثابت ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا ہمیں خلوص کے ساتھ اعتراف کرنا چاہیے۔

جن لوگوں نے بیدل کی نثر کو سب سے پہلے تنقید کا نشانہ بنایا ان میں اردو زبان کے ایک مشہور ادیب محمد حسین آزاد ہیں۔ انہوں نے سخندان فارس میں لکھا ہے:

’’جو اعلیٰ درجہ کے خیال بند کہلاتے ہیں ان کی تصنیفات میں مرزا بیدل کا چار عنصر اور رقعات وغیرہ ایک نامی نمونہ ہے۔ انہیں پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے۔ اضافت پر اضافت، استعارہ در استعارہ، فقروں پر فقرے۔ خیال در خیال برابر چلے جاتے ہیں۔ اس پر مقفع اور مسجع اتنے باریک ہوتے ہیں کہ نظر نہیں آتے اور جو کچھ ان سے سمجھ میں آتا ہے وہ اصل میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ الفاظ بہت خوشنما مگر سراسر مضمون مدعا غائب۔ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کیا کہتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں۔ آپ خیال فرمایئے کہ اس طرز میں اگر کوئی اخلاق یا کسی علم کی کتاب لکھی جائے یا کوئی سلطنت کا فرمان جاری ہو تو پڑھنے والوں پر کیا گذرے۔ کسی دوست کو ایک عرصہ کے بعد خط لکھا ہے مطلب کچھ نہیں فقط اتنی بات ہے کہ مدت سے سوچ رہا تھا کہ کس عذر کے ساتھ آپ کو خط لکھوں۔ اس سوچنے کو دیکھو:

’’مدتیست بیدل متحیر غبار دامن تامل بود تا بوسیلہ کدام طاعت سراز جیب تسلیم بدر آرد یا بواسطہ چہ خدمت قدم بہ عرصہ نیاز گذارد۔ انفعال نارسایہا بسامان عرق پرداختہ کہ تری از جبہہ تحریر تواند شست، وشرم ناتوانی بساط سرنگونی طرح نہ نمودہ کہ از خامہ جرات گردن افرازی تواں جست‘‘۔

اس طرز کے طرفدار ان فقروں کو پڑھتے اور لوٹ لوٹ جاتے ہیں کہ دیکھئے گا کیا سوچ ہے اور کیا عذر ہے، اور سلام بھی اسی میں آگیا اور نیاز بھی اور ندامت تو دیکھئے اس ڈھنگ کی پندرہ سطریں اور ہیں مطلب مدعا ہیچ۔‘‘ (۶۱)

پٹنہ کے مشہور محقق اور دانشور قاضی عبدالودود صاحب مرحوم سے ایک انٹرویو میں جب یہ موضوع زیر بحث آیا تو انہوں نے بھی محمد حسین آزاد کے خیال سے اتفاق کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ان تمام خوبیوں کے باوصف جن کا تذکرہ پچھلے اوراق میں ہوا، بیدل کی نثر میں پیچیدگی اور تعقید ہے دوسرے نقاد جو کچھ کہتے ہوں ان سے صرف نظر کیجئے تو خود بیدل نے متعدد خطوط میں اپنی اس خامی کا اعتراف کیا ہے۔ لکھتا ہے:

ا۔ ’’پر صریح است نامہ ہا یکسر در کسوت پیچیدگی بال کشاست، وتحریر ہا یکقلم در صورت ایجاز پرواز نما۔‘‘ (۶۲)

اس میں دو رائے نہیں کہ (میرے) خطوط سرتاسر پیچیدگی کا لباس پہن کر بازو پھیلائے ہوئے

ہیں اور (میری) تحریریں یکقلم ایجاز و اختصار کی شکل میں گرم پرواز ہیں۔

۲۔ ”تکلف وضع عبارات مخل معنی تحقیق مباد۔ وتصنع طرز تحریر تضییع اوقات حضور میناد۔“(۶۳)

عبارتوں کی شکل میں پایا جانے والا تکلف معنیٰ تحقیق کے سمجھنے میں خلل انداز نہ ہو اور طرز تحریر کا تصنع جناب والا کی تضییع اوقات کا سبب نہ ثابت ہو۔

۳۔ ”بحیرت نقش بستن سطور و الفاظ دلیلی است ناتوانیہای قدرت بیان و بہ پیچیدگی پرداختن طومار مکاتیب شاہد نارسایہای جرأت زبان“۔(۶۴)

الفاظ و سطور کا حیرت کے نقوش بننا قوت بیاں کی ناتوانی کی دلیل ہے اور خطوط میں پیچیدگی کا پیدا ہونا زبان کی نارسائی کا گواہ ہے۔

۴۔ ”دنفس پردازی تکلف عبارات در جناب آئینہ قباب ہنگامہ ساز گرد کدورت مباد۔ واطناب تصرفہای طبیعت در بارگاہ نزاہت پناہ بساط آشفتہ دماغی مچیناد۔“(۶۵)

عبارت میں تکلف پیدا کرنے کی کوشش جناب آئینہ قباب میں گرد کدورت کا ہنگامہ نہ کھڑا کرے۔ اور تصرفات میں طبیعت کی درازی بارگاہ نزاہت پناہ میں پریشاں دماغی کی بساط نہ بچھائے۔

ان خطوط میں بیدل نے اپنی تحریروں میں ابہام، پیچیدگی، تکلف اور تصنع کی خصوصیات کا صراحتہً اعتراف کیا ہے۔ اسی کے ساتھ خطوط کے یہ اقتباسات یہ بھی بتاتے ہیں کہ مکتوب الیہم نے بیدل سے اس کی تحریر میں پیچیدگی کی شکایت کی تھی ورنہ بیدل کو اس کے اعتراف یا اس کی توجیہ یا خدا سے اس کے مخل معنیٰ نہ ہونے کی دعا کرنے کی ضرورت نہ پڑتی افسوس کہ مکتوب الیہم کے خطوط نایاب ہیں ورنہ بیدل کی نثر میں پیچیدگی کے مختلف پہلوؤں کی تعیین و تشخیص میں وہ معاون ثابت ہوتے۔

جیسا کہ ہم نے پڑھا بیدل تحریر میں پیچیدگی اور ابہام کو زبان کی نارسائی اور بیاں کی ناتوانی کی علامت قرار دیتا ہے یعنی جب ادیب کے ذہن میں مضامین کا انبار ہو لیکن اس کی زبان و بیان ان کی ترجمانی سے عاجز ہو، اس کے باوجود وہ ان کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کرنا چاہے تو اس وقت تحریر میں پیچیدگی پیدا ہونا فطری امر ہے۔

لیکن جن لوگوں نے بیدل کی نثر کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ بیدل کو زبان و بیان پر کتنی قدرت ہے۔ یہ لوگ بیدل کے اس اعتراف کو اس کی کسر نفسی پر محمول کرتے ہیں۔

اس لئے دھیان رہے کہ بیدل کی نثر میں پیچیدگی کا سبب اس کی زبان و بیان کی نارسائی نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب صنائع و بدائع اور تشبیہات و استعارات وغیرہ کی کثرت استعمال ہے۔ وہ چار

اقتباسات بھی جو اس کے خطوط سے لے کر اوپر دیئے گئے اور جن میں اس نے اپنی ان کمزوریوں کا اعتراف کیا ہے تشبیہات اور کنایات سے بھرے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کوئی نکتہ یا کوئی بات بغیر تشبیہ و استعارہ کے کہنا نہیں چاہتا یا کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ پھر یہ کہ ہم اسے اس ماحول سے مستثنیٰ نہیں سمجھ سکتے جس میں اس کے معاصر ادبا اور فضلا زیادہ سے زیادہ مرصع، مسجع اور مقفیٰ نثر لکھا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خطوط میں بھی جہاں فضل فروشی اور ہنر نمائی کا موقع نہیں ہوتا اور جیسا کہ ہمارا تجربہ ہے ان کی اشاعت و طباعت کا چونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اس میں قدرے بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں اور تکلف و تصنع کی اس میں کم سے کم رعایت رکھتے ہیں لیکن یہاں بھی بیدل کا وہی مخصوص انداز ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ غیر شعوری طور پر اس کے قلم سے یہ تحریریں صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوتی تھیں اور اس کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ اپنے افکار خیالات کو پیچیدہ اور دشوار بنا کر پیش کرے۔

مشہور چکوسلواکی مستشرق یاں ریپکا (Jan Rypka) نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے:

> "The language of his prose is very difficult, even in the poet's letters so that the argument that Bedil used complex form only for the purpose of obscuring his ideas, is untenable."(۶۶)

اس کی نثر کی زبان بہت مشکل ہے حتیٰ کہ اس شاعر کے خطوط میں بھی یہی صورت حال ہے اس لئے یہ کہنا کہ بیدل نے پیچیدہ اسلوب کو محض اس لئے اختیار کیا تھا کہ اپنے خیالات کو دشوار اور پیچیدہ بنا کر پیش کرے، ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے۔

خود بیدل نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اپنے ذوق مشکل پسند اور طبع بلند پرواز کے ہاتھوں بے بس ہو کر سارے اختیارات کی باگ ڈور ہاتھ سے دے بیٹھا ہوں۔

نوشتم ہر چہ دل فرمود و خواندم ہر چہ پیش آمد   مرا بی اختیاریہا بہ خجلت متہم دارد (۶۷)

میں نے وہی کچھ لکھا جو میرے دل نے مجھے املا کرایا اور وہی کچھ مطالعہ کیا جو میرے سامنے آتا گیا میری بے اختیاری ندامت و پشیمانی کا الزام مجھ پر عائد کرتی ہے (مجھے شرمندہ کر دیا ہے)۔

ز تحریرم تواں کیفیت تسلیم فہمیدن   غرور کاتب اینجا سرنگونی تا قلم دارد

میری تحریر سے تسلیم و رضا کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ادیب کا غرور قلم تک جھکا ہوا ہے۔

حقیقت اور ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اس کی نثری تصانیف کے بعض حصوں میں پیچیدگی اور

ابہام موجود ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ راقم السطور کو بیدل کے مفصل حالات لکھنے کے دوران چہار عنصر اور رقعات کے بعض مقامات کو سمجھنے میں بڑی زحمت ہوئی بلکہ اشتباہ ہے اور ہنوز وہ دور نہیں ہوا۔ بیدل پر دوسرے لوگوں کی تحریریں پڑھیں تو انکو بھی اس میں مبتلا پایا۔ یہاں کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

''روزی در مدرسہ علما تقریر طرح اجلاسی قرار یافتہ بود۔ کورۂ اشتعال بحثی برہم تافتہ۔ دودانشمند بی انصاف عرصہ جولان لاف گرم داشتند۔ وبنواہای ضَـرَبَ یَـضـرُب علم خفت عقلی می افراشتند۔'' (۶۸)

ایک دن علماء کی درسگاہ میں تقریر کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا کورہ اشتعال (بھڑکانے والی دھونکنی) نے ایک بحث چھیڑ رکھی تھی جادہ حق وانصاف سے منحرف دو دانشمندوں نے لاف گوئی کا بازار گرم کر رکھا تھا اور ضرب یضرب کی گردان لگا کر عقل کی خفت ورسوائی کا علم بلند کر رکھا تھا۔

یہ اقتباس بیدل کے ترک مکتب کے واقعہ سے وابستہ ہے۔ یہاں کچھ تذکرہ نگاروں نے جیسے خوشگو (۶۹) حسین قلی خاں (۷۰) اور مشہور اردو ادیب نیاز فتحپوری (۷۱) نے ''دو دانشمند بی انصاف'' سے سے بیدل کا مقصد ''دو طالب علم'' سمجھا ہے دوسرے لوگ جیسے غلام حسن مجددی (۷۲) نے اس سے ''دو اساتذہ'' سمجھا ہے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک قرینہ موجود ہے جملہ ''بنواہای ضرب یضرب علم خفت عقل می افراشتند'' واضح کرتا ہے کہ یہ بحث مدرسہ کے دو طالب علموں کے درمیان کسی صرفی مسئلے پر چھڑی ہوئی تھی اور جملہ ''در مدرسہ علماء تقریر طرح اجلاسی قرار یافتہ بود'' واضح کرتا ہے کہ کسی صرفی یا نحوی مسئلے پر یہ بحث مکتب کے اساتذہ کے درمیان چھڑی ہوئی تھی۔ بیدل کے ایک شعر سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

آں کیست کہ گرد و طرف مولوی امروز — یک تیغ زباں دارد وصد نوک سنان بحث

۲۔ ''در مبادی شہر سادسہ از سال سادس والدہ مشفقہ باستفادہ خدمت اساتذہ سروش معنی گردید۔ وباستفہام ابجد تہجی عنان توجہ معطوف گردانید تربیتش ہفت ماہ تردد انفاس توام ورق گردانی بود در نہایت حول مسطور زبان عجز بیان را باختتام قران مجید فائز گردانید و دیدہ حیرت عنوان را بہ آشنائی نقوش وخطوط سرمہ داری بخشید۔'' (۷۳)

چھٹے سال کے چھٹے مہینے کے اوائل میں مادر مہربان حضرات اساتذہ کی خدمت سے میرے استفادہ کرنے کے لئے فرشتہ معنی ثابت ہوئیں اور حروف تہجی کے ابجد سے آشنائی حاصل کرنے کی غرض سے عنان توجہ میری طرف معطوف کی۔ ان کی تربیت میں سانس کی آمد ورفت سات مہینے ورق گردانی سے ہم آہنگ رہی۔ مذکورہ سال کے آخر میں خدا کے فضل وکرم سے زبان عجز بیان کو قرآن پاک

ناظرہ ختم سے مشرف کیا اور دیدہ حیرت عنواں کی حروف وخطوط سے آشنا کر کے سرمہ داری کی۔

یہ اقتباس والد کی وفات کے بعد، ماں کی زیر سرپرستی بیدل کی تعلیم وتربیت سے وابستہ ہے۔ اس عبارت کے سمجھنے میں لوگوں کو کیا کیا زحمتیں بلکہ اشتباہ ہوا ملاحظہ ہو۔ قاری عبداللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''در سن پنج ونیم مادر او را بمکتب فرستاد'' (۷۴)

ساڑھے پانچ سال کی عمر میں بیدل کو اس کی ماں نے مکتب روانہ کیا۔ جناب غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

''خواندن قرآن در شش ونیم سالگی آغاز و در مدت ہفت ماہ ختم در ین وقت مادرش فوت نمود۔'' (۷۵)

ساڑھے چھ سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنا شروع کیا اور سات مہینے میں ختم کر دیا۔ اس وقت ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔

خواجہ عباداللہ اختر لکھتے ہیں:

چھ سال چھ ماہ کی عمر تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا یہ در یتیم والدہ کی آغوش تربیت میں تعلیم پاتا رہا۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا''۔ (۷۶)

یہاں لوگوں کو کئی جگہ غلط فہمی ہوئی ہے پہلی جگہ جملہ ''در مبادی شہر سادسہ از سال سادس'' ہے جس کے معنی ہیں عمر کے چھٹے سال کے چھٹے مہینے کے اوائل یعنی جب پانچ سال پانچ مہینے اور چند دن کے بیدل تھے تو ان کی ماں نے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کی۔...... ہم دیکھتے ہیں کہ غلام حسن مجددی اور خواجہ عباداللہ اختر دونوں کو اس جملہ کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے جبکہ خود بیدل کے بیان میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

دوسرا جملہ ہے ''والدہ مشفقہ باستفادہ خدمت اساتذہ سروش معنی گردید'' جس کے معنی ہیں مادر مہربان حضرات اساتذہ کی خدمت سے استفادہ کرنے کیلئے میرے حق میں فرشتہ معنی ثابت ہوئیں۔ قاری عبداللہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان کی ماں نے بیدل کو حضرات اساتذہ سے استفادہ کے لئے مکتب بھیجا۔ خواجہ عباداللہ اختر اور غلام حسن مجددی نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ خود ان کی ماں نے ان کی تعلیم وتربیت اپنے پاس شروع کی۔

راقم السطور کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ بعد کے جملے ''باستفہام ابجد حروف تہجی عنان توجہ معطوف گردانید'' اور ''تربیتش ہفت ماہ تردد انفاس توام ورق گردانی بود'' واضح کرتے ہیں کہ اس کی ماں

نے ابتدائی تعلیم کیلئے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی سات ماہہ تعلیم و تربیت کے دوران اسے حروف تہجی کی آشنائی سے لے کر قرآن پاک ناظرہ ختم کرایا پھر اس کو اس لائق کر دیا کہ آگے کی تعلیم مکتب کے اساتذہ سے حاصل کر سکے یہی مفہوم ہے ''اساتذہ کی خدمت سے استفادہ کرنے کی غرض سے ماں کی سروش معنیٰ'' بننے کا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اسلامی معاشرے میں ہمیشہ سے یہی صورت حال رہی اور ہنوز ہے کہ ابتدائی تعلیم گھروں میں مائیں دیا کرتی ہیں۔

اس بنا پر بیدل کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ پانچ سال پانچ مہینے اور چندن کی عمر میں ماں کے سامنے اس نے زانوے تلمذ تہہ کیا اور سات مہینے کی تعلیم و تربیت یعنی تقریباً پورے چھ سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ مکمل کیا اس کے بعد ممکن ہے اس کی ماں کا انتقال ہو گیا ہو لیکن وہ خود ان کی زندگی اور موت کے بابت کچھ نہیں لکھتا ہے۔

۳۔ ''شخصی بزیارت سرچشمہ کرام پیر بسطام قدس سرہ رسیدند، وآبی در پیش آستانہ آئینہ نمودہ بود، چوں پر تو شمع ہمواری تحیر آسود۔ وبساط زمین بطلای محلول اندودہ۔ ملتمس کیفیت حال گردید، فرمود: تحقیق مخموری تر زبان مسئلہ حیا بود و بذوق نشأ تسلی ساغر سوالی می پیمود۔ گردش پیا نہ بیان بگر داب گذارش انداخت تا در بصورت سنگ بنای ہستی بطوفان عرق درباخت۔'' (۷۷)

بیدل نے اس عبارت میں مسئلہ ''حیا'' سے متعلق ایک واقعہ عطار کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' سے نقل کیا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور آستانے کے سامنے پیلا پانی دیکھ کر اس کا سبب دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا تھا اور ''حیا'' کی تعریف پوچھی میں نے اس کا جواب دیا تو نو وارد جواب کی تاب نہ لا کر پانی ہو گیا۔ اس واقعہ کو بیدل نے اپنے مخصوص اسلوب بیان میں استعارات و کنایات کے استعمال کی وجہ سے اتنا پیچیدہ بنا دیا کہ وہ چیستان بن کر رہ گیا۔ اسی واقعہ کو عطار کے الفاظ میں پڑھیے:

''نقلیست کہ روزی یکی در آمد و از ''حیا'' مسئلہ پرسید شیخ جواب داد۔ آنکس آب شد۔ مردی در آمد۔ آبی زرد دیدہ ایستادہ گفت: یا شیخ! ایں چیست؟ گفت یکی از در در آمد و سوالی از حیا کرد، و من جواب دادم، طاقت نداشت، چنیں آب شد از شرم۔'' (۷۸)

روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص (حضرت بایزید بسطامی) کے آستانے پر حاضر ہوا اور ''حیا'' کی تعریف پوچھی۔ شیخ نے جواب دیا۔ وہ آدمی پانی ہو گیا۔ پھر ایک اور آدمی داخل ہوا سامنے پیلا پانی دیکھ کر کھڑا ہو گیا پوچھا۔ اے شیخ! یہ کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا: ایک آدمی میرے پاس آیا تھا، اس نے

'حیا' کی تعریف مجھ سے پوچھی میں نے اس کی تعریف بتائی وہ اس کی تاب نہ لا کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

غور کیجئے کہ عطارؒ کا بیان کس قدر سادہ، سلیس اور عام فہم ہے جس کے سمجھنے کے لئے قوت فہم کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ اب اس کا موازنہ بیدل کے بیان سے کیجئے۔ کیا بیدل کے بیان سے بھی اسی سہولت سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے؟ راقم السطور نے بارہا اس عبارت کو پڑھا اور سمجھنے کیلئے اس میں رموز اوقاف بھی لگائے پھر بھی اس کا مفہوم پوری طرح واضح نہ ہو سکا تا آنکہ تذکرۃ الاولیاء کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

کیا اس ابہام و پیچیدگی کو زبان و بیان کی نارسائی کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ تشبیہات و استعارات کے مبالغہ آمیز اور مفرطانہ استعمال کا نتیجہ ہے۔

بالفاظ دیگر وہ بہت سیدھی سادی بات کو بھی سادہ، آسان اور سہل اور ہر قسم کے صنائع سے دامن بچا کر نہیں کہہ سکتا تھا اب اس مثال کا تجزیہ ملاحظہ ہو:

عطار: ۱۔ آبی زرد دید، ایستادہ گفت یا شیخ ایں چیست؟

بیدل: ۱۔ آبی در پیش آستانہ آئینہ نمودہ بود چون پر تو شمع ہمواری تحیر آسود و بساط زمین بطلای محلول اندودہ ملتمس تکلیف حال گردید۔

عطار: ۲۔ گفت: یکی از در در آمد۔ و سوالی از حیا کرد۔

بیدل: ۲۔ فرمود: تحقیق مخموری تر زبان مسئلہ حیا بود و بذوق تسلی ساغر سوالی می پیمود۔

عطار: ۳۔ و من جواب دادم طاقت نداشت و چنیں آب شد از شرم۔

بیدل: ۳۔ گردش پیانہ بیان بگرداب گذارش انداخت تا ازبصورت سنگ بنای ہستی بطوفان عرق درباخت۔

اس موازنہ سے واضح ہے کہ ابہام و پیچیدگی کا راز کس بات میں مضمر ہے۔

بیدل کا زور بیان:

تلاش کے بعد اس قسم کی اور مثالیں بھی مل جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیدل کو اپنے افکار و خیالات کی ادائیگی پر قدرت نہ تھی۔ راقم السطور کے خیال میں ان ''دُرد'' کے مقابلے پر ''صاف'' کی اور تلچھٹ کے مقابلے پر ''خالص'' کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ ادب کا صاف ستھرا ذوق رکھنے والا قاری اس کی تحریروں کو پڑھ کر بے انتہا لطف اندوز ہوتا ہے۔ بہت سے مقامات پر رقعات کے

ضمن میں ایسے برجستہ جملے اس کے قلم سے نکلے ہیں جو آفاقی صداقت کے حامل ہیں ان کو پڑھ کر ایک صاحب ذوق کی طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ راقم السطور نے اس قسم کے جملے اکٹھے کئے ہیں یہاں نمونہ کے طور پر چند ذکر کئے جاتے ہیں:

تسلیم ورضا: دوش مزدور جز باخمیدن سری ندارد، وگردن غیر تسلیم از ہیچ جبیبی سر برنمی آرد۔" (۷۹)

۲۔ علت سقوط: "اقرب اطواریکہ موجب ادبار ابنای زمان می باشد، شیوہ نا قدردانی است و برزیر دستان بلند ہمت سعی ایذارسانی۔" (۸۰)

۳۔ کمینوں کی پیروی: "متبعیت ناقدران شکنجہ مرگ صاحبدلان می باشد، واطاعت ناقصان دلیل فنای کامل صفتان۔" (۸۱)

۴۔ اضطراب اور زندگی کی کشمکش: "اجزای موج این دریا بشیرازہ تفرقہ بستہ است"۔ (۸۲)

"اہل زندگی را تا کشاکش نفس باقیست، بستگی ابواب تر ددمحال است۔ وتار شتہ عمر پیچ وتابی دارد کمند پریشانی راچین کوتاہی وہم وخیال۔" (۸۳)

۵۔ کرشمہ سازی اغراض: عذر افلاس در عالم غرض غیر مسموع است۔ (۸۴)

۶۔ نقش کائنات: ہر نقشی کی می بینی حرفیست کہ می شنوی۔ (۸۵)

۷۔ حیرت: ہر فردی از افراد کائنات آئینہ دار نمود تحیر است۔ (۸۶)

بیدل میں اظہار وابلاغ کی کتنی زبردست صلاحیت تھی اس کا اندازہ اس کی تصانیف نکات، رقعات اور چہار عنصر سے لگایا جاسکتا ہے۔ جہاں تک "عنصر سوم" کا تعلق ہے جیسا کہ "چہار عنصر" کے زیر عنوان ہم پڑھیں گے اسے خصوصیت سے رنگین نثر نگاری پر اپنی غیر معمولی توانائی کے اظہار کے لئے اس نے لکھا تھا اور جو مختلف مناسبتوں سے مقالے کی شکل میں اس کی نوک قلم سے نکلے تھے۔ منجملہ اس کے ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے "سرمہ اعتبار" جیسا کہ لکھا گیا در حقیقت ایک ادبی مقابلے کا نتیجہ تھا جو "باغ دہرہ" اکبر آباد میں میر کامگار خان کے اشارے پر منعقد ہوا تھا۔ ستائس ۲۷ سال کی عمر میں اتنی برجستگی اور بے ساختگی کے ساتھ "گرد وغبار" کے موضوع پر بیدل نے جو کچھ لکھا وہ اس کی صلاحیت و لیاقت، قدرت ومہارت اور ذوق وشوق کی واضح دلیل ہے۔ شیر خاں لودی نے کیا خوب لکھا ہے:

"این چند سطر از جملہ نثرہای میرزا عبدالقادر بیدل است کہ بتکلیف میر کامگار پسر عمدۃ الملک جعفر خان در تعریف "گرد وغبار" نوشتہ "وسرمہ اعتبار" نامیدہ۔ الحق اگر اہل نظران سرمہ سوادا این کلمات رانزدیک اعتبار کشند، رواست۔ واگر بتایید این سرمہ اعتباری از بلند

یہای فطرتش گیرند، سزاست۔ امروز اگر "ظہوری" در عرصہ ظہوری بود، "خفائی" تخلص می یافت۔ وبدست انصاف، عنان ادعاء نثر نویسی از جادہ سخنوری می تافت۔" (۸۷)

یہ چند سطور مرزا عبدالقادر بیدل کی نثر کے نمونے ہیں جو عمدۃ الملک جعفر خاں کے بیٹے میر کامگار کے حسب فرمائش "گرد وغبار" کی تعریف میں لکھے گئے اور اس کا نام اس نے "سرمہ اعتبار" رکھا۔ حق یہ ہے کہ اہل نظر حضرات اگر ان الفاظ کے سرمہ سواد کو اعتبار کا مرتبہ دیں تو روا ہے اور اس سرمہ کی تائید میں اگر اس کی بلندی فطرت پر اعتبار کریں تو بجا ہے۔ ظہوری اگر آج منصۂ شہود پر ہوتا تو اسے "خفائی" کا تخلص ملتا اور انصاف کے ہاتھوں نثر نگاری کے دعوے کی باگ جادہ سخنوری سے موڑ دیتا۔

شاید "رنگین نثر نویسی" پر اسی توانائی کی بدولت بیدل کے دوست احباب اس سے درخواست کرتے تھے کہ ان کی طرف سے خط لکھ دیں یا خط کا جواب دیدیں اور بیدل خوشی سے اس کام کو انجام دیتا تھا۔ درج ذیل تقریباً چھ خطوط اس نوعیت کے رقعات میں پائے جاتے ہیں:

۱۔ محمد نعیم کی طرف سے میر شرف الدین کو
۲۔ زین العابدین کی طرف سے مرزا محسن کو
۳۔ مرزا محمد بقا کی طرف سے شکر اللہ خاں کو
۴۔ شکر اللہ خاں کی طرف سے عاقل خاں کو
۵۔ شکر اللہ خاں اور شاکر خاں کی طرف سے فتو خاں کو
۶۔ شکر اللہ خاں اور شاکر خاں کی طرف سے عاقل خاں کو (۸۸)

شکر اللہ خاں اور شاکر خاں، جیسا کہ "نواب اور امراء" کے ذیل میں ہم نے پڑھا، قادر الکلام ادیب تھے۔ شکر اللہ خاں کے تنقیدی خیالات کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ یہاں اس کے درج ذیل اقتباس پر پھر غور کیجئے۔

"خوبی سخن کہ عبارت از عبارات شیرین والفاظ رنگین واستعارات نمکین واشارہ خوش آئین باشد، این ہمہ حسن معنی است۔ زیرا کہ بہ ضبط کلام وتناسب الفاظ استعارہ واشارہ باعتبار معنی می باشد، نہ باعتبار لفظ محض۔ قصد از ین عبارت این خواہد بود کہ مطالب اعلی اگر بالفاظ نامناسب بیان شود، لطفی ندارد....." (۸۹)

کلام کے حسن وخوبی کی علامت یہ ہے کہ اس کی عبارت شیریں ہو، اس کے الفاظ رنگیں ہوں، اس کی استعارات نمکیں ہوں اور اس کے اشارے خوش آئین ہوں، یہ نکتے حسن معنیٰ کے زمرے میں آتے ہیں کیونکہ نظم کلام اور تناسب الفاظ کے ساتھ استعارہ اور اشارہ کا استعمال معنیٰ کے اعتبار سے ہوتا

ہے۔ محض لفظ کے اعتبار سے نہیں ہوتا اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ قسم کے مضامین اگر ناموزوں الفاظ میں ادا ہوں گے تو اس میں کوئی لطف پیدا نہ ہوگا۔

نواب کے بیدل کے ساتھ مخلصانہ اور گہرے تعلقات کی اساس غالباً یہی ذوقی ہم آہنگی تھی۔ نواب شکر اللہ خاں کے نام بیدل کے خطوط کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ نواب موصوف نے بھی بیدل کو کثرت سے خطوط لکھے ہیں اور یہ امر واضح کرتا ہے کہ وہ بیدل کی تحریروں کا اسی وجہ سے والہ وشیدا تھا کہ ان کو اپنے ذوق اور معیار دونوں کے مطابق پاتا تھا۔ بیدل کی تحریروں سے نواب کی شیفتگی کا عالم یہ تھا کہ خود ایک زبردست شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بیدل سے فرمایش کرتا تھا کہ اس کی طرف سے اس کے دوستوں کو خط لکھے اور یہی حال شاکر خاں کا تھا افسوس کہ نواب کے خطوط ضائع ہوگئے یا ان کا سراغ نہیں مل سکا ورنہ یہ خطوط بیدل کی فارسی نثر ونظم میں اہمیت اور اس کے مقام کی تعیین میں ایک مستند ماخذ ہوتے۔

گلزار عرفاں نہال ووادی معانی غزال:

اس نام پر قارئین کو شاید حیرت ہو لیکن خیال رہے کہ بیدل کی یہ کوئی نئی تصنیف نہیں ہے یہ وہی ''چہار عنصر'' ہے جس کو بیدل نے بجا طور پر ''گلزار عرفان نہال'' اور ''وادی معانی غزال'' کا عنوان دیا ہے۔ چونکہ یہ عنوان اس تصنیف کے مضامین کا نمائندہ ہے اس لئے راقم السطور نے اسی کو لکھنا مناسب سمجھا۔

چہار عنصر لکھنے کی ابتداء:

اس کتاب کی ابتداء میں بیدل لکھتا ہے:

''......حال کہ نفس شماری عمر مقارن سال چہل و یکم است۔'' (۹۰)

اب جبکہ زندگی کی نفس شماری اکتالیسویں سال میں داخل ہے لہذا واضح ہے کہ بیدل نے چہار عنصر اکتالیس سال کی عمر یعنی ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء میں لکھنا شروع کیا اور جیسا کہ اس کے حالات کے تحت لکھا گیا۔ ۱۰۹۴ھ تا ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۲ تا ۱۶۸۴ء کے دوران وہ متھرا میں تھا۔ بعد میں اس علاقے میں بدامنی پھیلی جس کی وجہ سے دوسال تک لگاتار ذہنی وجسمانی اذیت برداشت کرتا رہا اس کے بعد ۱۰۹۶ھ میں دہلی آیا۔ اس طرح بیدل نے گویا یہ کتاب متھرا میں لکھنی شروع کی۔ نواب شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''ذات سراپا التفات تغافل پیمای معروض مباد، کہ درین ایّام بمقتضای غنیمت شناسیہای

فرصت، فکر نظم ''عرفان ونثر'' ''چار عنصر'' درپیش دارد۔ ونفسی چند بوسیلہ این تخیلات می شمارد۔ و بزمزمہ:

کدام قطرہ کہ صد بحر در رکاب ندارد — کدام ذرہ کہ طوفان آفتاب ندارد

دل خوش می توان کرد، وگرنہ غبار بید لیہا از نظر مرتفع نمی گردد۔ وصیقل آرای مرآت حقایق چہرہ پردازی امور محال است۔ تانقصان ہیچ کسی بعلاج نمی رسد اظہار معانی کمال از مقولہای وہم وخیال۔'' (۹۱)

خدا کرے (آپ کی) ذات سراپا التفات عرضداشت کی طرف سے تغافل نہ برتے کہ ان دنوں فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے مثنوی ''عرفان'' کو نظم کرنے اور ''چہار عنصر'' کو نثر میں لکھنے کی فکر دامنگیر ہے اس قسم کے افکار وخیالات میں مشغول رہ کر خاکسار چند نفس شماری کر رہا ہے اور شعر

کدام قطرہ کہ صد بحر در رکاب ندارد — کدام ذرہ کہ طوفاں آفتاب ندارد

(کونسا قطرہ ہے جس کے رکاب میں سیکڑوں دریا نہ ہوں اور کون ذرہ ہے جس کے دامن میں سیکڑوں طوفاں آفتاب چھپے نہ ہوں۔)

کو گنگنا کر دل بہلاتا رہتا ہے ورنہ بیدل کا غبار کدورت کسی طرح دور ہوتا نظر نہیں آتا۔ اور آئینہ حقایق کی صیقل گری امور محال میں ہے۔ جب تک ناکسی کے نقصان کی تلافی نہیں ہوتی معانی کمال کا اظہار وہم وخیال ہے۔

یہ خط مثنوی عرفان اور چہار عنصر کے بابت اہم معلومات فراہم کرتا ہے جن کو درج ذیل چند نکات میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ متھرا میں قیام کے دوران ایسا لگتا ہے کہ ابتداء میں بیدل کے حالات سازگار تھے اور مالی حالت بھی اس کی اطمینان بخش تھی جیسا کہ ''بمقتضای غنیمت شناسیہای فرصت'' سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ مالی حالت جب تک اطمینان بخش نہ ہوگی انسان فکری اور ذہنی کام انجام نہیں دے سکتا ہے۔

۲۔ اس مقصد سے کہ زندگی کے قیمتی لمحات رائگاں نہ جائیں اس نے عرفان اور چہار عنصر لکھنا شروع کیا۔

۳۔ دونوں تصانیف کا موضوع ایک ہی ہے جس کا تذکرہ اس نے شعر میں کیا ہے یعنی یہ کہ انسان بظاہر سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن باطنی طور پر اس میں حقایق ومعارف اور اسرار ورموز کے سیکڑوں سمندر چھپے ہوتے ہیں اور بظاہر اس کائنات میں

ایک ذرہ سے زیادہ اس کی حیثیت نظر نہیں آتی تاہم ایک طوفاں آفتاب وہ اپنے اندر چھپائے پڑا ہے گویا اس قدر ناچیز اور بے وقعت ہونے کے باوجود اتنا وسیع اور قابل قدر ہے کہ ساری کائنات اس کے لئے تنگنا ثابت ہوتی ہے۔

قلزم کائنات و ہرچہ در اوست جوش پنہانی حقیقت اوست

کائنات کا سمندر اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب اس کی حقیقت کا جوش پنہاں (پوشیدہ ابال) ہے۔

۴۔ مذکورہ بالا تخلیقات کے لکھنے سے بیدل کا مقصد یہ تھا کہ اپنا دھیان کسی ایک مرکز پر جمائے اور زندگی کے ناخوشگوار حالات کو فراموش یا کم از کم ان سے فرار حاصل کرے۔

۵۔ شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ اپنی ان تصانیف میں وہ حقائق سے پردہ اٹھائے گا، عرفان و خداشناسی کے نکات اور بنی نوع انساں کے اسرار و رموز بیان کرے گا۔ یہ خیال وہ ذہن سے نکال دے کیونکہ اس قسم کا دعوی ناممکنات میں ہے۔

۶۔ اسی طرح شاید کسی کے ذہن میں آئے کہ بیدل نے ان تخلیقات کے ذریعہ اپنے کمالات کا اظہار کرنا چاہا ہو۔ یہ بات بھی ذہن سے نکال دے کہ اس کی حیثیت وہم و خیال سے زیادہ نہیں ہے۔

بیدل کے بیان کی یہ تحلیل و تجزیہ تھی لیکن سچ پوچھئے تو بیدل نے ان دونوں تخلیقات میں یہی کام کیا ہے۔ اس نے بہت سے اہم اخلاقی، عارفانہ اور فلسفیانہ نکات ان میں بیان کئے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ ”سیکڑوں سمندر کو اپنے رکاب میں رکھنے والا قطرہ“ اور طوفان آفتاب کو اپنے اندر چھپانے والا ذرہ“ مثنوی ”عرفاں“ میں ”انسان مطلق“ ہے اور چہار عنصر میں خود بیدل کی اپنی شخصیت ہے۔

چہار عنصر کیا ہے؟

چہار عنصر، جیسا کہ اوپر لکھا گیا، درحقیقت بیدل کے ایک ناچیز قطرے کی علم و دانش کے سمندر تک تدریجی سفر کی روداد ہے۔ اور اس سوال کا جواب ہے کہ ایک ذرہ بے مقدار کس طرح ارتقا کے تدریجی مراحل طے کر کے خورشید کمالات تک پہونچا۔

’چہار عنصر‘ بیدل کی خودنوشت سوانح عمری بھی ہے، حقائق کا ایک مجموعہ بھی ہے، عجائب و غرائب کی جلوہ گاہ بھی ہے اور رنگین و مقفع و مسجع نثر کا ایک عمدہ نمونہ بھی جو اس عہد میں علم و فضل کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ چہار عنصر کے مضامین پر غور کیجئے تو بیدل کی شخصیت اس قدر مبہم، پیچیدہ اور ناقابل فہم نظر آتی ہے کہ اس کے حالات لکھنے والوں اور دوسرے دانشوروں نے اس کے بابت طرح

طرح کے متضاد خیالات ظاہر کئے ہیں۔ خود اس کے زمانے میں اس کے معاصر دانشوروں کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف تھا۔ ایک رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض معاصر اسے غوث، قطب یا ابدال سمجھتے تھے:

بیدل بدو روزہ عمر مغرور مشو بنیاد تو نیستی است معمور مشو
ہرچند ابدال و قطب و غوثت خوانند اے خاک بایں غبار مسرور مشو

بیدل! زندگی کے یہ دو دن جو ملے ہیں اس پر مت اترا۔ تیری اساس تو ”نیستی“ پر ہے آباد مت ہو۔ اگرچہ لوگ تجھے ابدال، قطب اور غوث کہیں۔ اے خاک (مٹی میں مل کر مٹی ہونے والے اس غبار پر خوش مت ہو)۔ چنانچہ لالہ سکھ راج سبقت نے جس کے بارے میں بیدل کا قول تھا کہ سبقت تمام ہندو شاگردوں پر سبقت لے گیا، بیدل کے بارے میں اسی قسم کے خیالات پر مبنی ایک رباعی کہی ہے۔

شاید اسی رباعی کی اساس پر یا اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر خوشگو نے لکھا ہے کہ بیدل کے بعض ارادتمند اسے حضرت جنید و شبلی کا ہمپایہ سمجھتے تھے (۹۴) دوسری طرف خود خوشگو اور شیخ احمد علی نے معمولی فرق کے ساتھ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن بیدل نواب نظام الملک کے پاس بیٹھا تھا کہ کسی نے مرزا سے کہا آپ ڈاڑھی مونڈاتے ہیں؟ مرزا نے جواب دیا۔

”ماریش و بروت می تراشیم، اما دل کسی نمی خراشیم“۔

ہاں داڑھی مونچھ ضرور منڈاتے ہیں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتے۔

نواب نے کہا:

”ازیں بدتر چہ باشد کہ تو دل پیغمبر را خراشیدی کہ خلاف شرع و ترک سنت او کردی۔“ (۹۵)

بھلا اس سے زیادہ برا کیا ہوگا کہ تم نے تو پیغمبر کا دل دکھایا کہ ایک خلاف شرع کام کیا اور سنت ترک کیا۔

اسی طرح معاصر دانشوروں کا ایک طبقہ بیدل کو ایک صوفی، عارف اور بلند پایہ خداشناس تصور کرتا ہے جیسے غلام حسن مجددی (۹۶) قاری عبداللہ (۹۷) استاد خلیل اللہ خلیلی (۹۸) صوفی بیتاب (۹۹) اور استاد صلاح الدین سلجوقی (۱۰۰) اور دوسرا طبقہ جس میں شیخ اکرام بھی شامل ہیں بیدل کو ان لوگوں میں شمار کرتا ہے جن کی نشو ونما تعویذ گنڈے اور کشف و کرامات کے ماحول میں ہوئی ہے (۱۰۱) ایک طبقہ جس میں قاضی عبدالودود، پروفیسر نورالحسن انصاری، عبدالودود اظہر اور شریف حسین قاسمی جیسے محقق بھی شامل ہیں اسے ایسا جھوٹا اور دروغگو تصور کرتا ہے۔ جس نے بہت سے واقعات فہم و ادراک سے وراء بیان کئے

ہیں جو ادھر تاجکستان کے مشہور دانشور صدرالدین عینی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اسے ایک افغانی دانشور اسداللہ حبیب نے نقل کر کے اپنے تبصرہ میں لکھا ہے:

"چہار عنصر جو کہ بیدل کے فکری تکامل (چالیس اور ساٹھ سال کے دوران) لکھی گئی ہے خود بیدل اور دوسرے درویشوں کی کرامات اور بعید از عقل قصے اور کرامات سے بھری ہوئی ہے، جیسے ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، مردہ کا زندہ کرنا۔ استاد عینی کی کوشش ہے کہ وہ ان قصوں کو مادی تعبیر عطا کریں اور جہاں کوئی گنجائش ممکن نہیں ہوتی ہے وہاں ان کا ذکر ہی گول کر جاتے ہیں اور پھر تاکید کرتے ہیں کہ بیدل اپنی پختگی فکر کے مرحلے پر اس قسم کے خیالات سے بالکل پاک رہے ہیں۔ بیدل کے چہار عنصر میں ان کا ہوا پر اڑنا لکھا ہوا ہے کیونکہ بیدل ۶۳ یا ۶۴ سال کی عمر میں یہ کتاب لکھ رہے تھے اور خود شاعر اس قسم کے حادثات کو "خیال یا وہم" نہیں "طبیعت کی مجبوری کا ایک عمل" یا "ذات بیچوں کی قدرت کا ایک کرشمہ" سمجھتا تھا جس کو سمجھنے سے عقل بشر عاجز ہے۔ چہار عنصر میں کرامات اور معجزہ کی تفصیلی بحث اور انسانوں کے وجود میں چار عنصر کی ترکیب میں سے کسی عنصر (پانی، ہوا، مٹی، آگ) کا غالب ہونا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اسی سلسلے میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ کلیات بیدل میں شامل بعض اشعار بیدل کے نہیں ہیں۔ صدرالدین عینی کے خیال سے موافقت نہیں کی جا سکتی ہے۔" (۱۰۲)

ڈاکٹر نورالحسن انصاری کا خیال ہے:

"یہ ایک طرح سے بیدل کی سوانح عمری ہے مگر انہوں نے اس میں تاریخی ترتیب یا واقعاتی تسلسل کا بہت خیال نہیں کیا ہے۔ انہوں نے حقائق کے بیچ میں مافوق فطری قصوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کی اس طرح پیوندکاری کی ہے کہ کتاب کی تاریخی اہمیت پس منظر میں جا پڑی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے سیدھے سادے واقعات بیان کرنے کے بجائے اس بات کے کوشاں تھے کہ اپنے آپ کو ایک مافوق فطری انسان بنا کر پیش کریں چنانچہ انہوں نے اپنی طرف منسوب کر کے جو واقعات قلم بند کئے ہیں وہ جادو کی دنیا کے قصے معلوم ہوتے ہیں۔" (۱۰۳)

خواجہ عباداللہ اختر لکھتے ہیں:

"بیدل نے چہار عنصر میں بعض واقعات بیان کئے ہیں جس کا وہ خود شاہد ہے ان کی توجیہ کسی علم کی شاخ سے ہم نہ کر سکیں تو نقص ہمارے علم میں ہے۔ واقعات واقعات ہی ہیں

اور یہ ممکن ہے بلکہ یقینی ہے کہ ذہنی ارتقاء کے ساتھ ان کی بھی توجیہ عقلاً ہو سکے گی۔

فیض معنی در خور تعلیم ہر بی مغز نیست ‌ ‌ ‌ نشہ را چوں بادہ نتواں در دل پیمانہ ریخت (۱۰۴)

لگتا ہے کہ بیدل خود بھی چہار عنصر لکھتے وقت ایسا محسوس کرتا تھا کہ لوگ اس کی شخصیت کے بابت طرح طرح کی قیاس آرائیاں کریں گے اس لئے اس سے پہلے کہ اس طرح کا واقعہ پیش آئے اس نے ایک قطعہ میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے آپ یقین کریں یا نہ کریں میرے ساتھ یہ صورت حال پیش آئی ہے اور میں کسی کو مجبور نہیں کرتا ہے کہ خواہ مخواہ انہیں تسلیم کرے۔

سرگزشت من ز مطلب بی نیاز افتادہ است ‌ ‌ ‌ بر حریفان گر نخوانم آنقدرہا فرض نیست

میری رام کہانی مطلب سے بے نیاز واقع ہوئی ہے ضروری نہیں کہ احباب سے اسے بیان کروں۔

پا بدامن می خرامد وحشی صحرای دل ‌ ‌ ‌ آنچہ ما پیمودہ ایم از ملک طول و عرض نیست

صحرائے دل کا وحشی پا بدامن ہو کر محو خرام ہے ہم نے جو مرحلے طے کئے اور جن راستوں پر چلے ہیں وہ اس دنیائے طول و عرض کی چیز نہیں ہے۔

معنی چند ست در رہن کتاب خامشی ‌ ‌ ‌ گر بہ تقریری ادا گردد، ادائی فرض نیست

چند معانی ہیں جو کتاب خاموشی کے گروی ہیں اگر تقریر سے وہ ادا ہو جائیں تو ان کا ادا کرنا اتنا ضروری نہیں ہے۔

نالہ ای داریم و محو پردۂ گوش خودیم ‌ ‌ ‌ شوق ما را بر کسی دیگر دماغ عرض نیست (۱۰۵)

ہماری ایک آواز ہے جو اپنے ہی پردہ گوش میں محو ہے ہمیں اپنے شوق کو کسی پر تھوپنے کا کوئی خبط نہیں ہے۔

ایک جگہ لکھتا ہے:

نہی بچار عنصر بیدل گماشتن ‌ ‌ ‌ از دامگاہ شش جہت وہم رستن است

بیدل کی کتاب "چہار عنصر" کو سمجھنے کیلئے قوت واہمہ کی دامگاہ کو شش جہت سے آزاد ہونا پڑے گا۔

گویا "چہار عنصر" ایک ایسی کتاب ہے جس کو سمجھنے کیلئے بہ قول بیدل اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز کرنی ہوگی دوم یہ کہ دنیائے "وہم و خیال" کے دائرے سے باہر نکلنا پڑے گا اور حقیقت کی دنیا میں قدم رکھنا پڑے گا۔

راقم السطور کے ناقص خیال میں بیدل پہلے ایک شاعر ہے اس کے بعد ایک نثر نگار، ایک قادر الکلام شاعر جس سے ہمیں اسی نوعیت کی خصوصیات کا انتظار کرنا اور امید رکھنی چاہئے جو اسے معاصر شاعروں سے ممتاز کر دے۔ اگر کوئی مثنوی مولانا روم یا حدیقۃ الحقیقہ سنائی یا منطق الطیر عطار یا

ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور نصوص الحکم، جامی کی نفحات الانس اور غزالی کی کیمیائے سعادت وغیرہ کو پڑھ کر انہیں خیالات وافکار کو انتہائی مہارت سے نثر یا نظم میں پیش کرے تو وہ یقیناً ایک عظیم شاعر یا ادیب ہے لیکن کیا وہ عارف وخداشناس بھی ہے؟ خود بیدل نے کہا:

بہ طرز یقیں تا نہ بخشی بوی — بافسانہ نتواں شدن مولوی
اگر مولوی درس عطار خواند — مپندار کز وہم پندار ماند(۱۰۷)

"جب تک یقین کی بو تجھے نہ ملے گی افسانہ اور کہانی کے ذریعہ تو مولوی نہیں ہوسکتا۔ اگر مولوی نے عطار کا درس پڑھ لیا تو یہ نہ سمجھنا کہ وہ اپنے وہم وپندار کے دائرے سے نکل گیا۔"

ایک عارف اور خداشناس کی ظاہری اور باطنی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی اساس پر اس کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے بیدل کو اس معیار پر پرکھنے کی کوشش کی گئی تو بہت سی جگہ ہمیں بے سروپا تاویل اور توجیہ کا سہارا لینا پڑے گا۔

دو اہم نکتے:

پہلا نکتہ یہ ہے کہ چہار عنصر کا دقیق وعمیق مطالعہ بیدل کی زندگی سے متعلق بہت سے مسائل کا حل پیش کرتا ہے اس لئے اس کے حالات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں کے صرف انہیں بیانات کو قبول کرنا چاہئے جو چہار عنصر سے متصادم نہ ہوں۔ راقم السطور نے اسی اصول کو پیش نظر رکھا ہے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

دوسرا نکتہ جو بہت اہم اور قابل توجہ ہے یہ ہے کہ بیدل نے اپنی منظوم تخلیقات میں جن افکار وخیالات کا اظہار کیا ہے ان کے منابع وماخذ کے لئے اسی کتاب کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور صرف خودنوشت سوانح کہہ کر اس سے نہیں گذرنا چاہئے۔ ایسا نہیں ہے جو استاد صلاح الدین سلجوقی لکھ گئے ہیں:

"......او بہ نثر المامی نداشت ولی چون می خواست سوانح خود را بنویسد کہ طبعاً این کار را دیگران بصورت نظم کردہ اند، مجبور بود کہ آنرا در چہار عنصر بہ نثر نوشتہ کند۔"(۱۰۸)

بیدل کی طبیعت نثر نگاری کی طرف مائل نہ تھی لیکن چونکہ اپنی سوانح حیات لکھنا چاہتا تھا جس کو دوسرے لوگوں نے نظم کے اندر لکھا ہے اس لئے مجبوراً سے چہار عنصر نثر میں لکھنا پڑا۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چہار عنصر بیدل کے رجحان طبع کے خلاف ایک ایسی تخلیق ہے جو بادل

ناخواستہ لکھی گئی ہے حالانکہ زندگی کے واقعات بیان کرنے سے بیدل کا جو مقصد تھا اس کی توضیح کرتا ہوا وہ لکھتا ہے۔

"......از انجملہ وارداتی، کہ در ضمن بعضی احوال از پردۂ تامل بظہور نمودہ بود و در ذیل فواید صحبتہا از تتق بیرنگی چہرہ وقوع کشود، بہ جلوہ گاہ تحریری آرد تا مبرہن گردد کہ خیالات بیدلی نیز عالمی دارد۔

آنچہ کلکم می نگارد محض حرف وصوت نیست — ہوش می باید کہ در یابد زبان بیدلی"(۱۰۹)

یعنی منجملہ ان کے وہ واردات ہیں جو بعض حالات کے تحت پردہ تامل سے منصۂ شہود پر نمودار ہوئے اور فوائد صحبت کے ذیل میں پردہ بیرنگی سے رخ نمائی کئے۔ ان کو اس لئے رشتہ تحریر میں لا رہے ہیں تا کہ واضح ہوجائے کہ بیدل کے افکار وخیالات کی اپنی ایک الگ دنیا ہے۔ میرا قلم جو کچھ لکھتا ہے وہ صرف حروف واصوات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بیدل کی زبان کو سمجھنے کے لئے ہوش وگوش درکار ہے۔

کتاب کی ابتدا:

بیدل نے حسب دستور اس کتاب کی ابتدا حمد باری اور نعت سرور کونین سے کی ہے لیکن اس کا انداز بیان بالکل اچھوتا اور اعلیٰ فصاحت وبلاغت کا نمونہ ہے۔ لکھتا ہے:

"اگر شگفتگیہای گلہای حمد انیست کہ می ستایم، غنچۂ خموشی صد پیرہن بالیدہ تر۔ واگر وضوح دفتر معرفت ہمین است کہ می کشایم، معنی جہل ہزار مرتبہ فہمیدہ تر۔ غباری، سطر آشفتگی بر ہوا نگاشت، پنداشت مصنف کتاب آسمانم۔ پرکاہی، بنیاد فطرت، بر باد گذاشت، دانست نشئی طومار کہکشانم۔"(۱۱۰)

گلہائے حمد کی شگفتگی اگر اسی کا نام ہے جو اس کی ستایش میں لکھ رہا ہوں تو خموشی کی کلی سیکڑوں لباس میں لپٹ کر اس سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اگر دفتر معرفت کی وضاحت اسی کا نام ہے جو میں کھول رہا ہوں تو جہالت کا مفہوم ہزار ہا بار سمجھا بوجھا ہوا ہے۔ ایک غبار نے ہوا پر آشفتگی کی ایک سطر لکھی سمجھنے لگا میں "کتاب آسماں" کا مصنف ہوں۔ ایک تنکے نے اپنے فطرت کی بنیاد ہوا پر رکھی سمجھنے لگا میں طومار کہکشاں ہوں۔

کتنا عمدہ اور برمحل نکتہ ہے کہ انساں خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے لئے چاہے جتنی بہترین صلاحیتوں کا استعمال کرلے وہ اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اس کے باوجود وہ اپنی تمام تر ممکن صلاحیتوں سے کام لے کر اس کی حمد وثنا کرتا ہے اس وقت اس کی مثال ایک غبار کی سی ہے

جس نے اپنے افکار پریشاں کی ایک سطر ہوا کے صفحے پر لکھی اور خود کو ’مصنف کتاب آسماں‘ سمجھنے لگا یا اس تنکے کی سی ہے جو ہوا پر اڑنے لگا اور خود کو منشی طومار کہکشاں سمجھنے لگا، آخر بیدل اس نتیجے پر پہنچتا ہے:

’’پرتو لا احصی سیدالمرسلین چراغیست درعرض تاریکی این شبستان۔ و درای العجز امیر المومنین دلیلی بر بی پایانی این بیان۔‘‘(۱۱۱)

سیدالمرسلین ﷺ کا ارشاد (**اللھم لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک** اے اللہ! تیری تعریف کا احصا نہیں کرسکتا جس طرح تو نے خود اپنی تعریف آپ کرلی) کی جھلک اس شبستاں کی تاریکی کو محو کرتی ہے۔ اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد (**العجز عن الادراک ادراک**) باری تعالیٰ کی کنہ و حقیقت تک رسائی میں عاجز رہنا بھی ادراک ہے) اس بیان کی بے پایانی کی دلیل ہے۔

یہی حال ہے نعت نویسی کا۔ لکھتا ہے:

’’ہر چند صلای انما اَنَا بشر مثلکم حوصلہ را بدعوت جرأتی می خواند شکوہ انا احمد بلامیم ہمان بدورباش ادب می راند۔‘‘(۱۱۲)

انما انا بشر مثلکم (میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں) کی صدا اگرچہ حوصلے کو جرأت آزمائی کی دعوت دیتی ہے پر **انا احمد بلامیم** (میں بغیر میم کا احمد ہوں) کا شکوہ ادب کی دورباشی کا تقاضا کرتی ہے۔

وجہ تصنیف:

چہار عنصر کی تصنیف کے وقت بیدل کے پیش نظر کیا مقصد تھا خود اس کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

’’تخفیف عبارت آرائی باشمہ ای مطابق رنگ و بوی گلشن ظہور از گل و خار مراتب طی کردہ ادامی نماید۔ و پردہ ای از چہرہ نقص و کمال مدارج بی پردہ خودمی کشاید۔ تامحتجب نماند کہ این نشاء بی خمار خمستان عدم از ساغر ہستی اعتبار چہ کشید و این نغمہ بی نوای طربگاہ وحدت از سازا متیاز کثرت چہا شنید۔‘‘(۱۱۳)

عبارت آرائی میں اختصار سے کام لیتے ہوئے یہ خاکسار گلشن ظہور کے رنگ و بو کے حسب دستور گل و خار (رنج و راحت) کے مختلف درجے طے کرتا ہوا اپنے کچھ حالات بیان کرتا ہے اور اپنے نقص و کمال کے مختلف مدارج کے چہرے پر پڑے پردے کو سرکاتا ہے تاکہ یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہے۔ کہ خمستاں ’’عدم‘‘ کے اس نشہ بے خمار نے ’’ہستی اعتبار‘‘ کے ساغر سے کیا کیا نوش کیا اور طربگاہ

’’وحدت‘‘ کے اس نغمہ بے نوا نے امتیاز ’’کثرت‘‘ کے ساز سے کیا سنا۔

گویا زندگی میں جس نشیب و فراز، پستی و بلندی اور سرد و گرم حالات سے وہ گذرا اور نقص و کمال اور عروج و زوال کے جو مرحلے اس نے طے کئے ان کی ایک مختصر روداد پیش کرنا اس کے مدنظر رہا ہے اور یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ بیدل جو اپنے انجام کے لحاظ سے ’’نشہ بی خمار خمستان عدم‘‘ ہے ساغر ہستی سے کیا صاف و درد اس کو نصیب ہوا اور ’’وحدت الوجود‘‘ کے اس نغمہ سرا کو جہاں ’’کثرت‘‘ کی ساز سے کیا کیا صدائیں سننے کو ملیں۔

ضمنی طور پر اس نے بہت سے حقایق و معارف بھی بیان کئے ہیں اور قارئین سے ان کے مطالعہ کی درخواست کی ہے اگر چہ اس میں کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے تاہم ان پر ایک نظر ڈالی جاسکتی ہے۔

ابواب کی ترتیب:

بیدل نے اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام ’’چہار عنصر‘‘ رکھا ہے لفظ ’’عنصر‘‘ انساں کے چار جواہر آب و آتش خاک و باد کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں اس نے اس کتاب کے چار حصوں میں سے ہر ایک حصے کے لئے یہ لفظ استعمال کر کے قارئین کی توجہ شاید اس نکتے کی طرف مبذول کرانی چاہی ہے کہ اس کی پوری سرگزشت ان چار عناصر کے درجے میں ہے جو ایک جسم کی ترکیب و تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ ان چاروں حصوں کے مضامین سے جو نکات سامنے آتے ہیں بیدل کی شخصیت انہی خصوصیات کی حامل ہے اور اب اس کے چار عناصر کے عناوین ملاحظہ ہوں:

عنصر اول: ابجد اشتعال شعلہ مقال و گرمیہای صحبت ارباب فضل و کمال

(شعلہ سخن سرائی کے لپکنے کی ابتدا اور ارباب فضل و کمال کی گرمی صحبت)

اس حصہ میں ابتدائی زندگی کے حالات مثلاً ولادت، والد کی وفات، والدہ اور چچا کے زیر سایہ تعلیم و تربیت، مدرسے کی تعلیم، صوفیوں اور مجذوبوں کی صحبت اور ان کی خدمت سے استفادے کا ذکر ہے۔

عنصر دوم: روایح شگفتگی بہار عالم منظوم و نسایم فیض غنایم فواید معلوم

دنیائے شعر کی شادابی کی خوشبو اور جانے پہچانے فواید کی فیض غنیمت باد نسیم۔

اس حصے میں بیدل نے بچپن سے لے کر جوانی تک مختلف مراحل میں مختلف مناسبتوں سے جو اشعار کہے تھے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جیسے دس سال کی عمر میں مدرسے میں ایک رباعی کہنا، سولہ سال کی عمر میں پٹنہ میں ابوالفیض معانی کے گھر ایک محفل میں دوسری رباعی کہنا، اسی عمر میں رانی

سپاہ گر میں ایک مجلس رقص کی مناسبت سے ایک عمدہ غزل کہنا، اور سترہ سال کی عمر میں کٹک میں ''تذکرۃ الاولیاء'' کا ایک منظوم مقدمہ لکھنا وغیرہ۔

عنصر سوم: طراوت شبستان مراتب منثور و آبیاری نخلستان کیفیات شعور

مختلف النوع نثر کی تخلیقات کے شبستاں کی تازگی اور کیفیات شعور کے نخلستان کی آبیاری۔

اس حصے میں بیدل نے سارا زور بیان رنگین نثر لکھنے پر صرف کر دیا ہے اور قارئین کو شاید یہ باور کرانا چاہا ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ ایک قادر الکلام شاعر ہے بلکہ نثر نگار بھی اسی پائے کا ہے کہ ایک بے وقعت چیز کو اپنے زور بیان سے اہم اور وقیع بنا کر پیش کر سکتا ہے۔ اس حصے میں اس کے آٹھ مقالے ہیں۔

پہلا مقالہ: دبستان صبح

اس عنوان کے تحت بیدل مظاہر قدرت کا مطالعہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ازیں دفتر ہر فردیکہ چہرہ کشای آئینہ نمود است بقدر جوہر استعداد صورت نمای قدرت وجود است۔'' (۱۱۴)

اس دفتر (کائنات) کا ہر فرد جو آئینۂ نمود کا چہرہ بے نقاب کیے ہوئے ہے اپنے اپنے جوہر استعداد کے مطابق قدرت ''وجود'' کی شکل و صورت پیش کر رہا ہے۔

اس کے بعد ہر ایک مظاہر قدرت مثلاً آسمان، زمین، کہکشاں، شفق، صحرا، خاک و خورشید وغیرہ کو ان کی خصوصیات کے ساتھ ذکر کر کے قارئین کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کراتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک چیز کے اندر ایک خاص بات چھپی ہوئی ہے جسے ''قدرت وجود'' سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن وہ مختلف شکل و صورت اختیار کرتی رہتی ہے اور جسے ''تجدد امثال'' کا نام دیتے ہیں:

تجدد امثال بی تأمل اشتغال ورق گردانی است و تجدد آثار بی اختیار معنیٰ تازہ رسانی'' (۱۱۵)

''تجدد امثال'' بلا تکلف ورق گردانی میں مصروف ہے اور ''تجدد آثار'' غیر اختیاری طور پر تازہ بہ تازہ معانی پیش کرنے میں لگا ہے۔

دوسرا مقالہ: ''نغمۂ وحدت''

اس مقالے کا مضمون اس کے عنوان سے واضح ہے یہ مقالہ درحقیقت بیدل کے احباب کی درخواست پر لکھا گیا۔ احباب کے حلقے میں ایک دفعہ گذشتہ رفیقوں کا ذکر چھڑ گیا۔ حاضرین نے ان کی یاد میں ٹھنڈی آہ بھری اسی بیچ ایک نہایت ہی خوبصورت اور برجستہ جملہ بیدل کی زبان سے نکلا جو آفاقی صداقت کا حامل تھا۔

''ہر نقشیکہ می بینی حرفیست کہ می شنوی''۔ (۱۱۶)

اس کائنات میں جو نقش بھی نظر آرہا ہے وہ ایک حرف ہے جس کو تم سن رہے ہو۔

اس دلچسپ اور دلکش فقرے پر احباب کا دل جھوم اٹھا، انہوں نے بیدل سے درخواست کی کہ اس مجمل کی وضاحت کرے۔ بیدل نے اس کی وضاحت کی اور اس کا نام ''نغمہ وحدت'' رکھ دیا اس بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ''سخن'' ''روح کائنات'' اور ''اصل حقیقت موجودات'' ہے اس موضوع پر پانچویں باب میں باقاعدہ بحث کریں گے۔

تیسرا مقالہ: ایثاریہ (فیاضی اور دریا دلی)

اس مقالے میں لئیم و کریم، جود و کرم، بخل و خست، اور عقل و حیا پر بحث کی ہے۔

چوتھا مقالہ: بہارستان جنون

اس مقالے کا مضمون وہی ہے جو مثنوی محیط اعظم کے 'بہاریہ' حصے کا ہے۔ اس تخلیق کا اصل محرک یہ ہے کہ ایک دفعہ بیدل کے احباب مثنوی 'محیط اعظم' کے حصہ 'بہاریہ' کے مطالعہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے انہیں مضامین کو نثر میں لکھنے کی فرمائش کر دی۔

''کہ ازین عالم نثری اگر برقم تواند آمد نوک خامہ باید افشاند۔ و بریزش این جرعہ بی پروا نصیبی باشفتہ دماغان نیز می توان رساند۔'' (۱۱۷)

اس کے بعد بیدل نے اشہب قلم کو مہمیز کیا اور ایک مقالہ ''بہارستان جنوں'' کے نام سے سپرد قلم کیا۔ لکھتا ہے:

''بہ تکلیف اعزہ ناچار رنگ سودائی از کلک خیال بیرون ریخت و بآہنگ ''بہارستان جنون'' شور تحریری برانگیخت۔'' (۱۱۸)

مجبوراً احباب کی فرمائش پر کلک ''خیال'' نے سودائی رنگ کی داغ بیل رکھی اور ''بہارستان جنوں'' کے عنوان سے شور تحریر برپا کیا۔

اس عنوان کے تحت بیدل اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ یہ ''جنوں'' ہے جس نے ہر ایک مظہر قدرت کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے اور اسے اپنے وظائف کی ادائیگی میں لگا رکھا ہے:

کیست از فیض جنون مایہ ندارد اینجا / خرد آن بہ کہ تکلف نگذارد اینجا

[چیز ہے کیا کہ جنوں سے نہ ہو بہرہ اس کو / عقل بہتر ہے نہ بھٹکے وہ کبھی یاں آ کر]

دو عالم نیست غیر از یک جنون خند / شگفتنہا ست مژگان بستن چند (۱۱۹)

[اک خندہ جنوں کے سوا کچھ نہیں ہے یاں / کہتے ہیں ''کھلنا'' ہم جسے ہے بند کرنا آنکھ کا]

پانچواں مقالہ: ہجوم حیرت

اس مقالے میں مسئلہ "حیرت" پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ہر فردی از افراد دیوان نمود آئینہ دار معنیٔ تحیّر است۔" (۱۲۰)

دیوان نمود (کائنات) کا ہر فرد معنیٔ "تحیّر" کا آئینہ دار ہے۔ اس موضوع کو بیدل نے اپنی غزلوں میں بھی کثرت سے بیان کیا ہے راقم السطور نے پانچویں باب میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے اس کے بعد مسئلہ عین غیر، صفات خداوندی، روح و جسم اور ہیولی و صورت جسمیہ پر بحث کرتا ہوا یہ نکتہ بیان کرتا ہے کہ کوئی آدمی خدائے تعالٰی کی ذات کے حقائق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا:

"سیاح بادیہ تحقیق را وصول راحت، مرکز دائرہ حیرانی بودن است۔ وغوّاص دریای تفکر را، ساحل جمعیت بہ غبار کوچہ نادانی فرسودن۔" (۱۲۱)

وادیٔ تحقیق کی سیاحت کرنے والے کی راحت تک رسائی دائرہ "حیرانی" کا مرکز بننا ہے اور دریائے تفکر میں غوطہ لگانے کی ساحل طبیعت کوچہ "نادانی" کی گرد و غبار میں فرسودہ ہونا ہے۔

چھٹا مقالہ: سرمہ اعتبار

"سرمہ اعتبار" جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا ایک ادبی مقابلے کا نتیجہ ہے جو میر کامگار کے حسب فرمائش اکبرآباد میں "غبار" کے موضوع پر منعقد ہوا تھا۔ اس ادبی مقابلے میں بیدل نے اپنے حریفوں کو جو اسے بہ نظر حقارت دیکھتے تھے زبردست شکست دی۔ اس سلسلے میں وہ لکھتا ہے:

"......اما بزبان بندی مجہولی چند افسون قدرتی با خر رسانید۔ اگر توجہ طبیعت باندکی درازنفسی می پرداخت، از جنس این عبارات طومارہا مہیا می باخت۔ باری درین صورت، خاکی بچشم بی بصیرتان افشاند و بہ سرمہ اعتبارش موسوم گردانید۔" (۱۲۲)

چند نادانوں کی زبان بندی کی خاطر اپنے زور بیان کا جادو آخری حد تک پہونچا دیا۔ اگر طبیعت تھوڑی سی درازنفسی (کلام کو طول دینے) کی طرف متوجہ ہوتی تو اس قسم کی عبارتوں کے انبار لگا دیتا۔ بہرحال موجودہ صورت میں بصیرت سے عاری لوگوں کی آنکھ میں تھوڑی دھول جھونک دی اور اس کا نام "سرمہ اعتبار" رکھا۔

جناب غلام حسن مجددی نے اس مقالے کو "وصف بہار" کا عنوان دیا ہے (۱۲۳) حالانکہ اس میں بہار کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے شاید انہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔

آٹھوں مقالہ: فواید خاموشی

اس مقالے کا موضوع ہے "گفتگو اور خاموشی" ان میں ہر ایک کی خصوصیات اور فوائد کا ذکر

کر کے لکھتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص موقع و محل ہوتا ہے اور اسی کے لحاظ سے اسے اختیار کرنا چاہئے۔

"تجربہ کاران امتحان کدہ شعور متفق اند کہ سخن بموقع خموشی است و خاموشی بی محل ہرزہ فروشی پس سخن جز بقدر ضرور نباید گفتن و گو ہرزیادہ بر احتیاج نباید سفتن۔" (۱۲۴)

"امتحان کدہ شعور" (سوجھ بوجھ کی آزمائش گاہ) کے تجربہ کاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برمحل گفتگو خموشی ہے اور بی محمل خموشی ہرزہ فروشی (بیہودہ بکواس) ہے اس لئے گفتگو ضرورت سے زیادہ نہیں کرنی چاہئے اور موتی حاجت سے زیادہ نہیں پرونا چاہئے۔

عنصر چہارم:

غبار نشانی بساط صور عجائب و زنگ زدائی آئینہ نقوش غرائب (عجیب و غریب صورتوں کے بساط کی گرد نشانی اور نرالے نقوش کے آئینے کی صیقل گری)۔

اس عنصر میں بیدل نے ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو بظاہر تعجب خیز اور حیرت انگیز نظر آتے ہیں بلکہ یوں سمجھئے کہ گویا اس کے ہاتھوں کرامت ظاہر ہوئے ہیں اگر چہ اس نے کرامت کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور ان تمام واقعات کو اس نے "تحدیث نعمت" کے طور پر بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے:

"......تا گوش اسرار ہوش بز مزمہ قانون بیدلی بساط تغافل نہ چیند۔ ونگاہ معنی آگاہ از ین رنگ شکستہ بالی غبار انحراف نہ بیند۔ انجابی تو ہم حاصل علم و عمل، ذکر نعمای فضل باعث است۔ و بی شائبہ اظہار نقص و کمال امتثال امر فَاَمّا بنعمةِ رَبِّکَ فَحدِّث۔" (۱۲۵)

تا کہ گوش اسرار ہوش (اسرار سے واقف ہونے والے کان) بیدل کے نغمے پر بساط تغافل نہ بچھائے (جان بوجھ کر بیدل کی باتوں سے غفلت نہ برتے) اور معنیٰ سے واقف نگاہ اس شکستہ بال کے رنگ سے روگردانی کی گرد نہ دیکھے (اس کی طرف متوجہ ہو) یہاں "حاصل علم و عمل" کے واہمہ کے بغیر خدا کی عنایتوں اور نعمتوں کا ذکر محرک ہے اور نقص و کمال کے اظہار کے ادنیٰ شائبہ کے بغیر خدا کے حکم امابنعمة ربک فحدث، کو بجالانا منظور ہے۔

اس بحث کی ابتداء میں روح مطلق، روح طبیعی، روح نباتی، روح حیوانی، روح انسانی اور مسئلہ کشف و شہود کے موضوعات پر بحث کی ہے۔

یہ تھی تو تفصیل ان ابواب کی جن کی اس کتاب میں رعایت رکھی گئی ہے اور بہ قول بیدل ع

"می تواں فہمید مضمون کتاب از بابہا"

(ابواب سے کتاب کے مضامین کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔) لیکن چہار عنصر کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان موضوعات کے علاوہ جن کا تذکرہ چہار عنصر کے چاروں حصوں میں خاص طور سے ہوا ہے اخلاق، فلسفہ، تصوف، سماجیات اور نفسیات وغیرہ سے متعلق بہت سے لطیف نکات اور حکایات انتہائی دلکش انداز، رنگین اور فنی نثر میں موزوں استعارہ کے ساتھ جن کی تعداد خاصی ہے ضمناً بیان کئے ہیں۔ اس لحاظ سے چہار عنصر کو گلستان سعدی، بہارستان جامی اور انوار سہیلی جیسی کتابوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

جو آدمی بیدل کے حالات کو سوانحی ترتیب کے ساتھ لکھنا چاہے اس کو اس کی زندگی سے متعلق مضامین پوری کتاب میں جابجا بکھرے ہوئے ملیں گے اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ استاد سلجوقی نے لکھا ہے:

''ہر عنصر دورہ ایست از دورہ ہای حیات او۔'' (۱۲۶)

ہر عنصر بیدل کی زندگی کے مختلف ادوار کا ایک دور ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری لکھتے ہیں:

''چہار عنصر کا طرز انتہائی مرصع اور پر تکلف ہے۔ فلسفہ اور ماورائیات کی آمیزش نے بعض مقامات کو بالکل گنجلک اور ناقابل فہم بنا دیا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ چہار عنصر میں جو تاریخی اور ذاتی معلومات ہیں وہ بیدل کے بیشتر سوانح نگاروں کی نظر سے مخفی ہیں۔ چہار عنصر میں بھی جگہ جگہ اشعار کی پیوندکاری ہے اور پوری کتاب میں تقریباً اٹھارہ ہزار اشعار ہیں جو سب کے سب بیدل کے ہیں۔

ہندوستان کی فارسی نثر میں چہار عنصر کا اپنا منفرد مقام ہے لوگوں نے یقیناً اس کے تتبع کی کوشش کی ہوگی مگر ایسا پر پیچ جادے کا طے کرنا کتنوں کے بس کی بات تھی۔ اتفاق سے بیدل ہی کے ایک شاگرد لالہ شیورام داس حیا (م ۱۱۴۴/۳۲-۱۷۳۱) نے چہار عنصر کے طرز پر گلگشت بہارارم بھی لکھی تھی مگر اس کا پتہ نہیں چلتا۔ (۱۲۷)

اس کے بعد بیدل چہار عنصر کو ایک سمندر سے تشبیہ دے کر کہتا ہے کہ اس کے مضامین کا سمجھنا ایسا ہی جیسے کوئی لہروں پر چارزانو ہو کر بیٹھا ہو۔ ظاہر ہے لہروں پر بیٹھنا اور وہ بھی چارزانو ہو کر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا سے رخصت ہو جائے۔ اس لئے بیدل کا مقصد شاید یہ ہے کہ قاری اس کتاب کے مطالعہ کے وقت خود آپ سے خالی ہو کر دوسری دنیا کی سیر کرتا ہے۔ ایسی دنیا جہاں اس ظاہری دنیا کی قوت فہم اور شعور وادراک وغیرہ از کار افتادہ چیزوں کے مانند ہیں۔ اس طرح وہ عالم ارواح کی سیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

دانش دریں محیط زخود رخت بستن است — بر روی چار موج مربع نشستن است
فہمی بچار عنصر بیدل گماشتن — از دامگاہ شش جہت وہم رستن است (۱۲۸)

اس سمندر میں علم و دانش کو خود آپ اپنی ذات سے رخت سفر باندھنا ہوگا چار لہروں پر چارزانو ہو کر بیٹھنا ہے۔ بیدل کی کتاب ''چہار عنصر'' کو سمجھنے کے لئے ''وہم'' کی شش جہتی دامگاہ سے آزاد ہونا ہوگا۔

چہار عنصر کا خاتمہ:

پچھلے صفحات میں لکھا گیا کہ بیدل نے ۱۰۹۵ھ/۸۴-۱۶۸۳ء میں اس کتاب کو متھرا میں لکھنا شروع کیا۔ عنصر دوم میں ۱۰۸۰ھ/۷۰-۱۶۶۹ء میں شاہ کابلی سے تیسری ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل لکھتا ہے:

''امروز بیست سال است مست خیال آں ساغرم۔'' (۱۲۹)

آج بیس سال ہو گئے جب میں اس ساغر کے تصور سے مست ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء میں بیدل نے عنصر اول اور عنصر دوم کا بڑا حصہ جو تقریباً اکتالیس صفحات پر مشتمل ہے، لکھ چکا تھا۔ غلام حسن مجددی کو غالباً غلط فہمی ہوئی جو یہ لکھ گئے کہ شاہ کابلی سے ملاقات ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء میں ہوئی اس لئے بیس سال اس وقت سے ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء ہوتی ہے (۱۳۰) حالانکہ بیدل کا مقصد تیسری ملاقات کے بعد بیس سال ہے۔

باقی حصے کو بیدل نے سولہ سال کی مدت میں مکمل کیا کیونکہ اس کے خاتمے کا سال ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء ہے جیسا کہ چہار عنصر کے آخر میں درج ذیل قطعہ سے معلوم ہوتا ہے:

بحمد اللہ ز ختم چار عنصر — فرح پیش آمد و غم بر قفا رفت
بحمداللہ چہار عنصر کی تکمیل سے مسرت حاصل ہوئی اور غم رخصت ہوا۔

بسیر آہنگی قانون اسرار — ز ساز جہل سامان نوا رفت
اسرار و رموز کے راگ کی سیر کرنے کی وجہ سے جہالت و لاعلمی کے ساز سے نوا (آواز) کا سامان جاتا رہا۔

بہاری دستہ بند رنگ و بو شد — کہ اندوہ خزاں از باغ ما رفت
موسم بہار رنگ و بو کا دستہ بنا گیا کیونکہ ہمارے باغ سے خزاں کا غم رخصت ہو گیا۔

دمی کاندیشہ تحقیق پرداز — بفکر سال ایں تحریرہا رفت
جس دم اندیشہ تحقیق پرداز کو ان تحریروں کی سن لکھنے کی فکر ہوئی۔

دو تاریخ از حساب آورد بیروں   کہ دخل شبہہ خون گشت وخطا رفت

حساب سے دو تاریخیں نکالیں جس میں شبہے کا کوئی دخل نہیں ہے اور غلطی کا امکان نہیں۔

نخست افسونی از اعجاز پرداخت   کہ از افراد ہر عنصر فنا رفت

پہلے اعجاز سے افسونی کو فارغ کیا کہ ہر عنصر کے افراد سے 'فنا' رخصت ہو گیا۔

دوم در اجتماع چار عنصر   نحوست بود چوں زنگ از صفا رفت (۱۳۱)

دوسرے چار عناصر کے اجتماع میں نحوست تھی جب زنگ (مورچہ) صفا سے رخصت ہوا۔

''از افراد ہر عنصر فنا رفت'' یعنی حروف تہجی کے اصول کے مطابق ''چہار عنصر'' کے جتنے اعداد نکلتے ہیں اس میں سے لفظ ''فنا'' کے اعداد چار بار کم کئے جائیں تب اس کا سال اختتام نکل آئے گا۔ لفظ ''چار عنصر'' سے ۱۶۴۰ کا عدد نکلتا ہے جس میں سے لفظ ''فنا'' کے عدد کو جو ۵۲۴ ہوتا ہے کم کرنے پر ۱۱۱۶ھ نکلتا ہے۔ چار عنصر کی تکمیل کا سال یہی ہے۔

بیدل کے تفصیلی حالات لکھنے کے لئے چار عنصر صرف اسی مذکورہ سال تک مدد کرتی ہے اس کے بعد کے حالات کے لئے ہمیں رقعات اور دوسرے مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

رقعات بیدل

رقعات کی اہمیت:

رقعات کی اہمیت پر اردو کے مشہور ادیب غلام رسول مہر ''علم وادب میں خطوط کا درجہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> ''خطوط و مکاتیب ہر شخص کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لئے نہایت عمدہ اور بڑی حد تک قابل اعتماد سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر و مشاہیر کے خطوط فراہم کرنے کی طرف ارباب علم وادب ہمیشہ بہ اہتمام خاص متوجہ رہے ہیں اور اس سرمایہ کو ادبیات و سیر کا بڑا قیمتی اندوختہ سمجھا جاتا ہے۔'' (۱۳۲)

اس میں شک نہیں کہ مکاتیب کے مجموعے ایک ادیب کی شخصیت کے خدوخال کی تشخیص میں اہم رول ادا کرتے ہیں کیونکہ نامہ نگار ذاتی، سماجی، تہذیبی، معاشی اور ادبی پہلوؤں وغیرہ سے وابستہ اپنے جملہ افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کا اظہار برجستہ اور غیر شعوری طور پر اپنے خطوط میں کرتا ہے اور چونکہ اس کی اشاعت اس کے مدنظر نہیں ہوتی اس لئے وہ اپنی باتیں انتہائی آزادی اور بے اعتنائی سے کہہ جاتا ہے۔

رقعات بیدل کے مضامین:

رقعات بیدل اس کے ذاتی حالات و کیفیات، ادبی و سماجی افکار و خیالات اور جذبات و احساسات کے آئینہ دار تو ہیں ہی سماج کے مختلف طبقے سے اس کے وسیع روابط اور تعلقات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ ''بیدل کے احباب'' کے زیر عنوان پچھلے صفحات میں ان موضوعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اس لئے یہاں ان کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

بیدل کے خطوط کے مطالعہ کے دوران جو چیز ہماری مخصوص توجہ کا مرکز بنتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ذاتی اور سماجی حالات کے بیان کے دوران بیدل نے اکثر فلسفیانہ نکات، ادبی مباحث، تنقیدی خیالات، خوبصورت اشعار اور دوسری اہم معلومات فراہم کردی ہیں اور جس کو بیدل کے ادبی اور فلسفیانہ نقطہ ہای نظر کی دریافت مقصود ہو اس کے لئے اس کے رقعات بھی ایک بہترین اور معتبر ترین مآخذ ہیں استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

> ''......رقعات بیدل حتی بصرف نمودن وقت ہم نمی ارزد، زیرا مکاتبہ بیدل با دوستان او جزو مسلک ومشرب او نیست، بلکہ مربوط است بروتین حیات او۔ از قبیل اینکہ دوستان خود را دیدہ و یا داد وستد وخرید و فروش شخصی نمودہ۔'' (۱۳۳)

رقعات بیدل اس لائق بھی نہیں ہے کہ اس پر کچھ وقت صرف کیا جائے کیونکہ بیدل کے مراسلات اپنے دوستوں کے ساتھ اس کے مسلک و مشرب کا جز نہیں ہیں بلکہ اس کا تعلق اس کی زندگی کے روٹین سے ہے مثلاً یہ کہ دوستوں سے ملاقاتیں کیں یا ان سے کچھ ذاتی لین دین یا خرید و فروخت کیا۔

راقم السطور استاد سلجوقی کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہاں اس کی تفصیلی بحث کا موقعہ نہیں لیکن ''بیدل کے احباب'' کے زیر عنوان پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا نیز بیدل کی زندگی اور سوانح کے دوران، جیسا کہ ہم نے پڑھا، ایسے بہت سے مکاتیب کے حوالے دئے گئے جو کئی مختلف فیہ مسائل کے حل کرنے میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بیدل کے حالات ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء کے بعد اس کے خطوط ہی کی روشنی میں مرتب ہوتے ہیں۔ پھر پانچواں باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' جیسا کہ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے واضح کرتا ہے کہ اس کے بہت سے اہم افکار و خیالات کا تذکرہ انہیں خطوط میں ضمنی طور پر آتا ہے اور انہیں افکار و خیالات کو اس نے غزلیات میں پیش کیا ہے۔ تکرار اور طوالت سے بچنے کے لئے قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اس کتاب کے پانچویں باب کا مطالعہ کریں۔

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ استاد سلجوقی کا یہ فیصلہ کہ ''رقعات بیدل اس لائق بھی نہیں کہ اس پر کچھ وقت صرف کیا جائے'' سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ استاد مزید لکھتے ہیں:

"بیدل در رقعات خود در گلیم تاملات آسمانی خود پیچیده نیست بلکه او درین اثر خود در بساط صحبت دوستان است و در زمین است۔" (۱۳۴)

بیدل رقعات میں اپنے بلند آسمانی افکار و خیالات کا کمبل نہیں اوڑھے ہوئے ہے بلکہ یہاں اپنے دوست احباب کے حلقے میں زمین پر قیام پذیر ہے۔

مراسلہ نگاری کا مقصد ظاہر ہے احباب سے جو روابط قائم ہوئے ہیں ان کو برقرار رکھنا ہوتا ہے لیکن بیدل کے مکتوب الیہم میں اہل علم و دانش اور صاحب ذوق شاعر و ادیب کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ بیدل نے ان سے مراسلات کے ضمن میں شعر و سخن، حکمت و معرفت اور اخلاق و عادات وغیرہ سے متعلق بہت سے مسائل پر روشنی ڈالی ہے اور ان کے بارے میں اپنا مسلک و موقف واضح کیا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوگی۔ (۱۳۵)

مراسلہ نگاری میں عموماً سلیس سادہ، بے تکلف اور غیر پیچیدہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے تا کہ مراسلہ نگار اپنی بات مخاطب کے ذہن تک آسانی سے منتقل کر سکے۔ اس اصول کے پیش نظر رقعات کا اسلوب بھی اصولی طور پر ایسا ہی ہونا تھا مگر یہاں بھی بیدل نے اسی فنی اور رنگین اسلوب کا استعمال کیا ہے جو اس کی عادت ثانیہ ہو چکی تھی۔

بیدل کے خطوط کی تعداد:

بیدل کے خطوط کی تعداد مختلف نسخوں میں اس ترتیب سے ہے:

۱۔ رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور ۲۷۹

۲۔ رقعات بیدل مطبوعہ کابل ۲۸۹

اس میں دو دیباچے اور ایک کتبہ بھی شامل ہے۔

۳۔ مجمع الانشاء تالیف محمد امین ۱۱

اس کتاب میں بہت سے خطوط دوسرے لوگوں کے بھی ہیں۔ رقعات بیدل مطبوعہ نولکشور سے موازنہ کرنے پر معلوم ہوا کہ گیارہ خطوط بیدل کے ایسے ہیں جو نولکشور کے نسخہ میں نہیں ہیں ان میں سے صرف دو خطوط رقعات بیدل مطبوعہ کابل میں ہیں۔

۴۔ رقعات عالمگیری قلمی ۱

یہ نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے اور اس کے سرورق پر بیدل کا ایک نایاب خط پایا گیا۔

۵۔ صحایف شرایف قلمی تالیف حسن عسکری ۲

اس مجموعہ میں میر عبدالحئی کے نام بیدل کے دو خطوط پائے گئے جو دوسری جگہ نہیں ملتے۔

تکراری خطوط کو کم کرنے کے بعد اب تک دریافت ہونے والے خطوط کی تعداد ۲۸۹ ہوتی ہے اور اگر اس کے اندر دو دیباچوں اور ایک کتبہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد ۳۰۱ تک پہنچ جاتی ہے ممکن ہے کافی تلاش کے بعد اس کی تعداد میں مزید اضافہ ہو۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم نے پڑھا ان خطوط کی بڑی تعداد نواب شکر اللہ خاں کے نام ہے ان میں سے کچھ دوسروں کی طرف سے ان کے دوست احباب کو لکھے گئے۔ بعض خطوط میں مکتوب الیہم کے نام غلط لکھ گئے اور بعضوں میں انواع و اقسام کے خطاب استعمال کئے گئے ہیں۔

نکات بیدل:

تعداد نکات: نکات کی تعداد کے بابت غلام حسن مجددی رقم طراز ہیں:

"نکات بیدل، یعنی افکار حکیمانه وی عبارت از اقوال موجزی است پر معنی که غالباً از چار عنصر انتخاب گردیده، تعداد و همچنان موضوعات آنها در طبع مختلف اختلاف دارد۔" (۱۳۶)

"نکات بیدل"، یعنی بیدل کے حکیمانہ افکار و خیالات وہ مختصر اور پر مغز مقولے ہیں جو اکثر چار عنصر سے لئے گئے ہیں ان کی تعداد اور موضوعات مختلف ایڈیشنوں میں مختلف رہے ہیں۔

چہار عنصر سے نکات کا موازنہ کرنے پر راقم السطور اس نتیجے پر پہونچا کہ مطبوعہ نولکشور میں پائے جانے والے پچھتر (۷۵) نکات میں سے صرف اکیس (۲۱) نکات مستقل حیثیت رکھتے ہیں بقیہ چوّن (۵۴) نکات ہو بہو چہار عنصر سے ماخوذ ہیں پھر ان میں بھی بارہ (۱۲) نکات در حقیقت بیدل کے روحانی اساتذہ شاہ ملوک، شاہ فاضل، مرزا قلندر، شاہ قاسم ترمذی، شاہ ابوالفیض معانی اور شاہ کابلی کے ملفوظات ہیں بقیہ اکتالیس (۴۱) نکات بیدل نے مختلف واقعات کے ضمن میں اور مختلف مناسبتوں سے لکھے ہیں بلکہ کہنا چاہیے وہ بھی ایک طرح سے روحانی اساتذہ کے فیوض و برکات ہیں جن کو اس نے اپنے مخصوص دلکش اور رنگیں اسلوب میں بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے نکات کو بیدل کی ایک جداگانہ تخلیق کی نوعیت قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ ان نکات کی جدول درج ذیل ہے۔

جدول نکات (تعداد موضوعات اور چہار عنصر مطبوعہ نولکشور سے اس کا موازنہ:

نمبر	کلمات ابتدائی و آخری	موضوعات	نمبر صفحہ نکات	نمبر صفحہ چہار عنصر
۱	اگر منکر......چشم کشا	احترام بخاطرات قلب و توصیہ بمشاہدہ طبیعت	۱	
۲	شخص ظاہر......نہ تراشی	قیافہ ظاہر را اساس قضاوت نباید قرار دارد	۱	
۳	بابدگویاں......نہ بینی	توصیہ بہ خودداری از صحبت بدگویان	۱	
۴	اگر طبیعت......در نیافتہ	طبع مائل بہ خبث علامہ محرومی از صحبت اکابر است	۲	
۵	اگر حصول......می گداخت	رزق و رحمت ہر یک عام واقع شدہ	۵	
۶	مجاز......شگافت	فرق در مجاز و حقیقت بمنزلہ تفاوت نہال و تخم است	۶	
۷	از قلندر......نمی افتاد	معرفت نتیجہ بیکاری است	۶	
۸	کسب......تشنیع	بی تلاشی نیز تلاش است	۶	
۹	در عالم......بکوشی	توصیہ بمشاہدہ جہاں کثرت	۷	
۱۰	از فرط......بینائی	در حال نزع و سرسام اشیاء محسوسہ معینہ بنظری رسد	۷	
۱۱	گواہ......جمعیت	برای نیروہای جسمانی و روحی و عقلی اعتدال در تغذیہ	۰۱	
۱۲	ریاضت......احتیاج	توصیہ باعتدال در ریاضت و مجاہدہ	۱۲	
۱۳	اعتبار......فرماید	از خاطرات قلب آنچہ خیر بنظری رسد باید آنرا عملی کرد	۱۳	
۱۴	قرب......نشاید	ناہماہنگی میان اہل دین و اہل دنیا مبتنی بر جنون و ہوش	۱۳	
۱۵	در اعتبارات......آیات	مشخصات جماد، نبات و حیوان در انسان یکجا شدہ	۱۵	
۱۶	در افراد......بی پروائی	تدبیر معاش برای دنیاداران و بی پروائی از اں برای دینداراں	۱۵	
۱۷	نبوت......نہ بندد	تعریف نبوت و ولایت	۱۸	
۱۸	فطرت......برآریم	آدمی طبعاً میان خیر و شر تفاوت نمی کند فضل حق یاور است	۱۸	
۱۹	تقویٰ......ذات	تفاوت میان تقوی اہل دنیا و اہل عقبی و اہل اللہ	۲۰	
۲۰	فضل......بردارند	فضل حق نعمت و فیض ازل حسن است	۲۰	
۲۱	ساز......بیداد	ساز حقیقت بدست مجاز پرستان و چار فریاد است	۲۲	۳۰۹
۲۲	از بزرگی......اختیار	صلح کل کیش درویشان و منازعت کیش زاہدان	۲۲	۳۱۰
۲۳	عالمی......نخواہد رسید	بجای احتساب دیگران بآرائش باطن خود پرداز	۲۲	۳۱۱
۲۴	می......پیوستہ	اشارہ بحضور احدیت حق	۲۴	۳۱۳
۲۵	معنی......برآوردہ	منع اشارہ بتفاوت بین رب و مربوب (دوئی) است	۲۶	۳۱۳
۲۶	صحبت......فہمید	صحبت دانا عطیہ و صحبت عرفا غنیمت المارش تو دہ مردم تن پروری	۲۷	۳۱۹
۲۷	طبائع......شمرد	طبع تودہ مردم با حقایق سازش نمی دارد لذا خامشی و عزلت ترجیح دارد	۲۹	۳۳۰
۲۸	حصول......انتقال	گرسنگی و خلو معدہ برای حصول کمال لازم است	۲۹	۳۳۰
۲۹	تا کمر......غبار	انسان تا زمانیکہ ناتوان باشد دیگران برای معرکہ بادی آمادہ باشند	۳۰	۳۳۹
۳۰	آنچہ......ساخت	توجہ بمطالعہ دل و خودداری از تقلید عموم	۳۲	۳۴۲
۳۱	طبائع......شنید	تقلید شیخ و برہمن ہر یکی را پای بند رسوم قرار دادہ	۳۲	۳۴۲
۳۲	شمع......نشوی	پرخواری و گرسنگی ہر یکی در مقام خود مناسب است	۳۴	۳۴۹
۳۳	زبان......خواستن	زبان لاف و گردن دعوی ہر دو مذموم اند	۳۵	۳۵۵
۳۴	افعال......بیحیائی	زبان لاف در برابر مردان مکشا	۳۷	۳۵۵
۳۵	کمال......مبرہن	نبوت مظہر جمال الٰہی و ولایت مظہر جلال الٰہی است	۳۸	۳۵۶
۳۶	از زمین......محراب	تا وقت بستگی ایند رفیض فرضی برای حصول ہر گونہ فیضہا مہیا	۴۰	۳۶۲
۳۷	آدمی......افسرد	افسون اہل غار نگر مہر آسائش است	۴۰	۳۶۸
۳۸	صعب......ناقبولی	در حال امیدی، نا قبول شدن دشوارترین حال است	۴۰	۳۶۲
۳۹	تحیر......اندیشند	تفاوت میان مدرسہ حال و مدرسہ قال	۴۲	۳۷۶
۴۰	حسن......بردن	ذرہ و قطرہ کہ ناچیز بنظری رسد چوں آفتاب و محیط ہر یکی را بخود جادہ دارزش وی میسری شود	۴۲	۳۸۷
۴۱	حکم......کشاید	موانست در فقر اتی برمشاہدہ وحدت است	۴۴	۳۷۹
۴۲	آدمی......نشاید	ہر یکی از افراد کونی و الٰہی محیط اسرار خود است	۴۵	۳۷۹
۴۳	طینت......ماتمی	توصیہ بمشاہدہ جہان و تماشا کردن آن، بیداری است	۴۷	۳۹۸
۴۴	مقصود......کوتاہ	تعریف سیر گریباں، تامل، تفکر و مشاہدہ جلوہ	۴۷	۳۹۷
۴۵	چشم......فروخت	توصیہ بہ چشم وا کردن و مشاہدہ کردن جہان	۴۹	۳۹۸
۴۶	از بزرگی......مبرہن	خواب افضل است یا بیداری؟	۴۹	۴۰۲

۴۷	غیب......شعور	تعریف غیب مطلق، اضافی، ممثل، مصور	۴۹	۴۰۲
۴۸	سررشتہ......آورد	سررشتہ ہر علاجی بستہ بدوائی است	۴۹	۴۰۹
۴۹	غافل......پرداخت	سخن اثری دارد	۵۰	۴۱۷
۵۰	ورود......انسان	سخن چیست؟ بحث مفصل	۵۱	۴۱۷
۵۱	نفس......اجرام	نفس رحمانی کہ منشاء الٰہی کلی است براستی سخن است	۵۲	۴۱۸
۵۲	آتش......منزل	ہمہ آفاق معمای سخن است امانا مفتوح	۵۲	۴۱۸
۵۳	درچار......خاصیتی	بگردش رسیدن پر ساغر مقدمہ ظہور کیفیتی است	۵۴	۴۱۹
۵۴	توجہ خاطر......خویش	گرایش طبع بہ فقرا و اہل جاہ چہ تفاوتی دارد؟	۵۵	۴۲۰
۵۵	روح انسانی......بوید	روح انسانی برای رسیدن بمنزلہ تنزہ جمعیت خود را در فراہمی اسباب جوید	۵۵	۳۰۴
۵۶	اینکہ......بپوش	تعریف عالم، اشیا، دل و علوم	۵۷	۴۳۴
۵۷	گل......کشود	گل کردن رموز غیب موقوف بر تحریک دلست	۵۷	۴۳۷
۵۸	درعنصر......مغشوش	طبایع بعضی مثل سنگ افسردہ و بعضی دیگر مثل آئینہ لطیف	۵۸	۴۳۷
۵۹	ازاردہ......مطلق	مظاہر ارادہ حق برای خلق موجب حیرت اند	۵۸	۴۳۹
۶۰	آئینہ......نکشودہ	ہمہ حقایق بدوں توسط عقل بر انسان روشن است	۵۹	۴۴۳
۶۱	باہمہ......صفاتیم	تعریف مسئلہ عین و غیر	۶۰	۴۳۶
۶۲	معنی کرم......وقار	کرم چیست؟ در احوال مختلف معانی مختلف دارد	۶۰	۴۶۰
۶۳	تمثال......اندیشیدن	صور مثالی چیست؟	۶۰	۴۴۲
۶۴	جمیع......بی اختیار	کریم در خوی خود مجبور است و محتاج در طلب بی اختیار	۶۱	۴۶۱
۶۵	تاثیر......بردن	طبع کریم و مزاج لئیم و تفاوت میان آنہا	۶۲	۴۶۱
۶۶	اعیان......برآورد	توجیہ بہ پی بردن بخودی خود	۶۲	۴۸۷
۶۷	نوی......نرسانند	بی ثباتی و ناپایداری جہان	۶۳	
۶۸	گفتگو......می پوشد	ہر کجا از روح و جسم برای دیگری مثل صورت و ہیولی	۶۴	۴۸۹
۶۹	تانسخہ......خجلت	در دنیای تعلق نمی تواں از خلق کنارہ گیری کرد	۶۴	۴۹۱
۷۰	عالم......دانستن	جہاں جلوہ گاہ اضداد است	۶۵	۴۹۱
۷۱	روح......انداخت	تعریف اوج انسانی، عقل و حیا	۶۵	۴۶۴

۷۲	از بزرگی......ریخت	بکسب صفت ایثار می تواں از دشواری مرگ نجات یافت	۶۵	۴۶۲
۷۳	کیفیت......نگذارد	کیفیت سخا مبتنی بر نزاکت کہ کریم خود را محسن نہ شمارد	۶۵	۴۶۴
۷۴	شیرازہ......بی تصور	خموشی موجب جمعیت و سخن باعث اضطراب	۶۸	۵۰۲
۷۵	تجربہ......دماغ	خموشی و سخن، ہر یک بموقع خود در خور ستائش است	۶۸	۵۰۴

اس طرح نکات کا بڑا حصہ چہار عنصر کا تکرار اور اعادہ ہے زیادہ سے زیادہ ان میں کچھ غزلیں، کچھ رباعی اور مثنوی کے بعض اشعار کا اضافہ ہے جو اس کے دیوان غزلیات میں پائے جاتے ہیں۔

استاد صلاح الدین سلجوقی نے نکات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے چھ صفحات پر مشتمل ایک تبصرہ لکھا ہے اور اسے چہار عنصر سے الگ ایک جداگانہ اور مستقل کتاب تسلیم کیا ہے۔ اپنے تبصرہ کے دوران اس تصنیف سے اپنی پسندیدگی، علمی اور فنی دو قسم کے اسلوب بیان اور آخر میں نثر بیدل اور چہار عنصر اور نکات کی تصنیف سے بیدل کے مقصد کا تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

”......برای اینکہ از روح نظم خود بتواند بہ آن طبقہ کہ بہ شعر او چندان آشنائی ندارند بزبان نثر کلاسیک تعبیری کند تا شرح پارۂ از غزلہای او گردد، لازم دانست ”نکات“ را بروی کار آرد۔“ (۱۳۷)

جو طبقہ اس کے کلام سے پوری طرح واقف نہیں تھا اس کو اپنی نظم اور شاعری کی روح سے آشنا کرنے کی غرض سے اسی نے اسے کلاسیکی نثر کی زبان میں لکھا تا کہ اس کی چند غزلیات کی شرح ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے ”نکات“ لکھنا اس نے ضروری سمجھا۔

اس جدول کے پیش نظر جس کا اوپر ذکر ہوا راقم السطور ”نکات“ کو چہار عنصر کا ایک ”انتخاب“ قرار دیتا ہے اور اس وقت ”نکات“ کی تالیف کا مقصد بھی وہی ہوگا جو چہار عنصر کی تصنیف سے ہے۔

”تا محجب نماند کہ این نشہ بی خمار خمستان عدم از ساغر ہستی اعتبار چہ کشید۔ و این نغمہ بی نوای طربگاہ وحدت از ساز امتیاز کثرت چہا شنید۔“ (۱۳۸)

یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہے کہ خمستان عدم کے اس نشہ بے خمار (بیدل) نے ہستی ”اعتبار“ کے ساغر سے کیا کیا نوش کیا اور طربگاہ ”وحدت“ کے اس نغمہ بے نوا (بیدل) نے امتیاز ”کثرت“ کے ساز سے کیا کیا سنا۔

نکات کو دوبارہ لکھنے سے بیدل کا مقصد:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیدل کا مقصد اگر دونوں تصانیف سے اپنی روحانی، ذہنی اور فکری

بالیدگی کی نشاندہی کرنا تھی تو اس کے تکرار سے کیا فائدہ اس کے پیش نظر رہا ہے۔

کافی غور و خوض کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نکات کے تکرار سے بیدل کا مقصد انہیں موضوعات کی غزلوں، حکایتوں اور اشاروں کے ذریعہ مزید وضاحت کرنا تھا کیونکہ بیشتر نکات میں ان غزلوں، رباعیوں اور قطعوں کے علاوہ جو ان نکات کی مناسبت سے چہار عنصر میں آتے ہیں۔ دوسری غزلیں، رباعیاں، نظم، اشارے اور کہانیاں بھی ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ روحانی اساتذہ سے ملاقات کے دوران نیز اپنے ذاتی تجربات سے جو اسرار و رموز اور علوم و معارف اس کے ہاتھ لگے ان سب کا لب لباب اس نے ان نکات کے اندر جمع کر دیا ہے۔

اشارات کیا ہیں؟

جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ اشارات اور حکایات بھی نکات کی توضیح و تشریح کے لئے بیچ بیچ میں لائے ہیں۔ یہ اشارات اور حکایات درحقیقت مثنوی ''عرفان'' اور ''محیط اعظم'' وغیرہ کے بعض اشعار ہیں جو نکات کے مضامین سے ہم آہنگ ہیں مثال کے طور پر پہلا نکتہ ملاحظہ ہو۔

''اگر منکر نبوت نہ ای باخطرات جز تعظیم پیش میا۔ واگر بر تجلی ایمان داری ہیچ جانب بی ادب چشم مکشا۔'' (۱۳۹)

اس نکتے کا ماحصل یہ ہے کہ واردات قلب کو حقیر اور بے وقعت نہیں سمجھنا چاہئے اسی طرح دنیا کو ذات احدیت کی تجلی گاہ سمجھ کر اس کا ادب واحترام کرنا چاہئے۔

اس نکتے میں بیدل نے درحقیقت مسئلہ ''نبوت و ولایت'' کو موضوع بنا کر قاری کو یہ بتانا چاہا ہے کہ ''نبوت'' لفظ نَبَا سے ماخوذ ہے جس کے معنی خبر کے ہیں۔ نبی وہ ہے جس پر وحی الٰہی متلو اور غیر متلو دونوں شکل میں نازل ہوتی ہے۔ پہلی شکل کو قرآن اور دوسری کو حدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ غیر متلو وحی کی شکل یہ ہے کہ انبیا کے قلوب پر الہام ہوتا ہے جس کو ہم اپنی اصطلاح میں ''خاطرات'' یا ''خطرات'' سے تعبیر کرتے ہیں اسی قسم کے خاطرات یا واردات کا اولیا کے قلوب پر بھی الہام ہوتا ہے۔ لہٰذا نبی اور ولی دونوں کے خطرات کا سرچشمہ ایک ہی ہے اگرچہ دونوں کی اہمیت ایک سی نہیں تاہم چونکہ ایک ہی ''فانوس نور'' سے استفادہ کر رہے ہیں اس لئے اس کو احترام کی نظر سے دیکھنا چاہئے اور اب ''اشارت'' کی طرف دھیان دیجئے جو درحقیقت مثنوی ''محیط اعظم'' کے چند اشعار ہیں:

صراحی دوش در بزم خموشان　　بہ قلقل زد نوا کای تیز ہوشان

کل رات صراحی خاموش لوگوں کی بزم میں اپنے قلقل (صراحی کے گلے سے شراب کے

گرنے کی آواز) سے آواز لگائی: اے ذہین لوگو!

ہمیں یک بادہ در مینا و جام است　　اگر ہوش است یک ساغر تمام است

جام وسبو میں ایک ہی قسم کی شراب ہے اگر ہوش گوش سے دیکھو تو وہ ایک ہی ساغر ہے۔

ز خمخانہ آب و رنگ ظہور　　دو پیمانہ آورد ظرف شعور

''ظرف شعور'' نے آب ورنگ کے خمخانہ سے دو پیمانے سامنے لا کر رکھ دیئے۔

یکی کرد اسم نبوت بلند　　یکی طرح جام ولایت فگند

ایک کا نام نبوت رکھا دوسرے کا ولایت۔

بہر جا کمال یقین نشہ ایست　　برون زین دو کیفیتش جادہ نیست

جہاں ''کمال یقین'' کا نشہ موجود ہے وہاں کا جلوہ ان دو کیفیتوں سے باہر نہیں ہے۔

''نبوت'' خرام احد تا صفات　　''ولایت'' رجوع صفت سوی ذات

''نبوت'' نام ہے ''ذات احد'' کا چل کر صفات تک پہنچنے کا اور ''ولایت'' نام ہے صفات کا ذات کی طرف رجوع کرنے کا۔

نہ او غیر این و نہ این غیر او　　از و سوی او تا ابد سیر او (۱۴۰)

نہ وہ اس کے سوا کچھ ہے اور نہ یہ اس کے سوا کچھ۔ اسی سے اس کی طرف سیر کا سلسلہ تا ابد قائم رہتا ہے۔

نبوت اور ولایت کے جام میں ایک ہی قسم کی شراب موجود ہے اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے وہ صراحی کی مثال پیش کرتا ہے جو زبان حال سے اس شراب کی یکسانیت کی نشاندہی کرتی ہے جو صراحی اور جام جداگانہ ظروف میں ہے اس لئے اس کا نام ''اشارہ'' رکھا جو موجودہ استعمال کے لحاظ سے بھی بہت مناسب اور برمحل اصطلاح ہے۔

حکایات کیا ہیں:

یہی حال ''حکایات'' کا ہے۔ اس کی مختلف مثنویوں سے ماخوذ چند اشعار پر مشتمل ہیں مثلاً اسی مسئلہ ''نبوت وولایت'' میں ایک ضعیفہ اور حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ بیان کیا ہے جو مثنوی ''محیط اعظم'' سے ماخوذ ہے۔

شنیدم عجوز طریقت خرام　　فرستاد سوی جنید این پیام

میں نے سنا کہ ایک صاحب طریقت قدر شناس ضعیفہ نے حضرت جنیدؒ کو یہ پیغام کہلا بھیجا:

که تا چند بر خلق بی اعتبار — نمائی رموز خفا آشکار

کہ نا قابل اعتبار مخلوق کے سامنے کب تک پردہ خفا کے اسرار و رموز بیان کرتے رہو گے۔

کسانیکه باهوش جوشیده اند — بکام و زبان سرمه مالیده اند

جو لوگ صاحب ہوش و گوش ہیں انہوں نے اپنے حلق و زباں پر سرمہ مل دیا ہے (خاموش رہے ہیں۔)

نمی زیبد افشای راز ازل — مگر با خواص حقیقت محل

راز ہائے ازل کا افشاء مخصوص حقیقت شناس لوگوں کے سوا کسی اور پر کرنا مناسب نہیں ہے۔

بکن شرم از جرأت این کلام — که ذکرش کنی نقل بزم عوام

اس جرأت پر کہ اس کا ذکر تو عوام کی محفل میں کرے شرم کر۔

چو شیخ این حکایت ز قاصد شنید — لبش گشت بر قفل معنی کلید

شیخ نے جب قاصد کی زبانی یہ کہانی سنی تو ان کے ہونٹ قفل معنی کے لئے کلید بن گئے۔

که حاشا کرا طاقت گفتگو است — کلیم و سمیع اگر هست اوست

کہ حاشا و کلا کسے گفتگو کرنے کا یارا ہے اگر کوئی کلیم (بولنے والا) اور سمیع (سننے والا) ہے تو وہی خدائے وحدہ لاشریک لہ ہے۔

دوئی را در این انجمن بار نیست — عموم و خصوصی نمودار نیست (۱۴۱)

اس انجمن میں دوئی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اس میں عام و خاص کی کوئی قید نہیں ہے۔

ان "چھتر نکات" کے علاوہ جو "نکات" میں بیدل نے ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ چہار عنصر میں سات اور نکات ملتے ہیں جن کو اس نے "نکتہ" کے عنوان سے (خط جلی میں) بیان کیا ہے۔ یہ نکات درج ذیل ہیں:

۱۔	شخصی بی تعینی به تخیل دوگام اعتباری الخ	چہار عنصر	ص ۴۰۰
۲۔	کمال حق منزه است الخ	//	ص ۳۸۳
۳۔	طفل رضیع که در دبستان الخ	//	ص ۴۰۰
۴۔	در مرض خانه عبرت زندگی الخ	//	ص ۴۲۶
۵۔	هوش آئینه دار عبرت نیست الخ	//	ص ۴۶۳
۶۔	سر بگریبان ندزدیده الخ	//	ص ۴۸۸
۷۔	انکشاف غوامض موقوف فهم	//	ص ۵۲۲

اگر ان سب کو "نکات" میں شامل کر لیا جائے تو ان کی تعداد بیاسی ۸۲ ہو جائے گی۔ مختلف نسخوں میں نکات کی تعداد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ شاید اسی حذف و اضافے کی بنیاد پر ہے۔

نکات کے مضامین:

نکات کے موضوعات یا مضامین جیسا کہ جدول سے واضح ہے مختلف قسم کے ہیں اور تصوف سے لے کر اخلاقیات سماجیات اور نفسیات وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ ان کے مضامین ان واقعات کے پس منظر یا سیاق و سباق میں جن میں وہ لکھے یا کہے گئے ہیں پوری طرح واضح ہوتے ہیں۔ اس موضوع کا تعلق چونکہ پانچویں باب "بیدل کے افکار و خیالات" سے ہے اس لئے وہاں اس پر بحث ہوگی۔

جناب غلام حسن مجددی نے ڈاکٹر عبدالغنی کے حوالے سے لکھا ہے:

"طوریکه ایوانوف اشاره نموده است این افکار باریک و عالی بیک سبک نهایت مطنطن و خیلی غامضی که بیدل برحسب عادت در موقع بحثهای فلسفی بآں متوسل می گردد نوشته است۔" (۱۴۲)

جیسا کہ ایوانوف نے اشارہ کیا ہے ان اعلیٰ اور دقیق افکار کو ایک انتہائی باریک اور غامض اسلوب میں بیدل نے لکھا ہے جس سے وہ عام طور سے فلسفیانہ بحث کے موقع پر کام لیتا تھا۔

نصائح بادشاہان:

بیدل کی طرف منسوب ایک اور نثری کتاب "مخزن حکمت و موعظمت" کا ابھی حال میں پتہ چلا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ اس کا اصلی نام "نصائح بادشاہان" ہے اور اس کا واحد قلمی نسخہ ادارہ تحقیقات عربی و فارسی ٹونک راجستھان میں محفوظ ہے۔ صاحبزادہ صولت علی خان نے اس کا اردو ترجمہ کر کے اسے متن کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ناشر فارسی بک سینٹر دہلی ٹونک ہے۔ کتاب کے آخر میں درج ذیل ترقیمہ ہے:

"قد تمت الکتاب بعون الملک الوهاب مسمی به "نصائح بادشاهان" بتاریخ بست ونهم تحریر یافت ۱۲۷۴ھ۔"

یہ کتاب جس کا نام "نصائح بادشاہان" ہے ۲۹ر تاریخ ۱۲۷۴ھ کو خدائے تعالیٰ کی استعانت سے پایۂ تکمیل کو پہونچی۔

بیدل کی وفات ۴ر صفر ۱۱۳۳ھ میں ہوئی اس لئے سمجھ میں نہیں آتا ہے ۱۲۷۴ھ میں یعنی ایک سو

اٹھتالیس سال کے بعد کیسے لکھی گئی۔ اگر کسی کاتب نے اس کی کتابت بعد میں کی تھی تو اس کا نام ضرور لکھا ہوتا اس لئے اس کے بیدل کی طرف منسوب ہونے میں شبہ ہے۔

شبہہ کی دوسری وجہ اس کا سادہ اسلوب ہے۔ بیدل نے اپنے عام جانے پہچانے اسلوب سے ہٹ کر بالکل سادہ اور سلیس انداز میں اسے لکھا ہے جبکہ وہ رنگین، مسجع و مقفیٰ اور پیچیدہ نثر لکھنے کا عادی تھا جس میں تشبیہات و استعارات کا کثرت سے استعمال کرتا تھا۔ چنانچہ رقعات میں اپنے اسلوب کی وضاحت کرتا ہوا لکھتا ہے:

"پیر صریح است کہ نامہ ہا یکسر در کسوت پیچیدگی بال کشا است و تحریرہا یکقلم در صورت ایجاز پرواز نما۔"

واضح رہے کہ میرے خطوط سرتاسر پیچیدگی کا لباس پہن کر بازو پھیلائے ہوئے ہیں اور میری تحریریں یکقلم ایجاز و اختصار کی شکل میں گرم پرواز ہیں۔ اور اس کو "انشائے شیریں" کا لقب دیا کرتا تھا جو اسے بڑھاپے میں حاصل ہوتی ع

"بہ پیری گشت بیدل طرز انشاء تو شیریں تر۔"

البتہ مقدمہ میں اس کتاب کے سادہ و سلیس انداز میں لکھنے کی وجہ پر روشنی ڈالتا ہوا کہتا ہے:

"بعد از حمد و سپاس خداوند عالم و ذکر بہترین فرزند آدم صلی اللہ علیہ وسلم، در نصیحت ارباب ممالک شروع می کنم بحکم آن کہ یکی از دوستان عزیز تمنا کرد، و درین معنی بفہم نزدیک و از تکلف دور، جوابش نوشتم کہ شرائف اوقات فرزند دام بقاؤہ بوظائف دعوات و طاعات خداوند جل ثناؤہ آراستہ۔"

خداوند عالم کی حمد و ثنا اور بہترین فرزند آدم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد ارباب اقتدار کو پند گوئی کی ابتدا کرتا ہوں۔ کتاب ہذا کی وجہ تصنیف اپنے ایک عزیز دوست کی یہ درخواست ہے کہ اس سلسلے (سلاطین کی پند گوئی) میں تکلف سے دور اور فہم سے نزدیک نصائح سپرد قلم کروں تا کہ فرزند دام بقاؤہ کے اوقات شریفہ خداوند جل ثناؤہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گذریں اور وظائف سے آراستہ ہوں۔

اگر یہ کتاب واقعی بیدل کی ہے تو ماننا پڑے گا کہ بیدل کو سادہ نگاری پر بھی اتنی ہی قدرت تھی جتنی رنگین نگاری پر۔

جہاں تک مضامین کا تعلق ہے اس میں بھی بعض جگہ تضاد معلوم ہوتا ہے مثلاً سلاطین کو نصیحت کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:

"پس آنگاہ بعلما و عباد و زہاد قیام نماید و خاطر ایشان را بدست آرد۔" (ص ۵۴)

پھر صالحوں، عابدوں اور زاہدوں کی خدمت میں حاضری دے اور ان کی دلجوئی کرے۔

جبکہ اپنے بہت سے اشعار میں اس نے زاہدوں اور عالموں پر زبردست تنقید کی ہے مثلاً کہتا ہے:

زاہداں گوشہ را ساز بزرگی ناقص است   ریش ہم می باید اینجا در خور دستارہا

حسد تا کی، تعصب چند گر درد دلی داری   نیاز زاہدان بی خبر کن درد دینی را

اسی طرح اپنے حالات بیان کرتا ہوا ایک جگہ لکھتا ہے:

"این دولت خواہ در عمر از ماہ بلوغیت تا سن بست سالگی بر اسپ تقوی سوار شدہ و زرہ صلاحیت در بر افگند۔" (ص ۶۲)

یہ خیر خواہ سن بلوغیت سے لے کر بیس سال کی عمر تک تقویٰ کے گھوڑے پر سوار اور صلاح کا زرہ زیب تن کئے رہا۔ جبکہ اپنے اشعار میں کہتا ہے:

غافل سرکشیہای شباب از طاعتم داشت   قامت خم گشتہ یاد از گوشہ محراب داد

جوانی کی سرکشیوں نے طاعت سے غافل کر دیا، اب جب بڑھاپے میں کمر جھک گئی ہے تو محراب کے کونے کی یاد آتی ہے۔ یا کہتا ہے:

زاہدی نمی دانم تقویٰ نمی خواہم   سینہ صافی دارم نذر درد نوشتیہا

زاہدی مجھے معلوم نہیں اور تقوی سے مجھے سروکار نہیں، میرا سینہ ہر قسم کے باطنی امراض سے صاف ہے جو درد نوشی کی نذر ہے۔

زہد و تقوی ہم خوشست اما تکلف برطرف   درد دل راہ بندہ ام درد سری در کار نیست

زہد و تقویٰ اچھی چیز ہے، تکلف برطرف میں تو درد دل کا غلام ہوں درد سر مجھے نہیں مطلوب۔

بہرحال اس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

شریعت:

"ہر کس نفس خود را بفرمان شریعت ننہد، فرمان دہی را نشاید۔" (ص ۳۸)

جو شخص اپنے نفس کو احکام شریعت کا پابند نہیں بناتا وہ فرمانروائی کے قابل نہیں ہے۔

دین اور ملک:

"دین را نگہداشتن نتواں کرد الا بعلم، و ملک را احاطہ نتواں کرد الا بحلم۔" (ص ۳۸)

دین کو بغیر علم کے محفوظ نہیں رکھ سکتے اور ملک کو بغیر بردباری کے نہیں بچا سکتے۔

تربیت کے پانچ مراحل:

''اولین باب تربیت پند است، دومین باب توبہ و بند است، سومین توبہ و پشیمانی، چارمین عہد و شرط سوگند است، پنجمین گردنش بزن کہ خبیث است، بقضاء بد آرزو مند است۔'' (ص ۴۶)

تربیت کا پہلا دروازہ نصیحت کرنا ہے، دوسرا دروازہ توبہ کروانا اور قید کرنا ہے، تیسرا توبہ کرانا اور نادم کرانا ہے چوتھا عہد و شرط و قسم لینا ہے پانچواں اس کی گردن اڑا دینا ہے اس لئے کہ شاید وہ اپنے برے انجام ہی کا آرزو مند ہے۔

طعام، سخن، خواب و صحبت:

''طعام آنگہ خورد کہ اشتہا غالب آید، وسخن آنگہ گوید کہ ضرورت افتد، وسر آنگہ نہد کہ خواب آید، وصحبت آنگہ کہ شوق بہ منتہا برسد''۔ (ص ۵۳)

کھانا اس وقت کھائے جب اشتہا غالب ہو، بات اس وقت کرے جب ضرورت پیش آئے تکیے پر سر اس وقت رکھے جب نیند آئے اور صحبت اس وقت کرے جب شوق انتہا کو پہنچ جائے۔

بادشاہی:

''بادشاہی چنان باید کرد کہ اگر روزی افتد جفا نہ بیند، وخجلت نبرد۔''

بادشاہت اس طرح کرنی چاہئے کہ اگر کسی دن اس کا زوال ہو جائے تو اسے تکلیف جھیلنی نہ پڑے اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ (ص ۵۴)

✪✪✪

باب چھارم

بیدل
ایک شاعر کی حیثیت سے

بیدل بقدر شور کلامت مزہ دارد
کز یاد تو باید لب اندیشہ مکیدن

غزلیات

بیدل گہر نظم کسی راست کہ امروز   در بحر غزل زورق اندیشہ دواند

بیدل نے جب شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو اس کی سب سے زیادہ شیریں اور لطیف صنف ''غزل'' نے ترقی کے کئی مراحل طے کر لئے تھے اور اس نقطہ پر پہنچ چکی تھی جب اُس عہد کے ماہرین اسلوب اسے ''تازہ گوئی'' اور عہد حاضر کے ماہرین اسے ''سبک ہندی'' اور بعض لوگ ''سبک اصفہانی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ بیدل کو اس اسلوب کا سب سے بڑا اور نمایاں نمایندہ شاعر مانا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اول فارسی غزل کے تدریجی ارتقا پھر مختلف اسالیب خصوصیت سے ہندوستانی اسلوب اور اس کی خصوصیات پیش نظر رہے۔ فارسی غزل کے تدریجی ارتقاء سے متعلق ذیل میں مشہور ایرانی ادیب اور مؤرخ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے ''گنج سخن'' پر مقدمہ کا خلاصہ پیش ہے۔

فارسی غزل کا ارتقا:

فارسی شاعری کے آغاز ہی سے غزل گوئی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا لیکن اس کے کمال کا دور چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے جب شاعروں کے ایک طبقہ نے جس میں رودکی، شہید بلخی، دقیقی، منجیک، طاہر چغانی، خسروی اور رابعہ قزداری وغیرہ شامل ہیں، اس صنف میں اپنی استادانہ مہارت کا ثبوت دیا۔ ان کے کلام میں ایجاز و اختصار اور لطافت و نزاکت وغیرہ کی خصوصیات پائی جاتی تھیں۔

پھر پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے اوائل میں سنائی اور معزی جیسے شاعر پیدا ہوئے جن کے عہد میں غزل نے دیگر اصناف سخن سے بالکل الگ اور ممتاز صنف کی شکل اختیار کر لی۔ اسی زمانے میں درباری شاعروں نے غزل کو قصیدے سے الگ کر کے اس میں آپ بیتی یا ذاتی تجربات اور آزادنہ جذبات واحساسات بیان کرنا شروع کیا۔

چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد کے شاعروں نے عموماً اس صنف کی طرف توجہ کی۔ اس کے نتیجے میں انوری، سیمای مروزی، سیفی نیشاپوری، مجیر بیلقانی، جمال الدین اصفہانی، ظہیر فاریابی، خاقانی، نظامی اور کمال الدین اسماعیل جیسے عظیم شعراء پیدا ہوئے۔

اس بیچ طبقہ صوفیہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل اور پانچویں صدی کے اواخر سے غزل کو خانقاہ میں رہنے والے سالکوں اور صوفیوں کے جذبات و تاثرات میں جوش و ابال پیدا کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔ عارفانہ غزل گوئی کا پہلا کامیاب شاعر سنائی تھا۔ سنائی کے بعد عطار، اس کے بعد جلال الدین محمد مولوی بلخی رومی اور آخر میں فخر الدین عراقی نے اس صنف سخن کو نقطہ عروج پر پہونچا دیا۔

عاشقانہ غزل ساتویں صدی ہجری میں سعدی شیرازی کے ہاتھوں نقطۂ عروج پر پہونچ گئی اور بجا طور پر اسے ''استادِ غزل'' کا خطاب دیا گیا۔ سعدی کی غزلوں میں لطافت، حلاوت، جدت اور طراوت کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔

اس وقت تک عارفانہ اور عاشقانہ غزلوں کا اسلوب بہ استثنائے چند الگ الگ اور جداگانہ تھا لیکن سعدی اور مولوی کے بعد جن کا بعد کے ادب پر بہت گہرا اثر تھا دونوں قسمیں باہم مخلوط ہو گئیں۔ اس آمیزش کا سبب مذکورہ بالا شاعروں کے غیر معمولی اثرات کے علاوہ فارسی شاعری پر تصوف کا مکمل عمل دخل ہے۔ اس آمیزش نے صنف غزل میں ایک نئے اسلوب کو جنم دیا جو ذبیح اللہ صفا کے الفاظ میں:

''دراین شیوہ از طرفی افکار عالی عرفانی و نکات عمیق، و از طرف دیگر زبان لطیف شاعران غزل گو و دقتی کہ آنان در حفظ ظاہر الفاظ بکار می بردند، با یکدیگر آمیخت۔ این است کہ در غزلہای قرن ہشتم ''قبول خاطر و لطف سخن'' با یکدیگر ہمراہ است۔''

اس اسلوب میں ایک طرف تو بلند عارفانہ افکار و خیالات اور عمیق و دقیق نکات ہیں اور دوسری طرف غزل گو شاعروں کی لطیف زبان اور وہ توجہ و انہماک ہے جو ظاہر الفاظ کی لطافت کے لئے وہ اختیار کرتے تھے، یہ سب خصوصیات یہاں آ کر آپس میں مل گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھویں صدی کی غزلوں میں 'قبول خاطر' اور ''لطف سخن'' دونوں ایک دوسرے سے ہم آغوش نظر آتے ہیں۔

اس اسلوب کے نمائندہ شعراء فخر الدین عراقی، ہمام تبریزی، امیر خسرو دہلوی، خواجوی کرمانی، سلمان ساوجی، حافظ شیرازی، اوحد الدین کرمانی اور کمال الدین خجندی ہیں ان شاعروں خصوصاً حافظ، عراقی اور خواجو کے کلام میں اس اسلوب کی خصوصیات پوری طرح نمایاں ہیں۔

جس اسلوب کو حافظ شیرازی نے اختیار کیا اسے انہوں نے نقطۂ عروج پر پہونچا کر دم لیا۔ ان کے بعد نویں صدی ہجری سے اس اسلوب نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے دیدیا اور حافظ کے عہد سے جس قدر ہم دور ہوتے جاتے ہیں اُن کا اسلوب اسی قدر روبزوال نظر آتا ہے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر اور دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ہرات میں سلطان حسین بایقرا (متوفی ۹۲۰ھ/۱۵۰۶ء) کے عہد میں شاعروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو ایک مخصوص اسلوب کی

پیدا ہوئیں کا سبب بنا جسے ''ہندوستانی اسلوب'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس اسلوب کے نمائندوں میں ہلالی چغتائی، فغانی اور امیدی ہیں۔'' (۱)

اسلوب کیا ہے؟

فارسی غزل کے ارتقاء کی یہ ایک مختصر داستان تھی۔ دسویں صدی ہجری میں غزل کا جو مخصوص اسلوب پیدا ہوا اسے ''سبک ہندی'' کہتے ہیں، لیکن ''ہندوستانی اسلوب'' پر غور وفکر سے پہلے اول خود اسلوب اور چند قسموں میں اس کی تقسیم پر بحث کریں گے۔ حسین فریور نے اسلوب کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''سبک عبارتست از مشخصات یک اثر ادبی کہ آنرا از آثار مشابہ ممتاز می کند۔ سبک روشی مخصوصی است کہ ہر شاعر و نویسندہ برای بیان مطالب و اندیشہ ہای خود بکار می برد۔ انتخاب الفاظ، تراکیب کلمات و طرز تعبیر در نمایاندن فکر، شایان اہمیت است۔ و لفظ و معنیٰ باہم پیوستگی تام دارند کہ فساد یکی موجب خرابی دیگری می شود۔ بدین معنی اگر فکر مبہم باشد لفظ نیز ست و نارسا خواہد بود۔ از ینرو در سبک شناسی دو اختصاص لفظی و معنوی باید باہم مورد توجہ قرار گیرد۔ سبک شعر فارسی بچہار دورہ تقسیم شود: سبک خراسانی، سبک عراقی، سبک ہندی و دورۂ بازگشت ادبی۔'' (۲)

سبک (اسلوب) کسی ادبی تخلیق کی ان خصوصیات کا نام ہے جو اسے اسی جیسی ادبی تخلیقات سے ممتاز کرتی ہیں۔ سبک ایک مخصوص طرز کا نام ہے جس کو ہر شاعر یا ادیب اپنے افکار و خیالات کے بیان کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ الفاظ، ترکیبات اور طرز تعبیر کا انتخاب کسی خیال کی ادائیگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لفظ و معنیٰ میں باہم مکمل ربط ہونا چاہئے ان میں سے کسی ایک کی خرابی دوسرے کی خرابی کا سبب ہوسکتا ہے۔ اس بنیاد پر اگر فکر و خیال میں ابہام ہوگا تو لفظ بھی ست و نارسا ہوگا۔ اس لحاظ سے اسلوب شناسی میں لفظی اور معنوی دونوں خصوصیتوں پر یکساں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ فارسی شاعری کے اسلوب چار ادوار میں منقسم ہیں۔ سبک خراسانی، سبک عراقی، سبک ہندی اور سبک بازگشت ادبی۔

''سبک'' کی تعریف پر اتفاق ہونے کے باوجود اس کی چار مختلف قسموں میں تقسیم اور تشخیص کا مسئلہ دانشوروں کے درمیان ہنوز موضوع بحث بنا ہوا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس معیار پر ایک دور کے کلام کی خصوصیات کو دوسرے دور کے کلام کی خصوصیات سے ممتاز کرتے ہیں وہ ہنوز قطعی شکل اختیار

نہیں کر سکا۔ مشہور ادیب اور محقق پرویز ناتل خانلری لکھتے ہیں:

''در زمانہای اخیر میان ادیبان ما چنین معمول بودہ است کہ شعر یعنی مہترین نوع ادبیات فارسی را بہ سہ سبک اصلی تقسیم می کنند کہ خراسانی، عراقی و ہندی خواندہ می شود۔ این سبکہای سہ گانہ در تاریخ ادبیات ما نہ تنہا جنبہ جغرافیائی بلکہ جنبہ زمانی نیز دارند۔ ''سبک خراسانی'' را بہ دورانی میان قرن چہارم تا اواخر قرن ششم محدود می کنند ''سبک عراقی'' را بہ فاصلہ قرن ششم تا نہم قرار می دہند و شیوہ ہندی را از قرن دہم تا اوائل قرن دوازدہم۔

اما ہنوز تعریف صریح و دقیق کہ این سبکہا را از یکدیگر مشخص کند و حد فاصل آنہا را نشان دہد، بہ وجود نیامدہ است۔ گذشتہ ازین، سبکہای سہ گانہ مذکور را نہ در مکان و نہ در زمان می تواں بدقت محدود کرد...... مراد ما زین گفتگو بیان این نکتہ است کہ برای بحث در بارہ ادبیات پہناور فارسی ہنوز موازین و اصولی در دست نداریم۔'' (۳)

ادھر کچھ دنوں سے ہمارے ادیبوں کا معمول رہا ہے کہ شعر یعنی فارسی ادب کی اہم ترین صنف کو جو خراسانی، عراقی اور ہندوستانی کے نام سے ہیں تین اسالیب میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہ تینوں اسالیب ایرانی ادب کی تاریخ میں نہ صرف جغرافیائی پہلو کے حامل ہیں بلکہ زمانے کا پہلو بھی ان میں شامل ہیں۔ ''خراسانی اسلوب'' چوتھی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری کے اواخر کی درمیانی مدت میں محدود ہے۔ ''عراقی اسلوب'' چھٹی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری کی درمیانی مدت میں اور ہندستانی اسلوب، دسویں صدی ہجری سے لے کر بارہویں صدی تک کی درمیانی مدت میں محدود ہے۔

لیکن ان اسالیب کی واضح اور دقیق تعریف جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کر سکے اور ان کے درمیان حد فاصل کی نشاندہی کر سکے ہنوز نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا تینوں اسالیب کو نہ زماں میں اور نہ مکاں میں محدود کیا جا سکتا ہے...... اس گفتگو سے ہمارا مقصد اس نکتے کی وضاحت کرنا ہے کہ فارسی کی وسیع و عریض ادبیات پر بحث کے لئے ہنوز کوئی معیار اور اصول مرتب نہیں ہو سکے ہے۔

راقم السطور کا خیال ہے کہ ہر شاعر کا ایک مخصوص اسلوب ہوتا ہے جو اسے دوسرے شاعر سے ممتاز کرتا ہے اور کسی ایک دور کی خصوصیات نام کی ایسی کوئی چیز نہیں جس کا مصداق خارج میں ہو کیونکہ بسا اوقات ایک دور کے کلام کی خصوصیات دوسرے دور کے کلام میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ مختلف ادوار کے شاعروں کے کلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

افغانی دانشور استاد صلاح الدین سلجوقی نے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستانی اسلوب کی جن خصوصیات کا تذکرہ فارسی ادب کے مؤرخوں نے اپنی تصانیف میں کیا ہے وہ خاقانی کے کلام میں

بھی جو چھٹی صدی ہجری کا ایک نامور شاعر اور خراسانی اسلوب کا نمائندہ تصور کیا جاتا ہے، پائی جاتی ہیں۔(۴)

لیکن فارسی ادبیات کے کچھ مؤرخوں نے چونکہ اس کی چار حصوں میں تقسیم کو درست تسلیم کیا ہے۔علاوہ ازیں خود بیدل نے ایک شعر میں لفظ ''تازہ گویاں'' کا استعمال کیا ہے

بفکر ''تازہ گویاں'' گر خیالم پرتو اندازد ــــ پر طاؤس گردد جدول اوراق دیوانہا

''تازہ گو شاعروں'' کے اسلوب میں اگر میری قوت فکر یہ پرتو اندازی کرے تو میرے دیوان کے اوراق کے جدول پر طاؤس کی طرح رنگارنگ مضامین کے حامل ہو جائیں۔

اس شعر کے ذریعہ بیدل یہ بتانا چاہتا ہے کہ شاعروں کا ایک مخصوص طبقہ اس کے پیش نظر یا اس کے ذہن کے نہانخانہ میں تھا جس نے ''تازہ گوئی'' کو رواج دیا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اول اس کے بانیوں پھر اس کی خصوصیات کا ذکر کیا جائے۔

ہندوستانی اسلوب اور اس کا بانی:

جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا ہندوستانی اسلوب کا بانی بابا فغانی (۹۳۴ھ ۱۵۲۸ء) اور اس کے معاصر شعراء ہیں جو ہرات میں سلطان حسین بایقرا کے دربار میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان کے کلام پر تنقید کرنے کے بعد مشہور ادیب اور مؤرخ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اس اسلوب کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''این وضع مقدمہ پیدائش سبک خاصی در شعر فارسی خاصہ غزل شد کہ از نیمہ قرن دہم ہجری بہ بعد تا اواخر قرن دوازدہم ہجری متداول بودہ و چون بیشتر طرفداران این سبک در ہمین اوان در دربار شعر پرور امپراطوران تیموری ہند بسر می بردہ اند آنرا ''سبک ہندی'' نامیدہ۔ و اخیرا ''بعضی'' آنرا سبک اصفہانی'' گفتہ اند۔''(۵)

یہ صورت حال فارسی شاعری خصوصاً صنف غزل میں ایک نئے اسلوب کی اساس رکھنے کا مقدمہ ثابت ہوئی جس کا رواج دسویں صدی ہجری کے نصف سے بارہویں صدی ہجری کے اواخر تک رہا اور چونکہ اس اسلوب کے نمائندہ زیادہ تر ہندوستان کے تیموری سلاطین کے دربار سے وابستہ تھے اس لئے اس کو ''ہندوستانی اسلوب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے ادھر حال میں کچھ لوگ اسے ''اصفہانی اسلوب'' سے بھی یاد کرنے لگے ہیں۔

حسین فریور لکھتے ہیں:

''......در آخر دورہ صفویہ، سبک دیگری در اشعار بوجود آمد کہ بہ ''سبک ہندی'' معروف است و شعرای از قبیل وحید قزوینی، و عرفی شیرازی و کلیم کاشانی و صائب تبریزی آنرا در ایران و در ہندوستان رواج و رونق دادند و در ہند نیز چندتن شاعر معروف مانند فیضی دکنی و بیدل پیدا شدند کہ این سبک را آنجا رایج ساختند بطوریکہ گویندگان قرن دہم و یازدہم در ایران و خارج ایران ہمہ پیروان این سبک بودند۔''(۶)

صفوی سلسلے کے آخری دور میں فارسی شاعری میں ایک اور اسلوب رونما ہوا جو ہندوستانی اسلوب کے نام سے مشہور ہے وحید قزوینی، عرفی شیرازی، کلیم کاشانی اور صائب تبریزی نے اسے ایران اور ہندوستان میں رواج دیا۔ ہندوستان میں بھی چند مشہور شاعر جیسے فیضی دکنی اور بیدل پیدا ہوئے جنہوں نے اس اسلوب کو یہاں رواج دیا۔ اس طرح دسویں اور گیارہویں صدی کے شعراء خواہ ایران کے ہوں یا بیرون ایران کے سب اسی اسلوب میں طبع آزمائی کرتے رہے۔

ہندوستانی اسلوب کی خصوصیات

اس سلسلے میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:

''این سبک مبتنی است بر بیان افکار دقیق و ایراد مضامین باریک و دشواری و دور از ذہن، در زبان سادہ معمول و عمومی۔ درین سبک توجہ شاعر بیشتر بآوردن مضامین بکر و تازہ در ہر بیت از غزل معطوفست و معمولا مضمونہا با دقت خیال و رقت احساسات و تصورات دور از ذہن ہمراہست۔ و در حقیقت باید گفت کہ علاقہ شاعر باندیشہ ہای مبہم شاعرانہ و خیالات و تصورات بیشتر است تا بزبان و صحت استعمالات و متانت کلام، و ہمین امر باعث شد کہ غالبا در ابیات سبک ہندی معانی مطلوب و زیبا و دقیق در الفاظ ناساز و سست نہفتہ باشد۔(۷)

اس اسلوب کی اساس دقیق و باریک افکار و خیالات کے اظہار اور باریک، مشکل اور ذہن کی رسائی سے دور مضامین کو سادہ اور عوام پسند زبان میں ادا کرنے پر قائم ہے اس اسلوب میں شاعر کی توجہ غزل کے ہر شعر میں ایک انوکھا مضمون پیش کرنے پر مرکوز رہتی ہے۔ پھر یہ مضامین بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اندر دقیق خیال، باریک احساس اور دور از ذہن تصورات پنہاں ہوتے ہیں۔ درحقیقت شاعر کی دلچسپی زیادہ تر مبہم شاعرانہ افکار و خیالات اور تصورات پیش کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ زبان و بیان، اس کے صحت استعمال اور متانت کلام سے۔ اسی وجہ سے ہندوستانی اسلوب کے نمونہ ہائے کلام

میں حسین و دلکش دقیق اور مطلوب مضامین نامناسب اور سست الفاظ میں ادا ہوئے ہیں۔

حسین فریور نے ان خصوصیات کی درج ذیل چھ نکات میں تلخیص کردی ہے:

۱۔ کنایات کا کثرت سے استعمال

۲۔ ان دقیق مضامین کو بیان کرنے کے لئے جن کو گذشتہ شاعروں نے نہیں بیان کیا ہے فارسی شاعری میں انہوں نے خیال بافی اور ریزہ کاری سے کام لیا ہے۔

۳۔ عام بازاروار مبتذل الفاظ کا استعمال، جس نے شاعری کو استحکام و متانت سے محروم کردیا۔

۴۔ مثالیہ کا استعمال۔ مثالیہ بھی ایک عمدہ صنعت ہے جس کا رواج زیادہ تر چوتھی صدی ہجری سے رہا ہے لیکن ہندوستانی اسلوب کے نمایندہ شعراء نے مثالیہ کے استعمال میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

۵۔ پیچیدہ استعارات و کنایات کا استعمال کہ شعر کو سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ تیار کرنا پڑے تب مقصود تک رسائی حاصل ہو۔

۶۔ لغز و معما کا رواج

یہ تو تھے معاصر ایرانی نقادوں کے خیالات ہندوستانی اسلوب کی خصوصیات کے بارے میں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض خصوصیات درست ہیں لیکن ان میں زیادہ تر ہندوستانی شاعروں کے بابت ان کی تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے افغانی اور ہندوستانی نقادوں نے ان پر منفی ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ صلاح الدین سلجوقی نے ہندوستانی اسلوب کو عارفانہ غزل سے تعبیر کرتے ہوئے اس کا اولین نمایندہ سنائی کو قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"آن چیزی را کہ این سبک تراشان "سبک ہندی" می گویند غالباً "تغزل صوفی" است، نہ سبک ہندی۔ و باید دانست کہ تغزل تصوفی و یا غزل صوفیانہ و یا غزل عرفانی غیر از شعر تصوفی است۔ مثلاً خاقانی رباعیاتی دارد کہ در آں تصوف را شرح دادہ وہمچنیں ملا ہادی سبزواری بنام الف فواید مثنوی ہزار بیتہ ای در شرح و بیان تصوف دارد وہمچنین عطار و شیخ شبستری اشعاری دارند کہ تصوف را شرح و بیان می کند کہ اینگونہ اشعار نمی توان تغزل صوفی کہ موضوع بحث ماست نامید ولی ممکن است شعر تصوفی خواند۔

آن چیزی را کہ "سبک ہندی" نامیدہ اند ذاتاً از اقلیم ہندی نشات نکردہ از آسمان تصوف فرود آمدہ است ولو کہ ہند بیش از دیگر اقالیم مہبط فیض این آسمان شدہ است وتصوف در آن نشو ونما مخصوصی کردہ است و با این ہم این سبک را در ہر شاعر باندازہ تعمق او در تصوف

بمشاہدہ می رسد۔ اولین شاعری کہ بتصوف اشاراتی دارد سنائی است کہ او حجیرات اول این سبک را بزبان دری تشکیل دادہ است۔" (۸)

ان سبک تراشوں نے جس چیز کو 'ہندوستانی اسلوب' کا لقب دیا ہے وہ غالباً صوفیانہ تغزل ہے نہ کہ 'ہندوستانی اسلوب' واضح رہے کہ فن تغزل یا عارفانہ غزل عارفانہ شاعری سے الگ چیز ہے۔ مثلاً خاقانی کی کچھ رباعیاں ہیں جن میں اس نے تصوف پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح ملا ہادی سبزواری نے ایک ہزار اشعار پر مشتمل ایک مثنوی الف فواید کے نام سے تصوف کی توضیح میں نظم کی ہے۔ شیخ عطار اور شیخ شبستری کے بھی ایسے کلام ہیں جن میں وہ تصوف کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں اس قسم کے کلام کو ہم "صوفیانہ تغزل" جو ہمارا موضوع بحث ہے نہیں کہہ سکتے ہاں صوفیانہ شاعری کہہ سکتے ہیں۔

فارسی شاعری کے جس اسلوب کو "ہندوستانی اسلوب" سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہندوستان میں پروان نہیں چڑھا ہے بلکہ وہ آسمان تصوف سے اترا ہے اگرچہ ہندوستان اس آسماں کا مہبط فیض دوسرے ملکوں کی بہ نسبت زیادہ رہا ہے اور یہاں تصوف نے مخصوص نشو ونما پائی ہے اس کے باوجود اس اسلوب کو ہر شاعر کے کلام میں دریائے تصوف میں اس کی غوطہ خوری کے بقدر دیکھ سکتے ہیں۔ پہلا شاعر جس نے تصوف کی طرف اپنے کلام میں اشارے کئے ہیں، سنائی ہے جس نے اس اسلوب کے اولین سنگ بنیاد کو دری زبان میں ایک مخصوص رنگ روپ عطا کیا۔

سلجوقی کے بیاں کی اساس پر ہندوستانی اسلوب کے اولین نمایندہ سنائی قرار پاتے ہیں اور چونکہ سنائی کا شمار پانچویں صدی کے شاعروں کے زمرے میں ہوتا ہے اس لئے کہنا چاہئے کہ ہندوستانی اسلوب کا رواج پانچویں صدی ہجری ہی سے شروع ہوگیا تھا اور بعد کے ہر شاعر کے کلام میں تصوف سے اس کی دلچسپی کے لحاظ سے یہ خصوصیت کم وبیش ہوتی رہی ہے۔ سنائی کے بعد چونکہ عطار اور ان کے بعد مولوی اور عراقی نے تصوف کی طرف اپنے طبعی میلاں کا اظہار زیادہ کیا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستانی اسلوب کے سب سے بڑے نمایندہ ہیں۔

راقم السطور کے خیال مین ہر ایک ایرانی اور افغانی نقاد افراط وتفریط کے کگار پر کھڑے ہیں۔ ایرانی لوگ خود کو اہل زبان سمجھتے ہیں۔ ایسے اہل زبان جن کی زبان اور جن کا ذوق خوب وزشت کی پرکھ کا واحد معیار ہے وہ کسی غیر ایرانی کو اپنی زبان میں رائے زنی کا حق نہیں دیتے چاہے وہ اس میں تبحر رکھتا ہو۔ ان کے تعصب کا سرچشمہ یہی ہے اسی وجہ سے ہندوستانی فارسی گو شاعروں کے کلام کو وہ کوئی وقعت نہیں دیتے۔ چاہے ایران میں اس کی نظیر بھی نہ ہو۔ تنقید میں تفریط ان کے اسی طبعی رجحان کا نتیجہ ہے۔

ادھر ایرانیوں کے مقابلے پر افغانی حضرات بیدل کے بابت خوش فہمی میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ اسے براہ راست نویں آسمان پر پہونچا دیا اور بیچ کے سارے سلسلوں کا یا انکار کر دیا یا اتنا کم کر دیا کہ کوئی اسے آسانی سے ماننے والا نہیں ہے۔ جس نے فارسی شاعری کے تدریجی ارتقا کی تاریخ کا بہ غور مطالعہ کیا ہے کیا وہ مولوی، عطار اور عراقی کی صف میں بیدل، ناصر علی، صائب اور غنی کشمیری کو جگہ دے گا؟ راقم السطور اس کو افراط سے تعبیر کرتا ہے جو کسی خاص اور پسندیدہ شاعر سے غیر معمولی ارادت و عقیدت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کرنی پڑے گی اور اس مقصد کے لئے آیئے دیکھیں بیدل خود کیا کہتا ہے:

تازہ گوئی اور اس کے پیرو

بیدل کہتا ہے:

بفکر تازہ گویان گر خیالم پر تو اندازد   پر طاؤس گردد جدول اوراق دیوانہا

''تازہ گوشاعروں'' کی فکری نہج پر اگر میری قوت متخیلہ پر تو اندازی کرے تو میرے دیوان کے اوراق کے جدول پر طاؤس کی طرح منقش ہو جائیں۔''

یہاں بیدل نے لفظ ''تازہ گویاں'' استعمال کر کے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ اس کے زمانے میں ایک مخصوص اسلوب کا رواج تھا جو قدیم کلاسیکی شاعروں کے اسلوب سے جدا تھا، اس کو ''تازہ گوئی'' سے تعبیر کرتے تھے اور اس کے پیرووں کو ''تازہ گو'' کہتے تھے۔

''تازہ گوئی'' کیا ہے، اس کا سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے، اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس کے نمایندہ شاعر کون کون ہیں، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے قارئین کی توجہ عبدالباقی نہاوندی کے بیان کی طرف مبذول کرنا چاہوں گا۔ موصوف نے کلیات عرفی مخطوطہ کے دیباچے میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

''...... درزمان میر موی الیہ (میر سلطان حسین بایقرا) مولانا عبدالرحمٰن جامی و علی شیرنوائی، بابا فغانی، اہلی شیرازی، ہگسی سوشتری و خواجہ اصفی و دیگران دانشمندان و سخنوران بودہ اند وطرز وروش خاص، کہ از قدما تجاوز نمودہ اند بطوریکہ الحال در میان مستعدان نزدیک است، اختیار نمودہ، سخن آفرینہا کردہ اند و آن طرز بہ مستعدان و سخن سنجان پسندیدہ بآن رغبت نمودہ اند۔ و جمعی دیگر صاحب عیار دار المعیار نکتہ دانی شدند مثل میرزا اسرار جہان و مولانا بسانی و

شریف تبریزی و یحییٰ لاہیجانی و مولانا محتشم کاشانی و ضمیری اصفہانی و وحشی بافقی۔ این طبقہ غیر آن طرز را اختیار نمودہ اند کہ بروش متاخرین آشنا شدہ اند، تا آنکہ نوبت جہانداری ولایت سخن بہ میرزا قلی و خواجہ حسین ثنائی و ولی دشت بیاضی و محمد میرک صالحی و قاضی نور الدین اصفہانی و حزنی اصفہانی و فہمی و حاتم کاشی و مولانا ملک قمی و حضوری قمی و عرفی شیرازی و طوفی تبریزی، وملا کی ہمدانی و میرزا حالی نظیری و شیخ علی نقی کمرہ و دیگر سخن سرایان بلاد عراق و خراسان رسید۔ این طبقہ یکبارہ منکر طرز متقدمین شدہ، خواجہ حسین ثنائی بیشتر از ہمہ قدم در وادی تازہ گوئی نہاد، باآنکہ ضمیری اصفہانی و محتشم کاشانی و دیگرانی کہ آن طرز را پسندیدہ می داشتہ اند و اینجماعت یکبارہ خود را از ان طرز و روش بیگانہ ساختند و مستعدان ایران را طرز این جماعت کہ آغاز تازہ گوئی و ریان وقوع آن ہم بود، بغایت خوش آمدہ اشعار آبدار ایشان را در سفاین خاطر خود ثبت می نمودند، و ہرچہ بر زبان حقیقت بیان ایشاں می گذشت بدستور باد صبا سراسر ایران و توران سیار می شود، تا آنکہ روزگار میدان سخنوری و عرصہ فصاحت و دانشوری ...... بمولانا عرفی شیرازی بیار است۔ و عنان بیکران سخن را برکف کافیش نہاد۔ و بکر معانی در حبالہ طبعش در آورد۔ و چشم روزگار را بزادان نونہالان گلعذار معانی روشن و عالمیان را باستماع آن لآلی شاہوار مخزن در عدن گردانید۔ و طرز متقدمین و متاخرین کہ قبل از زمان سخن سنجی و نکتہ گدازی او در میدان فصاحت و بلاغت راندہ بود، منسوخ ساختہ، طرز تازہ، کہ الحال در میان مستعدان ربع مسکون پسندیدہ است، بمیانہ مردم عالم آوردہ۔ فاضلان این فن و استادان این علم باین طرز معتقد شدہ پایہ سخنوری و نکتہ پردازی بدآں نہادند۔'' (۹)

میر موصوف (میر سلطان حسین بایقرا) کے زمانے میں مولانا عبدالرحمٰن جامی، علی شیرنوائی، بابا فغانی، اہلی شیرازی، ہگسی شوستری، خواجہ اصفی اور دوسرے دانشور و شعراء پیدا ہوئے انھوں نے قدیم شاعروں کے انداز سے تجاوز کر کے ایک مخصوص طرز اختیار کیا جو اس وقت (طبع آزمائی کرنے والوں) کے درمیان رائج اور سخن آفرینی سے کام لیا۔ یہ طرز ان طبع آزمائی کرنے والے شاعروں اور سخن سنجوں کو بھایا اور اس میں دلچسپی لینے لگے۔ شاعروں کا ایک اور طبقہ تھا جو نکتہ دانی کے دار المعیار پر پورا اترتا تھا جیسے مرزا اسرار جہاں، مولانا بسانی، شریف تبریزی، یحیٰ لاہجانی، مولانا محتشم کاشانی، ضمیری اصفہانی اور وحشی بافقی، اس طبقے نے مذکورہ ان لوگوں کے طرز سے الگ اور طرز اختیار کیا جو متاخرین کے روش سے آشنا تھے تا آنکہ کشور سخن کی جہانداری کی نوبت مرزا قلی، خواجہ حسین ثنائی، ولی دشت بیاضی،

محمد میرک صالح، قاضی نور الدین اصفہانی، حزنی اصفہانی، فہمی حاتم کاشی، مولانا ملک فہمی، حضوری قمی، عرفی شیرازی، طوفی تبریزی، ہلاکی ہمدانی، مرزا حالی، نظیری، شیخ نقی کمرہ اور عراق وخراسان کے دوسرے شاعروں تک پہونچی۔ یہ طبقہ متقدمین کے طرز کا سرے سے انکار کر بیٹھا۔ خواجہ حسین ثنائی نے ''تازہ گوئی'' کی وادی میں سب سے بڑھ چڑھ کر قدم رکھا۔ حالانکہ ضمیری اصفہانی، محتشم کاشانی اور دوسرے شاعروں نے (متقدمین کے) اس طرز کو پسند کیا تھا۔ مگر اس جماعت نے تو خود کو اس طرز و روش سے سراسر بیگانہ بنالیا اور ایران کے مستعدین (طبع آزمائی کرنے والوں) کو اس جماعت کا طرز بہت بھایا جبکہ تازہ گوئی کا ہنوز آغاز تھا، ان کے آبدار اشعار وہ اپنے سفائن میں ضبط کرتے تھے اور ان کی زبان حقیقت بیاں سے جو کچھ ادا ہوتا تھا باد صبا کی طرح سارے ایران وتوران میں پھیل جاتا تھا تا آنکہ زمانہ نے شاعری وسخنوی اور فصاحت ودانشوری کا میدان مولانا عرفی شیرازی کی شخصیت سے بنا سنوار کر پیش کیا۔ شاعری کا عنانِ فکر اس کے حوالے کیا اور اس کے حبالۂ طبع (طبیعت کے پھندے) میں انوکھے اور تازہ مضامین ڈال دیئے۔ چنانچہ عرفی نے فغانی کے گلعذار پودوں کو جنم دے کر چشم روزگار کو روشن کیا اور ان شاہوار موتیوں کو دنیا والوں کو سنا کر دردعدن کا مخزن بنا دیا۔ متقدمین ومتاخرین کے طرز کو جو اس کی سخن سنجی اور نکتہ آفرینی سے پہلے فصاحت و بلاغت کے میدان میں اسپ تازی کر رہے تھے، یک قلم منسوخ کیا اور ایک نیا طرز جو اس وقت ربع مسکوں کے شاعروں میں پسندیدہ ہے دنیائے شاعری کے سامنے پیش کیا۔ اس فن کے فضلا اور اساتذہ نے اس طرز پر اپنی پسندیدگی کی مہر ثبت کر کے سخنوری اور نکتہ پردازی کی اساس اس پر رکھی۔''

عبدالباقی کے مطابق ''تازہ گوئی'' کی تخم ریزی بابا فغانی اور اس کے ہمعصر شاعروں کے زمانے میں ہوئی۔ اس اسلوب کی سب سے اہم خصوصیت ''سخن آفرینی'' تھی۔ کافی نشیب وفراز سے گذرنے کے بعد آخر کار شاعروں کے ایک طبقے نے جس کے سرخیل خواجہ حسین ثنائی تھے، دوبارہ ''تازہ گوئی'' کے میدان میں قدم رکھا۔ جب نوبت عرفی تک پہونچی تو اس کے ہاتھوں اس اسلوب میں ایک نئی جان پڑ گئی اور اس دور کے بہت سے شاعروں میں وہ مقبول ہوا۔ ہندوستانی شاعروں کی ایک بڑی تعداد جیسے فیضی وغیرہ اور ایرانی شعراء جیسے مسیحی، حکیم شفائی وغیرہ نے اسی انداز بیان کو اپنایا اور اسے ترقی دی۔ بیدل نے اپنے شعر میں انہیں تازہ گویوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس طرح تازہ گوئی کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ سخن آفرینی

۲۔ تازہ اور انوکھے مضامین پیش کرنا

۳۔ تازہ بہ تازہ نکتے پیدا کرنا۔

بیدل نے بھی اپنے کلام میں انہیں خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ میری قوت فکر یہ اگر ان تازہ گو شاعروں کے انداز پر سخن آفرینی کرے تو میرے دیوان کے اوراق کے جدول پر طاؤس کی طرح رنگا رنگ اور تازہ بہ تازہ معانی کے حامل ہو جائیں۔ چنانچہ دوسرے اشعار میں وہ اس طرف اشارہ کرتے ہیں:

بیدل از رنگین خیالیہای فکرت می سزد جدول رنگ بہار اوراق دیواں ترا

بیدل! تیرے فکر کی رنگین خیالی کی بدولت یہی مناسب اور بجا ہے کہ تیرے دیوان اوراق رنگ بہار کی جدول کا روپ اختیار کرلیں یعنی جس طرح موسم بہار میں رنگ برنگے پھولوں کی وجہ سے چمن ایک دلکش ودلفریب منظر نگاہوں کے سامنے پیش کرتا ہے اسی طرح میرا دیوان انواع واقسام کے معانی رنگین سے دل ودماغ کو تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔

چنیں از کلک ما رنگ معانی می چکد بیدل تواں گفتن رگ ابر بہار ایں ناودانہا را

میرے قلم سے ایسے ایسے رنگ برنگے معانی اور مضامین عالم وجود میں آرہے ہیں کہ اس ناوداں (پرنالے) یعنی قلم کو ایک ابر بہار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی ''بیدل کی جمالیاتی علامت'' کے زیر عنوان ''تازہ گوئی'' کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عہد مغلیہ کے شاعر اپنے اسلوب شاعری کو ''تازہ گوئی'' کا نام دیتے ہیں اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ تازہ گوئی ایک سیدھے سادے اسلوب تغزل کا نام ہے۔ اس کے بعض مخصوص عناصر ہیں جو فارسی میں دوسرے اسالیب سخن میں اس طرح یک جا اور اپنے عروج پر نظر نہیں آتے۔ ان عناصر میں رنگین خیالی کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ تازہ گوشعراء نازک اور طربیہ استعارے استعمال کر کے اس طرح رنگین بیانی سے کام لیتے ہیں کہ مبصر فوراً کہہ اٹھتا ہے ان حسین تخلیقات کا عہد تخت طاؤس اور تاج محل کے عہد تعمیر کے بغیر اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ غنی کشمیری تازہ گو شاعر ہیں ان کی تاریخ وفات ۱۰۷۹ھ ہے۔ ان کا مندرجہ ذیل شعر پڑھیں آپ اس بات کی از خود تصدیق فرمائیں گے کہ فی الواقعہ ''تازہ گوئی'' کی امتیازی خصوصیات رنگیں خیالی ہے، فرماتے ہیں:

جلوہ حسن تو آورد مرا بر سر فکر تو حنا بستی و من معنی رنگیں بستم

مرزا بیدل بھی عہد تازہ گوئی کے نامور شاعر ہیں، لازماً رنگین خیالی ان کا طرہ امتیاز ہے۔

بہشت و فردوس، گل و نرگس، طاؤس و حنا، یوسف و شیریں وغیرہ استعارات و تلمیحات سے
کام لے کر وہ اپنے تخیل رعنا و توانا سے اس طرح حسن آفرینی کرتے ہیں کہ انسان انگشت
بدنداں رہ جاتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ گل و شمشاد کے مناظر سے قطع نظر کر کے صرف بیدل
کی چمن ایجادی سے جنت نگاہ کا ساماں حاصل کرتے رہیں۔ غالب اسی لئے طرز بہار
ایجادی بیدل کے والہ و شیدا تھے۔

ڈاکٹر یوسف حسین کے قول کے مطابق اگر غالب رنگ کے طلسماتی دلفریبی سے متاثر ہیں
اور یہ ان کے کلام میں شعری محرک کے طور پر موجود ہے تو یہ زیادہ تر بیدل کا رنگ ہے۔ اپنی
شاعری کے اس پہلو کی طرف بیدل اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔

بیدلاں چند خیال گل و شمشاد کنید　　خوش شوند ایں ہمہ کز خود چمن ایجاد کنید

اپنے تخیل کی اس حسن پروری کا مرزائے موصوف کے دل میں شدید احساس پایا
جاتا تھا اس لئے وہ اپنے معاصر تازہ گو شعراء کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان کا ایک شعر
ہے

بفکر تازہ گویاں گر خیالم پرتو اندازد　　پر طاؤس گردد جدول اوراق دیوانہا

فرماتے ہیں کہ بیدل کے چمن آفرین تخیل کا عکس بھی اگر تازہ گو شاعروں کی فکر پر پڑ جائے
تو ان کے دیوان کی جدول پر طاؤس کی طرح رنگیں ہو جائے۔ (۱۰)

یہ تو تھے ڈاکٹر عبدالغنی کے بیانات جن کی اساس پر تازہ گوئی کی اہم ترین خصوصیت ''رنگین
بیانی'' ہے۔

''ہندوستانی اسلوب'' کی پیدائش، اس کی خصوصیات اور اس کے پیرووں کی بابت ڈاکٹر ذبیح
اللہ صفا نے چند صفحات میں جو کچھ بیان کیا ہے ان کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی اسلوب ہے جو
مغل سلاطین کے زمانہ میں ''تازہ گوئی'' کے نام سے مشہور رہا ہے لیکن اس اسلوب کی خصوصیات کے
بابت ایرانی اور ہندوستانی نقاد کے درمیان زبردست اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ان تمام اختلاف کو
درج ذیل ایک نکتے میں اس طرح سمیٹا جا سکتا ہے۔

استعارات، کنایات، صنایع و بدائع اور دیگر آرایشی لوازمات کا استعمال جو بڑی حد تک ''رنگین
بیانی'' کہلاتی ہے ہندوستان ناقدین کے زاویہ نگاہ سے کلام کی دلکشی و دلآویزی میں اضافے کا سبب
ہے بلکہ ڈاکٹر عبدالغنی کے مخصوص الفاظ میں ''حسین و جمیل اور لطیف و ظریف پیکر کو وجود بخشتا ہے'' جبکہ
ایرانی ناقدوں کے نقطہ نظر سے ابہام و پیچیدگی کا سبب ہے۔ اس کی وجہ سے مضمون کا سرا قاری کے ہاتھ

سے گم ہو جاتا ہے دوسرے الفاظ میں معنویت سے خالی ایک بد شکل پیکر کو وجود عطا کرتا ہے۔

لیکن اعتدال اور توازن پر مبنی تنقید وہی ہے جس کو ڈاکٹر نور الحسن انصاری مرحوم نے عہد اورنگ
زیب کے فارسی کلام کی خصوصیات کے بابت لکھا ہے اور راقم السطور کے خیال میں مختلف ادوار میں
''تازہ گوئی'' اور سبک ہندی، کی کم و بیش یہی خصوصیات رہی ہیں، اس سے بہتر اور اس سے زیادہ کچھ
نہیں کہا جا سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس دور کی خصوصیات میں سب سے پہلا درجہ تصنع کے عنصر کا ہے۔ اگر چہ قصیدہ گوئی
متروک تھی اور غزل گوئی سب سے زیادہ مقبول مگر شاعر کا زور زبان و خیال دونوں کے تصنع
پر تھا۔ اظہار و ابلاغ کے لئے جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ عموماً پیچیدہ، تمثیلی، استدلالی اور
بڑی حد تک بے جان اور گنجلک ہے۔ غزل میں خالص رومانیت اور سپردگی کا فقدان اور
ایک طرح کی فلسفیانہ قنوطیت کی بہتات ہے۔ تمثیل اور ایہام کا جا و بیجا استعمال اس دور کی
شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس رجحان سے خیالات و افکار کا دائرہ ضرور وسیع ہوا مگر الفاظ کی
حد بندیاں بڑھ گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غزل جس میں اطناب و تفصیل کی گنجائش کم ہوتی
ہے۔ ابہام اور پیچیدگی کا شکار ہو گئیں۔ یہ والہانہ سرخوشی میں گنگنانے اور گانے والی غزلیں
نہیں ہیں بلکہ قاری سے غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ بیدل، ناصر علی اور غنی کی غزلوں میں
ترنم کم ہے اور تفکر زیادہ۔ اس خالص فکری ماحول میں شعراء کو تصوف کا بہت سہارا ملا اور اس
کی مخصوص اصطلاحوں سے انہوں نے اپنی شاعری کی تزئین کاری کی۔'' (۱۱)

بیدل کا اسلوب:

اس شاعرانہ ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیدل کے خود اپنے خیالات پر توجہ فرمائے جن کا
اظہار اس نے اپنی منزل تک پہونچنے اور شاعری میں اپنا واقعی مقام بنانے کے لئے کیا ہے۔ نواب
شکر اللہ خاں کے نام ایک خط میں ''در قباحت الفاظیکہ اکثر در اشعار یافتہ شود'' کے زیر عنوان لکھتا ہے۔

''جمعی در خطاب ممدوح، ساغر مدحی می پیماید کہ قدح، در برابر آن، شیشہ بر طاق انفعال می
گذارد۔ و جمعی در عرض کمال خود، تمہید وقاری بر می تراشد، کہ خامہ افہام، در رقم تاملش،
جز حقیقت خفت شعور نمی انگارد۔ در ین صورت، ہر طایفہ را بوسع استعداد، تفتیش افکار خود باید
نمودن، تا مستحسن زباندانان آن طریق برآید۔ و ہر فرقہ را بقدر مقدور، چشم تامل بر مراتب
بیان کشودن، تا شایستگی تحسین لطایف شناسان حاصل نماید۔'' (۱۲)

ممدوح کو خطاب کرتے ہوئے شاعروں کا ایک طبقہ مدح کی کچھ اس انداز سے ساغر پیمائی کرتا ہے کہ اس کے مقابلے پر قدح اپنے شیشے کو طاق ندامت وشرمندگی کی نذر کردیتا ہے اور دوسرا طبقہ اظہار کمال میں وقار کی کچھ اس طرح تمہید تراشی کرتا ہے کہ قلم افہام اس کی تامل طلب تحریر میں ''خفت شعور'' کی حقیقت کے سوا کچھ نہیں لکھتا۔ ایسی صورت میں ہر طبقے کو حسب استعداد اپنے افکار وخیالات کی چھان پھٹک کرنی چاہئے تاکہ زباندانوں کے اسلوب کی تقلید سے بخوبی عہدہ برآ ہوسکے اور ہر فرقے کو اپنے مختلف اسالیب بیان کا بہ غور مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ قدیم لطایف شناسوں کی شائستگی اسے حاصل ہوسکے۔

بیدل کے خیال میں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، طبع آزمائی کی ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شاعر مختلف اسالیب بیان کا مطالعہ کرے اور ان کی روشنی میں اپنے افکار و خیالات کی چھان پھٹک کرے اس کے بعد جو طرز سب سے زیادہ موزوں، مناسب اور عمدہ لگے اسے اختیار کرے اس لئے بیدل نے بھی یقیناً اسی اصول کو پیش نظر رکھا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ تقریبا ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء کے آس پاس دس گیارہ سال کی عمر میں مکتب کی تعلیم کو خیرباد کہنے کے بعد بیدل نے اپنے چچا مرزا قلندر کے حسب ہدایت گھر میں ہی شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کا روزانہ اس طرح مطالعہ کرنا شروع کیا کہ اس میں عمدہ اشعار اور غزلوں کا انتخاب کرتا اور شام کو سنایا کرتا تھا۔ اس انداز نے اسے انتہائی غوروخوض کے ساتھ شاعروں کے زیادہ سے زیادہ کلام کے مطالعہ کرنے پر مجبور کیا نیز مختلف اسالیب بیان سے اس کی آشنائی میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

اس دعویٰ کی سب سے مستند دلیل ''بیاض بیدل'' ہے جو ۸۸۲ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں ہے اور برٹش میوزم میں محفوظ ہے اس کے بابت وہاں کے فہرست نگار ڈاکٹر ریو لکھتے ہیں:

"A Persian anthology compiled by Mirza Bedil (see p. 706). It contains choice pieces by a vast number of poets from the age of Khaqani to the author's time, classed according to the various styles of poetical composition, and arranged In each class in alphabetical order accordingto the rhymes.

Poems written by different authors in the same measure and with the same rhyme are grouped together. The names of the poets are given in versified headings like the معراج سخن کلم قدسی and بادشاہ سریر معنی اسیر. (13)

''بیاض بیدل'' مختلف شاعروں کے کلام کا ایک انتخاب ہے جسے بیدل نے ترتیب دیا تھا۔ یہ خاقانی سے لے کر بیدل کے عہد تک بہت سے شاعروں کے منتخب کلام پر مشتمل ہے اور مختلف اصناف کلام کے گوناں اسالیب کے مطابق ان کی درجہ بندی کی گئی ہے اور ہر درجے کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

جو اشعار مختلف شاعروں نے ایک ہی وزن اور ایک ہی ردیف میں کہے ہیں ان کی ایک ہی جگہ طبقہ بندی کی گئی ہے۔ شاعروں کے نام منظوم عنوان کے ساتھ لکھے ہیں جیسے ''معراج سخن کلام قدسی'' یا ''بادشاہ سریر معنی اسیر''۔

بیاض بیدل کے ایک صفحے کی نقل یہاں منسلک ہے جسے راقم السطور کی درخواست پر برٹش میوزیم نے بھیجا تھا۔ اس صفحے پر آفرین، صامت، اور بیخود کے کلام کا ایک انتخاب ہے جن کے منظوم عناوین اس طرح ہیں: زااہل سخن ہمیشہ شنید است آفرین'' ''گویاست در اظہار حقیقت صامت''، ''بیخود از نشہ صہبای سخن'' ''بعالم سخن آفریں است صانع''۔

اس صفحے پر جتنے اشعار ہیں وہ بیدل کے بہترین ذوق انتخاب کے گواہ ہیں اکثر اشعار ایسے ہیں جن کو پڑھ کر ایک کیف وسرور حاصل ہوتا ہے اور وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس بنا پر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عمیق، دقیق اور وسیع مطالعہ، ذہن رسا، طبع موزوں اور ذوق لطیف کے نتیجے میں بیدل رفتہ رفتہ ایک نابغہ عصر کی شکل میں پروان چڑھ رہا تھا اور اپنے ہمعصروں سے گوی سبقت لے جارہا تھا۔

جن شاعروں کا نام ''بیاض بیدل'' میں موجود ہے ان میں بعض کا نام فہرست ریو میں موجود ہے۔ جن کا نام اس نے اپنے کلام میں ضمناً لیا ہے یا دوسرے مآخذ سے معلوم ہوا کہ ان سے متاثر ہوا ہے ان کو درج ذیل تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہلا طبقہ ان شاعروں کا ہے جن کے کلام سے متاثر ہونے کا اعتراف خود بیدل نے صاف لفظوں میں کیا ہے جیسے حافظ، خسرو، سعدی، انوری، خاقانی، رومی، عطار، سنائی اور ظہوری۔

۲۔ دوسرا طبقہ ان شاعروں کا ہے جن کے کلام کی پیروی کا تذکرہ دوسرے لوگوں نے کیا ہے جیسے جامی، عرفی، فیضی، نظیری، عالی وغیرہ۔

۳۔ تیسرا طبقہ ان شاعروں کا ہے جن کا تذکرہ بیدل نے کیا تو ہے مگر اس طرح سے جیسے ان کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جس کے وہ مستحق ہیں جیسے ہلالی، زلالی، سالک، طالب، صامت، شیدا، سلیم۔

جہاں تک پہلے طبقے کا تعلق ہے ان کے بابت کہتا ہے

رفع انکار از نسب جویاں معنی مشکل است   گو بقدرت انوری در معرفت عطار باش

"نسب جویانِ معنی" (نئے معانی اور مضامین کی کڑی ملانے والوں) کی اہمیت سے انکار کرنا مشکل ہے کہہ دو کہ قادر الکلامی میں انوری (م ۵۸۳ھ) خداشناسی میں عطار (م ۶۲۷ھ) ہو جاتا۔

از گل و سنبل بہ نظم و نثر سعدی قانعم   این معانی بیشتر در گلستاں دارد بہار

گل (پھول) سنبل (خوشبودار گھاس) مراد نظم ونثر کے لحاظ سے سعدی (م ۶۱۹ یا ۶۹۴ھ) کی نظم ونثر پر قانع و مطمئن ہوں۔ یہ نکتہ گلستاں میں پورے جوبن پر نمایاں ہے۔

بیدل کلام حافظ شد ہادی خیالم   دارم امید کاخر مقصود من بر آید

بیدل! حافظ (م ۷۹۱ھ) کا کلام میرے فکر و خیال کی پوری طرح رہنمائی کرتا ہے اس لئے امید ہے (لطیف و دلکش اور دلآویز شاعری کا) میرا مقصد بھی آخر کار پورا ہو کر رہے گا۔

بیدل کی اس شعر پر مشتمل غزل جو حافظ کی غزل کی زمین میں کہی گئی ہے، درج ذیل ہے۔

از حقہ دہانش ہر گہ سخن برآید   آب از عقیق ریزد در از عدن برآید
از شوق صبح تیغش مانند موج شبنم   گلہای زخم دل را آب از دہن برآید
از روی داغ حسرت گر پنبہ باز گیرم   باصد زبانہ چوں شمع از پیرہن برآید
بیند ز یار خجلت چوں تیشہ سرنگونی   بر بیستون دردم گر کوہکن بر آید
وصف بہار حسنش گر درچمن بگویم   چوں بلبل از گلستان گل نعرہ زن برآید
تارنگہ رساند نظارہ را برویش   ہرکس پیام خورشید با این رسن برآید
بیدل کلام حافظ شد ہادی خیالم   دارم امید کاخر مقصود من برآید

اور حافظ کی غزل درج ذیل ہے۔

دست از طلب ندارم تا کار من برآید   یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید
بکشای تربتم را بعد از وفات و بنگر   کز آتش درونم دود از کفن برآید
بنمای رخ کہ خلقی والہ شوند و حیراں   بکشای لب کہ فریاد از مرد و زن برآید
جاں برلبست و حسرت در دل کہ از لبانش   نگرفتہ ہیچ کامی جان از بدن برآید
از حسرت دہانش آمد بتنگ جانم   خود کام تنگدستاں کی زاں دہن برآید
گویند ذکر خیرش در خیل عشقبازاں   ہرجا کہ نام حافظ در انجمن برآید

اس طرح بیدل کے درج ذیل شعر۔

نغاں کیں نوخطان سادہ لوح از عشق بے باکی   بہ آب تیغ می شویند خط عنبر افشاں را

میں حافظ کے درج ذیل شعر کا عکس موجود ہے

نغاں کیں لولیاں شوخ شیریں کار و شہر آشوب   چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خواں یغما را

اسی طرح بیدل کی درج ذیل غزل۔

بر شعلہ تا چند نازیدن کاہ   در دولت تیز مرگیست ناگاہ
صد نقص دارد ساز کمالت   چندیں ہلال است پیش و پس ماہ
دل صید عشق است محکوم کس نیست   الحکم للہ و الملک للہ
دنیا و دیں کو شک و یقیں کو   اللہ اللہ اللہ اللہ
عمری طپیدیم تا خاک گشتیم   فرسنگہا داشت این یک قدم راہ
بیدل چہ نالم از یاس پیری   چوں شمعم از صبح روز است بیگاہ

میں حافظ کی درج ذیل غزل کی پرچھائیں پوری طرح موجود ہے:

گر تیغ بارد در کوی آں ماہ   گردن نہادیم الحکم للہ
من رند و عاشق آنگاہ توبہ   استغفرا للہ استغفر اللہ
آئین تقوی من نیز دانم   لیکن چہ چارہ با بخت گمراہ
ما شیخ و واعظ کمتر شناسیم   یا جام بادہ یا قصہ کوتاہ
حافظ چہ نالی گر وصل خواہی   خوں بایدت خورد در گاہ بیگاہ

(دیوان حافظ مطبوعہ تہران ۱۴)

آفات از ہوس بسرت ہالہ می شود   این شعلہ ہا ز دست تو جوالہ میشود
بی شغل فتنہ نیست چو نفس از فساد ماند   چون قحبۂ عجوز کہ دلالہ میشود۔
از محتسب بترس کہ این فتنہ زادہ را   چون وا رسند دختر رز خالہ میشود
سودائیان بخت سیہ را ترانہ ہا ست   طوطی ہزار رنگ بہ بنگالہ میشود
در وقت احتیاج ز اظہار شرم دار   چون شد بلند دست دعا نالہ میشود

اس میں حافظ کی درج ذیل غزل کی پرچھائیں پوری طرح نظر آتی ہے۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ میرود   وین بحث با ثلاثۂ غسالہ میرود
می دہ کہ نوعروس چمن حد حسن یافت   کار این زمان ز صنعت دلالہ میرود
شکر شکن شوند کنون طوطیان ہند   زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

طی مکان ببین و زمان در سلوک شعر — کین طفل یک شبہ رہ صد سالہ میرود
آن چشم جاودانۂ عابد فریب بین — کش کاروان سحر ز دنبالۂ میرود
خوی کردہ می خرامد و بر عارض سمن — از شرم روی او عرق ژالہ میرود
از رہ مرو بعشوۂ دنیا کہ این عجوز — مکارہ می نشیند و محتالہ میرود
باد بہار می وزد از گلستان شاہ — و ز ژالہ بادہ در قدح لالہ میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین — خامش مشو کہ کار تو از نالہ میرود

ز جام مولوی گر جرعہ ات بخشند دریابی — کزیں میخانہ بوی طبلہ عطار می آید

مولانا روم (م ۶۷۲ھ) کے جام شراب (عارفانہ شاعری) سے ایک گھونٹ بھی اگر تجھے نصیب ہو جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میخانہ (مثنوی محیط اعظم) سے عطار کے صندوقچے کی خوشبو آ رہی ہے۔

بجیب تحقق ندزدیدہ سر — ز شعر سنائی گریباں مدر

تحقیق کے گریباں میں منہ ڈالے اور اس پر غور کئے بغیر سنائی (م ۵۴۵ھ) کا کلام پڑھ کر گریباں مت چاک کر لے۔

مارا کہ نہ علم است نہ معلوم شدن — نی جوش منثور نہ منظوم شدن
مضمون ظہوری بخیال آمدہ است — باید بزبان خلق موسوم شدن

ہمیں نہ تو کسی چیز کا علم ہے نہ ہی معلومات حاصل ہیں نہ نثر لکھنے اور نظم کہنے کا جوش و خروش ہے۔ اس وقت ظہوری (م ۱۰۲۵ھ) کا مضمون صفحہ خیال پر ابھرا ہے کہ انسان کو اسی نام سے موسوم ہونا چاہئے جس نام سے مخلوق اسکو پکارتی ہے۔ یعنی زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔

دعوی آساں کرد بیدل پیش موزونان ہند — مصرعی چندیں فراہم کردن و صائب شدن

ہندوستان کے موزوں طبع شاعروں کے سامنے بیدل نے اپنی موزونی طبع کے دعوی کو اس طرح آسان کر دیا کہ صائب کی طرح شاعری کر کے صائبیت کی خصوصیات پیدا کر دی۔ غالبًا یہ شعر صائب کے اس شعر کے جواب میں ہے:

ہر کہ صائب مصرعی در عمر خود موزوں نکرد — درد جانکاہ سخنور را چہ می داند کہ چیست

بیدل کے معاصر شاعروں کا ایک طبقہ اکبر آباد کی ایک ادبی محفل میں جو نواب کامگار کے حسب ہدایت منعقد ہوئی تھی، فارسی شاعری کے اساتذہ کے بارے میں اس انداز سے اظہار خیال کر رہا تھا کہ اس سے ان کی تحقیر کی بو آ رہی تھی۔ بیدل نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا:

"با ایں دستگاہ خاقانی را بچاؤشی یاد نمودن ادبار مناصب فطرت و خسرو را بر خادمی قبول فرمودن تنزل مراتب ہمت۔" (۱۵)

(علم قافیہ اور بحر کی اس معمولی) صلاحیت ولیاقت کے ساتھ خاقانی (م ۵۹۵ھ) کو چاؤش اور چوبدار کہنا منصب فطرت کا ادبار اور خسرو کو خادم کی حیثیت سے قبول کرنا مرتبہ ہمت کا انحطاط ہے۔

بے خبر گر دستگاہ نیک دو لفظ مستعار — پیش نتواں برد با معنی سپاہان ہمسری

ایسے بے خبر اور مغفل لوگ ہیں کہ اگر مانگے کے ایک دو لفظ کی جانکاری حاصل کر کے شاعری کر بھی لیں تو کیا وہ ان "معنی سپاہوں" (بڑے بڑے مسلم شاعروں) کی ہمسری کر سکیں گے؟

اس اقتباس سے واضح ہے کہ خاقانی اور خسرو جیسے عظیم شاعروں اور بیدل کے مخصوص الفاظ میں "معنی سپاہوں" کے لئے اس کے دل میں کیا قدر و منزلت تھی۔

جہاں تک دوسرے طبقے کا تعلق ہے جعفر زٹلی نے جس کا تذکرہ بیدل کے احباب کے ضمن میں گذر چکا ہے، بیدل کی مدح میں ایک مثنوی کہی تھی، اس کا ایک بند بیدل کو سنانا شروع کیا جب اس مصرع پر پہونچا۔

چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پھس

کیا عرفی (م ۹۹۹ھ) کیا فیضی (م ۱۰۰۴ھ) سب تیرے سامنے ہیچ اور بے وقعت ہیں بیدل نے اسے روک کر کہا۔

"شما مہربانی کردید کہ تشریف آوردید ما فقیر بیدلیم مارا شنیدن امثال ایں حکایات کہ در حق استاداں می شد نمی رسد۔" (۱۶)

آپ ہمارے گھر تشریف لائے بڑی مہربانی کی ہم ایک فقیر منش آدمی ہیں اساتذہ کے بابت اس قسم کی باتیں سننے کی تاب نہیں لا سکتے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عرفی اور فیضی بھی بیدل کے محترم اساتذہ کی فہرست میں داخل تھے۔

خوشگو کہتا ہے کہ مثنوی "طور معرفت" اور "طلسم حیرت" کو بیدل نے جامی کی "یوسف زلیخا" کے وزن میں اور مثنوی "عرفان" کو سنائی کی حدیقۃ الحقیقہ کے وزن میں نظم کی ہے۔ (۱۶)

اس سے جامی (م ۸۹۸ھ) اور سنائی (م ۵۴۵ھ) سے بیدل کی اثر پذیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں کہ بیدل کے درج ذیل شعر۔

دلیل مقصد ما بسکہ ناتوانی بود — بہر کجا کہ رسیدیم گفت جا اینجا ست

میں نظیری کے درج ذیل شعر کا عکس اور جھلک پائی جاتی ہے۔

فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است (۱۷)

تیسرا طبقہ شاعروں کا وہ ہے جس کا تذکرہ بیدل نے محیط اعظم کے مقدمے میں کیا ہے اور جو درج ذیل ہے:

''ہلالی در اندیشہ سپہر کمال چوں ماہ باریک است، وزلالی در تماشای ایں محیط اعظم بہ آب حسرت نزدیک۔ سالک تا طی مراتب عرفاں نہ نماید از جادہ استفہام آں دور است۔ و طالب تا بہ سر منزل کمال نرسد او را وصل بہ ادراک آں معذور۔ سیلی صیت معانی اش طبع صامت را بخروش پرورده و گوشالی نغمہ الفاظش و دماغ شیدا را بہ ہوش آورده۔ صورت پذیری شاہد مضمونش با آئینہ طبع سلیم محال است و معنیٰ نمای سواد مکتوبش بہ شمع رای صائب خیال۔ اینجا نوعی گویا از خموشاں است و مینای قلقل نواز پنبہ بر گوشاں است نہ از معنی نیوشاں۔ (۱۸)

ہلالی چغتائی (۹۱۲/۱۵۰۶ء) اس آسمان کمال (محیط اعظم) کا تصور کر کے ماہ نو کی طرح لاغر اندام ہو گیا ہے۔ زلالی (م ۱۰۲۴/ ۱۶۱۵) اس ''محیط اعظم'' کا تماشا دیکھ دیکھ کے دریائے حسرت کے قریب پہنچ چکا ہے۔ سالک (عہد شاہجہاں کا شاعر) جب تک عرفاں کے مدارج طے نہیں کر لیتا اس کی بحث سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ طالب (م ۱۰۳۶/ ۱۶۲۶) جب تک کمال کی چوٹی پر نہیں پہنچ جاتا ہے اس کی اہمیت کو سمجھنے سے معذور ہے۔ اس (مثنوی محیط اعظم) کے معانی کی شہرت کے طمانچے نے صامت (عہد عالمگیر کا شاعر) کی طبیعت کو چیخنے چلانے پر آمادہ کر دیا اور اس نغمہ الفاظ کی گوشمالی نے شیدا (عہد جہانگیر اور شاہجہاں کا شاعر) کے ہوش وحواس درست کر دیئے۔ اس (مثنوی) کے شاہد مضمون کی شکل وصورت کا عکس سلیم (م ۱۰۵۷/ ۱۶۴۷) کے آئینہ طبع میں آنا محال ہے اور اس کے سواد مکتوب (مضامین) کی معنی نمائی کا صائب (م ۱۰۸۱/ ۱۶۷۰) کی شمع رائے میں آنا وہم وخیال ہے۔ یہاں نوعی کا شمار گویا خاموش لوگوں میں ہے اور قلقل نواز مینا کا پنبہ بگوش اور غافلوں میں ہے نہ کہ معنی نیوش (معنی سننے والوں) میں: صائب کے بابت ایک اور جگہ کہتا ہے۔

دعوی آساں کرد بیدل پیش موزو نان ہند   مصرعی چندیں فراہم کردن وصائب شدن (۱۹)

اسی طرح اس نے ایک شعر میں غنی کشمیری اور مسعود سعد سلمان لاہوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہمہ جا انجمن آرای شیراز دل است   معنی از عالم کشمیری و لاہوری نیست (۲۰)

شیراز ''دل'' کی ہر جگہ انجمن آرائی ہے، صرف غنی کشمیری اور مسعود سعد سلمان لاہوری ہی کی

عالم معنی پر ہوتی نہیں ہے۔

اس مقدمے میں بیدل نے ان شاعروں کا تذکرہ جس لب ولہجے میں کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی نظر میں ان کی کیا وقعت تھی۔ یہ لوگ ''سبک ہندی'' کے تازہ گو اور بیدل کے قریب العہد یا معاصر شعرا تھے لیکن ڈاکٹر ریو نے ''بیاض بیدل'' میں مذکورہ شاعروں کی جو فہرست فراہم کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان سب کے کلام کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ ان کا ایک انتخاب بھی تیار کر کے اپنی بیاض میں شامل کیا تھا۔

غرض جن شاعروں کے کلام سے اثر پذیری کا تذکرہ بیدل نے صراحۃً یا اشارۃً کیا ہے ان سے وہ مجموعی طور پر متاثر ہوا ہے اور اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ رواں اور سلیس انداز میں دقیق اور مشکل معانی کو پیش کرنے کی انوری کی غیر معمولی صلاحیت، سعدی کے کلام کی دلکشی ودلآویزی، حافظ کے عشق وعرفان کو ملا کر پیش کرنے کی خصوصیت اور اسلوب کی لطافت، عطار کی عرفان کی چاشنی سے آمیختہ دلآویز طرز شاعری کی خصوصیت، مولوی کے گرما گرم جذبات سے مخلوط مذہبی، اخلاقی اور عرفانی مسائل کو پیش کرنے کی خصلت، خاقانی کی مشکل ردیف میں تشبیہ وتوصیف کے اندر نیا اسلوب اپنانے کے ساتھ ساتھ ترکیب سازی ومعنی آفرینی پر غیر معمولی تسلط، جامی کے عارفانہ افکار وخیالات کے انداز ظہار اور سنائی کی عارفانہ افکار وخیالات کے ساتھ منتخب الفاظ کے انتخاب کرنے میں استواری اور عرق ریزی۔ غرض ان ساری خصوصیات کو اپنے کلام میں پیدا کرنے کی بیدل نے پوری کوشش کی ہے اور یہ سلسلہ لگتا ہے ۱۰۸۳/۱۶۷۲ء تک یعنی ۲۹ سال کی عمر تک جاری رہا۔ ۱۰۸۳ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل لکھتا:

''ایں قدر از جملہ فوائد یست کہ پیش از آشنائی طرز سخن در ضمن بعضی احوال بی اختیار رونمود و بطریق ندرت وغرابت بیخواست چہرہ کشود۔ بآنکہ ثمرات حدیقہ معانی دریں ایام رنگ پختگی گرفتہ وعروج بنای کلام الحال بکرسی متانت نشستہ۔ روزی نیست کہ صد آفتاب از افق اندیشہ طلوع نہ نماید وشبی نہ کہ ہزار ماہ از اوج فطرت بجلوہ بر نیاید۔'' (۲۱)

اس قدر کلام منجملہ ان فوائد کے ہے جو اسلوب شاعری کی جانکاری حاصل ہونے سے پہلے بعض حالات کے دوران غیر ارادی طور پر رونما ہوا اور انوکھے انداز سے چہرہ کشا ہوا۔ باوجودیکہ باغ معانی کے ثمرات میں ان دنوں پختگی آ گئی ہے اور شاعری کی اساس کا عروج متانت کی کرسی پر براجمان ہے کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب سیکڑوں سورج افق اندیشہ سے طلوع نہ کرتے ہوں اور کوئی رات ایسی نہیں گذرتی جب ہزاروں چاند اوج فطرت سے جلوہ نما نہ ہوتے ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنی ان کوششوں میں وہ کہاں تک کامیاب رہا۔

بیدل کی غزل کی خصوصیات:

بیدل نے اگرچہ جملہ اصناف کلام میں طبع آزمائی کی ہے پر غزل کو اس کے طبع رواں، ذہن رسا اور ذوق لطیف کی مخصوص جلوہ گاہ قرار دیا جاتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خصوصیات کا تفصیل سے ذکر کیا جائے اور اس کے کلام کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے۔ کسی شاعر کے کلام کی پرکھ کے لئے جو واحد کسوٹی ہمارے پاس ہے وہ خود اس کا کلام ہے جس کا بہ غور مطالعہ کرنا چاہئے بیدل لکھتا ہے۔

از سلف ہم جز سخن چیزی دگر نہ شنیدہ ای   پس کلام از ہر کہ باشد منصف اطوار باش

قدیم شاعروں کے کلام کے سوا کوئی اور سرمایہ ان کا تمہارے کان تک نہیں پہونچا ہے اس لئے جس کا کلام پڑھو اس کے اسلوب اور طرز ادا کا فیصلہ انصاف سے کرو۔

گرہ کشای سخنور سخن بود بیدل   بناخنی نفتد کار لب کشودنہا

کسی شاعر کے کلام میں اگر ایسی گتھی نظر آئے جو سلجھ نہ رہی ہو تو اسی کے دوسرے کلام سے وہ سلجھے گی۔ ناخن سے لب کشائی کا کام انجام نہیں پاتا۔

بیدل نے ایک خط میں اپنے معاصر شاعروں کے شعری رجحانات کا جائزہ لیا ہے اور ضمنی طور پر اس میں اپنے کلام کی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

> ''دریں روزگار، جمعی، از ''طراوت رنگ الفاظ'' نظر را آب می دہند لوح تمیز یکقلم، از درک معانی شستہ اند، وگروہی، کہ بہوی ''فہم معنی'' کوس تر دماغی می زنند، رنگینی نہال عبارات، اصلاً نظر انصاف شان نرستہ۔ برین تقدیر، معنی زمزمہ ایست محجب ساز موہوم۔ و عبارت سازی مشتمل بر نغمات نامفہوم۔'' (۲۲)

اس زمانے میں (شاعروں کا) ایک طبقہ رنگ ''الفاظ'' کی تازگی سے نگاہ کو آب وتاب بخشتا ہے اس نے درک معانی سے لوح تمیز کو یکسر دھو کر رکھ دیا ہے۔ دوسرا طبقہ درک ''معانی'' کے دعوی کے ساتھ اپنی سرخوشی کا نقارہ بجا رہا ہے، اس کی نگاہ انصاف میں نہال ''عبارت'' کی رنگینی سرے سے ناپید ہے۔ اس بنا پر ''معنی'' ایک ایسا زمزمہ ہے جو ''ساز موہوم'' میں پوشیدہ ہے اور ''عبارت'' ایک ایسا ''باجا'' ہے جو مبہم نغموں پر مشتمل ہے۔

بیدل کے خیال میں اس کے معاصر شعرا دو طبقے پر مشتمل تھے:

۱۔ پہلا طبقہ، جس کو ''لفظ پرست'' کہنا چاہئے، ان لوگوں کا تھا جن کی ساری توجہ الفاظ کی زیبائی،

ان کی تازگی اور رنگینی پر مرکوز تھی۔ وہ معانی کو وہ اہمیت نہیں دیتے تھے جس کے وہ مستحق تھے۔

۲۔ دوسرا طبقہ، جس کو ''معنی پرست'' کا لقب دینا چاہئے، ان لوگوں کا تھا جن کی ساری توجہ تازہ اور اچھوتے معانی بیان کرنے پر مرکوز تھی، وہ الفاظ کی دلآویزی اور رنگینی کے قائل نہ تھے۔

اس خط کے ذریعہ بیدل نے مکتوب الیہ کو درحقیقت اس نکتے کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کے کلام میں لفظی و معنوی دونوں خصوصیات موجود ہیں۔ ایک طرف الفاظ کی دلکشی، رنگینی، تازگی، متانت و استواری اور دوسری جانب بلند معانی، اعلیٰ مطالب و مضامین اور اس کی نزاکت کی پوری رعایت اپنے کلام میں رکھی ہے اور دونوں خوبیوں اور خصوصیات پر یکساں توجہ دی ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات کا جداگانہ جائزہ لیں گے۔

مباش غافل از انداز شعر بیدل ما   شنیدنی است نوائی کہ کم نواختہ اند

بیدل کے اسلوب شاعری سے غفلت نہ برتو۔ جس لے میں بہت کم لوگ نغمہ سرائی کئے ہیں وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

۱۔ پسندیدہ الفاظ:

بیدل کی کیا غزل، کیا مثنوی، کیا قصیدہ اور کیا دیگر اصناف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے منتخب، رنگیں اور خوش آہنگ الفاظ کے انتخاب میں مخصوص ذوق اور مہارت کا ثبوت دیا ہے جیسے وہ ان الفاظ کی روح، مزاج اور محل استعمال سے پوری طرح واقف ہو۔ ایک لفظ مختلف مقامات میں استعمال ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس کی روح، مزاج، محل استعمال اور کیفیت استعمال سے پوری طرح واقف نہیں ہے تو وہ سابق و لاحق الفاظ کی قطار میں اس کے حسن و زیبائی کو مشکل سے نبھا سکتا ہے۔ فصاحت و بلاغت کی یہ ایک لازمی شرط ہے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

> ''صاحب عیار دار الامتحان افکار سلامت، وقدرت انشایان دیوان بلاغت را، در شرایط ابلاغ فصاحت ''غور نقص و کمال الفاظ ضروریست۔'' (۲۳)

صحیح و سالم خیالات کی امتحان گاہ کی کسوٹی پر پورے اترنے والوں اور دیوان بلاغت کے قادر الکلام شاعروں اور ادیبوں کو اپنی اپنی تخلیقات میں فصاحت پیدا کرنے کے لئے ''الفاظ'' کی خامیوں اور خوبیوں پر غور و خوض کرنا لازمی شرط ہے۔

مثنوی ''عرفان'' میں بیدل لفظ کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہوا کہتا ہے۔

ہر چہ لفظ است معنیٰ ای با اوست   خواہ آسودہ خواہ تنگ و پوست

ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہو چاہے رواں دواں ہو ہر لفظ کا ایک مخصوص معنی ہوتا ہے۔

ہست ہر لفظ بیگمان و شکی — آشیان حقیقت ملکی

ہر لفظ بلاشبہ ایک ملکی حقیقت کا آشیانہ ہے

ہمچو انسان کہ کردہ گل بالذات — پیکرش آشیان اسم و صفات

جیسے لفظ ''انسان'' جو ذاتی طور پر ظاہر ہوا پر اس کی شکل وصورت اسم وصفات الٰہی کا آشیانہ ہے

''چشم'' اگر زیں میاں نمودار است — حکم اسم بصیر درکار است

اعضا میں ''آنکھ'' نمایاں ہے تو اس پر بصیر ''دیکھنے والی'' کا نام چسپاں ہے۔

چون بترکیب ''گوش'' وانگری — جز بساز ''سمیع'' رہ نبری

اور اگر ''کان'' کی ساخت پر غور کرو تو ساز ''سمیع (سننے والا) کا نام اس پر چسپاں ہوتا ہے۔

عمل قدرت سمیع و بصیر — نیست در چشم و گوش بی تاثیر

سمیع وبصیر (خدا) کی قدرت کے کرشمے انسان کی آنکھ اور کان میں اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

می پرد چشم تا چہ بنمائی — می طپد گوش تا چہ فرمائی

آنکھ جھپکتی ہے یہ دیکھنے کو کہ کونسا تماشا تم دکھاتے ہو۔ کان کھڑے ہو جاتے ہیں اس بات پر کہ تم کیا کہتے ہو۔

ہر یکی دام آرزو فگن است — صید حکم خواص خویشتن است (۲۴)

غرض ہر لفظ یا ہر عضو اپنی جگہ دام آرزو فگن (اپنی خواہش یا مطلوبہ چیز پر جال ڈالنے والا) ہے اور خود اپنی خاصیت کی تاثیر دکھانے والا ہے۔

یہاں بیدل نے ہر لفظ کو ''آشیانہ حقیقت ملکی'' کا لقب دے کر یہ نکتہ واضح کرنا چاہا ہے کہ کوئی لفظ ادب کی اصطلاح میں مترادف نہیں ہوتا اور ہر ایک لفظ جداگانہ روح، مزاج اور خصوصیات کا حامل ہوتا ہے جو اسے دوسرے لفظ سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے علاوہ غزل کے بہت سے اشعار میں بھی الفاظ کی روح اور مزاج کی شناخت پر زور دیا ہے۔ کہتا ہے:

''جلوہ گاہ حسن معنیٰ؛ خلوت ''لفظ'' است وبس — طالب لیلیٰ نشیند غافل از محمل چرا؟

حسن معنیٰ کی جلوہ گاہ تو بس خلوت ''لفظ'' ہے یہ کوئی بات ہوئی کہ طالب لیلیٰ کو کجاوے کی خبر نہ ہو۔

تا ''لفظ'' نگردد فاش معنیٰ نشود عریان — بی پردگی رنگست ز آشفتگی بوہا

الفاظ جب تک سامنے نہیں آتے اس کے معانی پردۂ خفا میں رہتے ہیں۔ خوشبو کی آشفتگی سے ہی رنگ بے پردہ ہوتا ہے۔

در ''لفظ'' نپرداختی ای غافل معنیٰ — تحقیق پری در نفس شیشہ گری است

اے معنیٰ سے بے خبر آدمی! لفظ پر تو نے دھیان ہی نہیں دیا شیشہ گر کی سانس میں پری گرفتار ہوتی ہے۔

ز ''لفظ'' آشنا شو بمضمون نازک — کمر حلقہ کردہ است موی میان را

لفظ کے ذریعہ نازک مضموں کی آشنائی حاصل کرو یہاں کمر نے موئے میاں (لمبی زلف کا بال جو کمر تک پہنچ رہا ہو) کے گرد حلقہ بنا رکھا ہے۔

چو لفظ ''آئینہ ربط معانی'' — چو عشرت آبروی زندگانی

لفظ کی طرح جو ''ربط معانی کا آئینہ'' ہے عشرت کی طرح جو زندگی کی آبرو ہے۔

برون لفظ محال است جلوہ معنیٰ — ہماں ز کسوت اسما طلب مسمیٰ را

لفظ کے دائرے سے باہر رہ کر ''جلوہ معنیٰ'' کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ''اسماء'' کے لباس سے مسمی کو تلاش کرو۔

معنیٰ بغیر لفظ مصور نمی شود — افتادہ است کار دل و دیدہ بانقاب

لفظ کے بغیر معنیٰ کا تصور نہیں کیا جا سکتا اب دل و دیدہ کا سابقہ نقاب سے پڑا ہے۔

تو لفظ مغتنم افگار فکر معنیٰ چیست — کہ مغزہا ہمہ محتاج پوست می باشد

لفظ کو غنیمت سمجھو فکر معنیٰ کی کیا حقیقت ہے کیونکہ ساری چیزوں کے مغز پوست کے محتاج ہوتے ہیں۔

ز لفظ نارسا خاکست آب جوہر معنیٰ — نیام آنجا کہ تنگ افتد دم شمشیر فرساید

نارسا لفظ کے استعمال سے جوہر معنیٰ خاک میں مل جاتا ہے جب غلاف تنگ ہوتا ہے تو تلوار کی دھار کے لئے اندیشناک ہوتا ہے۔

معنیٰ از لفظ صفا می خواہد — آتش سنگ بفکر میناست

معنیٰ لفظ سے صفائی و پاکیزگی کا مطالبہ کرتا ہے، آتش سنگ شیشہ کے فکر میں غلطاں ہے۔

صد جہاں معنیٰ بلفظ ما گم است — ایں نہانہا آشکارا بیش نیست

سیکڑوں جہاں معنی ہمارے لفظ میں گم ہیں اور یہ پوشیدہ معانی اگر غور کیا جائے تو ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالغنی صاحب لکھتے ہیں:

''موزوں الفاظ کی تلاش میں اکثر و بیشتر بیدل کو لفظ ڈھونڈ لیتا ہے جو معلوم ہوتا ہے اسی

خیال کے لئے تخلیق ہوا تھا اور اسے ایسی خوبی سے استعمال کرتا ہے کہ وہ خیال خود بیدل کی جائداد بن جاتا ہے۔" (۲۵)

بیدل کے الفاظ کے خزانے کا آسانی سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ بعض الفاظ اسے نسبتہ زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں اور ان کو تازہ بہ تازہ ترکیب سازی کے لئے بار بار استعمال کرتا ہے جیسے رگ، آئینہ، جوہر، سنگ، رنگ، مینا، شمع، شکست، نفس، صبح، شرر، آبلہ، داغ، غبار، جوش، بہار، نیرنگ، تہمت، شوخی، موج وغیرہ۔

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

میں نے بہت سے الفاظ کی فہرست بنائی تھی جن کو فارسی اور اردو شعراء پہلے دن سے باندھتے چلے آتے ہیں اور جن میں کوئی نیا پن نہیں ہے لیکن بیدل نے اپنے تصور سے ان میں نئی جان ڈالی دی ہے۔ انہیں الفاظ میں لفظ "بی دل" بھی ہے۔ اسی طرح اس نے لفظ "رنگ" میں طرح طرح کی معنوی وسعتیں پیدا کی ہیں۔ اس سلسلے میں بیدل مجرد کو مجسم اور غیر محسوس کو محسوس بنا دینے کے فن میں بے مثل دستگاہ رکھتا تھا اور عام طور سے کسی معمولی لفظ کو درمیان میں لاکر ایسا کرتا تھا جو اس کی خصوصیت کے ساتھ مرغوب ہوتا تھا مثلاً رنگ ہی کا لفظ درج ذیل شعر میں۔

به خیال چشم که می زند قدح جنوں دل تنگ ما　　که هزار میکده می دود برکاب گردش رنگ ما

سراغ جلوه یاراست هر کجا رنگیست　　درین بهار گل انتخاب دشوار است

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیدل کو رنگ کا لفظ کتنا پیارا تھا اور وہ اس میں کتنے معنوی امکانات دیکھتا تھا ابھی ایک اور شعر یاد آ گیا۔

تجدید ناز آشفته رنگ لباس آرائیست　　بی پردگی دیوانه طرح نقاب افگندنت

اسی غزل کا مطلع ہے اس میں بھی رنگ کا لفظ آ ہی گیا اور نیا معنوی میلان رکھتا ہے ایک اور شعر جس میں رنگ ہی سے کام لیا گیا ہے اور اس میں ایک نئی کیفیت پیدا کی گئی ہے۔

رنگینی وفاست که از سر گذشتگاں　　چوں شمع گل تقابل تیغ آزما دهد

چراغ یا شمع میں بتی کے جلتے جلتے اور دھوئیں کی بدولت کچھ ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے کہ بتی کے ریشے دھوئیں سے اٹ کر پھول جاتے ہیں اور روشنی مدھم ہو جاتی ہے اس کو "گل شمع" کہتے ہیں اور روشنی کو پھر اپنی اصلی حالت پر لانے کے لئے اس "گل" کو قینچی سے کترنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب شمع کا گل کترا جاتا ہے تو شمع کی لو جھک جاتی ہے۔ حسن تعلیل

کے طور پر شاعر کہتا ہے کہ شمع تیغ آزما، یعنی اپنے قاتل کے آگے سر جھکاتی ہے۔ اس میں اس کی بہبود ہے اور اس سے اس کو پھر سے فروغ حاصل ہوتا ہے یہ وفا کی رنگینی یعنی اس کی تخلیقی توانائی کی برکت ہے۔ ایک سچے اور کھرے عاشق کا منصب یہی ہے کہ وہ شمع کی طرح اپنے محبوب کے آگے سر جھکا دے۔ محبوب کی رضا ہی اس کی فلاح اور سعادت ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ شمع کی طرح عاشق کی زندگی میں تیرگی چھانے لگے۔ (۲۶)

۲۔ انوکھی ترکیبیں اور محاورے:

ایک شاعر یا ادیب کیلئے صرف الفاظ کی روح، محل استعمال اور کیفیت استعمال سے واقف ہونا کافی نہیں، اس کی عظمت و بزرگی کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ اپنے خزانہ الفاظ سے وہ تازہ بہ تازہ، دلکش انوکھی اور موزوں ترکیب سازی کا کام کرے جو کیا مضامین اور مطالب کے تقاضے کے لحاظ سے اور کیا قارئین کے جذبات واحساسات کی نمائندگی کے لحاظ سے ان سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ مشہور معاصر ایرانی دانشمند ڈاکٹر محمد علی اسلامی ندوشن اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"درواقع گویندگی (چه در شعر و چه در نثر) هنر ترکیب کردن است و همه چیز بازمی گردد به شیوه ترکیب۔ همیں یک خصوصیت، مطلب ادبی را از غیر ادبی جدا می کند۔ وقتی می گوئیم: هر که هر چه کاشت می درود و یا هر که سزای عمل خود را می بیند، حقیقت پیش پا افتاده ای را بیان کرده ایم، اما وقتی می گوئیم:

دهقاں سالخورده چه خوش گفت با پسر　　کای نور چشم من به جز از کشته ندروی

به زبان ادبی حرف زده ایم۔ در ینجا شخصیت و نحوهٔ تاثیر مفهوم خود را دگرگون کرده ایم۔" (۲۷)

شاعری درحقیقت (شعر میں ہو یا نثر میں) فن ترکیب سازی کا نام ہے اور ساری بحث یہاں ترکیب کے انداز و ادا سے ہی وابستہ ہے۔ یہ خصوصیت ایک ادبی مضمون کو غیر ادبی مضمون سے ممتاز کرتی ہے جب ہم کہتے ہیں ہر آدمی وہی کاٹتا ہے جو بوتا ہے یا ہر آدمی کو اپنے کئے کی سزا یا جزا ملتی ہے تو درحقیقت ہم نے ایک فرسودہ خیال کو ادا کیا لیکن جب ہم اس کو شعر کے روپ میں ادا کرتے ہیں:

دهقاں سالخورده چه خوش گفت با پسر　　کای نور چشم من به جز از کشته ندروی

کہ ایک بوڑھے کسان نے اپنے بیٹے سے کیا اچھی بات کہی کہ اے نور چشم! جو بوؤ گے سو کاٹو گے) تو ہم نے گویا ادبی زباں میں گفتگو کی ہے اس جگہ انداز بیان نے تاثیر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

بیدل نے بھی ترکیب سازی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس نے انوکھی، جدید اور بے نظیر ترکیبوں کی ایجاد میں اپنی غیر معمولی توانائی، مہارت اور ذوق سلیم کا ثبوت اسقدر دیا ہے کہ بعض معاصر اور غیر معاصر شاعروں اور تذکرہ نگاروں نے اسے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ایک ملاقات میں اس کے معاصر شاعر ناصر علی نے بیدل سے پوچھا ''ہاں تو یہ بتاؤ کہ اب تک تم نے کتنے مضامین کا خون کیا ہے؟'' اکثر تذکرہ نگاروں نے بیدل کا ذکر کرتے ہوئے معاصروں کی اس تنقید کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ بیدل کی ایجاد کردہ اکثر ترکیبیں ایران کے فصیح شاعروں کے محاوروں سے ہم آہنگ نہیں ہیں مثلاً بندرابن داس خوشگو لکھتا ہے:

''اکثر بے انصافہای زمانہ از روی حسد حرفی چند ناسزا در حق جناب کرامت مآب وی می سازند کہ مرزا بیدل غلط گوی مقرر است۔'' (۲۸)

دور حاضر کے اکثر بے انصاف نقاد محض حسد میں بیدل کی شان میں ناشائستہ کلمات استعمال کرتے ہیں کہ وہ تو کھلا ہوا غلط گو ہے۔ سراج الدین علی خاں آرزو لکھتا ہے:

''چوں از راہ قدرت، تصرفات نمایاں در فارسی نمودہ، مردم ولایت وکاسہ لیساں اینہا کہ از اہل ہند اند در کلام ایں بزرگوار سخنہا دارند۔'' (۲۹)

زبان و بیان پر توانائی کی وجہ سے چونکہ اس نے فارسی زبان میں نمایاں تصرف کیا ہے اس لئے ولایت (ایران) کے لوگ اور ان کے چاپلوس ہندوستانی پیروکار اس بزرگ ہستی کے کلام پر اعتراضات کرتے ہیں۔

آغا حسین خاں لکھتا ہے:

''چوں میرزا سالک مسالک جدید کہ خلاف محاورہ قدیم است گردیدہ لہٰذا بیشتر از اہل ولایت وبعضی شعرای ہند زبان طعنہ بروی کشایند۔'' (۳۰)

ترکیب سازی کے سلسلے میں بیدل چونکہ نئے اصول پر کاربند ہوئے جو قدیم محاورہ سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے بیشتر ایرانی اور بعض ہندوستانی شاعروں نے اسے لعن طعن کا نشانہ بنایا ہے۔

شیخ احمد علی لکھتا ہے:

''میرزا در زبان فارسی چند ترکیب اختراع وایجاد نمودہ از آنجاست کہ بعض عزیزان می گویند موافق محاورۂ فصحاء عجم نیست لہذا اباں خوش نیستند۔'' (۳۱)

بیدل نے فارسی زبان میں کچھ نئی ترکیبیں ایجاد کی ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایران کے فصیح شاعروں کے محاورے کے مطابق نہیں ہیں اس بنا پر وہ ان سے خوش نہیں ہیں۔

علی ابراہیم لکھتا ہے:

''بسبب خیالات دور از کار واختراع چند محاورہ مثل خرام کاشتن ونمد بافتن اکثر اشعار ایشاں مورد طعن کاملاں ومجروح اللسان اہل محاورہ ایران است۔'' (۳۲)

دور از کار خیالات پیش کرنے اور چند محاوروں جیسے ''خرام کاشتن'' اور ''نمد یافتن'' وغیرہ کے ایجاد کرنے کی وجہ سے ایران کے اہل محاورہ اور کاملوں نے اسے لعن طعن اور تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

علی قلی خاں والہ لکھتا ہے:

''ہرچند اکثر اشعارش موافق محاورہ فصحاء عجم نیست وترکیبہای غریب در زبان فارسی اختراع نمودہ اما شعرہای بلند وبرجستہ بسیار دارد۔'' (۳۳)

اگرچہ اس کے بیشتر اشعار ایران کے فصیح وبلیغ شاعروں کے محاوروں سے ہم آہنگ نہیں ہیں اور فارسی زبان میں اس نے انوکھی ترکیبیں ایجاد کی ہیں لیکن اس کے کلام میں اعلیٰ پایہ کے نفیس اور اچھے اشعار بھی بہت ہیں۔

غلام علی آزاد لکھتا ہے:

''میرزا در زبان فارسی چیزہای غریب اختراع نمودہ کہ اہل محاورہ قبول ندارند۔'' (۳۴)

بیدل نے فارسی زبان میں کچھ انوکھی چیزیں (نئی ترکیبیں) ایجاد کی ہیں جن کو اہل محاورہ (ایرانی) تسلیم نہیں کرتے۔

اس بنا پر یہ بحث خصوصاً بیدل کی نسبت سے دلچسپ بھی ہے اور ضروری بھی اس لئے ہم اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔ راقم السطور کے خیال میں اس موضوع پر مجموعی طور سے دو نوعیت سے بحث ہو سکتی ہے اول زبان کے تدریجی ارتقا کے لحاظ سے دوم اس میں اجتہاد کا حق کسے حاصل ہے اس لحاظ سے۔ ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری ''زبان فصیح'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''زبان امر اجتماعی یعنی وسیلۂ وابزار ارتباط ذہنی وفکری جامعہ با یکدیگر است''۔ (۳۵)

زبان ایک سماجی چیز ہے یعنی وہ معاشرے کے افراد کے درمیان ذہنی اور فکری ربط رکھنے کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے۔

یہ تعریف زبان کی نہایت جامع ہے اور ہمیں اس کی تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اصول کی بات یہ ہے کہ زبان بھی دوسری سماجی قدروں کی طرح سدا ارتقا کے مرحلے طے کرتی رہتی ہے اور چونکہ وہ سماج کے افراد کے درمیان ذہنی اور فکری ارتباط کا ایک موثر ترین آلہ ہے اس لئے ایک آدمی کے خیالات کو دوسرے آدمی کے ذہن تک منتقل کرنے کی غرض سے لازم ہے کہ زبان،

دوسری سماجی قدروں کے تدریجی ارتقا کے ساتھ کامل ہم آہنگی نبھائے۔ عالمی ادبیات کے ارتقا کی تاریخ اس دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہونچاتی ہے۔

اب خاص طور سے فارسی زبان وادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ اپنی پیدائش کے وقت سے لے کر آج تک اس نے اپنے ارتقا کے جانے کتنے مراحل طے کئے۔ ان مراحل کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ معاشرہ کے تقاضوں کے مطابق اس نے بہت سے الفاظ، ترکیبیں اور محاورے اپنے خزانہ میں اضافے کئے اور اس کی رفتار کہیں بھی رکود و جمود کا شکار نہیں ہوئی۔ قدیم ترین شعراء مثلاً رودکی اور دقیقی سے لے کر جدید ترین شعراء مثلاً نادر نادر پور، فریدون تولّلی، شفیعی کدکنی، پرویز ناتل خانلری، نیما یوشیج اور احمد شاملو وغیرہ سب نے یہ کام انجام دیئے اور اس کے نتیجے میں فارسی زبان وادب دنیا کی غنی ترین زبانوں میں شمار کی جانے لگی۔ مشہور ایرانی ادیب جناب جعفر محجوب ''زبان وادب فارسی'' کے زیر عنوان اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

''کسانیکہ زبان را چیزی ثابت و پایدار می شمرند و می خواہند آنرا در قالب گفتار گذشتگان یا استادان بزرگ زبان محدود کنند و از حدودی معین قدمی فرو تر نہ نہند در اشتباہ ہستند۔ درست است کہ باید گذشتگان و خاصہ زبان فصحا و استادان و زبان وسخن گویان طرز اول را آموخت و بدان وسیلہ ذوق را پرورد و قریحہ خویش را تقویت کرد، اما این کار ہدف نیست وسیلہ است برای آنکہ زبان امروز خود را با غنا و وسعت و زیبائی بیشتری بہ کار بریم۔'' (۳۶)

جو لوگ زبان کو ایک جامد اور راکد چیز سمجھتے ہیں اسے گذشتہ عظیم اساتذہ کے کلام کے سانچے تک محدود در رکھنا چاہتے ہیں اور زبان کی مقررشدہ حدود سے قدم آگے نہیں بڑھانا چاہتے وہ غلط فہمیوں کے شکار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ گذشتہ اساتذہ خصوصاً فصیح اور صف اول کے اساتذہ کی زبان سیکھنی چاہئے، اس کے ذریعہ ذوق کی پرورش کرنی چاہئے اور اپنی شاعرانہ طبیعت کی تقویت کرنی چاہئے لیکن یہ کام مقصد نہیں ہے بلکہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ اپنی موجودہ زبان کو اور غنی، اور وسیع اور دلکش بنائیں۔

اس بحث کا دوسرا پہلو اس امر سے وابستہ ہے کہ معاشرہ کے کن افراد کو زبان میں اجتہاد اور تصرف کا حق حاصل ہے۔ ڈاکٹر مندور اس سلسلے میں بعض ناقدوں خصوصاً یورپین ناقدوں کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''برخی از ناقدان بخصوص در غرب معتقد اند کہ تکیہ فراوان یک نویسندہ بر اصول و معانی متداول و معمولی زبان اسلوب پیش پا افتادہ و مبتذل را بوجود می آورد کہ تازگی و زیبائی را فاقد است و چنین استدلال می کنند کہ کمال مطلق اصولاً ملالت آور ست و از نیجہت

نویسندگان گاہ بگاہ باید شیطنتہای ادبی خود از تعبیرات معمول و مانوس سر باز زنند چنانکہ بہ چنیں عصیانہای در عالم افکار نیز دست می زنند و اندیشہ ای را کہ سیاق عبارت در انتظار آنست آورند و بدین وسیلہ ضربہ ناگہانی بر خوانندہ می زنند و اعصاب او را زندہ و بیدار کنند۔'' (۳۷)

بعض نقاد خصوصاً مغربی نقادوں کا خیال ہے کہ ایک ادیب کا عموماً زبان کے رائج اصول و ضوابط اور معانی ومضامین پر حد سے سے زیادہ انحصار کرنا ایک افسردہ اور پیش پا افتادہ مبتذل اسلوب کو جنم دیتا ہے جس میں دلکشی اور تازگی نہیں ہوتی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ کمال مطلق اصولی طور پر ملال انگیز ہے اور اس لئے ادیب کو چاہئے کہ کبھی کبھی اپنی ادبی شیطنت سے کام لے اور عام طور سے مانوس اور مروج تعبیروں سے ہٹ کر کام کرے جیسا کہ خیالات کی دنیا میں بھی وہ کبھی کبھی اس طرح کی بغاوت کرتا رہتا ہے اور عبارت کا سیاق وسباق جس خیال کے انتظار میں رہتا ہے اسے نہیں پیش کرتا اس طرح قارئین پر ایک ناگہانی ضرب لگاتا ہے تاکہ اس کے اعصاب کو جھنجھوڑے۔

لیکن یہ سوال ہنوز اپنی جگہ باقی ہے کہ کن ادیبوں اور شاعروں کو اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ راقم السطور کے خیال میں کسی زبان میں اجتہاد کے لئے بنیادی طور پر دو شرائط ہیں اول اس زبان میں تبحر ہو جس کے لئے تمام قدیم وجدید ادبیات کے عمیق و دقیق اور وسیع وعریض مطالعہ کی ضرورت ہے دوسرے ذوق لطیف، طبع موزوں اور ذہن رسا ہو جو بڑی حد تک خداداد ہے۔

بیدل کی کلیات اور اس کے حالات کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اس کے اندر دونوں بنیادی شرائط پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک زبان میں تبحر کا تعلق ہے تذکرہ نگاروں نے اس کے چند واقعات ذکر کئے ہیں جو اس کی زباندانی کی توثیق کرتے ہیں۔

شیر خاں لودھی اپنے تذکرہ ''مرأت الخیال'' میں لکھتا ہے کہ ایک دن بیدل شکر اللہ خاں کی خدمت میں حاضر ہوا، ناصر علی وہاں پہلے سے موجود تھا، بیدل نے جو غزل اپنے ساتھ لائی تھی اس کو سنایا۔ غزل کا مطلع ہے:

نشد آئینہ کیفیت ما ظاہر آرائی — نہاں ماندیم چوں معنی بچندیں لفظ پیدائی

ہمارے کوائف وحالات کے آئینے کی خصوصیت ظاہر آرائی نہیں تھی ہم تو معنی کی طرح چند ظاہری الفاظ میں پوشیدہ رہے۔

ناصر علی نے دوسرے مصرعہ پر اعتراض کیا۔ بیدل نے اس کو مسکت جواب دیا جیسا کہ ''بیدل کے رقیب'' کے زیر عنوان پچھلے صفحات میں گذرا۔ (۳۸)

دوسرا واقعہ میر حسین دوست نے لکھا ہے کہ ایک دن ناصر علی بیدل سے ملاقات کی غرض سے آیا۔ بیدل نے اسے مثنوی ''طور معرفت'' سنانا شروع کیا جب اس شعر پر پہونچا:

مزن بر ہیچ سنگی سخت دستی   کہ مینا در بغل خفتہ است مستی

ناصر علی نے کہا دوسرا مصرعہ اچھا ہے۔ مرزا نے کہا: تو پہلا مصرعہ آپ خود تضمین فرمائیے۔ شیخ نے بہانہ بناتے ہوئے کہا: اتنی اہمیت کا حامل نہیں ہے کہ میں اس پر مصرعہ اول کی تضمین کروں۔

تیسرا واقعہ خوشگو نے لکھا ہے کہ ایک دن ناظم خاں فارغ مصنف '' تارخ فرخ شاہی'' نے بیدل کی ضیافت کی۔ ضیافت کے آخر میں ناظم خاں نے ازراہ طنز کہا: مرزا صاحب! آپ کے درج ذیل شعر میں ایک بہت ہی انوکھا محاورہ استعمال ہوا ہے:

تونگری کہ دم از فقری زند غلط است   بموی کاسہ چینی نمد نمی بافند

جو مالدار آدمی فقر و درویشی کا دعوی کرے غلط ہے چینی کے پیالے میں جو بال پڑ جاتا ہے اس سے نمد نہیں بنتے ہیں۔

بیدل نے کہا: خانصاحب! میں اس قدر بے وقوف نہیں ہون کہ آپ کے طنز کو نہ سمجھ سکوں''

خان نے دوبارہ کہا:

''بخدا یہ محاورہ جناب عالی کی ایجاد و اختراع ہے۔'' مرزا نے پوچھا: قدیم شاعروں میں آپ کس کو مسلم اور مستند سمجھتے ہیں؟ ناظم خان نے جواب دیا ''قدیم شاعروں میں جو بھی ہو''۔ تب بیدل نے عسجدی، فرخی، معزی، مسعود سعد سلمان، خواجہ سلمان اور دیگر اساتذہ کے کلام سے سترہ مستند اور معتبر شہادتیں ''نمد بافتن'' کی پیش کیں۔ ناظم خاں حیرت و استعجاب کے عالم میں پکار اٹھا۔

''واللہ اس عزیز کی استادی اور مہارت میں جس کو شبہ ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔'' (۴۰)

اس واقعہ کے بعد خوشگو لکھتا ہے کہ کم مایہ اور بے بضاعت حضرات چونکہ اساتذہ کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرتے اس لئے بیدل کے محاوروں کو غلطی پر محمول کرتے ہیں خاکسار خوشگو نے اپنی زندگی میں کچھ اوپر ہزار دفعہ ان کی خدمت میں حاضری دی۔ جو طبقہ ان کو غلط گو کہتا ہے اس میں ایسا کوئی آدمی نظر نہ آیا جس نے ان کے سامنے منہ کی نہ کھائی ہو۔

چوتھا واقعہ بھی خوشگو تحریر کرتا ہے کہ ایک دن بیدل کا ایک معاصر شاعر جس کا نام لینا مناسب نہیں اپنی مثنوی لے کر بیدل کی خدمت میں پہونچا جب یہ شعر پڑھا:

بیا ساقی کہ چشم بیقرارت   چوں گل خون شد ز زخم انتظارت

اے ساقی آ کہ تیرے عاشق بے قرار کی آنکھ تیرے انتظار کے زخم سے پھول کی طرح سرخ ہوگئی۔

بیدل نے کہا ''چشم بیقرارت'' کی ترکیب توصیفی ہے ترکیب اضافی نہیں ہے یعنی وہ چشم جو بے قرار ہے۔ حالانکہ شاعر کا مقصد اضافت لامی ہے یعنی ''چشم عاشق تو'' جس میں ''خود'' کو وہ لفظ ''بیقرار'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لئے شاعر کو ایسا انداز بیان اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے جس میں ارادہ اس نے کسی چیز کا کیا ہو نکل کچھ رہا ہو۔ اس نے کہا: زلالی نے بھی اس ترکیب کو استعمال کیا ہے۔ بیدل نے کہا: زلالی کی بات مت کرو اپنی بات کرو۔

اس واقعہ کے بعد خوشگو لکھتا ہے:

''بیدل کی زندگی میں ان کے حریفوں کو اسی قسم کی خفت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اب جبکہ معانی کا وہ آفتاب قضائے ایزدی سے مغرب میں غروب کر چکا ہے تو خفاش طبع حضرات سوراخوں سے نکل کر فضا میں پرواز کر رہے ہیں''۔ (۴۱)

ان واقعات کے علاوہ ادبی مقابلے کا وہ واقعہ جو اکبر آباد میں پیش آیا تھا اور جو پچھلے صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا واضح کرتا ہے کہ بیدل نے اپنے حریفوں اور مخالفوں کو زندگی میں ہمیشہ شکست دی۔ یہ بات بھی فارسی زبان میں اس کے تبحر کی علامت ہے اسی کے ساتھ وہ اس کے ادبیات فارسی کے وسیع، دقیق و عمیق مطالعہ اور اس کی زبردست قوت حافظہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ اپنے بعض اشعار میں بھی بیدل نے حریفوں کی مخالفت کی طرف اشارہ کیا ہے:

در حق انصاف ابنائے زماں   داد تحسین می دہد دشنام ما

معاصر شاعروں کے داد و انصاف کے حق میں ہمارا سب و شتم بھی داد تحسین دیتا ہے۔

بر حریفاں از خموشی غالبیم   گر نباشد بحث ما الزام ما

اپنی خاموشی سے حریفوں پر غالب ہوں، اگر ہماری بحث ہمارا الزام نہ ہو جائے۔

آہ از حلاوت سخن و خلق بی تمیز   آتش بہ خانہ کہ زند انگبیں ما

افسوس ایک طرف ہماری شاعری کی حلاوت و شیرینی ہے اور دوسری جانب عقل و تمیز سے یکسر خالی لوگ ہیں جو اچھے برے کی تمیز نہیں کر سکتے، ہمارے شہد نے کس کے گھر کو نذر آتش کر دیا۔

جز خردہ چہ گیرد بہ لب بستہ بیدل   نامحرم خاصیت شیریں سخنیہا

جو لوگ کلام کی حلاوت و شیرینی کی خصوصیت سے نابلد ہیں وہ بیدل کے لب بستہ (خاموشی) پر نکتہ چینی کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

کور شد حاسد ز رشک معنی باریک من   خیرہ می بیند جو مو در دیدۂ کس جا گرفت

میرے باریک و دقیق معانی کے رشک میں حاسد اندھے ہوئے جا رہے ہیں آدمی کی آنکھ میں

جنھیں بال اپنی جگہ بنالیتا ہے تو ہر طرف اسے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک پوری غزل بیدل نے ان لوگوں کی تنقیص میں کہی ہے اور اس کے اندر انہیں 'نفس بافاں، سیم و زرنسبتاں، ابنائے جاہ، اجلاف (کمینہ)، جہنمی چند، بیہودہ گو، خراں، غرق موج آب "منی"، کوراں چند وغیرہ خطابات سے ان کو نوازا ہے۔

بگفتگوی کساں مردمیکہ می لافند　　　چو خط بمعنی خود نا رسیدہ حرافند

کچھ لوگوں کی شاعری پر جو لوگ ہنستے ہیں خط کی طرح معنی مقصود تک رسائی حاصل کئے بغیر ہی وہ زبان درازی میں مبتلا ہیں۔

مباش غرہ انصاف کاین نفس بافاں　　　بہ پنبہ کاری مغز خیال ندافند

ان کے عدل و انصاف کے بھرے میں نہ آنا کیونکہ یہ "نفس باف"، "نفس کے دھنئے" مغز خیال کی روئی ہی دھننے میں لگے ہیں۔

تونگری کہ دم از فقر می زند غلط است　　　بموی کاسہ چینی نمد نمی بافند

ثروتمند آدمی اگر فقر کا دعویٰ کرے تو اس کا دعوی غلط ہے چینی کے پیالے میں جو بال پڑ جاتا ہے اس سے نمد نہیں بنا جاتا ہے۔

تہیہ سپہر احتراز کن کامروز　　　بہ قطع ہم بد و نیک زمانہ سیافند

احتراز کے ڈھال کی فراہمی کی پوری کوشش کرو کیونکہ آج کل لوگ زمانہ کے اچھے برے کو ذبح کرنے اور خون بہانے میں بہت تیز واقع ہوئے ہیں۔

سخن چہ عرض نجابت دہد در آں محفل　　　کہ سیم و زرنسباں ہمچو جدول اشرافند

ایسی محفل میں جہاں سیم و زرنسبت والے مالدار اور ثروتمند لوگ طبقہ اشرافیہ کے فرد ہوں وہاں شعر و شاعری کی کیا قدر ہوگی۔

غرض ز صحبت اگر پاس آبرو باشد　　　حذر کنید کہ ابنائے جاہ اجلافند

ان اہل جاہ و ثروت کی صحبت سے مقصد اگر اپنی آبرو کی حفاظت ہو تو سمجھ لو کہ یہ لوگ کمینے ہوتے ہیں ان سے پرہیز کرنا۔

در بہشت معانی بروی شاں مکشا　　　کہ ایں جہنمی چند ننگ اعرافند

بہشت معانی کے دروازے ان کے روبرو مت کھول کہ یہ چند جہنمی لوگ اعراف کے لئے بھی باعث ننگ و عار ہیں۔

بعلم پوچ چو جہل مرکب اند بسیط　　　بفطرت کشفی درسگاہ کشافند

اپنے بے مایہ اور بے وقعت علم کی وجہ سے یہ لوگ جہل مرکب کی طرح بسیط ہیں کشفی فطرت کی وجہ سے یہ لوگ کشاف کی درسگاہ ہیں (طنزیہ انداز ہے۔)

ز وضع شاں مطلب نیم نقطہ ہمواری　　　کہ یک قلم بخم و پیچ سرکشی کافند

ان کی وضع قطع سے نیم نقطے کے برابر بھی ہمواری و ہمدردی کی امید مت رکھ کیونکہ یہ لوگ سراسر سرکشی و بغاوت کے خم و پیچ میں گرفتار ہیں

تمام بیہدہ گویند و نازکی ایں جاست　　　کہ چشم بر طمع ریشخند انصافند

سب کے سب لغو گو ہیں اس پر طرہ یہ کہ انصاف کا مذاق اڑانے کی آرزو رکھتے ہیں۔

ازیں خراں مطلب مردمی کہ چوں گرداب　　　بہ موج آب "منی" غرق تا لب نافند

ان گدھوں سے مروت و انسانیت کی امید مت رکھو کیونکہ یہ انانیت کے دریا میں گرداب کی طرح ناف تک ڈوبے ہوئے ہیں۔

بخاک تیرہ مزن نقد آبرو بیدل　　　دریں دیار کہ کوراں چند صرافند (۴۲)

بیدل نقد آبرو کو اس تاریک سرزمین میں جہاں چند اندھے صراف اور پارکھ بنے بیٹھے ہیں خاک میں مت ملا۔

ان کے علاوہ درذیل اشعار بھی ہیں:

یاران نرسیدند بداد سخن من　　　نظمم چہ فسوں خواند کہ گوش ہمہ کر شد

کو گوش کہ کس بر سخنم فہم گمارد　　　مغرور نوا سنجی خویشند کری ھا

جہاں تک بیدل کے طبع موزوں، ذوق لطیف اور ذہن رسا کا تعلق ہے ہمیں معلوم ہے کہ اسی زمانے میں جب وہ مکتب میں زیر تعلیم تھا اور تقریباً دس سال کی عمر اس کی رہی ہوگی کہ اس کی زبان سے ایک رباعی برجستہ ادا ہوئی۔ اس واقعہ سے وہ اپنے میلان طبع کا اندازہ لگا کر لکھتا ہے:

"ایں رباعی راز کار بنای موزونی خودمی داند واز ہمیں چہار مصرعہ، عنصر مزاج شعلہ افشانی می خواند۔" (۴۳)

اس رباعی کو اپنی موزونی طبع کی اساس سمجھتا ہوں اور ان چار مصرعوں سے عنصر مزاج شعلہ افشانی کا سراغ لگاتا ہے۔ یہ رباعی ہے:

یارم ہرگاہ در سخن می آید　　　بوی عجبش از دہن می آید

ایں بوی قرنفل است یا نکہت گل　　　یا رائحۂ مشک ختن می آید

بیدل اس لحاظ سے بہت خوش نصیب ہے کہ اس نے اپنے میلان طبع کا اندازہ لگا کر منزل کی

تعیین میں دیر نہیں لگائی۔ کہتے ہیں دلچسپی اور لطف اندوزی کامیابی کی دو بنیادی کلیدیں ہیں۔

اس کے بعد سے تادمِ آخر مختلف مناسبتوں سے وہ اپنے ذوق لطیف اور طبع رسا کے نتائج نہایت کامیابی اور خوبی سے دکھاتا رہا اور سامعین سے دادِ تحسین لیتا رہا۔ چنانچہ ۱۰۷۰ ہجری میں ۱۶ سال کی عمر میں ایک اور رباعی کہی۔ شاہ ابوالفیض معانی نے اس پر اس طرح تبصرہ کیا:

"از فحوای ایں کلام بوی صہبای کمال می آید"۔ (۴۴)

اس کلام سے صہبای کمال کی بو آرہی ہے۔

پھر بیس سال کی عمر میں ایک غزل شاہ قاسم ہواللہی کی خدمت میں کہی تو شاہ صاحب نے تبصرہ فرمایا:

"نشہ موزونی ذاتی، ازیں کلام سرخوش پیام روشن است و معنی تلامیذ الرحمٰن ازیں مقالات مبرہن۔" (۴۵)

اس کلام سرخوش پیام سے موزونی طبع کا نشہ پوری طرح نمایاں ہے اور تلامیذ الرحمٰن کا مفہوم بھی واضح ہے۔

ایک اور موقعہ پر بیدل کی تخلیق پر شاہ نعمت اللہ نے فرمایا:

"کار ایں صاحب کلام باہمہ نقص تمام است و آغاز رہروان ایں مراتب در ہر طریق بہار انجام۔" (۴۶)

اس صاحب کلام کی تخلیق اپنی تمام تر نقائص کے باوجود مکمل ہے اور ان مراتب پر چلنے والے کا آغاز ہر لحاظ سے بہار انجام ہے۔

ان حوصلہ افزائیوں کا تذکرہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے کیا جاچکا ہے، اس لئے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بیدل میں وہ تمام شرایط موجود تھے جو کسی زبان میں اجتہاد کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ خاں آرزو کا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ اپنے رسالہ "دادِ سخن" میں مختلف ہندوستانی شاعروں کے تصرفات پر بحث کے دوران بیدل کی لسانی تصرفات کو انہوں نے دلائل و براہین سے بجا اور درست ثابت کیا ہے، لکھتے ہیں:

"چوں از راہ قدرت تصرفات نمایاں در فارسی نمودہ، مردم ولایت وکاسہ لیسان ایشاں کہ از اہل ہند اند، در کلام ایں بزرگوار سخنہا دارند۔ وفقیر در صحت تصرف صاحب قدرتان ہند ہیچ سخن ندارد، بلکہ قایلست، چنانچہ در رسالہ "دادِ سخن" بہ براہین ثابت نمودہ، ہر چند خود تصرف نمی کند۔" (۴۷)

اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے بیدل نے چونکہ فارسی میں نمایاں تصرفات کئے ہیں اس لئے ایرانی شعراء اور ان کے خوشامد پرست ہندوستانی شعرا اس عظیم شاعر کے کلام پر تنقید کرتے ہیں لیکن فقیر (آرزو) کو ہندوستان کے قادر الکلام شاعروں کے تصرفات پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ اس کا قایل ہے چنانچہ اپنے رسالہ "دادِ سخن" میں دلائل سے ثابت کیا ہے اگرچہ خود تصرف نہیں کرتا ہے۔

لیکن علی ابراہیم خاں خلیل آرزو کے اس بیان پر تنقید کرتا ہو لکھتا ہے:

"اکثر اشعارش بعلت خلاقی تراکیب غریب واختراع محاورہ مطعون فصحاء عجم است۔ لیکن ایں معنی را طالبان او سراج الدین علیخان آرزو قبول نداشتہ۔ بجہت صحت آن تکلیف تاویل کشیدہ اند و انصاف آنست کہ آن مست بادۂ وحدت درد وصاف را بہم آمیختہ است۔" (۴۸)

عجیب و غریب ترکیبوں اور محاوروں کی ایجاد کی وجہ سے اس کے بیشتر کلام کو ایرانی فصحاء نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن اس بات سے اس کے شاگرد اور خصوصاً سراج الدین علی خاں آرزو اتفاق نہیں کرتے اور ان کو صحیح ثابت کرنے کے لئے وہ تاویلات سے کام لیتے ہیں جبکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مست بادہ وحدت کے کلام میں دُرد اور صاف خوب و زشت دونوں ملے جلے ہیں۔

قطع نظر اس سے کہ ایسا کوئی شاعر نہیں جس کا سارا کلام فصیح و معیاری زبان کے مطابق اور ہر قسم کی خامیوں سے پاک ہو جیسا کہ مشہور ایرانی ادیب محمد علی جمال زادہ کا بھی خیال ہے۔

"شاعر حتی وقتی کہ بمرتبہ علیا و بحد کمال رسیدہ باشد، ممکن است در مواقع مخصوص و برحسب مقتضیات و کیفیات اشعار سست بسازد۔" (۴۹)

اپنی شاعری کے نقطہ عروج پر پہنچ کر بھی ممکن ہے ایک شاعر کچھ مخصوص موقع ومحل پر حالات اور کیفیات کے زیر اثر سست اشعار کہے۔

شاعر کے کلام کا بڑا حصہ اس کی صلاحیت و لیاقت اور ذوق و سلیقے کا نمائندہ ہوتا ہے اور اسی کی اساس پر اس کے بابت فیصلہ کیا جاتا ہے اس لئے اس حصے کو پیش نظر رکھ کر ہی اس کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کرنی چاہئے۔ خوشگو اس سلسلے میں لکھتا ہے:

"ما فرض کردیم کہ "ترکیب سازی" و "لفظ تراشی" کہ نامش غلط گذاشتہ اند، در تمام اشعارش پانصد یا ہزار بیت خواہد بود۔ جواب بقیہ شعر ہایش کہ ہم برغم مدعیان، صحیح و درست باشد کہ می تواند داد۔ آخر تمام صد ہزار بیت خود غلط نیست۔" (۵۰)

فرض کیجئے "ترکیب سازی اور لفظ تراشی" جسے لوگوں نے غلط نام سے یاد کرنا شروع کیا ہے

ان کے جملہ اشعار میں سے پانچ سو یا ہزار اشعار ہی ہوں گے اس کے بقیہ کلام کا جو کہ حریفوں کے دعوی کے علی الرغم صحیح اور درست ہیں کون جواب دے سکتا ہے؟ آخر پورے ایک لاکھ اشعار تو غلط نہیں ہیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ اعتراض کرنے والے تذکرہ نگار جیسے علی ابراہیم خلیل نے بیدل کی ناموزوں ترکیبوں کی مثالیں کچھ زیادہ نہیں دی ہیں تمام تذکروں میں لے دے کر کل دو محاورے نظر آئے جن پر انہوں نے اعتراض کیا ہے یہ ہیں ''خرام کاشتن'' اور ''نمد بافتن''۔ نمد بافتن کے سلسلے میں ناظم خاں فارغ کے واقعہ سے سارے شبہات دور ہو جاتے ہیں اور خرام کاشتن کے بابت آگے پڑھیں گے۔

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا بیدل کی بعض ترکیبوں کے بابت لکھتے ہیں:

''در عالم ابداع ترکیبهای نو هم بیدل گاه لغزشهای نابخشودنی دارد چنانچه درین بیتها:

جنون جولانیم هرجا بوحشت آشنا گردد — دو عالم گرد بادم در هوای نفس پا گردد

ترکیب ''جنون جولانی'' و ''آشنا گردیدن'' بمعنی همراه شدن۔ وعبارت ''دو عالم گرد بادم'' بمعنی ''دو عالم بمنزله گردبادی برای من'' درین بیت شایسته نقد است۔

تغافل چه خجلت بخود چیده باشد — که آن نازنین سوی ما دیده باشد

''بخود چیدن'' را بجای ''برخود حمل کردن، برخود نهادن'' آورده است و بیت هم برروی هم بسیار بی مزه است و بیدل ازینگونه بیتها بسیار دارد۔'' (۵۱)

انوکھی ترکیب سازی کے میدان میں بھی بیدل نے کبھی کبھی نا قابل معافی لغزشیں کھائی ہیں جیسا کہ اس شعر میں۔

یہاں ترکیب جنوں جولانی، اور آشنا گردیدن ''ہمراہ شدن'' کے معنیٰ میں ہیں اور دو عالم گرد بادم، کا مطلب ہے دونوں جہاں میرے لئے گرد باد کے درجہ میں ہیں اس شعر میں قابل تنقید ہیں۔

دوسرے شعر میں بخود چیدن، برخود حمل کردن، برخود نہادن (اپنے اوپر حمل کرنا یا رکھنا) کے معنی میں لایا ہے اس کے علاوہ وہ شعر مجموعی طور پر بہت بے لطف ہے بیدل کے یہاں اس طرح کے اشعار بہت ہیں۔

ادھر حال میں معاصر ایرانی ادیب وشاعر اور نقاد ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے کچھ اور مثالیں دی ہیں وہ بیدل کی 'ترکیب خاص' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''عالمی زبانوں میں فارسی زبان اپنی ترکیب سازی کے امکانات کے لحاظ سے جیسا کہ ماہرین لسانیات کا خیال ہے، دنیا کی سب سے زیادہ توانا اور مقتدر زبان ہے۔ جہاں تک مخصوص ترکیب سازی

کی بحث کا تعلق ہے ہر شاعر نے ہر دور میں کم وبیش اس کی کوشش کی ہے۔ فارسی زبان کے شعراء ترکیب سازی کے معاملے میں یکساں درجے کے نہیں۔ اسی طرح فارسی شاعری کے مختلف ادوار ترکیب سازی پر شاعروں کی توجہ کے لحاظ سے ایک ہی نہیں رہے ہیں۔ خراسانی شاعری میں ترکیب یا ترکیب کی نوعیت پر جو توجہ شاعروں کی ہوئی ہے وہ آذربائجانی شاعری (خاقانی ونظامی) سے مختلف ہیں اسی طرح عراقی اسلوب کے شاعروں کے کلام میں بھی یہ فرق موجود ہے حتی کہ سعدی اور حافظ کی توجہ بھی ترکیب سازی کے مسئلے پر یکساں نہیں رہی ہے۔ ہندوستانی اسلوب میں کثرت ترکیب سازی کا رجحان خود سبک شناسی کا ایک موضوع ہے۔ لیکن ہماری بحث یہاں ان ترکیبوں سے ہے جن کو بیدل نے اختراع کیا۔ یہ ترکیبیں اس کے پیشرو شاعروں کے تجربے کی نوعیت کی نہیں ہیں اور اسی لئے جو لوگ اس کی ترکیب سازی سے مکمل طور پر مانوس نہیں ہیں اس کے کلام سے مشکل ہی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کے کلام میں ابہام اور غموض کا سب سے اہم سبب اس نوع کی ترکیبیں ہیں۔

ای دلت حسرت کمین انتخاب صبحدم
دوش آزادی تحمل طاقت اسباب نیست

کوش شهرت انتظاران بشکنم یا نشکنم
نیست شمع من تماشا خلوت این انجمن

کاروانها ست درین دشت خموشی دنبال
هرجا دمد صبح، شبنم کمین است

چشمی به نم گیرای خنده مایل
معنی سبقان گر همه صد بحر کتابند

چون موج گهر پیش لبت سکته جواب اند
نامه ای دارم بهار انشا که طبع بلبلش

چون صریر خامه پیش از خط غزلخوانی کند
غفلت آهنگم ز ساز حیرت ایجادم مپرس

طپش آماده تر از خون دل منصورند
نارسائی تنگ و تازند چه پست و چه بلند

حسرت ثمر کوشش بی حاصل خویشم
فرصت انشایان هستی گر تکلف کرده اند

سکتہ مقداری دریں مصرع توقف کردہ اند
شکم امشب بسمل حسن عرق طوفاں کیست
عزت کلاہ بی سرو سامانی خودم
ز چاک سینہ یک آہ سحر تعبیری خواہم
وطن آوارۂ شوقم نگاہ خانہ بردوشم
میرسید از معاش خندہ عنوانی کہ من دار
من جنوں حوصلہ از وسعت آغوش خودم

آگے لکھتے ہیں:

''اس کا دیوان اس نوع کی ترکیبوں سے بھرا پڑا ہے جیسے کدورت انشا، استغنا نگاہ، حیا بگانہ، حیرت نگہ، حیا سرمایگی، طپش ایجاد، حیرت صدا، فرصت کمیں، ادب اظہار، نفس امداد، عجز نوا، عبرت انجمن، ہوش آوارہ، عنقا سرو برگ، کلام ہوش تسخیر، عدم سراغ، عدم فرصت، خجلت نقاب، کہ کبھی کبھی تمام اجزاء شعر کو اس قسم کی ترکیبوں کا مجموعہ اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اور اس مجموعہ کے انبار میں اس کے کلام سے ناآشنا قاری دردسر، حیرانی اور درماندگی کا احساس کرتا ہے۔ اگر اس قسم کا کام ''رستاخیز کلمات'' کا معیار قرار پائے تو وہ اس میدان میں فارسی شاعری کی تاریخ کا ایک نمایاں فرد شمار کیا جاسکتا ہے اور شاید وہ خود بھی اپنے کلام کی اس خصوصیت سے آگاہ رہا ہے۔ اور دوسری زبان میں روس کے فرمالیت کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جو ''قیامت کلمات'' کے ساتھ ''حشر معانی'' کی ایجاد کرتا ہے۔

بیدل! نفسم کارگہ حشر معانی ست — چوں غلغلہ صور قیامت کلماتم

بیدل! میرا سانس ''حشر معانی'' کی کارگاہ یا کارخانہ ہے صور کے شور کی طرح میں ایک ''قیامت کلمات'' ہوں۔

اس کے کلام میں اس دو تعبیر کو شعری نظریات کی تاریخ میں ''رستاخیز کلمات'' اور اس کے بعد ''حشر معانی'' کے مفہوم کی طرف پہلی توجہ کی شکل مانتا ہوں اور اگر لوگ مجھے ملامت نہ کریں تو کہیں گے بیدل ''رستاخیز کلمات'' کے نظریے کا بانی ہے جو روسی فرمالیستوں کی تنقید میں جدید بلاغت کی اساس ہے اور ''حشر معانی'' کی تعبیر و اصطلاح اس کے کلام میں زبردست بلاغتی اہمیت کی حامل ہے اور شعری تنقید میں بھی اس کی ضرورت رہتی ہے۔'' (۵۲)

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اپنے ایرانی ذوق کے مطابق جو ترکیبیں نامانوس اور مبہم معلوم ہوئیں ان کی طویل فہرست پیش کردی ہے۔ غالب شاید انہیں وجوہ سے کہتا ہے۔

کایں زباں اہل ایراں است — مشکل ما و سہل آنانست

یہ زبان ایرانیوں کی ہے ان کے لئے آسان ہے اور ہمارے لئے مشکل ہے۔

شفیعی کدکنی نے ۱۹۷۵ء میں ہنر و مردم میں شائع ہونے والے مقالہ ''بیدل دہلوی'' میں بیدل پر درج بالا الزام لگایا لیکن تیرہ سال کے بعد اپنے دوسرے مضمون میں لکھتے ہیں:

''بیدل کی شاعرانہ عظمت و بزرگی اور نبوغ و استادی کے مقابلے پر ہم ایرانیوں کی خاموشی، ناسپاسی اور حق ناشناسی وسط اور مغربی ایشیا کی زبان و ادب کی تاریخ میں اس کے حقیقی مقام کو کسی طرح پست و بے وقعت نہیں کرتی اور ان اقوام کے ایک طبقے کے حافظے میں اس کی واضح موجودگی پر پردہ نہیں ڈال سکی۔

''نہ صرف اتنا بلکہ۔ بیدل کے درج ذیل مصرعہ۔

گراں شد زندگی اما نمی افتد ز دوش من
قیامت ریخت بر آئینہ ام برق تماشا یش

کو نقل کرکے کدکنی کہتے ہیں ''من ترجیح دہم ہماں مصراع بنام من بماند و نہ آن مجموعہ عظیم کلیشہ ہا و با کلمات پوک۔

میں ترجیح دیتا ہوں کہ یہ مصرعہ مرے نام منسوب ہوں نہ کہ سست اور پوچ الفاظ کا وہ عظیم مجموعہ (معاصر ایرانی شاعروں کا)۔

کدکنی کے خیالات میں یہ انقلاب صرف تیرہ سال کی مدت میں انتہائی معنی خیز اور حیرت انگیز ہے اور بیدل کا درج ذیل شعر اس کا جواب ہے۔

بی سعی تأمل نتواں یافت صدایم — ہشدار کہ تار نفسم نبض سقیم است
دریں گلشن تسلی داد وضع سرو و شمشادم — کہ یک مصرع بلند آوازہ دارد طبع موزوں را

تھوڑی دیر کے لئے اگر ہم اس بات کو مان لیں کہ بیدل نے بہت سی انوکھی اور بے مثال ترکیبیں ایجاد کی ہیں اور کچھ نئے محاورے اختراع کئے ہیں تو اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نبوغ اور عبقریت کا ثبوت دیا ہے۔ جو لوگ فرسودہ، متداول اور پیش پا افتادہ ترکیبیں استعمال کرتے ہیں ڈاکٹر مندوران کو ایک عقلی مرض میں گرفتار سمجھتے ہیں:

''نویسندہ ایکہ دراستخدام تعبیرات پیش پا افتادہ و معمول افراط می کند بیشک بیک بیماری عقلی دچاراست، زیرا این تعبیرات مانند سکہ ہائیکہ از فرط دست شدن بر جستگیہایش محو شدہ باشد زیبائی و گیرائی خود را از دست دادہ است۔ و ناقد باید چنیں نویسندہ را وادار دتا ہماگونہ کہ بہ

عقاید وافکار وخود تجدد وتحول می دہد تعبیرات را از متون قدیم بعاریت نگیرد۔ کثرت استخدام محفوظات واستعمال تعبیرات وترکیبات قدما، اندیشہ را از راہ خود باز می دارد واز اینکہ کار تازہ ای انجام دہد مانع می شود وحتی از اینکہ فکر نویسندہ رنگ احساس بخود گیرد باز می ماند، زیرا افکار، گذشتہ از احساسات، باید از رنگ خاصی کہ تازگی ونوی بدان می بخشد، برخوردار باشد۔(۵۴)

جو ادیب فرسودہ اور پیش پا افتادہ تعبیرات کا استعمال کثرت سے کرتا ہے وہ یقیناً ایک عقلی بیماری میں مبتلا ہے کیونکہ یہ تعبیریں ان سکوں کی طرح جو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچنے کے باعث اپنی برجستگی اور تازگی کھو بیٹھتے ہیں، اپنی دلکشی ودلآویزی کو ہاتھ سے دے چکی ہیں ایک نقاد کو چاہئے کہ ادیب کو اس بات پر مجبور کرے کہ جس طرح وہ اپنے افکار و خیالات میں جدت اور تازگی پیدا کرتا ہے تعبیرات اور اصطلاحات بھی قدیم متون سے عاریۃً نہ لے۔ قدیم ادیبوں کی تعبیرات وترکیبات اور محفوظات کا بہ کثرت استعمال افکار کو ان کے اصلی دھارے سے موڑ دیتا ہے اور کوئی نیا وانوکھا کام انجام دینے سے باز رکھتا ہے حتیٰ کہ ادیب کے افکار وخیالات کو اس بات سے بھی باز رکھتا ہے کہ اس میں خود اپنے ہونے کا احساس ہو کیونکہ افکار وخیالات کو احساسات کے علاوہ خاص رنگ وروپ اور جدت و تازگی کا حامل ہونا چاہئے۔

سچ پوچھئے تو بیدل ادب کی دنیا میں ایک مجتہدانہ اور باغیانہ ذہن لے کر آیا تھا اور سنت پرستی سے اسے ایک طرح سے چڑھ تھی۔ اس کا کہنا ہے:

از رہ تقلید نتواں صاحب معنی شدن ژالہ بیش از یکدو دم بر خود نچیند گوہری

کسی شاعر کی پیروی کر کے کوئی شاعر "صاحب معنی" نہیں بن سکتا اولہ، موتی کی نقالی ایک دو لمحے سے زیادہ نہیں کرسکتا۔

اس شعر میں بیدل نے فرسودہ، پیش پا افتادہ اور مروجہ زبان وبیان کی پیروی کو اولے کی گوہر کی نقالی سے تشبیہ دے کر یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ اس کا سارا حسن صرف لمحہ بھر کے لئے ہے "صاحب معنیٰ" بننے کے لئے زبان کی بیڑی کو توڑنا اور بیان کے حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور کشادہ بنانا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک جگہ تو کھل کر کہتا ہے:

مباش غافل از انداز شعر بیدل ما شنیدنی است نوائی کہ کم نواختہ اند

بیدل کے اسلوب وانداز کلام سے بے اعتنائی نہ برتو جس نکتے کو دوسرے لوگ بہت کم کہہ گئے ہیں وہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

نیاز فتحپوری نے بھی کچھ اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے، لکھتا ہے:

"یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک، کیفیات غیر معمولی اور واردات قلب نادر ہوں گے تو ان کے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں کبھی کارآمد ثابت نہ ہوں گی اور لامحالہ ان کے لئے کوئی جدید اسلوب بیان، کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے پڑیں گے اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیان کے لئے

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور نہ ان کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ ہر نئی بات کو بغیر استاد کے قبول کرلیں اس لئے بیدل کے کلام کو مہمل کہنے والے زیادہ نظر آتے ہیں۔(۵۵)

خود بیدل نے اپنے ایک خط میں اس کا تذکرہ کیا ہے کہ میرے سخن فہموں کی تعداد بہت کم ہے اس لئے میں انجمن تصویر میں مقیم ہوں" باوجود کثرت یک عالم آشنا، از قحط سخن فہم مقیم انجمن تصویر بستن است۔"(۵۶)

مجنوں گورکھپوری نے بھی اسی طرح کا خیال ظاہر کیا ہے:

بیدل اپنی شخصیت اپنے فکر واحساس اپنے اسلوب وانداز کے اعتبار سے ایک مجتہد تھا۔ اس لئے ایک بڑی مدت تک وہ اہل شعر وسخن کے درمیان باہری سمجھا گیا اور نامقبول رہا۔ اس کو دنیا کی نارسائی اور اپنے بلند مقام کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بات سمجھنا آسان نہیں۔ اور اس کو کسی سے شکایت نہیں تھی۔ اس کا ایک شعر ہے۔

در جستجوی ما نکشی زحمت سراغ جائے رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد
غریق بحر ز فکر حباب مستغنی است رسیدہ ایم بجای کہ بیدل آنجانیست
(زحمت نہ کرنا تم کبھی مری تلاش کی پہونچا ہوں واں جہاں نہیں عنقا کی بھی پہنچ)

بیدل کے اشعار میں فکر کی تہ درتہ بلاغت اور استعارہ اور تمثیل کی نزاکت زیادہ ہے۔(۵۷)

مجنون مزید لکھتے ہیں: بیدل کی حق تلفی اس کے زمانے سے آج تک ہوتی رہی۔ نہ اس کے ہمعصروں نے اس کو سمجھا نہ بعد کی نسلوں نے اس کی قدر کی۔ دنیا نے اس کو روایتی معیار اور دستور کے مطابق نہیں پایا تو اس کو "خارج آہنگ" کہہ کر کنارے کردیا اور اس کا اثر معدودے چند باذوق خواص کے حلقے تک محدود رہا۔

وہ نئی ترکیبوں اور نئے اسالیب کا پروردگار ہے۔ اتنا تو سبھی مانتے آئے ہیں اگرچہ ساتھ ہی

ساتھ اس کی ہر بات کو خارج آہنگ یعنی مجذوبانہ سمجھ کر ٹالتے بھی رہے ہیں لیکن کسی نے اس نکتے پر غور نہیں کیا کہ نئی ترکیبیں یا استعاری اختراعات تو ایک طرف بیدل حسب عام اور کثیر الاستعمال الفاظ بھی اپنے اشعار میں لاتا ہے تو اپنی ابداعی قوت اور اپنے خلاق تخیل سے ان میں نئی توانائی اور نئی بلاغت پیدا کر دیتا ہے''۔

بیدل کی اختراعی ترکیبوں کے بارے میں صلاح الدین سلجوقی بیدل کے شعر:

در لفظ نہ پرداختی ای غافل معنی　　تحقیق پری در نفس شیشہ گری است

کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ اگر آدمی لفظ کی خوبصورتی پر توجہ نہیں دیتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ معنی سے بے خبر ہے کیونکہ معنی کی روح الفاظ کے قالب ہی میں جلوہ گر ہوتی ہے مثل مشہور ہے صحیح و سالم روح کی تلاش صحیح و سالم بدن میں کرنی چاہئے۔

۲۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ شاعر کی حقیقت ایک شیشہ گر کی ہے اور اس کے وظائف محدود ہیں۔ شیشہ گر اپنی طرف سے شراب بناتا ہے نہ پتھر ایجاد کرتا ہے بلکہ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ شیشہ کے پتھر کو پگھلائے اور خود اپنی سانس میں گداز پیدا کرے۔ شاعر بھی معانی نہیں بناتا ہے۔ کیونکہ صوفی، شاعری کو دنیائے بریں کے براڈ کاسٹ کی لہریں تصور کرتا ہے۔

شاعر لفظ ''آب'' کو ''نان'' کے لئے استعمال نہیں کر سکتا ہے یا ''آب'' کے لئے اپنی طرف سے کوئی لفظ نہیں تراش سکتا ہاں ''آب'' کو جس لفظ سے بھی اس کا ذوق سلیم اجازت دے مرکب کر سکتا ہے اور اس سے ایک تازہ اور انوکھا معنی پیدا کر سکتا ہے اسی طرح جہاں بھی اس کا ذوق پسند کرے اسے مجازی معنی میں استعمال کر سکتا ہے چاہے دوسروں نے یہ کام کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر کیا ہے تو انہوں نے ابتکار کیا ہے اور اگر نہیں کیا ہے تو ہمیں یہ کام کرنا چاہئے ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ جناب غلام علی آزاد لکھ گئے ہیں کہ ''خرام کاشتن'' میں نے نہیں سنا ہے شاید ''شلغم کاشتن'' موصوف کے ایک ادب عالیہ میں شمار ہو کیونکہ انہوں نے یہ ترکیب نہیں سنی ہے۔

بیدل دعوی کر سکتا ہے کہ اس نے دیگر تمام شاعروں سے کہیں زیادہ اختراع و ابتکار سے کام لیا ہے اور وہ فیض معانی کا اس قدر مہبط رہا ہے کہ دوسروں کو ایسا ہونا نصیب نہیں ہوا۔ اس نے الفاظ کی جودت و لطافت اور پاکی و صفائی پر خاص توجہ دی ہے اور نامناسب الفاظ سے اجتناب کیا ہے مجاز و استعارہ میں اس قدر جدت طرازی کی اور حسین و جمیل ترکیبیں ایجاد کیں کہ کسی بھی قدیم یا جدید شاعر کو اس حد تک کامیابی نہیں ہوئی۔

اس کام کے پہلے موجد مولانا جلال الدین رومی ہیں حتی کہ استادی اور پیش قدمی بھی ان ہی کا حصہ تھی۔ بیدل اس راستے میں ان کا خلیفہ اور شاگرد ہے لیکن ایسا شاگرد جس نے اپنے استاد کی بنیاد کو اور بنا سنوار کر پیش کیا اور حسن و جمال کے لباس کو اس پایدار اساس کے جسم و شانے پر مزید مستحکم کیا۔'' (۵۸)

اس میں شک نہیں استاد صلاح الدین نے ترکیب سازی میں بیدل کی جدت طرازیوں کی نہایت نفیس وضاحت کی ہے لیکن ایک حد تک وہ حسن ظن میں مبتلا ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ دلکش اور انوکھی ترکیبوں کی ایجاد میں اگلے پچھلے کسی بھی شاعر کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ اس دعوی کا حق راقم السطور کے ناقص خیال میں اس کو پہنچتا ہے جس نے تمام شاعروں یا کم از کم عظیم شاعروں کے جملہ کلام کا بہ غور تقابلی مطالعہ کیا ہو اس کے بعد ہر ایک کی ایجاد کردہ ترکیبوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا ہو حالانکہ نقادوں کی بڑی تعداد نے خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، اس عظیم کام کا بیڑا ابھی تک نہیں اٹھایا اور یہ اکثر یا دوسروں کے اقوال نقل کرتے ہیں یا اپنے پسندیدہ شاعر سے غیر معمولی ارادت کی بنا پر اس کو ہر حیثیت سے دوسروں پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس طرح اعتدال کا دامن ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں۔ بیدل کی جدت طرازی سے متعلق استاد سلجوقی کے بیان کے بالمقابل جس کو وہ مولوی پر بھی فوقیت دیتے ہیں، مولوی کی جدت طرازی کے بابت علی دشتی کا بیان ملاحظہ ہو:

''نکتہ شایستہ توجہ کہ جلال الدین را از سائر گویندگان متمایز می کند (حتی از انہائیکہ با بداع در تعبیر و زیبائی قالب موصوفند) اینست کہ تعبیرات تازہ در زبان وی، چہ در مثنوی و چہ در دیوان شمس، بیش از ہر شاعر دیگر یست۔ آقای فروز انفر در مقالہ سابق الذکر (یادنامہ مولوی) نوشتہ اند'' در حدود ۷۵۰۰۰ ترکیبات وصفی و اضافی در غزلیات مولانا ہست کہ ۱۰۰۰۰ آں مخترع اندیشہ و ضمیر مولانا ست۔'' (۵۹)

توجہ طلب نکتہ جو جلال الدین رومی کو بقیہ تمام شاعروں سے ممتاز کرتا ہے (حتی کہ ان شاعروں سے بھی جو تعبیر میں جدت پیدا کرنے اور قالب کی زیبائی و دلکش کے لئے مشہور ہیں) یہ ہے کہ ان کی زبان میں جدید اور انوکھی تعبیرات کیا مثنوی میں اور کیا دیوان شمس میں دوسرے تمام شاعروں سے زیادہ ہے۔ جناب فروزانفر نے اپنے مقالہ یادنامہ مولوی، میں لکھا ہے تقریباً ۷۵۰۰۰ توصیفی اور اضافی ترکیبیں مولانا کی غزلیات میں ہیں جن میں سے دس ہزار خود مولانا کے فکر و ذہن کی اپج ہیں۔

اب کوئی اور فروزانفر پیدا ہو جو بیدل کی ایجاد کردہ ترکیبوں کو دوسروں خصوصاً مولانا جلال الدین کی ایجاد کردہ ترکیبوں سے مقابلہ کر کے دیکھے تا کہ واضح ہو کہ کس کو کس پر اس معاملہ میں برتری حاصل ہے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے خود اسی بیدل کے بابت مرکزی ایشیا (افغانستان از بکستان اور

تاجکستان) اور ہندوستان و ایران کے ادیبوں اور نقادوں میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ اول الذکر اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور ثانی الذکر (کچھ ہندوستانی دانشوروں کو چھوڑ کر) اسے تحت الثریٰ میں پہونچا دیتے ہیں۔ تاجیکی اور افغانی شاعروں کی بیدل کی پیروی کے بابت ایک انگریزی مقالہ میں جو ہندوستان ٹائمز مورخہ ۳۱/۵/۱۹۷۲ء میں شائع ہوا ہے، لکھا ہے:

"No poet in Soviet Tajikistan can claim perfection in his art unless he has read Bedil"

سویت اور تاجکستان میں کوئی شاعر شاعری میں کمال کا دعویٰ نہیں کرسکتا جب تک اس نے بیدل کا مطالعہ نہ کیا ہو۔

اس کے بالمقابل استاد محمد تقی بہار کا خیال ملاحظہ ہو:

''ہمیں حالت را در شعر ہندی می بینیم و بجز صائب کہ گاہی از واقعات سخن میگوید، باقی تمام شعراء مخصوصاً متاخرین از قبیل بیدل و غنی قصد شان آوردن عباراتی است کہ باصنعت و مضمون جور باشد نہ با مقصودیکہ دارند و غالباً مقصودی ہم نداشتہ اند۔'' (۶۰)

ٹھیک یہی صورت حال ہندوستانی شاعری میں نظر آتی ہے اور صائب کو چھوڑ کر جو کبھی کبھی واقعات کی ترجمانی کرتا ہے باقی شعراء جیسے بیدل و غنی وغیرہ کا مقصد ایسی عبارتیں لانی ہوتی ہیں جو اس صنعت اور مضمون سے ہم آہنگ ہو نہ کہ اس مقصد سے جو ان کے پیش نظر ہے بلکہ اکثر سرے سے مقصد ہی نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح ''خرام کاشتن'' کی ترکیب اور محاورہ کی موزونیت کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اس محاورے پر غلام علی آزاد بلگرامی کا اعتراض یہ ہے:

''بلی قرآن کہ کلام خالق السنہ است، سررشتہ موافقت زبان در دست دارد۔ اگر اختراعی خلاف زبان می داشت، فصحاء عرب قبول نمی کردند۔ غیر فارسی، کہ تقلید زبان فارسی کند بلی موافقت اصل چگونہ مقبول اہل محارہ تواند شد مثلاً میرزا تخمسی در مرثیہ فرزند خود دارد در آنجا می گوید:

ہر گہ دو قدم خرام می کاشت — از انگشتم عصا بکف داشت

''خرام کاشتن'' عجیب چیزی است۔'' (۶۱)

قرآن پاک جو خالق السنہ خدا کا کلام ہے اہل زبان کی زبان سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے اگر زبان کے خلاف اس میں کوئی ترکیب خود ایجاد کردہ ہوتی تو عرب کے فصحا اسے قبول نہ کرتے

جن لوگوں کی مادری زبان فارسی نہیں ہے وہ فارسی زبان والوں کی تقلید کریں کیونکہ اصل زبان سے ہم آہنگ ہوئے بغیر وہ اہل محاورہ میں کیونکر مقبول ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر مرزا بیدل نے اپنے لڑکے کی وفات کی مناسبت سے ایک مخمس کہا ہے، اس میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

ہر گہ دو قدم خرام می کاشت — از انگشتم عصا بکف داشت

اس میں ''خرام کاشتن'' ایک عجیب محاورہ ہے۔

اس بات میں کہ قرآن پاک کو قبول عام اسی وجہ سے حاصل ہے کہ وہ عرب کے فصحا کی زبان اور محاورہ میں نازل ہوا ہے کوئی شبہ نہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے ڈاکٹر مندور اور محمد جعفر مجوب کے بیانات نقل کئے گئے زبان کوئی جامد و راکد چیز نہیں ہے، بلکہ اپنی پوری تاریخ کے دوران کافی نشیب و فراز سے گذرتی ہے کبھی بعض الفاظ زندہ اور کبھی مردہ شمار کئے جاتے ہیں۔ سماجی قدروں کی تبدیلی کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی آتی ہے جیسا کہ موجودہ عربی زبان کے بابت بھی ہم جانتے ہیں سماجی اور ادبی قدروں میں زبردست انقلاب کے نتیجے میں اس نے اتنی ترقی کی ہے کہ قرآنی اسلوب سے وہ کافی حد تک دور جا پڑی ہے اس کے باوجود اس سے قرآن پاک کی اہمیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

استاد صلاح الدین نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے:

''جناب آزاد بلگرامی باوجودیکہ ایک اچھے ادیب ہیں لیکن ان کا تعلق ایسے طبقے سے ہے جس کو تصوف سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ ہی لغوی اور ادبی مسائل میں وہ کوئی سند ہیں۔ آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے جو حرکت کرتا ہے اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ سب کو رفتار نہیں کہتے اور نہ سب کو ''خرام'' کہتے ہیں رفتار، خرام، تگ و پو، دویدن، خزیدن۔ ان میں سے ہر ایک لفظ ایک مخصوص قسم کی حرکت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ''خرام'' اس رفتار کا نام ہے جو ایک نوجوان اپنے حسین قد و قامت کے شعور کے ساتھ مخصوص انداز سے قدم اٹھاتا ہے، جو ظاہر ہے ایک چار سالہ بچے سے امید نہیں کی جاسکتی لیکن ایک بوڑھے باپ کے باغ آرزو میں جس کے اپنے سن سفیدی کے عہد تک جذبہ پدری کی تسکین نہیں ہوئی ہے اور وہ شاعر بھی ہے وہ اس طرح چلتا ہے کہ اس بچے کی ابتدائی گامزنی ایک ایسا تخم ہے جو اس باغ آرزو میں خرام کی شکل میں بارآور ہوگا۔'' (۶۲)

''خرام کاشتن'' کا محاورہ جیسا کہ پروفیسر عطاء الرحمٰن عطا کاکوی مرحوم نے ایک صحبت میں فرمایا: مقامی اثرات کی بھی نشاندہی کرتا ہے جس سے زبان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور بیدل کے ذوق لطیف اور ذہن رسا کو بھی واضح کرتا ہے۔ ہندوستان کے شمالی علاقے خصوصاً صوبہ بہار میں جہاں

بیدل پیدا ہوا اور جہاں اس نے بچپن اور جوانی کا زمانہ بتایا وہاں کی کاشتکاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسان کھیت کے ایک مخصوص حصے میں بیج چھڑکتے ہیں جب پودے نکل آتے ہیں تو ان کی جڑوں کو وہاں سے نکال کر دوسری جگہ ایک ایک بالشت کے فاصلہ پر لگاتے ہیں اس کی خاطر کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور اپنے قدم اسی حساب سے ایک اندازے سے اٹھاتے ہیں تاکہ ہر دو پودوں کے درمیان فاصلے کا تناسب یکساں رہے۔ ان کے قدم چلانے کا اندازہ ٹھیک تین چار سال کے بچے کی طرح ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں ''خرام کاشتن'' کے محاورے پر غور کرنا چاہئے جسے بیدل نے اپنے تین سالہ بچے کے لئے ایجاد کیا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کا کوئی رواج ایران میں نہیں ہے اس لئے وہاں کس طرح اس کا وجود ممکن ہے۔ اس لئے کہنا چاہئے کہ ''خرام کاشتن'' ایک لطیف محاورہ ہے نہ کہ عجیب۔

اسی محاورہ کے ساتھ ترکیب ''قیامتکدہ شہر دہلی'' یاد آئی۔ ۱۰۷۶/۱۶۶۵ء میں دہلی میں اپنے ورود کے موقع پر بیدل لکھتا ہے ''فال عبور بقیامتکدہ شہر دہلی افتاد'' اور کابل کے مطبوعہ نسخہ میں ''اقامتکدہ شہر دہلی'' لکھا ہے۔ لیکن راقم السطور 'قیامتکدہ' کو زیادہ صحیح سمجھتا ہے کیونکہ بیدل نے اس تعبیر میں اپنے قلبی جذبات کی نشاندہی اور ذہنی تاثرات کی تصویر کشی کی ہے جب پہلی بار اس ترکیب کو پڑھا اس کی اہمیت واضح نہ ہوسکی اور جب راجدھانی دہلی کے کئی سفر کرنے کے بعد اس پر غور کیا تو اس کی اہمیت سمجھ میں آئی دہلی نہ صرف آج بلکہ اسی زمانے سے جب وہ ہندوستان کی راجدھانی قرار پائی ہے ہر قسم کی سیاسی، سماجی، ادبی، تہذیبی اور مذہبی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے اور آج بھی اس کی یہ حیثیت اپنی جگہ برقرار ہے بلکہ کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ان تمام سرگرمیوں کی نشاندہی کے لئے ''قیامتکدہ'' سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی تھی۔

ڈاکٹر عبدالغنی نے اس سلسلے میں بڑی معقول بات اور نہایت سلیقے سے کہی ہے اور اگرچہ ان کے خیالات نیاز فتحپوری کے خیالات کے قریب قریب ہیں تاہم انہوں نے اپنے افکار نہایت واضح انداز میں بیان کئے ہیں ملاحظہ ہو:

''بلند موضوع اعلی درجہ کی زبان کا متقاضی ہوتا ہے لیکن اس قسم کی زبان شاعر کو ڈھلی ڈھلائی اور بنی بنائی نہیں ملا کرتی، وہ اسے خود اختراع کرتا ہے۔ لاریب زبان اور اسلوب کے لحاظ سے وہ اپنے پیشرو کا ممنون احسان ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کی شخصیت اور اس کے خیالات جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں وہ ان کے مطابق ایک منفرد طرز نگارش اختیار کرتا ہے۔ جب شاعر پر الہامی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ تخلیقی تجربہ میں سے گذرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کے دیرینہ روابط اور سابقہ تراکیب جدید معنی اور تازہ واردات کو بیان کرنے سے قاصر ہیں اس لئے وہ نئے الفاظ اختراع کرتا ہے جس میں

اظہار کی مطلوبہ قدرت موجود ہوتی ہے اور ان الفاظ کے نئے رابطے قائم کرتا ہے۔

اس بیان سے یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ الفاظ ان خیالات سے نشو نما پاتے ہیں جن ہیں وہ بیان کر رہے ہوتے ہیں بیدل کہتے ہیں:

اصل معنی است کز تقاضایش   لفظ می بالد و ادا ہالیش (۶۳)

نمونہ کے طور پر بیدل کی ایجاد کردہ بعض ترکیبیں ملاحظہ ہوں:

رنگ:

رنگ بہار، رنگ جادہ، رنگ عجز، رنگ شام، رنگ بام، کسوت رنگ، جہاں رنگ، نسخہ رنگ، شکست رنگ،۔

آئینہ:

آئینہ حیرت، حیرت آئینہ، جوہر آئینہ، آئینہ وصل، آئینہ رنگ، آئینہ اشک رواں، آئینہ اثبات۔

موج:

موج عناں، موج گوہر، موج جام بادہ، موج روغن، جنبش موج،

داغ:

داغ دل، داغ لالہ، داغ کمال، داغ جنوں، داغ یاس،

غبار:

طوفاں غبار، غبار حسرت، غبار دہر، غبار دیدہ بیدار، غبار جستجو

زخم:

زخم دل، زخم عشق، زخم جگر، زخم تیغ، چشم زخم

بہار:

بہار جلوہ، بہار جنوں، بہار خرمی، حسن بہار

طوفاں:

طوفاں قیامت، طوفاں جنوں، طوفاں خون

آغوش:

آغوش تمنا، آغوش گل، آغوش تامل

جوش:

جوش گراں، جوش گل، جوش غبار، جوش مینا

عجز:

تمہید عجز، سرمایہ عجز، کمند عجز، لشکر عجز، آشیان عجز،

۳۔ انوکھی تشبیہات واستعارات اور ادبی صنائع:

بیدل کے مخصوص اسلوب کی تشکیل میں انواع واقسام کی تشبیہات واستعارات اور کنایات و علامات کا بڑا اہم رول ہے۔ درحقیقت بیدل کو اگر ان کا بادشاہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ عربی زبان کے مشہور شاعر متنبی کے بارے میں ایک عام خیال ہے کہ وہ ایک قہار وجبار بادشاہ کی طرح ہے جو الفاظ و تعبیرات کے ملک میں حسب خواہش تصرف کرتا ہے۔ یہی بات بیدل کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ وہ کشور تشبیہات کا ایک جبار وقہار بادشاہ ہے جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا رہتا ہے اس نے انواع واقسام کی تشبیہات واستعارات اور ادبی صنائع کے استعمال میں اعجاز کی حد تک اپنی مہارت کا ثبوت دیا ہے خصوصاً مثنویوں میں مناظر اور واقعات کی تصویر کشی بڑی مہارت سے کرتا ہے۔ اردو زبان کے مشہور ادیب نیاز فتحپوری کہتے ہیں:

''بیدل تخیل کا بادشاہ ہے ندرت بیان کا خدا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک رند ژولیدہ مو ہے جو لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہے وہ دل میں تیر وسنان کی طرح پیوست ہوجاتا ہے۔

هر کجا نکهت گل پیرهن رنگ درید — نیست پوشیده که از خود سفری می خواهد

(نکہت گل نے اگر چاک کیا دامن رنگ — ہوا واضح کہ مراد اس کی سفر کرنا تھا) (ظفر)

پھول کو ''پیراہن رنگ'' کہنا اور نکہت کو ''گل کی جامہ دری'' حسن تعبیر کی وہ حد ہے جہاں نظیری کی رسائی ہے نہ حافظ کی اور ''از خود سفری می خواہد'' تو وہ انداز بیان ہے جسے بہت سے ناواقف صرف مغربی لٹریچر کی خصوصیت سمجھتے ہیں۔'' (۶۴)

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''واقعی وہ ہر موقع پر نئی تشبیہیں اور نئے استعارے ایجاد کرتا ہے اور ان میں نئی کیفیتوں کا

ساماں ہمارے لئے ہوتا ہے۔'' (۶۵)

راقم السطور نے اس قسم کی تشبیہات کو جمع کرنے کا کام شروع کیا لیکن ایک صفحہ کے بعد اس کام کو جاری رکھنا مشکل ہوگیا کیونکہ اکثر غزلیں بلکہ شعر اور ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ کوئی مصرع ایسا نظر نہیں آیا جس میں ایک یا دو تشبیہات کا استعمال نہیں ہوا ہو۔ شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ بیدل نے اس سلسلے میں تکلف سے کام لیا ہے لیکن راقم السطور کے خیال میں معاملہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ جو آدمی انواع واقسام کے ادبی صنائع اور تشبیہات کا بہ تکلف استعمال کرنے کا پابند ہوگا وہ ایسی ضخیم کلیات جس میں لاکھوں اشعار ہیں پیش نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آرائشی صنعتیں غیر شعوری طور پر اس کے نہاں خانہ دماغ میں آتی اور صفحہ قرطاس پر ثبت ہوجاتی تھیں۔

البتہ یہ پابندی ایک طرف اگر رنگینی بیان کا سبب ثابت ہوئی تو دوسری جانب کلام میں ابہام اور پیچیدگی کا باعث ہوئی کیونکہ عام آدمی استعارات وکنایات سے بھرے کلام کو خواہ نثر ہو یا نظم بہ آسانی نہیں سمجھ سکتا یا پسند نہیں کرتا ہے۔ ادھر بیدل معمولی گفتگو میں بھی تشبیہات واستعارات سے پرہیز کرنے کو ابتذال اور سوقیا پن محسوس کرتا تھا۔ سادگی کلام اس معنی میں کہ اس کے اندر کسی قسم کی آرائشی صنعتوں کا استعمال نہ کیا جائے اس کے نزدیک بے وقعت ہے۔ چنانچہ ایک خط میں وہ اس نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے:

''سیر فطرتہای سخن طرازان این عصر بی تماشای نیست، خاصه ابنای دول که لاف درین فن داشته باشند۔ می گویند: در زمان سابق بادشاهی مجهول فطرتی تکلیف شعرا می کرد: ''نظمی ساده باقوافی متعارف فکر نمایید۔'' همه بحیرت درمانده بودند۔ و بصله عقوبتهای واصل گردیده۔ تا آنکه یکی از مزاجدانان کاغذ سفید بدعوی تمام از نظر گذرانید وگفت: درین قصیده نوشته ام مشتمل بر صنعتی که سوای قافیه های متعارف، خطوط متعارف هم دارد، اما مردی می باید که بعرصه تقریر وتحریرش قدم گذارد۔ الحال نیز دبستان امکان ازین جنس خالی نیست۔'' (۶۶)

اس عہد کے شاعروں کی فطرت کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ خصوصا ابنائے زمانہ جو اس فن میں بلند وبانگ دعوی کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں زمانہ سابق میں ایک مجہول الفطرت بادشاہ نے شاعروں سے فرمائش کی کہ متداول قوافی میں ایک سادی نظم کہیں۔ سب انگشت بدنداں رہ گئے اور مستحق سزا ٹھہرے۔ تا آنکہ ایک مزاج شناس شاعر نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں ایک سادہ کاغذ اس دعوی کے ساتھ پیش کیا کہ اس میں ایک صنعت پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہوا ہے جس میں متداول قافیہ کے

علاوہ رسم الخط بھی متداول ہی ہے البتہ ایسا آدمی چاہئے جو تقریر و تحریر کے میدان میں ید طولی رکھتا ہو۔ اس وقت بھی دبستان امکان ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے۔

خط کا یہ اقتباس شاعری کے میداں میں بیدل کے رجحان طبع کی نشاندہی کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اسے سرسری طور پر پڑھ کر نہیں گذرنا چاہئے۔ اس کی باتوں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس کا اسلوب کلام بعض معاصر شاعروں مثلاً ناصر علی وغیرہ کی تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ بیدل نے ایک مثال کے ذریعہ اپنے اور معاصر شاعروں کے درمیان فرق کو واضح کرنا چاہا ہے۔ بیدل کے معاصر شاعر صنایع و بدایع کے اس حد تک استعمال کے قائل نہ تھے جتنا بیدل استعمال کرتا تھا اس کے باوجود وہ اپنے شاعر ہونے کا دعوی کرتے تھے۔ بیدل نے صنایع و بدایع سے عاری اور سادہ اسلوب شاعری کی طرف ان کے رجحان طبع کو ایک ایسے بادشاہ کے رجحان سے تشبیہ دی ہے جس نے اپنے درباری شاعروں کو متداول قوافی میں سادہ نظم یا شعر کہنے کی فرمایش کی اور جب وہ اس کی انجام دہی سے عاجز رہے تو شاہی عتاب کے شکار ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مگر ایک مزاج شناس درباری شاعر نے سادہ کاغذ اس دعوی کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں پیش کیا کہ اس میں ایک صنعت پر مشتمل قصیدہ ہے جس میں متداول قافیہ کے علاوہ متداول خطوط بھی ہیں لیکن شرط یہ ہے اس کو سمجھنے والا آدمی ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صنایع و بدایع کے مفرطانہ استعمال میں بیدل کے رجحان کی بنیاد کیا تھی اور وہ کیوں اسقدر اس کا دلدادہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو چیز ایک ادبی تخلیق کو غیر ادبی تخلیق سے ممتاز کرتی ہے وہ صنائع کا استعمال ہی ہے ڈاکٹر محمد علی اسلامی ندوشن ''خصیصہ شاہکار ہا'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> ''ایجاد اثر ادبی بی مقداری صنعتگری امکان پذیر نیست۔ این صنعت گری کلی در حکم معماری اثر است، و آن مربوط می شود بہ ہنر ترکیب کردن۔ اشارہ کردیم کہ تنہا در ترکیب است کہ برق وجود و جوہر کلمہ نمودار می شود۔ سایش کلمہ ہا در کنار ہم گاہی اثر مقناطیس می یابد۔ برخورد لفظ و صوت و معنیٰ، عالمی ایجاد می کند کہ علاوہ بر آہنگ، نقش و نگار و بوی نیز می تو اند ازان بہ بیروں تراود، و برای ہمہ حس ہا مائدہ ای داشتہ باشد۔ جنبند گی نیز آن ہست و ہمہ ایں احساس ہا در فضائی زندہ مواج بہم می آمیزد۔ وقتی می گوئیم صنعت، تنہا منظور کار بردن صنایع و بدیعی شناختہ شدہ در زبان فارسی نیست، بلکہ ہر نوع آرایش و شیوہ گری است بمنظور موثر تر بیان کردن فکر۔ سخن گفتن از جہتی نوع دام گستری است باید صید ذہن کرد بنا بریں تعجب آور نیست کہ گویندہ یا نویسندہ بہ تدبیر ہا و تمہید ہای گونا گوں دست بزند۔'' (٦٧)

کوئی بھی ادبی تخلیق ایک حد تک صنایع کے استعمال کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یہ صنعت در حقیقت ایک عمارت کے معمار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا تعلق ترکیب سازی کے فن سے ہے جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ ترکیب کلمہ کا عمل ہی وہ چیز ہے جس میں الفاظ کے وجود کی بجلی اور اس کا جوہر نمودار ہوتا ہے۔ الفاظ باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملنے پر ان کی مخلوطی شکل کبھی مقناطیس کا اثر پیدا کرتی ہے۔ لفظ صوت اور معنی کا باہمی ملاپ ایک ایسے عالم کو وجود بخشتا ہے جو آہنگ اور نقش و نگار کے علاوہ اس کی خوشبو بھی فضا کو معطر کر جاتی ہے اور تمام احساسات کے لئے ایک خواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے اندر ایک طرح کا اہتزاز بھی دل کو حاصل ہوتا ہے اور یہ سارے احساسات ایک زندہ اور موجزن فضا میں گھل مل جاتے ہیں۔

جب ہم صنعت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مقصد صرف فارسی زبان کے جانے پہچانے صنایع بدیعی کا استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر قسم کی آرائش و زیباش اس سے مراد ہوتی ہے جو بیان کو زیادہ زوردار اور موثر کر سکے۔

شاعری ایک قسم کی دام گستری کا نام ہے جو قاری یا سامع کے ذہن کو شکار کرتی ہے اس لئے یہ بات کچھ حیرت انگیز نہیں ہے کہ شاعر یا ادیب مختلف تدبیروں اور تمہیدوں کا سہارا لے۔

بیدل نے بھی اسی کے قریب کہا ہے۔

تسخیر پریزاد سخن آساں نیست اینجا نفس سوختہ افسوں دارد

شاعری کی پریزاد کو رام کرنا کچھ آسان کام نہیں یہاں نفس سوختہ میں جادو منتر کا اثر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی کا یہ خیال غلط نہیں کہ ''اپنے بیان کو پرزور بنانے کے لئے بیدل نے صنایع و بدایع سے بھی کام لیا ہے۔

اس دعوی کو چند مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے:

ا۔ حوادث زمانہ کے دباؤ سے دل کو شکست کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا ہے۔ اس مضمون کو اس نے تشبیہ آمیز بیان کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے۔

دانہ دل را شکست از آسیای چرخ نیست سودہ کی گردد گہر از گردش گردابہا

آسماں کی چکی سے دانہ دل کو شکست کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا ہے بھنور کی گردش سے موتی کبھی نہیں گھستا ہے۔

یہاں 'دانہ دل' کو ''گہر'' سے اور ''آسیاے چرخ'' کو ''گردش گرداب'' سے تشبیہ دے کر اس نے اپنے دعویٰ کو بھی پایہ ثبوت تک پہونچایا اور اس میں غیر معمولی حسن اور تاثیر بھی پیدا کر دی۔

۲۔ گفتگو کے وقت معشوق کے ہنستے ہوئے ہونٹ بہت بھلے لگتے ہیں۔ اس مضمون کو بیدل کے الفاظ میں

از صدف ریزد گہر و ز پستہ مغز آید بروں　　چوں شود گرم تکلم لعل خندان شما

آپ کے لعل خنداں (مسکراتے ہوئے ہونٹ) جب گرم گفتار ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سیپ سے موتی جھڑ رہے ہیں اور پستہ سے مغز نکلے جا رہے ہیں۔

گفتگو کے وقت لعل خنداں کی کیفیت کو ''سیپ سے گہر ریزی'' اور پستہ سے مغز کے نکلنے کے ساتھ تشبیہ دیا ہے جس نے شعر کی تاثیر اس کے حسن اور رنگینی میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔

۳۔ ہستی کا اعتبار بس اتنا ہی ہے کہ ادھر سر اٹھایا نہیں کہ پستی میں گرے نہیں۔

بلندی سر بجیب پستی شد اعتبار جہاں ہستی　　کہ شمع ایں بزم تا سحر گاہ زندہ دارد مزار خود را

جہاں ''ہستی'' کا سارا اعتبار بس اتنا ہی کہ سر اوپر اٹھایا نہیں کہ نیچے کو آ رہے، اس بزم کی شمع سحر تک اپنے مزار کو زندہ کئے رکھتی ہے۔

''جہاں ہستی'' کو ''شمع'' سے اور اس کی ''سرافرازی اور نگوں ساری کے وقفہ'' کو ''صبح تک شمع کا اپنے مزار کو زندہ رکھے رہنے'' سے تشبیہ دے کر بیدل نے کس قدر لطف، حسن اور دلکشی پیدا کر دی ہے اور اس کے ساتھ جہاں ہستی کی ناپائداری کو پایۂ ثبوت تک پہونچا دیا۔ ذوق سلیم ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے:

کہ شمع ایں بزم تا سحر گاہ زندہ دارد مزار خود را

شمع ابھی بجھی نہیں ہے مگر قبل از وقت اس کو مزار کہہ کر لطیف پیرائے میں اشارہ کرنا چاہا ہے کہ جہاں ہستی کی ہر چیز اپنے انجام کے لحاظ سے جہاں باقی اور ہستی مطلق کے مقابلے پر (کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرم۔) ایک مزار ہے۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں بیدل کے کلام میں موجود ہیں لیکن صنعت گری صرف تشبیہات و استعارات کے استعمال کا نام نہیں ہے ڈاکٹر اسلامی کا خیال ہے:

''صنعتگری ای کہ در نوشتہ، اعم از نثر یا شعر بہ کار می رود، بر حسب زمان در یک زبان و یا بر حسب مکان، در زبانہای مختلف، فرق می کند، ولی گمان می کنم کی این پنج اصل کلی کم و بیش در ہمہ زبانہا و زمانہا عمومیت داشتہ باشد۔''

منثور یا منظوم تحریر میں جس صنعت گری کا استعمال ہوتا ہے حسب تقاضای زمانہ کسی ایک زبان میں یا حسب تقاضای مکاں مختلف زبانوں میں باہم متفاوت ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ پانچ

اصول کم و بیش تمام زبانوں اور زمانوں میں عام طور سے مشترک مانے جاتے ہیں۔

۱۔ آہنگ و طنین: حروف والفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ مناسب طریقے سے مربوط کرتا اور کلام کو ایک مخصوص آہنگ عطا کرنا۔ جذبات میں اتھل پتھل پیدا کرنے اور فکر و خیال کو مہمیز کرنے میں آہنگ کی اثر اندازی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ آہنگ مختلف اقوام میں اور حسب زمانہ بدلتا رہتا ہے لیکن ہر ادبی تخلیق میں ایک آہنگ ہوتا ہے۔

۲۔ کنایہ اور ابہام: مجموعی طور پر تمام وہ اسلوب جو کلام میں رمز و ابہام کی خصوصیت پیدا کرتے ہیں یا اس کو دوہرا مفہوم بخشتے ہیں اور جو اس امر کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ ظاہری معنی کے پیچھے ایک اور معنی کا سراغ لگایا جائے اس کو کنایہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جمالیات کے مطالعہ میں ذہن کو مہمیز کرنے اور اسے سرگرم بنانے میں یہ انداز خصوصیت سے مدنظر رہتا ہے۔

۳۔ تشبیہ و تشابہ: یعنی ایک چیز سے کسی اور چیز کی یاد آنا اور مشابہ اجزاء کو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مربوط کرنا کیونکہ ہمشکلی کی وجہ سے ذہنی تسلسل قائم رہتا ہے۔ تشبیہ چیز یا مفہوم کو اور واضح اور زندہ شکل میں پیش کرنے اور سوچنے میں معاون ہوتی ہے۔

۴۔ تعارض و تضاد: یہ تشابہ کے بالکل برعکس ہے یہاں ذہنی تسلسل شباہت سے نہیں بلکہ تضاد سے قائم رہتا ہے جیسے رات کو دیکھ کر دن کی یاد اور بادل کو دیکھ کر دھوپ کی یاد آنا۔

۵۔ دارای نفخہ گون: (ایک رواں دواں دھارا کا حامل ہونا) شاہکار کی خصوصیات کے بابت اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ اس کے وہ اجزاء تھے جن کی تحلیل کی جا سکتی ہے لیکن ان سب کی مجموعی ترکیب و آمیزش سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو بیان میں نہیں آتی اور اب تک کوئی تنقید ایسی نہیں آئی جو اس کی تحلیل کر سکے وہ ایک نغمہ یا دھارا ہے جس میں وہ شناوری کرتی ہے۔(۶۹)

اب بیدل کے کلام میں ان میں سے ہر ایک خصوصیت کی جداگانہ بحث کی جاتی ہے۔

آہنگ و وزن:

بیدل کے کلام میں آہنگ اور وزن ایک بہت ہی اہم موضوع ہے جیسا کہ تیسرے باب ''بیدل ایک نثر نگار کی حیثیت سے'' میں عرض کیا گیا، نثر میں بھی وہ وزن و آہنگ کا سختی سے پابند ہے جبکہ نثر کا اس سلسلے میں شعر کی طرح کوئی مشترک اصول نہیں ہے۔ لہٰذا شعر میں جہاں عروض کے نام سے وزن و آہنگ ایک مشترک اصول اور ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، بیدل کس حد تک اس کا پابند ہوگا یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چہار عنصر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے صنائع و بدائع سے متعلق بہت سے نکات اڑیسہ میں شاہ قاسم ہواللہی کی صحبت میں سیکھے تھے چنانچہ اپنی طبع آزمائی کے چند واقعات کے ضمن میں وہ لکھتا ہے:

"آں روز کہ صنایع اشعار بیشتر گوش مستمعاں را مکلل گوہر اسرار داشت و بیان بدایع افکار مشتاقان را بہ کیفیت دقایق می انباشت۔" (۷۰)

اس دن شاعری میں صنعتوں کے تذکرہ نے سامعین کے کانوں کو گوہر اسرار سے آراستہ کیا اور اچھوتے افکار و خیالات کے بیان نے شائقین علوم کو نکات سے واقف کیا اسی صحبت میں وزن و قافیے کا تذکرہ چھڑ گیا تو شاہ صاحب موصوف نے اپنے ارادت مندوں کو، جن میں بیدل بھی شامل تھا، ارشاد فرمایا:

"دانایان فن بلاغت، مجرد وزن آرائی و قافیہ پیمائی را در ہر طریق، بہم سنگی معنای کمال سنجیدہ اند و سستیہای عبارت را نیز دریں مقام بصد محکمی بنای فطرت برگزیدہ۔" (۷۱)

فن بلاغت کے ماہرین نے محض وزن آرائی اور قافیہ پیمائی کو ہر صورت میں اعلی درجہ کے مضامین سے ہم سنگ و ہم آہنگ کیا ہے اور عبارت کی سستی کو بھی اس مقام میں سیکڑوں استحکام و متانت سے استوار کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بیدل شروع ہی سے وزن و معانی اور بالفاظ دیگر قالب و محتوی کے درمیان کامل ہم آہنگی پیدا کرنے کی طرف مائل رہا۔ اور وہ لطیف طبع تھا۔ خود کہتا ہے ؏

تا لطافت از طبایع رفت شعر از رتبہ ماند

آج وزن یعنی قالب شعر معاصر ایرانی شاعروں اور ادیبوں کے درمیان گرما گرم بحث کا موضوع بنا ہوا ہے اور روایت پرستوں اور جدت پسندوں کے درمیان اس پر زبردست معرکہ آرائی ہو رہی ہے۔ دونوں گروہوں کے پاس اپنے دعاوی کے ثبوت میں بڑے بڑے دلائل ہیں۔ مجلہ "ارمغان" میں عبدالعظیم یمنی نے "شعر کیا ہے" کے عنوان سے مسلسل مضامین لکھے جن میں انہوں نے روایتی شاعری کے اوزان اور قوالب کی زبردست حمایت کی اور اس کی طرف سے دفاع کا فرض انجام دیا ہے۔ اس کے مقابلے پر مجلہ مصور تہران، نے میانہ روی کی روش اپنائی ہے ایک طرف وہ روایتی اوزان اور قالب کی اہمیت کا قائل ہے دوسری جانب وہ لکھتا ہے آج کا معاشرہ زبان و ادب میں جن تبدیلیوں کو ضروری قرار دیتا ہے اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے ہمیں یہاں ان کی تفصیلات میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن مضمون و وزن کے درمیان کامل ہماہنگی کی اہمیت سے وابستہ جس کا بیدل

قایل ہے کچھ نکات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جناب یمنی لکھتے ہیں:

"محتوی و قالب در شعر، مانند اندیشہ و پیکر در مجسمہ سازی و تصور و تصویر در نقاشی بہ ترتیب از موالید و مظاہر متعدد و متکثری ذہن و عین می باشند۔ وطبعاً ہماں اصول کہ حاکم بر روابط "عین و ذہن" است در مقیاس کوچکتر و محدودتر ناظر بر روابط قالب و محتوی نیز ہست و بہمیں دلیل است کہ می بینیم محتوی شعر کہ متاثر از اندیشہ ہای شاعرانہ است گسترده و مواج و ضابطہ ناپذیر است ولی قالب شعر بسبب ضابطہ پذیر خود محصور در کار "عینیت" و تحت تاثیر مقررات و قواعد علم الادب است۔" (۷۲)

"شاعری میں مضمون اور وزن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مجسمہ سازی میں خیال اور پیکر کی اور نقاشی میں تصور اور تصویر کی۔ ذہن و عین کے متعدد مظاہر اور اصول جو عین و ذہن کے باہمی روابط پر لاگو ہوتے ہیں فطری طور پر وہی اصول محدود اور مختصر پیمانہ پر (وزن و مضمون) پر بھی لاگو ہوتے ہیں اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ شعری مضامین جو شاعرانہ فکر کے زیر اثر رونما ہوتے ہیں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں کی طرح کسی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے لیکن شعری قالب ضابطہ کی پابند طبیعت کے سبب "عینیت" کے کیڈر میں محصور اور علم الادب کے اصول و قوانین کے زیر اثر رہتا ہے۔

محتوی یا مضموں اور بیدل کے الفاظ میں معانی جس کا سرچشمہ شاعر کی قوت فکر ہے ٹھاٹھیں مارتی لہروں کی طرح ہے جس کو اگر آزاد چھوڑ دیں تو مختلف جگہوں میں پھیل جائیں لہذا اس مقصد کے لئے کہ اس کو ایک مخصوص اور مناسب رنگ و روپ عطا کریں پہلے سے تیار اور ڈھلے ڈھلائے قالب میں اس کو ڈھالتے ہیں یہاں سے قالب یعنی وزن کی اہمیت پوری طرح واضح ہوتی ہے۔

قالب و محتوی یا وزن و معنی کے درمیان انتہائی ہماہنگی کی وضاحت کرتے ہوئے جناب یمنی رقمطراز ہیں:

"آنجا کہ مضامین در اوج بلاغت و قالب در حد اعلای زیبائی است، خوانندہ استقلال این دو را تمیز نمی دہد، و در حقیقت نبوغ گویندہ چنان بر محیط ذہن خوانندہ مسلط می شود کہ تصور می کند قالب و محتوی دو قلوی مادر زاد ذہن شاعر و در مراحل تکوین و عروضی متقارن و ہم زمانند۔" (۷۳)

جہاں مضامین اعلیٰ درجہ کے بلیغ ہوں اور قالب انتہائی حسین و خوبصورت ہو تو قاری ان دونوں کے درمیان مستحکم فطری ربط میں کوئی فرق نہیں کر پاتا ہے درحقیقت شاعر کا کمال قاری کے ذہن پر اس طرح مسلط ہوتا ہے کہ وہ خیال کرنے لگتا ہے قالب اور محتوی دونوں ذہن شاعر کے دو جڑواں بچے ہیں

اور اپنی ساخت و پرداخت اور عروضی مراحل میں دونوں ساتھ ساتھ رہے ہیں۔

یہ وہی نکتہ ہے جس کو بیدل نے شاہ قاسم ہواللہی کی خدمت میں ایک سبق کے طور پر سیکھا تھا اور بیدل نے وزن و معنیٰ اور قالب و محتوی کی ہماہنگی میں اتنی پیشرفت کی کہ ڈاکٹر عبدالغنی کے بہ قول:

''بیدل وہ اوزان استعمال کرتے ہیں جو ان کے احساسات کی بوقلمونی کا اظہار کریں۔ مثال کے طور پر درج ذیل شعر کا وزن حزن و یاس کا مظہر ہے وہ احساس جو غزل کہتے وقت بیدل کی طبیعت پر طاری تھا۔

چیست ایں باغ و ایں شگفتنہا　　　سر آبی و سیر روغنہا

ظاہر ہے ان کے کلام میں جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں معنی اور صورت ساتھ ساتھ نشو و نما پاتے ہیں۔ ان کے خیالات جن الفاظ میں ادا ہوتے ہیں ان کے لئے جن استعارہ اور تشبیہ کو استعمال میں لایا جاتا ہے اور جن اوزان کا وہ جامہ اختیار کرتے ہیں ان کے ساتھ ان کو فطری مناسبت ہوتی ہے ایسی مناسبت کہ اگر اس کو ترک کیا جائے تو اشعار میں بھونڈا پن پیدا ہو جائے۔ (۷۴)

استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

''او بمانند مولانا بسیار کوشیدہ است کہ وزن ہای جدیدتر کہ بموز یک ہماہنگی بیشتری دارد انتخاب کند۔'' (۷۵)

مولانا جلال الدین رومی کی طرح بیدل کی بھی یہ انتھک کوشش رہی ہے کہ ایسے جدید اوزان اختیار کرے جو موسیقی سے زیادہ ہماہنگ ہو۔

بیدل نے تقریباً سارے اوزان و بحور میں طبع آزمائی کی ہے بلکہ بہ قول خوشگو بیسویں بحر بھی ایجاد کی ہے حتیٰ کہ بحر مثمن اور مشکل اور پیچیدہ قافیوں میں بھی کامیاب طبع آزمائی کی ہے حالانکہ وہاں مضمون اور قالب میں ہماہنگی برقرار رکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

بیا بیدل کہ در گلزار معنیٰ　　　زمین دلکشائی کردہ ام طرح

غلام علی آزاد لکھتے ہیں:

''میرزا را بحر کامل مرغوب افتادہ و دریں بحر شنائی کردہ است۔ میر عطاء اللہ صاحب ''رسالہ عروضی'' می گوید: بعض متاخرین شعرای عجم بہ کامل مثمن شعر گفتہ اند خالی از عذوبتی نیست چنانچہ خواجہ کمال الدین ساوجی فرماید۔ (۷۶)

مرزا بیدل کو بحر کامل بہت پسند تھا اس بحر میں وہ اکثر شناوری کیا کرتے تھے۔ ''رسالہ عروضی''

کے مصنف میر عطاء اللہ کہتے ہیں بعد کے بعض عجمی شاعروں نے کامل مثمن کی بحر میں بھی شاعری کی ہے جو حلاوت و شیرینی سے خالی نہیں ہے چنانچہ خواجہ کمال الدین ساوجی کہتے ہیں:

بصنوبر قد دلکش اگر ای صبا گذری کنی　　　بہوای جاں حزیں من دل خستہ را خبری کنی

اور مرزا بیدل کے مطلعوں میں سے ایک مطلع ہے۔

تو کریم مطلق و من گدا چکنی جز ایں کہ بخوانیم　　　در دیگری منما کہ من بکجا روم چو برانیم

نیاز فتحپوری اس سلسلے میں کیا خوب لکھتا ہے:

''بیدل کی قدرت شعر گوئی کا ثبوت مشکل زمینوں میں زیادہ ملتا ہے بعض بعض ایسے پیچیدہ ردیف اور قافیے کی غزلیں ہیں کہ ان میں سے کسی بڑے شعر کا نکلنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن بیدل وہاں بھی اسی طرح خلاق معانی نظر آتا ہے اور اس کی چست ترکیبوں کا وہی عالم ہے۔ ایسی ہی مشکل ایک مطلع ہے۔

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد　　　جگر بداغ کہ می نشیند نفس بہ آہ کہ می خرامد

فلسفہ وہی ہے اور خیال وہی ہے کہ کنہ حقیقت یا اس کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن انداز بیان ملاحظہ ہو اور اس کے ساتھ زمین کی دشواری پر نگاہ کر کے ردیف و قافیے کا حرف دیکھئے کہ کتنا مربوط اور دلنشیں ہے۔'' (۷۷)

نواب چین قلیچ خاں نے اپنی ایک غزل، جس میں اس نے بیدل کی مشکل زمین کی پیروی کی تھی، اصلاح کے لئے بیدل کے پاس بھیجی تھی بیدل نے نواب موصوف کے نام اپنے ایک خط میں اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا کہ مشکل اوزان میں غزل گوئی کیلئے طبع سلیم اور فکر متین کی ضرورت ہے اور وزن و معانی کے درمیان جو ربط ہونا چاہئے اس شکل میں اس کا نبھانا مشکل ہوتا ہے۔

''بضمن مطالعہ نوازشنامہ، اندیشہ سجود ریشہ، بفہم ہر گل معنیٰ کہ پرداخت جز کیفیات رنگ و بوی بہارستان کمال نشناخت۔ خاصہ در زمین غزل نظر کشا کہ ربط ہمواریش اند کی پیچش داشت، و غیر از طبع سلیم و فکر متین، بر اکثر طبائع احتمال لغزش می گماشت: آفریں بر طبع معنیٰ آفریں'' (۷۸)

آپ کے نوازشنامہ کے مطالعہ کے دوران جس گل معنی کے سمجھنے کی میری قوت فکریہ نے کوشش کی اس میں بہارستان کمال کے رنگ و بو کے سوا کچھ نظر نہ آیا خصوصاً اس نظر کشا غزل کی زمین میں جس کے اندر ہمواری اور روانی کو برقرار رکھنا کسی قدر مشکل ہے اور ''طبع سلیم اور فکر متین'' کے سوا اکثر طبیعتوں کے لئے اس میں لغزش کھانے کا امکان باقی رہتا ہے۔

''آفریں بر طبع معنی آفریں''

مشکل اور طویل بحروں کے علاوہ بیدل نے ظہوری کی طرح ایک زمین میں بہت سی غزلیں کہی ہیں جیسا کہ غلام علی آزاد کا بیان ہے

''واز بس قوت طبع گاہی باد پای فکر تندمی تازد و بطور ملا ظہوری ترشیزی مکرر طرح غزل می اندازد۔''(۷۹)

اپنے غیر معمولی شاعرانہ ذوق طبع کی وجہ سے کبھی اپنے سبک رفتار قوت فکر یہ کو تیز چلاتا ہے اور ملا ظہوری ترشیزی کی طرح ایک ہی زمین میں کئی کئی غزلیں کہتا ہے۔

اوزان و بحور کی بات جب یہاں تک پہونچی ہے تو بیدل کے کلام میں موسیقی اور غنائیت کے بابت بھی چند امور کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں موسیقی پر وزن کی اساس قائم ہے یعنی اوزان کے قیود کی پابندی وہی کرسکتا ہے اور اس ذمہ داری سے وہی عہدہ برآ ہوسکتا ہے جس کو علم موسیقی میں کچھ دخل ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ وقفے یا تکیے جن کی وزن میں رعایت کی جاتی ہے آواز میں زیر و بم کے تناسب سے، جن کی موسیقی میں رعایت رکھی جاتی ہے، پوری شباہت رکھتے ہیں۔ حسن اتفاق سے بیدل بھی موسیقی سے اچھی طرح واقف نظر آتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے خوشگو کا قول نقل کیا گیا۔ مرزا فضائل کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مکتوب الیہ سے ایک مخصوص آلہ موسیقی جسے ''غچک'' کہتے ہیں اور فارسی میں اسے ''کمانچہ'' کہتے ہیں کی فرمائش کی تھی۔

''مخلص نوازا! اگر حسن بیساختہ ''غچک'' بآرایش گیسوی تار سلسلہ پیرای نغمات وفاق گردیدہ باشد، بی نوایان محفل آرزو را صدا اواری موصول مقامات سرور گردانند، کہ نفس متردد چون کمانچہ مقید خراش سینہ است و نگاہ منتظر چوں موی چینن، محو کاسہ چشم۔''(۸۰)

مخلص نوازا! ''غچک'' کا حسن بے ساختہ اگر گیسوے تار کی آرائش میں دوستی کے نغمے گائے تو محفل آرزو کے بینواؤں کو آواز کی طرح مقامات سرور تک پہونچانے کی زحمت فرمائیں کیونکہ نفس متردد کمانچے کی طرح خراش سینہ کا پابند ہے اور نگاہ موئے چیں کی طرح کاسۂ چشم میں محو ہے۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کو غچک سے کیسی گہری دلچسپی تھی اس لئے اگر یہ کہیں کہ اس کو موسیقی سے خاصہ لگاؤ تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ موسیقی سے اس کی دلچسپی نے اس کے کلام میں غنائیت اور نغمگی کی خصوصیات پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ چنانچہ مشہور محقق قاضی عبدالودود مرحوم نے راقم السطور سے ایک گفتگو کے دوران اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

''غنائیت اور نغمگی بیدل کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔''

راقم السطور کو اکثر غزلیات کا مطالعہ کرتے وقت اس کی یہ خصوصیت نظر آئی اور اپنے دل و دماغ

پر اس کے گہرے اثرات محسوس کئے نیز غیر شعوری طور پر ایسا کیف و سرور حاصل ہوا کہ اس کو گنگنانے لگا۔ ایک افغانی دانشور اسد اللہ حبیب نے اپنے مقالے ''جمہوریہ روس میں بیدل کا مطالعہ'' کے تحت لکھا ہے:

''سمرقند کے ایک ماہر بیدلیات شکوروف نے جن کے مقالوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اپنا پی ایچ.ڈی کا مقالہ ''بیدل کے غنائی اشعار'' کے عنوان سے لکھا ہے۔''(۸۰)

اب اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

بہت ہی کم غزلیں ایسی پائی جاتی ہیں جن کے اندر موسیقی کا زیر و بم نہ پایا جاتا ہو۔ یہ خصوصیت خاص طور سے بحر طویل کی غزلوں میں دکھائی دیتی ہے۔

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد   جگر بداغ کہ می نشیند نفس بآہ کہ می خرامد
مگر ز چشمش غلط نگاہی رسد بفریاد حال بیدل   وگرنہ آن برق بی نیازی پی گیاہ کہ می خرامد
دریں جنون زار فتنہ ساماں، بہ شعلہ کاراں کذب و بہتان   مجوش چنداں کہ عالمی را نفس بدود تفنگ گیرد
دل بینوا بکجا برد غم تنگدستی و مفلسی   مژہ برہم اورم از حیا کہ برہنہ ای بقبا رسد
بقبول ان کف نازنین کہ کند شفاعت خون من   در صبر می زنم آنقدر کہ بہار رنگ حنا رسد
ز لب فصیح وفا بیاں بحدیث کیں ندھی زباں   ستم است حنظل اگر کشی بترازوی کہ شکر کشد
تو کریم مطلق و من گدا چکنی جز ایں کہ بخوانیم   در دیگری منما کہ من بکجا روم چو برانیم
من سنگ دل چہ اثر برم ز حضور ذکر دوام او   چو نگیں نہ شد کہ فرو روم بخود از خجالت نام او
ستم است اگر ہوست کشد کہ بگشت سرو سمن درآ   تو ز غنچہ کم ندمیدہ ای در دل کشاد بچمن درآ
دل آرمیدہ بخوں مکش ز تلاش منصب و عزتی   کہ فلک برشتہ گوہرت بکشد ز حلقت اگر کشد
اگرم بفلک طلبد ز زمیں وگرم بزمیں فگند ز فلک   بہ قبول اطاعت حکم قضا نتواں در غدر و بہانہ زدن
چہ بود سر و کار غلط سبقاں در علم و عمل بہ فسانہ زدن   ز غرور دلائل بیخبری ہمہ تیر خطا بہ نشانہ زدن
چہ حدوث و کو قدم زماں، چہ حساب کوں و کجا مکاں   ہمہ یک اشارہ کن فکاں نہ شہودی و نہ سنین است
صف رنگ لالہ بہم شکن، می جام گل بزمیں فگن   بہ بہار دامن ناز زن ز حنای دست نگار ما

کنایہ اور ایہام:

کنایہ یہ ہے کہ کسی شخص، جانور یا چیز کا نام لینے اور صراحت سے اس کا تذکرہ کرنے کے بجائے اس آدمی، جانور یا چیز کا ایک لازمہ جو اس کی صفات سے حاصل ہوتی ہے بیان کریں یا کسی عمل کا نتیجہ بیان کریں تو کہا جائے گا معنیٰ مقصود کنایہ میں ادا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر اگر خر (گدھے) کو

"دراز گوش" (لمبے کان والا) کہیں تو سامع اس کا مفہوم آخر (گدھا) سمجھ لیتا ہے کیونکہ لمبے کان کا ہونا گدھے کی ایک خصوصیت ہے لہذا یہاں گدھا کا ذکر کنایۃً ہوا۔(۸۱)

اور ایہام یہ ہے کہ شاعر کسی لفظ کو استعمال کرتے وقت اس کے دو قریبی اور دوری معنیٰ کو پیش نظر رکھے مثلاً اگر

ز گریہ مردم چشمم نشستہ در خون است / بہ بیں کہ در طلبت حال مردماں چوں است

رونے کی وجہ سے میری آنکھ کی پتلی خون سے لت پت ہے دیکھو تمہاری طلب اور تلاش میں لوگوں کا کیا حال ہو رہا ہے۔

یہاں لفظ "مردم" کے ایک معنیٰ آنکھ کی پتلی اور دوسرا معنیٰ انسان ہے۔(۸۲)

استاذ ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:

"در آثارش افکار عرفانی با مضامین پیچیدہ شاعرانہ واستعارات وکنایات درہم آمیختہ است۔"(۸۳)

اس (بیدل) کے کلام میں عارفانہ افکار و خیالات پیچیدہ شاعرانہ مضامین اور استعارات و کنایات کے ساتھ باہم رل مل گئے ہیں۔ چنانچہ ایسے بہت کم اشعار ہوں گے جن کے اندر استعارات و کنایات اور مجاز کا استعمال نہ کیا گیا ہو خود کہتا ہے ؏

استعارات خیالی چند برہم بستہ ایم

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چشمت بغلط سوی من انداخت نگاہی / تیر یکہ ازیں شست خطا شد چہ بجا شد

بنازم نام شیرنت کہ ہر گہ برزبان آید / چو بند نی شکر جوشد بہم چیدن لبہا

چہ امکانست گرد غیر ازین محفل شود پیدا / ہماں لیلی شود بی پردہ گر محمل شود پیدا

بیدل از ارباب دنیا چشم سر سبزی مدار / کشت این شطرنج بازان دغل سیراب نیست

دشنامی ازاں لعل شنیدم کہ مپرسید / می خواست بسنگم زند آخر بگہر زد

بحصول مقصد عافیت نہ دلیل جو نہ عصا طلب / تو ز اشک آنہمہ پس نہ ای، قدمی ز آبلہ پا طلب

زمرا دعالم آب وگل بدر جنون رس و واگسل / اثر اجابت منفعل ز شکست دست دعا طلب

ز سپہر گر ہمہ بگذری تو ہماں بسایہ برابری / بعلاج شعلہ خود سری نمی از جبین حیا طلب

مگر ز چشمش غلط نگاہی رسد بفریاد حال بیدل / وگر نہ آن برق بی نیازی پی گیاہ کہ می خرامد

غبار باشم بہر طپیدن ہزار بیدادی نگارم / بسرمہ فرسود خامہ اما ہنوز فریاد می نگارم

تغافلت کرد پایمالم چسان نگریم چرا ننالم / "فراموشیہای رنگ حالم فراموشت باد" می نگارم

دماغ نظمی ندارم اکنون کہ ریزم از نوک خامہ بیرون / ز نبض دل جست مصرعہ خون بہ پیش فصادی نگارم

درین دبستان بسعی کامل نخواندم افسون نقش باطل / کمالم این بس کہ نام بیدل بخط اوستادی نگارم

گویا بیدل مجاز واستعارہ اور کنایہ کے بغیر ایک قدم نہیں بڑھاتا ہے۔

صنعت خیفا: اس سلسلہ میں وہ صنعت خیفا کا استعمال بھی کرتا ہے جو مشکل ترین صنعت ہے۔ بیدل لکھتا ہے کہ ایک دن میں شاہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں بیٹھا تھا اور شاعروں کی ایک جماعت خدمت میں حاضر تھی اتفاق سے اس جماعت میں مشہور شاعر ملا درویش والہ ہروی بھی شامل تھا۔ اس دن شاہ صاحب موصوف نے اپنی گفتگو کے دوران بہت سی شعری صنعتوں پر روشنی ڈالی اور حاضرین کو اپنی صحبت سے استفادہ کا موقعہ فراہم کیا تا آنکہ "خیفا" کا ذکر آیا بیدل اس کی تعریف اس طرح کرتا ہے:

صنعتی است در سلک ہر مصرعہ رشتہ یک لفظ مملوی جواہر نقط ولفظ دیگر ازبی گوہری ہمان رشتہ فقط۔"(۸۴)

یعنی نظم یا نثر میں ایک لفظ نقطہ دار ہو اور دوسرا بغیر نقطے کا۔ یہ پابندی خصوصاً ایسے شاعروں کے لئے آسان نہیں جو اپنی شاعرانہ طبع آزمائی کے ابتدائی دور میں ہوں لیکن بیدل کی طبیعت مشکل پسند نے اپنی شاعری کی اسی ابتدا میں اس صنعت کو استعمال کرنے کی کوشش کی۔ لکھتا ہے:

"دراثنای بیان فواید، طبع مشکل پسند بر جادہ بی نشانی فکر قدمی نہادہ بود وتگاپوی خیال دقت خیال راہ نارفتہ، باعتقاد خود نشان داد۔"(۸۵)

افاضات کے دوران طبع مشکل پسند نے فکر کے بے نشان جادۂ پر گام فرسائی شروع کی اور قوت خیال کے تنگ پونے راہ نارفتہ کا پاس ولحاظ کئے بغیر اپنے خیال کا اظہار کیا اور آخر طبع آزمائی سے بخوبی عہدہ برآ ہوا۔

مرا بر زلف رشک آید ز گرد یار گردیدن / کہ خواہم زیں الم آخر زبان مار گردیدن

زلف یار پر مجھے رشک آتا ہے کہ محبوب کی گردن کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہے اس غم سے میں آخر کار سانپ کی زبان بن جاؤں گا۔

اس محفل میں موجود باذوق شاعروں نے بیدل کے کلام کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"ہر چند نزد فطرت قدمای این فنون راہ طرز یکہ ناپیمودہ تواند بود، بعیدی نماید یا عقدہ طریقیکہ پیش قدرت سلف نکشودہ تواند نمود، کمتر بامتحان می آید۔ اما زمزمہ ہای این نوا تازہ بگوش می خورد۔ بہمہ حال طبیعت سحر آفرینت ہر چہ نگارد۔"(۸۶)

اگر چہ اس فن کے قدیم اساتذہ کی نزد فطرت (فطرت کی سیڑی) سے ایسے طرز کی راہ طے کرنا جس پر کوئی چلا نہیں ہے بعید نظر آتا ہے یا جس طریقے کی گرہ سلف کے سامنے کھلی نظر نہ آتی تھی بہت کم اس پر طبع آزمائی کی جاتی ہے لیکن اس صدا کا زمزمہ ابھی ابھی کانوں سے ٹکرایا ہے۔ بہر حال تیری سحر آفریں طبیعت جو چاہے لکھے۔ اور شاہ صاحب نے اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا:

"بی تکلف صورت این تمثال مضمون، از آئینہ صنایع حیرتست۔ وشگفتگی رنگ این عبارت، از حدیقہ بدایع قدرت۔" (۸۷)

اس مضمون کی صورت بلا تکلف صنایع حیرت کے آئینہ سے تعلق رکھتی ہے اور اس رنگ عبارت کی شگفتگی بدایع قدرت کے باغ سے وابستہ ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں صحبتوں میں بیدل کی طبیعت ادبی صنایع و بدایع کی طرف مائل ہوئی ہے اور چونکہ ایک مشکل صنعت کو کامیابی سے استعمال کر کے دکھایا اس لئے غیر مشکل صنعتوں کو اس نے کثرت سے استعمال کیا ہے۔

حسن تعلیل:

حسن تعلیل بھی ایک شعری صنعت ہے جس میں شاعر اپنی بات کے لئے ایک دلکش دلیل پیش کرتا ہے جو واقعہ سے ہم آہنگ نہیں ہوتا ہے۔ بیدل نے اس صنعت کو بھی کثرت سے استعمال کیا ہے۔

عمریست دل بغفلت خود گریہ می کند　　این نامہ سیہ چقدر ابر رحمت است
اینقدر تعظیم نیرنگ خم ابروی کیست　　حیرت است از قبلہ رو گرداندن محرابہا

تعارض وتضاد:

تضاد جیسا کہ اس کے مفہوم سے واضح ہے شعری اصطلاح میں نظم یا نثر میں دو یا چند متضاد الفاظ کے استعمال کو کہتے ہیں مثلاً شب و روز، شام وسحر، سیاہ وسپید، غم ونشاط، بیش و کم، مشکل و آسان، شاہ وگدا وغیرہ۔

بیدل! ز غم و نشاط دوراں بگذر　　و ز بیش و کم و مشکل و آساں بگذر
تو کریم مطلق ومن گدا، چکنی جز ایں کہ بخوانیم　　در دیگری منما کہ من بکجا روم جو برانیم

ندرت بیان:

خوش آہنگ الفاظ، انوکھی ترکیبیں اور بے نظیر تشبیہات و استعارات، ادبی صنایع اور موزوں

اوزان کے استعمال کے نتیجے میں فطری طور پر ایک ایسا اسلوب وجود میں آئیگا جو گذشتہ اسالیب سے بڑی حد تک مختلف ہوگا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا ہر عظیم شاعر کا اپنا ایک جداگانہ اسلوب ہوتا ہے۔ اور یہ امر اس کی شاعرانہ عظمت کی علامت ہے۔ پھر بھی زبان وادب کے تاریخ نگاروں نے تمام شاعروں کے کلام کو چار اسالیب میں تقسیم کیا ہے لیکن بیدل کو ہندوستانی اسلوب کا پابند اس معنیٰ میں لکھنا جس معنیٰ میں حسین فریور اور ملک الشعراء بہار نے لکھا ہے درست نہیں معلوم ہوتا ہے اور بڑی حد تک اس کے کلام پر غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ نظر آتا ہے کیونکہ بیدل کی طبیعت میں عام روش سے بغاوت کا مزاج تھا اور جیسا کہ پانچویں باب "بیدل کے افکار و خیالات" میں "تحقیق تقلید" کے زیر عنوان پڑھیں گے وہ ایک طرف تو اپنے چچا مرزا قلندر کے حسب ہدایت سلف کے کلام کا بہ غور مطالعہ کرتا تھا جس نے مختلف اسالیب سے اس کی آشنائی میں بڑی مدد کی دوسری جانب چچا کی یہ ہدایت تھی کہ:

"زنہار با گفت وگوی مبحث عالم خون گیری، تا ہمچو عوام در شکنجہ رسم زندہ نمیری۔" (۸۸)

خبردار دنیا والوں کی بحث ومباحثہ میں ایسی ...... عرق ریزی نہ کرنا کہ عوام کی طرح روایت کی پابندی کے شکنجے میں دب کر زندہ رہتے ہوئے موت کی آغوش میں پہنچ جاؤ۔ اس بنا پر اس کی طبیعت کسی ایک شاعر کی تقلید سے ابا کرتی تھی اور اپنی ایک نئی راہ و روش اور سب سے مختلف اسلوب کی ایجاد کی کوشش کرتا رہتا تھا تا آنکہ صاف لفظوں میں اس نے اعلان کر دیا۔

از رہ تقلید نتواں صاحب معنیٰ شدن　　ژالہ بیش از یکدو دم بر خود نچیند گوہری

کسی کی تقلید کر کے کوئی شاعر صاحب معنیٰ نہیں ہو سکتا اولہ موتی کی تقلید ایک دو لمحہ سے زیادہ نہیں کر سکتا ہے۔

رتبہ معنیٰ بقدر ہمت مرد است و بس　　گر بہ بندد آبلہ از پا نمی آید سری

معنیٰ کا مرتبہ آدمی کی ہمت کے بقدر ہوتا ہے آبلہ اگر بستہ شکل اختیار کر لے تو پاؤں سے سر کا کام نہیں انجام پا سکتا ہے۔

البتہ اب اصل منزل تک رسائی کے لئے دوسرے شاعروں کی طرح اس نے بھی تجربوں کے مختلف مراحل طے کئے اور اس کے نشیب وفراز سے گذرا۔ کلیات بیدل مطبوعہ صفدری کے دیباچہ میں بیدل فن شاعری کو ایک پودے سے تشبیہ دے کر یہ بتانا چاہا ہے کہ پودے کی طرح شاعری بھی طبع رواں کی آبیاری سے رشد ونمو کے چند مراحل طے کرتی ہوئی سرحد کمال کو پہنچتی ہے۔

"میزان تامل انصاف سنجان منحرف تغافل مباد کہ ریشہ ہر نہالی در بدایت نشو ونما چون نفس

صبح ناگزیر اظہار ضعیفی است۔ وشعلۂ ہر کمالی در آغاز قامت آرائی چوں ماہ نو بی اختیار عرض نحیفی۔ سخن، یعنی نہال گلشن طبیعت تا از رشحات سحاب فکر با متداد آبیاری بہای روانی طبع، ریشہ عبارت در زمین متانت استوار نکند، گلہای معنی در نظر امتیاز بہار طبعاں دست رنگینی نمی بندد۔"

تا کس یک عمر نشتر کد نخورد   مشکل کہ بیانش لطمہ رد نخورد
از عالم آیات زبور است اینجا   آن نغمہ کہ بر گوش کسی بد نخورد (۸۹)

انصاف پسندوں کا میزان تامل اس امر سے غفلت نہ برتے کہ ہر پودے کی جڑ آغاز نشو ونما میں نفس صبح کی طرح اپنی کمزوری کے اظہار پر مجبور ہے اور ہر شعلہ کمال آغاز قامت آرائی میں ماہ نو کی طرح نحیفی دکھانے میں بے اختیار ہے۔ "سخن"، یعنی "گلشن طبیعت کا پودا" ابر فکر کے ترشح سے روانی طبع کی لگاتار آبیاری کی بنا پر ریشہ عبارت کو زمین متانت میں جب تک راسخ نہیں کرتا ہے معانی کے پھول بہار طبع شخصیتوں کی نگاہ سراپا امتیاز میں رنگین نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر مندور مشہور فرانسیسی ادیب بالزاک (Honre De Balzok) کے بابت دوہل (George Duha Mel) کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بالزاک نے سیکڑوں صفحات سیاہ کیئے تب وہ بالزاک بنا۔"

اور مشہور فرانسیسی مجسمہ ساز اگست رودن (August Rodin) کے بابت لکھتا ہے:

"اپنی مجسمہ سازی کے کارخانہ کے کمرہ میں وہ ایک عرصہ تک انتظار کی گھڑیاں شمار کرتا رہا تب جاکر وہ اس کے اندر داخل ہو سکا۔" (۹۰)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے فنکاروں، شاعروں اور ادیبوں کو ارتقائی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ بیدل بھی کہتا ہے۔

صد خامہ بشکنی کہ بہ مشق ادب رسی   خطہاست در کتاب دبستان بوریا

سیکڑوں قلم توڑنے کے بعد تم ادب کی دنیا میں داخل ہو سکتے ہو۔ دبستان بوریا کی کتاب میں خطوط ہی خطوط پنہاں ہیں۔

صد عبارت نماید استقبال   تا بمعنیٰ بری سراغ خیال

سیکڑوں عبارتیں خوش آمدید کہتی ہیں (کافی مشق کی جاتی ہے) تب کہیں معنیٰ یعنی کسی خاص نکتے کا سراغ ملتا ہے۔

بیدل کی سرگذشت بتاتی ہے کہ اس نے شاہ فاضل، شاہ ابوالفیض معانی، شاہ قاسم ہواللہی اور

مرزا قلندر کی خدمت میں مختلف مناسبتوں سے غزل، رباعی، قطعے اور دوسری منظومات کہیں اور ان حضرات اور دیگر حاضرین مجلس نے خوب خوب داد دی۔ یہ تجربے کا دور تھا اور اگر چہ تجربے کا سلسلہ زندگی کے آخری ایام تک جاری رہتا ہے لیکن بیدل نے خود ہی اپنے کلام کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا دور: شروع (تقریباً دس سال کی عمر) سے ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء تک

دوسرا دور: ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء سے آخر حیات ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء تک

عصر دوم میں حضرت شاہ قاسم ہواللہی کے انتقال کی مناسبت سے جو ۱۰۸۳ھ میں واقع ہوا، عالم رویا میں ان کیلئے تاریخ وفات کا واقعہ تحریر کرنے کے بعد بیدل لکھتا ہے۔

"لیتقدر راز جملہ فوائد یست کہ پیش از آشنائی طرز سخن، در ضمن بعضی احوال بی اختیار روی نمود۔ وبطریق ندرت وغرابت بیخواست چہرہ می کشود۔ با آنکہ ثمرات حدیقہ معانی درین ایام رنگ پختگی بستہ است۔ و بنای کلام الحال بکرسی متانت نشتہ۔ روزی نیست کہ صد آفتاب از افق اندیشہ طلوع نہ نماید۔ وشبی نہ کہ ہزار ماہ از اوج فطرت بجلوہ بر نیاید۔" (۹۱)

یہ سارا کلام اس وقت کا ہے جب طرز شاعری سے آشنائی حاصل ہونے سے پہلے بعض حالات کے دوران بلا ارادہ صفحہ قرطاس پر رونما ہوئے اور انوکھے انداز سے چہرہ کشائی کرتے رہے۔ باوجودیکہ باغ معانی کے پھلوں پر ان دنوں پختگی کا رنگ چڑھ چکا ہے اور کلام کی اساس اس وقت متانت کی کرسی پر جلوہ افروز ہے کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب سیکڑوں آفتاب افق اندیشہ سے طلوع نہ کرتے ہوں اور کوئی رات ایسی نہیں گذرتی جب ہزاروں چاند اوج فطرت سے جلوہ نما نہ ہوتے ہوں۔

اس اقتباس سے واضح ہے کہ مذکورہ سال سے پہلے تک بیدل نے تجربات کے مختلف مراحل طے کئے اور ایک متعین مرحلے پر وہ پہنچ گیا تھا۔ یہیں سے اس کی شاعری کا دور عروج شروع ہوتا ہے جس میں وہ بقول خود اپنے کلام میں پختگی و استواری اور متانت ورزانت کی خصوصیات محسوس کرتا تھا۔ اور اس کی طبع رواں ایک موجزن دریا کی طرح معانی اور نکات کی لہریں اٹھایا کرتی تھیں۔ دیباچہ کلیات صفدری میں بھی اس نے اپنے کلام کے ان دو ادوار کی طرف اشارہ کیا ہے پہلے دور کے کلام کو "بے بضاعتاں وافسردگاں" اور دوسرے دور کے کلام کو "مایہ داراں گوہر کمال، تازہ رویاں چمن خیال" کے لقب سے یاد کیا ہے دونوں ادوار کے کلام کو ایک جگہ جمع و تدوین کے بعد نقادوں سے یوں گذارش کرتا ہے:

"......در محکمہ عدل آشنایان مذہب وفاق، درشتیہای زبان خار، گواہ نزاکت طبع گل است۔ اینجا ناہمواری موج بر چہرہ لطافت آب گیسوی پراگندہ است۔ و پیچ وتاب دود

برصفای آئینہ نقاب جوہری افگندہ۔ بیدرا بجرم بیحاصلی از حاشیہ گلشن محروم داشتن آبیاری انفعال مروت داشت۔ وسرورا بہ خطای بی پری از سواد چمن بیرون راندن علم سرنگونی انصاف می افراشت۔ ناچار ربط این ''بی بضاعتان'' با ''مایہ داران گوہر کمال'' از شعبہ ہای ضرورت وفاق فہمید۔ واختلاط این ''افسردگان'' با ''تازہ رویان چمن خیال'' از پاس ناموس اتفاق اندیشید۔'' (۹۲)

مسلک یگانگت کے منصفوں کی عدالت میں کانٹے کی زبان کی سختی طبیعت گل کی نزاکت کی گواہ ہے۔ یہاں لہروں کی ناہمواری پانی کی لطافت کے چہرے پر اپنی زلفیں بکھیرے ہوئے ہے اور دھواں کے مرغولے آئینے کی لطافت پر جوہر کا نقاب ڈالے ہوئے ہیں۔ بید کو اس جرم میں کہ اس کے اندر پھل نہیں ہوتے حاشیہ گلشن سے محروم رکھنا انفعال انسانیت کی آبیاری (غیر انسانی برتاؤ) ہے اور سرو کو اس جرم میں کہ اس میں پتے نہیں ہوتے چمن سے نکال دینا سرنگونی انصاف کے علم کو بلند کرنا (ناانصافی) ہے۔ مجبوراً اپنے بے بضاعت (بے وقعت کلام) کو ''مایہ داراں گوہر کمال'' (گوہر کمال کے حامل کلام) کے ساتھ رکھنا یگانگت کے لوازم میں تصور کیا اور ان ''افسردگان'' (بے جان کلام) کو ''تازہ رویان چمن خیال'' (چمن خیال کے شگفتہ کلام) کے ساتھ جوڑنا یگانگت کی آبرو سمجھا۔

یہ بھی بیدل کی صداقت و شرافت اور امانت و دیانت کی علامت ہے کہ اس نے اپنے کلام کے درود و صاف اور زنگ و صفا کا اعتراف کر کے سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور چالاک شاعروں کی طرح اپنے ناقص کلام کو جسے بیدل ''بید'' اور ''سرو'' سے تشبیہ دیتا ہے اپنی کلیات کے چمن سے باہر نہیں نکالا اس دیباچے میں وہ اپنے دور اول کے کلام کی بابت کہتا ہے۔

''...... بالفعل از ضعف متانت متحیر شکستہ رنگی اندواز سستی عبارت معترف عجز آہنگی۔'' (۹۳)

متانت ورزانت کی کمی کی وجہ سے اس وقت وہ کلام اپنی شکستہ رنگی پر انگشت بدنداں اور عبارت کی سستی اور بے مائیگی کی وجہ سے اپنی عجز و بے بسی کا اعتراف کرتے ہیں۔

بیدل کے بیانات کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ پہلے دور کے کلام میں سستی و بے مائیگی اور دوسرے دور کے کلام میں پختگی اور استواری کی خصوصیات موجود ہیں لیکن چونکہ اس کے کلام کی سال و مہینے کی ترتیب کے مطابق تدوین نہیں ہوئی بلکہ اس زمانے کی روایت کے مطابق ردیف وار جمع ہوئے ہیں اس لئے ان دونوں کے کلام میں خط امتیاز کھینچنا ایک مشکل اور پیچیدہ کام ہے ایسی صورت میں واحد کسوٹی جو ہمارے ہاتھ میں ہے وہ ہمارا ذوق ہے۔ مطالعہ کے دوران جو کلام سست، پیچیدہ اور مبہم نظر آئے اور جس میں مطلب کا سرا ہاتھ سے جاتا دکھائی دے اس کو پہلے دور کے کلام میں شامل کریں جب

کہ وہ شاعرانہ تجربات کے دور سے گذر رہا تھا اور معانی کو مناسب قالب میں ادا کرنے کے لئے غیر معمولی کاوشیں کر رہا تھا جو بالآخر عبارت کی سستی پر منتہی ہوئیں اور جو کلام پختہ، رواں اور استوار و متین نظر آئے اس کو دوسرے دور کا کلام فرض کریں جس کے بارے میں وہ خود کہتا ہے:

''بنای کلام الحال بہ کرسی متانت نشستہ۔''

اس طرح اس کا تقریباً پچاس سالہ کلام جو بڑے حصے پر مشتمل ہے بیدل کے اسلوب کی تعیین و تشخیص میں معیار قرار پا سکتا ہے۔

یہاں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بیدل کے کلام پر ابہام، پیچیدگی اور مشکل پسندی کا لیبل لگایا ہے حقیقت میں انہوں نے اس کے مختلف ادوار کے کلام میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا گنج سخن میں لکھتے ہیں:

''وی از خیالبندان چیرہ دست و درایراد مضامین باریک مصر بود۔ وہمین امر مایہ آوردن تعبیر ہا و ترکیبہای خاص مبتنی بر خیالات و توہمات شاعرانہ و ابہام وگاہ سستی و بی مایگی درسخنان اوست۔'' (۹۴)

اس (بیدل) کا شمار زبردست نکتہ آفرینوں میں ہوتا ہے دقیق اور باریک مضامین بیان کرنے کا وہ دلدادہ تھا اور یہی امر اس کے کلام میں ایسی تعبیروں اور ترکیبوں کے اختراع کا ذریعہ بن گیا جو سراسر شاعرانہ خیالات، توہمات، ابہام و پیچیدگی اور کبھی سستی و بے مائیگی پر مبنی ہوتی ہیں۔ لیکن اپنی تاریخ ادبیات ایران میں جو بعد میں شائع ہوئی ہے وہ لکھتے ہیں:

''ہر چہ دربارہ او بگویند و بخواہند این حقیقت رانمی تواں انکار کرد کہ در موج خیالات او گاہ صافیہا و پاکیز گیہائیست کہ نادیدہ گرفتن آنہا نوعی از بی انصافیست۔'' (۹۵)

اس کے بابت چاہے جو کچھ کہا جائے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے خیالات کی موجوں میں کبھی کبھی صفائی اور پاکیزگی بھی ہوتی ہے جس کو نظر انداز کرنا ایک قسم کی بے انصافی ہے۔

یہ وہی حقیقت ہے جس کا خود بیدل نے اعتراف کیا ہے۔ ملک الشعراء بہار لکھتے ہیں:

''...... ہمیں حالت (فضل فروشی) را در شعر ہندی می بینیم و بجز صائب کہ گاہی از واقعات سخن می گوید، باقی شعرا خصوصاً متاخرین از قبیل بیدل و غنی قصد شان آوردن عباراتی است کہ با صنعت و مضمون جور بیاید نہ با مقصود یکہ دارند و غالباً مقصودی نداشتہ اند۔'' (۹۶)

فضل فروشی اور ہنر نمائی کی یہی صورت ہندوستانی شاعری میں نظر آتی ہے اور صائب کو چھوڑ کر جو کبھی کبھی حقائق زندگی کی بات کرتا ہے۔ بقیہ شاعروں خصوصاً متاخرین میں بیدل اور غنی کا مقصد ایسی

عبارتوں کا پیش کرنا ہوتا ہے، جو صنعت اور مضموں سے تو ہم آہنگ ہو نہ کہ اس مقصود سے جو اس کے پیش نظر ہے بلکہ سرے سے مقصود کا تصور ہی نہیں ہوتا۔ علی دشتی لکھتے ہیں:

''بیدل شاعریست پر مایہ و پر محصول...... اما اشعار او عموماً بر فہم پیچیدہ و دشوار است۔ بواسطہ ہمیں دشواری دیوان بیدل در ایران رواج و اشتہاری نیافتہ است ورنہ شاعریست لبریز از تخیلات و سرشار از تشبیہات و استعارہ ہای تازہ و غریب۔ دشواری کار بیدل کثرت استعارہ، توسل بہ مجاز، بکار بستن تشبیہات غریب و دور از ذہن عامہ است۔ ولی این ہمہ نمایشگر فکر دقیق و تصورات گریز ان و پیچیدہ اوست۔ بعضی از شاعران ما اسیر و گرفتار اندیشہ و تصورات خویشند و در گردابی فرو افتادہ اند و پیوستہ دست و پا می زنند۔ این دست و پا زدن ہا بشکل شعر در می آید و ہزاراں دیوان بیدل را فراہم می کند۔ پس از مولوی میان سرایندگان صوفیہ کسی بہ شور و شیدائی بیدل نیست وسعت دایرہ تخیل و قدرت تصور از ارکان مہم شعر است اما روشنی بیان و سہولت انتقال دادن معنی بدیگری نیز رکن دیگر شعر است شیوہ سخن بیدل از موہبت اولیں بہرہ فراوانی ندارد۔'' (۹۷)

بیدل ایک مایہ ور شاعر ہے لیکن اس کا کلام عموماً پیچیدہ اور دشوار ہے۔ اسی دشواری کی بنا پر بیدل کے دیوان کو ایران میں مقبولیت اور شہرت حاصل نہ ہو سکی ورنہ وہ ایک ایسا شاعر ہے جس کے یہاں تخیل کی کیفیات اور نئی اور انوکھی تشبیہات، استعارات کی بھرمار ہے۔ بیدل کے کلام کی دشواری اور پیچیدگی کثرت استعمال استعارہ و مجاز و انوکھی اور دور از کار تشبیہات کی وجہ سے ہے لیکن یہ سب اس کے فکر و دقیق اور پیچیدہ و فراری افکار و خیالات کے نمائندہ ہیں۔ ہمارے بعض شاعر خود اپنے خیالات میں مگن رہتے ہیں اور ایک بھنور میں گر کر لگاتار ہاتھ پیر مارتے رہتے ہیں۔ یہ ہاتھ پیر مارنا شعر کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور ہزاروں بیدل کے دیوان فراہم کرتا ہے۔ صوفی شاعروں میں مولوی کے بعد بیدل جیسے پرشور اسلوب کا حامل کوئی نہیں ہے۔ دائرہ تخیل کی وسعت اور تصور کی قدرت بلاشبہ شعر کے اہم ارکان میں شامل ہیں لیکن انداز بیان کی صراحت اور معنی کو دوسروں کے ذہن تک منتقل کرنے کی سہولت شعر کا دوسرا رکن ہے۔ بیدل کے انداز بیان میں پہلے رکن کی خاصی کمی ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ لکھتے ہیں:

''بیدل کا اسلوب دقیق اور پیچیدہ ہے۔'' (۹۸)

خلیل الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:

''بیدل وہ شاعر ہے جس نے حقیقت کی ان سنگین دیواروں کے بجائے تخئیل کے رنگوں

سے اپنے چاروں طرف ایک دیوار کھڑی کر رکھی تھی۔'' (۹۹)

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''بیدل نے شاعری کے سب سے موٹے اصول کو نظر انداز کر دیا کہ شاعری حقیقت کی آسان اور دلکش ترجمانی ہے نہ یہ کہ آسان اور دلکش کو بھی دردسر بنا کر پیش کیا جائے۔ بیدل سیدھی سادی بات بھی سیدھے سادے انداز میں نہیں کہتے تھے یا نہیں کہہ پاتے تھے۔ مشکل شعر کہنے والے کو میں شاعر نہیں سمجھتا اکثر ان کی نیت اور استعداد دونوں میں فتور ہوتا ہے جن کو اپنے قول و فعل پر اعتماد نہیں ہوتا وہی ایسی زبان و بیان اختیار کرتے ہیں جس میں بہ قول ایک دوسرے کے ''گولائیاں پیدا کرنے کا'' بیش از بیش امکان ہو، جو شاعر اپنے ساتھیوں کو اپنا ہمراز اور دمساز نہ بنا سکے وہ شاعر نہیں، مولوی یا لیڈر ہوگا۔'' (۱۰۰)

علامہ شبلی بھی لوگوں کے عام رجحانات کی رو میں ایسا بہہ گئے کہ اس پیغمبر سخن کو ٹھیک سے پرکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ وہ فرماتے ہیں:

''فغانی کے سلسلہ میں رفتہ رفتہ خیال بندی، مضمون آفرینی، دقت پسندی پیدا ہوئی۔ اس کی ابتدا عرفی نے کی۔ ظہوری، جلال اسیر، طالب آملی، کلیم وغیرہ نے اس طرز کو ترقی دی اور یہی طرز مقبول ہو کر تمام دنیائے شاعری پر چھا گیا۔ اور چونکہ اس طرز کی بے اعتدالی سخت مضر نتائج پیدا کرتی ہے، اس لئے ملک سخن ناصر علی، بیدل وغیرہ کے قبضہ اقتدار میں آ گیا۔ اور اس طرح ایک عظیم الشان سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔''

اسی جلد میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''عجیب بات ہے، ایران کے انقلاب کی اگرچہ ہندوستانیوں کو خبر نہ تھی، لیکن خود بخود یہاں بھی انقلاب ہوا۔ یعنی شاعری کا مذاق جو ناصر علی وغیرہ کی بدولت سینکڑوں برس سے بگڑا چلا آتا تھا، درست ہو چلا۔ مرزا غالب نے شاعری کا انداز بالکل بدل دیا۔ ابتدا میں وہ بھی بیدل کی پیروی کی وجہ سے غلط راستہ پر پڑ گئے تھے۔ لیکن عرفی، طالب آملی، نظیری، کلیم کی پیروی نے ان کو سنبھالا۔'' (شعر العجم جلد ۵ ص ۲۴۰)

محمد حسین آزاد کا خیال ہے:

''زور طبیعت اور مشق شاعری میں اہل سخن اس کو رستم فن اور پہلوان سخن کہتے ہیں .... کلام ان کا فقط استعارہ اور خیال محض تصوف کے رنگ میں ہوتا ہے۔ باوجود پرگوئی کے نظم و نثر بہت زبردست لکھتا ہے۔ مضامین اس قدر باریک باندھتا ہے کہ اکثر اشعار میں سے

معنیٰ بھی مشکل سے نکلتے ہیں۔ مگر اہل ترکستان مثل مولوی روم کے اس کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔ چونکہ اہل زبان کے کلام میں بنیاد فصاحت اور صفائی پر ہوتی ہے، اس لئے اہل ایران پسند نہیں کرتے۔ بعض محاورات اپنے قیاس سے بھی ایجاد کرتا ہے...... سبب اس کا یہ ہے کہ اول تو اصل ایرانی نہیں، ترکستانی ہے۔ دوسرے ہند میں پرورش پائی۔ تیسرے طبیعت چالاک تھی اور خود آزاد مزاج اور خود پسند تھا۔ استاد زبردست کے نیچے نہیں نکلا کہ وہ راستے رلاتا۔ اس واسطے بے اصول رہ گیا۔'' (نگارستان فارس ص ۱۷۷)

شیخ اکرام کسی حد تک اعتدال سے کام لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''متاخرین مغلیہ شعرا میں تصنع اور غرابت نگاری کا جو رواج شروع ہوا تھا، بیدل اسے ایک قدم اور آگے لے گیا۔ اس کے ضخیم کلیات پر غنی اور ناصر علی سرہندی کے دواوین کی طرح نگہ انتخاب نہیں ڈالی گئی۔ اور چونکہ وہ علمیت میں ان سے بہت آگے تھا، اس لئے بادی النظر میں اس کے کلام میں اشکال و غرابت غنی اور ناصر علی سے بھی زیادہ نظر آتی ہے اور بیشتر اشعار بالکل چیستاں ہوگئے ہیں۔ لیکن بیدل کو ان شعرا پر بدرجہا فوقیت حاصل ہے۔ ایک تو اس کے دیوان میں جو صاف اشعار ہیں، ان کا مرتبہ جہان معنیٰ میں بہت بلند ہے۔ دوسرے (اور ہندوستانی شاعر پر اس کا بڑا احسان یہ ہے کہ) اس نے قلوب کو حقائق و معارف کی طرف متوجہ کیا۔ غنی کا طرہ امتیاز مثالیہ تھا اور ناصر علی کا مضمون آفرینی۔ بیدل کے طرز سخن میں دونوں چیزیں موجود ہیں۔ لیکن اس کی خاص وجہ امتیاز یہ ہے (اور اسی وجہ سے اہل ترکستان و افغانستان مثل مولوی روم کے اس کی بھی تعظیم کرتے ہیں) کہ اس نے شعر کو مجاز اور ظاہری اور عارضی باتوں سے ہٹا کر زندگی کی عمیق حقیقتوں کی طرف پھیرنا چاہا اور اپنے اشعار کو حقائق و معارف کا آئینہ بنایا۔

بیدل میں انتہا کی جدت پسندی تھی...... زندگی کے حقائق کو الٹ پلٹ کر ہر طرف سے دیکھنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح بعض بڑے دلچسپ اور نئے نکتے پیدا کئے ہیں۔

بیدل شاعری کو متاخرین مغلیہ شعرا کے انداز بیان سے نجات نہیں دلا سکا (یہ سعادت غالب کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔) لیکن مضمون شعر میں اس نے ایک انقلاب پیدا کر دیا اور شاعری خیالی بوالعجبیوں کا اظہار ہونے کے بجائے حکیمانہ فکر اور عمیق خیالات کا بیان ہوگئی۔ اس کے علاوہ دشواریوں اور پیچیدہ استعاروں کے باوجود اس کا فنی مطمح نظر بہت بلند ہے۔'' (ارمغان پاک ص ۶۷، ۶۸)

جان ریپکا لکھتا ہے:

"Bedil's style in poetry is difficult,his metaphors and structures are very complex and often obscure the meaning. Although the language it self is simple and the poet uses vernacular expression. (101)

بیدل کا اسلوب کلام بہت مشکل ہے اسکے استعارات اور ترکیب میں بڑی پیچیدگی ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اگرچہ زبان بذات خود آسان ہے پر شاعری میں مقامی انداز اظہار استعمال کرتا ہے۔

بیدل اپنے تمام نقادوں کو جواب دیتا ہے:

بیدل در نسخہ رموز اشعار — عیبم نکنی بنکتہ ہای بیکار
ہشدار کہ در نظم وجود انسان — چون ناخن وموست عضو بیحس بسیار

بیدل! اشعار کے اس دیوان میں غیر اہم اور بے وقعت نکتوں پر میری تنقید نہ کرنا واضح رہے کہ انسانی وجود کے اس منظم ڈھانچے میں ناخن اور بال کی طرح بہت سے بے حس اعضا بھی ہوتے ہیں۔

اس کے بعد ایک غزل کے ذریعہ اپنی بات کو اور واضح الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے:

مگو این نسخہ طور معنی یکدست کم دارد — تو خارج نغمہ سازِ سخن صد زیر و بم دارد
ادب ہر جا معین کردہ نزل خدمت پیران — رعایت کردگان رغبت اطفال ہم دارد
خم ابرو، شکست زلف نیز آرایش است اینجا — نہ تنہا حسن قامت را بر عنائی علم دارد
بچشم ہوش اگر اسرار این آئینہ دریابی — صفا وجوہر و زنگار چشمکہا بہم دارد
نوشتم آنچہ دل فرمود وخواندم آنچہ پیش آمد — مرابی اختیار یہا بخجلت متہم دارد (۱۰۵)

یہ نہ کہو کہ اس دیوان میں اعلیٰ مضامین و معانی سرے سے ہیں ہی نہیں یا کم ہیں۔ ساز میں سیکڑوں خارج آہنگ نغمے بھی ہوتے ہیں۔

ادب نے جہاں کہیں بوڑھوں کی ضیافت کا اہتمام کیا اس کی رعایت رکھنے والے حضرات بچوں کی رغبت اور پسند کا خیال بھی رکھتے ہیں۔

خم ابرو اور شکست زلف بھی آرائش میں شمار کی جاتی ہے حسن قامت کی خصوصیت صرف رعنائی سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ہوش کی آنکھوں سے اگر اس آئینے کے اسرار کا سراغ لگاؤ تو جوہر کی صفائی اور زنگار (مورچہ)

دونوں باہم چشمک کرتے نظر آئیں گے۔

جو کچھ دل نے لکھایا میں نے لکھ دیا۔ بے اختیاری نے مجھ کو ندامت سے ہمکنار کر دیا۔

بیدل نے دوسرے اشعار میں اپنے نقادوں کو جواب دیا ہے:

ہیچکس نیست زبانداں خیالم بیدل　　نغمہ پردہ دل از ہمہ آہنگ جدا است
یاران نرسیدند بہ داد سخن من　　نظمم چہ فسوں کرد کہ گوش ہمہ کر شد
کو گوش کہ کس بر سخنم فہم گمارد　　مغرور نوا سنجی خویشند کری ہا

بیدل! میرے خیال کی زبان کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہے، پردہ دل سے نکلنے والا نغمہ تمام آہنگوں سے الگ نوعیت کا ہوتا ہے۔

احباب میرے کلام کی داد نہ دے سکے۔ میرے کلام نے کون سا جادو کیا کہ سب کے کان بہرے ہو گئے۔

کس کا کان میرے کلام کے سمجھنے پر متوجہ ہوگا۔ بہرے لوگ اپنی شاعری پر پھولے نہیں سماتے۔

مگیر خوردہ بہ مضمون خوں چکیدہ بیدل　　ستم فشار مکن زخم تازہ بستہ مارا
معنیٔ آبلہ بستہ بخون جگریم　　بی تامل نگذشت است کسی از سرما
مصرعہ فکر بلند بیدلم اما چہ سود　　بیدماغیہای فرصت نارسایم بستہ است
بہ اسرار نہانی حرف چندی کردہ ام انشا　　بجز شخصی عدم کہ می فہمد زبانم را
نرسید فطرت ہیچکس بخیال بیدل و معنیش　　ہمہ راست بیخبری و بس چہ شعور خلق و چہ ہوشہا
حاشا کہ مرا طعن کسان در فقط آرد　　چوں خامہ قط تازہ خورد حسن خط آرد
مصرعہ تازہ کہ از بحر خیالم موجیست　　دوست را آب حیا تست و بدشمن تیغ است

ان حالات میں ان بے سروپا توجیہات وتاویلات کی چنداں ضرورت نہیں رہتی جن کو بعض دانشوروں نے بیدل سے فرط ارادت میں اس پر کئے گئے اعتراضات کو دور کرنے کی غرض سے پیش کئے ہیں۔ مثلاً استاد خلیل اللہ خلیلی لکھتے ہیں:

''اگر بندی از اندیشہ ہای ژرف وی زود بفہم نمی آید علت اصلی آنست کہ میرزا در یک قسمت از غزلیات خود آں مسائل عالی ومبہم را افادہ نمودہ کہ ادراک آن بذات خود دشوار و از فہم ہر کس بالاتر است۔''(۱۰۳)

اس کے دقیق افکار وخیالات کی کوئی بند اگر جلد سمجھ میں نہیں آتی تو اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ مرزا نے اپنی غزلیات کے ایک حصے میں ان عالی اور مبہم مسائل کو پیش کیا ہے جس کا ادراک بذات خود دشوار

ہے اور ہر کس وناکس کے دائرہ فہم سے باہر ہے۔

جناب استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

''آری زبان عشق ہمیشہ بمانند نغمہ از پردہ ہای کنایہ ومجاز بر می آید وزبان عشق غیر از زبان علم ومخصوصاً علوم اجتماعی وبالاخص علم حقوق است کہ این علوم خیلی ہا صریح وعاری از کنایہ ومجازی باشد۔

ولی اگر زبان عشق مخاطب خود را بآنسوی گردون وآنطرف دنیای وہم وظن سراغ می کند، آنجا کلمات نیز بمانند عناصریکہ زیر بمبارد مانکورہ آتومی عشق اشعاعی شدہ اند، خاصیت و وزن نوعی خود را می بازند۔''(۱۰۴)

ہاں عشق کی زبان ہمیشہ نغمے کی طرح کنایہ اور مجاز پر مشتمل ہوتی ہے عشق کی زبان سائنس کی زبان خصوصاً سماجی علوم اور اس میں بھی خاص طور پر قانون کی زبان سے الگ ہوتی ہے کیونکہ یہ علوم بہت ہی واضح الفاظ میں اور ہر قسم کے کنایہ اور مجاز سے عاری ہوتے ہیں۔

لیکن اگر عشق کی زبان اپنے مخاطب کو آسمان پر اور دنیائے وہم وظن سے پرے لے جاتی ہے تو وہاں الفاظ بھی ان عناصر کی طرح جو عشق کے ایٹمی بھٹی کے بمبارڈمنٹ کے تحت کرنیں پھیلاتے ہیں اپنی نوعی خاصیت اور وزن کو ہار بیٹھتے ہیں۔

نیاز فتحپوری لکھتے ہیں:

''بیدل کی شاعری ایک آواز ہے جو اعماق روح سے پیدا ہوتی ہے اور جن کے قبول کرنے کے لئے وسیع ترین الفاظ کا ملبوس بھی تنگ نظر آتا ہے۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک، کیفیات وغیرہ غیر معمولی اور واردات قلب نادر ہوں گے تو انکے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں بھی کار آمد ثابت نہ ہوں گی اور لامحالہ ان کے لئے کوئی جدید اسلوب بیان، کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے پڑیں گے اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ

''کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے''

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور نہ ان کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ ہر نئی بات کو بغیر استاد کے قبول کر لیں اسی لئے بیدل کے کلام کو مہمل کہنے والے زیادہ نظر آتے ہیں۔''(۱۰۵)

بیدل نے اپنے مخالفین کو ایک پوری غزل کے اندر بری طرح لتھاڑا ہے۔ ملاحظہ ہو:

بگفتگوی کسان مردمیکہ می لافند　　چو خط بمعنیٰ خود نارسیدہ حرافند

لوگوں کے مقولے پر جو لوگ لاف زنی کرتے ہیں وہ خط کی طرح معنیٰ تک پہنچے بغیر ہی زبان درازی کرتے ہیں۔

مباش غرہ انصاف کاین نفس بافاں　　بہ پنبہ کاری مغز خیال ندافند

انصاف پر مت پھولو کہ یہ نفس باف (سانس دھننے والے) مغز خیال کی پنبہ کاری میں دھنیا بنے ہوئے۔

توانگری کہ دم از فقر میزند غلط است　　بموی کاسہ چینی نمد نمی بافند

جو مالدار فقر و درویشی کا دعوی کرے اس کا دعویٰ غلط ہے۔موئے کاسہ چینی سے نمد نہیں بنتے ہیں۔

تہیہ سپر از احتراز کن کا مروز　　بقطع ہم بد و نیک زمانہ سیا فند

ڈھال کی فراہمی سے احتراز کر کیونکہ آج زمانے کے بھلے برے کو دستبرد کرنے میں وہ جلاد واقع ہوئے ہیں۔

سخن چہ عرض نجابت دہد دران محفل　　کہ ''سیم وزر نسبان'' ہمچو جدول اشرافند

جس محفل میں زر و مال کے پجاری جدول کی طرح اشرافیہ طبقے سے تعلق رکھتے ہوں وہاں شاعری کیا شرافت عطا کرے گی۔

غرض ز صحبت اگر پاس آبرو باشد　　حذر کنید کہ ابنای جاہ اجلا فند

ان کی صحبت سے مقصد اگر اپنی عزت و آبرو کا پاس و لحاظ رکھنا ہے تو بھی ان سے بچو کہ صاحب جاہ ظالم اور کمینے ہوتے ہیں۔

در بہشت معانی بروی شان مگشا　　کہ این جہنمی چند ننگ اعرافند

ایسے لوگوں کے روبرو بہشت معانی کا دروازہ مت کھولو کہ یہ چند جہنمی لوگ اعراف جیسے مقام کے لئے بھی باعث ننگ ہیں۔

بعلم پوچ چو جہل مرکب اند بسیط　　بفطرت کشفی درسگاہ کشافند

اپنی علمی بے مائیگی کی وجہ سے جہل مرکب کی طرح وہ بسیط ہیں اپنی کشفی فطرت کے لئے وہ کشاف کی درسگاہ ہیں۔

ز وضع شان مطلب نیم نقطہ ہمواری　　کہ یک قلم بخم و پیچ سرکشی کافند

ان کے طور طریقے سے نیم نقطہ کی ہمواری و سنجیدگی کی بھی آس نہ لگاؤ کیونکہ سرکشی کے خم و پیچ میں وہ یک قلم کافی ہیں۔

تمام بیہدہ گویند و نازکی این است　　کہ چشم بر طمع ریشخند انصافند

یہ سب بیہودہ بکواس کرنے والے لوگ ہیں اور نزاکت کی بات یہ ہے کہ انصاف کی ہنسی اڑانے والے چشم طمع لگائے ہیں۔

ازین خران مطلب مردمی کہ چون گرداب　　بموج آب منی غرق تا لب نافند

ان گدھوں سے انسانیت کی توقع مت رکھو جو بھنور کی طرح انانیت کے پانی میں ناف تک ڈوبے ہیں۔

بخاک تیرہ مزن نقد آبرو (بیدل)　　دریں دیار کہ کوران چند صرافند

بیدل! تیرہ و تاریک خاک (نقادوں) پر اپنی نقد آبرو مت نچھاور کر۔اس دیار میں چند اندھے پارکھ بنے ہوئے ہیں۔

ز ابنای زمان بیہودہ درد سر مکش بیدل　　اگر باری نداری، التفاتت چیست با خرہا
دیگر از یاران این محفل چہ باید داشت چشم　　صد جفا بردیم و زینہا مرحبای برنخاست
قدر دانی چہ خیالست در ابنای زمان　　بیدل اینہا ہمہ از عالم نشناختہ اند

۵۔بلند مضامین کیا ہیں؟

بیدل کے تمام طرفدار جن میں کچھ تو بیدل سے غیر معمولی عقیدت رکھتے ہیں، مجموعی طور پر صرف ایک بات کا تکرار کرتے ہیں کہ اس نے اپنے کلام میں بلند عاشقانہ اور عارفانہ مضامین پیش کئے ہیں جو ظن و گمان کے دائرے سے پرے ہیں، لہذا وہ مجبور ہے کہ ترکیبیں اور انداز بیان بھی اسی معیار کے بلند استعارات و کنایات پر مشتمل استعمال کرے تا کہ لفظ و معنیٰ، مغز و پوست اور شخص و لباس کے درمیان کامل ہماہنگی برقرار ہو جائے۔

خاکسار خود کو ان عظیم ناقدوں کی صف میں شمار نہیں کرتا جنہوں نے ساری زندگی شعر و ادب کے سمندر میں شناوری میں گذاری اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تاہم انتہائی ادب سے ایک سوال ان سے کرتا ہے کہ بیدل نے جو اعلیٰ اور بلند مضامین بیان کئے جو وہم و ظن کے دائرے سے پرے ہیں کیا واقعی ان میں کوئی جدت اور تازگی ہے؟

راقم السطور نے جہاں تک کلیات کا مطالعہ کیا ہے کوئی بھی مضمون خواہ عاشقانہ ہو یا عارفانہ، خواہ فلسفیانہ ہو یا اخلاقی اور خواہ سماجی ہو یا ادبی ایسا نظر نہ آیا جو قدیم شاعروں کے کلام میں پہلے سے موجود نہ ہو۔اعلیٰ مضامین سے مراد اگر عشق و عرفان سے متعلق مضامین ہیں تو یہ مضامین سنائی، عطار، مولانا روم

اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے کلام میں کچھ زیادہ آب و تاب اور چمک دمک کے ساتھ موجود ہیں اور بیدلؔ نے خود بھی ان کے کلام سے اثر پذیری کا اعتراف کیا ہے۔

ز جام مولوی گر جرعہ ات بخشند دریابی کزیں میخانہ بوی طبلہ عطار می آید

جام مولوی سے اگر ایک گھونٹ بھی تم کو نصیب ہو تو محسوس کرو گے کہ اس میخانہ (مثنوی محیط اعظم) سے فریدالدین عطار کے صندوقچے کی بو آرہی ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

''ہم جانتے ہیں کہ بیدل نے متصوفین اور دیگر مفکرین کے فلسفے کا مطالعہ کیا تھا اور مقابلہ و موازنہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ بنیادی طور پر ان ائمہ کے افکار میں بیدل نے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔''(۱۰۶)

استاد صلاح الدین سلجوقی نے ''آن طرف سخن'' کے عنوان سے بیدل کے درج ذیل شعر:

بہ بیانم آن طرف سخن، بتامل آنسوی وہم وظن ز چہ عالمم کہ بمن ز من نرسید غیر پیام او

(اپنے بیان میں سخن سے ماورا اور غور و فکر میں وہم وظن سے پرے ہوں میں آخر کس دنیا کا آدمی ہوں کہ میرے پاس مجھ ہی سے ایس کے سوا کسی کا پیغام نہیں پہونچا۔)

کے تحت مختلف اقوام کے شعر و ادب کے ارتقا کی تاریخ پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد یہ کوشش کی ہے کہ ''آں طرف سخن'' سے بیدل کا مقصد کیا ہے؟ بیان کریں اس میں دو رائے نہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے بڑی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں جو ان کے وسیع مطالعہ کی نشاندہی کرتی ہیں لیکن افسوس کہ ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ تفصیلی بحث کے بعد جو چیز انہوں نے پیش کی ہے کسی لحاظ سے ان میں تازگی نہیں ہے۔ یہ وہی عارفانہ اور عاشقانہ مضامین یا عشق و عرفان سے آمیختہ مضامین ہیں جن کو چند صدی پہلے عطار، سنائی اور مولانا روم نے اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''......این بود دستہ بندی تطور شعر کہ عرض نمودم کہ این تطویل از یکطرف بخوانندہ دانشمند عزیز کہ بماہیت شعر المامی دارد مفید است و از طرف دیگر زمینہ را مساعد می ساز برای شرح بیتی کہ ما در صدد آنیم یعنی شعری کہ آنطرف سخن است۔ و موضوع آن نیز آنسوی دنیای وہم و ظن است۔ و بعبارت دیگر غزلسرائی بجمال یکتا کہ ماورای رنگ و بو و چون و چنداست۔

آری اینجا نوعی از شعر داریم کہ دیگران بآن ملتفت نشدہ اند و یا بآن پایہ نرسیدہ اند، نہ آنہائیکہ این دستہ بندی را توسط کلمات بلند و بزرگ ''اطلاق و نسبت'' کہ کلمات ما بعد الطبیعی و از اقلیم بحث ما بیرون است نمودہ اند و نہ ہم بعضی از انہائیکہ دستہ بندی را بر حسب

اقالیم چون و چونش ما می کنند۔

این نوع شعر وحدت الوجودی کہ آنرا ''عرفانی'' نیز می خوانند شعری است ماوراء شعرہا و تاملاتی دارد ما فوق تاملات علم و فن۔ این شعر است انقلابی کہ بدنیای ادب معرف شدہ است۔''(۱۰۷)

یہ تو تھی شعر کے ارتقا اور تکامل کی دستہ بندی جسے پیش کیا گیا۔ یہ لمبی بحث ایک طرف اگر دانشمند قاری کے لئے جو شعر کی ماہیت کو سمجھنا چاہتا ہے سود مند ہے تو دوسری جانب شعر کی توضیح وتشریح کیلئے جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے راستہ ہموار کرتی ہے یعنی وہ شعر جو سخن سے پرے اور اس کا موضوع بھی دنیائے وہم وظن سے باہر ہے دوسرے الفاظ میں جمال یکتا کی غزل سرائی جو رنگ و بو اور چون و چرا کے دائرے سے ماورا ہے۔

ہاں ایک اور قسم کی شاعری ہے جس کی طرف دوسرے لوگ متوجہ نہیں ہوئے یا وہاں تک پہنچ نہیں سکے۔ نہ وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو سکے جنہوں نے ''اطلاق ونسبت'' کے بھاری بھرکم الفاظ کے ذریعہ جو مابعد الطبعی الفاظ ہیں اور ہمارے دائرے بحث سے خارج ان کی دستہ بندی کی اور نہ وہ لوگ جو ہمارے چون و چرا کے دائرے کے مطابق اس کی دستہ بندی کرتے ہیں۔

اس قسم کی وحدت الوجودی شاعری جس کو عارفانہ شاعری بھی کہتے ہیں عام شاعری سے پرے کی شاعری ہے اور علم و فن کے دائرۂ تامل سے بالا تاملات پر مشتمل یہ ایک انقلابی شاعری ہے جو دنیائے ادب میں متعارف ہوئی ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حقیقت اینست کہ بیدل در قرن ہفدہ دیدہ بود کہ بسیار چیزہا متبدل شدہ است۔ او تمام چیزہائیرا کہ در عصر او آمدہ بود ہمہ را در کلیات ضخیم خود تذکر دادہ است و خیلی ہا کوشیدہ است کہ افکار و تاملات عصری را تذکر دہد مضمونہای او تماماً تازہ است و تا توانستہ است مثلاً تیر و کمان را بہ تفنگ و تیر ہوائی تبدیل نمودہ است با صدہا امثال از امور معنوی۔''(۱۰۸)

حقیقت یہ ہے کہ بیدل کو سترہویں صدی میں یہ محسوس ہو گیا تھا کہ بہت سی قدریں بدل گئی ہیں۔ اس نے تمام چیزوں کا جو اس زمانے میں پائی جاتی تھیں اپنے ضخیم کلیات میں تذکرہ کیا ہے اور اپنے عہد کے افکار و خیالات کو پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس کے مضامین یکسر تازہ اور انوکھے ہیں اور پھر تیر و کمان کو تفنگ اور ہوائی تیر میں بدل دیا ہے اس کے علاوہ معنوی امور کی سیکڑوں مثالیں ہیں۔

غزلیات کا دقیق مطالعہ جس کے ایک حصہ کی راقم السطور نے موضوع کے لحاظ سے دستہ بندی کی ہے اس نتیجے پر پہونچا یا کہ اس کی غزلیات میں عشق و عرفاں سے لے کر اخلاقیات، سماجیات، نفسیات، فلسفہ سے متعلق حتی کہ اپنے زمانے کے سیاسی حالات وغیرہ طرح طرح کے مختلف مضامین پائے جاتے ہیں لیکن ان میں عاشقانہ مضامین پر مشتمل غزلیات جن میں عشق انسانی یعنی محبوب، اس کے اعضاو جوارح اور رفتار و گفتار وغیرہ سے محبت کا تذکرہ ہوتا ہے کی تعداد عارفانہ غزلوں سے کہیں زیادہ ہے یہ دعویٰ تو دور کا رہا کہ دوسرے شعراء اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں اور اس قسم کے مضامین وہ پیش نہیں کئے ہیں۔ اس موضوع کا تعلق بڑی حد تک پانچویں باب سے ہے اس لئے قارئین سے گذارش ہے کہ اس کی طرف رجوع کریں۔ بہر حال خاکسار کے ناقص خیال میں بیدل نے وہی پیش پا افتادہ مضامین بیان کئے ہیں جن کو اس سے پہلے محی الدین بن عربی، سنائی، عطار، رومی، عراقی، سعدی، حافظ اور جامی نے بیان کیا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ ان شاعروں نے ان بلند افکار و خیالات اور مضامین کو کس انداز سے بیان کیا ہے اس سلسلے میں تفصیلی بحث میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے تقریباً ہم میں سے بیشتر حضرات نے ان بزرگوں کے کلام کا مطالعہ کیا ہے اور جانتے ہیں کہ انہوں نے نہایت دلکش، فطری اور ابہام و پیچیدگی سے خالی اسلوب میں ان کو ادا کیا ہے۔ ذیل میں بعض نقاد کے خیالات پیش ہیں۔ عطار کی مثنوی منطق الطیر کے بابت ڈاکٹر سید صادق گوہرین لکھتے ہیں:

''عبارات ایں کتاب کم نظیر کہ حقا باید آنرا از افاضات و مواہبات غیبی دانست، بسیار سادہ وراہ برندہ بہ مقصود است واز تعقید لفظی ومعنوی وخلاف قیاس وضعف تالیف وایجاز مخل واطناب مخل وسایر عیوبیکہ گوہر فروشان رشتہ کلام در موضوع فصاحت وبلاغت بآنہا اشارت می نمایند کاملا بری وعاریست۔ انتخاب الفاظ وانسجام کلام چنان خوانندہ را مجذوب می کند کہ تا کتاب را بہ آخر نرساند آنرا فرو نخواہد بست۔'' (۱۰۹)

اس بے نظیر کتاب کی عبارت جس کو بجا طور پر مواہب غیبیہ میں شمار کرنا چاہئے انتہائی سادہ، سلیس ہے اور براہ راست مقصود تک پہونچاتی ہے۔ لفظی ومعنوی تعقید، خلاف قیاس ضعف تالیف، ایجاز مخل، اطناب مخل اور ان تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے جنکی طرف گوہر فروشاں رشتہ کلام فصاحت و بلاغت کے سلسلے میں اشارہ کرتے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب اور کلام کا انسجام قاری کو ایسا مسحور کر دیتا ہے کہ جب تک کتاب کو ختم نہیں کر لیتا اسے رکھنا نہیں چاہتا۔

مولانا روم کے دیوان شمس تبریزی کے بابت جناب علی دشتی لکھتے ہیں:

''دیوان شمس تبریزی از ہر گونہ تکلف وتصنع بری است گفتہ ہای مولانا بدرجہ ای سادہ وطبیعی

وبرای بیان مقصود است کہ حتی بضایع ظریف ومطلوب شعر ہم توجہی درآن دیدہ نمی شود۔ زیرا گوئیدہ آں سرگرم چیز دیگر یست۔ او اندیشہ واحساس خود را بیرون می ریزد وگاہی بدون اختیار واراداہ بیرون می ریزد۔ در حال بیخودی ودر حال جذبہ بیرون می ریزد۔'' (۱۱۰)

دیوان شمس تبریزی ہر قسم کے تکلف و تصنع اور آورد سے پاک ہے۔ مولانا کا کلام اتنا سادہ، فطری اور اظہار مافی الضمیر اتنا راست ہے کہ شعر کے اندر مطلوب عمدہ صنائع کی طرف بھی انہوں نے دھیان نہیں دیا ہے گویا اس کا شاعر کسی اور کام میں سرگرم ہے۔ وہ اپنے افکار و خیالات کو پیش کرتا ہے اور کبھی بے اختیار اور بلا ارادہ بیخودی اور جذب کے عالم میں ان کا اظہار کرتا ہے۔

لہٰذا یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ عارفانہ اور دنیائے وہم وظن سے پرے مضامین کو بیان کرنے کے لئے ایسا انداز بیان ضروری نہیں جس میں تعقید اور ابہام کی خصوصیت پیدا ہو جائے۔ پھر یہ کہ بیدل نے بنیادی طور پر کوئی نئی بات نہیں پیش کی ہے۔

ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیدل کی جدت طرازی آخر کس چیز میں ہے۔ مشہور معاصر ایرانی شاعر نادر نادر پور نے اس سلسلے میں جس خیال کا اظہار کیا ہے راقم السطور اسی کو جدت طرازی سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شعر امروز را اصطلاحا ''شعر نو'' می خوانند۔ اما اگر بنای این نو بودن وتازگی را ''مضمون'' یا ''موضوع'' شعر بدانیم ہیچ شعری نو نیست، وزندگی از شعر نمی تو ند جدا باشد۔ زمینہ ہای اصلی شعر ہمیشہ یکی است، عشق کینہ، خشم، حسد...... ویا عوامل طبیعت بہ قولی ''زیر آسمان کبود ہیچ چیز تازہ نیست'' اما شعر فقط موضوع نیست وموضوع معیار تازگی وکہنگی نمی تواند قرار گیرد۔ تفاوت در قدمت زمانی ہم نیست، بلکہ چگونگی وطرز نگریستن آدم امروزی است بہمان عواملیکہ ہموارہ وجود داشتہ است۔ یعنی انسان در ہر زمان کہ بتو اند رابطہ تازہ ای بین خود واشیا، ومیان اشیاء با یکدیگر بیابد، نوآوری کردہ است۔'' (۱۱۱)

عصری فارسی شاعری کو اصطلاحی زبان میں ''شعر نو'' کہا جاتا ہے لیکن اس جدت کی بنیاد اگر مضمون یا موضوع شعر کو قرار دیا جائے تو کسی بھی کلام کو جدید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انسان کی زندگی کوئی نئی چیز نہیں ہے اور زندگی شعر سے جدا متصور نہیں ہو سکتی۔ شعر کا اصل میدان ہمیشہ ایک رہا ہے۔ عشق، کینہ، حسد یا فطری عوامل، کسی کا قول ہے ''نیلے آسمان تلے کوئی چیز نئی نہیں ہے''۔ لیکن شعر صرف موضوع کا نام نہیں ہے۔ موضوع جدت اور کہنگی کے معیار پر پورا نہیں اترتا، نہ زمانے کی کہنگی سے اس میں کوئی فرق آتا ہے بلکہ فرق یہاں پیدا ہوتا ہے کہ آج کا انسان انہیں عوامل کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ یعنی

انسان جب بھی اپنے اور اشیاء کے بیچ یا خود اشیا کے مابین نیا رابطہ محسوس کرتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس نے جدت پیدا کی۔

اس بنا پر تازہ اور انوکھا مضمون ایک بالکل بے معنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تازگی صرف اس امر میں ہے کہ شاعر اپنے اور اشیا کے درمیان یا خود اشیا کے مابین ایک ایسا نیا رابطہ پیدا کرے جو دلوں کو موہ لے اور طبیعت جھوم اٹھے۔ علی دشتی، استاد غزل سعدی کے بابت لکھتے ہیں:

''یک دماغ محقق و متتبع اگر سعدی را قدم بقدم دنبال کند اثر بسیاری از گویندگان بزرگ را چون رودکی، فرخی، فردوسی، مسعود، عطار، انوری و ظہیر فاریابی در دیوان وی می تواند پیدا کند ولی طرز بیان و شیوہ سخن او بخود او اختصاص دارد، بحدیکہ بسا اوقات مضامینی را کہ دیگران قبل از وی گفتہ اند بہتر از خود انہا ادا کردہ است۔'' (۱۱۲)

ایک فعال اور متجسس ذہن سعدی کے قدم سے قدم ملا کر چلے تو رودکی، فرخی، فردوسی، مسعود سعد، عطار، انوری اور ظہیر فاریابی جیسے عظیم شاعروں کے اثرات اس کے دیوان میں نظر آئیں گے لیکن اس کا طرز کلام اور انداز بیان اس کے ساتھ مخصوص ہے اس حد تک کہ بسا اوقات انہیں مضامین کو جن کو دوسرے شاعروں نے ان سے پہلے بیان کیا ہے سعدی نے ان سے بہتر طریقے پر بیان کیا ہے۔

یہ حالت اس شاعر کی ہے جس کی استادی تمام شاعروں کے نزدیک مسلم ہے جو استاد غزل کی حیثیت سے حافظ کے نزدیک محبوب و محترم ہے۔

استاد غزل سعدیست نزد ہمہ کس اما

پھر غریب بیدل کا کیا پوچھنا جس کے نقادوں کی تعداد تعریف کرنے والے سے زیادہ ہے۔

انداز بیان کو مضمون پر ترجیح دیتے ہوئے علی دشتی آگے لکھتے ہیں:

''مہم این نیست کہ آیا شاعر از شاعر دیگر رنگ والہام پزیرفتہ است بلکہ انیست کہ آیا اثرہای کہ از دیگران گرفتہ است بہمان شکل خام پس دادہ ویا اینکہ در بوتہ ذوق وقریحہ خویش آنرا گداختہ وبا سایر تاثرات دیگر مخلوط کردہ وعنصری جدیدی آفریدہ۔'' (۱۱۳)

اہم بات یہ نہیں ہے کہ کسی شاعر نے دوسرے شاعر سے الہام پذیری کی ہے اور اس کا رنگ اختیار کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ جو اثر اس نے دوسروں کا قبول کیا ہے کیا اسی خام شکل میں اسے واپس کیا ہے یا اپنے ذوق وطبیعت کی بھٹی میں اسے تپایا اور پگھلایا ہے اور دوسرے تاثرات کے ساتھ ملا کر بالکل ایک نئی چیز بنا کر پیش کیا ہے۔

حقیقت میں بیدل کی جدت طرازی کا راز اسی اسلوب بیان میں پوشیدہ ہے۔ اسی کے ساتھ

اس نے انسان اور اشیاء کے درمیان اور خود اشیاء کے درمیان نئے رابطے کا پتہ لگایا ہے جس کو ڈاکٹر عبدالغنی ذاتی تجربات سے تعبیر کرتے ہیں:-

''اس کے عارفانہ تجربات ومشاہدات کی بنا پر اس کے افکار وخیالات اس کے جذبات سے آمیختہ ہو گئے تھے اس لئے ان کو بالکل شاعرانہ زبان میں ادا کرنے پر اسے پوری قدرت حاصل تھی۔ نیز انہی جذبات وتاثرات کو جن کو اس نے زندگی کے حقائق سے آشنائی کی بدولت حاصل کئے تھے اور جو دنیا کو اس کی مختلف شکلوں اور پہلوؤں میں مشاہدہ کرنے سے اس کے ہاتھ لگے تھے بیان کیا ہے۔ یہ چیزیں نئی تھیں اور اس بنا پر بیدل نے ان کو ایک ایسے اسلوب میں بیان کیا ہے جو تازہ نرالا اور صاف وپاکیزہ ہے''۔ (۱۱۴)

بیدل نے خود بھی اپنے ذاتی تجربات کی بابت اس طرح کہا ہے:

زکمالم آنچہ بہم رسد نہ زلوح و نی زقلم رسد   خط نقش پا برقم رسد کہ منش سبق کم از حیا

میرے کمالات میں سے جو کچھ میرے ہاتھ لگتا ہے وہ لوح وقلم کی نوعیت کی قطعی چیز نہیں ہے بلکہ نقش پا کے خطوط رشتہ تحریر میں آتے ہیں جن کو مارے شرم کے دہراتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کمال کی چاہے جس چوٹی پر پہنچ جائے وہ اپنے نقوش پا کے خطوط یعنی ذاتی تجربات کو ہی بیان کرسکتا ہے لوح وقلم کی طرح کی یقینی بات نہیں کرسکتا اس لئے اپنے کمال سے بجز ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔

بیدل کی شاعرانہ جدت کا راز:

جہاں تک راقم السطور نے سمجھا ہے بیدل کی شاعرانہ جدت وتازگی کا راز دو باتوں میں مضمر ہے۔

۱۔ غیر معمولی قوت مشاہدہ۔

۲۔ مشاہدات سے حاصل ہونے والے افکار وخیالات کی استعارات وکنایات وتشبیہات وتمثیلات سے آراستہ خوبصورت اسلوب میں عکاسی پر غیر معمولی قدرت۔

ان دو امور نے اس کے کلام کو ایک مخصوص رنگ وروپ عطا کیا ہے۔

جہاں تک قوت مشاہدہ کا تعلق ہے بیدل کے کلام کا بہ غور مطالعہ اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ وہ ذہن رسا، فہم بلند اور نگاہ عمیق کا حامل تھا اس لئے عام لوگوں کی طرح کسی چیز کو سرسری نظر سے دیکھ کر نہیں گذر جاتا تھا۔ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی چاہے وہ بالکل معمولی اور بے وقعت ہو، فوراً اس کی تہہ تک پہنچ جاتا اور ایک دلچسپ اور برجستہ نکتہ پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ تاریخی واقعات جو خود اس کے

زمانہ میں یا اس سے پہلے پیش آئے ہیں خواہ ان کا تعلق عوام سے ہو یا خود اس کی ذات سے، ان کو وہ محض زیبِ داستان کیلئے یا قاری کی دلچسپی کے لئے بیان نہیں کرتا بلکہ ان سے ایک نہایت اہم نتیجہ اخذ کرتا ہے جیسا کہ اس کی مثنوی کا دقیق مطالعہ واضح کرتا ہے۔ اپنی اس قوت مشاہدہ کی اہمیت کی طرف ایک شعر میں اشارہ کرتا ہے۔

هر کرا بیدل بکج نشهٔ معنی رهیست　　　هر رگ تا کی بچشمش رشتهٔ گوهر بود

بیدل! نشہ معنیٰ کے گوشے کا جس کو راستہ مل گیا اس کی نگاہ میں ہر رگ تاک (انگور کی بیل) رشتہ گوہر کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری جگہ دل و دیدہ کے ہاتھ میں اپنی اسارت اور اپنے غواص فطرت ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

گر بروں آیم ز فکر دل اسیر دیده ام　　　عمر من چوں می بہ بند ساغر و مینا گذشت

بیدل به قلزمی که تو غواص فطرتی　　　گوہر گره برشته موج سراب داشت

اور اپنے ذوق سلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ موروثی چیز نہیں بلکہ فطری ہے۔

رمز آشنای معنی هر خیره سر نباشد　　　طبع سلیم فضل است ارث پدر نباشد

جہاں تک ان افکار و خیالات کی تصویر کشی پر اس کی غیر معمولی قدرت کا تعلق ہے وہ ان ذہنی تصاویر کو محسوس شکل و صورت دینے یا نقاشوں کی اصطلاح میں ان کو مناسب اور دلکش رنگ و روپ عطا کرنے کی غرض سے انواع و اقسام کی تشبیہات و استعارات کا استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے ایک سرگرم قاری ایک فرسودہ و پیش پا افتادہ مضمون میں بھی بے انتہا لطف محسوس کرتا ہے۔ اس دعوی کو چند مثالوں سے واضح کیا جا سکتا۔ بیدل کہتا ہے۔

دنیا - اگر دهند نه جنبم ز جای خویش　　　من بسته ام حنای قناعت به پای خویش

ساری دنیا کی دولت بھی اگر میرے قدموں پر رکھدیں تو میں اپنی جگہ سے ہلنے کا نہیں میں نے اپنے پاؤں میں قناعت کی مہندی لگا رکھی ہے۔

بیدل نے یہاں ایک فرسودہ مضمون ''قناعت سے اپنی وابستگی'' کو بیان کیا ہے جس کو تمام شاعروں نے خصوصاً صوفی شاعروں نے اپنے کلام میں اکثر بیان کیا ہے اور اس لحاظ سے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن اس کی جدت و تازگی دوسرے مصرع میں ہے۔ ہم نے شادی کے موقعوں پر دلہن کے ہاتھ پیروں میں مہندی لگی دیکھی ہے جس کو اسے حسین و دلکش بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں پر اسے کوئی اہمیت دیئے بغیر گذر جاتے ہیں لیکن بیدل نے اس ربط کو جو مہندی اور پاؤں کے درمیان تھا

انتزاع کر کے صفت ''قناعت'' سے اپنی غیر معمولی دلبستگی کے لئے استعمال کیا اور کہا کہ جس طرح حنا دلہن کے ہاتھ پاؤں کو حسین و دلکش بنا دیتی ہے نیز کہیں چلنے پھرنے سے اسے باز رکھتی ہے۔ قناعت نے بھی میری شخصیت کو حسین و دلکش بنا دیا ہے اور ادھر ادھر آوارہ گردی سے باز رکھا ہے۔ ظاہر ہے اس کشش کو چھوڑنے اور کہیں نقل مکان کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ یہاں بیدل نے قناعت سے اپنے وابستگی اور حنا کے درمیان ایک نیا ربط پیدا کیا ہے اور اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے جدت طرازی سے کام لیا ہے۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو:

نفس سرمایہ عجز است، از هستی مشو غافل　　　که تا صهباست نتواں بردخم از گردن مینا

سانس عجز و بے بسی کا سرمایہ ہے ''ہستی'' کی اس حقیقت سے غافل مت رہ۔ صراحی کے اندر جب تک شراب موجود ہے اس کی گردن کی کجی کو دور نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے صراحی میں بار بار شراب دیکھی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ شراب انڈیلتے وقت اس کی گردن جھکانی پڑتی ہے لیکن اس سے ''عجز و بے بسی'' کا مضمون انتزاع کرنا اور اسے ''انسانی ہستی'' کی عجز و بے بسی'' کے بیان کے لئے استعمال کرنا بیدل کے انداز بیان کو ایک مخصوص رنگ و روپ عطا کرتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ جدت نہیں تو کیا ہے۔

اسی طرح اشعار ذیل ہیں:

سبک روحی نیاید راست با وہم جسد بیدل　　　طلسم بیضه تا نشکنی بال طرب مکشا

بیدل! سبک روحی وہم ''جسد'' کے ساتھ راس نہیں آتی ہے، طلسم بیضہ جب تک نہیں توڑتے خوشی کے باز و مت کھولو۔ انڈے کو توڑ کر ہی چوزہ اپنے بال و پر نکالتا اور اسے پھیلاتا ہے اور عالم خوشی و مستی میں دوڑتا پھرتا ہے۔ اس مشاہدہ کو اس نے روح کے جسم کی قید سے نکلنے کے بعد حاصل ہونے والی خوشی و مسرت سے سبک رفتاری کا نظارہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔

دل آماده چندیں هوس داری بهم بشکن　　　مبادا فتنه زایها کند آبستن مینا

تیرا دل چند قسم کی ہوا ہوس میں مبتلا ہے انہیں باہم بھڑا کر ختم کر دے۔ خدانخواستہ ساغر کا لبالب ہونا کہیں فتنوں کو جنم دے۔ مینا کا شراب سے لبالب ہونا جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے پینے والوں میں فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ اس خیال کو اس نے مختلف النوع ہوس کے حامل دل کیلئے استعمال کر کے اس طرف اشارہ کیا وہ بھی طرح طرح کے فتنے جنم دیتا ہے۔ اس لئے ہوس کے اس سلسلہ کے درہم برہم کر دے۔

ساغر بزم خیالم نرگس مخمور کیست　　　　می روم مستانه از خود خورده ام گویا شراب

کس کی نشیلی آنکھیں میری بزم خیال کا ساغر بنی ہوئی ہیں۔ عالم بیخودی میں اس طرح مست ہو کر لڑکھڑاتا ہوا چلا جا رہا ہوں جیسے شراب پی ہو۔ محبوب کی نشیلی آنکھوں کو شراب سے تشبیہ دی ہے اور قوت خیال کو ساغر سے۔ شراب سے حاصل ہونے والی مستی و بیخودی کی کیفیت کو انتزاع کر کے کہتا ہے کہ عالم بیخودی و سرخوشی میں جو میں افتاں و خیزاں گرم رفتار ہوں تو اس کی وجہ محبوب کی نشیلی آنکھوں سے قوت خیال کا ساغر کشی کرنا ہے۔

رازعشق از دل برون افتاد ورسوائی کشید　　　　شد پریشان گنج تا غافل شد از ویرانه ها

رازعشق دل سے فاش ہوا نہیں کہ خواری و رسوائی اسے نصیب ہوئی۔ خزانہ جب کھنڈر سے غافل ہو جاتا ہے تو مختلف مقامات میں بکھر جاتا ہے۔ (کھنڈر سے خزانہ کا نکلنا اس کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اسی ربط کو رازعشق کے فاش ہونے پر اس کی رسوائی کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔)

تا طبایع نیست مالوف، انجمن ویرانه است　　　　ناقص افتد خوشه چون بی ربط بالد دانه ها

مختلف لوگوں کی طبیعتیں جب تک ایک دوسرے سے مانوس اور مالوف نہ ہوں، انجمن ویران رہتی ہے۔ دانے جب ایک دوسرے سے مناسب طور پر مربوط ہو کر نہیں نکلتے تو خوشہ ناقص رہتا ہے۔ (دانے کی بے ربطی کے ساتھ بالیدگی سے خوشہ کا ناقص رہنا بیدل کی قوت مشاہدہ کی واضح دلیل ہے۔)

بمی رفع کجی مشکل بود از طبع کج طینت　　　　بزور سیل نتواں راست کردن قالب پل را

کج طبع لوگوں کی طبیعت کو شراب کے ذریعہ دور نہیں کیا جا سکتا۔ سیلاب کے زور سے پل کے ڈھانچے کو سیدھا نہیں کیا جا سکتا۔ سیلاب میں بلاشبہ اتنی طاقت ہے وہ بڑی بڑی عمارتوں کو ڈھا دے اور پلوں کو بہا لے جائے۔ مگر پل کے قالب میں اگر کجی تو وہ اسے دور نہیں کر سکتا۔ اس مشاہدہ کو وہ شراب کے ذریعہ طبیعت کی کجی کو دور کرنے کیلئے استعمال کرتا ہے جو بڑی حد تک موزوں ہے۔ مگر شراب کی خصوصیت یہ کب ہے کہ وہ کسی قسم کی کجی کو دور کرے بلکہ وہ تو اور کجی پیدا کرتی ہے۔

دریں محفل سراغ گوشه امنی نمی یابم　　　　چو شمع آخر گریبان می کنم نقش کف پا را

اس محفل (دنیا میں) گوشہ عافیت کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا اس لئے نقش کف پا کو بالآخر شمع کی طرح گریباں کا روپ دیدیا۔ (شمع جلتے جلتے اپنے گریباں میں محو ہو کر نابود ہو جاتی ہے اسی طرح نا امنی اور بے کلی کی کیفیت میں وقت کاٹتے کاٹتے ہم راہی عدم ہو جائیں گے۔)

بمہر مادر گیتی مکش رنج امید اینجا　　　　که خونها می خورد تا شیر می گردد سفید اینجا

مادر گیتی کی محبت میں یہاں امید کی زحمت مول نہ لے کیونکہ وہ پہلے خون پیتی ہے تب اس کا

دودھ سفید ہوتا ہے۔ عورت کے پستان میں عموماً زچگی کے بعد دودھ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ خون کی شکل میں رہتا ہے۔ یہ قدرت کا کرشمہ ہے کہ بچہ کی پرورش کیلئے اس نے خون کی اس تھیلی کو دودھ میں منتقل کر دیا۔ بیدل اس واسطے کو اس مقصد کے لئے انتزاع کرتا ہے کہ مادر گیتی کی محبت میں زندگی کی زحمتیں مت مول لے کیونکہ پہلے یہ خون پیتی ہے تب اس کا دودھ سفید اور قابل انتفاع ہوتا ہے یعنی پہلے مشقت میں ڈالتی ہے تب آرام پہنچاتی ہے۔

بسعی ناله و افغاں غم دل کم نمی گردد　　　　صدا مشکل بود از کوه بردارد گرانی را

آہ و فغاں کی کوشش سے غم دل کم نہیں ہوتا۔ آواز پہاڑ کی گرانی کو بمشکل دور کر سکتی ہے۔ پہاڑ میں اگر آواز لگایئے تو صدائے بازگشت کے طور پر اس کی آواز کانوں سے ٹکراتی ہے مگر اس صدا میں وہ طاقت نہیں کہ پہاڑ کے بار گراں کو بھی اٹھا لے۔ اس مشاہدہ کو اس مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے کہ غم دل بھی پہاڑ کی طرح ایک بار گراں ہے وہ آہ و نالہ اور گریہ و بکا سے ہلکا یا کم نہیں ہوتا ہے۔

چه سازد موی پیری با دل غفلت سرشت من　　　　که بر آلایش باطن تصرف نیست صابن را

میرے غفلت سرشت دل کے ساتھ بڑھاپے کا بال کیا سمجھوتہ کرے گا کیونکہ باطنی آلائش کا دور کرنا صابن کے بس کی بات نہیں۔ صابن میں میل کچیل صاف کرنے کی صلاحیت تو ہے مگر وہ صرف ظاہر بدن کو صاف کر سکتا ہے۔ دل میں اگر آلائش ہے تو وہ اسے صاف نہیں کر سکتا۔ اس واسطے کو وہ اس مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے کہ بڑھاپے میں بال سفید ہو جاتے ہیں اور آدمی اس کی وجہ سے اپنی عاقبت کی فکر کرتا ہے مگر جب دل غفلت سرشت ہو تو بال کی سفیدی عاقبت کی فکر کی طرف متوجہ ہونے میں اس کی مدد نہیں کرتی۔

بی سعی تامل نتواں یافت صدایم　　　　هشدار که تار نفسم نبض سقیم است

غور و خوض اور تامل و تدبر سے کام لئے بغیر میری شاعری کو نہیں سمجھ سکتے، دھیان رہے کہ میرے تار نفس کی نبض بہت دھیمی چلتی ہے۔ اس کا پتہ لگانے کے لئے طبیب کو دیر تک نبض پر ہاتھ رکھنا پڑتا ہے۔ بیدل نے نبض سقیم اور طبیب کے درمیان جو رشتہ تھا اس کو اپنے کلام پر دیر تک غور کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہ اس کی جدت ہے ؏

در تامل بیشتر دارد روانی شعر من

اس قسم کے بہت سے اشعار بیدل کی کلیات میں موجود ہیں۔ غلام حسن مجددی اس قسم کے کلام کو مثالیہ سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس صنعت کو صائب نے بڑی مہارت سے استعمال کیا ہے۔ اس صنعت میں پہلے مصرع

میں ایک نظریے کا اظہار ہوتا ہے اور دوسرے مصرع میں ایک مناسب مثال کے ذریعہ اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس بنا پر اس صنعت کا استعمال حقائق کے بیان کرنے کے لئے، جس کی سدا بڑی اہمیت ہے، انتہائی سودمند ہے۔" (۱۱۵)

صائب کا انتقال ۱۰۸۰ھ میں ہوا جب بیدل کی عمر ۲۶ سال کی تھی اس لحاظ سے بیدل نے جوانی ایسے معاشرہ میں گذاری تھی جس میں اس صنعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے بیدل اس کا بہت مشتاق نظر آتا ہے۔ بہت کم ایسی غزلیں ہوں گی جس میں کم از کم ایک یا دو بیت اس صنعت کی حامل نہ ہوں۔ مگر بیدل "مثالیہ" کو "موج نزاکت" سے تعبیر کرتا ہے۔

بیدل از ہر مصرعم "موج نزاکت" می چکد　　　کردہ ام رنگیں بخوں صید لاغر تیغ را

بیدل میرے ہر مصرعہ سے "نزاکت" کی لہر اٹھ رہی ہے میں نے تلوار کو دبلے پتلے شکار کے خوں سے رنگین کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

"اپنے بیان کو پرزور بنانے کے لئے بیدل نے صنائع و بدائع سے بھی کام لیا ہے بالخصوص اثبات حقیقت کے لئے امیر خسرو اور صائب کے تتبع میں انہوں نے مثالیہ کا استعمال کیا ہے۔" (۱۱۶)

راقم السطور کے ناقص خیال میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیدل نے صائب اور امیر خسرو کی تقلید کی ہے کیونکہ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا۔ بیدل بچپن ہی سے تقلید خصوصاً شاعری میں تقلید کا مخالف رہا ہے۔ مثنوی میں ایک جگہ کہتا ہے۔

عزیزاں کہ غور سخن کردہ اند　　　بہ تقلید در خوں وطن کردہ اند

جن شاعروں نے شاعروں کے کلام کی تہہ میں جانے کی کوشش کی ہے انہوں نے ان کی تقلید میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

ازاں نقش کار جہاں ابتر است　　　کہ آثار تقلید یکدیگر است

دنیاوی امور کے نقوش اسی لئے ابتر ہیں کہ ان کے اندر ایک دوسرے کی تقلید کی علامت پائی جاتی ہے۔

جو آدمی تقلید کا اتنا مخالف ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی مخصوص شاعر کے مخصوص اسلوب کی تقلید کرے گا۔ اسی پر بس نہیں۔ ایک جگہ کہتا ہے:

از رہ تقلید نتواں صاحب معنیٰ شدن　　　ژالہ بیش از یکدو دم بر خود نچیند گوہری

کوئی شاعر کسی شاعر کی تقلید کر کے صاحب معنی نہیں بن سکتا۔ اولہ موتی کی نقالی دو چار لمحے سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ خصوصاً صائب کے بارے میں کہتا ہے:

دعویٰ آساں کرد بیدل پیش موزونان ہند　　　مصرعی چندین فراہم کردن و صائب شدن

ہندوستان کے موزوں طبع شاعروں کے سامنے بیدل نے اپنے موزونی طبع کا دعویٰ صائب کے انداز میں چند مصرعہ (اشعار) کہہ کر پایۂ ثبوت کو پہونچا دیا۔

اس شعر کا مفہوم میرے ناقص خیال میں یہی ہے کہ صائب کی تقلید میں ہندوستان کے موزوں طبع فارسی گو شاعر بہت کچھ کہہ گئے ہیں میں نے بھی اسی انداز میں کہہ کر اپنی موزونی طبع کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ یعنی یہ دکھا دیا ہے کہ ہم اس انداز میں بھی شاعری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اگرچہ میرا بیشتر کلام ایسا نہیں ہے بلکہ جداگانہ اسلوب کا حامل ہے۔

اس بنا پر کہنا چاہئے کہ جس چیز کو ہم اصطلاح میں "مثالیہ" کہتے ہیں اور بیدل اسے "موج نزاکت" سے تعبیر کرتا ہے حقیقت میں وہ اس کا اپنا ایک مخصوص اسلوب ہے جو اشیا پر غور و فکر اور ان کے درمیان نئی کڑی کی دریافت و انکشافات سے پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ مثنوی میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

در آں جہد کن تا کند بی غبار　　　ز جیب تو صبح تحقق بہار

اپنی شاعرانہ جدوجہد اور کاوشوں کو اس امر پر مرکوز کرو کہ تمہارے دامن سے "صبح تحقق بہار" چھن کر باہر آئے۔ "صبح تحقق بہار" سے مراد شاید وہ نکات ہیں جو موسم بہار کی صبح کی طرح تروتازہ، روح پرور، جانفزا، دلکش و دلفریب ہوں۔

ظاہر ہے انساں اور اشیاء اور خود اشیاء کے مابین نئے واسطے دریافت کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا ہم تصور کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے زیرکی و ذہانت و بلند نظری و زکاوت کے ساتھ اس کو ادا کرنے کے لئے موزوں طبیعت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ بیدل، شاعر کے اس عظیم وظیفے کو "رفتن بر دم تیغ" (تلوار کی دھار پر چلنے) سے تشبیہ دے کر یہ بتانا چاہتا ہے کہ شاعری کی باریک راہ ایسی نہیں ہے کہ اس پر ہر شخص آسانی سے چل سکے حتی کہ حرف آفرینی کی وجہ سے خود قلم کی زبان میں شگاف پڑ گیا ہے۔

دم تیغ است بیدل راہ باریک سخن سنجی　　　زبان خامہ ام شق دارد از حرف آفرینہا

تلوار کی دھار پر چلنے کے علاوہ کلام میں رنگینی پیدا کرنے کے لئے خون جگر پینا اور بے انتہا ریاضت کرنا بھی اس کے نزدیک ضروری ہے کہتا ہے۔

بی جگر خوردن بہار طرز نتوان تازہ کرد   غوطہ تا در خون نزد فطرت، سخن رنگین نشد

اقبال نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔

ع نغمہ ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر

ع دہد پرواز بسمل مدعای ما بیانہا را

مذکورہ بالا خصوصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے بیدل نے اس قدر حرف آفرینی سے کام لیا کہ الفاظ کا جامہ اس کے معانی و مضامین کے جسم پر تنگ ثابت ہونے لگا۔

لفظ نتواند کند زنجیر مضمون مرا

الفاظ میرے مضامین کو اپنی بیڑیوں میں نہیں جکڑ سکتے۔

ای بسا معنی کہ از نامحرمیہای زباں   باہمہ شوخی مقیم پردہ ہای راز ماند

کتنے معانی اور مضامین ایسے ہیں کہ اپنی تمام تر شوخی اور دلآویزی کے باوجود زباں کی تنگ دامانی کی وجہ سے پردہ ہائے راز میں نہاں ہو کر رہ گئے۔

معنی برجستہ شوقم نمی گنجد بلفظ   ہمچو بوئے گل نگردد پیرہن عریاں مرا

میرے عالم شوق کا معنی برجستہ الفاظ کے جامے میں نہیں سما سکتا ہے۔ میرا لباس بوئے گل کی طرح عریاں نہیں ہو سکتا ہے۔

نازنیناں فارغ از آرایش مشاطہ اند   حسن معنی را ہماں رنگینی معنی حناست

راقم السطور کے خیال میں اسی حرف آفرینی یا نکتہ آفرینی کو مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سرخوش نے اسے ''نکتہ سنجیہای بیدل'' سے ادا کیا ہے، کہتا ہے۔

''در ہمہ جا نکتہ سنجیاں کردہ''۔(۱۱۷)

غلام علی آزاد اسے ''معنی آفرینی'' سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرزا معنی آفریں بی نظیر است۔''(۱۱۸)

ایزد بخش رسا اسے ''نازک خیالی'' سے تعبیر کرتا ہوا لکھتا ہے:

''اورنگ نشین نازک خالی۔''(۱۱۹)

شیر خاں لودی نے اسے ''مطالب بلند'' اور ''حسن معنی'' سے تعبیر کیا ہے:

''بلند پروازان اوج سخن اگر در ہوای دریافت ''مطالب بلندش'' فکر ہا را بعالم بالا فرستند رواست۔ و صدر نشینان انجمن نکتہ دانی اگر طوطی طبع را، بامیل طلاقت در مقابل آئینہ فکر صافش گذارند، سزا۔''(۱۲۰)

غلام علی آزاد نے اس کو دوسری جگہ ''معانی تازہ'' اور ''ثمرہ ہای نورس'' سے تعبیر کیا ہے۔

''طبع دراکش بقدر ''معانی تازہ'' بہم رسانیدہ۔ و چہ ''ثمر ہای نورس'' کہ از نہال قلم افشاندہ۔''(۱۲۱)

بیدل نے خود بھی اپنے بہت سے اشعار میں اپنی اس دریافت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اپنے کلام میں حرف آفرینی سے کام لیا ہے جو درج ذیل ہے۔

چنیں کز کلک ما رنگ معانی می چکد بیدل   توان گفتن رگ ابر بہار ایں ناودانہا را

ہمارے قلم سے انواع و اقسام کے معانی صفحہ قرطاس پر ثبت ہوتے رہتے ہیں۔ ان پرنالوں کو رگ ابر بہار سے تعبیر کیا سکتا ہے۔

بیدل از فطرت ما قصر معانی است بلند   پایہ دارد سخن از کرسی اندیشہ ما

بیدل! معانی کا ایک بلند محل ہماری فطرت میں داخل ہے۔ ہماری شاعری کا پایہ ہماری کرسی اندیشہ پر قائم ہے۔

می گذارد بر دماغ یکجہان معنی قدم   لغزشی کز خامہ تحریر من پیدا شود

میرے خامہ تحریر کی ایک لغزش سے ایک پوری دنیا کو معانی ہاتھ آتے ہیں۔

بحر قدرتم بیدل موج خیز معنیہاست   مصرعی اگر خواہم سر کنم غزل دارم

بیدل! میری شاعرانہ توانائی کا سمندر معانی کی لہریں اٹھاتا رہتا ہے اگر چاہوں تو ایک مصرع کہہ کر پوری غزل کہہ ڈالوں۔

بصورت گر تہی دستم بمعنی گنجہا دارم   کہ گر یک چشم من دامن فشاند صد گہر ریزد

نشستی عمرہا حسرت کمین لفظ پردازی   ز خون گشتن زمانی غازہ شو حسن معانی را

ایک عرصہ تک لفظ پردازی کے حسرت کمین بنے رہے (اچھے الفاظ اور تراکیب کی فکر میں غرق رہے) اب ذرا عرق ریزی کر کے تھوڑے دنوں حسن معانی کیلئے غازہ بنو۔ (بہترین معانی اور نکات بیان کرنے کی فکر کرو۔)

عبارت محرمی بیجا صل از معنی نمی باشد   بلیلی چشم واکن گر توانی دید محمل را

معنی کے بغیر عبارت آشنائی ممکن نہیں اگر محمل کو دیکھنا ہے تو لیلیٰ پر نظر مرکوز کرو۔

گوش پیدا کن کہ بیدل از کتاب خامشاں   معنی کز ہیچکس نتواں شنود آوردہ است

ذرا دھیان دو بیدل خاموشوں کی کتاب سے ایسے معانی و مطالب بیان کرتا ہے جو کسی سے نہیں سنے گئے۔

ما را ز فکر معنیٔ باریک چاره نیست — در صیدگاه ما همه نخچیر لاغر است

باریک معنیٰ کی تلاش وجستجو پر ہم مجبور ہیں کیونکہ ہماری شکارگاہ کے سارے شکار دبلے پتلے ہیں۔

کور شد حاسد ز رشک معنیٔ باریک من — خیره می بیند چو مو در دیدهٔ کس جا گرفت

حاسد میرے باریک معانی کو دیکھ کر رشک وحسد میں اندھے ہوئے جا رہے ہیں۔ کسی کی آنکھ میں جب بال پڑ جاتا ہے تو اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔

صد جهان معنیٔ بلفظ ما گم است — این نهانها آشکارا بیش نیست

معنیٰ کی سیکڑوں دنیا میرے کلام میں گم ہیں یہ آنکھوں سے اوجھل معانی واضح ہیں۔

بیدل هزار جلوه در آئینه ات گذشت — آن شخص گو که اینهمه عرض مثال داشت

شاید اسی بنیاد پر بیدل خود کو شاعر بے نظیر کہتا ہے ع

عمریست که گفتیم نظیر تو عدیم است

باهمه نفی سخن شوخی معنی باقیست — بال و پر ریخت گل و رنگ ز پرواز نماند

اپنی شاعری کی تمام تر نفی کرنے کے باوجود میرے کلام میں شوخی معنیٰ موجود ہے اس کے بال و پر چاہے گر گئے ہوں پر اس کا رنگ وروپ برقرار رہے۔

گلشن قدر سخن وری بیدل — بقدر معنیٔ برجسته گردن افراز است

بیدل! شاعری کی قدر وقیمت کا گلشن معنیٔ برجستہ کے بقدر گردن افرازی کرتا ہے۔

اور مختلف اشعار میں اس کو معنیٔ نازک، معنیٔ باریک، معانی بلند، فکر نازک، خیال نازک وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔

خریداران همه سنگ اند معنیهای نازک را
خیال نازکی داری دل خود جمع کن بیدل
دل بشکست عهد بست تا نفس از فغاں نشست
بیدل از نازک خیالاں مشق همواری خوش است
لذ نزاکت سخنم نیست بلند
اندیشه از نزاکت معنیٔ کمال داشت
پر گوئی من آفت آگاهی دل است
فکر نازک گشت بیدل مانع آسایشم
معنیٔ کز فهم آن اندیشه در خون می طپد

زیاں خواهی کشید اجناس بازار حلب کشا
بجز هیچ از میان چیزی نمی یابی کمر بکشا
معنی نازک آفرید چینی آروزی ما
تا نیفشارد تامل معنیٔ بکدست را
از صدا ساغر گل را عار است
حسن فروغ مهر نقاب کمال داشت
آئینه بود تا نفسم اعتدال داشت
در بساط دیده اینجا دور باش خواب موست
این زمان در کسوت حرف و رقم پی برده است

لطف معنیٔ بیش ازیں بیدل ندارد اعتبار
دستگاه معنیٔ نازک سخن را زیور است
در غبار بیدلان دام نزاکت چیده اند
یا بیدل که در گلزار معنیٔ
کلک بیدل هر کجا دارد خرام
تامل پیشه کردم معنیٔ من لفظ شد بیدل
عرض جوهر معنیٔ بوجداں صلح کن ورنه
عمرها شد عرق آلود تلاش سخنم
بیدل من و آں نظم که هر مصرع شوخش
جولانگه اسرار معانیست عبارت
بیدل اشعار من از فهم کساں پوشیده ماند
ز لفظ نارسا خاک است آب جوهر معنیٔ
بیدل از عزلت کلام رتبه معنیٔ گرفت
سخن قانعم از نعمت الوان بیدل
به خشکی بطبع خلق از شعر ترم نماند
فیضها دارد سخن بر معنیٔ باریک پیچ
بیدلاں چند خیال گل و شمشاد کنید
مفت غواص تامل گهر معنی بکر
گر اهل سخن بیدل سامان غنا خواهند
بیدل من و آں نظم که هر مصرعه شوخش

از خیال نازکت بوی گل انشا کردنی است
جوهر این تیغ جز پیچ و خم اندیشه نیست
کیست در یابد که لیلی پرده دار محمل است
زمیں دلکشائی کرده ام طرح
سکته هم ناز روانی می کند
ز صهبایم روانی رفت تا آنجا که میناشد
سخن رنگ لطافت باخت گر تقریر فرساشد
به نسیم نفس سوخته ام یاد کنید
چوں سرو ز آزادی غمها صله دارد
چندانکه پری نازکند شیشه بالد
چوں عبارت نازک افتد رنگ مضموں می شود
نیام آنجا که تنگ افتد دم شمشیر فرساید
خم نشینی باده ام را لیقدر پر زور کرد
رزق خود چوں صدف از گوش گرفتن دارد
فطرت هنوز از قلم نال می کشد
گر دل آسوده خواهی عقده این تار باش
خوں شوید آن همه کز خود چمن ایجاد کنید
دفتر بیدل ما خصلت قلزم دارد
چون نسخه اشعارت گنجینه نمی باشد
چوں سرو ز آزادی غمها صله دارد

بیدل کا کلام سمجھنے کے لئے چھ شرطیں:

اب جبکہ بیدل کے کلام میں تازہ بہ تازہ انوکھے مضامین اور معانی کی بحث چھڑی ہے یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ان کا پتہ لگانے کے لئے بہ قول بیدل، ذہن رسا اور ہوش تند درکار ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں بیدل کی غیر معمولی قوت مشاہدہ اور ان معانی کو انواع واقسام کے لفظی اور معنوی صنائع سے آراستہ کرکے پیش کرنے کی اس کی توانائی کی پیداوار ہیں لہذا قاری کو ان صنائع سے آشنائیؓ کے

ساتھ فہم تند کا حامل ہونا ضروری ہے۔

جن لوگوں نے ان صنائع کے مبالغہ آمیز استعمال پر بیدل کے سارے کلام کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس پر ابہام اور تعقید کا الزام لگایا ہے بیدل ان سے کہتا ہے کہ اس کے کلام پر بحث کرنے کے لئے چھ شرایط درکار ہیں: ہوش تند، توجہ دل، انہاک کامل، غیر معمولی غور وخوض، چشم وا اور فہم تیز۔

ہوش تند:

آنچہ کلکم می نگارد محض حرف وصوت نیست ''ہوش'' می باید کہ دریا بد زبان بیدلی

میرا قلم جو کچھ لکھتا ہے وہ محض حرف وصوت کا مجموعہ نہیں ہے۔ بیدل کی زبان کو سمجھنے کے لئے ہوش وگوش مطلوب ہے۔

گویا بیدل کے کلام کو صرف قصے کہانیوں اور رپورتاژ کی طرح ''حروف واصوات کا مجموعہ'' نہیں سمجھنا چاہئے جن کو آدمی سطحی نظرے سے پڑھ کر گذر جاتا ہے چونکہ وہ بلند مضامین اور اعلیٰ افکار و خیالات پر شامل ہیں اس لئے اس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے قاری کو ذکی اور ذہین ہونا چاہئے۔

توجہ دل:

گر ہمہ جبریل باشد مرغ فہم آگاہ نیست تا چہ پرواز است محو آشیاں بیدلی

بیدل کے کلام میں قوت ''خیال'' کی پرواز کا عالم یہ ہے کہ قاری کا مرغ فہم اپنی تمام تر جبریل سی قوت پرواز کے باوجود آشیانہ بیدل تک آسانی سے نہیں پہنچ سکتا ہے اس لئے اس کے آشیانہ تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ فہم تیز کا حامل ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ قلبی توجہ سے کام لے۔

انہاک کامل:

گوش دل در حیرت آئینہ خوابانیدنست بی نفس دارد تکلم ترجمان بیدلی

''گوش دل'' کو حیرت آئینہ میں محو خواب کرنا ہوگا۔ ترجمان بیدل بغیر سانس کے گفتگو کرتا ہے۔

گویا کلام بیدل ایک ایسا پیکر ہے جو سانس لئے بغیر گویا نظر آتا ہے۔ پوشیدہ اسرار کو اس نے خاموشی سے ادا کر دیا ہے جیسا کہ اس نے ایک جگہ دعویٰ کیا ہے۔

کسی را می رسد لاف سخن سنجی کہ چوں بیدل بخاموشی ادا سازد سخنہای نہانی را

سخن سنجی کے دعویٰ کا حق اسی کو پہونچتا ہے جو بیدل کی طرح رازہ ہای سربستہ کو خاموشی سے ادا کر سکتا ہو۔

کسی را می رسد جمعیت معنی کہ چوں کلکم بخاموشی ادا سازد سخنہای زبانی را

''جمعیت معنیٰ'' (معانی کی طرف سے ان کے تازہ اور انوکھا ہونے کا اطمینان) اسی کو مل سکتی ہے جو میرے قلم کی طرح زبان سے بیان کرنے والی باتوں کو خاموشی سے کہہ جائے۔

لہٰذا اس کے مضامین کی تہہ تک پہونچنے کیلئے کمال توجہ کی ضرورت ہے۔

گوش پیدا کن کہ بیدل از کتاب خامشاں معنیٰ کز ہیچکس نتوان شنود آوردہ است

غیر معمولی غور وخوض:

ہر کہ از خود شد تہی، از ہستی مطلق پر است سجدہ می خواہد حضور آستاں بیدلی

جو اپنی ذات سے عاری ہو جاتا ہے وہ ''ہستی مطلق'' سے پر ہو جاتا ہے یعنی فنافی اللہ ہو کر اپنی ذات کو خدا کی ہستی میں گم کر دیتا ہے۔ بیدل کے آستانے پر حاضری کے لئے سجدہ کی ضرورت ہے۔

بیدل کا کلام ایک ایسے آدمی کا کلام ہے جو خود ''اپنی ذات'' سے عاری ہو کر ''ہستی مطلق'' سے پر یعنی فنافی اللہ ہے اس کے کلام کا موضوع عشق وعرفان اور وحدۃ الوجود ہے جو وہم وظن کے دائرے سے خارج ہے۔ اس لئے ان کا پتہ لگانے کے لئے اس آستانے پر سجدہ یعنی کمال توجہ ضروری ہے اور ساری چیزوں سے قطع تعلق کر کے اس سے جڑنا ہوگا۔ چنانچہ ایک اور شعر میں اس طرح متوجہ کرتا ہے۔

بی سعی تامل نتواں یافت صدایم ہشدار کہ تار نفسم نبض سقیم است

غور وفکر اور تامل وتدبر سے کام لئے بغیر میری شاعری کو نہیں سمجھ سکتے۔ خیال رہے کہ میرا تار نفس بیمار کی نبض ہے جو دھیمی چلتی ہے اور جب تک غور سے ہاتھ رکھ کر نہ جانچا جائے پتہ نہیں چل سکتا۔

چشم وا اور فہم تیز:

چشم می باید کشودن، سرمہ کردن آگہیست نالہ کم دارد ''درای کاروان بیدلی''

آنکھ وار کھنی ہوگی، عقل میں سرمہ لگانا ہوگا، کاروان بیدل کے ڈھول کی آواز ذرا دھیمی ہے۔

یعنی بیدل کا کلام اگرچہ بظاہر کچھ زیادہ جوش وخروش در موجودہ اصطلاح میں ہو ہا کا حامل نہیں ہے لیکن اپنے تمام جذبات واحساسات اور افکار وخیالات اس نے اس انداز سے بیان کئے ہیں کہ گویا وہ قافلے کی ایک ایسی گھنٹی ہے جس کی آواز بہت دھیمی ہے۔ اس کا سراغ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ آنکھیں کھلی اور چشم وعقل میں سرمہ لگائے رکھیں۔ کہیں وہ دھیمی آواز زن سے نکل جائے اور ہم کو پتہ بھی نہ چلے۔ اسی بات کو دوسری جگہ اس طرح بیان کرتا ہے۔

معنیٔ بلند من فہم تند می خواہد — سیر فکرم آساں نیست کو ہم و کتل دارم

میرے بلند و بالا معنیٰ کو سمجھنے کیلئے تیز و تند فہم درکار ہے میرے فکر کا مطالعہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میں پہاڑیوں اور ٹیلوں کا حامل ہوں۔

استاد صلاح الدین سلجوقی ''فہم بیدل'' کے عنوان سے مذکورہ شعر کی اس طرح توضیح کرتے ہیں:

''کوتل (ٹیلے) میں دو طرح کی دشواری ہوتی ہے بعض سخت ہوتے ہیں اور سنگریزوں سے بھرے ہوتے ہیں جہاں سے عبور و مرور بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ کوتل اس کلام کی طرح ہیں جو سخت اور سنگین اور نامانوس الفاظ کے حامل ہیں اس کے برعکس کچھ کوتل ہموار ہوتے ہیں جس کے اندر کسی سختی کا احساس نہیں ہوتا ہے لیکن بلند ہونے کی وجہ سے اس پر چڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ جیسے بیدل کا وہ کلام جس کے الفاظ کی راہ بہت ہموار اور مساعد ہے لیکن اس کے معنیٰ کی چوٹی بہت بلند ہے جہاں تیز بال شاہین کو بھی تیزی سے پرواز کرنا ہوگا تب ہی وہ اسے بازوؤں کے تحت لا سکے گا اور اس کی چوٹی تک پہنچ سکے گا۔ یہ بھی بیدل کے انداز بیان کی رسائی اور گیرائی ہے کہ یہاں لفظ فہم کا استعمال کیا ہے کیونکہ فہم ایک ایسا لفظ ہے جو عقل اور طبیعت دونوں کے ذریعہ دریافت کئے جانے میں، یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔'' (۱۲۲)

بہر حال بیدل کے مطابق جس آدمی میں چھ شرائط پائے جائیں گے وہی اس کے کلام کو سمجھ سکتا ہے، لیکن اس نظم کے آخر میں وہ کہتا ہے:

از حباب من سراغ گوہر نایاب گیر — یک نفس چیدست بحر اینجا دکان بیدلی

یہاں بیدل اپنے کلام کے بابت ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حقائق و معارف اور مضامین و معانی کے ایک سمندر نے ''بیدل کی دوکان'' کو چند سانس یعنی کوزہ میں سمو دیا ہے اور ظاہر ہے کہ سمندر میں بے وقعت چیزیں جیسے حباب بھی ہوتی ہیں اور قیمتی چیزیں جیسے موتی وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے حباب اور گوہر میں فرق کرنے اور قیمتی موتی کو انتخاب کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پورے کلام کا انتہائی توجہ اور غور سے مطالعہ کیا جائے۔

اس نے اپنے کلام کے ایک حصے کو ''حباب'' اور دوسرے حصے کو ''گوہر'' سے تعبیر کر کے اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے اندر درد و صاف، زنگ و صفا اور رطب و یابس سب کچھ موجود ہے اور یہ درد، زنگ اور یابس وہی کلام ہیں جس کے اندر باوجود اپنی امکانی کوششوں کے اس کی تعقید و ابہام کو وہ دور نہیں کر سکا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا اس کے پہلے دور کے کلام میں یعنی جب وہ

تجربے کے دور سے گذر رہا تھا سستی و بے مائیگی تھی جس کا احساس خود بیدل کو تھا اور کھلے دل سے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ شاید ایسے ہی کلام کی بابت وہ کہتا ہے:

فہم مطلب موہوم ما کہ پردازد — زبان عجز فروشاں مدعا عربی است

ہمارے موہوم مضامین کو سمجھنے کی کوشش کون کرے گا اپنے مقصد کو ادا کرنے میں عاجز اور بے بس لوگوں کی زبان عربی ہے۔ اور شاید اسی بنا پر غلام علی بلگرامی نے ایک تجویز پیش کی ہے:

''میرزا اشعار موافق فصاحت نیز بسیار دارد۔ اگر صاحب استعدادی از کلیات او آن اشعار را جدا کند نسخہ اعجاز بہم می دہد۔'' (۱۲۳)

بیدل نے بہت ایسے اشعار بھی کہے ہیں جو اصول فصاحت کے عین مطابق ہیں۔ اگر باصلاحیت آدمی اس کی کلیات سے ایسے اشعار کا انتخاب کرے تو ایک نسخہ اعجاز فراہم ہو جائے گا۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا نواب شکر اللہ خاں نے اس کے دیوان کا ایک انتخاب تیار کر کے اس کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ بیدل نے اس کی بہت تعریف کی ہے افسوس کہ ان کا انتخاب کردہ ''دیوان بیدل'' ناپید ہے لیکن خود بیدل نے بھی اس کا ایک انتخاب تیار کر کے خوشگو کو دیا تھا۔ خوشگو نے اسے من و عن اسی طرح اپنے تذکرہ میں نقل کر دیا ہے۔ اور قدیم و جدید دیوان سے ایک اور انتخاب تیار کیا تھا جس کا ایک نسخہ آنند رام مخلص کو دیا تھا اور جو ہنوز آزاد لائبریری علی گڑھ کی زینت ہے۔

بیدل کے نزدیک معیاری غزل کی خصوصیات:

بیدل نہ صرف یہ کہ ایک قادر الکلام شاعر تھا بلکہ ایک زبردست نقاد بھی تھا۔ اس کے تنقیدی خیالات پچھلے صفحات میں گذرے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اپنی مراسلات میں ضمنی طور پر اس نے اپنے بعض احباب کی غزلوں کی تعریف کی ہے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ایک عمدہ اور معیاری غزل کی کیا خصوصیات اس کے پیش نظر رہی ہیں اور اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے کلام میں بھی ان خصوصیات کی رعایت رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ایزد بخش رسا کی غزل پر اس طرح تبصرہ کرتا ہے:

''با آنکہ شوخیہای ہر مصرع از این غزل چوں موج گوہر در آغوش ہم یکدست طوفان نمود است۔ اما حسن مطلع فی الحقیقت گوہری بعرض آورد کہ باصفای آبش محیط را در غبار ساحل نشستنی است۔ و جوہر معنیٰ نشان دادہ کہ پر تو شوخیش آفتاب را احرام دماغ تحیر بستن۔'' (۱۲۴)

باوجودیکہ اس غزل کا ہر مصرعہ دلربائی و دلکشی میں موج گوہر کی طرح ایک ساتھ نمایاں ہے لیکن حسن مطلع نے درحقیقت ایسے گوہر کو پیش کیا ہے جس کی نفاست و نظافت کے سامنے سمندر کو غبار ساحل میں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور ایسا جوہر معنیٰ پیش کیا ہے جس کی دلکشی کے پرتو کے سامنے آفتاب کو افسوس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

نظام الملک کی غزل کے بابت کہتا ہے:

''غزل تازہ چھدر افسون معنیہای برجستہ داشت کہ قطعہ غزال بسمل نیز در قاصدی مژدہ رسانیش بال پرواز کشاد۔ و مضمون آمد آمد داد روانی شوق داد۔'' (۱۲۵)

اس تازہ غزل میں برجستہ معانی کا جادو اس قدر بھرا ہوا ہے کہ غزال بسمل کے گلے نے بھی قاصد کے سامنے اس کی مژدہ رسانی کے باعث بال پرواز کھول دیئے اور آمد کے مضمون کی بدولت روانی شوق کی داد دی۔

شکر اللہ خاں کی غزل کی بابت لکھتا ہے:

''مطالعہ سواد غزلیات کیفیت صحرای در نظر جلوہ داد تا از سلسلہ شور جنون بر آید۔'' (۱۲۶)

غزلیات کے مطالعہ نے ایک صحرا کا سماں نگاہوں کے سامنے پیش کیا تا کہ شور جنوں کی زنجیر سے باہر نکل آئے۔

''اکثر ابیات بکیفیتی جلوہ گر اند کہ اگر سامع بوجد پیش آہنگی نماید پس ماندہ خجلتہای بیدردیست۔'' (۱۲۷)

بیشتر اشعار میں ایسی کیفیت نمایاں ہے کہ اگر سامع وجد میں سبقت نہ کرے تو بے ذوقی و بے دردی کی ندامت کا شکار ہے۔

عاقل خاں کی غزل کے بابت لکھتا ہے:

''بمطالعہ غزل معارف مشکل خمستانی بجوش آوردہ کہ زبان شکستہ بیان از ساغر تقریرش خط بر کیفیات لغزش مستان کشید۔ و نگاہ حیرت عنوان بتماشای تحریرش سررشتہ مستی تا سر مژگان رسانید۔'' (۱۲۸)

غزل معارف مشکل کے مطالعہ نے خمستان میں ایسا ابال پیدا کر دیا کہ میری زبان شکستہ بیان نے اس کی تقریر کے ساغر سے لغزش مستاں کی کیفیت پر خط بطلان کھینچ دیا اور نگاہ حیرت عنوان نے اس کی تحریر سے مستی کا سلسلہ پلکوں تک پہونچا دیا۔

قیوم خاں کی غزل کے بابت لکھتا ہے:

''للہ الحمد امروز سامان بخش جمعیت مھجوران ورود اتفاقی غزلی است کہ مغزل فطرت فلکی را در مقابل ہمواری عبارتش پیچ و تاب رسیدن است۔ و بآبداری طراوتہای معانیش موج گوہر را خاک گردیتیمی لیسیدن۔'' (۱۲۹)

خدا کا شکر ہے کہ آج مھجوروں کی جمعیت کو سروسامان بہم پہونچانے والی ایک ایسی غزل اتفاقیہ وارد ہوئی ہے کہ اس کی ہمواری عبارت کے مقابلے پر مغزل فطرت فلکی کو پیچ و تاب کھاتے بنے اور اس کے معانی کی تازگی و آبداری کے مقابلے پر موج گوہر کو گردیتیمی کی خاک چاٹتے ہی بنے۔

بیدل کے ان تمام تحسینی کلمات کے مطالعہ سے عمدہ اور معیاری غزل کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

۱۔ غیر معمولی جوش کی حامل ہو:

بیدل کے نزدیک جوش کی انتہا یہ ہے کہ غزل کا ہر ایک مصرع موج گوہر کی طرح ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو کر وہ سماں پیش کرے جو سمندر میں طوفان آنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ صفائی، پاکیزگی اور لطافت کی حامل ہو:

بیدل کے نزدیک غزل کی انتہائی پاکیزگی یہ ہے کہ گویا وہ ایک موتی ہے جس کی آب و تاب اور چمک دمک کے مقابلے پر سمندر کو بھی غبار ساحل میں تہ نشیں ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے۔

۳۔ برجستہ معانی کی حامل ہو:

بیدل کے نزدیک معانی کی انتہائی برجستگی یہ ہے کہ اس کے اندر آورد اور تکلف کا دخل نہ ہو اس کی شاعرانہ زبان میں یہ کہ بسمل جو معشوق کے ہاتھوں ظلم و بیداد کے سوا کچھ نہیں دیکھتا ہے خوشخبری سناتے وقت اس کے اشتیاق میں بال پرواز کھول دے۔

۴۔ انتہائی عاشقانہ ہو:

عاشقانہ غزل بیدل کے نزدیک وہ ہے جس کے مطالعہ سے جنوں اور اس کے لوازمات مثلاً صحرا، وحشت اور زنجیر وغیرہ کا سماں نگاہوں کے سامنے بندھ جائے۔

۵۔ انتہائی وجد آفریں ہو:

غزل میں ایسی کیفیت ہو کہ اس کو سنتے یا پڑھتے ہی سامع یا قاری وجد میں آ جائے اور اس کا دل جھومنے لگے۔

۶۔ اس کے اندر غیر معمولی سرخوشی و سرمستی کی کیفیت ہو:

غزل میں اس قدر نشے کی کیفیت ہو کہ اس کو پڑھنے یا سننے سے وہی سرخوشی حاصل ہو جو شراب پینے سے حاصل ہوتی ہے یا اس سے بھی زیادہ ہو۔

۷۔ اس میں استحکام و استواری کے ساتھ لطافت بھی ہو:

اس خصوصیت پر سیر حاصل بحث باب ''بیدل بہ عنوان نثر نگار'' میں پورے شرح و بسط کے ساتھ کی جا چکی ہے۔

جو آدمی ان خصوصیات کو اپنے احباب کے کلام میں پراگندہ شکل میں پاتا ہے گمان نہیں ہوتا کہ اس نے خود اپنے کلام میں ان خصوصیات کی رعایت نہ رکھی ہوگی اس نے یقیناً دوسروں سے کہیں زیادہ ان خصوصیات کی رعایت رکھی ہے اس کے علاوہ دوسری خصوصیات بھی اس کے کلام میں پائی جاتی ہیں اور اب ملاحظہ ہو اس کے بعض پسندیدہ اشعار:

تاگشت خیال تو دلیل ره شوقم　　جوشیدن اشک آبله پا کرد نظر را
[جب سے ترا خیال ہوا شوق کی دلیل　　آنسو نظر کو آبلہ پا کر گیا مرے]

رسوای جهان کرد مرا شوخی حسنت　　جز پرده دری جوش گلی نیست سحر را
[شوخی نے ترے حسن کی رسوا کیا مجھے　　ہے جوش گل ہی پردہ در ہر ایک سحر کا]

زلف اورا اختیاری نیست در تسخیر دل　　خود بخود این رشته می گردد گره از تابها
[تسخیر دل میں زلف کا ہے کچھ نہ اختیار　　ہے رشتہ یہ کہ آپ ہی بنتی گرہ اس کی]

ای شکست کار ما آشفته حالان نسخه ایست　　دفتر آشوب یعنی سنبلستان شما
[ہے زلف تیری دفتر آشوب کا نسخہ　　ہم پریشاں و شکستہ حال لوگوں کے لئے]

ازهجوم اشک بر مژگان گهر ها چیده ایم　　در تمنای نثار لعل خندان شما
[نثار لعل خنداں کی تمنا میں ترے ہم نے　　پلکوں پہ آنسوؤں سے بکھیرے ہیں موتیاں]

یارب این خالست یا جوش لطافتهای حسن　　می نماید دانه سیب زنخدان شما
[ترے سیب زنخداں نے دکھایا دانے کو ایسا　　خدایا خال ہے یہ یا حسن کی کوئی لطافت ہے]

کی بود یارب که در بزم تبسمهای ناز　　چشم زخمم سرمه گیرد از نمکدان شما
[بزم تبسم ناز میں کب آئے گا موقع　　نمکداں سے ترے سرمہ لگے مجروح آنکھوں میں]

[بااین قد و عارض بچمن گر بخرامی　　گل تاج بخاک افگند و سرو علم را
[آئے جو چمن میں تو بایں قامت و رخسار　　گل تاج رکھے خاک پر اور سرو علم کو]

بسینه داغ وبدل ناله وبدیده سرشکم　　محبتم همه جا شعله کار سوختگیها
[سینہ میں داغ، دل میں آہ، آنکھ میں آنسو　　محبت کے کرشمے ہر جگہ سوزاں ہی ہوتے ہیں]

نگاه یار ز پهلوی ناز می بالد　　بقدر نشه بلند است موج صهبارا
[نگاہِ یار میں بالیدگی نازوں سے آتی ہے　　کہ موجِ بادہ بقدرِ نشہ سر اپنا اٹھاتی ہے]

نگه شد شمع فانوس خیال از چشم پوشیدن　　فنا مشکل که از عاشق برد رنگ تماشارا
[نگہ ہوتی شمع فانوس خیال، جب آنکھ لگتی ہے　　کہ عاشق سے فنا ممکن نہیں چھینے تماشا کو]

درین محفل سراغ گوشه امنی نمی یابم　　چو شمع آخر گریبان می کنم نقش کف پارا
[امن کا کوئی گوشہ سامنے میرے نہیں آتا　　گریباں کرتا ہوں جوں شمع نقش کفِ پا کو]

عیان نشد ز کجاست جلوه می آئی　　فدای طرز خرامت زخویش رفتن ما
[ہوا ظاہر نہ اب تک مست تو آتا کہاں سے ہے　　تری رفتار پہ ہے بیخودی قربان یوں میری]

من و در خاک غلطیدن، تو و حالم نپرسیدن　　بعاشق این چنان زیبد، بدلدار این چنین باید
میں اور خاکساری تو اور بے نیازی　　عاشق کو وہ مناسب، معشوق کو یہ زیبا

آدم تا صد چمن بر جلوه نازان بینمت　　نشه در سر، می بساغر، گل بدامان بینمت

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا بیدل کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بر روی ہم بیدل شاعریست خیال پرداز و معنی ساز کہ کوشش دارد تا واژہ ہای و ترکیبہای را از ہر نوع کہ باشد تابع خیال خود کند و براہی از معنی رسانی ببرد کہ قریحہ اومی خواہد۔ اما چہ تواں کرد کہ مرغ خیال ہموارہ بر ستیغہای بلندی می نشیند وکمیت لفظ حتی در زمین ہموار ہم بدشواری راہ می پیماید۔ ہر چہ در بارہ او بگویند و بخواہند ا تحقیقت را نمی توان انکار کرد کہ در موج خیالات اوگاہ صافیہا و پاکیز گیہائیست کہ نادیدہ گرفتن آنہا نوعی از بی انصافیست۔ پستیہا و بلندیہا در سخن بسیاری از شاعران عہد او خاصہ در سرزمین او دیدہ می شود اما سخنان بلند را ہیچگاہ نباید فدای ضعفہا و ناتوانیہا کرد کہ در موارد دیگر بر گویندہ آنہا دست می دہد۔'' (۱۳۰)

مجموعی طور پر بیدل ایک خیال انگیز اور معنی آفریں شاعر ہے جس کی کوشش رہتی ہے کہ الفاظ و تراکیب کو چاہے وہ جس قسم کی ہوں اپنے خیال کے مطابق اور اس سے ہماہنگ کرے اور ہر اس تدبیر سے معنیٰ رسائی کا کام لے جس کی اس کی طبیعت رہنمائی کرے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ مرغ ''خیال'' سدا بلند چوٹیوں پر ہی بیٹھتا ہے اور لفظ کا گھوڑا ہموار زمین میں بھی دشواری سے چلتا ہے اس کے بابت

چاہے جو کچھ کہا جائے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے افکار وخیالات کی لہروں میں کبھی کبھی صفائی اور پاکیزگی بھی ہوتی ہے جس سے صرف نظر کرنا ایک قسم کی بے انصافی ہے۔ اس کے معاصر بہت سے شاعروں خصوصاً سرزمین ہند کے شاعروں کے کلام میں پستی و بلندی نظر آتی ہیں لیکن اس کے بلند اشعار کو کبھی بھی اس کے ان کمزور اور سست کلام پر جو دوسرے موقع پر اس نے کہے ہیں قربان نہ کرنا چاہئے۔

لیکن بیدل کے عاشقانہ کلام کے بابت ڈاکٹر نورالحسن کا تبصرہ بڑی حد تک جامع نظر آتا ہے:

> ''بیدل نے شاعری کا ایک الگ دبستان قائم کیا ہے۔ یہ دبستان صرف ان کی ذات سے عبارت ہے۔ اس کی روایتیں سبک ہندی کی شکل میں پہلے سے موجود تھیں۔ دبستان بیدل درحقیقت سبک ہندی کی معراج ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دبستان کی روح نغمہ و آہنگ اور فلسفہ وفکر ہے۔ اس کی روایتیں دور دور تک پھیلی ہیں۔ (۱۳۱)

نہ بعد ما غزل، نی قصیدہ می ماند　　ز خامہ ہا دو سہ اشک چکیدہ می ماند

[غزل رہے گی مرے بعد و نہ قصیدہ ہی یارو　　دو چار اشک چکیدہ رہیں گے یادوں میں] (ظفر)

⚪⚪⚪

مثنویات

غزل کے بعد مثنویوں کو بیدل کے عارفانہ ذوق وشوق اور شاعرانہ نبوغ وکمال کی جلوہ گاہ کہہ سکتے ہیں۔ اردو کے مشہور ادیب نیاز فتحپوری سے کسی نے سوال کیا کہ بیدل کی تخلیقات کا مطالعہ کس ترتیب سے کرنا چاہئے موصوف نے جواب دیا:

> ''میری رائے میں سب سے پہلے چہار عنصر کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے کچھ پتہ بیدل کی زندگی کا بھی ملتا ہے، نیز یہ کہ کن واقعات وحالات سے وہ کیونکر متاثر ہوا۔ اس کے بعد نکات پڑھنا چاہئے اور اگر زندگی وفا کرے تو پھر اس کی مثنویوں کی تلاوت کرنا چاہئے کہ بیدل کی شاعری کا کمال یہیں سے ظاہر ہوتا ہے۔ (۱۳۲)

ممکن ہے نیاز فتحپوری کی بات سے آپ اتفاق نہ کریں۔ لیکن راقم السطور نے مثنویات کے مطالعہ کے بعد محسوس کیا کہ ان کی رائے سے بڑی حد تک اتفاق کیا جاسکتا ہے۔ یہاں بیدل کا طبع رواں ایک جوش مارتے سمندر کی طرح معلوم ہوتا ہے جو وقت کے گذرنے کے ساتھ اور زیادہ موج زن ہے اور اپنے غوطہ خوروں کو انواع اقسام کے قیمتی موتی فراہم کرتا ہے۔

۱۔ محیط اعظم:

زجام مولوی گر جرعہ ات بخشند دریابی　　کزین میخانہ بوی طبلہ عطار می آید

[جام مثنوی سے گر تجھے اک جرعہ بھی بخشیں تو دیکھے گا　　مرے میخانے سے ہر لحظہ بوی طبلہ عطار آتی ہے] (ظفر)

محیط اعظم بیدل کی پہلوی مثنوی ہے اور ایک مستقل تصنیف کی حیثیت سے اس کے شاعرانہ اور عارفانہ ذوق طبع کا پہلا نتیجہ فکر ہے جس کو ۱۰۷۸ھ/ ۶۸-۱۶۶۷ء میں ۲۴ سال کی عمر میں اس نے بحر متقارب میں نظم کیا اور جو تقریباً ۱۲۲۷ اشعار پر مشتمل ہے جیسا کہ درج ذیل اشعار سے واضح ہے۔

این نسخہ کہ از خامہ الہام رقم　　گردید مسمی ''بہ محیط اعظم''

دریافت دبیر خرد از روی حساب　　سال تاریخش ہم بنامش مدغم (۱۳۳)

یہ نسخہ جو خامہ الہام رقم سے محیط اعظم کے نام سے مسمیٰ ہوا ہے دبیر عقل کے حساب کی رو سے

دریافت کیا تو اس کا سال تاریخ بھی نام میں مدغم نظر آیا۔

یعنی محیط اعظم کے الفاظ سے جو مثنوی کا نام بھی ابجد کے اصول سے ۱۰۷۸ھ سال تصنیف نکلتی ہے۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ قاری عبداللہ نے غلطی سے اس کی تصنیف کا سن ۱۰۷۴ھ (۱۳۴) اور جان ریکا نے ۱۰۹۱ھ لکھدیا ہے۔ (۱۳۵)

بیدل کے رقعات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء میں دہلی پہنچے کے بعد اس نے باذوق اور ادب دوست امراء کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانی اور ان کی سر پرستی حاصل کرنا چاہی۔ اس مقصد کی خاطر اس نے ۱۰۷۸ھ میں مثنوی محیط اعظم نظم کر کے اپنی شاعرانہ لیاقت کا مظاہرہ کیا۔ عاقل خاں رازی کو جس کا شمار اورنگ زیب کے نامی گرامی باذوق امرا میں ہوتا تھا اور جو دربار سے بہت قریب تھا اپنی مثنوی تقدیم کی۔

محیط اعظم کیا ہے؟

اپنی مثنوی محیط اعظم کو عاقل خاں کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ان کے نام ایک خط میں بیدل اس کا تعارف اس طرح کراتا ہے۔

"......محیط اعظم را، کہ ساقی نامہ ایست "مخترع افکار دعاگو" یا منتخبی از "غزلیات خیال رنگ وبو" وسیلہ آمرزش تصور نمودہ..........لہٰذا بیش از "از بخار نفسی چند" تصور نمی توان کرد کہ از محیط تخیل باجتماع کیفیات ذہنی صورت قطرہ بہم رسانیدہ اند۔ و پس از گرد آوری ہای غبارا وہام۔ برای خود شکل گوہری برتراشیدہ۔" (۱۳۶)

محیط اعظم کو دعاگو کے فکر و ذہن کی ایک اپج اور رنگ برنگے خیالات پر مشتمل غزلیات کا ایک انتخاب ساقی نامہ کی شکل میں پیش کر کے وسیلہ بخشش تصور کرتا ہے۔ انکو "چند سانس کے بھاپ" سے زیادہ تصور نہ کیا جائے جو تخیل کے سمندر سے ذہنی کیفیات کی یک جائی کے ساتھ قطرہ کی شکل میں پیش کیا ہے اور غبار اوہام کی گرد آوری کے بعد اس نے اپنے واسطے گوہر کی شکل اختیار کی ہے۔

یہاں بیدل نے محیط اعظم کو ساقی نامہ سے تعبیر کیا ہے لیکن محیط اعظم کے دیباچے میں اسے "میخانہ ظہور حقائق" کا لقب دیا ہے۔ (یعنی حقائق و معارف کے ظہور کا میخانہ۔)

"این "میخانہ ظہور حقایق" است، نہ "ساقی نامہ اشعار ظہوری"۔ و آئینہ پرداز کیفیت دقائق است، نہ زنگار فروش خمار بی شعوری۔" (۱۳۷)

یہ معارف و حقائق کا میخانہ ہے، ظہوری کا ساقی نامہ نہیں ہے اور دقائق و حکم کا آئینہ بردار ہے،

خمار بے شعوری کا مورچہ فروش نہیں ہے۔

بیدل کے اس ساقی نامہ کا ظہوری کے ساقی نامہ سے موازنہ کرنے پر واضح ہوتا ہے کہ بیدل نے اس میں ظہوری کی پیروی کی ہے اور اسی نمونے کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس لحاظ سے ہم اس مثنوی "محیط اعظم" کو ساقی نامہ ہی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے مضامین چونکہ تصوف سے وابستہ ہیں اس لحاظ سے اس کو حقائق نامہ، یا عرفان نامہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

ساقی نامہ کیا ہے؟

"محیط اعظم" کی اہمیت تا کہ پوری طرح واضح ہو، پہلے ساقی نامہ کی تعریف اور خصوصیات کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ ساقی کہتے ہیں شراب پلانے والے کو جو کسی مجلس میں اس فریضے کو انجام دے۔ اس لئے ساقی نامہ اصل میں اس مثنوی کا نام ہے جس کے اندر ساقی اور اس کے جملہ لوازمات مثلاً شراب و کباب، جام و ساغر، شیشہ و سبو، میخانہ، مے خوار وغیرہ اور طرب کے جملہ لوازمات مثلاً ساز و آواز، مطرب و مغنی، رقاص و دف، چنگ اور بانسری وغیرہ سب کا تذکرہ ہو۔

اس بنا پر جن مثنویوں میں یہ موضوع زیر بحث ہو ان کو ساقی نامہ کہا جا سکتا ہے جیسے ساقی نامہ ظہوری اور اس لحاظ سے اس کو بزم نامہ بھی کہہ سکتے ہیں لیکن استاد صلاح الدین سلجوقی کا خیال ہے:

"ساقی نامہ نیز مرکبی است از بزم و رزم، ولی بزم صوفیانہ یعنی تغزل صوفی کہ کاکہ ہای مانیز یک رگ جہندہ داشتند پس در ساقی نامہ سہ عنصر موجود است: ۱۔ محبت، ۲۔ و آنہم در یک بزم برین ۳۔ رزم بر وسوسہ وگر بزہ و تشویش و شک و زہد و طامات و تقالید و خرافات و نیز برایذا وا حتکار و حرص و آز۔" (۱۳۸)

ساقی نامہ بزم و رزم دونوں سے مرکب ہوتا ہے لیکن یہ صوفیانہ بزم و رزم ہوتی ہے یعنی وہ صوفیانہ غزلیں جن کو ہمارے کا کہ (مقامی درویش) لوگ بھی گایا کرتے ہیں۔ لہذا ساقی نامہ میں تین عناصر ہوتے ہیں: ۱۔ محبت ۲۔ اور وہ بھی ایک بزم بریں سے ۳۔ وساوس و اوہام، شک و شبہات، زہد و طاعات، رسوم و رواج، بدعات و خرافات، ایذا رسانی و منافع خوری اور حرص و آز وغیرہ سے جنگ۔

اس تعریف کی اساس پر ظہوری کے ساقی نامہ کو ساقی نامہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں اگر چہ اس نے زہد و تقوی کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن مجموعی طور پر شروع سے آخر تک بزم کا رنگ اس میں غالب ہے۔

راقم السطور کے خیال میں ساقی نامہ کی دو قسمیں ہیں۔ جس طرح لفظ بادہ کو بعض لوگ دنیاوی

شباب کیلئے استعمال کرتے ہیں جو نشہ آور اور حرام ہے اور بعض لوگ (صوفی حضرات) عشق الٰہی کی شراب کے لئے رمز کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح ساقی نامہ کو کچھ شاعروں نے اسے ظاہری مفہوم میں لے کر ''بزم نامہ'' کے نام سے نظم کیا ہے اور کچھ نے رمزیہ معنیٰ میں لے کر ''عشق نامہ ایزدی'' کے نام سے نظم کیا ہے۔ خوشگو نے اس کو شاعرانہ اور موحدانہ کے نام سے دو قسموں میں تقسیم کر کے اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''ملاظہوری ساقی نامہ شاعرانہ گفتہ وایشان ہمہ موحدانہ''۔ (۱۳۹)

اس طرح ''محیط اعظم'' کو صورتاً ساقی نامہ یا بزم نامہ اور باطناً ''توحید نامہ'' یا ''الٰہی نامہ'' کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے ساقی، شراب، ساغر، شیشہ، جام، مینا، میخانہ، خم، چنگ، رباب، مطرب اور مغنی وغیرہ جو الفاظ استعمال کئے ہیں سب علامات ہیں اور مجازی معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں چنانچہ اس شعر میں اس نے صراحتہً کہہ دیا۔

ز جام مولوی گر جرعہ ات بخشند دریابی   کزیں میخانہ بوی طبلہ عطار می آید
جام مثنوی سے گر تجھے اک جرعہ بھی بخشیں   تو میخانے سے بوی طبلہ عطار پائے گا

محیط اعظم سے بیدل کا مقصد:

بیدل کو لغو گو شاعروں میں شمار کرنا بڑی بے انصافی ہوگی۔ اس نے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا، عالموں، درویشوں اور صوفیوں کے ماحول میں پرورش پائی تھی اس لئے اس کے سامنے سدا ایک نصب العین رہا ہے۔ اور اپنی شاعرانہ لیاقت وصلاحیت کو اس نے اس کے اظہار کیلئے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ نصب العین ہے ''معاشرہ کی اصلاح''۔

از پی اصلاح ناہمواری طبع درشت   آمد و رفت نفسہا می کند سوہاں مرا

سخت اور ناہموار طبیعتوں کی اصلاح کی خاطر سانس کی آمد و رفت میرے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ بیدل کا خود اپنے خیال کے مطابق وحدت الوجودی شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔

مقیم و حدتم ہر چند در کثرت وطن دارم   بدریا ہمچو قطرہ خلوتی در انجمن دارم

اور ایک رقعہ میں اپنے کو ''از وحدتیانیم'' لکھتا ہے۔ اس کا مذہب عشق الٰہی ہے چنانچہ کہتا ہے:

بغیر عشق ندانیم ہیچ آئینی   گزیدہ ایم چو پروانہ سوختن مذہب

''عشق الٰہی'' کے سوا ہم نہ کوئی اصول جانتے ہیں نہ آئین۔ ہم نے پروانے کی طرح آتش عشق میں جلنے کو اپنا مذہب قرار دیا ہے۔

ہمیں نکتہ ات درس معنی بس است   کہ در ہر طرف جلوہ گر یک کس است

صرف یہی ایک نکتہ تیرے درس کے لئے کافی ہے کہ چاروں طرف صرف ایک ہی ہستی جلوہ گر ہے۔

اپنے کلام میں جس موضوع پر بھی روشنی ڈالتا ہے آخر کار اسی مرکزی فکر پر پہونچتا ہے۔ پھر محیط اعظم کو نظم کا روپ دینے سے اس کا کیا مقصد ہے اس پر روشنی ڈالتا ہوا کہتا ہے:

''مدعا ازین، تنبیہ غافلان رتبہ معانی است، تا بی نہایتی اسرار حقیقت را بلفظی چند منحصر ندانند۔ و بی پایانی طور معانی را از اختتام عبارت صفحہ چند مختصر نخوانند۔'' (۱۴۰)

اس مثنوی سے مقصد رتبہ معانی کی اہمیت سے بے خبر لوگوں کو آگاہ کرنا ہے کہ اسرار حقیقت کی بے کرانی کو چند لفظوں میں منحصر نہ سمجھیں اور طور معانی کی بے پایانی کو چند صفحات کی عبارت میں ختم کر کے مختصر نہ قرار دیں۔

ایسا لگتا ہے کہ جنہوں نے اگلے شاعروں کے ساقی ناموں کو اپنا سرمشق بنا کر اس صنف میں طبع آزمائی کی انہوں نے مضامین کے تکرار اور سلف کی اصطلاحات کی تقلید کے سوا کچھ نہیں کیا دوسرے الفاظ میں اس صنف کو چند الفاظ و مضامین کے دائرے میں محدود رکھا اور قدم اس سے باہر نہیں نکالا۔

بیدل نے عام رجحان سے گریز کیا اور اسے اس کے محدود دائرے سے باہر نکال کر مختلف قسم کے حقائق و معانی اور مضامین و مطالب کی جلوہ گاہ بنا دیا جس کی اس وقت تک شاعروں نے جرأت نہیں کی تھی گویا اپنے معاصر اور بعد میں آنے والے شاعروں کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرائی کہ ان کو بھی اس جدت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

ڈاکٹر عبدالغنی کا خیال ہے دہلی کے تین سالہ قیام کے دوران بیدل نے جو سماجی، دینی اور اخلاقی حالات لوگوں کے دیکھے ان کا ردعمل محیط اعظم کی شکل میں سامنے آیا، وہ لکھتے ہیں:

''بیدل کو مغلیہ شاہوں کے دارالسلطنت دلی میں رہتے ہوئے کوئی تین سال گذر چکے تھے اور اس میں اس نے سخت درد و اندوہ کے ساتھ اس بات کا مشاہدہ کیا تھا کہ عروس البلاد کی مجلسی زندگی کو متعدد بیماریاں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہی تھیں، اس کو مستقبل کے پردوں میں سے تنزل اور ادبار کے بغیر اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ ہم عصر شعراء سے ناراض تھے۔ کیونکہ ان کے احساسات، رفعت اور حقیقت سے مبرا تھے اور وہ صرف صحیح انداز بیان اختیار کر کے مطمئن ہوجاتے تھے۔ وہ علماء دین سے ناخوش تھے کیونکہ ان کے

دل میں مذہب کے ساتھ خلوص نہیں تھا اور وہ اس بات کو دیکھ کر بہت پریشان ہوتے تھے
کہ طبقہ امراء یعنی حکمراں لوگ بڑے ظالم اور سنگدل تھے۔ اس مثنوی (محیط اعظم) میں وہ
ایک جگہ لکھتے ہیں:

ز دوران گیتی دلم شاد نیست   ز عدلش عیان غیر بیداد نیست
بہ نیرنگ عدلش نظرہا پر آب   بہ بیداد ظلمش جگرہا کباب

خوشحالی اور خود فریبی کا جو ہالہ بچپنے کے خوش آیند حالات کی وجہ سے بیدل کے گرد موجود چلا
آتا تھا۔ اب وہ ایک قلم کافور ہو گیا۔ چونکہ دارالخلافہ دہلی میں وہ نو وارد تھے اس لئے وہاں
کے حالات اور خود بہار کی زندگی کے درمیان انہیں واضح تضاد نظر آیا۔ پستی فطرت اور
زبوں حالی کے اس وسیع نظارہ نے ان کے دل میں انگیخت پیدا کی کہ وہ اپنے معاشرے کی
احیاء کے لئے کوشش کریں اس لئے زندگی بھر وہ بڑے جوش اور انہماک کے ساتھ کوشاں
رہے تا کہ اپنے ہمعصروں کو ہمہ گیر فلسفہ حیات عطا کریں۔" (۱۴۱)

ڈاکٹر عبدالغنی نے مثنوی کی تحلیل و تجزیہ کر کے بلاشبہ حقیقت سے قریب ایک نتیجے پر پہنچنے کی
کوشش کی ہے لیکن بیدل کی جملہ مثنویوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مجموعی طور پر جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ
ہے کہ بیدل کو مکتب فکر کے لحاظ سے سب سے پہلے وحدت الوجودی سمجھنا چاہے اور ایک وحدت الوجودی
شاعر کی حیثیت سے اس کی تخلیقات کا مطالعہ کرنا چاہئے ورنہ اس بات کا امکان ہے کہ نقاد ایسے پہلوؤں
کی طرف متوجہ ہو جائے جو بیدل کے نزدیک ضمنی ہو۔

بیدل کے کلام کا اصل مقصد "وجود یکتا" کو ثابت کرنا ہے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اس
زاویہ سے دیکھتا ہے ہر مشاہدہ اور تاریخی واقعہ سے وہ اسی مرکزی خیال پر پہنچتا ہے اور اس کے لئے ساز
و برگ فراہم کرتا ہے۔ محیط اعظم کے مقدمہ میں بیدل نے ایک قطعہ کہا ہے اس کا آخری بند ملاحظہ ہو:

ز جام مولوی گر جرعہ ات بخشند دریابی   کزیں میخانہ بوی طبلہ عطار می آید (۱۴۲)

"جام مولوی" کا ایک گھونٹ بھی اگر تم کو نصیب ہو تو محسوس کرو گے کہ اس میخانہ "محیط
اعظم" سے طبلہ عطار کی بو آتی ہے۔

"جام مولوی" اور "طبلہ عطار" کیا ہے؟ کیا عرفان اور تصوف کے سوا بھی کوئی چیز ہے۔ بیدل
نے جیسا کہ اس کے حالات کے ضمن میں ہم نے پڑھا اور آئندہ افکار و خیالات کے ضمن میں پڑھیں
گے بڑی حد تک مولوی سنائی اور عطار کے عارفانہ نظریات سے متاثر ہے۔ اس مثنوی کے آخر میں کہتا ہے:

بجیب تحقق ندزدیدہ سر   ز شعر سنائی گریبان مدر

حقیقت کی تہ میں پہنچے یا اس پر غور و فکر کئے بغیر سنائی کا کلام پڑھ کر اپنا گریباں مت چاک کر لے۔

بطرز یقین تا نہ بخشی بوی   بافسانہ نتواں شدن مولوی

جب تک یقین و ایمان کی بو باس تیرے اندر پیدا نہ ہو قصے کہانی سنا کر مولوی جلال الدین
رومی کا مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مولوی درس عطار خواند   مپندار کز وہم و پندار ماند (۱۴۳)

اگر مولوی نے معرفت سے متعلق عطار کے افکار و خیالات کا مطالعہ کیا تو یہ نہ سمجھو کہ محض
مطالعہ کے ذریعہ وہ وہم و پندار کی قید سے آزاد ہو گیا۔

یہ تینوں اشعار بیدل کے قلب و دماغ پر سنائی، عطار اور مولوی کے غیر معمولی گہرے اثرات کی
نشاندہی کرتے ہیں اس لئے اس سے پہلے کہ ہم "میخانہ بیدل" میں قدم رکھیں "شعر سنائی"، "جام مولوی"
اور "طبلہ عطار" کو سمجھنا ضروری ہے اور چونکہ اس قافلے کے پیشرو سنائی ہیں اور اس کا کلام بیدل کے
مطابق اس قدر وجد آفریں ہے کہ آدمی اسے سن کر یا پڑھ کر اپنا گریبان چاک کر لیتا ہے اس لئے سنائی
سے ہم اس کی ابتدا کر کے عطار اور رومی کا ذکر کرتے ہیں۔ "مثنوی نگاری" میں حکمت و پند کے عنوان
کے تحت استاد ذبیح اللہ صفا لکھتے ہیں:

"مثنویوں میں وعظ و نصیحت اور تحقیق و تدقیق کا سلسلہ حقیقت میں سنائی سے شروع ہوا۔ انہوں
نے اپنی تمام مشہور مثنویوں مثلاً سیر العباد، طریق التحقیق اور حدیقۃ الحقیقہ میں جہاں گہرے
عارفانہ نکات بیان کئے ہیں وہیں وعظ و نصیحت اور سماجی رہنمائی کا فرض بھی ادا کیا ہے۔

جس زمانے میں سنائی اپنی عارفانہ مثنویوں کو نظم کا روپ دینے میں مصروف تھے احمد جام
عرف ژندہ پیل نام کے ایک شاعر (متوفی ۵۳۲ھ ۱۱۳۷ء) تصوف پر اپنے چند نثری
رسائل کے علاوہ عارفانہ غزلیں، مثنویاں اور ترانے بھی کہہ چکے تھے۔

چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل میں نیشاپور کا ایک برگزیدہ اور وارفتہ
شاعر فریدالدین عطار (متوفی ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء) نے اپنے شور انگیز لطیف غزلوں اور سادہ
رواں اور سبق آموز مثنویوں کے ذریعہ عارفانہ شاعری کو تمام تر ممکن زور بیان کیساتھ پیش
کیا۔ دیوان قصائد و غزلیات اور ترانہ کے علاوہ منطق الطیر، مصیبت نامہ، اسرار نامہ، الٰہی
نامہ، بلبل نامہ، مختار نامہ کی چند مثنویاں بھی انکی ہیں جن میں سے ہر ایک عہد شاعر تک کی
بہترین اور اہم ترین عارفانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں مثنوی منطق الطیر جو
رمزیہ نوعیت کی ہے اور ۴۶۰۰ اشعار پر مشتمل ہے عطار کی مثنویوں میں سرفہرست اور تاج

کی حیثیت رکھتی ہے اور فارسی زبان کے زندہ جاوید شاہکاروں میں شمار کی جاتی ہے۔
سنائی کا ظہور اور ان کے پیچھے عطار کی آمد ساتویں صدی میں ایک ایسے عبقری اور نابغہ عصر شاعر کی پیدائش کا مقدمہ ثابت ہوئی جس کے کلام میں عارفانہ شاعری اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئی۔ یہ ہیں جلال الدین بلخی جو مولوی وملائے روم کے نام سے مشہور ہیں (متوفی ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء) اور جو دنیا کے عظیم مفکر صوفیوں اور اہل تحقیق و صاحب ریاضت و مجاہدہ حضرات کے پیشوا ہیں۔ عارفانہ مباحث اور تمثیلات کے پیش کرنے، اپنی بحثوں سے نتیجہ اخذ کرنے اور عارفانہ وحکیمانہ نکات کو سادہ وسلیس زبان میں ادا کرنے پر مولوی کو جو توانائی حاصل ہوئی وہ بہت کم شاعروں کو نصیب ہوئی۔ ان کی مثنوی کے چھ دفاتر ہیں، ان میں غزلیات، قصائد اور رباعیات کا دیوان سب کے سب عارفانہ فارسی شاعری کے عالی ترین نمونے ہیں اور بعد کی صدیوں میں بے شمار عارفانہ تصانیف کی ایجاد اور تقلید کا ذریعہ بنے ہیں۔" (۱۴۴)

"شعر سنائی" "طبلہ عطار" اور "جام مولوی" کی خصوصیات کا یہ خلاصہ اور جامع بیان تھا جس کو استاد ذبیح اللہ صفا نے اپنے قلم سے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ مثنوی محیط اعظم کا مطالعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بیدل اپنے عارفانہ افکار وخیالات کے بیان کرنے میں انہیں صوفی شاعروں سے متاثر ہوا اور ان کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے تصوف کے اسی مرکزی خیال "خودشناسی وخداشناسی" کو کم وبیش اپنی تمام مثنویوں میں موضوع بحث بنایا ہے۔ چنانچہ "بادہ عرفان" کے تحت اپنی اسی مثنوی میں کہتا ہے۔

از و عمرہا شد سخن می کنم   دماغی بحسرت چمن می کنم
[اک عرصہ سے اس کو بیاں کر رہا ہوں   تمنا میں دل کو چمن کر رہا ہوں]

اب آیئے "میخانہ بیدل" میں قدم رکھیں۔ بیدل نے اس مثنوی کو آٹھ ادوار یا حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دور اول جوش اظہار خمستان وجود:
(خمخانہ "وجود" کے اظہار کا جوش (کائنات کی آفرینش)۔
۲۔ جام تقسیم حریفان شہود
"شہود" کے حریفوں (مخلوقات) کے درمیان وجود کی تقسیم۔
۳۔ موج انوار گہرہای ظہور۔
"ظہور" کے موتیوں کے انوار کی لہریں۔

۴۔ شور سر جوش شراب بیقصور
آلائش سے پاک شراب کی ابال کا شور۔
۵۔ رنگ اسرار گلستان کمال
گلستاں کمال کے رنگ برنگے اسرار۔
۶۔ بزم نیرنگ اثرہای خیال
"خیال" کے آثار کی نیرنگیوں کی بزم
۷۔ حل اشکال خم وپیچ زبان
زبان کی خم وپیچ کی مشکل کا حل
۸۔ ختم طومار تگ وپوی زبان
زبان کی تگ وپو کے طومار کا ختم ہونا

خم خانہ "وجود" اظہار (آفرینش کائنات) کا جوش۔ اس عنوان کے تحت بیدل نے حقیقت میں حدیث قدسی "**کنت کنزا مخفیا لا اعرف فاحببت ان اعرف**" (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جس کا لوگوں کو علم نہ تھا میں نے چاہا اپنی شناخت اور تعارف کراؤں) کی نہایت دلکش انداز سے تشریح کی ہے۔ "جمال مطلق" ہر قسم کے لوازمات "تعینات" سے مکمل طور پر آزاد تھا اور اس کے اوصاف و اسماء پردہ غیب سے باہر نہیں آئے تھے۔

خوش آندم کہ در بزمگاہ قدم   می بود بی نشہ کیف و کم
منزہ ز اندیشہ حادثات   مبرا ز دود غبار صفات

وہ بھی کیا زمانہ تھا جب "بزم گاہ قدم" میں شراب تو تھی پر کیف وکم (مقدر وکیفیت Quality and quantity) کے نشہ سے آزاد تھی "حوادث" کے اندیشہ سے پاک اور غبار "صفات" کے دھواں سے بری تھی۔

آخر "خم احدیت" میں ابال آیا اور اس نے پردہ غیب سے قدم باہر نکالنا چاہا تا کہ مستوں کو "مے وجود" نوش کرنے کی دعوت دے اور اس طرح اپنا تعارف کرائے۔ اس کی خاطر اس نے لفظ "کن" کا استعمال کیا اور اس طرح "شوخی اظہار ذات" کی نمائش کی۔

کہ آمد خم و احدیت بجوش   بمستاں صلا زد بگلبانگ نوش

اس کے بعد عقول، نفوس اور اجسام کی "سیر تنزلات" کی وضاحت کی ہے یہی مسائل اور موضوعات مثنوی عرفان میں بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

''محیط اعظم کے پہلے دور میں شاعر نے اس وقت کی منظر کشی کی ہے جب خدا کے سوا کچھ نہیں تھا پھر خدا کے دل میں تخلیق کی خواہش کروٹ لی اور کائنات ایک لفظ ''کن'' سے وجود میں آگئی۔ یہ حصہ محیط اعظم کا بہترین جزو ہے۔ یہاں بیدل کی قوت متخیلہ اور قوت متفکرہ نے ایجاد و ابداع کی ایسی فضا قائم کی ہے کہ واقعۃً تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور ہوتا ہے کہ ہم اسی دور قبل از تخلیق میں سانس لے رہے ہیں۔'' (۱۴۵)

دورہ دوم: جام تقسیم حریفاں شہود:

حریفاں شہود (مخلوقات) کے درمیان جام کی تقسیم

اس عنوان کے تحت بیدل نے نہ صرف یہ کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک تمام اولوالعزم پیغمبروں سے وابستہ اہم واقعات کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ان کے واقعات زندگی سے نہایت سبق آموز نتائج اخذ کئے ہیں جو اس کے زور بیان کے ساتھ اس کی ذہنی رسائی، فکری گہرائی اور ژرف نگاہی کی بھی نشاندہی کرتے ہیں اور ہر ایک پیغمبر کے نام کے خاتمہ پر ساقی کو خطاب کرتے ہوئے بیدل خدا سے التجا کرتا ہے کہ اس کے اندر بھی وہ خوبیاں پیدا ہوجائیں۔ یہاں مثال کے طور پر چند اشعار کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

''جمال مطلق'' کی ''سیر تنزلات'' کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل کہتا ہے کہ اس نے اگرچہ عقول ونفوس، عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ کے بعض مراحل طے کرلئے تھے پھر بھی مظاہر قدرت جیسے دریا، پہاڑ، چمن، آگ، پانی مٹی اور ہوا سب اس بات پر حیران تھے کہ ان کے ظہور کا آخر مقصد کیا ہے۔

عیاں شد جہاں لیک پوشیدہ بود ‏ ‏ کہ پیدای خود نفہمیدہ بود

دنیا منصۂ شہود پر جلوہ گر تو ہوگئی تھی پر یہ بات ہنوز صیغہ راز میں تھی کہ اس کے ظہور کا آخر مقصد کیا ہے۔

اسی عالم میں دفعۃً آدم علیہ السلام منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور چونکہ وہ شراب ''وجود'' سے مست تھے اس لئے پہلا لفظ جوان کے منہ سے نکلا الحمدللہ تھا۔ انہوں نے گردوپیش پر نظر ڈالی اور اپنے ظہور سے پہلے کے زمانے کا تصور کیا تو ان کا دل فوراً پیر خرابات (اللہ) کی حمد وثنا میں رطب اللسان ہوگیا اور جب ان کو خلعت خلافت عطا ہوئی تو اس آئینے کا بھاؤ اتنا بڑھا کہ اس کے اندر نازنیں نے خود جلوہ آرائی کی۔

کنوں کار آئینہ بالا گرفت ‏ ‏ کہ آں نازنیں صورت ما گرفت

اس کے بعد آدمؑ کی گندم خوری کے قصے کا تذکرہ کرتے ہوئے قارئین کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کراتا ہے کہ یہ بات اگرچہ سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ آخر کس طرح شجر ممنوعہ کی طرف بڑھے، اسے استعمال کرلیا اور اس عیب کو ہنر سمجھا پھر بھی جو آدمی ''بادہ وفا'' سے مست ہو وہ خطا سے پاک ہوتا ہے اور جس کو پیر مغاں نے برگزیدہ بنایا اس سے اگر گناہ بھی سرزد ہوجائے تو اس میں بھی اس کو ہدایت کے کسی پہلو کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

اگر گندمش راہزن شد چہ باک ‏ ‏ کہ مشت وفا از خطاہاست پاک

گیہوں اگر اس کے لئے راہزن ثابت ہوا تو کوئی اندیشے کی بات نہیں کہ وفادار خطا سے پاک ہوتا ہے۔

کسی را کہ پیر مغاں برگزید ‏ ‏ زعصیاں گلی جز ہدایت نہ چید

جس کو پیر مغاں نے انتخاب کیا وہ عصیاں سے بھی ہدایت ہی کی گل چینی کرتا ہے۔

بود وصف مستان ظلوم و جہول ‏ ‏ کہ گردید سر خوش مستی قبول

(مے عشق الٰہی) کے مستوں کی صفت ہی ''ظلوم جہول'' ہے جو آدمی ''مے عشق الٰہی'' سے مست وسرخوش ہو وہ مقبول بارگاہ ہوتا ہے۔

''جام ادریسی'' کے تحت بحث کے آخر میں نتیجہ نکالتا ہے۔

کمالات موقوف جام دلست ‏ ‏ دو عالم بدیں یک قدح حاصلست

ہر قسم کے کمالات ''جام دل'' سے وابستہ ہیں اس ایک قدح ''پیالے'' کی بدولت دونوں جہاں دستیاب ہے۔

تلاش حقیقت ہمیں است و بس ‏ ‏ کہ گردد کف خاک صاحب نفس

حقیقت کی تلاش بس اسی قدر ہے کہ یہ مٹھی بھر مٹی (انسان) ''صاحب نفس'' (مطمئنہ) بن جائے۔

چو از لوح دل نقش اوہام رفت ‏ ‏ لب ساغرش درس توحید گفت

لوح دل سے جب اوہام کے سارے نقوش مٹ گئے تو اس کے ساغر لب نے توحید کا درس دیا۔

''جام نوحی'' کے زیر عنوان طوفان نوح کے واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد ساقی کو خطاب کرتا ہوا کہتا ہے۔

پل از بستن چشم پیدا کنیم ‏ ‏ مگر از تغافل رہی وا کنیم

آنکھ بند کرکے ہم ایک پل بنائیں شاید اس طرح تغافل (دیدہ و دانستہ خدا سے غفلت

برتتے ہم سے رہائی کا کوئی راستہ نکال سکیں۔

کہ بی چشم بستن ز درد و صفات　　　محالست سیر خمستان ذات

کیونکہ صفات کی تلچھٹ سے آنکھ بند کئے بغیر خمستان ذات خداوندی کی سیر کرنا ممکن نہیں ہے۔

''جام یونسی'' میں یونس علیہ السلام کے مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہونے کے واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد وحدۃ الوجود کے مرکزی خیال کی طرف روئے سخن موڑتا ہے۔

بعرض فروغ چراغان راز　　　شدش بطن ماہی شبستان راز

راز کی روشنی پھیلا کر مچھلی کا پیٹ اس کا شبستان راز بن گیا۔

یقین شد کہ او ہست نزدیک و دور　　　بظلمت ہمان خلوت آراست نور

اسے یقین ہو گیا کہ خدا نزدیک بھی ہے اور دور بھی ہے، اس تاریکی میں بھی وہی روشنی خلوت آرا ہے اس میں اشارہ ہے اس آیت لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کی طرف۔ (تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے میں ہی گنہ گار ہوں)۔

ز یک جلوہ می جوشد ایں دستگاہ　　　تو خواہی ادا گیر خواہی نگاہ

یہ ساری کائنات ایک ہی جلوہ الٰہی سے جوش زن ہے اب تم اسے ادا سے تعبیر کرو چاہے نگاہ سے۔

محیط جہان حیرت مطلق است　　　بہر جازنی غوطہ عین حق است

دنیا کا یہ سمندر سراسر حیرت مطلق ہے جہاں بھی غوطہ لگاؤ گے عین حق نظر آئے گا۔

''جام ابراہیمی'' کے تحت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا تذکرہ کرتا ہے پھر آگ کے الاؤ کے گلزار میں بدل جانے کا واقعہ ذکر کر کے کہتا ہے۔

دماغش چناں گشت زین بادہ گرم　　　کہ بر نار نمرود زد آب شرم

بادہ عشق الٰہی سے اس کے دماغ میں ایسی حرارت اور گرمی آگئی کہ نمرود کی آگ پر اس نے شرم کا پانی چھڑک دیا۔

کمال یقیں گر شود جلوہ گر　　　کند ز اعتبارات رفع اثر

اگر کسی کے اندر کمال یقین پیدا ہو جائے تو وہ اشیاء کے اثرات کو دور کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے شاید اسی شعر کو پیش نظر رکھ کر اس کا منظوم ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

آج بھی ہو جو ابراہم کا ایماں پیدا　　　آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس کے باوجود بیدل کے شعر کو اس لحاظ سے ترجیح حاصل ہے کہ یہ ایک وسیع مفہوم کا حامل

ہے، کمال یقین کا اثر صرف یہی نہیں ہے کہ آگ اپنی طبعی حرارت کو ہاتھ سے دے بیٹھتی ہے اور گلستاں میں بدل جاتی ہے بلکہ ہر چیز اپنی طبعی اثر کو ہاتھ سے دے دیتی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے جب دریا پار کرنا چاہا یا سعد بن وقاص جو عہد صحابہ کے مشہور فوجی کمانڈر تھے جب دریا پار کرنا چاہا تو باوجودیکہ پانی میں غرق کرنے کی خصوصیت ہے اس نے ان کو غرق نہیں کیا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات حضرات انبیاء، صلحا اور اولیاء کے ہیں۔ خود بیدل نے پٹنہ میں دریائے گنگا کو پار کرتے ہوئے شاہ یکہ آزاد کا ایک واقعہ ایسا ہی لکھا ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ اقبال نے ایک دوسرے شعر میں سعد بن وقاص کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اسی جام میں ذبح اسماعیلؑ کے واقعہ سے شیوہ ''تسلیم و رضا'' کی اہمیت واضح کرتا ہے۔

سلامت ز تسلیم آمد بدست　　　رضا برد از سایہ رنگ شکست

ز تسلیم شد شہرہ نقش نگیں　　　بود سجدہ اوج کمال جبیں

''جام یعقوبی'' کے عنوان سے یوسف علیہ السلام کی جدائی میں یعقوب علیہ السلام کے نابینا ہونے کے واقعہ کا حوالہ دے کر عشق کے کرشموں کی درج ذیل طریقے سے وضاحت کرتا ہے۔

چو عشق آورد سیل طوفاں نژاد　　　بشوید از اقلیم بینش سواد

عشق جب طوفاں نژاد سیلاب برپا کرتا ہے تو اقلیم بینش سے سواد عقل کو بہا لے جاتا ہے۔

شود آرزو محو ذوق وصال　　　نماند نگہ جز غبار خیال

آرزو ذوق وصال میں محو ہو جاتی ہے اور نگاہ غبار خیال کے سوا کچھ نہیں رہ جاتی ہے۔

محبت درین پردہ الفت نواست　　　وگر نہ دماغ تعلق کراست

اس پردے میں محبت الفت کی صدا لگاتی رہتی ہے ورنہ تعلق کا دماغ کس کے بس کا ہوتا ہے۔

گہی رحم گاہی جفا می کند　　　محبت ندانم چہا می کند

کبھی رحم کبھی ظلم کرتی ہے۔ محبت جانے کیا کیا کرشمے دکھاتی ہے۔

''جام یوسفی'' کے تحت بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو بہانے سے لے جانے اور ان کو کنوئیں میں ڈالنے کے واقعہ کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ یہ دل ہے جو محبت اور عداوت دونوں کو جنم دیتا ہے اور ہر جگہ فتنہ برپا کرتا ہے۔

دل ایجاد مہر و کین می کند　　　ہمیں فتنہ ہر جا کمین می کند

توجہ، دلیل نگاہ دلست　　　تغافل، شکست کلاہ دلست

کسی امر کی طرف توجہ نگاہ دل کی علامت ہے اور کسی چیز سے تغافل کلاہ دل کی شکست ہے۔

درین کاروان دید یوسف کراست   نگہ یکقلم چون مژہ بر قفاست

اس قافلہ میں یوسف علیہ السلام جیسی بصیرت کس کے اندر ہے۔ نگاہیں سراسر پلکوں کی طرح پیچھے پر مرکوز رہتی ہیں۔

تحیر گرفتہ است چشم شعور   کہ در عین قرب از وصالیم دور

حیرت نے چشم شعور کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے کہ عین قرب میں بھی ہم وصال سے دور ہیں۔

کسی محرم نقد اسرار نیست   ز یوسف متاعی خبردار نیست

نقد اسرار کا کوئی آدمی بھی محرم نہیں ہے یوسف کے متاع کا کوئی خریدار نہیں ہے۔

''جام داؤدی'' کے تحت ان کی آواز جس کو لحن داودی سے تعبیر کیا ہے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

شد از پردہ اش سر حق آشکار   چو از قلقل شیشہ رنگ بہار

ان کے راگ اور نغمہ کے اسرار واشگاف ہوئے جس طرح صراحی کی صدائے قلقل سے بہار کا رنگ وروپ سامنے آتا ہے۔

پھر داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا کے موم کی طرح نرم ہوجانے کے واقعہ کا ذکر کرکے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

چو دودی سر از دل بدر می کند   ازین بیشتر ہم اثر می کند

جب دل سے دھواں اٹھتا ہے تو اس کا اثر اصل دھواں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

اگر سوز در سینہ گیر د محل   درشتی بنرمی نماید بدل

سوزِ عشق اگر سینے میں اپنے جگہ بنالیتا ہے تو سختی نرمی میں بدل جاتی ہے۔

چراغیکہ از برق دل روشن است   گداز دو عالم در و روغن است

دل کی تجلی سے جو چراغ روشن ہے دونوں عالم کا گداز اس کا روغن ہے۔

''جام سلیمانی'' کے تحت سلیمانؑ کی بے نظیر سلطنت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

دمی کاین ہوایت مسخر شود   دلت خسرو ملک دیگر شود

جس وقت یہ ''ہوا'' تیرے کہنے میں آجائے تیرا دل کسی اور ملک کا خسرو بن جائے۔

نفس وزد افسون ما و منت   شود گم سلیمان و اہریمنت

نفس تیرے ''ما و من'' کے جادو کا چور ہے نیز تیرے سلیمان اور اہرمن دونوں اس میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔

نوائی است در پردہ دل نہان   کہ این گرد وامانده از خاکدان

دل کے پردہ میں ایک آواز نہاں ہے کہ یہ گرد خاکدان (جس میں مٹی ڈالی جائے) سے الگ رہ گئی ہے۔

پر افشاں و بر باد رو یکنفس   سلیمانی اینست وباقی ہوس

اڑو اور ہاتھ پیر مارو تھوڑی دیر کے لئے ہوا پر چلو یہ سلیمانی ہے باقی ہوس ہے (یعنی خواہش نفس اور ہوا وہوس پر غالب آجاؤ یہ سلیمانی ہے۔)

''جام ایوبی'' کے تحت حضرت ایوبؑ کے صبر وضبط کا واقعہ بیان کر کے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ تن آسانی اور بیدردی دل کی افسردگی اور مردنی کا سبب ہے اس لئے کوشش کرو کہ دل درد آشنا اور ہتھیلی خون آلود ہوجائے۔

کہ بیدردی آثار افسردگی است   تن آسانی افسون دلمرگی است

دل کا درد عشق سے خالی ہونا اس کی افسردگی کی علامت ہے۔ تن آسانی دل کے مرجانے کا سبب ہوتا ہے۔

بیا تا گدازی مہیا کنیم   کف خون شویم وبدل جا کنیم

آؤ سوز وگداز عشق پیدا کریں کف خوں ہوجائیں اور دل میں اپنا مقام بنائیں۔

دل از فیض درد آشیان دواست   جگر از گل زخم دارالشفا ست

دل دردِ عشق کی بدولت ہی دوا کا آشیانہ ہے جگر گل زخم ہی کی بدولت دار الشفا ہے۔

''جام موسوی'' کے تحت تجلی طور کا واقعہ ذکر کرکے خدا کا دیدار حاصل کرنے کے لئے موسیٰؑ کے غیر معمولی ذوق وشوق اور عزم وحوصلہ کی تعریف کرتا ہوا کیا خوب کہتا ہے۔

دل آنجا کہ دامان ہمت شکست   شود طالب آنچہ نیاید بدست

جہاں ہمت کے دامن کو شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے وہاں دل ایسی چیز کا طالب ہوتا ہے جو بہ سہولت ہاتھ نہیں آتا۔

بہمت رہ طور معنی گرفت   قدح از ہوای تجلی گرفت

اپنی ہمت وحوصلہ سے انہوں نے طور معنیٰ کی راہ لی اور خواہش تجلی کا پیالہ اٹھایا۔

دگر آرزوہا خیال است وبس   تمنا ی مشتان وصالست و بس

مستوں کی ساری تمنا تو بس وصال یار ہے باقی آرزوئیں خواب وخیال کی باتیں ہیں۔

اس واقعہ کے بعد توحید بلکہ وحدت الوجود کے نظریے پر پہنچتا ہے جو مجموعی طور پر بیدل کے کلام کا مرکزی خیال ہے۔

بدرس یقینش ز اسرار نور
نمودار گردید برقی ز دور

اس کے یقین وایمان کے درس کے طور پر اسرار نور کی ایک بجلی دور سے کوندی۔

که آئینه اعتبارات هوش
از آنجلوه رنگی نیابد، خموش

اس جلوے سے اعتبارات ہوش کا آئینہ یعنی ''عقل'' کوئی جھلک نہیں پاسکتی اس لئے خاموش رہ۔

نخستین سرو برگ هستی بسوز
دگر شمع آن انجمن بر فروز

سب سے پہلے اپنی اس ''ہستی'' کا ساز وسامان جلا ڈال اور نام ونشان مٹادے اس کے بعد اس انجمن کی شمع روشن کرو۔

چون نتوان بدین برق بگداختن
به آن نور ممکن مدان ساختن

اس برق سے جب تیری ہستی میں گداز نہیں پیدا ہوسکتا ہے پگھلنا ممکن نہیں تو اس نور سے ہماہنگی ممکن نہیں۔

نمودند بیرنگ آهنگ را
که گر طالبی بشکن این رنگ را

اس ''آہنگ'' کو رنگ سے آزاد کر کے دکھایا کہ اگر واقعی تو طالب صادق ہے تو اس رنگ ''ہستی'' کو توڑ دے۔

و لیکن زمانیکه آنجا رسی
تو پیدا نه ای تا باو وارسی

لیکن جب تو وہاں پہنچ چکے گا تو تیری ہستی کا نشان وپتہ باقی نہ رہے گا۔

باو غیر او کس نخواهد رسید
خوش آندل کزین جستجو آرمید

اس تک اس کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ دل کیا ہی اچھا ہے جو اس جستجو سے باز آگیا۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قصبہ آرہ میں شاہ یکہ آزاد کی خدمت سے جب بیدل استفادہ کر رہا تھا تو انہوں نے اسے ہدایت کی کہ مثنوی مولوی کے درج ذیل اشعار پر غور کرے تاکہ اسرار وحقائق کے دروازے اس پر کھل جائیں۔

این توئی ظاهر که پنداری توئی
نیست اندر توئی تو از بی توئی

یہ ''تو'' واقعی تو ہے یا بظاہر لگتا ہے کہ ''تو'' ہے تیرے اندر ''تو'' کے سوا کوئی نہیں ہے۔

او تو است امانه این تو که تن است
آن توئی کز برتر از ما و من است

وہ ''تو'' ہے لیکن یہ ''تو'' نہیں جسے جسم سے تعبیر کرتے ہیں تو وہ ہے جو ''ما و من'' کے حدود سے پرے ہے۔

توئی تو در دیگری آید دفین
من غلام مرد خودبین چنین

تیرا تو دوسرے کے اندر گم ہو کر رہ گیا ہے میں ایسے خود بیں آدمی کا غلام ہوں۔

بیدل نے خود ہی اعتراف کیا ہے:

''بمواظبت حضور معنیش مشق حیرتی بکمال رسانیدم و بمحافظت اسرار حقیقتش ورق نفسی بخاموشی گردانیدم۔'' (۱۴۶)

اس کے معنی پر لگاتار غور وفکر کر کے مشق ''حیرت'' کو میں نے نقطہ کمال پر پہونچا دیا اور اس کے اسرار وحقیقت کی نگہداشت کر کے ورق نفس خاموشی سے پلٹنے لگا۔

یہاں تجلی طور کے واقعہ سے جو نتیجہ اس نے اخذ کیا ہے اس میں مولانا روم کے افکار وخیالات کا پورا عکس نظر آتا ہے کیونکہ اس موضوع پر اس کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جمال مطلق'' تک رسائی اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب ''تعین'' یا ''تو اور منی'' کا لباس اتار پھینکیں اور خود کو اس کی ہستی میں اس طرح گم کر دیں کہ اپنے وجود کا ادراک اور احساس بھی صفحہ قلب پر باقی نہ رہے کیونکہ وہ باقی ہے اور ہم فانی ہیں وہ بے نشان ہے اور ہم نشان ہیں لہذا فانی کس طرح باقی تک پہنچ سکتا ہے۔ موسیٰ کے واقعہ سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

''جام عیسوی'' کے تحت عیسیٰ علیہ السلام کی جھاڑ پھونک سے زندہ اور اچھا ہونے کے واقعہ کا حوالہ دے کر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے۔

در آئینه وضع قدرت نمود
باین رنگ تمثال تحقیق بود

ان کے آئینہ میں قدرت کا کرشمہ نظر آیا اور اس انداز سے وہ تمثال تحقیق گویا ہوا۔

که ای بیخودان حضور قدم
مباشند غافل ز اسرار هم

اے حضور قدم (خدا کے وجود کے نشہ) سے بیخود لوگ اسرار ورموز سے غفلت نہ برتیں۔

جهان امتحانگاه یکتائی است
محل ظهور شناسائی است

دنیا خدا کی وحدت ویکتائی کی آزمائشگاہ اور اس کی معرفت وشناسائی کے ظہور کا مقام ہے۔

(یعنی کائنات کی ہر چیز اس کی قدرت ووحدت کی نشانی اور معرفت کا ذریعہ ہے۔)

علمهای نار و اثرهای نور
بقدر یقینهاست صاحب حضور

نور ونار کے آثار وعلامات بھی یقین وایمان کے بقدر رونما ہوتے ہیں۔

اس کے بعد چوتھے آسمان پر ان کے اٹھائے جانے کے واقعہ کو بیان کر کے نصیحت کرتا ہے کہ آزادمنشی اور وارفتگی کا شیوہ اختیار کریں۔

ز آزادگی ہر کہ یابد نشان — نگیرد تعلق باین خاکدان

جس آدمی کو وارفتگی اور آزادمنشی کی اہمیت معلوم ہوجاتی ہے وہ اس خاکدان (دنیا) سے قلبی وابستگی نہیں رکھتا ہے۔

سبکروحی آنجا کہ شد شمع راہ — فلک سیری آسانتر است از نگاہ

جہاں سبکروحی شمع راہ بن جائے وہاں آسماں کی سیروسیاحت کرنا نگاہ کی رفتار سے بھی زیادہ آسان ہوجاتا ہے۔

جہانی شد از نارسائی ہلاک — فلک بود اگر بال می داشت خاک

دنیا اپنی نارسائی کی بدولت تباہ و برباد ہوئی اگر خاک کو بال و پر ہوتا تو وہ بھی فلک ہوتی۔

آخر میں ''جام محمدی'' پر پہنچتا ہے اور آقای دوجہاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اپنا تمام تر زور بیان صرف کرتا ہے، شاعرانہ صلاحیت ولیاقت اور مہارت وقدرت کو کام میں لاتا ہے اور آپ کے کمالات کو شمار کرتا ہے گویا عشق رسول میں دیوانہ ہوگیا ہے۔ یہ جام اس لائق ہے کہ اس کے ہر شعر کو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا جائے لیکن اطناب سے بچنے کی خاطر صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

درین دور چون نوبت آں نبید — بآن صاحب بزم وحدت رسید

اس دور میں جب اس (شراب عشق الٰہی) کی نوبت اس صاحب بزم وحدت (محمد ﷺ) تک پہونچی ہے۔

نبوت، شراب خمستان قدس — ہدایت، نسیم گلستان انس

''نبوت'' خمستان قدس (ذات الٰہی کے خم خانے) کی شراب ہے اور ''ہدایت'' گلستان انس (باغ انسانیت) کی بادنسیم ہے۔

''محمدؐ'' شہ محفل قدس ذات — محیط خم ہستی کاینات

محمدؐ (اللہ کی) ذات قدسی صفات کی محفل کے بادشاہ ہیں۔ کائنات میں خم ہستی کے محیط ہیں۔

ز لفظ 'محمدؐ' گر آگہ شوی — ادا فہم الحمد للہ شوی

لفظ محمد کی ترکیبی ساخت اور اہمیت سے اگر تم واقف ہوجاؤ تو الحمد للہ کے ادافہم بن جاؤ۔

کمالش بر افگند بر روی ذات — ز اسم محمد نقاب صفات

اس کے کمال نے اسم محمد کے نام سے ''صفات'' کا نقاب اس ذات پر ڈالا۔

پھر آپ کے کمالات سے اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کی ذات تقدس مآب پر دیوانہ وار نچھاور ہے۔ کہتا ہے۔

جنون می کنم از کمالش مپرس — ز خودی روم از خیالش مپرس

ان کے کمالات کے بابت مجھ سے نہ پوچھو۔ ایک جنونی کیفیت مجھ پر طاری ہورہی ہے میں ان کے تصور میں مست وبیخود ہوا جارہا ہوں۔

اگر ذرہ گر آفتابیم ما — ز نور محمد کبابیم ما

ہم چاہے ذرہ بے مقدار ہوں چاہے آفتاب عالمتاب نور محمدی سے استفادہ کر کے کباب ہو رہے ہیں۔

اس کے بعد جام صدیقی، جام فاروقی، جام ذوالنورین و جام مرتضوی کے عنوان سے ہر ایک خصوصیات کو نہایت دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔

آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتا ہے ولایت کا سلسلہ آپ ہی سے چلا ہے اگر ولایت اور نبوت کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اسی قدر معلوم ہوگا کہ جو باطن تھا اس کو نبوت اور جو ظاہر ہے اس کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبوت بطون و ولایت ظہور — جمال و جلال دوعالم حضور

نبوت باطن کا نام ہے تو ولایت ظاہر کا دونوں جہاں کا جلال و جمال آپ کی ذات میں اکٹھا ہوگیا۔

می را کہ شخص نبوت چشید — در آخر بشاہ ولایت رسید

(عشق الٰہی کی) جس شراب کو نبیؐ نے چکھا تھا بالآخر وہ شاہ ولایت تک پہنچی۔

کہ میخانہ معرفت مصطفیٰ است — در رحمتش جبہہ مرتضی است

علوم ومعرفت کا میخانہ اگر جناب رسول خدا ﷺ کی ذات گرامی ہے تو آپ کی رحمت کا دروازہ حضرت علی مرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ کی پیشانی ہے۔ اس میں حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا کی طرف اشارہ ہے۔

دور سوم: موج انوار گہرہای ظہور:

(ظہور کائنات کے موتیوں کی موج انوار)

درج بالا عنوان کے تحت بیدل کہتا ہے کہ مظاہر طبیعت وقدرت کی ہر چیز ساغر ''وجود'' کے بادہ

سے مست ہے اور ساری موجودات کے ساز سے وہی ایک نغمہ بلند ہو رہا ہے۔

چہ سنگ و چہ گوہر چہ نار و چہ نور　　بہر ساز شور دو عالم ظہور

کیا پتھر کیا موتی کیا نور کیا نار ہر ایک کے ساز سے دونوں جہاں کے ''ظہور'' کا شور برپا ہے۔

اس کے بعد عوام کے افکار و خیالات کو موضوع سخن بنا کر کہتا ہے کہ صرف وہی ایک شراب تھی جس کا نشہ سارے انسانوں کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس شراب کا مختلف انداز سے دور چلایا اس کے نتیجے میں بھانت بھانت کے خیالات ان کے اندر پیدا ہوئے جو ہر طبقے کے رگ و پے میں بھنگ کی طرح سرایت کر گئے۔ کچھ لوگ ظاہر پرست اور کچھ باطن پرست ہو گئے اس طرح افکار و عقائد کی اساس پر بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔

عقاید خیالات نیر نگ ریخت　　در آب گل این و آن بنگ ریخت

اس کے بعد ''کیفیت نقص و کمال'' کے زیر عنوان اعتدال اور میانہ روی کی روش کی اہمیت کا ذکر کرتا ہے۔

خوش آنسر کہ گرم کم وبیش نیست　　فضولی اگر ہست تشویش نیست

اس دماغ کے کیا کہنے جو کم وبیش کے درپے نہیں رہتا ہے اگر وہ فضولی بھی ہے تو اسے تشویش نہیں لاحق ہے۔

گہر داشت بر جام قسمت نظر　　نیفتاد چشمش بجام دگر

گہر کی بس اپنی قسمت کے جام پر نظر تھی کسی اور جام پر اس کی نظر نہیں پڑی۔

بیک قطرہ می داد تسکین خویش　　شد آئینہ جام تسکین خویش

اس لئے ایک ہی قطرہ سے اسے تسکین حاصل ہوگئی اپنی تسکین کا وہ خود آئینہ بن گیا۔

بقسمت کسی گر قناعت کند　　چرا ساغر عافیت بشکند

اگر کوئی اپنی قسمت پر قناعت کرے تو اپنی عافیت کا ساغر اسے توڑنے کی نوبت کیوں آئے۔

اور منصور حلاج کی روش کے مقابلے پر جناب رسول اللہ ﷺ نے اس بادہ کو اگرچہ ہر لحہ وہر آن نوش کیا پھر بھی دامن اعتدال ہاتھ سے نہیں دیا نشے اور خمار کی کیفیت ان پر طاری نہیں ہوئی۔

محمد ز بزم حضور قدم　　گرفتی ہزاران قدح دمبدم

محمدؐ نے ''حضور قدم'' کی بزم میں دمبدم ہزاروں قدح نوش کئے۔

بہر ساغرش محوی قیل وقال　　می آبروی دو عالم کمال

ان کے ہر ساغر میں قیل وقال اور چون و چرا محو ہو کر رہ گیا۔ وہ بادہ دو جہاں کمال کی آبرو کا ہے۔

ولی بود فارغ ز کیف وخمار　　بہ آہنگ این نغمہ بی اختیار

لیکن نشے و خمار کی کیفیت سے فارغ تھے اس نغمہ کے آہنگ میں انہیں کوئی اختیار نہ تھا۔

کہ من رنگ تحقیق نشنا ختم　　بحسن کماہی نہ پر داختم

کہ میں ''تحقیق'' کا رنگ نہیں پہچان سکا حسن کی طرف جتنی توجہ کرنی تھی نہیں کر سکا۔

گفتگو کا سلسلہ مختصر کر کے کہتا ہے کہ اس شراب کو مے نوشوں نے اپنے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق کم وبیش پیا کچھ نے دامن اعتدال ہاتھ سے دیدیا اور کچھ کے پاؤں اعتدال کے دائرہ سے باہر نہیں ہوئے۔

بہر ظرف جوشیست در خور خویش　　نزیبد کسی راز مقدار بیش

ہر ظرف میں اس کی وسعت و گنجایش کے مطابق جوش و ابال ہے کسی کو ضروری مقدار سے زیادہ پینا مناسب نہیں۔

چو فرعون جام رعونت کشید　　بموسیٰ طرف گشت و آفت کشید

فرعون نے جب نخوت و رعونت کا جام نوش کیا تو موسیٰ علیہ السلام کا دشمن ٹھہرا اور مصیبت میں گھرا۔

ہماں می کہ بر ہوش موسی فزود　　بفرعون و ہامان ضلالت نمود

جس شراب سے موسیٰ کی عقل و دانش میں اضافہ ہوا اس نے فرعون وہامان کو گمراہی میں مبتلا کر دیا۔

کفر و اسلام کے درمیان میں جو اختلاف ہے بیدل نے یہاں اس پر بحث شروع کر دی ہے۔

راقم السطور نے پانچویں باب میں ''کفر و اسلام'' کے زیر عنوان اس پر الگ سے بحث کی ہے یہاں بیدل نے نظریہ وحدت الوجود اور وحدت و کثرت کو ثابت کرنے کے لئے ایک بوڑھی عورت اور حضرت جنیدؒ کا واقعہ بیان کیا ہے جو انشاء اللہ مذکورہ باب میں پڑھیں گے۔

اس سلسلے میں بیدل آسمان وہلال، ہوش وجنون، بیان وخموشی، نفس ونظر غرض سب کو اسی بادہ وحدت سے مست قرار دیتا ہے۔ اشیاء کے راز سے ہماری محرومی کے اسباب کی تحلیل کرتا ہوا کہتا ہے کہ ہم صرف اپنے گرد وپیش کو دیکھتے ہیں لیکن کبھی خود اپنی ذات پر نظر نہیں ڈالتے اور خودی وخود شناسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

ازاں محرم راز اشیا نہ ای　　کہ یک چشم بر روی خود وانہ ای

اشیاء کے راز ہائے سربستہ سے تم اس لئے محرم اور واقف نہیں ہو کہ ایک نگاہ بھی خود اپنی شخصیت پر نہیں ڈالتے۔

اس لئے وہ نصیحت کرتا ہے کہ اپنے مقام کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی توجہ خود اپنی شخصیت پر مرکوز کرو اور اپنی نگاہ کو ہرزہ گردی اور آوارہ گردی سے بچاؤ۔ اس کے بعد ایک حکایت کے ضمن میں ساقی سے اس بات کا خواہاں ہے کہ خودی کو انانیت کے احساس سے نجات دے کیونکہ اس کا احساس اس کی روحانی ترقی اور پیشرفت میں مانع ثابت ہوتا ہے۔

بہر سو روم ہستیم رہزن است   کنون چارہ من ز خود رفتن است

جدھر جاتا ہوں میری ہستی (انانیت کا احساس) میرے لئے رہزن ثابت ہو رہی ہے اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ بیخود ہو جائیں۔

ضمنی طور پر مے، میخانہ، مینا، ساغر، خم اور مستی وغیرہ رمزیہ الفاظ سے جن کو اس ساقی نامہ میں اس نے استعمال کیا ہے اپنی مراد کی توضیح کرتا ہے۔

چہ میخانہ؟ ''اقبال صاحبدلان''
میخانہ کیا ہے؟ صاحبدل حضرات کی توجہ ہے۔
چہ خم؟ ''گرمی باطن مقبلان''
خم کیا ہے؟ مرض عشق میں گرفتار حضرات کے دل کی گرمی۔
چہ مینا؟ ''دل صاف ارباب ہوش''
مینا کیا ہے؟ ہوشمند حضرات کا صاف وشفاف دل۔
چہ ساغر؟ ''لب عارفان خموش''
ساغر کیا ہے؟ خاموش اور مہر بلب عارفوں کا لب۔
چہ مستی؟ ''تب تاب انوار عشق''
مستی کیا ہے؟ انوار عشق کی چمک دمک۔
چہ مے؟ ''شعلہ رنگ اسرار عشق''
شراب کیا ہے؟ اسرار عشق کا رنگ ہے۔

ازان می نمی گر بکامم رسد   چو ساحل محیطی بجامم رسد

اس شراب کی نمی اگر میرے حلق میں پہنچ جائے تو ساحل کی طرح ایک سمندر میرے جام میں آ کر سما جائے۔

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ محیط اعظم درحقیقت ایک رمزیہ مثنوی ہے شاید اسی بناپر استاد صلاح الدین سلجوقی رقمطراز ہیں:

''ساقی نامہ بیدل کہ بنام مثنوی محیط اعظم بجایش ذکری شود ہنوز از باقی ساقی نامہ ہا بلند تر و عمیق تر است زیرا آن یک بعد چہارمی نیز دارد کہ بمعرفتش ذکری شود و ما بپاس خاطر بیدل نمی خواہم کہ نام ساقی نامہ را بر آن مثنوی بگذاریم و این مثنوی را کنون فقط از روی شکل آن دادہ ایم۔ مولانا جلال الدین محمد اساس این نہضت را گذاشتہ بود و بلکہ ہمت مولانا از ین بلند تر بود و اومی خواست ہر دو نہضت را بیک وقت تہ دامنی گذاری کند و ازین است کہ اساس نہضت فکری را در کتاب جاوید خود مثنوی گذاشت۔'' (۱۴۷)

بیدل کا ساقی نامہ جس کا تذکرہ مثنوی محیط اعظم کے نام سے اپنی جگہ پر ہوگا، اس کا شمار آج بھی بلند اور عمیق ترین باقی ماندہ ساقی ناموں میں ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک چھوتھے بعد کا بھی حامل ہے جو اس کی معرفت کے سلسلے میں ذکر کیا جاتا ہے اور بیدل کی خاطر ہم اس پر ساقی نامہ کا لیبل نہیں لگانا چاہتے ہیں اس مثنوی کو محض اس کی ظاہری شکل کی رو سے یہ نام دیا ہے۔

مولانا جلال الدین محمد نے اس تحریک کی بنیاد رکھی بلکہ مولانا کی ہمت کہیں بلند واقع ہوئی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان دونوں تحریکوں کو بیک وقت فروغ دیں اور اسی وجہ سے فکری تحریک کی بنیاد انہوں نے اپنی زندہ جاوید کتاب مثنوی پر رکھی۔

دور چہارم: شورسر جوش شراب بے قصور:

ایسی شراب جس میں کسی قسم کی کوئی خامی اور کمی نہ ہو کے ابال کا شور

درج بالا عنوان کے تحت بیدل خدائے تعالیٰ کی ذات والا صفات کو موضوع بحث قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ دنیا اس کی تجلی گاہ ہے اور اس کے جو صفات مثلاً علم، حیات، قدرت، ارادہ موجودات میں نظر آتے ہیں سب صفات خداوندی سے مستعار ہیں۔ اس سلسلے میں اس نے کل وجز کی بحث بھی چھیڑ دی ہے۔ راقم السطور نے پانچویں باب بیدل کے افکار وخیالات میں اس پر الگ سے بحث کی ہے۔

اس کے بعد شراب الٰہی کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے کہ اس کے پینے کے بعد انسان اسلام اور کفر اور مسلمان و برہمن میں باہم کوئی فرق نہیں کرتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک کرتا ہے گویا وہ شراب درحقیقت صلح کل کی ہے اس موضوع پر بھی الگ سے پانچویں باب میں بحث کریں گے۔ اس لئے یہاں اس پر بحث سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ بیدل مزید کہتا ہے کہ ایک طویل عرصہ سے اسی شراب کا تذکرہ کر رہے ہیں اور اسی کی آرزو میں اپنے دماغ کو چمن بنا رہے ہیں۔

ازو عمرہا شد سخن می کنم   دماغی بحسرت چمن می کنم

یہاں ہم کو بیدل کی شاعری کے اصل نصب العین کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے خود کو ''روح دین محمدی'' کا ترجمان بتا کر عشق و عرفان کی شراب کا تذکرہ کیا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے کلام کا بڑا حصہ اس قسم کے افکار و خیالات پر مشتمل ہے شاید اسی حقیقت کی بنا پر سراج الدین علی خاں آرزو لکھتا ہے:

''درسرزمین شعر تمام تخم تصوف می کاشت و بمرتبۂ آشنائی مرتبۂ توحید بود کہ ہجو و ہزل او نیز بی ذوق درویشانہ نبود۔'' (۱۴۸)

شاعری کے میدان میں وہ یکسر تصوف کی تخم ریزی کرتا تھا اور درجہ توحید سے آشنائی کے مقام پر فائز تھا جس کی ہجو و ہزل میں بھی کسی نہ کسی طرح درویشانہ عنصر موجود تھا۔

اس کے بعد چند حکایات کے ذریعہ ذات وصفات کی توضیح کرتا ہے جس پر پانچویں باب میں مفصل بحث ہوگی۔

دور پنجم: رنگ اسرار گلستان کمال: گلستان کمال کا رنگ و اسرار:

اس عنوان کے تحت جو مضامین بیان کئے ہیں وہ درحقیقت آیت "اللہ نور السموات الخ" کی تفسیر ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ ساری کائنات ذات احدیت کی جلوہ گاہ ہے او وہ اسی شراب سے مست ہے اس موضوع پر ''وحدت الوجود'' کے تحت ہم پانچویں باب میں بحث کریں گے۔

جیسا کہ اس دور کے عنوان سے ظاہر ہے بیدل نے کچھ ذیلی عناوین مثلاً کیفیت بہار، کیفیت چمن، کیفیت نمو، کیفیت طراوت، کیفیت سبزہ، کیفیت شگفتگی، کیفیت رنگ و بو، طلب شراب اور کیفیت بہار جنوں وغیرہ کے تحت فطرت کے حسن و جمال کی نہایت دلکش انداز میں تصویر کشی ہے۔ یہاں بیدل کا خامۂ جادو رقم قابل دید ہے اس کا زور بیان قابل تعریف ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ عشق و عرفان کے مسائل کے بیان میں اپنی غیر معمولی لیاقت کا ثبوت دیا ہے بلکہ فطرت کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کی تصویر کشی میں اسی کامل مہارت کا اظہار کیا ہے۔ ''حسن مطلق'' کا سکہ اس کے دل و دماغ پر کچھ اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ اس چمن کی جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے وہی حسن و جمال مطلق اسے دکھائی دیتا ہے۔

زہر برگ گل شوخی آئینہ دار   کہ حسن صفات ازمن است آشکار

پھول کی پنکھڑی سے نمایاں شوخی اس بات کی آئینہ دار ہے کہ میری ذات سے حسن صفات واضح ہے۔

زہر لالہ صد داغ در خون نہان   کہ از نقطہ ذات دارد نشان

لالہ کے اندر سیکڑوں داغ خوں سے لت پت ہیں جو نقطہ ذات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

لیکن فطری مناظر کی یہ ساری داستان سرائی سے مقصد اسی نظریہ ''وحدت الوجود'' کا اثبات ہے۔

جہاں جملہ با این ہجوم صفات   نمودار در ذات خود عین ذات

ساری دنیا اپنی ان تمام تر انبار صفات کے ساتھ ذات خداوندی کے اندر نمودار ہے جو عین ذات ہے۔

کسی راز وحدت بروں سیر نیست   دو عالم دوئی دارد و غیر نیست

''وحدت الوجود'' کے دائرے سے باہر قدم رکھنے کا کسی کے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دونوں جہاں بظاہر دوئیت کے حامل نظر آتے ہیں جبکہ غیر کا کہیں کوئی وجود ہی نہیں۔

زہر چیز این باغ کثرت بہار   ہمان نشہ وحدت است آشکار

اس ''باغ کثرت بہار'' کی ہر چیز سے وحدت کا وہی نشہ آشکارا ہے۔

زیک تار این جملہ آہنگہاست   زیک موج آب اینہمہ رنگہاست

یہ ساری آواز و آہنگ ایک ہی تار سے نکل رہی ہے اور یہ سارے رنگ ایک ہی موج آب سے ظاہر ہو رہے ہیں۔

اس سلسلے میں وہ قارئین کو دل کا پاس و لحاظ رکھنے کی تاکید کرتا ہوا کہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی دل آزاری اور دل شکنی سے بچا جائے۔

زگل تا بدل فرق بی منتہاست   کہ دل ساغر محفل کبریاست

پھول اور دل میں جو نازک ہونے میں برابر ہیں غیر معمولی فرق ہے کیونکہ دل ''محفل کبریا'' کا ساغر ہے۔

تو دل مشکن و ہر چہ خواہی شکن   کہ در غنچہ پیچیدہ اینجا چمن

اور چاہے جو کچھ تم توڑ ڈالو پر دل کو نہ توڑنا کیونکہ یہاں کلی کے اندر پورا چمن سمایا ہوا ہے۔

باین قطرہ گر بوی آفت رسد   محیطی بطوفان کلفت رسد

اس قطرے کو اگر آفت کی ذرا سی بو بھی لگتی ہے تو پورے سمندر میں طوفان آفت کھڑا ہو جائے گا۔

سلسلہ گفتگو طول دیتے ہوئے بیدل زاہدوں کو اپنے تیر و نشتر کا نشانہ بناتا ہے کیونکہ یہ طبقہ بیدل کے خیال میں صاحب دل حضرات کی دلآزاری اور دل شکنی میں اکثر پیش پیش رہا ہے۔ اس سلسلے میں وہ پہلے تو ''زہد وریا'' کے عنوان سے ریا آلود زہد کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس زمانے کے لوگوں نے دین اسلام کو ظاہری آرائش و زیبائش لمبی ڈاڑھی، جبہ و قبا، دستار و عمامہ اور تسبیح و تہلیل میں منحصر کر دیا تھا اور جن کی ظاہری شکل و صورت اور وضع قطع ایسی نہ ہوتی ان کو آڑے ہاتھوں

لیتے تھے۔ بیدل معاشرہ کے اس ریا آلود زہر سے متنفر نظر آتا ہے وہ خصوصیت سے اس دور کے طبقہ زہاد اور امراء کے دینی واخلاقی حالات پر کڑی نکتہ چینی کرتا ہے۔ انشاء اللہ پانچویں باب میں ''زہد وتقویٰ'' کے عنوان سے اس موضوع پر جداگانہ بحث ہوگی۔ یہاں نمونہ کے طور پر اشعار ملاحظہ ہوں:

پر است این زمان شہر و بازارہا   ز بیمغزی ریش و دستارہا

ریش و دستار کی بے مغزی اور کھوکھلے پن سے آج کل شہر وبازار سب بھرے پڑے ہیں۔

سر موی از آدمیت کجاست   جہاں سربسر ریش ویک روستاست

انسانیت سے سرمو بھی انہیں واسطہ نہیں ہے۔ جیسے دنیا سراسر ریش ودستار بن کر رہ گئی ہے۔

درین ورطہ من ہم زدم دست وپا   چو زاہد نمودم بخشکی شنا

اس بھنور میں میں نے بھی ہاتھ پاؤں مارے اور زاہد کی طرح خشکی میں شناوری کی۔

عیان شد بدرس ریا خواند نم   ز اسرار تحقیق وا ماندنم

پتہ چلا کہ ہم کو ریا خوانی کا درس دیا جارہا ہے اور ''اسرار ورموز تحقیق'' سے ہم کو الگ اور دور رکھا جارہا ہے۔

کشادی ز تقوی نشد حاصلم   چو ذکر حق از سبحہ پا در گلم

تقویٰ وپرہیزگاری سے میرے مسائل حل نہ ہوئے یا دل کی گرہیں نہیں کھلیں۔ تسبیح کے ذریعہ ذکر حق کرتے ہوئے ایسا لگا جیسے پاؤں ہمارے کیچڑ میں پھنسے ہوں۔

آخر کے یہ تین اشعار بتاتے ہیں کہ بیدل نے بھی شروع شروع میں ڈاڑھی رکھی تھی یا کم از کم اس دور کے صاحب ریش ودستار زاہدوں کی صحبت میں نشست وبرخاست رکھی تھی لیکن وہ اس نتیجے پر پہونچا کہ یہ سارا اہتمام صرف ظاہر آرائی ہے۔ مذہب اسلام کی روح سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لئے اس نے اسے خیرباد کہا۔

اس کے علاوہ ''خطاب بزاہد'' کے عنوان سے اس نے درپردہ اورنگ زیب کی مذہبی سیاست کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ اسی نے لوگوں کے کیرکٹر پر کڑی نگاہ رکھنے کے لئے محتسبوں کا ایک طبقہ مقرر کیا تھا۔

برو توبہ از دل درستان طلب   شکست آنچہ خواہی زمستان طلب

جاؤ صاحب دل حضرات سے معافی مانگو جس چیز کی شکست مطلوب ہے وہ مستوں کے پاس تلاش کرو۔

بما بیخودان توبہ کی وا رسید   شکست دلی بود بر ما رسید

ہم بیخودوں اور مستوں کو توبہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمارے پاس شکست کا سرمایہ تھا جو ہم کو ملا۔

ز تعمیر ہر چیزیابی نشان   شکستی است ساز ہیولای آن

جس چیز کے اندر تعمیر کا کوئی نشان وپتہ تم کو نظر آئے گا اس کے ساز ہیولا میں شکست وخرابی مضمر ہوگا۔

غالب نے شاید اسی شعر کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی   ہیولی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

اس کے بعد ایک حکایت کے ذریعہ ''شکست توبہ'' کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ شیخ بایزید بسطامیؒ ایک رات عشق سے محو گفتگو تھے خدائے تعالیٰ سے انہوں نے پوچھا: ایسی کون سی چیز ہے جس کو آپ کی مبارک بارگاہ میں پیش کروں۔ جواب آیا۔

ز جنس شکست آنچہ پیدا شود   برین آستان قیمتش وا شود

جنس ''شکست'' کی جو چیز بھی ہو اس آستانے پر اس کی قدر وقیمت ہے۔

اس سلسلے میں بیدل ریا ونمود کو ''زنا'' کا ہم پلہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

بمعنی ریا از زنا نیست کم   اگر بنگری صورت لفظ ہم

معنوی لحاظ سے دیکھئے تو ''ریا'' زنا سے کم نہیں ہے اور اگر غور کیجئے تو صورتاً بھی وہ اس سے ملتا جلتا ہے۔

کسانیکہ مشق ریا کردہ اند   بہ تصحیف نامش زنا کردہ اند

جن لوگوں نے ریا کی مشق کی ہے اس کے نام میں تصحیف کرکے درحقیقت زنا کی ہے۔

بیدل اصل میں ظاہر آرائی کا مخالف نہیں ہے بلکہ وہ منافقت اور دوروئی کا سخت مخالف ہے۔ اسے اخلاص سے محبت ہے اور چاہتا ہے معاشرے کا ڈھانچہ بھی خلوص پر قائم ہو۔

کہ ما را باہل ورع جنگ نیست   یقین عالم شیشہ وسنگ نیست

اہل تقویٰ سے ہماری کوئی جنگ نہیں ہے ایمان ویقین کا مسئلہ ''شیشہ وسنگ'' کی طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ (یعنی دو متضاد چیزوں یعنی خلوص اور ریا کے اکٹھے ہونے کی جگہ نہیں ہے۔)

مگو قدح زہد و ریا کردہ ام   حق مدحی از سر ادا کردہ ام

یہ نہ کہو کہ میں نے زہد وریا کی مذمت کی ہے بلکہ مدح وستائش کا حق ادا کردیا ہے۔

بدل داشتم صافی۔۔آئینہ ای   برون ریختم زنگ آئینہ ای

دل میرا ایک صاف وشفاف آئینہ تھا میں نے آئینے کا زنگ باہر پھینک دیا ہے۔

کہ اہل ریا را درین روزگار — گذشتہ است از شانہ و سر بکار

کیونکہ اس دور میں ریا کاروں کا رویہ شانہ وسر (آرائش ظاہر) سے کہیں آگے بڑھ چکا ہے۔

دور ششم: بزم نیرنگ اثر ہای خیال: ''خیال'' کے اثرات کی بزم نیرنگ:

درج بالا عنوان کے تحت کچھ ذیلی عناوین ہیں مثلاً اہل میخانہ، کیفیت میخانہ، کیفیت جام مینا، صراحی، کیفیت جام و مینا، کیفیت دل، نغمات، قانون، دف، کیفت نے چنگ وغیرہ۔ ان کے تحت بیدل نے ہر ایک کی بعض خصوصیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن صرف ان کی کیفیات اور خصوصیات کے بیان ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ہر ایک سے ''وحدت الوجود'' کا درس لیتا ہے اور نہایت دلکش پیرائے میں اسے قاری کے ذہن کی طرف منتقل کرتا ہے مثلاً ''اہل میخانہ'' کے تحت کہتا ہے۔

ہمہ نسخہ یک سجودند و بس — کمالات تسلیم و باقی ہوس

سارے نسخے صرف ایک سجدے کے اندر سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ تسلیم ورضا کا شیوہ ہی کمال عرفان ہے باقی ہوس ہے۔ یا مینا کے تحت کہتا ہے۔

در اندیشہ اش اصل تا نقش بست — ز فرعش نبالید غیر از شکست

اس کے صفحہ خیال پر جب اصل کے نقوش ثبت ہوئے ''فرع'' سے شکست کے سوا کوئی چیز نہیں ابھری۔

بہ تشویش غیری نشورد سرش — ہم از تخم جوشد شکست برش

اس کے سر میں غیر کی تشویش کا کوئی شور برپا نہیں ہوتا ہے تخم ہی سے شکست جسم ابھرتا ہے۔

صراحی کے تحت کہتا ہے۔

ز صافی چو آئینہ بی غبار — تواں دید راز دلش آشکار

گرد وغبار سے صاف آئینہ کی طرح اس کا دل بھی صاف وشفاف ہے جس میں اس کے دل کے راز پوری طرح عیاں ہیں۔

سراپای او یکدل و یکزبان — کہ ای کج خیالان غفلت نشان

اس کا سراپا وجود ایک دل وایک زبان ہو کر کہہ رہا ہے کہ اے غفلت کے نشے میں چور کج خیال لوگو!

یعالم کہ چون شیشہ رنگ ہواست — ہمیں راستی استقامت نواست

ایک ایسی دنیا میں جو شیشے کی طرح ہوا کا رنگ رکھتی ہے یعنی بدلتی رہتی ہے یہی سچائی اس کی

استقامت وپامردی کی صدا لگا رہی ہے۔

اسی طرح صراحی کی کیفیت سے وہ خلوص وللہیت کا درس لے کر لوگوں کی نماز، سجدہ اور عام عبادات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا کہ کس طرح ان میں ریا ونمود کا دخل ہو گیا اور اخلاص وللّٰہیت سے وہ کوسوں دور ہیں۔

نماز تو بی دیدۂ اشکبار — چو مینای خالیست بی اعتبار

جس نماز میں آنکھوں سے آنسو نہ بہے وہ اس صراحی کی طرح بے اعتنا و بے وقعت ہوتی ہے جس میں شراب نہ ہو۔

اور ''جام و مینا'' کے زیر عنوان ایک حکایت بیان کیا ہے جو درحقیقت قدح اور مینا (پیالہ اور شراب) کے درمیان مکالمہ ہے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ اس محفل میں جو اعیان نظر آتے ہیں وہ حقیقت میں آثار رنگ کی شکست ہیں۔ رنگوں کی کثرت کا سرچشمہ درحقیقت ''احد'' کا عدد ہے اور اس طرح تمام تخیلات (بیدل کے خیال میں موجودات خیال اور وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں) ایک ''موجود'' سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں لیکن ''دوئیت'' اور اثنینیت میں گرفتار ہیں۔ یہ لوگ غفلت نگاہی سے دوچار ہیں۔ یہ وہی ''وحدت الوجود'' کا نظریہ ہے جو ایک مرکزی خیال کی حیثیت سے ہر جگہ غالب نظر آتا ہے۔

کہ اعیان دریں محفل چوں و چند — شکست اثر ہای رنگ ہمند

کہ ''اعیان'' اس کیف وکم کی دنیا میں رنگوں کے اثرات کی شکست ہیں۔

شمار از احد رنگ اعداد ریخت — تخیل ز موجود ایجاد ریخت

''احد'' (ایک) سے شمار کرنا شروع کیا تو اس نے ''اعداد'' کی شکل اختیار کر لی۔ ''شے موجود'' سے تخیل نے ایجاد کا سلسلہ شروع کیا۔

نگہ سوخت از رنگ وضع جہان — ز وحدت برنگی نبردم نشان

دنیا کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ کر نگاہ جل بھن گئی ''وحدت'' کا کسی طرح کوئی نشان نہیں ملا۔

ز بس زنگ آئینہ وحدتست — جہان لفظ یک معنی غفلت است

آئینہ ''وحدت'' پر اس قدر زنگ (مورچہ) لگ گیا ہے کہ دنیا ''معنی غفلت'' کے لئے سمبل بن کر رہ گئی ہے۔

اس سلسلے میں بیدل نے اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور اخلاقی حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور شاید مالی دشواریوں نیز ناقدری سے تنگ آ کر زمانہ کے ہاتھوں اس نے کچھ پریشانیاں جھیلیں اور کلفتیں

اٹھائی ہیں جو اس کے باوجود وہ کسی سے شکوہ نہیں کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ خود کو دنیادار لوگوں کے زمرہ میں شامل نہیں کرتا ہے۔

گرفتم زگردوں دلی شاد نیست ز عدلش عیان غیر بیداد نیست

میں نے مانا کہ آسمان کی ستم رانیوں کی وجہ سے کوئی دل خوش نہیں ہے اس کے عدل وانصاف سے ظلم وستم کے سوا کوئی بات سامنے نہیں آرہی ہے۔

مرا از کہ باید تظلم فروخت کہ بیدادم اندیشہ خویش سوخت

میں کس کے آگے فریاد کروں کہ ظلم وناانصافی نے میری فکر کو نذر آتش کر کے رکھ دیا ہے۔

اگر گشت در مجمر آباد غم دوعالم جگر یک کباب ستم

غم کی انگیٹھی میں اگر دوجہان کا جگر ظلم وستم کی وجہ سے جل بھن کر کباب بن گیا ہے۔

من از دود کلفت فروزم چرا خیال آتشی نیست سوزم چرا

کلفتوں کے دھنواں میں اپنی فکر کو کیوں کر جلاؤں وہ کوئی آگ نہیں کہ اسے دھکاؤں۔

لب گفتگو ہر قدر وا شود خط صفحہ وہم پیدا شود

گفتگو کے لئے جس قدر لب کشائی کی جائے "صفحہ" "وہم" پر خطوط نمایاں ہوتے ہیں۔

نیم از محبان دنیا کہ من دہم شکوہ را دستگاہ سخن

میں دنیادار قسم کا آدمی نہیں ہوں کہ اپنے گلہ وشکوہ پر سارا زور کلام صرف کردوں۔

اگر شکوہ ای ہست از آشنا است ز بیگانہ ساز شکایت خطاست

شکوہ اگر ہے تو اپنوں سے ہے غیروں سے شکایت کرنا ہی غلط ہے۔

اس مقالے کی ابتدا میں ڈاکٹر عبدالغنی کے خیالات نقل کئے گئے ہیں جو شاید اسی قسم کے اشعار پر مبنی نظر آتے ہیں۔ بیدل کے بیان سے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے نتیجہ نکالا ہے ایسا لگتا ہے کہ عہد عالمگیر کے اجتماعی خصوصاً دینی واخلاقی حالات اچھے نہ تھے۔ جبکہ تاریخی کتابیں اس نظریہ کی تائید نہیں کرتی ہیں کیونکہ اورنگ زیب اگرچہ مذہبی سیاست کا قایل تھا اس کے باوجود ملک میں امن وامان قائم کرنے کے لئے اس نے غیر معمولی اور انتھک کوششیں کی ہیں اس لئے بیدل کی یہ شکایت عام حالات سے وابستہ نہیں ہے بلکہ اس نکتہ سے وابستہ ہے کہ دانشوروں کا ایک طبقہ اس کے نظریات وحدت الوجود کے مطابق "انسان کامل" نظر نہیں آتا تھا۔ ایسا انسان جو اسی کی طرح کی "وحدت الوجود" کے راگ الاپے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بیدل نظریہ "صلح کل" کا قایل تھا اور اورنگ زیب ایک ایسی حکومت کا حامی تھا جس کی اساس سراسر احکام شریعت پر استوار ہو۔ بیدل خود کو "حقیقت دین محمدیہ"

(اسلامی روح) کا ترجمان سمجھتا تھا جو اس کے نزدیک انسانیت ومروت، اخلاص وللّٰہیت، ہمدردی و سخاوت اور خاکساری وخدمت خلق وغیرہ سے عبارت تھی، جیسا کہ اس شعر میں جمع کردیا ہے۔

لطفی، امدادی، مدارائی، نیازی، خدمتی ای زمعنیٔ غافل آدم شو بہ ایں مقدارہا

اس نے اپنی ساری صلاحیتوں کو لوگوں میں انہیں اوصاف کے پیدا کرنے میں صرف کردیا تھا جیسا کہ کہتا ہے۔

از پی اصلاح ناہمواری طبع درشت آمد و رفت نفسہا بس بود سوہان مرا

سخت طبع لوگوں کی ناہمواری کی اصلاح کی خاطر سانس کی آمد ورفت میرے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

بہ حسن خلق بیدل تاتواں در جنت آسودن چہ لازم در دل دوزخ نشستن از شرارتہا

حسن اخلاق کی بدولت جب تک جنت میں آرام کرنا ممکن ہے شرارتوں کی وجہ سے دوزخ میں بیٹھنا کیا ضروری ہے۔

جبکہ اورنگ زیب کی ساری توجہ شریعت کے ظاہری احکام کی پابندی کرنے اور کرانے پر تھی۔ جیسا کہ درج ذیل اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

پر است ایں زماں شہر و بازارہا ز بے مغزی ریش و دستارہا
سر موی از آدمیت کجا است جہاں سر بسر ریش و دستارہا است

دونوں میں اختلاف کا یہی سبب تھا۔

بیدل نے "کیفیت دل" کے تحت دل کی خصوصیات اور اس کے کرشموں کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ جیسے وہ ایک زبردست ماہر نفسیات ہو۔ اس موضوع پر پانچویں باب "بیدل کے افکار وخیالات" کے اندر مستقل بحث ہوئی ہے اس لئے یہاں اس کے تذکرے سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ اسی سلسلے میں بیدل نے ایک ہندوستانی بادشاہ کا قصہ بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ دل مختلف قسم کی کیفیات کی آماجگاہ ہے۔ یہ قصہ دلچسپ بھی ہے اور قابل مطالعہ بھی۔ اس کا تذکرہ اپنی جگہ پر ہوگا۔

اس کے بعد قانون، دف اور بانسری سے "وحدت الوجود" کا سبق لیتا ہے اور لطیف وشیریں حکایات کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت کرتا ہے۔

دور ہفتم: حل اشکال خم وپیچ زبان: زبان کے پیچ وخم کی مشکلات کا حل:

یہاں بیدل خود شناسی اور دل شناسی وغیرہ موضوعات پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے کہ مسائل کے حل

وفصل میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کو ''سیر گریباں'' اور ''توجہ بدل'' سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر ''خودی'' کے تحت پانچویں باب میں روشنی ڈالیں گے۔ ضمنی طور پر اس نے جز وکل، مرکب وبسیط اور وحدت وکثرت کی بحث چھیڑی دی ہے اور چند حکایات اور قصوں کے ذریعہ اپنے دعاوی کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس دور کے آخر میں تقلید وتحقیق اور علم وجہل کے موضوعات پر بھی بحث کی ہے جو بہت دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے اور اپنی جگہ پر (پانچویں باب میں) اس کا تذکرہ ہوگا۔

دور ہشتم: ختم طومار تگ وپوی زبان: رنگ وبوئے زبان کے طومار کا خاتمہ:

اس دور میں خاموشی کی اہمیت پر بہت طویل بحث کی ہے۔

۲۔ طلسم حیرت:

طلسم حیرتم و یک نفس قرارم نیست   بآب آئینہ دل سرشتہ اند مرا

[پتلا ہوں میں حیرت کا، کیونکر ہوسکوں مجھ کو   پانی سے مرآت دل کے گوندھی ہے خمیر اس کی]

بکنہ خویش تا نتواں رسیدن   جمال حق چہ امکانست دیدن

(پہنچیں نہ اپنی کنہ کو جب تک مرے یارو   ممکن نہیں دیدار کریں حسن خدا کا)

مثنوی طلسم حیرت، بقول، خوشگو، جامی کی مثنوی یوسف زلیخا کے وزن پر چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں بیدل نے روح کی مزاج کے ساتھ آمیزش کی تفصیلات بیان کی ہے۔ (۱۴۹) بیدل نے اس مثنوی کو ۱۰۸۰ھ/۱۶۷۰ء میں نظم کیا جیسا کہ درج ذیل اشعار سے واضح ہوتا ہے۔

بہ ملک مخترع چون یافت اتمام   چو عالم شد طلسم حیرتش نام

دنیائے تخلیقات میں جب یہ پایۂ تکمیل کو پہونچی تو عالم کی طرح اس کا نام بھی طلسم حیرت ہوا۔

گہی تاریخی عقل زمان یاب   پی تاریخ نظمش بود بیتاب

عقل زماں یاب اس کی تاریخ نظم کرنے کے لئے بیتاب تھی۔

سر اندیشہ ای تا دید در جیب   برون آورد ''گنج'' از ''عالم غیب'' (۱۵۰)

سراندیشہ نے جب گریبان میں منہ ڈال کر غور کیا تو عالم غیب سے ''گنج'' نکالا۔

۱۰۸۰=۷۳-۱۱۰۳

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء میں محیط اعظم کی تصنیف کے بعد بیدل نے بعد کے

دوسال کے دوزان دوسری نظم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ لیکن نواب شکر اللہ خاں کے نام بیدل کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عرصہ سے اس مثنوی کی تخلیق کی فکر میں لگا ہوا تھا اور اس کے ضروری مواد فراہم کر رہا تھا نیز یہ کہ اس کو نظم کا روپ دینے میں کافی زحمتیں اٹھانی پڑیں تا آنکہ رنگیں وخوش آہنگ الفاظ اور بلند اور عالی مضامین کے درمیان کامل ہماہنگی پیدا کرسکا، جبکہ اس کے معاصر شعراء اس میں اتنا کامیاب نہیں ہوئے۔ گویا اس انداز سے اس نے نواب پر اس کی اہمیت روشن کرنی چاہی ہے۔

''درین روزگار جمعیکہ از طراوت رنگ الفاظ نظر را آب می دہند لوح تمیز یک قلم از درک معانی شستہ اند۔ وگروہیکہ بوی فہم معانی کوس تر دماغی می زنند رنگینی نہال عبارات اصلا در نظر انصاف شان نرستہ.........لاجرم ''طلسم حیرت'' بیدل عمریست کہ عبارآتش بہ کنج دقت معانی واخزیدہ ومضامین ہمچنان در غبار الفاظ نفس شوخی وزدیدہ۔ درمعنی گوہریست از غفلت اصحاب تمیز در شکنج عقدہ بی اعتباری۔ وآئینہ ای از بی بصیرتی ارباب نظر کلفت اندود نفس شماری۔'' (۱۵۱)

اس زمانہ میں شاعروں کا ایک گروہ رنگ الفاظ کی تازگی وطراوت کے ذریعہ نظر کو آب وتاب بخشا ہے اس نے ''معانی'' کو درک کرنے سے لوح تمیز یک قلم دھوکر رکھ دیے ہیں اور دوسرا گروہ ''فہم معانی'' کی آرزو میں سرور ومستی کا نقارہ بجاتا ہے، نہال عبارت کی رنگینی کی اہمیت سرے سے ان کی نگاہ انصاف پناہ میں نہیں ہے۔ یہ مثنوی ''طلسم حیرت'' بیدل بلاشبہ ایک عرصہ سے اس کی عبارت ''دقت معانی'' کے گوشے میں پوشیدہ ہے، اسی طرح مضامین الفاظ کے غبار میں شوق سے سانس لے رہے ہیں معنوی طور پر یہ ایک ''گوہر'' ہے جو اصحاب عقل وتمیز کی غفلت سے عقدہ ''بے اعتباری'' کے شکنجے میں پڑا ہوا ہے۔ اور ایک ''آئینہ'' ہے جو ارباب نظر کی بے بصیرتی سے نفس شماری کی زحمت اٹھا رہا ہے۔

مثنوی ''طلسم حیرت'' سے بیدل کا مقصد:

مذکورہ مکتوب سے بیدل کے مقصد کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر اس مثنوی کا خاص موضوع ''عرفان وخدا شناسی'' ہے اور نہایت حسین اور دلکش انداز میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو لوگ صاحب عقل وتمیز ہیں لیکن ان کی ساری توجہ جسمانی خواہشوں کی تکمیل پر مرکوز ہے۔ اچھی غذا، اچھے لباس، اچھے مکان اور بہترین معیار زندگی کی جستجو انہیں کبھی اس بات کی مہلت نہیں دیتی کہ اس کے دائرے سے کبھی بھولے سے بھی قدم باہر نکالیں اور روح کے بابت سوچیں۔ بیدل ایسے لوگوں کو غافلوں کی فہرست میں شمار کرتا ہے۔ لہذا یہ مثنوی ان کے حق میں ایک موتی ہے جو ان کی توجہات کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ''جہاں

غفلت" سے نکال کر "جہاں آگہی" میں داخل کرتا ہے۔

رنگین الفاظ اور نازک معانی کے درمیان کامل ہم آہنگی پیدا کرنے اور خودشناسی و خداشناسی کی پوری طرح وضاحت کرنے میں بیدل نے بلاشبہ کامیابی حاصل کی ہے۔ یہاں اس نے علم تشریح الاعضا، علم الاجسام اور علم نفسیات سے متعلق اپنی معلومات سے پوری طرح کام لیا ہے جو اس کے وسعت مطالعہ اور زبردست قوت حافظہ دونوں کی دلیل ہیں۔ اسی طرح یہ نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اس نے ان معلومات کو کس طرح اپنے اصل مقصد تک رسائی کے لئے وسیلہ بنایا ہے۔

استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"اس مثنوی میں بیدل کا مقصد یہ ہے کہ اس کاروان تعین کو انسان کے جسمانی (اناٹومی، فیزیالوجی، سائکالوجی) شہر و حصار تک پہونچائے۔ بیدل کی تمام دوسری مثنویوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ یہ مثنوی خوبصورت شیریں و دلکش، متین وعمیق اور عالی و بلند ہے اور اسے ایک بےنظیر مثنوی کہا جاسکتا ہے۔ بیدل کو دوسرے شاعروں پر جو برتری حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس کے فن کا اسٹوڈیو تصوف کے لئے ایک روشن مینارہ ہے، علم کے لئے ایک جدوجہد ہے اور فلسفہ کیلئے بھی ایک عمیق اکیڈمی ہے۔ اب تک کوئی شاعر ایسا نہیں پیدا ہوا جو چار دفاتر کو ایک دیوان میں سمادے اور وہ بھی اس توازن کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے حق کو غصب نہیں کرسکا ہے۔" (۱۵۲)

لیکن بیدل کے خط نیز ان تمام مضامین سے جو اس مثنوی میں بیدل نے بیان کئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی مقصد وحدت الوجود کا اثبات، خداشناسی اور خودشناسی ہے اور کاروان تعین کی سیر سیاحت تو ایک ضمنی موضوع ہے۔

اس تخلیق کے پیچھے جو چیز محرک کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی اس کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

"اس مثنوی کے آغاز میں وہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس کا مرکزی خیال اس کے دل میں آہستہ آہستہ پھیلتا چلا گیا۔ ایک رات بستر پر لیٹے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ انہیں کوئی موضوع مل جائے۔ آخر ان کے دل میں ایک خیال نمودار ہوا لیکن ابتدا میں وہ چنداں واضح نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے اس پر توجہات مرکوز کردی اور تصورات میں ڈوب گئے تخیل سے تاثر پیدا ہوا اور بہت جلد الہام کی برقی رو ان کے وجود میں دوڑ گئی۔ اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس مثنوی کے سلسلے میں تخلیقی تجربے کا باعث استغراق تھا۔" (۱۵۳)

ڈاکٹر نورالحسن انصاری تحریر فرماتے ہیں:

"طلسم حیرت میں ایک تمثیلی حکایت بیان کی گئی ہے اور اس کے ذریعہ بیدل نے اپنے عقائد اور خیالات پیش کئے ہیں۔ یہ حکایت بیحد دلچسپ ہے کیونکہ اس کا پس منظر بالکل عام یعنی جسد انسانی ہے۔" (۱۵۴)

جس نے جس طرح اس کو سمجھا اس کے بارے میں اپنے خیال کا اظہار کیا لیکن حقیقت سے نزدیک بات وہی ہے جو خود شاعر کے بیان سے ہم آہنگ ہو۔ بیدل نے اس مثنوی کے آخر میں اس کا نچوڑ اس طرح بیان کیا ہے۔

غرض ہر کس بجام وہم مست است   گمانی دارد و یزداں پرست است

غرض ہر آدمی جام وہم پی کر مست ہے اور اپنے گماں میں وہ خدا پرست ہے۔

ز خود یک لحہ گر فہمیدہ باشی   فروغ ہر دوعالم دیدہ باشی

اگر لحہ بھر کے لئے بھی خود کو سمجھنے کی کوشش کرتا تو دونوں جہاں کی روشنی اسے نصیب ہوتی۔

جہاں یک برقت از نور نگاہ است   تو گر پوشی نظر عالم سیاہ است

دنیا تیرے نور نگاہ کی ایک کوند ہے اگر تو نظر پوشی سے کام لے تو دنیا سیاہ معلوم ہوگی۔

بیدل مناجات، سبب نظم اور نعت سرور کائنات ﷺ کے بعد اس نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ "جمال مطلق" کس طرح اپنے آخری مرحلہ یعنی انسان تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ قارئین کو عالم جسم کی سیر کے بعد جہان دل کی سیاحت کی طرف متوجہ کرتا ہے اس "جمال مطلق" کو اس نے اپنی داستان کا ہیرو قرار دے کر اسے "شاہ تجلہ نشیں اطلاق وتقدس" کے نام سے یاد کیا ہے۔

کہ در ملک تقدس بود شاہی   معلیٰ مسندی عزت کلاہی

کہ ملک تقدس میں ایک بادشاہ تھا جس کا مسند برتر و اعلیٰ اور جس کی عزت بلند و بالا تھی۔

ز اجمالش صفات، اللہ تفصیل   زمتنش نقش امکان شرح تکمیل

اس کا مجمل تعارف صفات سے اور مفصل "اللہ" سے ہے۔ اس کے متن سے "نقش امکان" (کائنات) وجود میں آیا اور اس کی شرح اس کا پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

تنزل گونہ شوخی داشت در دل   کہ نور مہر بر خاک است مایل

اس کے دل میں تنزل (سیر تنزلات) کی نوعیت کی شوخی تھی۔ آفتاب کی روشنی تو خاک کی طرف مائل رہتی ہی ہے۔

غرض اس "شاہ مسند نشیں کشور تقدس" نے تنزل کے مراحل طے کر کے نظم ونسق کیلئے چار عناصر

بطور حاکم اس پر مامور کئے۔ چار عناصر آب و آتش اور خاک و باد کا نام ہے۔ لیکن انسانی جسم میں ان کے نمائندے اخلاط اربعہ ہیں جو صفرا، خون، بلغم اور سودا کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ اخلاط چہارگانہ باہم دست و گریباں رہتے تھے اور ایک دوسرے پر چڑھ بیٹھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ آخر ایک حسین و جمیل لڑکی، جو شوخ و چنچل تھی اور جس کا نام ''مزاج'' تھا ان کے درمیان صلح و صفائی کے لئے آئی اس نے ان کے درمیان اتحاد و یگانگت کا رشتہ پیدا کر دیا۔

پری دختی بہار آن چمن بود   شرر خوئی چراغ آن لگن بود

ایک پری صورت حسین لڑکی جو اس چمن کی بہار، شرر صفت اور اس لگن کی چراغ تھی۔

مزاجش نام و در معنی یگانہ   سراپا خوش و ارکانش بہانہ

اس کا نام ''مزاج'' تھا اور معنوی طور پر وہ یکہ و تنہا تھی وہ سراپا خوش اور اس کے ارکان بہانہ تھے۔

اس پری صورت حسین و جمیل لڑکی نے اس حد تک بادشاہ کا تقرب حاصل کیا کہ ایک دن شاہ موصوف کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی خواہش ظاہر کی اور بادشاہ نے اس کی آرزو پوری کر دی۔

دوسری طرف شاہ تقدس مآب کو اپنے پہلو میں ایک اور شاہ قدس نشان کا سراغ ملا جس کو ''دل'' کہتے ہیں اور اسے اپنے لئے ایک مناسب ٹھکانہ محسوس کر کے اس میں نزول کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ''لاہوت'' اور ''ناسوت'' کا فرق اور ''من و تو'' کا امتیاز جاتا رہا۔

زجوش یکدلی ''من'' ہم ''توئی'' شد   خلل در پردۂ ساز دوئی شد

یکدلی میں ابال ایسا آیا کہ ''میں'' بھی ''تو'' ہو گیا اور ساز ''دوئی'' کے پردے میں خلل پڑ گیا۔

جسم کے قلعہ میں قیام کرنے کے بعد شاہ تقدس مآب نے خود کو دماغ، جگر اور دل کے تین حصاروں میں محصور پایا۔ پہلا حصار دماغ، دس مراحل کا حامل تھا جن سے مراد پانچ حواس ظاہری سامعہ، لامسہ، باصرہ، شامہ اور ذائقہ ہے اور پانچ حواس باطنی حس مشترک، خیلہ، فکر، وہم و حافظہ ہیں۔

ان دس ظاہری اور باطنی حواس کی وضاحت کرتے ہوئے بیدل نے ہر ایک کی خصوصیات پر اس طرح بحث کی ہے کہ گویا وہ اس عضو مخصوص کا طبیب ہو۔ صلاح الدین سلجوقی رقمطراز ہیں:

''ان دس حسوں میں سے ہر ایک کی مستقل عنوان کے تحت اس طرح توضیح کی ہے جو طبیبانہ بھی ہے صوفیانہ بھی طبیعی اور اخلاقی فلسفی کی طرح بھی۔'' (۱۵۵)

اب ہر ایک حواس سے وابستہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سامعہ: ز تحریک لب و وجد دل آگاہ   ندیم راز دار خلوت شاہ

قوت سامعہ کو ہونٹ کے ہلنے اور دل کے کے وجد کرنے کی خبر ہو جاتی ہے۔ شاہ کی خلوت کا رازدار اور ندیم ہے۔

تفاوت امتیاز مغز از پوست   ادا فہم کلام دشمن و دوست

مغز و پوست کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والی دشمن و دوست کے انداز گفتگو کو سمجھنے والی ہے۔

باصرہ: نظر باز تماشا گاہ امکان   بکار جستجوی خویش حیران

قوت باصرہ کائنات کی تماشا گاہ کا تماشائی ہے اور اپنی تلاش و جستجو کے عمل میں حیران و پریشان ہے۔

سراپا سیر اما خانہ پرورد   درون صحنہ لیلای جہاں گرد

وہ سراپا سیر و سیاحت ہوتے ہوئے بھی گھر کی پابند ہے آنگن کے اندر رہتے ہوئے بھی ایک جہاں گرد لیلی کی طرح ہے۔

شامہ: سروکارش گرہ از دل کشودن   بہار خوش دماغی عرضہ دادن

قوت شامہ کا فریضہ دل سے گرہ کشائی کا عمل ہے خوش دماغی کی بہار پیش کرنا ہے۔

دمش با حرف نیک و بد موافق   نفس شمع رہش خون صبح صادق

اس کا دم اچھی بری باتوں سے ہم آہنگ رہتا ہے سانس اس کی راہ کی روشنی ہے۔

ذائقہ: ز شاہاں تا گدا مہمان خوانش   جہان شور نمک پرورد گانش

بادشاہ سے لے کر گدا تک سب اس قوت ذائقہ کے خوان کے مہمان ہیں۔ دنیا اس کے نمک پروردوں کی ملاحت اور نمکینی ہے۔

رواج تلخ و شور از اہتمامش   می لذت شناسی وقف جامش

اسی کے اہتمام سے اس کے تلخ و شور کا چلن ہے لذت شناسی کی شراب اس کے جام کے لئے وقف ہے۔

لامسہ: بنرمیہا چو طبع آب مخلوط   بسرد و گرم ہمچو سایہ مربوط

قوت لامسہ پانی کی طبیعت کی طرح نرمی سے آمیختہ اور سائے کی طرح سرد و گرم سے وابستہ ہے۔

زباندان قماش صوف و سنجاب   ز راز محفل آگہ تا رگ خواب

اون و سنجاب کے کپڑوں کی زبان کو سمجھنے والی۔ رگ خواب تک راز محفل سے واقف ہے۔

حس مشترک: کمالش لفظ و معنی بار کردن   صور را بر خیال اظہار کردن

حس مشترک کا کمال لفظ اور معنیٰ کو باہم دمساز کرنا اور قوت خیال پر صورتوں کو جلوہ گر کرتا ہے۔

از و در عالم وحدت نمائی — دو شمع چشم رایک روشنائی

اسی کی بدولت دنیا میں وحدت نمائی کا سلسلہ ہے۔ آنکھوں کی دو شمع کو ایک ہی روشنی حاصل ہے۔

خیال: چمن ساز نگارستان اسرار — جہانی جلوہ از لوحش نمودار

قوت خیال نگارستان اسرار و رموز کو چمن کا روپ دینے والی ہے اس کی لوح سے ایک دنیا جلوہ افروز ہے۔

بسعی باصرہ از جنس اشیاء — چو کردی صورتی در مشترک جا

باصرہ کی کوششوں سے اشیاء کی صورتیں حس مشترک میں محفوظ کر دیتی ہیں۔

متفکرہ: محیط ہر چہ بیرون از خیالست — کمند آنچہ بی نقش و مثالست

خیال سے پرے چیزوں کو اپنے دائرہ احاطہ میں لانے والی اور بے نقش و بے مثال چیزوں کی کمند کی حیثیت رکھنے والی۔

بترویج عبارات زبانی — ازو زاییدہ ابکار معانی

عبارتوں کی ترویج کے لئے اس کے پاس زبان ہے تازہ بہ تازہ معانی اس سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔

بلوح عقل نظم و نثر معدوم — ز کلک بی نشانش گشتہ مرقوم

لوح عقل پر جو نظم و نثر معدوم تھی اس کے بے نام و نشان قلم سے لکھی گئی۔

خوشگو نے لکھا ہے کہ بیدل علم طب سے بھی ایک حد تک آشنا تھا ان اشعار سے نہ صرف یہ کہ اس کی توثیق ہوتی ہے بلکہ بیدل کی تفصیلی معلومات بتاتی ہے کہ اس کو علم طب، علم نفسیات اور علم الاخلاق میں بھی کافی دسترس تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ خوبصورت، دلکش اور دلآویز انداز میں اس کی تصویر کشی پر بھی اسے قدرت حاصل تھی۔ یہ اس کے لطف طبع اور ذوق سلیم کی ایک علامت ہی ہے کہ قوت ''باصرہ'' کو ''دروں صحنہ لیلای جہانگرد'' سے تعبیر کرتا ہے جو نہایت ہی دلکش ہے اور حسن تعبیر کی انتہا ہے۔

اسی طرح جگر، دل اور جو قوئ ان کے اندر سرگرم عمل ہیں ان کے حصوں کی بھی جداگانہ وضاحت کرتا ہے اور اخلاق اور تصوف کے مختلف پہلوؤں کی شاعرانہ عکاسی اور تصویر کشی کی ہے۔

دوسرا حصن جگر ہے جس کے اندر آٹھ استاد اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

دلیل ہمت فطرت بلندان — عیار دانش دقت پسندان

بلند فطرت لوگوں کی ہمت کی دلیل وقت پسند حضرات کے علم و دانش کا معیار۔

واہمہ: تمیز خیر و شر نقش نگینش — بہر آئینہ چوں حیرت کمینش

قوت واہمہ کا نقش نگیں خیر و شر میں تمیز کرنے والی ہر آئینے میں اس کے حیرت کمیں کی طرح۔

حافظہ: دہم حفظ آن فروغ شمع ادراک — محیط گوہر اسرار افلاک

دسواں قوت حافظہ وہ شمع ادراک کی روشنی اور اسرار افلاک کے موتیوں کا محیط۔

ضمیرش قابل اشیاء مقبول — امین و خازن معقول و منقول

اس کا ضمیر پسندیدہ اشیا کے قابل ہے۔ معقول و منقول کا امین و خزانچی ہے۔

غاذیہ: بدن را اعتدال از انتظامش — چمن را آبیاری ز اہتمامش

اس کے نظم وضبط سے بدن میں اعتدال قائم ہے اس کے اہتمام سے چمن کی آبیاری ہے

نامیہ: دوم نامیہ استاد توانا — در اقلیم بدن سعمار دانا

دوسری قوت نامیہ کہ خود ایک توانا استاد ہے ملک بدن میں ایک دانا معمار ہے۔

مولدہ: غذا با غاذیہ او آشنا کرد — در تعمیر بر نامیہ وا کرد

غذا کو غاذیہ سے اسی نے متعارف کرایا قوت نامیہ پر تعمیر کا دروازہ کھولا۔

مصورہ: ز کلکش در دبیرستان ہستی — ہیولی سر خط صورت پرستی

اس کے قلم کی بدولت ہستی کے دبیرستان میں ہیولی صورت پرستی کا سرخط ہے۔

جاذبہ: از و آمادہ عیش کشور تن — چو از جوش بہار اسباب گلشن

اسی کی بدولت ملک جسم کو عیش و آرام نصیب ہے جسے جوش بہار سے گلشن کے اسباب مہیا ہیں۔

ماسکہ: غذا از جاذبہ ہر گہ گذشتی — بامن آباد او موصول گشتی

غذا جب بھی جاذبہ سے گذرتی ہے تو اس قوت ماسکہ کے امن آباد میں پہنچتی ہے۔

ہاضمہ: در اقلیم بدن معروف و مشہور — بطباخی چو شمع مہر در نور

قوت ہاضمہ کشور بدن میں طباخی کیلئے مشہور ہے جیسے آفتاب کی شمع نور میں۔

دافعہ: سروکارش ز جنس سفلہ و دون — نمودن از سواد شہر بیرون

قوت دافعہ کا تعلق سفلہ اور پست قسم کی جنس سے ہے۔ جس کو سواد شہر سے باہر نکالنا ہے۔

تیسرا حصن دل ہے بیدل نے دل کو ''مرکز پرکار امکاں'' کا لقب دیا ہے یعنی کائنات کو اگر پرکار فرض کریں تو دل اس کا مرکز ہے۔ یہ لقب دے کر وہ کہتا ہے کہ دل جسم کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہے ٹھیک جس طرح کعبہ شریف روی زمین کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ دل پر الگ سے پانچویں باب میں ''سیر دل'' کے زیر عنوان بحث کی گئی ہے۔ اس کا شعر ہے۔

بنای مرکز پرکار امکاں — برنگ کعبہ در ناف بیاباں

اس حصار میں بھی چھ باشندے: امید، خوف، محبت، عداوت، خوشی اور غم سکونت پذیر ہیں۔ بیدلؔ نے ان میں سے ہر ایک کی ایک ماہر نفسیات کی طرح وضاحت کی ہے۔

ساری دنیا امید کے سہارے جیتی ہے جب بھی امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹا زندگی کی شمع بھی بجھ کر رہ گئی کسی اردو شاعر نے کہا ہے:

امید وقت کا سب سے بڑا سہارا ہے — جو امید ہے تو ہر موج میں کنارا ہے

امید: یکی امید کز سر رشتۂ شوق — فگندہ درگلوی عالمی طوق

ایک امید ہے جس نے شوق کا دھاگا ایک دنیا کے گلے میں ڈال رکھا ہے۔

چراغ آرزوہا روشن ازوی — خزان یاس گل در دامن ازوی

آرزوؤں کا چراغ اسی کی بدولت روشن ہے یاس و نومیدی کا خزاں اسی کی وجہ سے گل بدامان ہے۔

از و ہر شبنمی خورشید پیوند — دل ہر قطرہ دریا در گہر بند

اسی کی بدولت ہر شبنم خورشید پیوند ہے ہر قطرے کا دل دریا کو موتی میں سمائے ہوئے ہے۔

خوف: دوم خوف آنکہ دراند یشہ او — شدی اندیشہ ہاہم رشتہ مو

دوسرا خوف ہے جس کے اندیشے کے سامنے سارے اندیشے بال کی طرح باریک اور پتلے ہو گئے۔

خزاں جوش گلزار تمنا — شکست شیشہ امید دلہا

وہ (خوف) گلزار تمنا کے جوش کا خزاں ہے۔ دلوں کی امیدوں کے شیشے کی شکست ہے۔

از و شخص امید از خویش مایوس — پر پرواز با تمہید افسوس

اس کی وجہ سے پر امید شخص کو مایوسی حاصل ہوتی ہے پر پرواز کو اپنی بے پروازی کا افسوس ہوتا ہے۔

محبت:

محبت کے لئے بیدل ''نشہ وجود عالم'' کی خوبصورت تعبیر اختیار کرتا ہے اور بلا شبہ وہ ایک حسین و جامع تعبیر ہے۔ یہ محبت ہی کا نشہ ہے جس نے ساری کائنات کو سرگرم عمل کر رکھا ہے۔ نسلوں کے وجود کا سلسلہ اسی سے برقرار ہے خود اشیاء کے درمیان اشیاء اور انسان کے بیچ ربط کو برقرار رکھنے والا ہے یہی نشہ ہے۔

سوم از اہل دل یعنی محبت — سراپا حلقہ زنجیر الفت

خانہ دل کا تیسرا فرد محبت ہے جو زنجیر دل کا سراپا حلقہ بنا ہوا ہے۔

وجودش نشہ ایجاد عالم — ظہورش جوہر تفصیل آدم

اس کا وجود آفرینش عالم کا نشہ اس کا ظہور تفصیل آدم کا جوہر ہے (یعنی اس کی بدولت انسانی نسل اتنی پھیلی اور بڑھی)۔

دو عالم جرعہ یاب ہستی از وی — دل ہر ذرہ جام مستی از وی

دونوں جہاں اسی کی بدولت شراب ہستی کا جرعہ نوش ہے۔ حتی کہ ہر ذرہ کا دل اس کی بدولت مست و سرشار ہے۔

عداوت:

عداوت کو بیدل نے بجا طور پر ''تشنہ خون دو عالم'' سے تعبیر کیا ہے کیونکہ یہ عداوت کا جذبہ ہی ہے جس نے دنیائے امن و عافیت کو درہم برہم کر رکھا ہے اور انتقام جوئی کے جذبے نے انسان کو سدا مضطرب و بیقرار کر دیا ہے۔

چہارم از مقیمانش عداوت — ز سر تا پا شرار بر تن غیرت

خانہ دل کا چوتھا باشندہ عداوت ہے جو جسم غیرت کے لئے سراپا شرار اور چنگاری کی طرح تباہ کن بنی ہوئی ہے۔

شرار خرمن دل بستگیہا — چون طور آفت پیوستگیہا

دل بستگیوں کے خرمن کی چنگاری ہے طور کی طرح تمام پیوستگی اور جوڑ کے لئے سراپا آفت ہے۔

فساد آہنگ قانون دو عالم — چو نشتر تشنۂ خون دو عالم

دو عالم کے قانون کیلئے فساد انگیز ہے نشتر کی طرح دونوں جہاں کے خوں کے پیاسے ہیں۔

فرح: فرح آن پنجمیں صدر بساطش — چوگل پروردہ آغوش نشاطش

فرح (خوشی) نے جو اس (دل) کے بساط کا پانچواں صدر نشیں ہے آغوش نشاط کی پھول کی طرح اس کی پرورش کی ہے۔

کشاد جبہہ اش دامان صحرا — حضورش موج صد گلشن تماشا

اس کی پیشانی کی کشادگی دامن صحرا کی طرح ہے اس کی موجودگی کا مطلب ہے سیکڑوں گلشن کا دیکھنا۔ کشور دل کے چھٹے باشندہ ''غم'' کو جسم و جان کے لئے تباہ کن کہتا ہے۔

ششم غم در حریم دل کمین داشت — کہ ہمچو نالہ خون در آستین داشت

چھٹا باشندہ ''غم'' حریم دل میں گھات لگائے بیٹھا ہے جس کی آستین میں نالے کی طرح خون موجود ہے۔

خرامش چہرہ امید عسرت   کسوف جوہر خورشید عشرت

اس کی رفتار عسرت و تنگی کیلئے امید کا چہرہ ہے۔ خورشید عشرت کیلئے کسوف و گرہن کا باعث ہے۔

غبار او بہر محفل کہ جا کرد   چو دود ایجاد اشک از دیدہ ہا کرد

اس کی گرد جس محفل میں بھی جمی دھواں کی طرح اس کی آنکھوں کو اس نے اشکبار کر دیا۔

شاہ تقدس مآب نے اس دل میں جو چھ نفر کا مسکن تھا قیام کیا اور ان سے باہمی اتحاد و یکجہتی اور پر امن بقائے باہم کے موضوع پر مشورہ کیا لیکن یہ لوگ طبقے میں بٹ گئے ایک مثبت اور دوسرا منفی۔ عداوت، خوف اور غم نے آپس میں متحد ہو کر منفی طبقے کی تشکیل کی۔ ان کے مقابلے پر امید و محبت اور فرحت نے باہم ملکر مثبت طبقے کی تشکیل کی۔ شاہ موصوف نے منفی طبقے کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ امید، محبت اور فرح کے ساتھ انتہائی خوشی کے ساتھ زندگی گذارنی شروع کی۔

اس کے بعد سودا، صفرا، خون اور بلغم ان چاروں اخلاط نے جن کو حسین جمیل بیٹی "مزاج" نے باہم شیر و شکر کر دیا تھا آپس مین چشمک کرنا شروع کیا اور ایک دوسرے سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح ان کے بیچ ایک شورش برپا ہو گئی۔

طبایع آخر از خود کامی خویش   طبع یکدیگر خوردند چون نیش

اپنی خودغرضی سے طبائع نے ایک دوسرے کو نیش کی طرح کچو کے لگایا۔

زہر آئینہ پیدا شد غباری   زہر دل جوش زد برق شراری

ہر آئینہ سے ایک غبار اٹھا اور ہر دل سے چنگاری سلگتی تھی۔

شاہ تقدس مآب نے بہتیرے چاہا کہ ان کے آپس کی ناچاقی کو دور کر دے اور ان کے درمیان صلح و آشتی اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کر دے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اس وقت ان تین افراد نے جو راندہ درگاہ تھے ان کی باہمی نزاع کا فائدہ اٹھا کر ان کے درمیان "ہیزم کشی" کرنا شروع کیا اور نفرت و عداوت کے شعلوں کو اور بھڑکایا۔ اس کے نتیجے میں کشور دل میں زبردست فساد و بدامنی پھیل گئی جس نے شاہ کو بہت مضطرب اور پریشان کر دیا۔

ہم چو پای فرصت آں سہ غدار   چو چشم فتنہ در پردہ بیدار

وہ تینوں غدار باہم موقعہ کی تلاش میں بیٹھے تھے جیسے فتنے کی آنکھ پردے کے اندر بیدار بیٹھی ہو۔

ہمہ ساغر کش یک بادہ گشتند   بساز انتقام آمادہ گشتند

سب نے ایک ہی قسم کی شراب پی تھی اور انتقام جوئی کے درپے تھے۔

بخود در ماندہ شاہ از بی سپاہی   شکست کار دید از کجکلاہی

سپاہیوں کے نہ ہونے کی وجہ سے بادشاہ خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اپنی کج کلاہی و خودنمائی سے اسے شکست نظر آ رہی تھی۔

اسی اثنا میں تین دوسرے باشندے فرح، محبت اور امید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے ہر طرح سے تسلی دی۔ فرح نے کہا: جہاں پناہ! اگر اجازت دیں تو فرشتہ حسن کو لے آؤں جو ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر دے۔

باحضارش اگر فرمان دہد شاہ   نماند فتنہ را در مملکت راہ

بادشاہ اگر اس کی حاضری کا فرمان جاری کریں تو ملک میں فتنہ و فساد کا کہیں نام و نشان نہ رہے۔

چو حسن آمد ز کلفتہا چہ ننگ است   غبار عالم گل جملہ رنگ است

حسن نے جب قدم رکھا تو کلفتوں کی کیا مجال تھی کہ ننگ و عار کا سبب ہو۔ عالم گل کا غبار سراسر رنگ ہے۔

محبت نے شاہ تقدس مآب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: جہاں پناہ کا اگر حکم ہو تو فرشتہ عشق کے ذریعہ غم کو دور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اگر خواہی رود گرد غم از یاد   توان جست از نم عشق امداد

اگر آپ کی خواہش ہے کہ گرد غم جاتی رہے تو عشق کی نمی سے مدد لی جا سکتی ہے۔

ظاہر ہے حسن و عشق کے فرشتے جب باہم اکٹھے ہوں گے تو خوف و غم کے ٹکے رہنے کا سوال ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

اور آخر میں امید نے شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اس گتھی کو ناخن عقل سے کیوں نہیں سلجھایا جاتا؟

بہر جا عقل در کار آفرینی است   فلا طون طفل مہد خم نشینی است

عقل جہاں کار آفرینی میں مشغول ہو وہاں افلاطون بھی گہوارہ خم نشینی کا طفل ہے۔

غرض بادشاہ تقدس مآب نے ان تین خوش فہم باشندوں کی معروضات سنیں۔ ان کی تجاویز اسے درست معلوم ہوئیں اور انہیں اجازت دی کہ اپنے اپنے فرائض انجام دیں۔

فرشتہ حسن کی خدمت میں پہنچ کر فرح نے اس کی ملاقات کے لئے شاہ کے اشتیاق کا حال بیان کیا اور کہا: اگر تم اس کی مزاج پرسی کیلئے چلو تو ممکن ہے تمہاری توجہ سے اس کی کلفتیں دور ہو جائیں۔

توان کردن در میخانہ ناز   بروی بیدلی از یک نگہ باز

تمہاری ایک نگاہ کرم سے میخانہ ناز کا دروازہ عاشق پر کھولا جا سکتا ہے۔

به پرسش رنج کن پای ترحم　　که زخمش یکقلم گردد تبسم

اس کی مزاج پرسی کے لئے پائے ترحم کو زحمت دیجئے تا کہ اس کا زخم یکقلم تبسم میں بدل جائے۔

لیکن حسن نے بڑی بے اعتنائی سے جوابدیا: روح کو میری اہمیت کا اندازہ نہیں۔ عشق و عقل ہی میری ناز برداری کر سکتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں ہے۔

کجا عشقی که با من شوق بازد　　کجا عقلی که بر فهم نیازد

عشق کہاں ہے جو میرے ساتھ شوق بازی کرے عقل کہاں ہے جو میری فہم پر ناز کرے۔

در آں محفل که چشم آشنا نیست　　فروغ شمع کم از اژدها نیست

جس محفل میں کوئی اپنے جان پہچان کا نہیں ہوتا ہے وہاں شمع کی روشنی بھی اژدہا سے کم خوفناک نہیں ہوتی ہے۔

داستان بیان کرتے ہوئے بیدل کرداروں کی زبان سے ایسے اشعار کہلاتا ہے جو آفاقی صداقت Universal Truth کے حامل ہوتے ہیں۔

جهان از جوهر تحقیق خالیست　　هجوم بی نگاهی نقد حالیست

دنیا جوہر تحقیق (یعنی کسی بات کی تحقیق و تفتیش کر کے حقیقت الامر تک پہنچنے کی ہمت و صلاحیت) سے خالی ہے بے نگاہی (کسی امر پر غور و فکر نہ کرنا) کا ہجوم ہی اس وقت نقد سرمایہ ہے۔

همه چشم و به بینا یش ره نیست　　نصیب نرگستاں یک نگه نیست

لوگ سراسر چشم ہیں پر اس کو دیکھ نہیں پا رہے ہیں نرگستان کے نصیب میں ایک نگاہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

غرض فرح وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہوا۔ اس کے بعد محبت کمال اشتیاق سے فرشتہ عشق کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شاہ تقدس مآب کی آرزو مندیوں کو بیان کر کے اس سے مدد کا خواہاں ہوئی۔

تمنای شه از اظهار بیش است　　چگویم وقت تنگ و کار بیش است

بادشاہ کی آرزومندیاں بیان سے باہر ہیں کیا بتاؤں وقت تنگ اور کام بہت سے انجام دینے ہیں۔

لیکن عشق نے بھی سرد مہری دکھائی اور کہا فرح سے میری نہیں نبھ سکتی کیونکہ جہاں حسن کا سورج ضیا پاشی نہ کرے وہاں سے عشق کو کوئی سروکار نہیں۔

که هر جا مهر حسن جلوه گر نیست　　چو شبنم عشق را بال نظر نیست

جہاں حسن کا سورج جلوہ گر نہیں وہاں شبنم کی طرح عشق کے اندر بال نظر (نظر کا بازو) نہیں ہوتا۔

لگتا ہے ان مکالمات کے پردے میں بیدل درحقیقت سماجی اور اخلاقی قدروں میں رونما

ہونے والی بے اعتدالیوں کی نشاندہی کرنے اور لوگوں کو ان کے دور کرنے کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے جیسا کہ رومی نے کہا ہے۔

خوشتر آں باشد که سر دلبراں　　گفته آید در حدیث دیگران

اس آدمی کا کیا پوچھنا جو عاشق و معشوق کے راز و نیاز کی باتیں دوسروں کی گفتگو کے ضمن میں کہہ جائے۔

یہاں عشق کی زبان سے عشق و ہوس کے درمیان فرق کرنے کے عام رجحان کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے بیدل کہتا ہے۔

هوس را عشق می داند ببازی　　طمع را می شناسد بی نیازی

ہوس کو کھیل کے طور پر عشق سمجھتا ہے حرص و طمع کو بے نیازی سمجھتا ہے۔

هنوزش بوی خالی در دماغست　　چو طفل اشک شیرش در ایاغ است

ابھی تک اس کے دماغ میں عشق کی خالی بو ہے طفل اشک کی طرح اس کا دودھ پیالے میں ہے۔

عشق کہتا ہے کہ میرے بس میں کچھ نہیں ہے یہ تو حسن کی زلف گرہ گیر ہے جس نے میری باگ تھام رکھی ہے اور جہاں چاہتی ہے مجھے لے جاتی ہے۔

سر زلفی بکف دارد عنانم　　برد هر سو که می خواهد کشانم

زلف نے میری باگ تھام رکھی ہے اور جہاں چاہتی ہے مجھے کشاں کشاں لے جاتی ہے۔

فروزد حسن هر جا شمع تمثال　　ز من پروانگیها می زند بال

حسن جہاں بھی شمع تمثال کو روشن کرتا ہے اور اپنا جلوہ دکھاتا ہے مجھ سے پروانہ جیسی فداکاری اور جاں نثاری رونما ہونے لگتی ہے۔

غرض محبت کو بھی ناکام و نامراد واپس ہونا پڑتا ہے تب امید کی نوبت آئی اس نے بادشاہ سلامت کی درخواست برائے مدد عقل کی بارہ گاہ میں پیش کی۔

که ای شمع شبستان حقیقت　　دلیل ره نوردان طریقت

کہ اے شبستان حقیقت کی شمع اور راہ طریقت کے رہ نوردوں کی رہنما!

پیام حسرتی دارم ز شاهی　　غباری از کلفت اندوده های

ایک بادشاہ بلکہ ایک گرد و غبار سے اٹے چاند کی طرف سے ایک پیغام حسرت لایا ہوں۔

کہ اب تیرے سوا کوئی نہیں جو شاہ تقدس مآب کی گتھی کو اپنے ناخن تدبیر سے سلجھائے۔

یہاں بیدل نے عقل کی خصوصیات کی جس طرح تشریح کی ہے وہ ایک طرف اگر اس کی ژرف نگاہی کی نشاندہی کرتی ہے تو دوسری جانب اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر اس کی غیر معمولی قدرت کو واضح کرتی ہے۔

غرض عقل کے حضور امید کی اشکباری رائیگاں نہیں جاتی اور وہ مدد کرنے کو آمادہ ہو جاتی ہے۔

گداز اشک چنداں کار گر بود   کہ ہر یک قطرہ صد طوفان اثر بود

آنسوؤں کی گداز اتنی کارگر ثابت ہوئی کہ ہر قطرے میں سیکڑوں طوفان کا اثر نمایاں تھا۔

برآمد آخر از امید کاری   سرو برگ چراغان شد شراری

امید سے مطلب آخر پورا ہوا ایک چنگاری پورے چراغاں کا سامان بن گئی۔

اور کیا خوب کہا ہے:

دریں حرمانسرا ای ہیچ حاصل   اگر امید نبود وای بر دل

اس حرماں سرای اور لاحاصل دنیا میں اگر امید کا سہارا نہ ہوتا تو دل کا کیا حال ہوتا۔ اسی کے قریب اردو کا ایک شاعر کہتا ہے:

امید وقت کا سب سے بڑا سہارا ہے   جو امید ہے تو ہر موج میں کنارہ ہے

راقم السطور نے امید کے موضوع پر اردو اور فارسی کے بہت سے شاعروں کے کلام کا مطالعہ کیا ہے لیکن بیدل نے جس طرح امید کی زبان سے اس کی وضاحت کی ہے کہیں نظر نہیں آئی اور نہ کسی کے کلام سے یہ لطف ملا۔

غرض عقل نے امید کی درخواست منظور کی اور اخلاق کی فوج کو ساتھ لے کر وہ بادشاہ کی مدد کے لئے روانہ ہوئی۔ بادشاہ سلامت بہت خوش ہوا، اس نے عقل کے حضور میں عرض کیا:

بہر کار یکہ خواہی جان فشانم   بہر راہیکہ گردانی عنانم

جس راستے پر تم لیجاؤ گی اور جدھر میری باگ موڑو گی اپنی جان تم پر نچھاور کروں گا۔

اس کی تدبیر کے نتیجے میں دو بداندیش افراد ''خوف اور غم'' نے جو شاہ کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے راہ فرار اختیار کیا لیکن ''عداوت'' اپنی جگہ سے نہیں ٹلی خصوصاً اس وجہ سے کہ اس کو ''حسد'' کے نام کا ایک معاون حاصل تھا اس کے پاؤں وہاں جم گئے۔ بیدل نے یہاں ''حسد اور عداوت'' کی وضاحت انسانی وجود کو تباہی کے دہانے پر پہونچانے والی بیماریوں کی حیثیت سے نہایت حسین انداز میں کی ہے۔

جہان سوزست برق کینہ ہشدار   مبادا دامن کس گیرد این خار

دھیان رہے کہ کینہ وعداوت کی بجلی دنیا کو جلا کر بھسم کر دینے والی ہے خدا نہ کرے یہ کانٹا کسی

کے دامن سے الجھے۔

شرار کینہ ہر جا شعلہ کارست   اگر کہسار باشد پنبہ زار است

کینہ وعداوت کی چنگاری جہاں بھی روشن ہوتی ہے اگر وہاں پہاڑوں کا سلسلہ بھی ہو تو وہ بھی روئی کے گالے ہو جاتے ہیں۔

چراغ کینہ را افروختن نیست   فروغش یکقلم جز سوختن نیست

اس لئے کینہ وعداوت کے چراغ کو کسی قیمت پر روشن نہیں کرنا چاہئے اس کی چمک کا مطلب جل کر بھسم ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حسد را در ضعیفی سہل مشمار   دم خنجر ز باریکیست خونخوار

بڑھاپے میں حسد کو معمولی بات نہ سمجھنا وہ دم خنجر ہے جو ہر طرح باریکی سے خونخواری کا کام کرتا ہے۔

حسد کے علاوہ ایک اور معاون ''مرض'' بھی اس نے ڈھونڈ لیا۔ یہ دونوں مددگار متحد ہو کر عداوت کی مدد کو روانہ ہوئے اور تخریبی کارروائیوں کیلئے مشترک کوششیں کیں۔ بیدل نے اس مناسبت سے بہت سے عمدہ اور خوبصورت اشعار ''جدوجہد'' کے موضوع پر کہے ہیں۔

متاعی را کہ جہد آمد خریدار   اگر عنقاست بیعش نیست دشوار

جس سامان کا خریدار جدوجہد اور کوشش و پیروی ہو اگر وہ عنقا کی طرح نایاب بھی ہے تو اس کا خریدنا مشکل نہیں ہے۔

بقدر جہد ہر کس مزدیاب است   خوش آنجہد یکہ منظورش ثواب است

ہر آدمی کو اپنی اپنی جدوجہد کے مطابق ہی مزدوری ملتی ہے اس جدوجہد کا کیا پوچھنا جس کا مقصد ثواب کا حصول ہو۔

حسد، مرض کی مدد سے مزید توانا تو ہو گیا لیکن تخریبی کاموں کو کس طرح انجام دیے ان کی سمجھ میں نہیں آیا اس لئے انہوں نے عداوت سے رہنمائی چاہی۔ عداوت نے رہنمائی کا فریضہ قبول کر کے بتایا کہ غذا کے راستے جگر تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے اور اس میں خشکی پیدا کر کے ''سودا'' کے اس پر حملہ کرنے کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ حسد نے اس تجویز کو عملی شکل دی۔

نواہا مختصر کان فتنہ آہنگ   ز بیدادی بساز کہنہ زد چنگ

غرض کہ اس فتنہ سامان (حسد) نے از راہ ظلم و ستم پرانا راگ الاپنا شروع کیا۔

گل صد رنگ افسوں داشت در دست   یبوست گشت و خود را بر غذا بست

جادو کا صد رنگی پھول اس کے ہاتھ میں تھا وہ خشک ہوا اور غذا سے چپک گیا۔

ازیں وادی بکام خواہش دل — بسودا چوں جنون گردید واصل

اس وادی سے حسب خواہش دل وہ پاگل ہو کر سودا تک پہونچا۔

تا آنکہ سودا کی تخریبی کارروائیوں کی خبر صحت کے کان تک پہونچی۔ اس نے شاہ تقدس مآب کو اس سے باخبر کیا۔ شاہ نے اس کی سرزنش کرنی چاہی لیکن ''تامل'' نے مہلت چاہی تب عقل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے حکمت سے مدد حاصل کرنے کی وصیت کی۔ تشخیص کے بعد اس نے غذا کو اس مرض کا اصل سبب قرار دیا اور اس کے علاج کے طور پر اس نے پرہیز کی تجویز سامنے رکھی۔

در آں معرض کہ راہ فتنہ دریافت — غذا را منشاء آن دردسر یافت

اس معاملے میں میں نے اس فتنہ کی راہ کا پتہ لگالیا۔ اس دردسر کا سبب غذا معلوم ہوئی۔

یکی از خادمان پرہیز نامش — سلامت در طلسم انتظامش

ایک خادم جس کا نام ''پرہیز'' ہے۔ جس کے طلسم انتظام میں صحت وسلامتی ہے۔

نخستیں راہ جولان غذابست — بہم کام وزبان چون غنچہ وابست

سب سے پہلے تو اس نے غذا کے رستے پر قدغن لگائی اس نے حلق اور زبان کو کلی کی طرح بند کردیا۔

اس کے بعد اس کے حواس خمسہ ذائقہ، سامعہ، شامہ، باصرہ، لامسہ میں سے ہر ایک کو حکم دیا کہ اس پر کنٹرول کرے۔ انہوں نے شاہی حکم کی تعمیل کی۔ اس طرح سودا پر اسے غلبہ تو حاصل ہوا پر سودا کے دبنے کے بعد خون میں ابال آگیا اور اس نے بخار کی فوج کو جسم کے حصار میں داخل کردیا لیکن اسے بھی عقل کی تدبیر سے مات ہونا پڑا۔ اس کے بعد بلغم کا اس پر حملہ ہوا۔ عقل کی اصلاح پر پرہیز کے ذریعہ اس پر بھی غلبہ حاصل ہوا۔ اس کے بعد صفرا کا اس پر حملہ ہوا اس نے سارے جسم کو پیلا کردیا لیکن عقل کی تدبیر سے اس کا بھی علاج ہوا۔

بیماریوں کی شرح وبسط کے علاوہ، جو علم طب سے متعلق بیدل کی گہری اور وسیع معلومات کی نشاندہی کرتی ہے، اپنی غیر معمولی قوت بیان کی وجہ سے بیدل ایک بات یا موضوع کو استعارات اور تشبیہات وتمثیلات کے استعمال نیز خوبصورت اور دلچسپ تعبیروں کے ذریعہ طول دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہاں ماننا پڑتا ہے کہ اس کا اپنے کو ''ترجمان رنگینیہای تعبیر'' کہنا بالکل برمحل اور بجا ہے۔

بہر حال چاروں اخلاط کی شورش کو جب اس نے کسی طرح دبایا تو ضعف وناتوانی نے جو اس مرض کا فرزند تھا اس پر حملہ کردیا۔ دوسرے فراری دشمن نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ کرنے کی راہ ہموار کردی اور اس قدر تخریبی سرگرمیاں شروع کردیں کہ عقل جو دشواریوں کو دور کرنے میں سدا

کامیاب رہی ہے اس گتھی کو نہ سلجھا سکی۔ یہ خبر جب بادشاہ سلامت کے کان تک پہونچی تو مایوس ہو کر وہ صحت کی طرف جو واحد مونس وغمگسار تھا، متوجہ ہو کر بولا: ''اب چونکہ چاروں طرف سے فتنے آسمان سے نازل ہو رہے ہیں اور عقل کا ناخن بھی اس کی عقدہ کشائی سے عاجز ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وطن ترک کردیا جائے۔

کنون مائیم این وبیدست وپائی — کہ ممکن نیست از دشمن رہائی

اب ہم ہیں اور یہ بے بسی کا عالم ہے کہ دشمن کے پنجے سے رہائی ممکن نہیں۔

صلاح کار جز ترک وطن نیست — درآتشخانہ غیراز سوختن نیست

مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ وطن کو خیر باد کہا جائے کیونکہ آتش خانے میں جلنے کے سوا کوئی اور چارہ واختیار نہیں ہے۔

صحت کو اس بات سے بڑی ندامت ہوئی پھر بھی اس نے بادشاہ سلامت کو مشورہ دیا کہ عقل اگر دشواریوں کے دور کرنے میں نارسا ثابت ہوئی تو امید کا دامن ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ عقل نے مشکل کو دور کرنے میں اکثر اپنی نارسائی کا اعتراف کیا ہے۔

نہال عقل آسایش ثمر نیست — می این جام غیراز دردسر نیست

عقل کے پودے میں آرام وراحت کے پھل نہیں لگتے اس جام کی شراب میں دردسر پیدا کرنے کے سوا کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

صحت نے شاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ ہمت سے کام لے کیونکہ یہی ایک ایسا دوست ہے جس کی مدد سے زندگی کی مشکلات کو دور کیا سکتا ہے اور ان پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں بیدل نے صحت کی زبان سے بہت خوبصورت اور دلچسپ اشعار کہلوائے ہیں۔

مرا یاریست ہمت آنکہ نامش — نشانہا دارد از اوج مقامش

میرا ایک دوست ہے جس کا نام ہمت ہے، اور جس کے اندر رفعت وبلندی کی نشانیاں ہیں۔

بہر کار یکہ سعی او نظر دوخت — توان آسانی از دشواری آموخت

جس کام میں وہ جٹ گیا اور جدھر متوجہ ہوا وہاں دشواریاں آسانی میں بدل جاتی ہیں۔

وقارش گر ببالد یک صداوار — توان چیدن گل سامان کہسار

اس کا وقار اگر ایک آواز کی طرح ایک بار آگے بڑھے تو پہاڑ پر اُگے ہوئے پھولوں کو بھی توڑ کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

پرکاہیکہ از ہمت کمر بست — برآتشخانہ ہا چون سنگ دربست

۴ پرکاہ (تنکا) بھی اگر ہمت سے کام لے کر آگے بڑھے پتھر کی طرح آتشخانوں کے دہانے بند کر کے رکھ دے۔

طلب ہا از دماغش نشہ دربار　　بلندی از نگاہ او قسم خوار

اس ہمت کے بل بوتے پر "طلب" پرجوش و سرمست نظر آتی ہے اور بلندی اس کی نگاہوں سے جھلکتی ہے۔

اگر تدبیر عقل آفت نشان نیست　　سپاہ ہمت آخر ناتوان نیست

اگر عقل کی تدبیر آفت کو دبانے میں کامیاب نہیں ہوتی ہے تو ہمت کی فوج تو آخر ناتواں نہیں ہے۔

رہی کز برق ہمت نیم گام است　　خرد آنجا بیابان مرگ نام است

جو راستہ برق ہمت کی وجہ سے نیم گام کا معلوم ہوتا ہے عقل کا کام وہاں بیاباں مرگی ہے۔

صحت سے مشورہ کے بعد عقل نے توکل کی روش اختیار کی اور شاہ تقدس مآب نے ہمت سے مدد کی درخواست کی تب ایک طرف ہمت صحت کے ساتھ اور دوسری جانب مرض ضعف کے ساتھ مل کر باہم دست و گریباں ہوئے اور زبردست جنگ چھڑ گئی۔

ازین سو صحت و ہمت در آغوش　　از آنجانب مرض با ضعف ہمدوش

ادھر صحت اور ہمت ہم آغوش ہو کر میدان میں اتریں اور ادھر سے مرض اور ضعف کاندھے سے کاندھے ملا کر مقابلے کو آئے۔

رہ جولان یکدیگر گرفتند　　چون دود و شعلہ باہم در گرفتند

اور معرکہ آرائی کرتے ہوئے شعلہ اور دھواں کی طرح وہ آپس میں ایک دوسرے سے بھڑ گئے۔

یہ جنگ جاری تھی کہ اچانک مزاج آیا۔ اس نے اپنے فرزند کی فریاد رسی کی اور اخلاط اربعہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ ان کو ہدایت کی کہ یک زبان و یک دل ہو کر اس پر حملہ کریں۔ آخر اتفاق و اتحاد کے ہتھیار سے لیس ہو کر انھوں نے حملہ کیا اور دشمن کو جلاوطن کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے۔ مرض، خوف، غم، عداوت اور حسد حتیٰ کہ ضعف و ناتوانی جو سب کے سب بہت تنگ آ گئے تھے گرتے پڑتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد شاہ نے اپنے ارکان سلطنت اور ندیموں کے ساتھ خوشیاں منائیں اور انہوں نے ایک دوسرے کو مخلصانہ مبارکباد دی۔

بہ بزم خسرو جاوید اورنگ　　زبانہا زد بساز تہنیت چنگ

ابدی اور اورنگ نشیں بادشاہ کی بزم میں زبانوں نے ساز تہنیت بجانی شروع کی اور سب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔

ہمہ رنگین نوای شادمانی　　ہمہ عشرت نوید کامرانی

سب خوشی و شادمانی منانے لگے اور ایک دوسرے کو کامیابی کی خوشخبری دینے لگے۔

جہان زین فتح چندان شاد گردید　　کہ شیون ہم مبارکباد گردید

اس فتح سے دنیا اتنی ہی خوش ہوئی کہ آہ و نالے بھی مبارکباد میں تبدیل ہو گئے۔

شاہ تقدس مآب کو جب انتہائی خوشی حاصل ہوئی تو دھیرے دھیرے اس نے اپنے ساتھیوں سے بے اعتنائی برتنی شروع کی ان میں سے کوئی بھی اس لائق نظر نہیں آیا جس سے دوستی کی جائے دوسری طرف اس کا دل تنہائی سے اوب گیا تھا اس لئے وہ مونس و دمساز کی تلاش میں تھا۔

نیازش کرد استغنا طرازی　　ز ہمراہان سابق بی نیازی

بے نیاز نے اس کو مستغنی اور بے پروا کر دیا اور سابق ساتھیوں سے بے نیاز کر دیا۔

نمی دید آن چمن پیرای ہستی　　کسی را قابل الفت پرستی

اس چمن پیرا ہستی (شاہ) نے کسی کو بھی محبت اور دوستی کا اہل تصور نہیں کیا۔

دلش از کثرت وہمی رمی داشت　　ز تنہائی سراغ ہمدمی داشت

اس کا دل وہم کی کرشمہ سازیوں کی وجہ سے فرار حاصل کر رہا تھا۔ تنہائی سے تنگ آ کر ہمدم کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

ز ساز غیر طبعش منفعل بود　　تمنا گوش بر آواز دل بود

"غیر" کے ساز سے اس کی طبیعت شرمندہ ہو رہی تھی اور اس کی تمنا دل کی آواز پر کان لگائے تھی۔

"فرح" بادشاہ سلامت کے دربار سے باہر نکلا اور حسن سے اتنا قریب آ گیا کہ نظربازی میں وہ خود اپنی ہستی اور شاہ کو فراموش کر بیٹھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ بادشاہ سلامت سے ایسی بے اعتنائی اسے زیب نہیں دیتی۔ اس مقصد سے اس نے حسن کے دربار میں آہ و زاری کرنا شروع کیا اور کہا: واحد شکل جس سے اس کوتاہی کی تلافی بظاہر ممکن نظر آتی ہے یہ ہے کہ تجھے شاہ کی خدمت میں لے چلیں۔ فرح کی نالہ و زاری سے متاثر ہو کر حسن بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ بادشاہ سے اتنا قریب ہوا کہ "من و تو" کا فرق بیچ سے مٹ گیا اور دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے۔ بیدل نے فرح اور حسن کے درمیان ہونے والے مکالمہ کو تفصیل سے نہایت دلچسپ اور دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے اور اس حسین منظر کی ایسی تصویرکشی کی ہے کہ اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

کشود از اتحاد بیخودی جوش　　دورنگی بر وداع خویش آغوش

بیخودی و یگانگت کا یہ عالم تھا کہ دورنگی نے وہاں سے رخصت ہونے کے لئے اپنی آغوش کھول دی۔

خیال نقش غیر از سینہ برخاست   تمیز حیرت از آئینہ برخاست

سینے سے غیر کے نقش کا تصور بھی نکل گیا آئینہ سے حیرت کی تمیز بھی رخصت ہوگئی۔

دوئی چوں بیخودی در خواب گم شد   تفاوت چوں تری در آب گم شد

بیخودی کی طرح دوئی (دو ہونے کا تصور) بھی خواب میں کھوگئی جس طرح تری پانی میں گم ہوجاتی ہے ان کے آپس کا تفاوت بھی ختم ہوگیا۔

محیط از جوش گوہر برکراں رفت   سراپا حسن شد شاہ از میان رفت

موتی کے جوش سے سمندر بھی کنارے ہٹ گیا شاہ کی ہستی سراپا حسن میں مل کر گم ہوگئی۔

تب محبت کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس نے خود کو بادشاہ سلامت کے آستانے سے کیوں دور رکھا۔ اس کے آستانہ عالی پر حاضری کے لئے اس کا دل بیقرار ہورہا تھا مگر اس کی کیا سبیل ہو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا آخر عشق کی بارہ گاہ میں پہونچا اور اس سے درخواست کی کہ اس کی رفاقت میں شاہ کی دلداری کے لئے چلے۔ عشق تیار ہوگیا، دونوں شاہ تقدس مآب کے دربار میں حاضری کی خاطر نکل پڑے۔ یہ لوگ تب وہاں پہنچے جب حسن نے شاہ کو اپنی آغوش میں اٹھا رکھا تھا۔ بیدل نے اس طرح اس کی منظر کشی کی ہے کہ پورا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور اسے نثر میں نہیں ادا کیا جاسکتا اس کے منظوم بیاں سے ہی لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے۔

ادا مست و اشارت شوخی آہنگ   حیا ساغر بدست گردش رنگ

ادا میں مستی اشاروں میں شوخی اور حیا گردش رنگ کا ساغر ہاتھ میں اٹھائے تھی۔

عذاری صد گلستاں صبح امید   بجیب برگ گل طوفان خورشید

رخسار ایسا تروتازہ اور حسین تھا کہ سیکڑوں باغ اس سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے برگ گل کے دامن میں ایک طوفاں خورشید بپا تھا۔

جبیں مطلع صبح کمالی   مہی فارغ ز نقصان ہلالی

پیشانی ایسی سفید و چمکدار جیسے صبح کا وقت اپنے نقطۂ کمال پر ہو۔ وہ ایسا چاند تھا جس میں کہیں سے کوئی نقصان نہیں تھا۔

تکلم در دم گوہر فشانی   روانیہای آب زندگانی

گوہرافشانی کے وقت گفتگو کا انداز ایسا تھا کہ اس مین آب زندگی کی روانی ہو۔

غرور از سرکشاں تاب گیسو   تواضع خوش نشین طاق ابرو

زلف کی سرکش آب وتاب سے غرور ٹپک رہا تھا اور طاق ابرو پر تواضع وانکساری کی جھلک تھی۔ وہاں عروس حسن، انتہائی سجی بنی آراستہ وپیراستہ دکھائی دیتی ہے۔

ملاحت، شور بازار قیامت   صباحت، صبح گلزار قیامت

اس کی ملاحت کا یہ عالم تھا جیسے بازار قیامت کا شور ہو اور صباحت کی یہ کیفیت تھی جیسے گلزار قیامت کی صبح ہو۔

اگر گشتی تماشا شوخی اندیش   نزاکت آب می شد بر گل خویش

تماشا اگر شوخی دکھانے کی سوچتا تو نزاکت خود آپ اپنے پھول پر پانی پانی ہوجاتی۔

وگر جرأت نگاہی پیش می رفت   عنان ضبط رنگ از خویش می رفت

اگر نگاہ آگے بڑھنے کی جرأت کرتی تو ضبط رنگ کی باگ ہاتھ سے دے بیٹھتی۔

بیدل کو بجا طور پر یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے۔

بیدل چقدر شور کلامت مزہ دارد   کز یاد تو باید لب اندیشہ کمیدن

بیدل! تیرے کلام کی ملاحت ونمکینی میں اتنا مزہ ہے کہ تیری یاد میں لب اندیشہ کو چوستے رہنا چاہئے۔

غرض عشق کے بازؤں کے سہارے محبت جب بادشاہ سلاست کے حضور پہونچی تو بادشاہ نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

کہ اے داغ محبت دیدہ پیش آ   زمژگان یکقدم در دیدہ پیش آ

کہ اے وہ ہستی جس نے محبت کا داغ اٹھایا ہے آجا اور پلکوں کے راستہ ایک قدم تیز چل کر آنکھوں میں سما جا۔

اس کے بعد نگاہ عشق نے شاہ کے جذبات میں اتھل پتھل پیدا کردی اور اس کے دل کو بے پایاں ذوق وشوق کی کیفیت سے بھر دیا۔ اس طرح ایک دل پسند رفیق کو پا کر شاہ گوشہ نشیں بہت خوش ہوا۔

رفیقی یافت آخر شاہ یکتا   مہی کرد آفتاب قدس پیدا

اس اکلوتے شاہ کو ایک ساتھی مل گیا چاند نے ایک آفتاب قدس کو جلوہ گر کردیا۔

محبت گشت صہبای ایاغش   بنور عشق روشن شد چراغش

محبت اس کے پیالے کی شراب بن گئی عشق کے نور سے اس کا چراغ ہستی منور ہوگیا۔

شاہ اور عشق نے ایک مدت تک باہم مل جل کر زندگی بسر کی اور آپس کے ربط وضبط سے انہیں کافی لطف آیا لیکن واضح نہ ہوسکا کہ اس ذوق وشوق اور تمنا وآرزو کا موضوع آخر کیا ہے۔ عشق نے

شاہ تقدس مآب کے حضور اپنی نیرنگیوں کی وضاحت کی اور بولا کہ یہ اسی کا فیض ہے کہ خاک کے ایک نقطے میں آسمانوں کے کئی دفتر لپٹے ہوئے ہیں۔

چہ فیض است ایں کہ در یک نقطہ خاک   بہم پیچیدہ چندین دفتر افلاک

یہ کیسا فیض ہے جس نے خاک کے ایک نقطہ (انسان) میں آسمانوں کے کئی دفتر لپیٹ کر رکھ دیے ہیں۔

دل آئینہ تا لوحش سیہ نیست   بحیرت فارغ از مشق نگہ نیست

آئینۂ دل کی لوح جب تک سیاہ نہیں پڑتی ہے حیرت کی بدولت وہ مشق نگاہ کے عمل سے فارغ نہیں ہوتی۔

چہ شد مدت کم و شوقست بسیار   بدرس عشق حاجت نیست تکرار

وقت کم اور شوق زیادہ ہے تو کیا ہوا درس عشق کو تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

طلب شرط است در تحصیل مقصود   فروغ شعلہ ممکن نیست بی دود

حصول مقصد کے لئے طلب شرط ہے۔ جس طرح دھواں جب تک نہیں اٹھتا شعلے کی چمک دمک ممکن نہیں ہے۔

شاہ تقدس مآب نے عشق کی درسگاہ سے بے رنگی کا سبق پڑھا اور اسے ایک دائمی رفیق وہمدم بنالیا۔

شد از تدریس شوق آہنگی عشق   شناسای خط بیرنگی عشق

عشق کے شوق آہنگ تدریس سے عشق کے خط بی رنگ کا تعارف اسے حاصل ہوا۔

بغیر از عشق دمسازی نبودش   بغیر از دل ہم آوازی نبودش

عشق کے سوا کوئی دمساز اس کا نہ تھا دل کے سوا کوئی ہم آواز اس کا نہ تھا۔

دلی آنجا کہ حسن و عشق شد جمع   نماند محفل اظہار بی شمع

لیکن جہاں حسن وعشق ایک جگہ اکٹھے ہوجائیں وہاں محفل اظہار شمع کے بغیر ممکن نہیں۔

دونوں اسی حال میں پڑے تھے کہ ایک رات شاہ تقدس مآب نے عشق سے کہا: ازل وابد دونوں تیری شراب پی کر مست ہیں لیکن بحر امکاں میں جو موج نظر آرہی ہے وہ کس نوعیت کی ہے اور جو رنگ اس گلستاں کی آبرو سمجھی جاتی ہے وہ کس طرح کا ہے ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکا لیکن جو لوگ آپ کے محرم راز سمجھے جاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ سب حسن مطلق کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ساری دنیا صرف ایک حرف ہے اور نقش مدعا صرف وہی ہے۔ دیدہ ودل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ عشق ایک لمحہ کے لئے بھی حسن سے غافل نہیں ہوتا لیکن یہ کہ وہ کہاں واقع ہے اب تک واضح نہ ہوسکا۔

کہ ساز آفرینش را نوا اوست   جہاں حرفیست نقش مدعا اوست

ساز آفرینش کی نوا وہی ہے دنیا ایک حرف ہے اور نقش مدعا وہی ہے۔

ہمہ آئینہ دیدار او بند   تحیر پردۂ اسرار او بند

ساری دنیا اسی کے دیدار (جلوہ) کے آئینے ہیں اور اسی کے اسرار کے پردۂ تحیر ہیں۔

چنین است اتفاق دیدۂ و دل   کہ عشق از حسن یکدم نیست غافل

دیدہ ودل کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عشق حسن سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہے۔

دریں اندیشہ عمری کردہ ام صرف   کہ یابم رنگ مضمونی ازیں حرف

اسی سوچ میں خاصی زندگی گذار دی کہ اس موضوع کے لئے مناسب مضمون مل جائے۔

ندانم درچہ خلوت بار دارد   کدام آئینہ با او کار دارد

میں نہیں جانتا کس خلوت میں اس کی باریابی حاصل ہوگی کس قسم کے آئینہ سے اس کا واسطہ ہے۔

حسن کی ملاقات کے لئے شاہ کے اشتیاق کا یہ عالم دیکھ کر عشق نے اس سے کہا: جمال مطلق یا حسن مجسم تک رسائی اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔ جو راستہ وہاں تک جاتا ہے وہ کانٹوں سے بھرا ہے اور تمہارے پاؤں زخمی ہیں۔ اس صورت میں منزل تک پہنچنے کا تمہارا ارادہ خام خیالی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کی منزل زمان ومکان کی پابندیوں سے آزاد ہے اور تم اس کے پابند ہو، وہ بے نشان ہے تم نشان ہو، اسی وجہ سے جو لوگ وہاں پہنچے ہیں اول خود کو بے نام ونشان بنالیتے ہیں، یہ وہ مقام ہے جہاں 'من وتو' کا فرق درمیان سے مٹ جاتا ہے اس لئے وہاں تک پہنچنے کے لئے پہلے اس فرق کو مٹانا ہوگا۔

قدم مجروح و رہ برنیش داری   خیال طرفہ ای درپیش داری

قدم زخمی ہیں اور راستہ کانٹوں سے بھرا ہے ایک عجیب وغریب خبط تیرے سر پر سوار ہے۔

مکاں حسن بیرون مکانہاست   نشانش بی نشان ساز نشانہاست

حسن کا مقام تمام مکانوں کے قیود سے باہر ہے اس کا نشان نشانوں کو بے نشان بنانے والا ہے۔

اسیرانیکہ با او آشنا بند   چو بوی گل ہمہ از خود جدا بند

جو قیدی اس سے آشنا ہیں بوی گل کی طرح سب آپ سے جدا ہیں۔

سوار برق می باید دریں راہ   بپا نتواں نمود این رشتہ کوتاہ

اس راستے میں بجلی پر سوار ہونا پڑے گا یہ راستہ پیدل طے نہیں ہوگا۔

لیکن شاہ تقدس مآب اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا اس نے اس کی مزید وضاحت چاہی۔

کزیں تقریر واضح تر بیان کن   ازین روشن ترم خاطر نشان کن

اور زیادہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اسے بیان کرو۔

دوسری جانب شاہ جب تسلی کی خاطر اپنے آئینۂ دل کی طرف متوجہ ہوا تو وہاں اسے جمال یار کا تمثال نظر آیا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

در آں آئینہ حسنی جلوہ گر بود   کہ ہر عضوش نگاہ یکدگر بود

اس آئینے میں ایک حسن جلوہ گر تھا جس کا ہر عضو ایک دوسرے کی سراپا نگاہ بنا ہوا تھا۔

لیکن بیدل نے شاہ کے زاویۂ نگاہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ اگر چہ وہ آئینۂ دل میں جمال یار کا عکس دیکھ رہا تھا پھر بھی اس کی دید ''غیریت'' سے خالی نہ تھی انسان جب تک 'من و تو' میں فرق کرتا رہے گا ممکن نہیں ہے کہ وہ حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے اس لئے کہ ''کمال دید'' کا مطلب ہے کہ انسان اپنی ہستی کو بھی فراموش کر جائے۔

نگہ ہر چند در خود سیر دارد   ہمیں دیدن غبار غیر دارد

نگاہ جب تک خود اپنی ذات کی سیر کرتی رہے گی یہی دیکھنا ''غیر'' کا غبار کہلائے گا۔

چو نقش خود بلائی نیست در پیش   کسی یارب مباد آئینہ خویش

اپنی ذات کا نقش یا تصور جیسی کوئی بلا نہیں ہے خدا نہ کرے کہ کوئی خود آپ اپنی ذات کا آئینہ ہو۔

غرض وہی عکس و پرتو بادشاہ کے لئے کچھ دنوں تک تسلی خاطر کا ذریعہ بنا رہا لیکن پھر اس اندیشہ سے کہ وہ نقش کہیں آئینے سے محو نہ ہو جائے اس نے عشق سے درخواست کی کہ مجھے اس پرتو سے الگ نہ کرنا اور سدا اس کے پہلو میں ہی جگہ دینا۔

مبادا فتنہ ای از پردہ خیزد   بریں گل چشم زخم رنگ ریزد

خدا نخواستہ پردہ سے کوئی فتنہ سر اٹھائے اور چشم زخم (بدنظری) اس پھول کا رنگ نہ اڑا لے جائے۔

ازیں آئینہ ام دوری مفرمای   چو تمثالم بہ موہومی مفرمای

اس آئینہ سے مجھے دور نہ کرنا کہ تمثال کی طرح مجھ کو ایک چیز نہ سمجھنا۔

عشق نے اسے ہدایت کی کہ محبوب کی تصویر کی حفاظت کے لئے نقاش کی خدمت حاصل کرے۔ نقاش جو دراصل ''خیال'' کا نام تھا بادشاہ سلامت کے حسب حکم اس کی خدمت میں پہونچا اور اس کے لئے ایک بہترین تصویر بنائی۔ بادشاہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن معاً اسے خیال آیا کہ جس کی تصویر اتنی دلکش ہے وہ خود کتنا حسین و جمیل ہوگا۔

کہ یارب آنکہ تصویرش چنیں است   حضورش تا چہ آفت در کمین است

اس جمال مجسم کے دیدار کے لئے بادشاہ کی بیقراری کا یہ عالم تھا کہ خود عشق اس کے پرسوز جذبات سے متاثر ہو گیا اور اس کے اضطراب سے پانی پانی ہو گیا۔

بایں شور آنقدر بیتاب گردید   کہ عشق از اضطرابش آب گردید

عشق نے اس سے کہا: اگر تیرے اندر طلب صادق ہے تو ہر قسم کی پریشانیوں کو سہنے اور زحمتوں کو انگیز کرنے کے لئے تیار ہو جا۔ یہ عشق کی راہ ہے جس میں بے شمار پیچ و خم ہیں۔ عافیت اور سلامت کی راہ نہیں ہے جس میں ہر قسم کی زحمتوں اور الجھنوں سے پاک زندگی بسر کر سکو۔

اگر صدق طلب دارد رکابت   توقف تا بکی گردد حجابت

طلب صادق اگر تیرے رکاب میں ہے تو توقف کب تک آڑے آ سکتا ہے۔

شفا خواہی برنجی آشنا شو   خرابی کن بگنجی آشنا شو

شفا اگر مطلوب ہے تو تکلیف اٹھانے کے لئے تیار رہ خزانہ چاہئے تو محنت کے لئے آمادہ رہ۔

رہ عشق است، راہ عافیت نیست   جہانی کشتہ می گردد دیت نیست

یہ عشق کی راہ ہے عافیت کی راہ نہیں ہے ایک دنیا یہاں قتل ہو جاتی ہے مگر ان کا خوں بہا نہیں ملتا۔

بساط وہم این و آن بہم زن   بسیر ملک معشوقی قدم زن

اِدھر اُدھر کے وہم کی بساط الٹ دے معشوق کے دیار کی سیر کے لئے آگے بڑھ۔

تب بادشاہ سلامت سفر کے لئے کمر بستہ ہوا۔ معشوق کے دیدار کے لئے اس کے اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن بدن تک کا اسے ہوش نہ رہا اور رنگ شمع کی طرح انجمن سے باہر نکل آیا۔ لیکن یہ سفر خارجی دنیا کا سفر نہ تھا، داخلی دنیا کا سفر تھا، یہ اپنے دل اور باطن کا سفر تھا۔ عشق نے اس سے کہا دل پر دھیان دے اور اس گلشن کی سیر کر۔ اپنے حقیقی مقام تک رسائی کے لئے ضروری ہے کہ خود اپنے دل کو غور و فکر کا محور بنا۔

بدل رو کن، گلستان تو اینست   بخود می پیچ جولان تو اینست

دل کی طرف دھیان دے تیرا گلستاں یہی ہے خود اپنی شخصیت پر غور و فکر کر تیری جولانگاہ یہی ہے۔

نفس را جادہ دشت طلب کن   تامل چون دلیلت شد طرب کن

اپنی سانس کو جادہ دشت طلب بنا غور و فکر جب ترا رہبر ہو تو خوشی منا۔

کجا سر می زنی ای موج بیتاب   سری در خود بدزد و بحر دریاب

اے بیتاب موج! کہاں اپنا سر ٹکرایا کرتی ہے؟ خود اپنی ذات سے سر ٹکرا اور سمندر کا سراغ لگا۔

سراغت از غبار خود بروں نیست   محیطت از کنار خود بروں نیست

تیرا سراغ تیری ہستی کی گرد وغبار سے باہر نہیں ہے تیرا سمندر تیرے پہلو سے باہر نہیں ہے۔

زجیب خویش بیرون نیست راہی　　نگاہی کن نگاہی کن نگاہی

غور کر خود اپنے دامن سے باہر کوئی اور راہ نہیں ہے۔

تقدس مآب بادشاہ نے عشق کی صلاح پر دل کی سیاحت شروع کی۔ اس سفر میں اس کا واحد رفیق عشق تھا۔ یہ سفر درحقیقت اعضاو جوارح کا سفر تھا جس کا سلسلہ ہتھیلی سے شروع ہو کر قامت پر ختم ہوا۔

پس از چندیں قدم فرسودگیہا　　نخستیں منزل شاں شد کف پا

فرسودگی اور پژمردگی کے ساتھ چند قدم چلنے کے بعد ان کی پہلی منزل پاؤں کا تلوا تھا۔

مقام بوسہ گاہ سجدہ شوق　　گلستان بخود غلطیدن ذوق

سجدہ شوق کی بوسہ گاہ (دل) کیا ہے ایک باغ ہے جس کے اندر ذوق الٹ پلٹ کر رہا ہے۔

نگاہی گر بباغش می خرامید　　بجای گل بدامن سجدہ می چید

اس کے باغ پر اگر ایک نظر پڑ جائے تو پھول کے بجائے سجدے کو اپنے دامن میں سمیٹے۔

بیدل نے ہتھیلی سے لے کر قامت تک پچیس منزلوں کا ذکر کیا ہے یہ ہیں: ۱۔ پشت پا (تلوا)۔ ۲۔ ساق، (پنڈلی) ۳۔ ران ۴۔ سرین ۵۔ کمر ۶۔ شکم (پیٹ) ۷۔ ناف ۸۔ سینہ ۹۔ ساعدہ (کلائی) ۱۰۔ گردن ۱۱۔ غبغب (ٹھوڑی) ۱۲۔ خط (ریکھیں) ۱۳۔ خال تل ۱۴۔ زلف ۱۵۔ لب (ہونٹ) ۱۶۔ دہان (منہ) ۱۷۔ رخسار ۱۸۔ آنکھ ۱۹۔ سرمہ ۲۰۔ ناک ۲۱۔ بھوں ۲۲۔ پیشانی ۲۳۔ کاکل اور ۲۴ قامت ہیں۔

ان میں سے ہر ایک عضو کی خصوصیات کے بیان کرنے میں انتہائی مہارت اور کمال ذوق شاعرانہ کا ثبوت دیا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی توضیح کے دوران ان کے دوسرے پہلوؤں کی بہ نسبت ان کی زیبائی ورعنائی کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔

بہر حال ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد بھی جب منزل واضح ہو کر سامنے نہیں آئی تو شاہ تقدس مآب نے عشق سے گلہ کیا ہے۔ عشق نے جواب دیا: اب تک جو مسافت تو نے طے کئے اور جن مرحلوں سے گذرے یہ سب ''گلشن حسن'' کی سیاحت تھی لیکن نگاہ کی غفلت نے تجھے اس کا پتہ لگانے کا موقع نہیں دیا۔ تیری ظاہری آنکھ اگرچہ کھلی تھی پر دل کی آنکھ بدستور بند تھی اس لئے تو ان جلوں کو جو تیری نگاہ کے سامنے سے گذرے دیکھ سکا اور نہ سمجھ سکا۔

ہمیں بزم است خلوتخانہ یار　　و لیکن دیدۂ بیناست درکار

یہی بزم محبوب کی خلوت ہے لیکن اس کو دیکھنے کے لئے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔

برفع کلفت بیگانگی کوش　　خرد وہمست در دیوانگی کوش

بیگانگی کی کلفتوں کو دور کرنے کی کوشش کر عقل وہم ہے دیوانگی بیدا کرنے کی کوشش کر۔

علاج چشم کن عالم بہار است　　غم آئینہ خور، حسن آشکار است

اپنی آنکھ کا علاج کر دنیا سراسر بہار ہے...... آئینہ دل میں اس کی جھلک کیوں نہیں آ رہی ہے اس کا غم کھا۔ حسن تو عیاں اور بے پردہ ہے۔

بچشم آں سرمہ تا نتواں کشیدن　　جمال حسن دشوارست دیدن

آنکھ میں جب تک وہ سرمہ نہیں لگایا جاتا حسن محبوب کو دیکھنا دشوار ہے۔

شاہ نے عشق سے کہا: اگر منزل یہی تھی تو اتنی طویل مسافت طے کرنے کی زحمت تم نے کیوں دی؟ تم تو محرم اسرار تھے منزل تک جلد رسائی کے لئے میری رہنمائی کر سکتے تھے۔

مآل کار اگر این ماجرا بود　　عبث آوارہ گردیہا چرا بود

اس ساری کہانی کا مآل اور انجام یہی تھا تو بلاوجہ کی اس آوارہ گردی کا کیا تک تھا۔

تو بودی محرم اسرار نیرنگ　　چرا اول نزد سازت بر آہنگ

تو تو محرم اسرار تھا تیرے باجے نے پہلے ہی سے یہ راگ کیوں نہ الاپا۔

عشق نے جواب دیا: محبت نے اپنے اندر بہت سی نیرنگیاں چھپا رکھی ہیں اس لئے اس کی مسافت آسانی سے طے نہیں کی جا سکتی ہے حتی کہ اس پانی میں جو آگ سے میل نہیں کھاتا چنگاری موجود ہے اور اس پتھر میں جس کے اندر خوں کا نام ونشان نہیں ہوتا خون پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ سرمہ جس کی بدولت دنیا کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اتنا سستا نہیں ہے کہ ہر کس وناکس کو دیا جائے اور نہ حقیقت کا ہر متلاشی اس ''نور یقین'' کا اہل ہوتا ہے کشور معشوق کی سیاحت کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جس میں غیر معمولی عشق ومحبت ذوق وشوق اور وجد وحال ہو۔

محبت صد جہان نیرنگ دارد　　شرر در آب وخون در سنگ دارد

محبت کی سیکڑوں نیرنگیاں ہیں وہ پانی میں چنگاری ہے تو پتھر میں خون ہے۔

یقیں می داں کہ آں کحل جہاں بین　　بہر طالب نگردد نور تلقیں

یقین کر وہ جہاں بیں سرمہ ہر طالب کو تلقین نہیں ہوتا ہے۔

مگر آنرا کہ از شوق یقین پی　　سواد ملک معشوق کند طی

صرف اسی کو ہوتا ہے جو شوق یقین سے کشور شوق کا سفر کرے۔

اس کے بعد

حاصل غواصی بحر کمال   معرفت جوش و دوام وصال

''بحر کمال میں غوطہ خوری کا حاصل خودشناسی اور محبوب کا دائمی وصال ہے'' کے زیر عنوان ایک طرف اس کہانی کا لب لباب بیان کرتا ہے اور دوسری جانب عشق کے ہمراہ شاہ تقدس مآب کے سفر کی روداد پیش کرتا ہے۔ عشق اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کرتا ہے اور راستے کے پیچ وخم، مشکلات موانع حتی کہ خطروں اور جوکھم میں پڑنے کی بات کرتا ہے اور بادشاہ کو بتاتا ہے کہ یہ راستہ اگرچہ خطروں سے بھرا ہوا ہے اور جانے کتنے لوگ منزل سے ادھر ہی تھک ہار کر بیٹھ گئے اور خطرات مول لینے سے باز رہے پھر بھی عشق کی مدبرانہ اور خضروانہ رہبری میں اس طویل اور پرخطر راستے کو طے کیا جاسکتا ہے۔ جس نے عشق اختیار کیا اس کو ابدی لازوال اور غیر فانی دولت حاصل ہوگئی۔

خنک جائیکہ داغ آلود عشق است   خوشا چشمیکہ غم فرسود عشق است

وہ جگہ بھی کیا خوب ہے جس پر عشق کا داغ لگا ہوا ہے۔ وہ آنکھ بھی کس قدر مبارک ہے، جس کو غم عشق نے فرسودہ کردیا ہے۔

بخاک او جبین ہر کہ شد فرش   سجودش نقش بندد لیک بر عرش

اس کی خاک پر جس کی پیشانی ٹکی اس کا سجدہ درحقیقت عرش پر ہوتا ہے۔

ہمیں عشق است مغز و مابقی پوست   دو عالم ہرچہ باشد مدعا اوست

یہی عشق مغز ہے اور باقی چیزیں پوست کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دونوں جہاں جو کچھ ہو مقصد سب کا اور منزل سب کی وہی ہے۔

رہ مقصد بیک گام است کوتاہ   ولی گر عشق باشد خضر این راہ

مقصد تک رسائی کا راستہ تو مختصر سی مسافت کا ہے بشرطیکہ عشق اس راستے میں اس کے لئے خضر کا کام کرے۔

فسون تازہ در کار شہ کرد   جہان چون سرمہ در چشمش سیہ کرد

عشق نے شاہ پر ایک تازہ جادو کا عمل کیا دنیا کو اس کی آنکھوں میں سرمہ کی طرح سیاہ کر کے دکھایا۔

طپیدنہا دل حسرت نوا شد   ز اجزاء تسلی سرمہ سا شد

دل کی طپش حسرت وافسوس کی صدا بلند کرنے لگی۔ تسلی کے اجزاء سے سرمہ کی طرح وہ سیاہ ہوگیا۔

بملک عاشقی محمل کشیدند   طپیدنہا بدوش دل کشیدند

کشور عشق و عاشقی کی طرف سواری کا رخ موڑ دیا اور دل کے دوش پر اس کی طپش لادنے گئے۔
غرض شاہ تقدس مآب عشق کی رفاقت میں عاشقی کی راہ پر چل پڑا۔ پہلی منزل میں جب قدم

رکھا تو وہاں ''باغ ملامت'' موجود تھا۔ جہاں موسم بہار سوگواری کے عالم میں تھا اور خزاں اس کی جگہ لے رہا تھا۔ اس کے بعد ''ملک بلا'' میں پہونچا جو دنیا کی اساس کو ویران کرنے میں مصروف تھا۔ پھر ''وادی ہجراں'' میں قدم رکھا جس نے سب کو آہ وزاری اور نالہ وشیون میں مبتلا کر رکھا تھا۔

درج بالا مراحل کو طے کرنے کے بعد، بادشاہ کی نظر جب ''اقلیم بدن'' پر پڑی تو سارا جسم اُسے ناتواں اور نحیف نظر آیا۔

علامتہای اقلیم بدن دید   ہمان آرامگاہ خویشتن دید

کشور بدن پر جو بھی اس کی آرامگاہ تھی نظر پڑی۔

ولیکن یکقلم داغ خرابی   زیارتگاہ احرام خرابی

تو وہ ایک قلم داغ ویرانی تھا اور احرام خرابی کی زیارتگاہ بنا ہوا تھا۔

ضعیفی بردہ پیدائی بغارت   چو مضمون خموشی بی عبارت

ناتوانی نے جسم کی نمود کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا جیسے خموشی کا مضمون بلا عبارت کا ہوتا ہے۔

بدین ہنگامہ تاشہ چشم وا کرد   چو مژگاں کسوت طاقت قبا کرد

شاہ کی جب اس ہنگامہ پر نظر پڑی پلکوں کی طرح اس نے طاقت کا لباس زیب تن کیا
تب اس نے عشق کی طرف متوجہ ہو کر اسے برا بھلا کہنا شروع کیا کہ میں کتنا تندرست وصحت مند، حسین وجمیل اور ہشاش وبشاش آدمی تھا۔ اب تیرے دام فریب میں گرفتار ہو کر اپنی صحت وسلامتی اور حسن وزیبائی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں اور آستانہ مرگ کے قریب پہنچ چکا ہوں۔

کہ ای برہم زن آسودگیہا   دلیل دشت غم فرسودگیہا
زمانی بود کز طوفان نازم   خروش بی نیازی داشت سازم
ز حرفت برق زد شور جنونم   گرفت این شعلہ بیرون و درونم
وفا وہم و طلب دام پری بود   کجا حسن و چہ وصل؟ افسونگری بود

عشق نے جواب دیا: تم حسن کی تلاش میں سرگرداں تھے؟ اس کی خاطر ساری زحمتیں اٹھائیں حتی کہ اپنی جان بھی جوکھم میں ڈال دی اور نحیف ونزار ہوگئے پھر بھی سمجھتے ہو کہ منزل پر نہیں پہنچے۔ درحقیقت تم خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ نگاہ کے سامنے سے پہلے غفلت کا پردہ ہٹاؤ اور ہوش گوش سے کام لو تب تمہاری سمجھ میں آئے گا منزل اور راستہ سب تم ہی تھے، دریا اور ساحل سب تمہاری ہی شخصیت کا نام تھا۔ یہ خوشی کا موقع ہے کہ تم کو راہ ومنزل کے فریب سے آگاہ کردیا۔ اب جہاں بھی دریا دکھائی دیتا ہے ساحل کا وہاں کوئی نام ونشان نہیں ہے ہر جگہ لیلیٰ نظر آتی ہے کجاوہ کہیں نہیں

ہے۔ یہ خود تم اور تمہاری ذات تھی جو کون و مکان کا آئینہ ہے۔ یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے اس کی اہمیت نہیں سمجھی۔ اب بھی تم اپنے دل میں ہی بسے ہو اور وہاں سے ایک قدم بھی باہر نہیں نکلے ہو۔ یہی تمہاری منزل ہے یہی ساری دنیا کی منزل ہے۔

چون عشقش دید کاین مایوس طاقت — بسودن می رود از کف چو فرصت

جب عشق نے دیکھا کہ یہ طاقت سے مایوس بادشاہ مزید گھسائی سے اس طرح ہاتھ سے نکل جائے گا جس طرح فرصت ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

نفس زد صبح عرفان از شکر خند — کہ ای چشم یقین آن خواب تا چند

صبح عرفان نے ہنس کر کہا کہ اے یقین کی آنکھ! اس خواب کا سلسلہ آخر کب تک رہے گا۔

توہم تا یکی غفلت سراید — مہت از تہمت نقصان برآید

''توہم'' کب تک غفلت کے راگ الاپتا رہے گا تیرا چاند آخر کب تک کم و کاست کی تہمت سے نکلے گا۔

طرب کن کز فریب منزل و راہ — نمودم از کمال خویش آگاہ

خوشی منا کہ اپنے کمال کی بدولت منزل و راہ کے فریب سے تجھے آگاہ کر دیا۔

دیار عاشقی وہم گمان بود — بہار ملک معشوقی خزان بود

عاشقی کا دیار ایک وہم و گمان سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ کشور معشوق کی بہار دراصل خزاں تھی۔

اگر رہ بود اگر منزل تو بودی — اگر دریا و گر ساحل تو بودی

راستہ ہو چاہے منزل سب کچھ تو ہی تھا دریا ہو چاہے ساحل سب کچھ تو تھا۔

ہمہ دریاست از ساحل نشاں نیست — ہمہ لیلی است محمل درمیان نیست

پورے کا پورا علاقہ دریا ہے ساحل کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ یہاں لیلیٰ ہی لیلیٰ ہے محمل کہیں نہیں ہے۔

بایں برق عیاں مستوریت چند — بایں نزدیکی از خود دوریت چند

اس برق عیاں کے باوجود تیری مستوری کا سلسلہ کب تک رہے گا؟ نزدیکی کے باوجود اپنی ذات سے کب تک دور رہے گا؟

نداری زخم فریاد تو از چیست — نہ ای مظلوم بیداد تو از کیست

جسم میں جب زخم نہیں ہے پھر نالہ و فریاد کاہے کی؟ تو مظلوم نہیں ہے پھر کس کے ظلم کا تذکرہ کرتا ہے۔

تو خود آئینہ کون و مکانی — گناہ کیست گر خود را ندانی

تم خود ہی کون و مکان کے آئینہ ہو۔ کس کا قصور ہے اگر خود اپنی ذات کو نہیں سمجھتے۔

چو گردوں دامن خویشت بچنگ است — کجا پر می زنی آفاق تنگ است

آسمان کی طرح تیرا اپنا دامن خود تیرے ہاتھ میں ہے کہاں مارے پھرتے ہو دنیا تنگ جگہ ہے۔

وجود غیر ہرگہ نیست موجود — بوہم و ظن مشو اندیشہ فرسود

''غیر'' کا کہیں کوئی وجود ہی نہیں ہے وہم و ظن سے اپنی قوت فکر کو فرسودہ مت کرو۔

ز دل نہ نہادہ ای یک گام بیرون — نہ ای چو سیر خط از جام بیرون

دل سے باہر ایک قدم بھی تو نے نہیں رکھا جس طرح خط کی سیر جام سے باہر نہیں ہوتی ہے۔

نفس بیرون دل منزل ندارد — کہ عالم منزلی جز دل ندارد

نفس کی منزل دل کے باہر نہیں ہوتی ہے نہ دنیا کی دل کے سوا کوئی اور منزل ہوتی ہے۔

اس طرح عشق نے اس کی دل شناسی اور خود شناسی کی طرف رہنمائی کی اور اسے یقین دلایا کہ یہی تمہاری منزل ہے اور صرف عشق ہی اس منزل تک رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ عقل رہنمائی کا وظیفہ انجام دینے سے قاصر ہے۔

غرض مختصر سی گفتگو کے بعد عشق نے اس امانت کو شاہ تقدس مآب کے حوالے کر دیا۔ تب بادشاہ نے سفر شروع کیا۔

چون سلطان از حقیقت گشت آگاہ — بسیر خود نظر افگند ناگاہ

جہانی دید پاک از عرض و صورت — بہاری فارغ از رنگ کدورت

مکانی یافت بیرون از مکانہا — نشانی سادہ از نقش نشانہا

دری بر ہستی کونین بستہ — غبار ما و من بیرون نشستہ

نہ آنجا حسن را تمہید نازی — نہ عشق آئینہ پرداز نیازی

نہ چشم وہم را آنجا نگاہی — نہ آگاہی بکنہش بردہ راہی

ز مازش بیخبر تحقیق و تقلید — بسازش بینوا اطلاق و تقیید

اس طرح یہ مثنوی دل شناسی اور خود شناسی پر ختم ہوتی ہے اور آخر میں بیدل نے

خاتم دفتر طول کلام — پیچش طومار سخن والسلام

کے زیر عنوان اسی مضمون کا تکرار کیا ہے

بیا ای بیدل بیحاصل از خویش — بخود پیچیدہ اما غافل از خویش

حق از ساز تو پیدا و تو باطل　　　دل از جیب تو در جوش و تو بیدل
شوئی تا در نماز عشق محرم　　　وضوئی کن بخون هر دو عالم
ز نقش غیر اگر آگاہیت نیست　　　براہ کفر هم گمراہیت نیست
اگر آلودہ احرام غیری　　　همه گر کعبه باشی ننگ دیری
اگر چشمت بحال خویش بیناست　　　خوشا حالت که نور بینا اینجاست
ز خود یک لحه گر فهمیده باشی　　　فروغ هر دو عالم دیده باشی
غرض ہر کس بجام وہم مست است　　　گمانی دارد و یزداں پرست است
تو حق می جوئی و از خویش غافل　　　زہی بی تخمی و امید حاصل
بعین قرب محروم از حضوری　　　بجو خود را که از خود سخت دوری
بکنه خویش تا نتوان رسیدن　　　جمال حق چه امکانست دیدن

گویا خودشناسی خداشناسی کا ایک ذریعہ ہے وہ بذات خود مقصود نہیں ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری بحث درحقیقت "من عرف نفسه فقد عرف ربه" کی شرح و تفصیل تھی جسے تصوف میں ایک اہم اصول کی حیثیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

"طلسم حیرت اسم بامسمی ہے۔ پوری مثنوی میں ایک طلسماتی اور حیرت انگیز فضا ہے بیدل نے بلغم، صفرا، سودا اور خون جیسی چیزوں میں جو شاعرانہ فنکاری دکھائی ہے اس نے ہر چیز کو انتہائی جاذب اور خوبصورت بنا دیا ہے۔" (۱۵۶)

ڈاکٹر عبدالغنی رقمطراز ہیں:

"طلسم حیرت ایک تمثیلی نظم ہے اور اس کے لئے وحدت اور ہمآہنگی ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس میں حرکت مکالمہ اور حسی تصورات کے ذریعہ دلچسپی قائم رکھی گئی ہے۔" (۱۵۷)

استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"یہ مثنوی جس میں تقریباً تین ہزار سات سو اشعار ہیں رمزیہ قسم کی کہانی پر مشتمل ہے لیکن "سلامان و ابسال" یا "کنیزک مثنوی" کی طرح کی کہانی نہیں ہے جن کو مطلق رمزیہ کہا جاتا ہے۔ بلکہ ایک مفصل رمزیہ مثنوی ہے اور نہ معری کے "رسالۃ الغفران" یا دانتے کی "کمدی الٰہی" کی طرح ہے جس میں شک وشبہے اور طنز و مزاح کا پہلو ہے بلکہ قرآن مجید کی صبح آفرینش کے تیغ کی طرح انساں کی سرگزشت کا رمز ہے یعنی کس طرح خدا کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے کس طرح خیر وشر کے درمیان

اہم مقابلہ ہوتا ہے، خیر کو شر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے، انسان اپنے اوج کمال پر پہنچتا ہے اسما کا علم اسے الہام ہوتا ہے، فرشتے اسے سجدہ کرتے ہیں پھر کس طرح وہ نور کی وسیع و عریض دنیا اور قدمیت کے لامحدود جہاں کی طرف وہ رجوع کرتا ہے؟

وہ لوگ کتنے بدنصیب ہیں جو انسان کو جال، پھندوں اور جانوروں کے ساتھ چڑیا گھر اور اس جنگل کے آئینے میں دیکھتے ہیں یا اسے ذرہ اور شجرہ کے قطار میں رکھ کر لیبارٹری میں مشاہدہ کرتے ہیں اور اس دوشعر کے مفہوم سے جو پہلے گذرا مکمل طور پر جاہل اور بےخبر ہیں یا تغافل اور تجاہل برتتے ہیں۔

اگر رہ بود و گر منزل تو بودی　　　اگر دریا و گر ساحل تو بودی
ز ہستی تا عدم شورت گرفته　　　زمیں تا آسماں نورت گرفته (۱۵۸)

استاد سلجوقی نے یہاں مسئلہ وحدۃ الوجود پر بڑی طویل بحث کی ہے او اس سلسلے میں بیدل کے افکار وخیالات کا مغربی مفکرین کے افکار وخیالات سے موازنہ کیا ہے راقم السطور نے پانچویں باب میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔

راقم السطور کے ناقص خیال میں اس مثنوی کی تحلیل وتجزیہ واضح کرتی ہے کہ بیدل نے بنیادی طور پر کوئی ایسی بات نہیں پیش کی ہے جس میں تازگی ہو۔ عشق وعقل اور ان کے باہمی پیکار کا تذکرہ ہے۔ اور انسان کی منزل تک رہنمائی کا ذکر ہے جس کو مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی اور عطار نے منطق الطیر میں بہت پہلے تفصیل سے بیان کیا ہے البتہ بیدل کی جدت طرازی اسلوب بیان میں ہے۔

۳۔ طور معرفت

غرض اینست ازیں افسانه خوانی　　　که چوں حیرت به مژگاں در نمانی

(اس افسانہ نگاری کا مقصد یہ ہے کہ حیرت کی طرح صرف نگاہوں کے دائرے میں محصور ہو کر نہ رہ جاؤ۔)

مثنوی طور معرفت کو بھی بیدل کی ایک شاہکار تصنیف سمجھنا چاہئے۔ بیراٹ پہاڑ کی سیاحت کے بعد جو خیالات اس کے صفحہ ذہن پر ابھرے اور جو جذبات صفحہ دل پر نمایاں ہوئے بیدل نے ان کو نہایت دلکش انداز میں صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا جو بظاہر منظر نگاری ہے لیکن باطنی طور پر اس بروں نگری میں دروں نگری پوشیدہ ہے۔

"بیراٹ" کی تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے سید منظور الحسن برکاتی لکھتے ہیں:

''بیراٹ کا علاقہ اس دور میں الور سے اور اس کے بعد سابق ریاست جے پور سے متعلق رہا ہے۔ جے پور اپنی قدامت ورقبہ کے اعتبار سے راجپوتانہ کی بڑی اور ممتاز ریاستوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اس کے مہاراجہ مغل بادشاہوں سے نہ صرف بہت قریب تھے بلکہ مغل فوجوں کے کمانڈر اور سپہ سالار اعظم بھی رہے تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو تاریخی اعتبار سے نامناسب نہ ہوگا کہ اس ریاست کو اور اس کے حکمرانوں کو اپنی قوت، شجاعت اور وفاداری کے اعتبار سے مغل سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی۔'' (۱۵۹)

یہ مثنوی ایک ہزار تین سو اشعار پر مشتمل ہے اور جامی کی مثنوی ''یوسف زلیخا'' کے وزن پر ہے (۱۶۰) جو صرف دو دن کی کاوش میں لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ بیدل کے حالات کے ضمن میں گذرا۔ نواب شکراللہ خاں نے ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۵ء میں میوات کے باغیوں کے خلاف چلائی جانے والی سرکوبی کی مہم میں کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کے نتیجے میں ۱۰۹۸ھ/۱۶۸۶ء سے لے کر زندگی کے آخری ایام ۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ء تک وہ اس علاقے کے صوبیدار رہے۔ میوات میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے بیدل کو اس علاقے کی سیاحت کی دعوت دی۔ اس کی سیاحت کے بعد بیدل نے مثنوی طور معرفت لکھی اور اسے عاقل خاں رازی کے پاس بھیجا چنانچہ ان کے نام اپنے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''دریں ایام بوساطت تعلیم خانصاحب حقایق مراتب وتتبع آن مرجع عرفان معالی مناصب ازبہارستان عالم موزونی مستفیض گلگشت حقیقی بود''۔ (۱۶۱)

ان دنوں خانصاحب حقائق مراتب اور مرجع عرفان معالی مناصب (شکراللہ خاں) کی فرمائش پر عالم موزونی کی بہارستان سے گلگشت حقیقی سے بہرہ مند ہوا۔

اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ اس مثنوی کا دوسرا نام ''گلگشت حقیقت'' ہے لیکن اس کی تاریخ تالیف کیا ہے کہیں سے پتہ نہیں چلتا۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی تاریخ تصنیف ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء ہے (۱۶۲)۔ بیدل نے مثنوی طور معرفت کے بابت اپنے کئی خطوط میں بعض خیالات کا اظہار کیا ہے جو اس کے مقصد کی تشخیص میں مدد کرتے ہیں اس لئے راقم السطور نے یہاں ان تمام خطوط کو یکجا کر دیا ہے۔ مرزا محمد امین عرفان کے نام اپنے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''ازعالم رویداد غباری فراہم آوردہ است کہ اگر دم زند، دیوار ہا بر روی شوق برمی آرد۔ واز حصول اعتبار پیچ وتابی جمع کردہ کہ اگر عرض دہد حیرت قدم، از تحیر خانہ قدم برنمی دارد۔ باری از سیر بیرات راہ آوردی کہ قانعان تحف معانی بقلیلی ازین پیشکش کفایت تصور نماید، نسخہ طور معرفتی است کہ در تعمیم عبارتش ''مدعای خاص'' مندرج تواں یافت، واز تخصیص معتیش

''حقیقتی اخص'' می تواں شگافت۔ بخدمت خواہد رسید۔'' (۱۶۳)

عالم رویداد سے کچھ غبار فراہم کیے ہیں کہ اگر دم ماروں (کچھ دعویٰ کروں) تو دیواریں شوق کے چہرے پر گرا دیں اور حصول اعتبار سے کچھ پیچ وتاب اکٹھے کئے ہیں جن کو اگر پیش کروں تو حیرت قدم تحیر خانہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ غرض 'بیراٹ' کی سیر کر کے ایک تحفہ لایا ہے۔ معانی کے تحفوں پر قناعت کرنے والے حضرات اس مختصر سی پیش کش کو کافی تصور کریں گے۔ یہ تحفہ طور معرفت کا نسخہ ہے جس کی عبارتوں میں ایک مخصوص مقصد پوشیدہ ہے اور اس کے معانی کی تخصیص میں حقیقت اخص کا سراغ لگایا جا سکتا ہے، خدمت میں باریابی حاصل کرے گا۔

اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مثنوی اگرچہ کوہ براٹ کی سیر کی تفصیلات پر مشتمل ہے پھر بھی اس کا ایک خاص مقصد ہے جو اس کی عام عبارتوں میں پوشیدہ ہے۔

شکراللہ خاں کے نام اپنے ایک خط میں جس کا عنوان ہے ''درعرض انسجام طور معرفت'' لکھتا ہے:

''معنی نوازا! طور معرفت از ہجوم دیدہ انتظار، سامان یکعالم چراغانست، و بہوای نثاران کلیم ایمن حقیقت، صد ہزار گوہر معنی بدامان۔'' (۱۶۴)

معنی نوازا! ''طور معرفت'' دیدہ انتظار کے لئے ایک دنیا چراغاں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کلیم ایمن حقیقت پر نثار ہونے کی خواہش میں لاکھوں گوہر معنی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

میرزا اعباداللہ کے نام اپنے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

''مطابق امریکہ امتثال آن چارہ نیست۔ مسودہ شعری چند بانسخۂ طور معرفت، کہ لمعات حقیقتش منکشف تامل خواہد گردید، بمعرض ارسال رسانید۔'' (۱۶۵)

حسب فرمائش جناب عالی جس کی بجا آوری سے چارہ نہیں چند اشعار کا مسودہ نسخہ ''طور معرفت'' کے ساتھ جس کی لمعات حقیقت بہ غور مطالعہ کرنے کے بعد واضح ہوں گی ارسال خدمت ہے۔

ان تینوں مکاتیب میں بیدل نے مجموعی طور پر اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مثنوی ''طور معرفت'' اگرچہ بظاہر ''کوہستان بیراٹ'' کی سیاحت کی روئداد ہے لیکن حقیقت میں ایسے دقیق اور رنگین مضامین پر مشتمل ہے کہ گویا ان لوگوں کے واسطے جو کوہ طور پر تجلی الٰہی دیکھنے کے خواہشمند ہیں ایک دنیا چراغاں کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کی تہ تک پہنچنے کے لئے کافی غور وخوض سے اس کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں اس مثنوی کی وجہ تسمیہ بھی اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ ٹھیک جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تجلی الٰہی کے دیدار سے شرفیاب ہوئے یہ مثنوی بھی عارفانہ مضامین کا ایک کوہ طور ہے جہاں قارئین خداشناسی سے متعلق مضامین سے شرفیاب ہوں گے۔ درج

ذیل اشعار میں بھی بیدل اسی "خاص مدعا" اور "حقیقت اخص" کی طرف اشارہ کرتا ہے:

بگوش نغمہ سنج محفل راز — ز قانون یقین می آمد آواز

محفل راز کے نغمہ سنجوں (گویوں) کے کان میں یقین کے باجا سے یہ آواز آتی تھی۔

کہ کہسار است یکسر عالم رنگ — ہجوم آباد آب و آتش و سنگ

کہ پہاڑ سراسر ایک جہاں رنگ ہے، جس میں پانی آگ اور پتھر بھرے پڑے ہیں۔

زہر جزوی کزیں کہسار جوشید — بایں آہنگ خون گشتن خروشید

اس پہاڑ سے برآمد ہونے والی ہر چیز سے یہ آواز آرہی ہے۔

کہ ساز استقامت نیست جای — زمین کوتا بیفشاریم پای

یہاں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مستقل قیام کیا جاسکے۔ زمین کہاں ہے کہ وہاں کے لئے ہاتھ پاؤں ماروں۔

چونکہ دنیا کی ہر چیز چاہے جتنی دلکش ہو پا بر کاب فنا ہے اور کسی کو بقا و دوام حاصل نہیں ہے تو پھر سوچنا ہوگا کہ انسان کس طرح اُس آب حیات کو نوش کرے جو اسے دوام بخشے اور فنا کی دستبرد سے محفوظ کردے؟ بیدل کہتا ہے اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اپنی ذات پر غور و فکر کرے اور "شناخت ذات" حاصل کرے۔

غرض آنست ازیں افسانہ خوانی — کہ چون حیرت بمژگان در نمانی

ساری کہانی سنانے کا مقصد میرے یہ ہے کہ حیرت کی طرح صرف پلکوں کے دائرے میں محدود ہو کر نہ رہ جاؤ۔

باوج چرخ اگر نتوان رسیدن — کہ شد مانع ز پیش پای دیدن

آسماں کی بلندی تک پہنچنا اگر ممکن نہیں ہے تو اپنے پاؤں کے سامنے کے منظر کو دیکھنے سے کون سی چیز روکتی ہے۔

دگر گوہر برون ناید ز دریا — بروی آبلہ نتوان زدن پا

دریا سے اگر موتی برآمد نہیں ہوتا ہے تو آبلوں پر پاؤں نہیں مار سکتے۔

ز جنت تا شوی افسانہ پرداز — در خاکی بروی سینہ کن باز

جنت کی کہانی بیان کرنے سے پہلے اپنے سینے پر خاک (انکساری و فروتنی) کا دروازہ کھولو۔

حنائی تا توانی کرد مژگان — کف دریا مشو از درد مرجان

پلکوں کو مہندی کے رنگ سے رنگنے سے پہلے مرجان موتی کے غم میں دریا مت ہو جاؤ۔

بدوراں گر رسید نہاست مشکل — ز نزدیکان نباید بود غافل

دور کے لوگوں تک پہنچنا اگر مشکل ہے تو نزدیک کے لوگوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہئے۔

استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"طور معرفت ایک رمزیہ سفرنامہ ہے، جس کے آخر میں وہ خود کہتا ہے:

بیا اے بلبل محرومی آہنگ — بزن از خامشی مضراب بر چنگ

کہ می نالی و کس محرم نوا نیست — بحرفت ہیچ گوشی آشنا نیست

یہ ایک سفر ہے "اطلاق" کی دنیائے بے چوں کا پھر کثرت کی دنیائے چند و چوں کے آئینہ خانے کی طرف واپسی کا۔

بیدل کا شمار سترہویں صدی عیسوی کے شاعروں اور ادیبوں کے زمرے میں ہوتا ہے یہ وہ صدی ہے جب ہر جگہ "مطلق و مقید" کی بحث جاری تھی اور افکار و خیالات میں آزادی بھی اس درجے پر پہنچ چکی تھی کہ لوگ ان مسائل پر بانگ دہل آزادانہ اظہار رائے کرتے تھے۔ اس ماحول میں وجود کے دو محور "وحدت" اطلاق کا محور اور "کثرت" تعین کا محور موضوع بحث تھے۔ کچھ لوگوں کی ساری توجہ "محور اطلاق" پر تھی جو وجود کا صاف ستھرا چشمہ اور ہستی کے تمام شعبوں کی تقسیم کرنے والا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ مطلق ہر نقش سے عاری ہے اور منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوسکتا تھا جب تک چوں و چند (کیف و کم) اور دیگر خصوصیات اس سے وابستہ نہیں ہوتی ہیں۔ اب بیسویں صدی میں پہنچ کر اس سلسلہ نے یہ نوعیت اختیار کرلی کہ مطلق کا ظہور "تعین اور تقید" کی دنیا کے سوا کہیں بھی نہیں ہوتا ہے بلکہ سرے سے اس کا وجود ہی نہیں ہوتا ہے۔

لیکن بیدل ایک اسلامی صوفی ہے اور باوجودیکہ ہندوستان کا ماحول جس میں محور تعین صدیوں سے قوی رہا ہے اور ہنوز ہے اور وہاں دنیائے مابعد الطبعیہ، عالم اطلاق اور آسمان وحدت بھی دنیائے طبیعت اور کشور تعین میں نمایاں بلکہ ثابت ہے۔ یہ چیز بیدل کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بھی وہ اپنے اسلاف کی روایت کے مطابق مولانا جلال الدین محمد بلخی، مولانا نورالدین محمد جامی، شیخ عطار اور امیر حسینی سادات غوری وغیرہ جیسے لوگوں کی طرف مائل ہے اور پلہ اطلاق کو سدا ترجیح دیتا ہے اگرچہ صوفیوں کے نزدیک اطلاق اور تعین میں کوئی دوئی نہیں ہے۔ (۱۶۶)

اطلاق اور تقیید کی بحث بڑی حد تک پانچویں باب سے وابستہ ہے اس لئے وہاں وحدت الوجود کے تحت بیدل کے نقطہ نظر اور اس کے سرچشمہ پر تفصیل سے بحث ہوگی۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

"طور معرفت بظاہر ایک بیانیہ مثنوی ہے جس میں شاعر نے بیراٹ کی پہاڑیاں وہاں کی برسات، چمن، سبزہ، کان، پھولوں وغیرہ کا بیان کیا ہے لیکن درحقیقت اس کی تہ میں عرفان وبصیرت کی ایک لہر برابر دوڑ رہی ہے اور اس طرح یہ نظم ورڈ سورتھ کی نظم TINTERN ABLEY T. D. سے بہت ملتی جلتی ہے۔ (۱۶۷)

اس مثنوی میں عارفانہ پہلو کے علاوہ جو بیدل کے سامنے اصل نصب العین کی حیثیت رکھتا ہے، بیدل کی منظر نگاری اور مثنوی کا ادبی پہلو بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اس نے منظر نگاری خصوصاً قدرتی مناظر جیسے موسم برسات، بادل، قطرہ، بلبلہ، قوس قزح، پہاڑوں پر بارش کا منظر، چنگاری، پتھر، شفق، پہاڑ، کانوں کے کنوئیں، گرم چشمے، باغ، چنبیلی کے پھول وغیرہ کی تصویر کشی میں غیر معمولی شاعرانہ لیاقت وصلاحیت اور ذوق وشوق کا اظہار ایسے دلکش پیرایے میں کیا ہے جس کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان اشعار کو پڑھتے وقت قدرتی مناظر کا وہی سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے جو ان کے چشم دید مشاہدے سے نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

اس مثنوی کے آئینے میں بیدل نہ صرف یہ کہ ایک وحدت الوجودی صوفی اور ایک عظیم منظر نگار نظر آتا ہے بلکہ اسی کے ساتھ ماہر نباتات وارضیات بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس حیثیت سے جب وہ ان اشیاء کی توصیف وتحلیل کرتا ہے تو اس کے وسعت مطالعہ اور غیر معمولی قوت مشاہدہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

عہد حاضر کے ایک مشہور ایرانی ادیب، نقاد اور شاعر ڈاکٹر پرویز ناتل خانلری "طبیعت در نظر صائب" کے زیر عنوان ہندوستانی اسلوب شاعری کی ایک خصوصیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"در شیوہ ہندی طرز برخورد شاعر با عوالم طبیعی دیگر گون می شود۔ "و برون نگری" جای خود را بہ "درون نگری" می دہد۔ دیگر "شاعر در طبیعت نیست بلکہ "طبیعت در شاعر است" آنچہ مہم است اموری نیست کہ در عالم خارج واقع می شود، بلکہ حالاتی است کہ این امور خارجی در ذہن شاعر بوجود می آرند الخ۔" (۱۶۸)

ہندوستانی طرز شاعری میں شاعر کا سابقہ جب فطری دنیا سے پڑتا ہے تو اس میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ یہاں برون نگری، دروں نگری کو اپنا جانشیں بناتی ہے یا آپ بیتی میں اسے جگ بیتی نظر آتی ہے یہاں شاعر فطرت کے اندر نہیں رہتا ہے بلکہ فطرت سمٹ کر خود شاعر کے وجود میں سما گئی ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ امور نہیں ہیں جو خارجی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ حالات وکیفیات ہیں جو شاعر کے ذہن میں ان خارجی امور کو وارد کرتے ہیں۔

نظیری کے نزدیک جس کو شاید صایب کا پیشرو کہا جائے موسم بہار ایک ایسا فصل ہے جو شاعر کے دل میں محبوب کا اشتیاق پیدا کردیتا ہے اور "سایہ ابر بہار" نے تو فرط خوشی سے گویا جنوں کا ہنگامہ برپا کردیا ہے۔ صحرا میں ہرن کی چوکڑیاں بھی اسی شیفتگی کا نتیجہ ہیں اور ابر بھی ایک ایسا عاشق دلدادہ ہے جو کوہسار سے محبوب کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی طرز شاعری کی پیروی کرنے والے 'برون نگری' سے جو ان سے پہلے اکثر شاعروں کی روش تھی ہٹ کر 'دروں نگری' کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اس مکتب فکر کے شاعران امور سے جو ان کے آس پاس واقع ہوتے رہتے ہیں بے اعتنائی برتتے ہیں لیکن ان امور کو ان کیفیات کے لحاظ سے جو روح اور ذہن پر مرتب ہوتی ہیں اعتبار کا معیار قرار دیتے ہیں۔ ہندوستانی اسلوب شاعری کی پیروی کرنے والوں کی نظر میں قدرتی امور، جو اس طبقے کے عظیم ترین نمائندہ یعنی صائب کی تخلیقات میں بھی ہیں صرف اسی حیثیت سے مرکز توجہ بنتے ہیں۔"

اس میں شبہ نہیں کہ پرویز ناتل خانلری کی شخصیت ملک وبیرون ملک کے دانشوروں میں مسلم اور ان کا ادبی مقام بہت بلند ہے لیکن ڈاکٹر موصوف کو شاید یہ بات نہیں معلوم ہے کہ "ہندوستانی شاعروں خصوصاً صوفی شاعروں کی دروں نگری" کا سرچشمہ درحقیقت کائنات کے بارے میں ان کا ایک مخصوص نظریہ ہے۔ یہ نظریہ وہی ہے جو استاد غزل شیخ شیرازی کا ہے۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار　　　ہر ورقی دفتریست معرفت کردگار

ہوشمند آدمی کی نظر میں ہرے بھرے درختوں کا ہر ایک پتہ معرفت الٰہی کا ایک پورا دفتر ہے۔

اس حیثیت سے بیدل کو صائب پر ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس نے یہ کام دوسروں شاعروں کی بہ نسبت کیا کمیت کے لحاظ سے اور کیا کیفیت کے لحاظ سے کہیں زیادہ کیا ہے۔ غزلیات کے علاوہ اس کی مثنویاں خصوصاً مثنوی "طور معرفت" بیدل کی 'دروں نگری' کا بہترین نمونہ ہے جس کا سرچشمہ کائنات کے بابت اس کا درج ذیل نقطہ نظر ہے۔

عالم ہمہ جلوہ ذات احد است　　　ایں خانہ ہیولی است، نہ صورت جسد است

ساری دنیا ذات وحدہ لاشریک لہ کی تجلیوں کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی قدرت وسطوت اور بزرگی وعظمت کی نشانی اور مظہر ہے۔ عام طور سے منطقی لوگ کسی مجسم پیکر کو ہیولی اور صورت جسمیہ کا مرکب قرار دیتے ہیں۔ بیدل کہتا ہے اس پوری کائنات کو ہیولی اور صورت جسمیہ کا مرکب نہ سمجھو یہ درحقیقت خدائے جل جلالہ کی بوقلموں تجلیوں کی آماجگاہ ہے۔

دروں نگری، کے ساتھ ساتھ بیدل کی "برون نگری" بھی کسی ایرانی شاعر سے کم نہیں نظر آتی

ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیلی بحث سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

بیدل نے یہ سفر چونکہ موسم برسات میں شروع کیا تھا اس لئے فطری مناظر کے علاوہ اس موسم سے وابستہ مناظر کی بھی اس نے اپنے کیمرے سے تصویر کشی کی ہے۔

اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے بیراٹ کے فطری مناظر کو بیان کیا ہے جس کو بجا طور پر خوش آہنگ الفاظ، انوکھی ترکیبات اور بے نظیر استعارات و کنایات کا ایک حسین و دلکش البم کہا جا سکتا ہے، جس کا مطالعہ کر کے صرف باذوق حضرات ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

چمن سامان بساطی کز خیالش　　نگہ بر خلد ریزد گرد بالش

پورا فرش ایسا چمن ساماں بنا ہوا ہے کہ اس کا تصور کر کے بھی نگاہ جنت پر گول تکیے گراتی ہے (اسے نا قابل اعتناء سمجھتی ہے)

نوا گر یکنفس آنجا گذر کرد　　بحسرت عمرہا باید سفر کرد

دم بھر کے لئے بھی اگر آواز (مراد شاعری) کا وہاں گذر ہو تو اس کی حسرت و آرزو میں ساری زندگی سفر کرنا چاہئے۔

ز بس ذوق طواف آن صنم زار　　چو مشتاقان بگردش گشتہ کہسار

اس صنم زار (حسین مناظر کی جگہ) کے طواف کے انتہائی شوق میں پہاڑ بھی مشتاقوں کی طرح چکر کاٹ رہا ہے۔

ز خاکش در نظر گاہ تامل　　لطافت موجزن چون آب از گل

تامل و تفکر کی نگاہ میں اس کی خاک سے لطافت کی لہر اسی طرح اٹھ رہی ہے جس طرح پانی پھول سے ٹپکتا ہے۔ اس سرزمین کی دلکشی کا عالم یہ ہے کہ

تکلف بر طرف این وضع خرم　　ندارد خلد ہم واللہ اعلم

تکلف برطرف یہ ہرا بھرا سرسبز و شاداب منظر تو جنت میں بھی نہیں ہے باقی خدا ہی کو زیادہ علم ہے۔

اس کو شاعرانہ مبالغہ آرائی کہتے ہیں کہ کسی چیز کی غیر معمولی زیبائی و دلکشی کو بیان کرنے کے لئے شاعر عموماً یہ اسلوب اختیار کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے جہاں تک عقیدے کی بات ہے بیدل کئی جگہ کہہ چکا ہے ''دین احمد ہمہ جا رہبر ماست''۔

صرف یہی ایک شعر اس مقام کی دلکشی اور زیبائی کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے کہ اور اشعار کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے۔

اس کے بعد ''بہار'' کی توصیف کرتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ موسم بہار ہر ایک چیز کے

لئے خواہ جاندار ہو یا بے جان کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ پھر بیدل جیسے جمال پرست، حساس اور قادر الکلام شاعروں کی نگاہ میں اس کی کیا وقعت اور کتنی اہمیت ہوگی واضح ہے۔ بیدل کے قلم جادو رقم نے یہاں کیا قیامت ڈھائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

بیا ای اشک بی پا و سر آہنگ　　بطوف مدعا سر تا قدم لنگ

اے اشک! تو ایک بے سروپا آہنگ ہے اور مدعا کے گرد طواف کرنے میں سراپا لنگڑی واقع ہوئی ہے۔

کنوں گامی بلغزش می کشایم　　کہ در گل می رود چون خامہ پایم

اب میں پھسلن میں چلتا ہوں جہاں قلم کی طرح میرا پاؤں مٹی میں دھنسا جا رہا ہے۔

دریں منزل کہ جز آب و ہوا نیست　　کسی با آتش خاک آشنا نیست

اس منزل میں جہاں آب و ہوا کے سوا کچھ نہیں ہے کوئی آدمی مٹی کی آگ سے واقف نہیں ہے۔

ز جوش ابر و فیض رشحہ کاری　　بسر نیست اینجا خاکساری

بادل کے جوش اور بوندا باندی کے فیض سے اب دماغ میں خاکساری کا جذبہ نہیں ہے۔

بوصفش گر نماید خامہ اقبال　　نگردد خشک تحریرش بصد سال

اس کی تعریف میں قلم اگر اپنی توانائی دکھائے تو سو سال تک اس کی تحریر خشک نہ ہو۔

اس کے بعد بادل کو موضوع قرار دے کر اس کی مختلف کیفیات بیان کئے ہیں جو بارش کے دوران سامنے آتی ہیں۔

جنوں پیمانہ چشمی گوید آہنگ　　سیہ مستی شکست شیشہ در چنگ

ایسا جنوں پیمانہ ہے کہ آنکھ اسے آہنگ سے تعبیر کرتی ہے۔ ایسا سیہ مست ہے کہ اس کے پنجے میں شیشے کی شکست ہے۔

گہی از برق بر آفاق خندد　　گہی بر خاک سیل گریہ بندد

کبھی بجلی چمکا کر دنیا پر ہنستا ہے اور کبھی خاک پر آہ و زاری کا سیلاب لاتا ہے۔

اسی طرح قطرے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قطرہ جب ٹپکتا ہے تو اس سے ایک آواز کانوں میں آتی ہے کہ سمندر سے جدا ہونے کے بعد بے بس، لاچار اور عاجز و درماندہ ہو گیا ہوں ورنہ میری حقیقت اسی توانا اور زبردست سمندر کی ہے اگر اس کے ساتھ مل کر جوش میں آؤں۔

ز ہر یک قطرہ ہنگام چکیدن　　نوای می زند بال طپیدن

قطرہ کے ٹپکنے کے وقت اس کے بال افشانی سے یہ آواز آتی ہے

کہ از بی اتفاقی عجز پوشیم   ہمان بحریم اگر باہم بجوشیم

سمندر سے الگ ہو کر میں عجز پوش ہو گیا ہوں ورنہ میں وہی سمندر ہوں اگر ایک ساتھ جوش میں آئیں۔

یہاں بیدل نے ضمنی طور پر فرد اور سماج کے باہمی ربط کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ فرد کو سماج سے تقویت حاصل ہوتی ہے جب وہ جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو اپنی ساری توانائی ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے اور جب وہ سماج سے جڑا رہتا ہے تو اس میں سمندر جیسی توانائی ہو جاتی ہے جو حوادث کے بڑے بڑے چٹانوں کو اکھاڑ پھینکنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے حدیث شریف میں بھی آیا ہے **یداللہ علی الجماعۃ** جماعت پر اللہ کی مدد ہوتی ہے۔

لیکن یہ قطرہ پہلے پانی کے بلبلے کی شکل کا تھا پھر خاک پر گرا۔ بلبلہ بھی چند قطروں کے مجموعہ کا نام ہے لیکن بیدل اس سے ایک نئی بات پیدا کرتا ہے۔

حبابی کز نقاب قطرہ جوشد   بچشم شوقم این عینک فروشد

جو بلبلہ قطرہ کے نقاب سے باہر آتا ہے چشم شوق میں وہ عینک فروش نظر آتا ہے۔

کہ خود را اندکی از خود تہی کن   بکاہش چون رسیدی فربہی کن

کہ خود کو پہلے آپ اپنی ہستی سے خالی کرو اور جب اپنی کم و کاست کو پہونچو تو فربہی اختیار کرو۔

اگر نتواں بہ بزم جلوہ جا کرد   بایں تدبیر باید چشم وا کرد

بزم جلوہ میں اگر تمہاری گنجائش نہیں نکلتی ہے تو اس تدبیر سے آنکھ کھولی جا سکتی ہے۔

بلبلہ چونکہ قطرے سے ہی بنتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہر قطرہ کے نقاب سے بلبلہ جھانک رہا ہے یا باہر آ رہا ہے۔ قطرہ جب بلبلے کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو وہ ہمیں اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ''فربہی'' تک رسائی کے لئے اول لاغری کو اپنائیں اس لاغری کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آپ کو خود آپ اپنی ہستی سے خالی کریں اور چونکہ بزم میں جلوہ آرائی کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ اپنی نگاہیں وا کریں اس لئے اس روش کو اپنانا چاہئے۔ اس طرح بیدل اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ہر قطرہ میں ایک جاں ہے اور ہر کف خاکی میں ایک جہان پوشیدہ ہے۔

یقینم شد کہ در ہر قطرہ جانی است   نہاں در ہر کف خاکی جہانی است

مجھے یقین ہو گیا کہ ہر قطرہ میں ایک جان نہاں ہے اور ہر کف خاکی میں ایک جہاں پوشیدہ ہے۔

بیدل کو اس لحاظ سے کہ اس نے اشیاء کے مابین نئے رابطوں کا انکشاف کیا ہے بجا طور پر ''خلاق معانی'' کا لقب دیا گیا ہے۔ وہ فطری مناظر کے مشاہدہ کے وقت ان کی تہوں تک اس قدر

رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ عوام کا ذہن تو کجا خواص کا ذہن بھی مشکل سے وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ پھر اس تفکر و تعمق سے حاصل ہونے والے افکار و خیالات کی ادائیگی میں اپنی لیاقت و صلاحیت اور ذوق لطیف و احساس جمال کا پوری طرح مظاہرہ کرتا ہے جیسا کہ اس کی غزلیات پر بحث کے دوران اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے یہ خصوصیات مثنویوں میں اور زیادہ دیکھنے کو ملتی ہیں۔

قطرہ کے بعد اس نے حباب کو موضوع بحث بنایا ہے اور اس کی خصوصیات گنائے ہیں۔ لفظ 'حباب' کو اس نے غزلیات میں بھی مختلف مواقع پر استعمال کیا ہے لیکن وہاں اسے ایک مخصوص علامت کے طور پر استعمال کیا ہے ''ہستی کی بنیاد سراسر سستی و ناپائداری پر ہے'' بلبلے کی طرح انسانی ہستی بھی لحظہ بھر کے لئے دریائے وجود پر نمودار ہوتی ہے اور دوسرے ہی لحہ فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے لیکن مثنوی میں وہ دوسرے معانی اور مفاہیم میں استعمال کرتا ہے۔

زہی وضع حباب بی سرو پا   کہ حیرانی ز نقش اوست پیدا

بے سرو پا حباب کی شکل و صورت بھی کیا خوب ہے جس سے نقش ''حیرانی'' کے آثار نمایاں ہیں۔

بیدل کے خیال میں حباب کی ساختیاتی شکل نقش حیرانی کی ترجمان ہے کہ ہم کون ہیں؟ کس طرح وجود میں آئے؟ کتنی جلدی راہی عدم ہو گئے؟ اور اتنی جلدی آنکھ کھولنے اور بند کرنے سے مقصد کیا ہے؟

دوسری طرف اس کے آئینہ کی پاکیزگی و صفائی کی تعریف کرتا ہے۔

چو او نتواں صفای سینہ دادن   نفس را صیقل آئینہ دادن

اس کی طرح سینے کو صاف و شفاف دکھانا اور نفس کو آئینے جیسی صیقل اور قلعی عطا کرنا کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔

اور آخر میں کہتا ہے:

طلسم حیرتی گل کردہ از آب   جہان زین رنگ در جوش است دریاب

حباب کیا ہے؟ ایک طلسم حیرت ہے جو پانی سے نمایاں ہوا ہے دنیا بھی اسی رنگ ڈھنگ سے جوش اور ابال میں ہے تم اس کا پتہ لگاؤ۔

مپرسید از تماشای حبابم   کہ من ہم گر بخود اندیشم آبم

میں جو اپنے حباب کا تماشا دیکھ رہا ہوں اس کے بابت مت دریافت کرو کہ میں بھی اگر غور کرتا ہوں تو خود کو پانی پاتا ہوں۔

اس کے بعد قوس وقزح کی رنگا رنگی اور بوقلمونی کی اس طرح تصویر کشی کرتا ہے کہ قاری کو تہ دل

سے صدائے تحسین بلند کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ز موج سبزہ و گل رنگہا جست　　شفق تابی زد و قوس قزح بست

شفق نے سبزہ وگل کی لہروں سے انواع واقسام کے رنگ اکٹھے کئے اور ایک چمک دکھائی تو قوس وقزح کی شکل بن گئی ہے۔

اور کیا خوب کہا ہے:

گر از وصف قزح گیرد بیان رنگ　　ببالد از زمین تا آسمان رنگ

قزح کی تعریف میں اگر اپنے قلم کی جولانی دکھاؤں تو زمین سے لے کر آسمان تک رنگ ہی رنگ چھا جائے۔

قوس وقزح کی حقیقت پر اگر غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ وہ دراصل مختلف رنگوں کے حسین وجمیل اور مناسب ومتوازن امتزاج کا نام ہے جو اکثر موسم برسات میں آسمان پر دکھائی دیتا ہے۔ قوس وقزح کی ساری آب وتاب اور دلکشی ودلآویزی اسی موزوں رنگ آمیزی کی وجہ سے ہے جو ایک تماشائی کی بینائی کو غیر معمولی لطف ولذت عطا کرتی ہے لیکن بیدل، جیسا کہ ہم جانتے ہیں لفظ ''رنگ'' کا عاشق و دلدادہ ہے۔ لفظ ''رنگ'' ایسا محبوب کلمہ ہے جس کو اس نے اپنی غزلیات اور مثنویوں میں بے شمار معانی میں بہ کثرت استعمال کیا ہے حتی کہ پٹنہ کے ایک پروفیسر نے از راہ شوخی ایک بار مجھ سے کہا کہ جہاں کسی شعر میں لفظ ''رنگ'' دکھائی دے تو سمجھ لیجئے کہ وہ شعر بیدل کا ہے یا بیدل کے کسی ہم ذوق شاعر کا ہے۔

خصوصاً جب بیدل کی طبع حسن پرست اور ذوق جمال پسند شوخ رنگوں کو کامل ہم آہنگی وتوازن کی صورت میں دیکھتا ہے تو اس کی تخلیقی صلاحیت نقطۂ عروج کو پہنچ کر یوں گویا ہوتی ہے

رگ ابر بہارستان نیرنگ　　طلسم ریشۂ فردوس در چنگ

بہارستان نیرنگ (طلسم وجادو) کا رگ ابر بہار ایسا لگتا ہے جیسے ریشۂ فردوس کا طلسم پنجے میں ہو۔

کشیدہ خامۂ نقاش فطرت　　خطوط امتحان رنگ قدرت

نقاش فطرت کے قلم نے اپنی قدرت کی رنگ برنگی لکیریں کھینچی ہیں۔

سپہر رنگ اگر دارد ہلالی　　جز این شکل جنون بنما مثالی

رنگ کے آسمان پر اگر ہلال (پہلی تاریخ کا چاند) ہو تو جنون کی اس شکل کے سوا کوئی اور مثال کی نمائش کر۔

نزول قطرہ ہا از اوج افلاک　　اگر بینی بسوی مرکز خاک

آسمانوں کی بلندی سے جو قطرے مرکز خاک پر گرتے ہیں اگر ان کو دیکھو۔

خدنگ بی خطای این کمان است　　کہ تا آماجگاہ دل روان است

تو معلوم ہوگا کہ اس کمان کے بے خطا نشانے ہیں جو دل کی آماجگاہ (نشانے کی جگہ) تک رواں دواں ہیں۔

بادل اور پہاڑوں کے رنگ کو موضوع سخن قرار دے کر بیدل کہتا ہے کہ بارش ہوتے وقت پہاڑوں کی ہیئت کدائی خاموش اور دریائے فکر میں غرق آدمی جیسی لگتی ہے لیکن اس کے دوش بدوش اس میں رعد وکڑک جیسا جوش وخروش بھی ہوتا ہے جو شیشہ کے پتھر سے تصادم کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

ندارد خلوت ہر جز و این کل　　چراغ معرفت غیر از ''تامل''

اس کل (پہاڑ) کے ہر جز کی خلوت کے اندر تامل کے سوا کوئی چراغ معرفت روشن نہیں ہے

اگر درس ''تامل'' کاروان است　　دل شب صفحہ خورشید خوان است

''تامل کا درس'' اگر قافلہ ہے تو رات کا دل (آدھی رات) درحقیقت ایسا صفحہ ہے جس پر خورشید کو پڑھا جا سکے۔

خوش آن کز دقت ساز تامل　　برد بوی گل از آواز بلبل

وہ آدمی کتنا خوش نصیب ہے کہ ساز تامل کے ذریعہ بلبل کی آواز سے پھول کی خوشبو کا سراغ لگا لیتا ہے۔

''شرار'' (چنگاری) کے بابت کہتا ہے کہ وہ پتھر کے دل میں نہاں ہے۔ یہ کوئی اچھی صورت حال نہیں ہے۔ یہ کیسی زندگی ہے کہ پتھر کے دل میں سما کر موت کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ بیدل ''شرر'' کی حالت کے برعکس ایک ایسی زندگی گذارنے کی نصیحت کرتا ہے جس میں جد وجہد اور تگ ودو کا عمل دخل ہو۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تصوف میں جمود کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ ایک رواں دواں زندگی کا قائل ہے۔

ازیں زندانگہ واماندگی ساز　　نوای می رسد کز خود برون تاز

عجز و درماندگی کے اس قید خانے کے ساز سے آواز آ رہی ہے کہ خود آپ اپنی ہستی سے باہر آؤ۔

بیا تا وحشتی در پیش گیریم　　مبادا چون شرر در سنگ میریم

آؤ وحشت کو اختیار کریں اور شرر کی طرح پتھر کے اندر نہ مر جائیں۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے شاید بیدل کے اسی فلسفہ حرکت سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ　　جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اسی طرح ''پتھر'' کے بابت کہتا ہے کہ لوگ عام طور سے اسے بے درد دل، سختی اور درشتی کی علامت قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں وہ اتنا سرومہر واقع ہوا ہے کہ حزن وغم سے بھرے دردناک مناظر کے سامنے ذرا نہیں پسیجتا ہے۔

بیدل کے خیال میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ ہم اپنی غفلت و بیخبری سے پتھر کی طرف سخت دلی کی نسبت کرتے ہیں اس طرح کا دعویٰ کرتے ہوئے ہمیں شرمانا چاہیے۔ کیونکہ بہت سے پتھر ایسے ہیں جن سے چشمے ابل پڑے ہیں۔ لگتا ہے بیدل کے سامنے یہاں قرآن پاک کی آیت ان من الحجارۃ الخ رہی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے کہ بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں ابل پڑتی ہیں۔

به بیدردی نمائی نسبت سنگ　　زگفتن شرم دار ای دانش آهنگ

تو پتھر کی طرف سخت دلی کی نسبت کرتا ہے اے عقلمند آدمی اپنی اس بات پر تجھے شرم آنی چاہیے۔

کدام آثار بیدردی است بشمار　　فغان یا داغ دل یا چشم خونبار

تم ہی بتاؤ آہ وفغاں، داغ دل یا چشم خونبار میں سے کون سی چیز بے دردی اور سخت جانی کی علامت ہے۔

دل سنگینت از غیرت نشد نرم　　وگرنه آب می شد لافت از شرم

تیرا دل انتہائی سنگین ہے کہ غیرت سے ذرا نہیں پسیجا ورنہ اتنے ڈینگ سے تجھے پانی پانی ہوجانا تا تھا۔

جهان آبی اگر دارد ز سنگ است　　وگر آتش ازو آتش بجنگ است

دنیا میں اگر کہیں پانی ہے تو پتھر کی بدولت ہے اور اگر آگ ہے تو اسی کی بدولت ہے۔

چه طوفانها که نشگفته است اینجا　　چه گلخن ها که نه نهفته است اینجا

کتنے طوفاں ہیں جو یہاں نہیں اٹھے ہیں کتنی انگیٹھیاں ہیں جو یہاں چھپی نہیں پڑی ہیں۔

شفق کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف قسم کی تشبیہات اور کنایات کے ذریعہ مختلف قسم کے نکات ومعانی پیدا کرتا ہے جو اس کی غیر معمولی قوت مشاہدہ کی دلیل ہیں۔

نمی دانم بایں شوخی که زد چنگ　　که شد بی پرده حسن عالم رنگ

مجھے نہیں معلوم کس نے اس شوخ کو چھیڑا ہے کہ عالم ''رنگ'' کا حسن بے نقاب ہوگیا۔

که وا کرده است بر آئینه آغوش　　که عکسش کرده عالم را چمن پوش

کس نے آئینہ دل پر اپنی آغوش وا کردی ہے کہ اس کے پرتو سے دنیائے چمن روشن ہوگئی۔

تصورها بیادش جنت احرام　　خیال، از رنگ تصویرش گل اندام

جس کی یاد میں تصور جنت کا احرام باندھے ہے۔ جس کی تصویر کے رنگ سے خیال گل اندام ہوگیا ہے۔

کف اندیشه از شوقش حنای　　تفکر خلوت شنگرف سائی

جس کے شوق میں کف اندیشہ حنائی ہوگیا۔ اور تفکر شنگرف سائی (نمو داری) کی خلوت ہوگیا ہے۔

پہاڑ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اسے ''آئینہ عالی نگاہاں'' اور ''حیرت گاہ معراج قدرت'' کا لقب دیتا ہے نیز رفعت و بلندی اور عزم وحوصلہ کی علامت اسے قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں زمین وآسماں، باغ وراغ، روز وشب ماحول وفضا اور چشمہ وغیرہ سے اس کی مناسبات کو نہایت دلکش انداز میں بیان کرتا ہے۔

چه کوه؟ آئینه عالی نگاهان　　شکوه عزت گردوں کلاهان

پہاڑ کیا ہیں؟ بلند نظر انسانوں کا آئینہ۔ گردوں کلاہوں (اونچی ہستیوں) کی عزت کا شان وشکوہ۔

همیں کوه است کز جوش وقارش　　رگ سنگ است موج چشمه سارش

یہی پہاڑ ہے جس کے جوش وقار سے بہت سے چشموں کی موج کا وہ رگ سنگ ہے۔

باوجش گر کنی نظاره یکبار　　بماند سر ابد محروم دستار

اس کی بلندی کو اگر ایک بار نظر اٹھا کر دیکھو سر سدا دستار سے محروم رہے گا۔

بحیرتگاه این معراج قدرت　　ندارد هیچ طایر بال جرأت

معراج قدرت کی اس حیرت گاہ پر کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا۔

پہاڑوں کے بعد کوہستان کو موضوع سخن قرار دیتا ہے۔ کوہستان کی جو پہاڑوں اور وادیوں سے گھرا ہوا ہو، خصوصیات کو الگ الگ بیان کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ کوہستان کی خاموشی کو خودی اور مستی کی علامت قرار دیتا ہے جہاں پڑا ہے پڑا ہے غیر سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے۔

همه حیرت نمای خاموشی ساز　　شراب کوزه سربستهٔ راز

سب ''حیرت'' کا پتلا بنے چپی سادھے ہوئے ہیں راز سربستہ کے کوزے کی شراب ہیں۔

مذاق طرز شرب غیر پرهیز　　چو گوهر جام شان از خویش لبریز

پرایوں کے پینے کے انداز سے پرہیز کرنے والے۔ موتی کی طرح ان کا جام خود آپ سے لبریز ہے۔

نمی دانم باین مستان چه رو داد　　که هر جا هر کدام افتاد، افتاد

چہ جانے ان مستوں پر کیا بیتی کہ جہاں جو کوئی پڑا وہیں پڑا رہ گیا۔

جوارح شان ز فیض می پرستی   خراب سجدۂ تسلیم مستی

می پرستی کی بدولت ان کے اعضاء و جوارح شیوہ تسلیم ورضا میں مست رہنے والوں کے سجدے کی طرح مست ہیں۔

اور اسے مستوں کی زیارتگاہ قرار دے کر نصیحت کرتا ہے کہ جب بھی اس کی یاد آئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ دے۔

دریں محفل ادب از دست مگذار   زیارتگاہ مستانست ہشدار

اس محفل میں ادب کی باگ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے یہ مستوں کی زیارگاہ ہے اس کا خیال رہے۔

آخر میں ''اشارات'' کے تحت کوہ و کوہستان کی شناخت سے جو درس اسے ملا اس کو بڑے دلکش پیرائے میں بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ پہاڑ کی چوٹی کو پار کرتے ہوئے میرا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرایا اپنا سارا زور خرچ کر کے اسے راستہ سے ہٹانا چاہا تو آواز آئی کہ اگر چہ میں بظاہر ایک ٹھوس پتھر نظر آرہا ہوں پر شیشے کی نزاکت بھی میرے پہلو میں ہے، اس لئے انتہائی احتیاط سے قدم اٹھایئے۔

ندا آمد کہ ای محروم اسرار   خرابات نزاکتہا ست کہسار

آواز آئی کہ اے نامحرم اسرار! پہاڑوں کا یہ سلسلہ نزاکتوں کا میخانہ ہے۔

مباد اینجا زنی برسنگ دستی   کہ مینا در بغل خفتہ است مستی

یہاں کسی پتھر کو ٹھوکر نہ مارنا کیونکہ ایک مست بغل میں مینا سنبھالے پڑا ہے۔

مگو ای بیخبر سنگ است اینجا   ہزار آئینہ در رنگست اینجا

اے غافل! ان کو پتھر نہ کہنا یہاں ہزاروں آئینے اپنے اپنے رنگ میں پڑے ہوئے ہیں۔

بیک آئینہ گر بیداد آید   دو عالم جلوہ در فریاد آید

ایک آئینے پر اگر ظلم ہوا تو دونوں جہاں چلا اٹھیں گے۔

ہمیں کوہیکہ در چشم تو پیداست   ہیولای دو عالم جام و میناست

یہی پہاڑ جو بظاہر تم کو پہاڑ نظر آتے ہیں یہ درحقیقت دونوں جہاں کے ہیولائے جام و مینا ہیں۔

ہماں قلقل شناس و جام برگیر   ز مینا بادہ می ریزد خبر گیر

اسی قلقل (صراحی سے شراب گرنے کی آواز) کو پہچانو اور جام اٹھالو شراب ٹپک رہی ہے دھیان دو۔

سبکتر ران درین کہسار محمل   مبادا شیشہ ای را بشکنی دل

اس کہسار میں سواری ذرا دھیمے چلاؤ کہیں کسی شیشے کا دل نہ توڑ بیٹھو۔

نزاکت بسکہ اینجا ریشہ دارد   صدای باشکست شیشہ دارد

یہاں نزاکت کی جڑیں پیوست ہیں شکست شیشہ کے ساتھ اس کی آواز بھی فضا میں گونجتی ہے۔

تو جسم اندیش اینجا غیر جان نیست   ہمہ مینا ست سنگی درمیان نیست

تو اسے جسم سمجھ رہا ہے حالانکہ جان کے سوا کچھ نہیں ہے سب کے سب شیشہ ہیں پتھر کا کہیں وجود نہیں۔

ڈاکٹر عبدالغنی صاحب ''بیدل کی ایک جمالیاتی علامت'' کے تحت اپنے ایک مضمون میں درج بالا اشعار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''دیکھیں حسن آفرینی میں بیدل اپنے عہد کے معماروں سے آگے نکل گئے ہیں اور مظاہر فطرت کی جان نوازی اور روح پروری کو یوں اجاگر کرتے ہیں کہ کوئی فطرت پرست شاعر کیا کرے گا۔'' (۱۶۹)

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم نے ایک اور اہم نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میرے نے کاسہ سر پر پاؤں رکھ کر جو بات سیکھی تھی بیدل وہ سبق صرف ایک پتھر سے حاصل کرتے ہیں۔'' (۱۷۰)

یہاں اس امر کا تذکرہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یہ

مباد اینجا زنی برسنگ دستی   کہ مینا در بغل خفتہ است مستی

وہی شعر ہے جس کو بیدل نے جب ایک مجلس میں پڑھا تھا تو ناصر علی سرہندی نے اس پر اعتراض کیا تھا لیکن دوسرے مصرعے کی اس نے بھی بڑی تعریف کی تھی۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعد کے نقادوں نے اس شعر کی بڑی تعریف کی ہے۔

بہرحال اس سلسلے میں بیدل نے ''سختی اور نرمی'' کی بحث پر مزید روشنی ڈالی ہے اور کہتا ہے کہ یہ دونوں متضاد اوصاف جو ہمارے باطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت میں اس کا سرچشمہ یہ ہے کہ خود اپنی ذات پر غور و فکر نہیں کرتے اور اس پر گہری نظر نہیں ڈالتے ہیں۔

درشت و نرم از ما جلوہ فرماست   دریں آئینہ یکسر صورت ماست

سختی و نرمی سب کا سرچشمہ خود ہماری ذات ہے اس آئینے میں سراسر ہماری صورت نمایاں ہے۔

درشتی چیست؟ ''مژگان ناکشودن''   ز غفلت دشمن تحقیق بودن

سختی کیا ہے؟ آنکھیں بند کیئے رہنا۔ غفلت و بیخبری سے تحقیق کے دشمن بنے رہنا۔

برنگ آراستن آئینہ خویش　　فرو رفتن بداغ کہنہ خویش

آئینہ دل کو رنگ و بو سے آراستہ کرنا اپنے پرانے داغ میں گم رہنا۔

بیدل آگے کہتا ہے اپنی طبیعت میں نزاکت و لطافت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خود گدازی کا اصول اپنائیں ورنہ عشق کا ساغر ہاتھ میں اٹھانا ممکن نہیں ہے۔

ملائم شو لطافت آشنا باش　　چو مینا از درشتیہا جدا باش

نرم و نازک ہو جاؤ اور لطافت و نزاکت سے آشنائی ظاہر کرو مینا کی طرح سختی و درشتی سے دور رہو۔

ملایم گشتن اینجا خود گدازیست　　لطافت کارگاہ شیشہ سازیست

نرم و نازک ہونے کا مطلب یہاں خود گدازی ہے لطافت شیشہ سازی کا کارخانہ ہے۔

سچ پوچھئے تو مظاہر قدرت پر غور و فکر بیدل کی عادت ثانیہ بن گئی تھی اور یہ مزاج اس کا جیسا کہ ہم نے حالات کے ضمن میں پڑھا حضرت شاہ ابوالفیض معانی کی صحبت میں بنا تھا۔ قرآن پاک بھی اس بات کی اکثر تاکید کرتا ہے۔ اولم یتفکروا فی خلق السموات والارض الی آخرہ، ان فی اختلاف اللیل الخ مظاہر قدرت پر غور و فکر کا اصل مقصد خدائے جل جلالہ کی سطوت و قدرت اور بزرگی و کبریائی تک رسائی اور اس کی شناخت ہے۔ بیدل نے اپنی تمام مثنویوں میں اسی نکتے پر خاص زور دیا ہے۔

استاد صلاح الدین سلجوقی بیدل کی منظر نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیدل کوہ و کوہسار را رمز دنیای اطلاق قرار می دہد۔ و آنرا موضوع سیر ''سفر در وطن'' خودی سازد۔ و می کوشد کہ ثابت کند کہ ہمہ فعالیت و نشاط و ہم تبادل فعل و انفعال عالم سفلی و ہم مصدر ہمہ خیرات و برکات و جہد و کوشش و نشہ و نزہت ہمہ اینہا در کہسار است و ہمہ سوایہ ہا و طراوتہا و رنگ و بوی دشت و در صحرا و دامان و باغ و راغ کہ اینہا بمنزلہ دنیای تعین انداز کیسہ فتوت و برکت کوہ است نسبت باینہا حکم دنیای اطلاق را دارد۔'' (۱۷۱)

بیدل کوہ و کوہسار کو دنیائے ''اطلاق'' کی علامت قرار دیتا اور اسے اپنے ''سفر در وطن'' کی سیاحت کا موضوع بناتا ہے۔ وہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تمام سرگرمیاں اور عالم سفلی کے تمام عمل و ردعمل نیز تمام بھلائیوں، برکتوں، زحمتوں، کوششوں، نزاہتوں وغیرہ کا منبع کہسار ہے اور تازگی و طراوت، رنگ و بو، دشت و در، صحرا و دریا، باغ و راغ وغیرہ تمام سرمائے جو دنیائے تعین کے درجے میں ہیں کوہ کی برکت و فتوت سے قائم ہیں ان چیزوں کی نسبت دنیائے اطلاق سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی وجہ سے وہ کہسار کی تصویر کھینچتا ہے۔ پہاڑ فطرتاً جہانِ طبیعت کی زیبائیوں اور رعنائیوں کا

ایک دلکش مظہر ہے جس کو بیدل کے قلم جادو رقم نے غیر معمولی آب و تاب اور چمک دمک بخشی ہے خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ اپنے وطن کے پہاڑوں کی شیریں یادیں بھی اس کے گوشۂ دل میں باقی تھیں۔

اس کے بعد 'معدن' (کان) کے عنوان سے جن منافع کے حصول کی امیدیں اس سے وابستہ ہوتی ہیں بیدل نے ان پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان کانوں کی سیر کے بعد جو حیرت انگیز چیزیں بیدل کو نظر آئیں ان کو وہ ''حیرت گاہ بینش'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ فرش، زمین، ہوا، غبار، ذرہ وغیرہ سب چیزوں کا تذکرہ کرتا ہے اور کان کو دنیا کی گرم بازاری کا سبب قرار دیتا ہے۔

چہ معدن اصل گیر و دار دنیا　　رواج گرمی بازار دنیا

یہ کان کیا ہیں؟ اس داد و ستد کی اصل اور اس کی گرمی بازار کا ذریعہ ہیں۔

غنا لبریز کوہ جاہ پرور　　کہ ہر سنگیت آنجا بدرہ زر

جاہ و حشمت کی پرورش کرنے والے پہاڑ دولت سے بھرے ہیں جہاں کا ہر پتھر سونے کی ایک تھیلی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر انصاری مرحوم لکھتے ہیں کہ بیراٹ کے پہاڑوں میں دراصل سونے چاندی کی کان تھی اور اسی بنا پر اس کی بے حد اہمیت تھی۔ (۱۷۲)

بیدل کے مشاہدے میں جو چیز آئی ہے اسے اس نے بیان کر دیا ہے اس لئے ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ کان کے اندر کام کرنے والے مزدوروں کی زحمت کشی اور عرق ریزی کا جو منظر اس نے دیکھا تھا اس کا ذکر کر کے قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اگر یہی کوششیں آسمان پر چڑھنے کے لئے کی جاتیں تو دامن خاک ستاروں سے لبریز ہو جاتا۔

حصول سیم و زر یعنی ز معدن　　برون آوردنست از ریگ روغن

کان سے سونے چاندی حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے ریت سے روغن نکالنا۔

عرقہای کہ آنجا ریختن تدبیر　　بہر خاکی کہ گردد صرف زرگیر

تدبیر نے ہر خاکی (انسان) کے پسینے بہائے محض اس لئے کہ وہ زرگر ہو جائے۔

اگر ایں سعی گردد صرف افلاک　　شود لبریز انجم دامن خاک

یہی کوشش اگر آسمانوں پر صرف ہوتی تو دامن خاک ستاروں سے بھر جاتا۔

آخر بیسویں صدی میں خلا بازوں نے آسمانوں پر اپنی کمند ڈال دی۔ آرم اسٹرانگ اور یوری گگرن روسی خلا بازوں نے پہل کی اس کے بعد فلک پیمائی کا سلسلہ روز بروز ترقی کرتا گیا لیکن کیا زمین ستاروں سے بھر گئی یہ تو بیدل سے پوچھئے؟ ہاں سائنسی معلومات میں یقیناً اضافہ ہوا۔

لیکن زر و سیم کا سودا سر میں ایسا سمایا ہوا ہے کہ آخری دم تک اس کے پنجے سے رہائی ممکن نہیں۔

ہمہ از ذوق این اندیشہ خورسند   کہ تا ہستی است جانی می تواں کند

سب اس دھن میں مگن ہیں کہ جب تک زندگی ہے جان جوکھم میں ڈالی جاسکتی ہے۔

لوگوں کی زحمت کشی اور عرق ریزی سے جو سبق بیدل نے لیا اس کا ماحصل بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ ایک رات عالم مستی میں میں نے عقل سے پوچھا "اس فانی دنیا میں ہر آدمی اپنے اپنے خیال میں مگن ہے ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔ تونگر زر پرستی میں مشغول ہیں جبکہ زر پرستی بھی ایک طرح سے مے پرستی ہی ہے کیونکہ مے پرستوں کی طرح یہ لوگ بھی زر پرستی میں مست رہتے ہیں۔

ہمانا زر پرستی می پرستی است   کہ منعم سرخوش صد رنگ مستی است

زر پرستی بھی مے پرستی ہے اس لئے مالدار آدمی سیکڑوں قسم کی مستی میں مدہوش پڑا رہتا ہے۔

عقل نے جواب دیا کہ یہ صحبت کا اثر ہے۔

جوابم داد کای مخمور غفلت   نباشی منکر تاثیر صحبت

اس نے جواب دیا کہ اے غفلت کے نشے میں چور صحبت کی اثر اندازی سے انکار نہیں کرسکتے۔

چرا منعم نباشد مستی آہنگ   کہ زر ہم صحبت میناست در سنگ

دولتمند کے اندر آخر مستی کا اثر کیوں نہ ہو کیوں کہ سونا بھی پتھر کے اندر مینا کا ہم صحبت ہے۔

اگر منعم بہ تمکیں گشت مغرور   بحکم ہوش معذور ست معذور

تونگر اگر تمکین پر مغرور ہو گیا تو عقل کے حسب حکم وہ معذور ہے۔

نباشد ہیچ سنگ از زر گرانتر   مگر آن دل کہ باشد حامل زر

کوئی پتھر سونے سے زیادہ بھاری نہیں ہوتا مگر وہ دل جو حامل زر ہوتا ہے۔

اس کے بعد صفت چاہ معدن (کان کے کنویں کی تعریف) کے تحت بیدل اس گروہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو دیگر ذرائع آمدنی کو چھوڑ کر کنواں کھودنے میں لگا ہے اور کہتا ہے کہ ان کی ساری کاوشیں اندھیرے میں دریا کی شناوری سے ملتی جلتی ہیں۔

ہمہ چوں شمع در ظلمت شناور   سر تار بدست و شعلہ در سر

شمع کی طرح سب ہاتھ میں تار کا سرا اور سر پر لائٹ لگائے تاریکی میں تیر رہے ہیں۔

بحدی حرص گردد جہد مایل   کہ دریاہا ز قعر افتد بساحل

حرص و آز اس قدر کدوکاوش پر آمادہ کرتی ہے کہ دریا کو اس کی گہرائی سے نکال کر ساحل پر پہونچادیتی ہے۔

اس کے باوجود مزدوروں کی جانفشانی کی اس بنا پر تعریف کرتا ہے کہ ان کی لگاتار اور مستقل کوششوں کے نتیجے میں ہی مشکل کام آسان ہو جاتا ہے۔

زہی جہد ضعیفیہای انسان   کہ دشواری چنین را کرد آسان

انسان کی اپنی مالی کمزوریوں کی وجہ سے اس کی جدوجہد کا کیا پوچھنا کہ جس نے دشوار کام کو اس طرح آسان کردیا۔

فلک را با تردد پیشہ عہد است   کز اسباب آنچہ یابی مزد جہد است

محنت اور جانفشانی کرنے والوں سے آسمان کا یہ عہد ہے کہ جو سامان و اسباب اس کے ہاتھ لگے گا وہ اس کی محنتوں کا ثمرہ اور بدلہ ہوگا۔

لیکن کان کنی کی اس کاوش سے وہ یہ سبق لیتا ہے کہ اس کے پیچھے اصل محرک حرص ہے اور حرص پہلے تو انسان کی آبرو خاک میں ملادیتی ہے اور جاہ پرست طبیعت کو پستی میں پہونچادیتی ہے۔

بدرس نسخہ مقصد تلاشی   اشارتہاست اگر فہمیدہ باشی

تلاش مقصد کی کتاب میں کچھ اشارے ہیں اگر تم ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

طمع ہر جا غبار خواہش انگیخت   نخستین آبرو می بایدت ریخت

لالچ جہاں بھی خواہش کی گرد اڑاتی ہے پہلے تیری آبرو کو خاک میں ملادیتی ہے۔

چو نی فریاد می خیزد زہر چاہ   کہ ای صاحب تلاش منصب و جاہ

بانسری کی طرح ہر کنویں سے یہ شور بلند ہوتا ہے کہ اے منصب و جاہ کے طلبگار۔

اگر طبع تو سیم و زر پرست است   بہ پستی رو کہ دنیا سخت پست است

تیری طبیعت میں اگر سیم و زر پرستی داخل ہے تو پستی کی طرف جا کہ دنیا سخت پست ہے۔

کان کنوں کی مصیبتوں اور پریشانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بسا اوقات ان کانوں کے ڈھ جانے سے مزدوروں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور وہ بھی ایک ثروتمند کی خواہش کی تکمیل کی خاطر جیسے ان کی ساری توانائی مالداروں کے ارمانوں کی تکمیل کے لئے ہو۔

بسی باشد کہ آن چاہ بلاکیش   چو اژدرہا بہم آرد لب خویش

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلاکیش کنواں اجگر سانپ کی طرح اپنے ہونٹوں کو باہم ملالیتا ہے۔

تردد پیشہ ہا معدوم گردند   بچندین سخت جانی موم گردند

اور جفاکش مزدور اس کے اندر دب کر ختم ہو جاتے ہیں اور اس قدر سخت جاں ہونے کے باوجود وہ موم بن جاتے ہیں۔

نشانہا گردد از لوح ہوس پاک   املہا یکقلم بر سر کند خاک

لوح ہوس سے سارے نشانات مٹ جاتے ہیں اور یہ آرزوئیں سر پر خاک اڑاتی ہیں۔

گلستان جہان تا رنگ دارد   ترازوی ہوس این سنگ دارد

دنیا کے باغ میں جب تک رنگ کی آمیزش ہے ہوس کے ترازو میں یہ پتھر موجود رہے گا۔

اس کے بعد مزدوروں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دوسروں کی خواہش کی تکمیل کے لئے انسان خود کو جوکھم میں ڈالدے۔ انسانی زندگی کو ایک چنگاری کی نمود سے زیادہ کی مہلت حاصل نہیں ہے ایسی زود گذر زندگی کی خاطر مناسب نہیں کہ وہ وہم کا کنواں کھودے اور اپنا سارا سکون درہم برہم کردے۔ حالانکہ جو سونا چاندی اس سے برآمد ہوتا ہے اور جس کی اساس پر تخت و سلطنت، جاہ و ثروت اور خاتم و نگیں ہاتھ آتا ہے سب کی مثال جوتے کی سی ہے جب تک راستے پر چل رہے ہیں پاؤں کی زینت ہیں اور جونہی زندگی کی یہ گاڑی اپنی منزل سے آگلی پاؤں سے اتر گئے۔ ان کی ساری کوششوں کی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بیدل مزید کہتا ہے کہ اگر زندگی کی آبرو خاک میں ملانا ہی مقصود ہے تو کنویں سے نکل کر کسی عظیم مقصد کے لئے یہ کام کرو۔

کجائی اے ہوس مزدور دنیا   بذوق جانکنی مسرور دنیا

دنیا کے مزدوروں کی ہوس! آخر تو کہاں رواں دواں ہے؟ جان کنی کے ذوق میں تو اتنا خوش اور مگن ہے۔

چہ کوری اینقدر در چاہت افگند   کہ بہر دیگران جان بایدت کند

کس اندھے پن نے تجھے کنوئیں میں پہونچا دیا دوسروں کے فائدہ کی خاطر اپنی جان جوکھم میں ڈالے ہوئے ہے۔

نمودت فرصت عمر شرار است   نفس تا می کشی آئینہ تار است

تیری زندگی کو بس اتنی ہی مہلت حاصل ہے جتنی چنگاری کی نمود و نمائش کو جب تک تو سانس لے آئینہ تاریک اور آلودہ ہو چکا ہے۔

تر اشیدی بوہم خویش چاہی   عروجی را بر آوردی ز چاہی

تو نے اپنے وہم سے ایک کنواں کھودا اور سمجھا کہ اس سے عروج حاصل ہوگا۔

بروں رفتہ است جمعیت ز چنگت   باینصورت پریشان است رنگت

تیرا سارا سکون غارت ہو گیا اسی وجہ سے تیرے چہرے کا رنگ پریشاں آدمیوں جیسا ہے۔

درین محفل کجا سیم و کجا زر   مژہ واری بپوشان چشم و بنگر

اس محفل (دنیا) میں چاندی کہاں اور سونا کہاں ہے یعنی اس کا انجام کیا ہے؟ پلکوں کی طرح آنکھیں بند کر کے دل کی آنکھ سے دیکھو۔

دکانہا تختہ است و جنسہا خاک   نہ اسباب غنا داری نہ افلاس

دکانیں محض تختہ رہ گئی ہیں اور جنس سب خاک میں مل چکی ہے نہ تو غنا کے سامان تیرے پاس ہیں اور نہ افلاس کے۔

کجا خاتم چہ تخت و کو نگینہا   تو در راہی و پاپوش اند اینہا

کہاں ہے انگوٹھی کہاں ہے تخت اور کہاں ہے نگیں (سب کا حشر کیا ہوا؟) راستے پر چل رہا ہے اور یہ سب جوتے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دو روزی دلق کن خواہی قبا پوش   درون گور نتوان برد پاپوش

دو دن کی زندگی ہے گدڑی پہن یا قبا، قبر کے اندر جوتے نہیں لے جاسکتے۔

ندارد بیش ازینہا خاک کندن   طلب کن عبرت از مزدور معدن

مٹی کھودنے کا اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں کان میں کام کرنے والے مزدوروں سے عبرت حاصل کرو۔

مراد اینست کآب زندگانی   بروں زین چاہ ریزی تا توانی

مقصد یہ ہے کہ زندگی کی آبرو اگر ممکن ہو تو کنوئیں کے باہر کسی اور عظیم مقصد کے لئے خاک میں ملاؤ۔

بگرید چاہ کاینشان خندہ دارند   بنالد کوہ کاینہا درچہ کارند

کنواں اس بات پر گریہ وزاری کر رہا ہے کہ یہ لوگ ہنستے ہیں پہاڑ اس امر پر نالہ و شیون کرتا ہے کہ یہ لوگ آخر کس کام میں لگے ہیں۔

بیدل کے سامنے ایک بنیادی نصب العین تھا۔ وہ ہر چیز کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتا اور اس پر غور و فکر کرتا تھا۔ اس میں دو رائے نہیں کہ مزدوروں کی اس عرق ریزی کا اصل محرک حرص و ہوس ہے اور اس لحاظ سے اس قسم کے کاموں کی مذمت کی جاسکتی ہے لیکن یہ نقطہ نظر مادی دنیا کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے۔ تیل، سونے، چاندی، پٹرول، گیس، ابرق، لوہا، پیتل اور دیگر دھات وغیرہ کے خزانے زمین کھودنے سے ہی برآمد ہوتے ہیں۔ ساری انسانیت ان سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ان کی برآمدات نے دنیا کی ترقی میں جو اہم رول ادا کئے ہیں اور انسانی زندگی کو خوشحال، آسان اور دلکش بنانے میں جو نقوش

ان کے ہیں ان سے کون انکار کرسکتا ہے۔ البتہ قرآنی نقطہ نظر سے یہ بات دوسرے انداز سے کہی جاسکتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاعرض عن من تولی عن ذکرنا و لم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذالک مبلغھم من العلم. جو آدمی ہمارے ذکر یعنی قرآن سے منہ پھیرے اور دنیاوی زندگی کے سوا کوئی چیز اس کے مطمح نظر نہ ہو آپ بھی اس سے اعراض کیجئے ان کے علم کی انتہا بس یہی ہے۔

بہر حال کان کے بعد ایک گرم سرچشمہ کی سیر جس کو بیدل ''سیر حمام الٰہی'' سے تعبیر کرتا ہے کی توصیف کرتا ہوا کہتا ہے۔

زہی سرچشمہ صحت نوازی　　چو رحمت بوتہ عصیان گدازی

اس صحت بخش چشمے کا کیا کہنا جیسے گناہوں کو پگھلانے کے لئے رحمت کی کٹھالی ہو۔

کہ در اندیشہ اش از طبع رنجور　　گریزد ضعف ہمچو ظلمت از نور

جس کا تصور کرتے ہی بیمار کی طبیعت سے کمزوری اسی طرح بھاگتی ہے جیسے تار نور سے تاریکی بھاگتی ہے۔

ز آبش بسکہ صافی آشکار است　　وضوی تا کنی دل بی غبار است

اس کا پانی اتنا ہی صاف وشفاف ہے کہ اگر وضو کرو تو دل بھی دھل کر گرد وغبار سے پاک ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں کہ ہیرات کی جھاڑیوں میں بیدل کو گرم پانی کا ایک چشمہ بھی ملا جو صحت بخش تھا۔ (۱۷۳) ممکن ہے بیدل نے اسی چشمہ کی بابت کہا ہو لیکن اس کے بیان کو اس میں محدود نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اپنے وطن میں بھی اس نے اس قسم کے چشمے دیکھے تھے خصوصاً پٹنہ کے نزدیک ایک مقام ''راجگیر'' ہے جو اس وقت ضلع بہار شریف میں واقع ہے۔ یہاں بہت سے گرم چشمے پہاڑ سے نکلتے ہیں، اور سیاحوں کی بڑی تعداد مختلف قسم کے امراض سے شفایابی اور حصول صحت کی غرض سے وہاں قیام کرتی ہے اور ان میں غسل کرتی ہے۔

بیدل نے مکالماتی انداز میں جب پہاڑ سے ان چشموں کی حرارت کا سبب دریافت کیا تو پہاڑ نے جواب دیا کہ اس حرارت کا منبع عشق ہے جو پتھروں میں نہاں ہے یہ عشق کا اثر ہے جو عاشق کو سدا آگ پر بٹھا کر تپائے رکھتا ہے اور یہ عشق صرف اسی پہاڑ میں نہیں ہے بلکہ نجد سے لے کر بیستون تک تمام پہاڑوں میں موجود ہے۔

بفرما از کجا این گرمی اندوخت　　کہ آتش می توان زین آب افروخت

بتاؤ کہ آخر گرمی کہاں سے تمہارے اندر اکٹھی ہوئی ہے کہ اس پانی سے آگ روشن کی جاسکتی ہے۔

کہ ایں آب جنوں جوش شرر زاد　　گداز سعی مجنونست و فرہاد

کہ یہ پانی جس کے اندر جنون جیسا اُبال ہے اور چنگاری کا نتیجہ ہے در حقیقت مجنوں اور فرہاد کی کوششوں کا گداز ہے۔

ہنوز از ساز ایشان نغمہ باقیست　　حریفان بیخود اما نشہ باقی است

ابھی تک اس کے ساز سے نغمے برآمد ہو رہے ہیں حریف لوگ بیخود ہیں پر نشہ باقی ہے۔

کدامین نشہ؟ عشق شعلہ آہنگ　　کزو آبست و آتش در دل سنگ

بتاؤ کون نشہ؟ عشق اور شعلہ آہنگ کا نشہ کہ اس کی وجہ سے پتھر کے دل میں پانی اور آگ ہے۔

ز درد عشق ہرجا سایہ افتاد　　کند تا حشر خاکش نالہ ایجاد

دردِ عشق کا جہاں بھی سایہ ہوا اس کی خاک قیامت تک آہ و نالہ کرتی رہے گی۔

محبت ہر کجا کاوش فروشد　　از آنجا تا ابد ناسور جوشد

محبت کا جہاں بھی عمل دخل ہوا ابد تک وہاں ناسور بن گیا۔

بہرجا برق عشق آتش فشان بود　　ہمیں کہسار داغ امتحان بود

عشق کی بجلی جہاں بھی کوندی یہی کہسار اس کی امتحانگاہ بنے۔

چہ نجد و بیستون کز عشق پرشور　　قیامت ریشہ دارد تا دل طور

کیا نجد اور کیا بیستون عشق پرشور نے طور کے دل تک قیامت برپا کر رکھی ہے۔

اس سلسلے میں بیدل نے قارئین کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ چشموں کے گرم پانی سے ''گدازی'' (پگھلنے) کا مفہوم مستنبط ہوتا ہے اس لئے ان کو سطحی نظر سے دیکھ کر نہیں گذر جانا چاہئے بلکہ وہی دردِ عشق اپنے دل میں بھی پیدا کرنا چاہئے۔

ز آب گرم شان پیداست رازی　　کہ دارد نامہ مضمون گدازی

ان کے گرم پانی سے ایک راز یہ فاش ہوتا ہے کہ اس میں ''گدازی'' کا مضموں ہے

غرض این چشمہ ہا مکتوب درداند　　سراپا اشک گرم و آہ سردند

غرض کہ یہ چشمے ایک طرح سے درد و نالہ ہیں اور سراپا آب گرم اور آہ سرد ہیں۔

گداز عشق درکار ست اینجا　　قیامت گرم بازارست اینجا

یہاں عشق کا گداز مطلوب ہے یہاں قیامت کا بازار گرم ہے۔

اس کے بعد قدرتی مناظر خصوصاً موسم بہار کی اپنے قلم جادو رقم سے اس طرح تصویر کشی کی ہے کہ ان کو پڑھنے کے بعد بالکل وہی دلکش و دلفریب سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اس موضوع کو ایک انوکھے لیکن دلچسپ انداز سے بیان کرتا ہے کہ میں دوستوں کے ساتھ محوِ خواب تھا کہ افق خاور سے صبح

نمودار ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سارے پری زاد بھی خواب سے بیدار ہو کر دعوت دینے لگے۔

کہ ناگہ بوی دردی زد رہ ہوش   نوای شد مقیم پردۂ گوش

کہ اچانک درد کی بو نے ہوش پر ڈاکہ ڈالا ایک آواز پردہ گوش سے ٹکرائی۔

کہ ای غافل بہار جوش گلہاست   وداع خواب کن صبح تماشا است

کہ اے غافل پھولوں کے جوبن کی بہار کا وقت ہے اب بیدار ہو اور یہ تماشا دیکھنے کا وقت ہے۔

پر افشاں می رود عیش از گلستان   تو ہم دامان مژگان بر افشان

عیش وطرب باغ پر جھاڑتا ہوا چلا جاتا ہے تو بھی پلکوں کا دامن پھیلا دے۔

کنون وقتست اگر چشمی کنی باز   کہ نقش آشیان بستہ است پرواز

اب وقت ہے اگر تو اپنی آنکھ کھولے کہ پرواز نے آشیانے کا نقش بنالیا ہے۔

اس کے بعد موسم گل کے پیغام نے بیدل کی روح اور اس کے دل و دماغ میں کیا کیفیات پیدا کیں خود اس کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

بہر عضو تب سودا شرر کاشت   زہر مویم دل فریاد برداشت

میرے ہر عضو میں عشق کے بخار نے ایک چنگاری سلگادی ہے میرے ہر بال سے دل نے فریاد بلند کی ہے۔

کشودم چشم لیک از خویش رفتم   زدم گامی کہ از خوابش برفتم

آنکھ میں نے کھولی پر بیخود ہو گیا قدم اٹھایا تھا کہ خواب کی دنیا سے باہر آ گیا۔

رفیقاں را نوایم پرفشاں کرد   چو بوی گل ہوا تاراج شان کرد

میری آواز نے ساتھیوں کو تتر بتر کر دیا۔ بوئے گل کی طرح ہوا نے ان کو تاخت و تاراج کر دیا۔

پھر صفا کیش اور مخلص دوستوں کی توصیف میں اس طرح رطب اللسان ہے۔

رفیقان ادب سنج و وفا دوست   برنگ بوی گل یکمغز و صد پوست

ادب نواز اور وفا شعار دوست بوئے گل کی طرح یک مغز اور صد پوست ہوتے ہیں۔

زبانہا یکقلم چون رشتہ چنگ   بعرض معنی الفت یک آہنگ

زبانیں الفت کے مفہوم کو ادا کرنے میں چنگ باجا کے تاروں کی طرح ایک سُرے ہیں۔

چو شوق از الفت شان نکتہ راند   سخن ربط لب از ہم نگسلاند

شوق جب ان کی الفت و محبت کے نکتے بیان کرنے لگتا ہے تو کلام لبوں کے باہمی ربط کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔

تکلف برطرف این نسبت خاص   کم افتادہ است در ترکیب اخلاص

تکلف برطرف اخلاص کی ترکیب (مخلص احباب) میں اس قسم کی مخصوص نسبت بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

ہمہ گل بر کف از سرہای تسلیم   چو شاخ گل سراپا دوش تعظیم

سارے پھول ہتھیلی پر تسلیم کے سروں سے شاخ گل کی طرح سراپا دوش تعظیم ہیں۔

بلوح معنی از تاثیر الفت   بہم چسپانتر از لفظ محبت

الفت کے اثر سے لوح معنی لفظ محبت سے بھی زیادہ چسپاں ہے۔

صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ میوات کی اس گلگشت میں نواب شکر اللہ خاں کے علاوہ جو بیدل کے بہت ہی مخلص اور گہرے دوست تھے اور جن کی دعوت پر وہ اس علاقے کی سیر کر رہا تھا اور کون لوگ اس کے ساتھ تھے لیکن درج بالا اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سیاحت میں بیدل کے ساتھ ان کے وفا شعار دوستوں کی ایک جماعت تھی ان میں شاکر خان بن شکر اللہ خاں بھی تھا جو اکثر باپ کے ساتھ ساتھ رہا کرتا تھا۔ اسی طرح شیر خان لودھی مصنف مرأت الخیال بھی ہو سکتا ہے چونکہ وہ بقول خود ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء میں جب شکر اللہ خاں سرہند میں صوبہ دار تھے نواب کی رفاقت اور سرپرستی میں ان کے ساتھ زندگی گذار رہا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اس وقت بھی (۱۰۹۹ھ) وہ ساتھ رہا ہو۔

اس کے بعد 'صفت باغ' کے تحت اس کی بہار، مٹی، رنگ، چاندنی، فضا، ہوا، ہریالی، شام و صبح، گلبن، کلیوں اور پھولوں کو استعارات و کنایات کے حسین و دلکش ملبوس میں پیش کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

چہ گلزار؟ آیت صنع الٰہی   حضور عالم عرفان نگاہی

گلزار کیا ہے؟ خدائی صنعت کی ہی ایک نشانی ہے۔ جہانِ عرفان پر توجہ وانہماک آمیز توجہ ہے۔

تجلیگاہ برق طور اعجاز   فروغ آثار شمع خلوت راز

طور اعجاز کی تجلیوں کی تجلی گاہ ہے خلوت راز کی شمع کی چمک دمک ہے۔

کہ ہر جا دیدہ باشی طاقت افشرد   بموج رنگ قدرت غوطہ می خورد

جہاں بھی نظر اٹھاؤ گے بینائی اس کی تاب نہیں لا سکتی۔ قدرت کے رنگا رنگ مناظر کی لہر میں غوطہ کھانے لگتی ہے۔

بہر سو چشم شوقی باز می کرد   نگہ بر طاقت خود ناز می کرد

چشم شوق جدھر بھی وا ہوتی نگاہ کو اپنی قوت بینائی پر ناز ہوتا۔

دمی کز وصف رنگش پر فشاں بود   نفس طاؤس فردوس بیاں بود

قوتِ بیان جس دم اس کی رنگارنگی اور بوقلمونی کی تعریف کی کوشش کرتی اس کی سانس طاؤس فردوس بیاں بن جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مور اپنے انواع واقسام کے دلکش رنگ کے لئے مشہور ہے اور وہ بھی فردوس کے مور کا تو پوچھنا کیا، اس لئے بیدل یہ کہنا چاہتا ہے کہ قوت بیان ان کی توصیف کے لئے خود انواع و اقسام کے دلکش اسلوب اختیار کر لیتی ہے۔ خصوصاً باغ کے رنگارنگ پھولوں کی توصیف کرتا ہوا کہتا ہے۔

غرض ہر مشت خاک آن چمن زار   بدامن گیری دل داشت صد خار

القصہ اس چمن زار کی ہر مشت خاک میں دامن دل کو الجھانے کے لئے سیکڑوں کانٹے تھے۔

بہر رنگی کہ شد نظارہ مائل   دلی دریافت با داغی مقابل

جس رنگ کو دیکھنے کے لئے قوت بینائی مائل ہوتی وہاں اسے ایک دل نظر آتا جو داغدار ہوتا۔

بہر بوئی کہ کرد اندیشہ آہنگ   چو گل چاکی بجیب ہوش زد چنگ

قوت فکر یہ نے جس خوشبو کے سونگھنے کا ارادہ کیا پھول کی طرح چاک دامانی سے عقل و ہوش کے گریبان کو چھیڑا۔

خصوصاً چنبیلی کے پھول پر زیادہ زور دیتا ہوا کہتا ہے کہ اس کی زردی دراصل یاس ونومیدی کی علامت ہے۔

بویش گر نسیمی گشت توام   چو آہ یاس آتش زد بعالم

اس کی خوشبو میں اگر باد نسیم بھی آکر مل جائے تو مایوسی کی آہ کی طرح وہ دنیا کو نذر آتش کر دے۔

خزاں پیرایہ حسن بہارش   شکست رنگ خرمن درکنارش

اس کی خزاں آمیز بہار کا حسن ویسا ہی ہے جیسے اس کے رنگ خرمن کا اڑ جانا۔

ز نومیدی چو اشک دیدہ شمع   شکست رنگہا درپای او جمع

مایوسی کا اس کے یہ عالم ہے جیسے دیدہ شمع کا آنسو ہو شکست رنگ اس کے پاؤں میں اکٹھی ہو گئی ہو۔

اور آخر میں اس کا بہار آمیز خزاں اس کے اور دوسرے پھولوں کے درمیان کئی سوال وجواب کا سبب قرار پاتا ہے۔ سمن نے اس سے کہا۔

کہ از نیرنگ تمثالم مپرسید   قیامت می کنم حالم مپرسید

میری تصویر کی نیرنگیوں کے بابت مجھ سے سوال نہ کرو میں تو قیامت ڈھا رہا ہوں میرا حال مت پوچھو۔

چہ داغم ز پا و سرچہ گویم   کفی خاکسترم دیگر چہ گویم

میں سراپا داغ ہوں مجھے اپنے سر اور پاؤں کا ہوش نہیں ہے میں ہتھیلی بھر راکھ ہوں اس کے آگے کیا بیان کروں۔

ندانم صورتم یا معنیٰ درد   گل زردم گل زردم گل زرد

میں صورتاً درد ہوں یا باطناً کچھ پتہ نہیں میں گل زرد ہوں۔

عنان ہوش نگذارید از دست   کہ در افسانہ من ساغری ہست

ہوش وحواس کی ڈور ہاتھ سے نہ دینا کیونکہ میری کہانی میں ایک ساغر موجود ہے۔

اس کے بعد اس کی سوختگی اور جلن کی کیفیت کی توجیہ کرتا ہوا کہتا ہے کہ یہ زردی درحقیقت اس بنا پر ہے کہ وہ محبت کا دم بھرتی ہے۔

دم از الفت ز دم رنگم دگر شد   شرر گفتم سراپایم شرر شد

میں نے محبت کا دم بھرا اور اس کا دعویٰ کیا تو میرا رنگ بدل گیا میں نے چنگاری چنگاری کہنا شروع کیا تو میرا سراپا خود چنگاری بن گیا۔

جنون عشق ہرجا آتش افروخت   جہاں رنگین تر از احوال من سوخت

''جنون عشق'' نے جہاں بھی آگ روشن کی میرے حالات سے زیادہ رنگین دنیا کو بھی وہ جلا بھنا کر خاک کر گیا۔

خود آرا گشت حسنی جلوہ گر شد   گذشت از خویش عشق بیخبر شد

حسن نے سج دھج کر جب اپنا جلوہ دکھایا تو عشق ایسا بیخود ہوا کہ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہا۔

خود آرائی ہماں تمہید ناز است   ز خود غافل گذشتنہا نیاز است

خود آرائی درحقیقت ناز کی تمہید ہے اور اب اپنی ذات سے غافل ہو کر خود سے غافل گذر جانا نیاز ہے۔

فطری مناظر کی دلفریب و دلکش کہانی بیان کرنے کے بعد بیدل اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اس نے اس داستان کو اگرچہ ایک نغمہ وآہنگ اور ایک نیا رنگ روپ عطا کیا ہے لیکن اس سے مقصد ذوق نظر کی تسکین اور لطف اندوزی نہیں ہے بلکہ ایک وحدت الوجودی صوفی کی حیثیت سے اس نکتے تک رسائی ہے کہ ''عالم ہمہ جلوہ ذات احد است''، ساری دنیا خدائے وحدہ لاشریک لہ کے جلووں کی تجلی گاہ ہے۔ عشق بظاہر آسان نظر آتا ہے لیکن عشق ''وحدت الوجود'' ایک بڑا وبال جان ہے۔ عشق دوئیت کا تقاضا کرتا ہے جبکہ دوئیت ''وحدت پرستی'' سے لگا نہیں کھاتی۔ دوئی کا تصور ہی سرے سے صفحہ ذہن پر نہ

ابھرے اس مقصد کے لئے خود کو ''عدم'' فرض کرو کیونکہ ''جمال مطلق'' کا کہنا ہے کہ جہاں ''من'' موجود ہے وہاں ''توئی'' کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اور جو آئینہ تمہارے پاس ہے وہ دوئی کی نشاندہی کرتا ہے لہذا پہلے اس ''آئینہ دوئی'' کو توڑ ڈالو۔

جو فطری مناظر ہمیں نظر آتے ہیں وہ سارے ''اصول تجدد امثال'' کے تحت اپنا چولہ بدلتے رہتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اپنی سابقہ حالت و کیفیت پر قائم نہیں ہے۔ اس صورت میں کوئی بھی رنگ، بہار اور منظر حتی کہ انسانی زندگی ایک شکل وصورت پر قائم نہیں ہے اس مقصد سے کہ انسان خود کو ان انقلابات اور تبدیلیوں سے محفوظ رکھے ضروری ہے کہ وہ باقی سے ایسا گہرا تعلق قائم کرے کہ دوئی کا تصور ہی صفحۂ ذہن پر نہ ابھرے کیونکہ جو باقی سے جڑا وہ فنا ہونے سے مامون و محفوظ ہو گیا۔

بیا بیدل کہ عشقت انفعال است   محبت نیز در وحدت و بال است

اے بیدل! تیرا عشق انفعال و پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہے وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ عشق کا دعویٰ اس کے لئے وبال ہے۔

دوئی می خواہد ایں دعوی حذر کن   عدم باش و مطالب مختصر کن

دوئی کا تقاضا ہے کہ اس دعوی سے کنارہ کشی کرو اور ''عدم'' ہو جاؤ۔

ز ہستی ہرچہ اندیشی فضولیست   سر انجام فضولی ناقبولیست

انسانی ہستی کے بابت جو کچھ بھی تمہارے صفحۂ ذہن پر آئے وہ فضول اور بکواس ہے اور فضول بکواس کرنے والے کا انجام یہ ہے کہ اس کو معاشرہ میں اتنی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

غبار خود بداماں عدم زن   کہ می گوید جمال: آئینہ بشکن

اپنے غبار ہستی کو عدم کے دامن پر جھاڑو کیونکہ جمال مطلق کا کہنا ہے ''آئینہ توڑ ڈالو''۔

دوئی برصافی آنجلوہ رنگ است   ''توئی'' در عالم ''من'' سخت ننگ است

''دوئی'' اس صاف شفاف جلوہ ایزدی (خدا) پر ایک رنگ چڑھاتا ہے اور عالم ''من'' میں ''توئی'' کا تصور انتہائی ننگ و عار کی بات ہے۔

بچندیں موج یکتائیست در جوش   دوئی فہمیدنی دارد کہ خاموش

''یکتائی'' کئی طرح کی لہروں کے ساتھ جوش مار رہی ہے۔ ''دوئی'' ایک سمجھنے کی بات کہہ رہی ہے کہ خاموش رہ۔

کسی کا سیب حسن ما و من دید   ہمان یوسف زبوی پیرہن دید

جس نے ''ما و من'' کے حسن کا ہنگامہ دیکھا اس نے ''بوئے پیرہن'' سے اسی ''یوسف'' کا سراغ لگا لیا۔

تجدد کسوت شان و جود است   ہمیں است آنچہ سامان نمود است

''تجدد امثال'' ''شان'' ''وجود'' کا لباس ہے جسے ''سامان نمود'' کہیئے وہ بھی یہی ہے۔

چمن بیرنگ و مارنگ آشنائیم   جہان خاموش و مامست نوائیم

چمن رنگ و روپ سے عاری ہے اور ہم رنگ کے رسیا ہیں دنیا خاموش ہے اور ہم مست نوا ہیں۔

دریں گلشن ہزاران رنگ بالید   ازین قانون ہزار آہنگ نالید

اس گلشن جہاں میں ہزاروں رنگ ابھرے اس راگ سے ہزاروں آہنگ نمایاں ہوئے۔

اور کیا خوب کہا ہے:

تگ و پوی نفس تا دارد اقبال   بہاری و خزانی می زند بال

سانس کی تگ و پو کا سلسلہ جب تک چلتا رہتا ہے بہار اور خزاں دونوں اپنے بازو پھڑ پھڑاتے رہتے ہیں۔ (خوشی و غم اور دکھ سکھ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔)

نفس آہنگ بی تکرار دارد   تجدد زین نوا بسیار دارد

سانس کی آہنگ میں تکرار نہیں ہوتا (یعنی ہر سانس میں جدت اور تازگی ہوتی ہے) اس کی آواز سے بے شمار تجدد نمایاں ہیں۔

بسامان است بی ساز تردد   بہر مژگان زدن چندیں تجدد

ساز تردد کے بغیر تجدد سرگرم کار ہے پلک کی ہر جھپکی میں کئی تجدد نمایاں ہیں۔

نشد فرصت درین ویرانہ پیدا   وگرنہ دل چہا می کرد پیدا

اس ویران اور اجاڑ دنیا میں قیام کی فرصت نہیں ملی ورنہ دل کیا کچھ نہیں دکھاتا۔

تا ملہا اگر ماند بیک حال   نمی گردید رنگ من بصد سال

غور و فکر کا سلسلہ اگر ایک ہی حال اور وضع پر قائم رہتا تو سو سال میں ہمارا رنگ نہ بدلتا اور بدستور اسی ایک شکل میں قائم رہتا۔

پھر اس موضوع سے وحدت الوجود کی طرف لوٹتا ہے۔

بحمد اللہ سرو برگم دوئی نیست   ''من'' من صورت عکس ''توئی'' نیست

خدا کا شکر ہے میرا سرو برگ ''دوئی'' نہیں ہے (میں دوئی کا قائل نہیں ہوں) میرا ''من'' ''توئی'' کا عکس نہیں ہے (یعنی اس کے عقیدے میں ''من و تو'' کا فرق اور فاصلہ نہیں ہے۔)

چمن نقش پر پرواز من بود   خزان شور شکست ساز من بود

چمن میرے پر پرواز کا ایک نقش ہے خزاں میری شکست ساز کا ایک سودا ہے۔

بہار از کنار خویش چیدم　　خزاں ہم در غبار خویش دیدم

خود آپ اپنے پہلو سے بہار کا لطف لیا اور خزاں کو بھی اپنی ہی غبار سے اٹا پایا۔

دمی بہ خود نظر کردم چمن شد　　تغافل زد دل آں شوخی کمین شد

جس لمحہ خود اپنی ذات پر نظر ڈالی (خود شناسی کی طرف متوجہ ہوا) تو وہ چمن بن گیا۔ اور جس غنچہ دل نے خود شناسی سے تغافل برتا تو وہ شوخ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

نمی دانم بہارم یا خزانم　　بہر رنگی کہ خواہی گل فشانم

مجھے کچھ پتہ نہیں بہار ہوں کہ خزاں ہوں چاہے جس رنگ میں ہوں میں گل فشانی کر رہا ہوں۔

اس طرح بیدل پھر اسی مرکزی خیال کی طرف لوٹتا ہے اور ان آخری اشعار میں نظریہ ''وحدت الوجود'' سے اپنی مکمل وابستگی کا ایک طرح سے گویا اعلان کر رہا ہے۔

مثنوی کے آخری مین وہ شکر اللہ خاں اور ان کی سرپرستی کی تعریف کرتا اور ان کی پیروی کا ذکر کرتا ہے۔

عصای من دریں گلگشت مقصود　　نسیم فیض شکر اللہ خاں بود

اس سیر سپاٹے میں میرا سہارا در حقیقت شکر اللہ خاں کے فیوض و برکات کی باد نسیم تھی۔

وگرنہ من کجا کو پرفشانی　　سرشکی بودم آنہم بیروانی

ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ سیر سپاٹا میری حیثیت تو ایک تھمے ہوئے آنسو کی تھی۔

دریں گلشن خرامی داشت کلکش　　کہ پیوستم من بیدل بہ سلکش

اس سیر سپاٹے میں ان کا قلم گرم رفتار تھا میں بیدل بھی آکر ان سے ملحق ہو گیا۔

کلامش گشت سرمشق خیالم　　ازاں سرچشمہ جوشید این زلالم

ان کا کلام میری قوت فکریہ کے لئے سرمشق ثابت ہوا آب شیریں یعنی (مثنوی طور معرفت) اسی نہر سے جوش مارتا ہوا نکلا ہے۔

دو روزی در پس زانو نشستم　　خیالی را بہاری نقش بستم

صرف دو دن پوری یکسوئی کے ساتھ بیٹھا اور ایک خیال کو بہاری رنگ و روپ عطا کیا۔

بہ یمنش آخر این مکتوب منظوم　　بہ ''طور معرفت'' گردید موسوم

آخر انہی کی ذات بابرکات کی بدولت یہ منظوم تخلیق ''طور معرفت'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

زہی سرچشمہ فیض الٰہی　　کہ سیرابم ازو چندانکہ خواہی

فیض الٰہی کے اس سرچشمے (شکر اللہ خاں) کے کیا کہنے جس سے حسب خواہش سیراب ہوتا رہتا ہوں۔

۴۔ مثنوی عرفان:

کدام قطرہ کہ صد بحر در رکاب ندارد　　کدام ذرہ کہ طوفان آفتاب ندارد

ایسا کوئی قطرہ بھی ہے جس کے رکاب میں سیکڑوں دریا نہ ہوں، ایسا کوئی ذرہ بھی ہے جس کے اندر آفتاب کا ایک طوفاں نہ برپا ہو۔

مثنوی عرفان بیدل کی آخری اور مفصل مثنوی ہے جو تقریباً گیارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اس مثنوی کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ خود بیدل اس پر فخر کرتا تھا۔ خوشگو نے بیدل کا درج ذیل مقولہ نقل کیا ہے:

''آنچہ می داریم نسخہ عرفان است۔'' (۱۷۴)

میرے پاس نظم کا جو اہم سرمایہ ہے وہ نسخہ ''عرفان'' ہے۔

عرفان نویسی کا آغاز:

جیسا کہ تیسرے باب ''بیدل ایک ادیب کی حیثیت سے'' میں چہار عنصر کے تحت لکھا گیا، نواب شکر اللہ خاں کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل نے ۱۰۹۰ ہجری/۱۶۸۲ء میں متھرا کے قیام کے دوران چہار عنصر اور مثنوی عرفان دونوں ایک ساتھ لکھنا شروع کیا۔

خوشگو کا بیان ہے کہ تقریباً تیس سال کی مدت میں بیدل نے مثنوی عرفان کو مکمل کیا اس طرح اس کے اختتام کا سن ۱۱۲۰ھ ٹھہرتا ہے جبکہ بیدل کے ایک شعر سے جو مثنوی کے آخر میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء میں مکمل کیا ہے۔

کردہ تاریخ او نیاز کرام　　ہدیہ ذوالجلال والاکرام

اس کی تاریخ تصنیف کو میں نے اس طرح محترم حضرات کو پیش کی ''ہدیہ ذوالجلال والاکرام'' (۱۱۲۴ھ)۔

اس طرح بیدل کے مطابق مثنوی عرفان ۳۴ سال کی طویل مدت میں مکمل ہوئی۔ ۳۴ سالوں کے دوران بیدل نے بہت سے انقلابات سیاسی سطح پر بھی اور سماجی سطح پر بھی دیکھے۔ اورنگ زیب کے دکن جانے سے لے کر اس کی عدم موجودگی میں متھرا کے گرد بدامنی پھیلنے، اعظم شاہ کے قتل، بہادر شاہ کی وفات، جہاندار شاہ کے بھائیوں کا قتل اور آخر میں خود جہاندار شاہ کا قتل وغیرہ کے واقعات اس کی نگاہوں کے سامنے پیش آئے اور اس کے اثرات جو سماجی حالات پر مرتب ہو رہے تھے وہ بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے۔

ظاہر ہے ایک حساس، قادر الکلام اور مختلف مناظر اور حالات کا ماہر مصور شاعر ان انقلابات کے سامنے کیسے خاموش رہتا اور اپنے ردعمل کا اظہار نہ کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مثنوی میں گوناگوں موضوعات سے ہمارا سابقہ پڑتا ہے بعض ایسے موضوعات بھی نظر آتے ہیں جن کا عرفان سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس طرح اس مثنوی میں بیدل نے اپنے تقریباً ۴۴ سالہ تجربات کا نچوڑ بھی پیش کیا ہے۔

عرفان کا موضوع:

جیسا کہ اس مثنوی کے نام سے واضح ہے اس کا موضوع ''عرفان وخداشناسی'' ہے اس کی تمام مثنویوں کا اگر بہ نظر غایر مطالعہ کیا جائے تو سب کا موضوع اصولی طور پر عرفان ہی نظر آئے گا۔ اپنے مذکورہ بالا مکتوب میں بیدل نے ایک شعر کے ذریعہ اجمالی طور پر عرفان کے مضامین کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

کدام قطرہ کہ صد بحر در رکاب ندارد   کدام ذرہ کہ طوفان آفتاب ندارد

ایسا کون قطرہ ہے جس کے رکاب میں سیکڑوں سمندر نہ ہوں اور ایسا کون سا ذرہ ہے کہ جس کی آغوش میں طوفان آفتاب نہاں نہ ہو۔

یہاں ''قطرہ'' اور ''ذرہ'' سے بیدل کی مراد ''انسان'' ہے جو بظاہر پوری کائنات کی بہ نسبت ایک قطرہ یا ذرہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے لیکن اس کی ذات وشخصیت میں جو حقائق ومعارف اور جو اسرار ورموز باری تعالیٰ نے ودیعت کردیئے ہیں ان کی بنا پر سیکڑوں سمندر اس کے اندر پنہاں اور ایک ''طوفان آفتاب'' اس کے اندر نہاں ہے۔ مثنوی عرفان میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

قلزم کائنات و ہرچہ دروست   جوش بیتابی حقیقت اوست

کائنات کا سمندر اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ اس (انسان) کی حقیقت کی بے تابی کا ابال ہے۔

ڈاکٹر نور الحسن انصاریؒ اس پر مختصر مگر جامع تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرفان بیدل کی پوری زندگی کے خیالات، افکار، تاثرات، کیفیات، جذبات اور احساسات کا نچوڑ ہے اور فارسی ادب میں مثنوی معنوی کے بعد علم وعرفان کا سب سے اہم خزانہ ہے۔ اور مثنویوں کے برخلاف عرفان کا انداز بیانیہ نہیں ہے۔ نہ اس میں حکایات اور تمثیلات کی بہتات ہے شروع سے آخر تک بیدل نے اس میں ایک فکری انداز قائم رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں ان کی شاعری خشک، مبہم اور گنجلک معلوم ہوتی ہے لیکن

بیدل نے جن اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور اس متین اور باوقار انداز میں شروع سے آخر تک بحث کی ہے وہ نہ صرف ان کی فنکارانہ استادی کی بیّن مثال ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اب شاعر جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے دل ودماغ کے تمام مرحلوں سے گذر کر اس کے وجود کا جز بن گیا ہے۔'' (۱۷۵)

جان ریپکا Jan Rypka لکھتا ہے:

It contains various stories as well as Sufi essays. This work most tellingly bears witness to the Philosophical social and ethical views of its author.(176)

مثنوی بہت سی کہانیوں اور صوفیانہ مضامین پر مشتمل ہے اور مصنف کے فلسفیانہ، سماجی اور اخلاقی افکار وخیالات کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔

صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

''یہ مثنوی لیلی مجنون کے وزن پر گیارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے جو طبعی تاریخ کی صورت میں ''وجود'' کے تدریجی سیر اور بقا کو بیان کرتی ہے یعنی ''وجود مطلق'' کس طرح نزول کی منزلیں طے کرتا ہوا عالم تعین میں قدم رکھتا ہے۔ یہ صوفیانہ عقیدہ اپنے وسیع تر معنوں میں عہد حاضر کی طبیعی تاریخ اور عصری ارتقائی مراحل کی سیر نیز ایٹمی نظام کے سبھی پہلوؤں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

عرب کی سرزمین میں عمر الفارض جیسے صوفی شعراء بھی نظر آتے ہیں ادھر یورپ میں گوئٹے، ہئی اور ورڈس ورتھ کے کلام کا بھی ہم نے مطالعہ کیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی بلکہ ان جیسا کوئی بھی شاعر اس کفایت ولیاقت اور اس گہرائی ودلکشی سے اس موضوع پر روشنی نہیں ڈال سکا کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا عشق کو اشاروں اور کنایوں کی زبان میں ادا ہونا چاہئے اور پھر عشق بھی اگر عشق جمال بریں اور وجود مطلق ہو تو یہاں اشارہ وکنایہ بھی اسی درجے اور پایے کا ہونا چاہئے کیونکہ انسان ''ہستی بے نشاں'' کے بارے میں رمز وکنایہ کے سوا کسی اور انداز سے بات نہیں کرسکتا۔

گر کسی وصف او پرسد   بیدل از بی نشان چہ گوید باز

اگر کوئی اس کی تعریف وتوصیف پوچھے تو بیدل خدا کی بے نشان ذات کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔'' (۱۷۷)

بیدل نے اس مثنوی کی ابتدا ''عشق'' کی نغمہ سرائی سے کی ہے۔ لیکن یہ عشق انسان کا انسان سے نہیں بلکہ انسان کا خدا کے ساتھ ''عشق ہو اللہ احد'' سے۔

عقل و حس، سمع و بصر، جان و جسد — ہمہ عشق است ہو اللہ احد

عقل وہوش سامعہ وباصرہ اور جسم وجان سب ''ہواللہ احد کے عشق'' کا نام ہے۔

اس شعر کو جب پہلی بار پڑھا تو حضرت بلال حبشی اور ان جیسے دوسرے صحابہؓ کا واقعہ یاد آیا، جو کافروں کے ظلم وستم کے تختۂ مشق بنے لیکن اسلام چھوڑنا انہیں گوارا نہ ہوا۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ ایک کافر کے غلام تھے اور اس جرم میں کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا ان کا مالک ان کو طرح طرح سے اذیتیں دیتا تھا تاکہ وہ کسی طرح دین اسلام سے باز آجائیں مگر ایمان کی حلاوت ان کے کام و دہن کو ایسی مل چکی تھی کہ سخت ترین ایذا بھی مثلاً تپتی ہوئی ریت پر سلانا اور گرم پتھروں سے ان کو ڈھکنا جوان کے جسم کی چربی کو پگھلا کر رکھ دیتا تھا، ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دیتی تھی اور ان انسانیت سوز اور دردناک حالات میں بھی ان کی زبان پر احد احد کا کلمہ جاری تھا جیسے ان کی عقل وفہم، ہوش وحواس، گوش وچشم اور جسم وجان سب چیزیں ان کی مرید ہوچکی تھیں اور اس کلمہ کے اظہار میں کوئی رکاوٹ نہیں بن رہی تھیں جبکہ ان میں سے ہر ایک کا فیصلہ یہی ہوسکتا تھا کہ جان بچانے کے لئے ہر ناگفتنی کہی جانے اور ہرنا کردنی کی جائے اور شریعت بھی اجازت دیتی ہے کہ جان بچانے کے لئے ناگفتنی کہی جاسکتی ہے بشرطیکہ دل ایمان پر ثابت قدم رہے قرآن میں خدا کا ارشاد ہے۔

الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ (النحل ۱۱۶) مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی جائے اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر۔

مولانا شبیر احمدؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم رہے ایک لحہ کے لئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہوکر شدید ترین خوف کے وقت گلوخلاصی کے لئے محض زبان سے منکر ہوجائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت اور نفرت ہو ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے جیسا کہ حضرت بلال، حضرت یاسر، حضرت سمیہ، حضرت خبیب بن زید انصاری اور حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات میں موجود ہے۔'' (۱۷۸)

کیونکہ خدا کے عشق میں وہ اس قدر غرق تھے کہ ان کے سارے وجود کو اپنی آغوش میں لے کر انہیں عشق مجسم بنادیا تھا حتی کہ وہ قوتیں جو انہیں اس اذیت سے محفوظ رہنے کی تاکید کرتیں ان کی مرید

اور ارادتمند ہوچکی تھیں اب دوبارہ اس شعر کو پڑھئے

عقل و حس، سمع و بصر، جان و جسد — ہمہ عشق است ہو اللہ احد

یہ شعر ان حضرات کی ذات بابرکات پر کتنا صادق آتا ہے۔

ہمیں نہیں معلوم بیدل کے سامنے یہ واقعات تھے یا نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو بھی عشق خدا میں اسی منزل پر فائز سمجھتا تھا اس کا خیال ہے کہ عشق باری تعالیٰ نے ساری کائنات کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے خصوصاً خلاصہ کائنات اور عصارہ موجودات یعنی آدم کو اپنی جلوہ گاہ قرار دیا۔

عشق از مشت خاک آدم ریخت — آنقدر خون کہ رنگ عالم ریخت

عشق نے آدم کی ایک مشت خاک سے اس قدر خوں بہایا کہ اس کی بدولت ایک دنیا وجود میں آگئی۔

چیست آدم؟ تجلی ادراک — یعنی آن فہم معنی لولاک

آدم کیا ہے؟ ادراک کی تجلی یعنی ''لولاک لما خلقت الافلاک'' (اگر تیرا پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو آسمان کو نہ پیدا کرتا) کے مفہوم ومعنی کا سمجھنا ہے۔

قلزم کائنات و ہرچہ در وست — جوش بیتابی حقیقت اوست

کائنات کا سمندر اور جو کچھ اس میں موجود ہے سب اسی کی حقیقت کی بیتابیوں کا ایک ابال ہے۔

مشت خاکی باین بسیطیہا — قطرہ آبی و این محیطیہا

اس کی حیثیت ایک مٹھی مٹی کی ہے پر اس کے پھیلاؤ کا یہ عالم ہے۔ اس کی حیثیت ایک قطرہ پانی کی ہے پر اس کی وسعت سمندروں کے برابر ہے۔

بیدل کہتا ہے کہ اس وسیع وعریض دنیا کے سمندر میں انسانی وجود کی بظاہر ایک قطرہ سے زیادہ حیثیت نہیں ہے لیکن اپنی معنویت اور روحانی وسعت کے لحاظ سے سمندر کی وسعت وپہنائی حتی کہ زمین وآسمان اپنی تمام تر وسعت کے باوجود اس کے مقابلے پر ہیچ ہے۔ لہذا انسان درحقیقت خدائے تعالیٰ کا ایک ایسا ''تخلیقی کرشمہ'' ہے جو تمام تر وسعتوں اور دگرگونیوں کے باوجود ایک ''لعبت تحیر'' حیرت کا پتلا ''قیامت فروش امکان'' (کائنات کا قیامت فروش) ہے جس کے سارے رازہای سربستہ کا پتہ لگانا کوئی سہل کام نہیں۔

درحقیقت بیدل، جیسا کہ ہم نے پڑھا اور آگے بھی پڑھیں گے اپنے مسلک کے لحاظ سے پکا ''وحدت الوجودی'' ہے چنانچہ اس نے اپنے خطوط اور اشعار میں اس کا صراحت کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ اور وحدت الوجود مثبت اور منفی دونوں پہلو کا حامل ہے۔ اس کا مثبت پہلو تو وحدہ لاشریک کے ساتھ عشق ہے اور منفی پہلو غیر اللہ کا انکار ہے۔ ان کے نزدیک لا الہ الا اللہ کے معنی لاموجود الا اللہ یعنی خدا کے

سوا کسی کا وجود ہی نہیں ہے۔ گویا ''موجودات'' نام کی کوئی چیز اگر ہے تو وہ صرف خدا کی ذات ہے اس کے سوا سب عدم اور وہم ہے اس موضوع پر پانچویں باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔ یہاں اس مختصر مقدمہ کے ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ بیدل نے نہ صرف مثنوی عرفان بلکہ اپنی تمام تر مثنویوں میں اسی مرکزی خیال کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی کی شاخ و برگ کے طور پر بہت سے نکات انتہائی دلچسپ، دلکش اور دل انگیز انداز میں بیان کئے ہیں۔

نزد آنکس کہ حقیقت کیش است   سر حق غالب امر خویش است

جو آدمی حقیقت کیش ہے اور جس کا مسلک حقیقت پسندی پر مبنی ہے اس کے نزدیک خدا کے اسرار و رموز اس کے اپنے ذاتی معاملات پر فوقیت رکھتے ہیں۔

ما سوا اللہ غبار اوہام است   شخص پیوستہ غالب نام است

اللہ کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب اوہام کی گرد و غبار ہیں (قوت واہمہ کی اختراع ہیں) جو ہستی سدا رہنے والی، لازوال ولافانی ہے اسی کا نام غالب و فائق ہے (واللہ غالب علی امرہ)۔

ہر چہ مغلوب شد و جودش رفت   اعتبارات ہست و بودش رفت

جو چیز مغلوب اور دبی ہوئی ہے اس کا وجود پادر ہوا ہے اس کے ''ہست و بود'' کا سارا اعتبار ساقط اور اس کی ساکھ جاتی رہی۔

''دوئی'' کا تصور صفحۂ ذہن سے محو کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود اپنی ہستی کے نقش کو اس سے محو کریں اور جمال مطلق سے لو لگائیں لیکن جمال مطلق تک رسائی اور اس کی شناخت سے پہلے خود اپنی شناخت ضروری ہے۔ نگاہیں ہماری جو ادھر ادھر بھٹکتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کبھی بھی اپنی شخصیت پر غور نہیں کرتے ہیں اور اس لئے خود اپنی ذات سے کافی دور جا پڑے ہیں۔

طرفہ گردی ز پیکرت جوشید   کہ ترا ہم ز دیدہ ات پوشید

تیرے پیکر جسم سے عجیب و غریب گرد اڑی جس نے اپنی ہستی کو تیری آنکھ سے اوجھل کر دیا۔

ایں تو ہم غباری پس و پیش   اثر چشم بستن است از خویش

یہ آس پاس اور ارد گرد کی ''تو ہم غباری'' (واہمہ کی گرد افشانی) خود اپنی شخصیت سے آنکھیں موند لینے کا نتیجہ ہے۔

کاشی کی کہانی:

بیدل نے اس سلسلے میں کاشی یعنی منقش ٹائلس جس سے گھروں اور غسلخانوں اور مسجدوں کی

اندرونی دیواروں کی آرائش کی جاتی ہے کی کہانی کے ذریعہ قارئین کو ''سفر در وطن'' کے اصول کی طرف متوجہ کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ جو کچھ ہے موجودہ زمانہ ہے اس لئے ماضی کے غم اور مستقبل کی فکر میں موجود نقد راحت ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ کاشی اپنے وطن کاشان سے ہجرت کر کے ہندوستان آیا اور یہیں بس گیا لیکن تمام آسانیوں اور سہولتوں کے باوجود جو اسے یہاں حاصل تھیں اپنے جنم بھوم کے غم میں آنسو بہاتا اور گھلا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں بیدل نے اپنے جنم بھوم ہندوستان کی تعریف میں بھی چند کلمے کہے ہیں جو اس ملک سے اس کے والہانہ تعلق کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہند باغیست کز تصور او   می رود آرزو بخلد فرو

ہندوستان کی مثال ایک ایسے باغ کی ہے جس کے تصور سے آرزو کشاں کشاں بہشت کی طرف لے جاتی ہے۔

آگہی را سواد محک است   شب نشین نگاہ مردمک است

علم و دانش کی پرکھ کے لئے وہ ایک کسوٹی ہے نگاہ مردمک (آنکھ کی پتلی) کا شب نشیں ہے۔

مردمک (وہ تل جو آنکھ کی سیاہی میں ہوتا ہے اسے مردمک اسی لئے کہتے ہیں کہ اسی میں انسان کی نگاہ چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے۔

از زمینش غبار اگر خیزد   بر ہوا اشکہا سودہ برد

اس کی سرزمین سے اگر گرد و غبار اٹھے تو فضا میں آنسوؤں کو رگڑتے ہوئے گھستے ہوئے جائے۔

از فضایش نسیم اگر بالد   آسماں سینہ برچمن مالد

اسی کی فضا پر اگر باد نسیم چلنا شروع کرے تو آسمان اس چمن پر اپنا سینہ رگڑے۔

غرض کہ کاشی کی ملاقات ایک خداشناس آدمی سے ہوتی ہے جو اسے اس طرح دلاسا دیتا ہے۔

کای زیانکار ہستی موہوم   حسرت آباد خواہش معدوم

اے ''ہستی موہوم'' کے نقصان کو سہنے والے اور ایک ''خواہش معدوم'' کی حسرت میں گھلنے والے۔

ہرچہ گردید از نظر روپوش   بخیالش مباش زحمت پوش

جو چیز نگاہوں سے اوجھل ہو اس کے تصور میں خواہ مخواہ اپنے کو زحمت میں نہ ڈالو۔

بگذر از خواب مخمل کاشان   سرمہ گیر از سواد ہندوستان

مخمل کاشاں کا خواب دیکھنا بند کرو ہندوستان کی سیاہی کا سرمہ لگاؤ۔

چیست کاشاں؟ جہان وہم خیال   کہ بدیدن وجود اوست محال

کاشان کیا ہے؟ ''ایک دنیائے وہم و خیال ہے'' جس کے وجود کا دیکھنا اب محال اور ناممکن ہے۔

هو وطنت غیر حال موهوم است   هرچه آنسوی تست معدوم است

تیرا وطن حال یا موجودہ صورت حال کے سوا سب کچھ موہوم ہے۔ جو تجھ سے پرے ہے وہ سب قوت واہمہ کی اختراع اور اپج ہے۔

شمع سے عبرت:

''سفر در وطن'' یا ''سیر در باطن'' کے سلسلے میں بیدل شمع کی ہیئت کدائی سے سبق لیتا ہوا کہتا ہے کہ جس کو وطن کہتے ہو وہ درحقیقت زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے بلکہ جہاں اور جب نگاہیں وا ہوئیں وہیں اور اسی وقت ہمارا وطن ہے اس بنا پر ''شمع تحقیق'' کو روشن کرنے اور موجودات کے اسرار کی دریافت کے لئے ضروری ہے کہ شمع کی طرح خود اپنی شخصیت کے مطالعہ و تحقیق پر اپنی توجہ مرکوز کریں۔

وطن و غربت تو غیر تو نیست   از تو بیرون ثبات و سیر تو نیست

ترجمہ: دیس و پردیس خود تیری ذات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سفر و حضر تیری اپنی شخصیت کے باہر کوئی چیز نہیں ہے۔

نگاہ کی آوارگی کے نتیجے میں جو اضطراب تجھے لاحق ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خود اپنی شخصیت اور ذات سے تو فرار حاصل کر رہا ہے۔

آنچه تشویش هرزه پردازیست   وهم از خویشتن برون تازی است

آوارہ گردی کی جو تشویش تجھے لاحق ہے وہ خود آپ اپنی ذات سے فرار کا وہم ہے۔

گر سپهری و گر زمینی تو   هرچه هستی کنون همینی تو

آسمان کی بلندی پر ہو چاہے زمین کی پستی پر، جو کچھ بھی ہو تم اب یہی ہو۔

اپنے احوال و کوائف میں جو انقلابات ہمیں نظر آتے وہ سب بظاہر ''تکرار جلوہ'' ہے حالانکہ شروع سے آخر تک صرف ایک ہی حقیقت اپنی جگہ برقرار ہے اور وہ ہے خدائے ذوالجلال والاکرام کا ''بقائے مطلق'' اور ''مقید'' سے وابستہ جتنی چیزیں نظر آتی وہ اپنے انجام کے لحاظ سے باطل ہیں اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ تم حق سے اپنا تعلق استوار کرو کہ بقا اور دوام صرف اسی صورت میں ممکن اور مقصود ہے۔

از مقید برای مطلق باش   باطلست این و آن تو باحق باش

مقید کے دائرے سے نکل کر ''مطلق'' کے ہو کے رہو۔ یہ اور وہ جتنی چیزیں نظر آتی ہیں سب باطل ہیں اس لئے تم ''حق'' (خدائے جل جلالہ) کا ساتھ اور اس کی معیت اختیار کرو۔

حرفی از درس راز می گویم   گفته ام آنچه باز می گویم

راز کی ایک بات تجھے میں نے بتائی ہے جسے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر یہی کہہ رہا ہوں۔

کاین طریق سکوت و وضع خروش   از تو گردید امتیاز فروش

''سکوت'' و ''خروش'' (سناٹے و ہنگامے) کی اس روش میں تیری ہی بدولت فرق و امتیاز پیدا ہوا ہے۔

وحدت کلی:

اس کے بعد ''وحدت کلی'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم اور ساری کائنات در حقیقت ایک ہستی کے خیالات کے درجے میں ہیں وہ ہستی ہے اللہ تعالیٰ کی اور خیال کی حیثیت ظاہر ہے ''وہم'' اور ''عدم'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

هستی مطلق اوست ما عدمیم   ساز او را سراغ زیر و بیم

''ہستی مطلق'' تو وہی باری تعالیٰ ہے ہم تو سراپا ''عدم'' ہیں ہماری حیثیت اس کے ساز کے نغموں کی زیر و بم کی ہے۔

ما و من جمله شوق پیمائیست   طرفی نیست بحث یکتائی است

''ہم'' اور ''میں'' سب ایک شوق کے تحت گرم رفتار ہیں وحدت و یکتائی کی بحث میں کوئی ہمارا مقابل اور حریف نہیں ہے۔

یعنی این گیرو دار عشق و هوس   نیست غیر از خیال ''وحدت'' و بس

یعنی عشق و ہوس کے اس گیرودار میں تصور وحدت کے سوا کسی اور چیز کا کوئی نام و نشان نہیں۔

دنیا اور جو کچھ اس میں ہے تصوف کی اصطلاح میں اسے ''صفات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے بیدل کا کہنا ہے کہ صفات کے تعدد و کثرت سے ذات کا تعدد اور کثرت لازم نہیں آتا۔ تعدد صفات کی وحدت ذات کے ساتھ نسبت ایسی ہی ہے جیسے ایک آدمی ہو مگر بھانت بھانت کے بے شمار افکار و خیالات کا حامل ہو ظاہر ہے اتنے افکار کی کثرت کی وجہ سے اس کی شخصیت کثیر اور متعدد نہیں ہو جاتی ہے۔

هستی صرف از اعتبار صفات   نکشد تهمت تعدد ذات

تعدد صفات کے امتیاز کی وجہ سے خدا کی ذات محض پر ''تعدد ذات'' کی تہمت نہیں لگ سکتی ہے۔

عشق باخود مثالها دارد   شخص واحد خیالها دارد

عشق کے پاس بہت سی مثالیں ہیں۔ شخص واحد کے بہت سے افکار و خیالات ہوتے ہیں۔

بلکہ یہ ''کثرت'' وحدت کی نشاندہی کرتی اور اسے پایہ ثبوت کو پہونچاتی ہے۔

کثرت اثبات وحدت است اینجا   آگہی محو حیرت است اینجا
یہاں کثرت تو "وحدت" کا اثبات ہے یہاں علم وآگہی حیرت میں غرق ہے۔
صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"برہمن اور یہودی کے وہ قصے جس میں پانی میں غوطہ لگانے کے بعد وہ دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں اسی قسم کے خیالات کے نمونے ہیں یہ داستانیں جذبات میں اتھل پتھل پیدا کر دیتی ہیں خصوصاً اس بنا پر کہ بیدل نے اپنا پورا زور قلم اسی پر صرف کر دیا ہے۔" (۱۷۹)

راقم السطور نہیں سمجھ سکا کہ سلجوقی نے اس قصے کو کس مناسبت سے یہاں لکھا ہے جبکہ بیدل نے اس کو کسی اور مناسبت سے مثنوی کے آخر میں بیان کیا ہے۔ جس پر مناسب جگہ میں بحث ہوگی۔

زمانہ کیا ہے؟

عموماً زمانے کو ہم تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں ماضی، حال اور مستقبل۔ لیکن بیدل نے یہاں ایک نکتہ پیدا کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ان تینوں کا اگر ہم بہ غور جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ زمانہ چاہے جو کچھ ہو ایک فرضی واعتباری اور خیالی چیز سے زیادہ نہیں ہے۔ ماضی کا زمانہ جب گذر گیا تو وہ افسانہ ہوگیا، جسے حال کہتے ہیں اس کا کوئی مصداق نہیں کیونکہ حال دو حالتوں سے خالی نہیں ہے یا تو وہ کام انجام پا چکا ہے تو وہ ماضی ہو گیا ہے یا انجام دینا ہے تو وہ مستقبل ہو گیا اور جب تک ہم مستقبل تک پہنچتے ہیں وہ پیچھے پہنچ کر "ماضی" ہو چکا ہوتا ہے۔

اینکہ فی الحال می زنیم مثل   قصہ ماضی است و مستقبل
اس وقت جو مثال ہم بیان کر رہے ہیں وہ ماضی اور مستقبل کی کہانی ہے۔
حال خود در زمانہ پیدا نیست   اسم مخفی است کش مسمی نیست
حال کا کہیں کوئی نشان و پتہ نہیں ایک پوشیدہ اسم ہے جس کا کوئی مسمی نہیں۔
آن دو وصف دگر کہ معلوم است   نیز مانند حال موہوم است
دو دوسرے اوصاف "ماضی و مستقبل" جن کا ہمیں علم ہے وہ بھی حال کی طرح موہوم شی ہے۔
یعنی از جلوہ ہای استقبال   ہرچہ گرد آوری بہ محفل حال
مستقبل کا جو جلوہ محفل حال میں آپ دکھا رہے ہیں۔
تا نظر کنی قفا شدہ است   عکس آئینہ فنا شدہ است
جب تک اس پر ہم نظر ڈالیں وہ پیچھے کو جا چکا ہوتا ہے آئینہ کا عکس کالعدم ہو چکا ہے۔

ماضی افسانہ ایست رفتہ زیاد   گرد رنگی شکستہ بر رخ باد
ماضی ایک افسانہ ہے جس کی یاد بھی ذہن سے رخصت ہو چکی ہے وہ ہوا کے چہرے پر رنگ شکستہ کی ایک گرد کی طرح ہے۔
پس اثر ہای حال و استقبال   جملہ ماضی و ماضی است خیال
لہٰذا حال ومستقبل کے آثار سب ماضی ہو چکے ہیں اور ماضی ایک خواب وخیال سے زیادہ کچھ نہیں۔
چوں تامل بفہم حال رسید   وہم بود آنچہ درخیال رسید
قوت فکر یہ جب حال کو سمجھنے پر متوجہ ہوئی تو جو کچھ اس کے خیال میں آیا سب وہم ہو چکا تھا۔

اس طرح بیدل یہ ثابت کرتا ہے کہ جسے زمانہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں "خیال" اور مفروضہ کے سوا کچھ نہیں ہے اس لئے زمانے سے جو چیز بھی وابستہ ہوگی سب "خیالی اور وہمی" ہوگی بیدل "حال" کو "تمیز پیش و پس" (آگے پیچھے کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والا ہے) جیسے حسین اور برمحل تعبیر سے یاد کر کے دنیا کے عدم یا معدوم ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حال اسم "تمیز پیش و پس" است   اینقدر امتیاز حال بس است
حال نام ہے "تمیز پیش وپس" کا۔ حال کے لئے بس اتنی ہی امتیازی خصوصیت کافی ہے۔
پشت و روی ظہور ماست عدم   گرد نزدیک و دور ما ست عدم
ہمارے "ظہور" سے پہلے اور پیچھے عدم ہے ہمارے نزدیک اور دور کے گرد بھی عدم ہی گھوم رہا ہے۔

انسانی عجز و بے بسی:

اس کے بعد بیدل انسان کی عجز و بے بسی کو موضوع بحث بناتا ہوا کہتا ہے کہ انسانی ہستی کے بلند نصب العین کو اگر سامنے رکھا جائے تو ظاہری جسم اس کی راہ میں آڑے آتا ہے۔ ہمارا عظیم فریضہ منصبی ایک بار گراں ہے اور اس بار گراں کو ادھر ادھر لے جانے کے لئے جو سواری ہمارے پاس ہے وہ انتہائی ناتواں اور کمزور ہے۔

جسم خاکی غبار راہ یقین   ناقہ بیمار و بار ما سنگین
یہ خاکی جسم ایمان ویقین کی راہ میں ایک گرد وغبار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اونٹنی بیمار ہے اور اس پر لدا ہوا بوجھ سنگین ہے۔

ساری زندگی قوت واہمہ کی آوارہ گردی میں گذرتی ہے کبھی مستقبل کی فکر ستاتی ہے تو کبھی ماضی وحال کا غم ہمیں گھلاتا ہے اس طرح سارا سکون ہمارا درہم برہم ہے۔ بیدل کہتا ہے کہ میں زبان سے

خداشناسی کی بات کرتا ہوں جبکہ حقیقت میں نظر کی ہرزہ گردی میں مشغول ہوں بیدل کے خیال میں اس غلطی کا سرچشمہ فرصت ہے۔

ہمہ جولاں وحشت است اینجا   آگہی داغ فرصت است اینجا

یہاں تو یکسر وحشت کی جولانی ہے علم و آگہی "فرصت" کے لئے زخم اور صدمہ ہے۔

رہ میان بود ما غلط رقیم   پی معنی برون خط رقیم

راستہ تو بیچ ہی میں واقع تھا ہم ہی غلط چل رہے تھے معنی کی جستجو میں خط سے باہر نکل آئے۔

محو فرصت شدیم و عمر نماند   نسخہ ہا بود و امتیاز نخواند

"فرصت" کے انتظار میں اس قدر محو ہوئے کہ زندگی کے قیمتی لمحات نکلتے چلے گئے نسخے موجود تھے پر ان میں خط امتیاز نہ کھینچ سکے۔

اس کے بعد "فرصت" کس چیز کا نام ہے اس کی وضاحت کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہ "امل تراشی" (جھوٹی امیدیں باندھنا) کا نام ہے اس "امل تراشی" نے ساری دنیا کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔

چیست فرصت؟ امل تراشی ما   بتوہم جگر خراشی ما

فرصت کیا ہے ہماری "امل تراشی" وہم کی کرشمہ سازی سے جگر خراشی اور عرق ریزی کرنا۔

طبع ما آنقدر امل پرورد   کہ جہان را خراب فرصت کرد

ہماری طبیعت نے "امل" کو ایسا پروان چڑھایا کہ دنیا کو اس نے "فرصت" کے انتظار میں برباد کر کے رکھ دیا۔

از امل طالب محال شدیم   بیضہ شکستہ محو بال شدیم

"امل" کی اساس پر ہم محال اور ناممکن چیزوں کے خواہاں ہوئے انڈا توڑ کر نئے بال و پر کی امید میں غرق ہو گئے۔

فرصت رفتہ زندگی نام است   شرر جستہ جلوہ احرام است

"فرصت" کے جو لمحات بیت گئے اسی کا نام زندگی ہے جو چنگاری کوندی وہی جلوہ احرام ہے۔ (اپنی جلوہ آرائی کا احرام باندھے ہے۔)

اور کیا خوب کہا ہے۔

عالمی در قفای فرصت تافت   تا بجائیکہ نقد ہستی باخت

ایک دنیا فرصت کے انتظار میں اس حد تک اس کا پیچھا کرتی رہی کہ آخر "نقد ہستی" بھی اپنے ہاتھ سے دے بیٹھی۔

حقیقت یہ ہے کہ "فرصت" کے انتظار میں ہم کتنے اہم اور ضروری کاموں کو پس پشت ڈالتے چلے جاتے ہیں، دوسرے اوقات کے لئے انہیں اٹھا رکھتے ہیں اور اہم فرائض کو انجام دینے میں آنا کانی کرتے ہیں۔ بیدل فرصت کے محل استعمال اور انداز استعمال کی وضاحت کرتا ہوا آگے کہتا ہے کہ اپنی شخصیت پر غور و خوض کر کے اس کی اگر ہم نے شناخت حاصل کر لی اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں فرصت کا فائدہ اٹھایا۔

فرصت از ماست اگر بخود برسیم   کہ کدامین شی ایم یا چہ کسیم

اگر ہم نے اپنی شخصیت کی شناخت حاصل کر لی کہ ہم آخر کیا ہیں اور کون ہیں تو گویا ہمیں "فرصت" دستیاب ہو گئی۔ اور اس مضمون کی تلخیص کرتا ہوا کہتا ہے۔

جلوہ در پیش و ما قفا دیدیم   کس مبیناد آنچہ ما دیدیم

جلوہ سامنے موجود تھا اور ہم پیچھے مڑ کر دیکھتے رہے جو کچھ ہم نے دیکھا خدا نہ کرے کوئی دیکھے۔

عشق و عقل کی جنگ:

عقل و عشق کے درمیان جو کشمکش پائی جاتی ہے بیدل اس کی وضاحت کرتا ہوا کہتا ہے کہ عقل کی پرواز چاہے فلک پر کیوں نہ ہو چونکہ اس میں خامیاں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کی تگ و دو کا نتیجہ اضطراب و پریشانی اور انتشار و پراگندگی کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن عشق کا معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس میں وہ استعداد اور لیاقت ہے جس کی بنا پر وہ ساز کائنات کے مطرب کا سراغ لگا سکتا ہے۔ اس کی رسائی عقل سے بالاتر ہے۔ اپنی اسی لاثانی اور بے نظیر پرواز کی بنا پر اس کا فیصلہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

ماخلا اللہ باطل است اینجا   بحر در گرو ساحل است اینجا

اللہ کے سوا سب کچھ باطل ہے۔ یہاں سمندر بھی (اپنی تمام وسعت و پہنائی کے باوجود) ساحل کی قید میں ہے۔ اس خیال کی جزوی تائید خدا کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے "ذالک بان اللہ ھو الحق و ان ما یدعون من دونہ الباطل وان اللہ ھو العلی الکبیر. (لقمان پارہ ۲۱)۔ لیکن دوسری جگہ اللہ والوں کا قول نقل کرتے ہوئے خدا نے کہا: ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ یعنی یہ مخلوقات باطل نہیں ہیں اس لئے پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا جس چیز کی پرستش کی جائے وہ باطل ہے نہ کہ ساری کائنات باطل ہے۔

بیدل خود آپ کو بھی عاشقوں کے طبقے میں شامل کرتا ہوا کہتا ہے کہ اگرچہ وہ بیدل (بغیر دل کا)

ہے پر ایک دل آگاہ کا حال ہے، جس کے نتیجے میں اس کا ''نقش بے رنگ'' ''جو ہر آئینہ خدا'' ہو گیا ہے اور جب آدمی عشق کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جب خدائے جل جلالہ کے سوا کوئی چیز اسے دکھائی نہیں دیتی۔ تو ''حدوث وقدم'' اور ''واجب وممکن'' کے سارے امتیازات ختم ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ اکثریت انسانوں کی عشق سے بے بہرہ ہے، اس لئے قوت واہمہ تمام طرح کے اضداد کو ہماری نگاہوں کے سامنے پیش کرتی ہے، اس مقام تک رسائی کے لئے بیدل ''سیر ذات'' کی نصیحت کرتا ہے۔

مفت ہوش است اگر بخود برسی   کہ چہ بودی و این زمان چہ کسی

اگر تو اپنی شخصیت کی معرفت حاصل کرے کہ کیا تھے اور اب کیا ہیں تو ہوش تجھے گویا ''مفت'' میں مل گئی اور صرف عشق ہے جو مطلق سے مقید تک کی ''سیر تنزلات'' کو دل نشیں کرا سکتا ہے۔

عشق ایں جملہ می کند تعلیم   تابدانی مدارج تفہیم

عشق اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ تفہیم کے مدارج کو سمجھو۔

سیر تنزلات:

''جمال مطلق''، صوفیہ کے مطابق، اپنا تعارف کرانے کے لئے ''اطلاق'' کے دائرے سے نکل کر ''تقیید'' کے دائرے میں قدم رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مشہور حدیث نقل کرتے ہیں۔

کنت کنزا مخفیا لا اعرف فاحببت ان اعرف ۔ (میں نگاہوں سے پوشیدہ ایک خزانہ تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا مجھے یہ بات اچھی لگی کہ میرا تعارف ہو۔

اگر چہ اس حدیث پر دانشوروں کے درمیان اختلاف ہے کہ واقعی جناب رسول خداﷺ کا ارشاد ہے یا دوسروں کا مقولہ ہے لیکن تصوف میں خصوصا وحدت الوجودی صوفیہ کے یہاں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے اور ان کے بہت سے بنیادی عقائد کی اساس اسی پر قائم ہے۔ اس لئے اس موضوع پر پانچویں باب ''بیدل کے افکار وخیالات'' میں تفصیل سے بحث ہوگی۔

بہر حال بیدل بھی ''وحدت الوجودی'' طبقے کے انداز پر اس کی تشریح کرتا ہوا کہتا ہے جمال مطلق نے ''مقید'' تک رسائی کے لئے پانچ مرحلے طے کئے۔ پہلا تنزل یا مرحلہ عقل تھا۔

یعنی آں بے نشانی لاریب   نظری کرد بر حقیقت غیب

یعنی اس ہستی بے نشان ولاریب نے غیب کی حقیقت پر ایک نظر ڈالی۔

فہم خویشش جہان معنی شد   جیب خود خلوت تجلی شد

خود ''آپ اپنی ذات کا'' فہم جہان معنی ثابت ہوا خود اس کا اپنا گریباں ''خلوت تجلی'' بن گیا۔

ایں مراتب کہ عقل مدرک اوست   ناشی از نشہ اشارت ہواست

یہ مرتبہ جسے عقل نے پایا ''ہو'' کے اشارے کے نشہ سے پیدا ہوا۔

صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

''فلسفہ اور دین دونوں کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ خدا کی پہلی مخلوق عقل ہے۔'' (۱۸۰)

اس کے بعد بیدل عقل، تعین، کل، نفس اور دوسری اصطلاحوں کی وضاحت کرتا ہے۔

''عقل'' نام ہے ایک ''حقیقت آگاہ'' کا جس کا ظاہر کائنات ہے اور باطن اللہ ہے یا ''دستگاہ جلوہ کون'' کا نام ہے جس پر ممکنات کی صورتیں طاری ہوتی ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں عقل ''قلم'' کو اور تصوف کی اصطلاح میں ''روح اعظم'' کو کہتے ہیں۔

عقل اینجا کنایت از قلم است   کہ نخستیں تحرک قِدم است

عقل یہاں ''قلم'' سے کنایہ ہے جو ''قدم'' یعنی ''جمال مطلق'' کی پہلی پیش قدمی ہے۔

نزد اہل حقیقت عرفان   روح اعظم اشارتست بآن

اہل تصوف وعرفان کے نزدیک اسے ''روح اعظم'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں سے ''عین وغیر'' کی بحث شروع ہوتی ہے۔

واجب اکنوں بہ ممکن انجامید   ماسوی اللہ از ایں مقام دمید

''واجب'' اب ''ممکن'' کے دائرے میں داخل ہوا ''ماسوا اللہ'' کا تصور یہیں سے صفحہ ذہن پر ابھرا۔

''تعین'' ایسی چیز کا نام ہے جو کسی خاص نام سے موسوم ہو سکتا ہے یہاں کسی کو یہ گمان نہ گذرے کہ اللہ، واجب، وحدت یہ سب بھی ''اسمائے الٰہی'' ہیں اس لئے ان کو بھی ''تعین'' کہنا چاہئے۔ بیدل کہتا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سب خدا کے اسم ذات ہیں جو تعین صفت سے عاری ہیں۔

سمجھنے کے لئے جب مطلق کو ہم ''مقید'' کا نام دیتے ہیں تو اسے ''کلی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہر چہ موسوم شد تعین یافت   رمز بیحرف ہیچکس نشگافت

جو چیز کسی نام سے موسوم ہوئی وہ ''تعین'' کہلاتی ہے ''بی حرف'' جس کے لئے کوئی حرف استعمال نہ ہو یعنی جمال مطلق کے رمز کو کسی نے واشگاف نہیں کیا۔

کلی آنست کز پی افہام   مطلقی را کنی مقید نام

کلی یہ ہے کہ سمجھانے کے لئے ''مطلق'' کو ''مقید'' کا نام دیا جائے۔

عقل چہ بود؟ حقیقتی آگاہ   ظاہرش کون و باطنش اللہ

عقل کیا ہے؟ ایک آگاہ حقیقت ہے جس کا ظاہر کائنات ہے اور اس کا باطن اللہ ہے۔

عقل آن دستگاہ جلوہ کون   موج اظہار شکل و صورت الوان

عقل ''جلوہ کائنات کی دستگاہ'' ہے رنگ برنگی شکل وصورتوں کے اظہار کا نام ہے۔

گویا ''عقل'' ''واجب'' اور ''ممکن'' کے درمیان ایک بین بین کی چیز ہے ماسوی اللہ کے تصور کا یہ سرچشمہ بھی ہے۔

لیکن مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اس تنزل اول کو مرتبہ ''تعین اول'' سے تعبیر کیا ہے۔

''مرتبہ ثانیہ تعین اوست بہ تعینی جامع برجمیع تعینات فعلیہ وجوبیہ الٰہیہ را و جمیع تعینات انفعالیہ امکانیہ کونیہ را و این مرتبہ مسمیٰ است بہ ''تعین اول'' زیرا کہ اول تعینات حقیقت وجود است وفوق او مرتبہ لاتعین است لاغیر۔'' (۱۸۱)

اس کے تعین کا مرتبہ ثانیہ ہے ایسا تعین جو تمام تعینات فعلیہ و جوبیہ الٰہیہ کو اور تمام تعینات انفعالیہ امکانیہ اور کونیہ کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے اس مرتبے کا نام ''تعین اول'' ہے اس لئے ''حقیقت وجود'' کے تعینات کا یہ پہلا درجہ ہے اور اس سے اوپر ''لاتعین'' اور ''لاغیر'' کا درجہ ہے۔

تنزل دوم:

''جمال مطلق'' کا دوسرا تنزل ''عقل'' سے ''نفس'' کی طرف ہوتا ہے نفس بیدل کے خیال میں آئینہ عقل تمثال ہے یا ''عقل'' مجمل ہے اور ''نفس'' اس کی تفصیل ہے۔

''نفس'' آئینہ عقل تمثال است   نفس تفصیل و عقل اجمال است

''نفس'' تصویر عقل کا آئینہ ہے ''نفس'' تفصیل اور عقل اجمال ہے۔

گویا واجب نے جب ممکن کے دائرے میں قدم رکھا تو اس کی پہلی منزل ''عقل'' تھی لیکن عقل مجمل تھی اس لئے اس کو مبسوط شکل وصورت دینے کے لئے عقل کی منزل سے اتر کر وہ نفس کی منزل میں آیا یہاں خدائے جل جلالہ نے اپنے کمال کے جلوے دکھائے اس منزل کا سبب خدائے تعالیٰ کا ارشاد کن فیکون ہے۔

ذاتی آمد بروں ز پردہ ہوش   کہ زند قدرت از ظہورش جوش

''پردہ ہوش'' سے ایک ''ذات'' برآمد ہوئی جس کے ظہور سے قدرت میں جوش وابال آیا۔

داد عرض تجلیات کمال   اسم ''باعث'' بجلوہ گاہ خیال

اس نے کمال کے جلووں کی نمائش کی ''جلوہ گاہ خیال'' میں ''اسم'' کو باعث بنایا۔

اسی باعث کو ''نفس کل'' اور ''لوح محفوظ'' کہتے ہیں۔ ''حدوث وقدم کا اعتبار بھی اسی فرق کی

نشاندہی کرتا ہے یعنی دنیائے امکان کی صورت مجمل کو قِدم اور صورت مفصل کو حدوث سے تعبیر کرتے ہیں۔

اعتبار حدوث تا بقدم   نیست جز مجمل و مفصل ہم

حدوث سے لے کر قدم تک کا اعتبار ''مجمل'' و ''مفصل'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد عقول عشرہ کا اس کے بھائیوں کی حیثیت سے تفصیلی تذکرہ کرتا ہے تا آنکہ کاروان ہیولی اور صورت کے ملک میں داخل ہوتا ہے۔

ہیولی اور صورت پر قدیم یونانی فلسفے میں بڑی بحث ہوتی رہی ہے۔ غیاث الدین ہیولی کی اس طرح تعریف کرتا ہے۔

''ہر چیز کے مادہ، ماہیت اور اصل کو ''ہیولیٰ'' کہتے ہیں''۔ حکماء اس کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ ''وہ ایک جوہر ہے جو صورت جسمیہ کا محل وقوع ہوتا ہے اور جوہر اول کو بھی کہتے ہیں۔ صوفیہ کے نزدیک اس کی دو قسمیں ہیں ایک ''روحانی'' جسے ''روح اعظم'' بھی کہتے ہیں دوسرا ''جسمانی'' جسے ''طبیعت کل'' کہتے ہیں متکلم حضرات ''حقائق اشیاء'' کو ہیولیٰ کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ہیولیٰ مخفف ہے ''ہیئت اولیٰ'' بمعنی اصل شی کی۔ (۱۸۲)

بیدل نے بھی چہار عنصر میں صورت جسمیہ، ہیولیٰ اور ان دونوں کے درمیان جو ربط ہے اس پر روشنی ڈالی ہے لکھتا ہے۔

''تا صورت بعرض جلوہ نیاید معنی ہیولی موہوم۔ وتا ہیولی نقاب اسرار نمی کشاید عبارت صورتا مفہوم۔ ہیولی را در جہان صور باطن اشکال بودنست وصورت را در ہیولی معمای ہماں کیفیت کشودن۔ اگر ہیولی بہ بی صورتی متصف است صورتی از کجا می جوشد واگر صورت از لباس قدرت عاریست ہیولی را کہ می پوشد۔'' (۱۸۳)

صورت جب تک جلوہ گر نہیں ہوتی ہیولیٰ کا مفہوم موہوم رہتا ہے اور ہیولیٰ جب تک اسرار کے نقاب اپنے چہرے سے نہیں ہٹاتا ہے۔ ''صورتوں'' کی عبارت غیر مفہوم رہتی ہے۔ ہیولیٰ کے لئے صورتوں کی دنیا میں باطنی شکلیں ہوتی ہیں اور صورت کے لئے بھی ہیولیٰ میں اسی کیفیت کے معمہ کا حل کرنا ہے۔ ہیولیٰ اگر ''بے صورتی'' سے متصف ہو تو صورتیں کہاں سے جوش زن ہوں اور صورت اگر قدرت کے لباس سے عاری ہو تو ''ہیولیٰ'' کو کون چیز ڈھکتی ہے۔

اب ذرا ''مثنوی عرفان'' کے اشعار پر دھیان دیجئے۔

علم تحقیق می کند تلقین   کہ در آئینہ ظہور یقین

"علم تحقیق" اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ "ظہور یقین" کے آئینے میں

تا با فشانی رسد اسرار　　محو گیر از تحقق آثار

جب تک اسرار و رموز فاش نہیں ہوتے ہیں اس کے آثار کے تحقق کو محو سمجھو۔

بیدل کا خیال ہے کہ "علم تحقیق" ہمیں بتاتا ہے کہ رازہائے سربستہ جب تک منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوتے وہ بدستور "اسرار" کی شکل میں باقی رہتے ہیں بالکل اسی طرح "ہیولیٰ اور صورت جسمیہ" کا معاملہ ہے وہ بھی صیغہ راز میں رہتے ہیں جب تک ایک دوسرے کی مدد سے منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوتے چنانچہ قوت فکر نے جب بھی غور و فکر سے کام لیا ہیولیٰ اور صورت جسمیہ کی ملی جلی شکل کے سوا کوئی چیز اسے نظر نہیں آئی۔

تنزل کے اس مرحلے میں ہیولیٰ نے غیب کا نقاب چہرے سے اتار کر ایک روپ دھارا تب جسم وجود میں آیا۔ جسم در حقیقت "شہود کی نظر گاہ" کا نام ہے جس کے بغیر شکل و صورت کا تصور بھی صفحۂ ذہن پر نہیں ابھر سکتا ہے۔

ایں تنزل ز بام دان نہ ہبوط　　غور خویش است در مقام ثبوت

اس تنزل کو بام و در سے اترنا نہ سمجھو بلکہ ہیولیٰ کے تحقیق کے مقام میں خود آپ اپنی ذات پر غور و خوض کا نام ہے۔

اس مرحلے پر انسان کو چاہئے کہ اپنے جسم اور ہیئت کذائی پر دھیان دے۔ اس مرحلے میں "موجود مجرد" جوہر مجسم" میں منتقل ہوتا ہے اور "کونی کلی" کا مخصوص نام اختیار کرتا ہے۔

اینکہ از عقل تا بجسم رسید　　کونی کلی باسم رسید

عقل سے جب جسم کے مرحلے پر پہونچا تو اس کا نام "کونی کلی" پڑ گیا۔

پھر عقل کی صفت پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے کہ "جہاں تشبیہ" (کائنات) میں جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے وہ سب جہاں تنزیہہ (اللہ تعالیٰ) کی ایک جھلک ہے اس لئے "جہاں تشبیہ" کے تماشا اور مطالعہ کا مقصد جہاں تنزیہہ کا سراغ لگانا ہے یہاں جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے وہ در حقیقت "جمال مطلق" کے ذوق شہود کا نتیجہ ہے جس نے اس کو "وجوب" کے لباس سے آزاد کر دیا۔

اس کے بعد وہ جسم پر بحث کرتا ہو کہتا ہے کہ جسم نام ہے علم و نور و وجود کے پردۂ خفا سے معرض وجود میں آنے کا۔ مذکورہ بالا صفات سے آراستہ اس جسم میں دل بمنزلہ عرش کے ہے۔ جس کی حقیقت اگرچہ قطرہ خوں سے زیادہ نہیں ہے پر ساری دنیا کو اس نے اپنے اندر سمو لیا ہے عقل پہلے مرحلہ میں "روح اعظم" تھی اس کے بعد اپنے پوشیدہ جوہر کی نمائش کی خاطر وہ عرش سے چند درجہ نیچے اتری۔

کرسی: کرسی کیا ہے؟ اس سلسلے میں بیدل کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں اللہ نے اپنے بابت فرمایا استوی علی العرش آسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد اللہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ یہ عرش در حقیقت "کرسی" سے ماخوذ ہے جس کے بابت قرآن کہتا ہے "**وسع کرسیہ السموات الارض**" "اس کی کرسی آسمان اور زمین سب کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ یہاں ہمیں "لامکاں" مکان کی طرف متوجہ ہوتا نظر آتا ہے اس کے بعد چار سیڑھیاں اس نے طے کیں۔ پہلا زینہ "لاہوت" کا دوسرا "جبروت" کا تیسرا "ملکوت" کا اور چوتھا "ناسوت" کا۔ ذات واحد جب ہر قسم کی نشانیوں اور علامتوں سے پاک تھا تو "لاہوت" کے زینے میں تھا جب دنیائے کیف و کم میں اس نے قدم رکھا تو "اسم و صفات" کے نام سے موصوف ہوا اس وقت وہ "جبروت" کے زینے میں تھا پھر جب اصل "نسخہ اجرام" میں قدم رکھا تو وہ "ملکوت" کے زینے میں داخل ہوا۔ اس کے بعد جب وہ "اجسام" کی شکل میں رونما ہوا تو "ناسوت" کے پلے میں پہونچا۔

چیست "لاہوت" بی نشانی ذات　　"جبروت" اعتبار اسم و صفات

لاہوت کیا ہے "ذات کی بے نشانی" اور "جبروت" کیا ہے "اسم و صفات کا اعتبار" ہے۔

"ملکوت" اصل نسخہ اجرام　　لفظ "ناسوت" صورت اجسام

"ملکوت" نسخہ اجرام کی اصل ہے اور لفظ "ناسوت" اجسام کی صورت کا نام ہے۔

آمد آن "غائب" از نظر بشہود　　بی نشانی شد ایں زمان محدود

نظروں سے اوجھل ہستی اب منصۂ شہود میں آئی اور بے نشانی بھی حدود کے دائرے میں داخل ہوئی۔

حاصل معنی آنکہ پیدائی　　کرد سامان مظہر آرائی

غرض کہ وہ جو ظاہر و باہر ہستی تھی اب اس نے مظہر آرائی کا ساز و سامان کیا۔

اس کے بعد بیدل کہتا ہے "مکانیت" کا تصور عرش سے مستنبط ہوا۔ عقل و نفس جس کا تذکرہ ابھی چند صفحے پہلے ہوا تھا بیدل کے خیال میں وجود ذہنی کا نام ہے جس کا تصور صرف ذہن میں ہی کیا جا سکتا ہے۔

عقل و نفس وجود ذہنی بود　　عرش و کرسی شد این زمان مشہود

عقل و نفس وجود ذہنی کا نام ہے۔ اس زمانے میں عرش و کرسی سامنے آئی۔

"عرش و کرسی" کی وضع پر اگر غور کریں تو وہ سر اور کان کے درجے میں معلوم ہوں گے۔ اس طرح فضائے بسیط مکاں مقام رحمانی کا کاشانہ ہے۔

اس کے بعد عرش و کرسی کو آٹھویں آسمان "بروج" کے زیر اثر ایک جلوہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

جلوہ بر کرسی ظہور نشست   جاہ بیرنگ نقش عظمت بست

''جلوہ'' ظہور کی کرسی پر براجمان ہوا'' بے رنگ جاہ وحشمت'' پر بزرگی کے نقوش ثبت ہوئے۔
وہاں سے عشق نے آواز لگائی کہ جسے ''جلوہ'' کہتے ہیں وہ یہی ہے باقی ''اوہام'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایں دو جرم لطیف اطلس فام   یعنی انوار عرش و کرسی نام

یہ دونوں اطلس (ایک قسم کا لطیف ریشمی کپڑا) ایک لطیف اجرام یعنی عرش وکرسی کے انوار۔

گشت پیدا ز آسمان '' بروج''   ہر نزولیست دستگاہ عروج

آسمان ''بروج'' سے ہویدا ہوئے ہر نزول عروج کی ایک دستگاہ (سامان یا ذریعہ) ہے۔
حکمت کی اصطلاح میں اسے ''چرخ اطلس'' کہتے ہیں۔

اسم این نشہ اصطلاح حکیم   ''چرخ اطلس'' شمردہ عرش عظیم

حکیم اور فلسفی کی اصطلاح میں اس کا نام ''چرخ اطلس'' ہے جسے عرش عظیم کہتے ہیں۔

''آسمان بروج'' یا ''چرخ اطلس'' فلک الافلاک یا مرکز کے حکم میں ہے باقی ماندہ افلاک پرکار کے حکم میں ''کاررواں تعین'' کی شناخت کا سلسلہ فلک الافلاک سے شروع کر کے فلک ہفتم پر لا کر کہتا ہے کہ آثار ''غنا'' کی نمائش کی خاطر آسمان میں مختلف منزلیں قائم کیں۔ یہاں پہنچ کر وہ پوشیدہ خزانہ منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوتا ہے اور آفرینش عالم کا جو مقصد تھا پورا ہوتا ہے اس لئے بیدل نصیحت کرتا ہے کہ حدیث **کنت کنزا مخفیا لا اعرف فاحببت ان اعرف** (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا۔ چاہا کہ میرا تعارف ہو) میں جس چیز کا حوالہ دیا گیا ہے ان تنزلات میں اس کا مشاہدہ کرنا چاہیئے پھر کہتا ہے کہ فلک الافلاک نے جو ''غنا'' کا پرشکوہ اثر ہے ان جلووں کو اپنے اردگرد سیکڑوں رنگ میں دیکھا۔

فلک زحل:

ساتویں آسمان پر جسے ''زحل'' کہتے ہیں الگ سے روشنی ڈالتا ہوا کہتا ہے کہ آسمان زحل ''صفت ربوبیت'' کی جلوہ گاہ ہے۔

پس ربوبیت آشکارا شد   آسمان زحل مہیا شد

پھر ''ربوبیت'' کی صفت سامنے آئی جو ''آسمان زحل'' کی شکل میں نمایاں ہوئی۔

چوں بایں رنگ طرح نور افگند   اسم رب سایہ ظہور افگند

اس رنگ میں جب اس نے ضیا پاشی شروع کی تو رب کا نام ہویدا ہوا۔
رب ومربوب، جاہ وعجز، اور غنا وفقر کے درمیان جو فرق ہے اس کا سلسلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

رب و مربوب از ینمقام شگفت   زین چمن عجز و احتشام شگفت

رب اور مربوب وعجز وحشمت کا فرق اسی چمن سے واشگاف ہوا اور سدرۃ المنتہیٰ بھی اسی مقام پر واقع ہوا۔

سدرۃ المنتہی دریں محل است   آنکہ ختم نتائج عمل است

سدرۃ المنتہی اسی جگہ پر واقع ہے جہاں عمل کے نتائج کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے۔

ہست ایں سدرہ نزد اہل کمال   وصل انسان بحاصل اعمال

صاحب کمال حضرات کے نزدیک یہ سدرہ درحقیقت انسان کا اپنے حاصل اعمال کے ساتھ جوڑ اور پیوند کا نام ہے۔

ہر کرا فضل رب ہدایت کرد   صاحب رتبہ نہایت کرد

خدا کے فضل وکرم نے جس کی رہنمائی کی اسے یہ اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔

چرخ برجیس:

چھٹا آسمان جسے برجیس کہتے ہیں درحقیقت اسی صفت کی رفعت و بلندی اور جلوہ ونمائش کا اثر ہے۔ رب ومربوب کے درمیان جو فرق ہے اس میں خط امتیاز کھینچنے والی چیز علم ہے اور سارے علوم کی نسبت فلک برجیس کی طرف کی جاتی ہے۔

علما کز علوم می گویند   درسگاہ حقیقت اویند

وہ علماء جو علم ودانش کا چرچا کرتے رہتے ہیں وہ دراصل اس کی حقیقت کی درسگاہ ہیں۔

اینقدر زیں مقام مکشوف است   کہ سعادت بعلم موقوف است

یہاں سے اتنی بات تو واضح ہے کہ سعادت وخوش نصیبی علم ہی پر موقوف ہے۔

سپہر بہرام:

پانچویں آسمان کا نام ''بہرام'' ہے یہاں بیدل ''علم'' کا تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے اور اسے قدرت بیچوں (خدائے یکتا وبے مثال کی قدرت وتوانائی) کی اصل قرار دیتا ہے۔

چیست علم؟ اصل قدرت بیچوں   نظم جمعیت ظہور و بطون

علم کیا ہے؟ خدائے بے چون و بے مثل کی اصل قدرت ہے۔ ظاہری اور باطنی دنیا میں جو نظم و ضبط استواری واستحکام اور امن وامان دکھائی پڑتا ہے وہ سب اسی علم کی بدولت ہے۔

علم کے ذریعہ ہم زمانے کی اونچ نیچ اور پستی و بلندی سے واقف ہوتے ہیں اس کے بغیر کسی چیز کا نقش ہمارے صفحۂ ذہن پر نہیں ابھر سکتا۔ اس لئے علم کے سوا جو چیز بھی ہے اس کا نام جہالت ہے ہر وہ تدبیر جو علم سے ہم آہنگ اور اس پر مبنی ہوگی غالب ہوکر رہے گی۔

غیر علم آنچہ کردہ اند رقم   نیست جز جہل و جہل جملہ عدم

علم کے سوا جو چیز بھی معرض تحریر میں لائی ہو وہ جہالت کے سوا کچھ نہیں اور جہالت سراسر ''عدم'' ہے

علم ہرجا کہ کفیل تدبیر است   غالبیت دلیل تاثیر است

علم جہاں بھی تدبیر کا کفیل و ذمہ دار ہوا وہاں غالبیت اس کی تاثیر کی دلیل ہے۔

خصوصاً علم جس کا تعلق پروردگار عالم کی ذات وصفات سے ہے اس کی اہمیت بیان کئے بغیر ہی واضح ہے۔

خاصہ علم کمال رب علیم   کہ بما سجدہ می کند تعلیم

خصوصاً رب علیم کے کمالات کا علم جو ہمیں اس کے حضور جبہہ سائی کی تعلیم دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں گفتگو کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے بیدل علم عارف پر پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔

علم عارف کہ محرق اشیا است   ہم ازیں برق ناز بال کشاست

عارف اور خداشناس آدمی کا علم جو اشیا کو نذر آتش کردیتا ہے وہ بھی اسی ''برق ناز'' سے نکلا ہے۔

یعنی آئینہ نمود حیات   نیست جز اجتماع اسم وصفات

یعنی ''نمود حیات'' (زندگی کے جو آثار تمام مخلوقات میں نظر آتے ہیں) کا آئینہ ''اسم وصفات الٰہی کے اجتماع'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فلک شمس:

چوتھا فلک جسے فلک شمس بھی کہتے ہیں اعتدال اور میانہ روی کی خصوصیات کا نمائندہ ہے۔

ساز تمہید بہ تعدیل رسید   گشت اینجا فلک شمس پدید

تمہید کا ساز ''تعدیل'' کی منزل پر پہونچا یہاں فلک شمس نمایاں ہوا۔

یہاں جلال و جمال میں حروف کی تبدیلی سے ایک دلچسپ نکتہ پیدا کرتا ہوا بیدل کہتا ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں کارواں تعین جلال سے جمال اور قہر سے مہر کی منزل کی طرف ہبوط کرتا ہے۔ مہر آفتاب کو کہتے ہیں اس طرح حکم مفرط گویا اعتدال کی منزل میں داخل ہوا۔

حکم مفرط باعتدال رسید   از جلال آیت جمال دمید

حکم مفرط اب اعتدال کی خصوصیات کا حامل ہوا ''جلال'' سے اب ''جمال'' کی نشانی ظاہر ہوئی۔

صافی آئینہ گرفت کمال   فلک شمس داد عرض جمال

صاف وشفاف آئینہ نے اب کمال کی خصوصیات اپنے اندر پیدا کی اور فلک شمس نے اپنے حسن وجمال کی نمائش کی۔

یہ وہ فلک ہے جس کی روشنی میں جو چاہیں دیکھ سکتے ہیں چھوں شمس اس کے نور سے ہم آغوش ہیں حتی کہ آیت نورالسموات کا مفہوم بھی اس سے پوری طرح واضح ہے۔

حکم قدرت کنوں تماشا کن   ہرچہ خواہی ہنوز پیدا کن

اب حکم قدرت کا تماشا دیکھو جو چاہو اس کی روشنی میں معلوم کرو۔

آنکہ نور السماء والارض است   زین مکان بی تکلف عرض است

وہ جو نورالسموات والارض (آسمانوں اور زمین کا نور) ہے یہاں سے بے ساختہ نمایاں ہے۔

فلک زہرہ:

پھر ''جمال مطلق'' نے تیسرے فلک پر جسے ''فلک زہرہ'' کہتے ہیں تنزل کیا اور اس کا نام ''جلوہ نور'' رکھا۔

نور در انجمن رنگ آمد   فلک زہرہ باہنگ آمد

''انجمن رنگ'' میں ''نور وارد ہوا تو فلک زہرہ بول اٹھا۔

نور آمد بجلوہ گاہ صور   فلک زہرہ شد فریب نظر

''نور'' صورتوں کی جلوہ گاہ میں داخل ہوا تو فلک زہرہ نظر کا فریب ثابت ہوا اور کائنات کے سارے نقوش اسی کے رشحہ قلم کا نتیجہ ہیں۔

ہیچ نقشی ز پردہ سر نکشید   کہ بہ تحریر قدرتش نرسید

ایسا کوئی نقش پردہ خفا سے نمایاں نہیں ہوا جس کو اس کی قدرت نے نہ بنایا ہوا۔

نقش موزونی کمال اینجا ست   قطعہ پردازی جمال اینجا ست

کمال کی موزونی کے نقوش یہاں ہویدا ہیں۔ جمال کی قطعہ پردازی یہاں نمایاں ہے۔ گویا فلک زہرہ کو اس نے اپنے جمال کی ''جلوہ گاہ'' قرار دیا ہے۔

که شوق محو جمال نا پیدا   دل اسیر کمند موج ہوا

جہاں شوق جمال بیکراں اور ناپیدا کنار میں محو ہے دل کمند ہوا کی لہروں میں قید ہے۔

مدعا آنکه ہرچه موزون است   بهر تسخیر ہوش افسوں است

غرض کہ جو چیز بھی موزوں ومناسب ہے ہوش کو قابو میں لانے کے لئے وہ (جادو) کا حکم رکھتی ہے۔

غیری اینجا نمی زند پر و بال   حق جمیل است و عشقباز جمال

''غیر'' کا یہاں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ حق جمیل ہے اور عشقباز جمال ہے۔ "اللہ جمیل یحب الجمال" کی طرف اشارہ ہے۔

فلک عطارد:

جمال مطلق پھر فلک دوم پر جسے ''فلک عطارد'' کہتے ہیں نزول کرتا ہے۔ فلک عطارد بیدل کے الفاظ میں صورتوں کا ''رنگ حساب'' سے آگے نکل جانے کا نام ہے۔

تا صور نگذرد از رنگ حساب   جست گردون عطارد ز نقاب

صورتیں رنگ حساب سے تا کہ آگے نہ نکل جائیں (یعنی بے حساب و بے شمار نہ ہو جائیں) فلک عطارد نقاب سے جست لگا کر باہر آ گیا۔

این حساب اعتدال ترتیب است   که ہماں آب و رنگ ترکیب است

یہ ''حساب'' درحقیقت ترتیب میں اعتدال کی رعایت رکھنے کا نام ہے جو اسی ترکیب کے آب و رنگ کا نام ہے۔

یہاں بیدل سلسلہ کلام کو طول دیتا ہوا ''وحدت الوجود'' کے نظریے تک رسائی حاصل کرتا ہوا کہتا ہے کہ کثرت کے جو آثار نظر آتے ہیں اگر ان پر غور کرو تو صرف ایک ہی کا عدد نکلے گا۔

عقل کاینجا ره حساب سپرد   واحدی یافت ہر عدد که شمرد

عقل نے جب یہاں حساب لگایا تو جس عدد کو گنا حقیقت میں وہ ایک ہی نکلا۔

کثرت اعتباری اسباب   وحدت آمد بروں ز روی حساب

اسباب کی کثرت حساب کے رو سے ''وحدت'' نکلی۔

کم و بیش جہاں گفت و شنود   ہرچه گل کرد جز یکی نه نمود

عالم گفت وشنود میں جو کمی بیشی بھی نمودار ہوئی وہ بالآخر ایک کے سوا کچھ نہ تھا۔

یعنی آحاد تا مآت و الوف   ہست بی شبهه بر یکی موقوف

یعنی اکائیاں سیکڑوں اور ہزاروں کی عدد تک پہنچ کر ''ایک'' ہی پر منحصر رہتی ہیں۔

آں یکی گر برآری از اعداد   ہیچ از ایں جمله عرض نتواں داد

اس ''ایک'' کو اگر عدد سے نکال دیا جائے تو ان میں سے کوئی چیز بھی بروئے کار نہیں آسکتی۔

حاصل اینست کز ہمه اعداد   یک احد بایدت گرفت مراد

غرض ان سب اعداد وشمار سے ایک ''احد'' کو منزل ومقصود سمجھنا چاہئے۔

آسمان قمر:

آسمان اول، جس کو فلک قمر بھی کہتے ہیں، اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ ازلی جنتری کی اساس اسی پر قائم ہے۔

اعتبارات حساب ازلی   بست از چرخ قمر نقش جلی

ازلی حساب کے سارے اعتبارات کی نمود چرخ قمر سے ہی وابستہ ہے۔

مختلف ایام میں اس کی ساخت میں جو کمی بیشی اور نقص وکمال نظر آتا ہے اس نے ایام، مہینے اور سال کی شکل اختیار کرلی۔

بی نقاب است رنگ نقص وکمال   رنگ از طور بدر و وضع ہلال

نقص وکمال کا رنگ اسی سے بے نقاب ہے۔ یہ رنگ بدر (ماہ کامل) اور ہلال (پہلی تاریخ کا چاند) کی شکل سے نمایاں ہوتا ہے۔

اثر کاہش و فزائش آن   ریخت میزان سال و ماه جہاں

اس کی کمی بیشی کے اثرات نے سال وماہ کے میزان مقرر کئے۔

عناصر اربعہ:

کرۂ آتش:

اس کے بعد وہ عناصر چہارگانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پہلے آگ کے بابت کہتا ہے کہ کس طرح وہ وجود میں آئی۔ بیدل کا خیال ہے کہ فلک قمر سے جو روشنی نمودار ہوئی جب اس کی آمیزش کدورت سے ہوئی تو اس نے ''کرۂ آتش'' کی شکل اختیار کرلی۔ ''نور'' جو دراصل اسی ''جلوہ جمال

مطلق'' کا نام ہے سیکڑوں رنگ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ آتش بھی اسی قسم کا ایک رنگ ہے۔ یہ آگ جب اوپر کی طرف چڑھتی ہے تو فلک کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور جب نیچے کی طرف اترتی ہے تو ''جن'' کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

نور شد ہرچہ تار کرد صعود   نار غیر از ہبوط نور نبود

جو آگ اوپر کی طرف صعود کر گئی نور بن گئی اور نور جب نیچے اترا تو وہی نار ''آگ'' بن گئی۔

اسی مناسبت سے وہ ''نور معرفت'' (خداشناسی کا نور) بھی زیر بحث لاتا ہے۔

بایدت نور معرفت اندوخت   شمع فطرت بایں رموز فروخت

''نور معرفت کے حصول کی کوشش کرو۔ شمع فطرت کو اسی کے رموز سے روشن کرو۔

کرہ باد:

''کرہ باد'' کو ''کرہ نار'' کی حدت وحرارت میں کمی کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

آید از گرمی کم حدت نار   کرہ باد بعرض اسرار

''نار'' کی حدت وحرارت میں کمی کی وجہ سے ''کرہ باد'' وجود میں آتا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ بحث کو طول دیتا ہو ''قبض وبسط'' کی وضاحت کرتا ہے۔

از ہوا موج ریشہ بیرون داد   تا کند نخل تازہ ای ایجاد

ہوا کی موج نے جڑ کو خارج کر دیا تا کہ کھجور کا ایک تازہ پیڑ اگائے۔

یعنی از قبض و بسط پیدا شد   غنچہ راز خود بخود وا شد

یعنی قبض وبسط سے نمودار غنچۂ راز خود بخود وا ہو گیا۔

بسط بی قبض جلوہ گر نشود   شام ناکردہ گل سحر نشود

''بسط'' بغیر ''قبض'' کے جلوہ گر نہیں ہوتا۔ شام ہوئے بغیر صبح نمودار نہیں ہوتی۔

ہوش تا رمز اعتبار شگافت   غیر بست و کشاد ہیچ نیافت

ہوش نے جب سے اعتبار کا رمز دریافت کیا بست وکشاد کے سوا کوئی چیز اسے نظر نہیں آئی۔

جو تبدیلیاں نظر آتی ہیں اور جو انقلاب دکھائی دیتے ہیں یہ سب ہوا کی بست وکشاد اور قبض وبسط کا نتیجہ ہیں۔ اس بسط کے چند مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ ''تنفس اسما'' کہلاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ ''مراتب اجرام'' کہلاتا ہے جو عناصر اربعہ اور موالید چہارگانہ کی شکل میں وجود میں آیا اور آخری مرحلہ ''تجلی انسان'' ہے جہاں قبض وبسط دونوں باہم شیر وشکر ہو گئے ہیں۔

بسط آخر تجلی انسان   مجمع قبض و بسط فاش و نہان

آخری بسط ''تجلی انسان'' قبض وبسط کا مجموعہ ہے جو کبھی فاش ہوتا ہے تو کبھی پنہاں۔

کرہ آب:

جب ہوا نے جمود ورکود کی کیفیت اختیار کر لی اور اپنی جنبش موقوف کر دی تو کرہ آب وجود میں آیا۔ اس تبدیلی کا مقصد کمال کی نشاندہی ہے۔

مدعا زیں ہمہ نقاب دری   نیست غیر از کمال جلوہ گری

ان سب نقاب دری کا مقصد کمال کی جلوہ گری کے سوا کچھ نہ تھا۔

کرہ خاک:

جو کچھ تاریکی اور روشنی نظر آتی ہے یہ سب ''کسوت خاک'' کے منصۂ شہود پر آنے کی وجہ سے ہے۔

کرہ خاک کہ ہر ظلمت و نور   یافت از کسوت او رنگ ظہور

کرہ خاک وہ جگہ ہے جہاں پر ہر تاریکی اور روشنی کا ظہور اس کے لباس و پوشاک کی بدولت ہوا۔

رہرو شوق منزلی می خواست   موج بیتاب ساحلی می خواست

شوق کا راہگیر ایک منزل کا طلبگار تھا بیقرار موج ایک ساحل کی متمنی تھی۔

تہ نشیں شد کفی ازان دریا   کرہ خاک گشت چہرہ نما

اس دریا کا جھاگ نیچے جا کر بیٹھا اور کرہ خاک وجود میں آ گیا۔

پھر جمادات، نباتات، حیوانات، جن وانسان پر سیر حاصل بحث کرتا ہے جن میں سے بعض کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

عنصر چہارم ''خاک'' جب معرض وجود میں آیا تو انواع واقسام کے جماد اس سے ظہور پذیر ہوئے۔ اس سلسلے میں وہ معدنیات، شیشہ، پتھر، پہاڑ، لوہا، سونا، چاندی، لعل، یاقوت ہر ایک پر جداگانہ بحث کرتا ہے اور سب کے اندر ایک مشترک صفت کا قائل ہے۔ وہ صفت افسردگی، درماندگی اور اپنی جگہ پر ٹکے پر رہنے کی ہے۔ اور اس سے سبق لیتا ہوا کہتا ہے جس آدمی میں سونا یا چاندی کی طلب ہوتی ہے اس پر افسردگی کی وہی صفت غالب آتی ہے۔

اینکہ انسان بجہد طالب اوست   اثر حکمہای غالب اوست

یہ جو انسان محنت ومشقت برداشت کر کے اس کی طلب کرتا ہے تو اس کی خصوصیات کا اثر اس

پر غالب ہوجاتا ہے۔

فی الحقیقت چہ شاہ و کو درویش   ہر کرا سیم بیش عزت بیش

درحقیقت کیا شاہ و کیا گدا جس کے پاس سونا چاندی کی مقدار زیادہ ہے اس کی عزت بھی زیادہ۔

سربلندی کوہ زر داریست   ناز دریا ہم از گہرباریست

پہاڑ کی سربلندی اسی وجہ سے ہے کہ اس کے اندر سونے کی کانیں ہیں دریا کا ناز اسی وجہ سے ہے کہ اس کے اندر موتی چھپے ہوئے ہیں۔

عالمی را بجلوہ اش نظر است   ہرکہ بینی ہلاک سیم و زراست

اس کے جلوے پر ایک دنیا کی نظر جمی ہوئی ہے۔ جس کو دیکھو سیم وزر کی تلاش میں مرا جارہا ہے۔

نبات:

بیدل کہتا ہے ''نباتات'' یعنی پودے جس طرح معرض وجود وظہور میں آئے ہیں یہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا میں زندگی کس چیز کا نام ہے اور یہ کس طرح وجود کو زندہ و پایندہ رکھتے ہیں۔

عرض کیفیت ایجاد نبات   کہ جہان یافت ازو برگ حیات

پودوں کے وجود میں آنے کی کیفیت کا بیان جس سے دنیا کو زندگی کی رونق اور چہل پہل ملی ہے۔

آں غباری کش از طپیدن جست   رنگ آئینہ نباتی بست

وہ گرد جو تپنے کے بعد آگ سے جست کرکے باہر آئی اس نے نباتی آئینہ کا رنگ اختیار کرلیا۔

بیدل کے خیال میں جو گرد آگ میں تپنے کے سبب اپنی اصلی حالت سے باہر آئی اس نے پودے کی شکل اختیار کرلی۔ اس گفتگو کا سلسلہ طول دیتے ہوئے وہ اس اہم اور دلچسپ نکتے پر پہنچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پودوں کے ذریعہ اپنی صفت رزاقی کی نمائش کی۔

عرضہ داد ایں جہان بباغ جمال   اسم رزاق آب و رنگ کمال

خدا کے اسم ''رزاق'' نے اس دنیا کے باغ جمال میں اپنے کمالات کے آب و رنگ کی نمائش کی۔

از نبات آنچہ جلوہ سامان شد   رزق حیواں وقوت انسان شد

پودوں سے ہونے والی پیداوار جانوروں کی روزی اور انسان کی خوراک ٹھہری۔

گرچہ رزق سباع حیوانست   باز آنجا نبات پنہان است

اگرچہ درندوں یا جانوروں کی روزی حیوان سے ہے پھر بھی وہاں پودے ہی پوشیدہ ہیں۔

حیوانات:

اس سلسلے میں بیدل کا خیال ہے کہ اس دنیا میں بسیط ومرکب کی شکل میں جو چیز بھی نظر آتی ہے سب کو شکل وصورت علم ہی کی بدولت ملی ہے اور جمال مطلق کے سیر تنزل کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

بود پیش از ظہور اسم و صفات   علم مطلق نفس کشیدن ذات

''اسم وصفات'' کے ظہور سے پہلے علم مطلق صرف ذات کی نفس کشی میں مصروف تھا۔

آں نفس روح شد بحکم ظہور   بال وا کرد از بساطت نور

وہ نفس بحکم ظہور روح ہوئی اور ''بساطت نور'' سے اس نے اپنے بال و پر پھیلائے۔

داد پرواز از عنصر و افلاک   پس نہاں گشت در طبیعت خاک

پھر عنصر وافلاک سے اس نے پرواز کی تو خاک کی طبیعت میں نہاں ہوگئی۔

تا نماید ز طبع خاک خروج   کند از پایۂ نزول عروج

خاک کی طبیعت کے دائرے سے باہر نکلنے اور پایۂ نزول سے اُوپر اٹھنے کے لئے۔

بہم آورد خاک و آتش و آب   کرد شوخی بصورت آداب

اس نے خاک و آتش اور آب سب کو آپس میں ملا کر خلط ملط کیا تب اس نے آداب کی صورت میں شوخی کی۔

جمع تا شد جماد نام گرفت   رست زانجا نبات نام گرفت

سب چیزیں جمع ہوئیں تو اس نے ''جماد'' کا نام اختیار کیا وہاں سے آگے بڑھا تو اس نے ''نبات'' کا نام اختیار کیا۔

بروانی رسید حیوان شد   بہ سخن لب کشود انسان شد

جب اس میں جان پڑی تو حیوان ہوگیا۔ جب اس نے گفتگو کے لئے لب کشائی کی تو انسان ہوگیا۔

اس طرح اس نے نزول کے مختلف مراحل کو چند اشعار میں بیان کردیا۔ ان تنزلات کی سیاحت بتاتی ہے کہ

اگر ادراک رہنمای کسی است   زین مراتب دلیل علم بسی است

قوت ادراک اگر کسی کی رہنمائی پر اتر آئے تو ان مراتب (تنزلات) کے مطالعہ سے بہت سے علوم اس کے ہاتھ لگیں۔

حیوانات کا سارا علم اوران کی ساری فکر صرف آب و دانہ، اکل وشرب، خواب و بیداری اور جنسی تسکین تک محدود ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے جذبات و احساسات کا دائرہ یہیں تک محدود رہتا ہے وہ حیوان صفت ہیں۔

زانچہ شد طبع خلق لذت یاب　　یافت اسم اکل وشرب وشہوت وخواب

جن اشیاء سے مخلوق کی طبیعت کو لذت ملی اس نے اکل وشرب اور شہوت وخواب کا نام اختیار کرلیا۔

رنگی از امتیاز نفع و ضرر　　گشت ساز کمال یکدیگر

نفع وضرر اور سود وزیاں کے درمیان امتیاز کرنے کی خصوصیت ایک دوسرے کے کمال کا ساز بن گیا۔

منحصر شد حقیقت ادراک　　بامید بقا و بیم ہلاک

ان کی حقیقت ادراک صرف بقا کی امید اور ہلاک کے خوف تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔

بست اکنوں بر آگہی محمل　　اعتبار ظہور اسم مذل

اب اس نے علم وآگہی کی پشت پر اپنا کجاوہ کسا۔ ظہور کے اعتبار نے مذل کا نام اختیار کیا۔

ہرچہ از خلق جنس انعام است　　زیں تجلی بوہم خود رام است

مخلوق میں جو چوپایوں کی جنس سے ہیں اپنے خیال میں اس نمود پر مطمئن ہیں۔

بیدل کہتا ہے لوگوں کی اکثریت اسی انداز سے زندگی بسر کرتی ہے کوئی اس سطح سے اوپر اٹھ کر نہیں سوچتا۔ یہ لوگ دل کے اسرار ورموز نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی ساری زندگی غفلت و بیخبری میں گذرتی ہے۔

کوشش از خود بروں دوید اما　　سوی مبدأ نگشت راہ کشا

اپنی ذات سے باہر نکلنے کی کوشش تو انہوں نے کی لیکن مبدا کا راستہ ان کو نہیں مل سکا۔

عقل اینجا دلیل نادانی است　　بی تکلف جہان حیوانی است

اس کی عقل ناسمجھی ونادانی کی دلیل بن کر رہ گئی بے تکلف اسی کا نام ''حیوانی دنیا'' ہے۔

عالم جن:

اس سلسلے میں ''سیر تنزلات'' کو وہ عنصر آتش تک پہونچاتے ہوئے کہتا ہے کہ جوہر آتش نے جب تجرد اور سب سے الگ تھلگ رہنے کی وضع اختیار کی دوسرے عناصر اور موالید کو اپنے اندر قبول کرنے سے ابا کیا اور خود کو اتنا لطیف رکھا کہ اس کہ ہیئت تک نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو جن وجود میں آیا۔

جو ہر نار بر تجرد تاخت　　کہ بترکیب و امتزاج نساخت

جوہر نار نے تجرد کا شیوہ اپنایا جو دوسرے عناصر کے ساتھ ترکیب اور امتزاج سے ہم آہنگ ہونا نہیں چاہتا۔

در موالید ازاں نشد دخلش　　کہ نہانست از نظر محلش

ان موالید کا اس کے اندر کوئی عمل دخل نہیں ہو پایا کیونکہ اس کا محل وقوع نظروں سے نہاں اور اوجھل ہے۔

ہستیش ز ہستی ای نہ نمود　　زانکہ در دیدہ ہا رہی نکشود

اس کی ہستی نے اپنی ہستی کی نمائش نہیں کی کیونکہ اس نے آنکھوں تک رسائی کی راہ نہیں اپنائی۔

شد لطافت مقیم پردۂ فہم　　ہیأت جن نشست بر در وہم

پردہ فہم پر لطافت نے ڈیرہ ڈالا تو وہم کے دروازے پر جن کی صورت نمایاں ہوئی۔

لیکن آگ کی طبیعت میں سرکشی کا مادہ تھا اس لئے اس سے اس کی خصوصیت ظاہر ہوئی اور خدا کے حکم کے سامنے اس نے اعلانیہ علم بغاوت بلند کردیا۔

آتش از خاک تا بلندی کرد　　غفلت ایجاد خود پسندی کرد

آگ جب مٹی سے اوپر کی جانب اٹھی تو اس نے غفلت و بے خبری اور خود پسندی کی روش اختیار کی۔

در ہمیں جلوہ گاہ یافت قرار　　اعتبار ابا و استکبار

اسی جلوہ گاہ میں اِبا اور استکبار کے اعتبار کو قرار ملا۔

یہیں سے سعید وشقی، نیک و بد اور فرمانبردار و نافرماں کی داستان شروع ہوتی ہے۔ شقاوت نام ہے بندگی اور عبودیت کے دائرے سے باہر نکلنے کا۔

چیست ساز شقاوت اعیاں　　چیدن از وضع بندگی دامان

اعیان کی شقاوت وبدبختی کیا ہے؟ ''بندگی کی وضع سے کنارہ کشی کرنا''۔

حیف ازاں سر کہ جز ہوا نشگافت　　خاک گردید و ذوق سجدہ نیافت

افسوس ہے اس سر پر جس کے سامنے ہوا وہوس کی تکمیل کے سوا کوئی مقصد نہ رہا۔ مر کر خاک ہوگیا پر سجدے کا ذوق اسے نصیب نہ ہوا۔

انسان:

انسان تنزل کا آخری مرحلہ تھا، بیدل کے خیال میں اس کی ہستی کائنات میں تعادل وتوازن کی

علامت ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور جنات کے موالید اربعہ میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے سب میں افراط وتفریط کی خصوصیات ہیں۔ ان میں سے کسی کے اندر توازن اور اعتدال نہیں ہے۔ صرف انسان ہے جس کے اندر سارے موالید اعتدال کے ساتھ پائے جاتے ہیں لیکن یہ اعتدال چند مراحل اور لمبی مسافت طے کرنے کے بعد ہی ہاتھ آیا ہے۔

عالم عنصر اعتدال گرفت   آدم آئینہ کمال گرفت

جہاں عنصر میں یہاں آکر اعتدال پیدا ہوا اور انسان کمالات کا آئینہ ٹھہرا۔

داشت آن رمز معنی مبہم   ہمہ با فرد فرد عرض رقم

ایک مبہم اور غیر واضح معنی کا رمز اس کے اندر پوشیدہ تھا۔ ایک ایک کر کے ساری خصوصیات اس کے اندر رکھ دی گئیں۔

ایں زمان اتفاق سامان شد   نسخہ ترتیب داد و انسان شد

اس وقت جب سارے کمالات اور سارے اوصاف ایک جگہ اکھٹے ہوئے تو اس نسخے کو ترتیب دیا گیا اور وہ انسان کی شکل میں نمودار ہوا۔

انسان وہ منتہائے مقصد ہے جہاں خط پرکار نے اپنی تلاش وجستجو کا سلسلہ ختم کر دیا اور دائرے کی شکل اختیار کر لی۔ اور چونکہ انسان عقول ونفوس کے جملہ اوصاف اور خوبیوں کا حامل تھا اس لئے ایک جامع نام اس کا رکھا۔

اسم جامع بروی کار آمد   کہ یکی عرض صد ہزار آمد

ایک جامع نام ابھر کر سامنے آیا جو اگر چہ ایک نمود کی حقیقت رکھتا تھا لیکن ہزاروں خوبیوں کا حامل تھا۔

آنچہ موسوم شد ز غیب و شہود   یک قلم نام این معما بود

غیب اور شہود کے نام سے جو چیزیں موسوم تھیں وہ یک قلم اسی ''معما'' کے نام سے معنون ہوئیں۔ تب یہ بات واضح ہو کر سامنے آئی کہ جمال مطلق کی تمام جدوجہد اور تگ ودو اسی ''جلوہ'' کی خاطر تھی۔

صورت و معنی عقول و نفوس   گشت اینجا بدیدہ ہا محسوس

عقول ونفوس کی صورت ومعنی سب یہاں آنکھوں سے محسوس ہونے لگے۔

شد معین کنوں کہ شاہد راز   بہر ایں جلوہ بود در تگ و تاز

اب یہ بات گویا طے ہوگئی کہ شاہد راز کی تگ ودو اسی جلوہ کی خاطر تھی۔

منزل سیر ماہ و مہر این بود   مرکز دور نہ سپہر این بود

آفتاب وماہتاب کی سیر کی منزل یہی تھی نو آسمانوں کی گردش کا مرکز ومحور یہی تھا۔

چشم حسن این زمان بخود وا شد   حیرت آئینہ تماشا شد

حسن کی آنکھ اس وقت خود آپ اپنا نظارہ کرنے لگی حیرت آئینہ تماشا ثابت ہوئی۔

چوں ز حیرتکدہ جہان قدم   جلوہ ہا ختم گشت بر آدم

جہاں قِدم کی حیرت کدہ سے جب سارے جلوے آکر آدم کی ذات پر منتہی ہوئے۔

ریخت وضع ظہورش از تعلیم   رنگ تحقیق احسن تقویم

تو تعظیم وتکریم کے طور پر اس کے وضع ظہور نے ''احسن تقویم'' (......بہترین ساخت کا) رنگ اس پر چڑھایا۔

از سراپایش اعتدال دمید   شوخی جوہر کمال دمید

اس کے پیکر سے اعتدال اور توازن نمودار ہوا اور اس کے اندر جوہر کمال کی شوخی نمایاں ہوئی۔

یہ اعتدال اور توازن انسان سے متعلق ہر امر حتیٰ کہ اس کی قوت گویائی میں بھی نظر آتا ہے اس سلسلے میں بیدل قوت گویائی کو خاص طور سے اپنا موضوع بحث بناتا ہے کہ وہ دراصل حلق، ہونٹ، زبان اور گلے کی باہمی ہمکاری اور تعاون کا نتیجہ ہے جو صرف ساز انسان کے پردے سے رونما ہوتی ہے۔ جانوروں کے اندر صرف آواز ہے جو اس کے سانس لینے سے ظاہر ہوتی ہے۔ حلق، زبان، ہونٹ اور گلا رکھنے کے باوجود اپنے منہ سے بامعنیٰ آواز نکالنے پر قادر نہیں ہیں۔

آنچہ کام و لب و زبان و گلو   متفق پر زند بجلوۂ او

جس چیز کی جلوہ آرائی کی خاطر حلق، ہونٹ، زبان اور گلے سب مل کر کوشش کرتے ہیں۔

سخن است و ظہور قدرت آن   نیست الا ز پردۂ انسان

وہ گفتگو کا اور اس کی توانائی کا ظہور جو صرف ساز انسان کے پردہ ہی سے نکلتا ہے۔

بحر قدرت کنوں بجوش آمد   صفت نطق در خروش آمد

خدائی قدرت کا دریا اب جوش میں آیا اور گویائی کی صفت بروئے کار آئی۔

اس سلسلے میں بیدل کا خیال ہے کہ ساری کائنات ''سخن'' سے عبارت ہے کیونکہ وہ ''کن فیکون'' بمعنی ''ارادہ الٰہی'' کا نتیجہ ہے۔

از ازل تا ابد چہ نو و چہ کہن   بود محکوم اقتدار سخن

ازل سے لے کر ابد تک کیا جدید اور کیا قدیم سب چیزیں ''اقتدار سخن'' کی محکوم ہیں۔

از دل خاک تا بعالم پاک   ملک آمد بمعرض ادراک

خاک کے دل سے لے کر عالم پاک تک ایک پوری دنیا معرض ادراک میں آئی۔

جستہ در عالم ظہور و بطون   نظم اسرار حکم کن فیکون

عالم ظہور و بطور میں حکم ''کن فیکون'' کے اسرار و رموز کا نظم و ضبط نمودار رہوا۔

حتیٰ کہ ''الف'' سے لے کر ''یا'' تک جو مفردات کے نام کی نشاندہی کرتے ہیں سب کا سرچشمہ تعین ثانی ہے جس کے حروف، جو ذات کی نفس کشی کے نتیجے میں پایہ ثبوت کو پہونچے ہیں اور جو چیز بھی یہاں نعمت ''وجود'' سے بہرہ مند نظر آتی ہے اس میں ان فرشتوں کا رنگ ڈھنگ موجود ہے جو دنیا کے مدبر اور کارفرما بتائے گئے ہیں۔ لیکن وہی چیزیں انسان کی ذات کے اندر مفصل طور پر ایک جگہ جمع ہوگئی ہیں اور ہر قسم کی اچھی بری باتیں اس کی ذات میں سمٹ آئی ہیں۔

لیک در ذات حضرت انسان   بتفاصیل گشتہ اند عیان

لیکن حضرت انسان کی ذات میں وہ مفصل طور پر نمایاں ہوئی ہیں

درس تحقیق مہر و کین اینجا ست   معرفت حیرت آفریں اینجاست

محبت و عداوت کا درس تحقیق اس کے اندر ہے معرفت یہاں حیرت آفریں ہے۔

لطف و ایذای مدحت و نفریں   ہمہ اینجا فگندہ طرح کمین

لطف و قہر اور مدح و قدح سب چیزیں یہاں کمین انداز ہیں۔

اس کے بعد انسان شناسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

باچنیں جلوہ گرد حایل چیست   فہم کن فہم کہ ای انسان کیست

ایسے جلوے کے اندر کون سی گرد حایل ہے۔ سمجھنے کی کوشش کر کہ انسان آخر ہے کیا؟

یہ صرف انسان کی ہستی ہے جہاں حرف (سخن) پایہ ثبوت کو پہونچ چکا ہے۔ انسان متن کے درجے میں ہے اور ساری کائنات اس کی شرح کے درجے میں۔ شاخ بغیر اصل کے اور شرح بغیر متن کے کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ہے۔

جز در انسان ثبوت حرف خطاست   ہمہ جا شرح بود و متن اینجا ست

انسان کے علاوہ کسی اور چیز میں حرف یا گفتگو کا ثبوت ہی نہیں ملتا۔ سب شرح ہیں اور متن یہاں ہے۔

فرع بی اصل وہم تعداد است   شرح بی متن حرف برباد ست

فرع بغیر اصل کے ''وہم تعداد'' ہے اور شرح بغیر متن کے ضائع و برباد ہے۔

حتیٰ کہ انسان کی ہستی پر اگر مزید توجہ کریں اور غور و فکر سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ ''باطن اللہ'' کا نام ہے۔

رمز انسان سری است گواہ   کہ جز او نیست باطن اللہ

انسان کی ہستی ایک راز ہے جو اس بات کی گواہ ہے کہ ''باطن اللہ'' اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔

اس کے بعد انما الدنیا الخ کی وضاحت کرتے ہوئے بڑی نفیس باتیں بیان کی ہیں۔

''اول'' و ''آخر'' کو پایہ ثبوت تک پہونچانے کی خاطر واحد نسخہ علم جو ہمارے حوالے کیا گیا ہے وہ انسان کی ذات ہے انسان در حقیقت ''کمال قدرت عشق'' کا نام ہے اس کی حیثیت ایک ایسی نو بہار کی ہے کہ کائنات کے پھول اس کے جلوہ کے بغیر رنگ و بو سے عاری تھے۔

بہر تحقیق اول و انجام   نسخہ علم راست انسان نام

''آغاز'' و ''انجام'' کی تحقیق کے لئے جو نسخہ علم ہے اس کا نام انسان ہے۔

چیست انسان؟ کمال قدرت عشق   معنی کاینات و صورت عشق

انسان کیا ہے؟ ''کمال قدرت عشق'' وہ کائنات کا ''معنیٰ'' ہے تو عشق کی ''صورت'' ہے۔

نو بہاریکہ بی تجلی او   در عدم داشت گل چہ رنگ و چہ بو

اس کی حیثیت ''نو بہار'' کی ہے جس کی تجلی کے بغیر پھول کا کیا رنگ اور کیا بو سب دنیائے عدم میں تھے۔

حاصل آنست کایں حدوث وقدم   نیست جز لفظ و معنیٔ آدم

غرض کہ یہ حدوث و قدم آدم کے لفظ و معنی کے سوا کچھ اور نہیں ہیں۔

ہمہ عالم در و ظہور آیات   او نمودار در حقیقت ذات

ساری دنیا کی نشانیاں اس کے اندر ظاہر ہیں اور وہ خود ''ذات الٰہی'' کا مظہر ہے۔

مقام انسان:

موجودات کے درمیان انسان کا اصلی مقام کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتا ہوا بیدل کہتا ہے۔

لفظ و معنیٔ درون و بیرونست   رنگ و بوی بہار بیچونست

وہ ذات بیچوں (خدائے تعالیٰ) کی بہار کا ایک رنگ بو ہے اور خارجی و داخلی طور پر اس کا لفظ و معنیٰ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان ظاہر و باطن اور خارجی و داخلی دو پہلوؤں کا حامل ہے اور دونوں پہلو

بہار کے رنگ و بو کے درجے ہیں ظاہر ہے ذات بیچوں تو خدائے تعالیٰ کی ہے۔ اور اس کی بہار یہ کائنات ہے جو اس کی تجلیوں کی جلوہ گاہ ہے لیکن اس بہار کا سارا رنگ و بو جس کی وجہ سے اس کی دلکشی قائم ہے انسان کی ہستی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی کتنی وقعت اور کیا اہمیت ہے۔ سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے بیدل کہتا ہے تو نے اپنے ابدی نور کا سراغ نہیں لگایا اگر یہ کام کیا ہوتا تو یہ بات الم نشرح ہو جاتی کہ تو کون ہے اور کن خصوصیات کا حامل ہے؟

نظری کن بنور جاویدت   کہ چہ مینا شکستہ خورشیدت

اپنے ابدی نور پر نظر ڈال کر دیکھ سورج نے کونسا مینا تجھ سے ٹکرایا ہے۔

گرچہ وامانده ای دل خاکی   بر تر از صد ہزار افلاکی

اگر چہ تو ایک عاجز و درماندہ خاکی دل والا ہے لیکن لاکھوں افلاکی (فرشتوں) سے برتر و بالا ہے۔

بیدل کہتا ہے کہ عشق کی توجہ ایک مدت تک خود اپنی ذات پر مرکوز رہی پھر وہ ''تعین'' کے مقام پر پہونچا اور تیری شکل و صورت میں جلوہ گر ہوا۔ وہ واحد آرزو جو اس کے دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی یہ تھی کہ تجھ کو تیری حقیقت سے واقف کرا دے اور جب تو منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تو وہ بھی جلوہ افروز ہوا اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خورشید نے اپنی تابانی دکھائی۔

''حق'' نہ تو نظروں سے اوجھل ہے کہ اس کے عیاں ہونے کا سوال اٹھے اور نہ وہ عیاں ہے کہ اس کے نہاں ہونے کا سوال پیدا ہو۔ بلکہ ظاہر و باطن اور عیاں و نہاں جو چیز بھی ہے وہ تیری حقیقت ہے جو آدمی اس حقیقت کا سراغ لگا لے وہ سعادت مند ہے۔

حق نہاں نیست تا عیاں گردد   یا عیان کز نظر نہاں گردد

حق نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کے عیاں ہونے کا سوال کھڑا ہو یا عیاں نہیں ہے کہ نظر سے اس کے پنہاں ہونے کا سوال اٹھے۔

آشکار و نہان حقیقت تست   خرم آنکس کہ این حقیقت جست

عیاں اور نہاں ہونا سب تیری حقیقت ہے خوش نصیب ہے وہ آدمی جس کو اس حقیقت کا سراغ مل گیا۔

ایسی صورت میں کہ تم ایک عظیم مقام پر فائز ہو اپنی ذات سے صرف نظر کر کے ساری دنیا کو زیرنگوں کرنے اور اس پر اپنی فتح کا پرچم لہرانے کی کوشش میں لگے ہو۔ کبھی بھول کر بھی اپنی ذات پر دھیان نہیں دیا یہ انتہائی افسوسناک امر ہے۔

عالمی را ز خود برون آوردی   لیک بر خویش جلوہ کم کردی

اپنی ذات سے باہر ایک دنیا کی سیر کر رہے ہو لیکن خود اپنی ذات پر بہت کم دھیان دے رہے ہو۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ادھر ادھر ہرزہ درائی سے کام لو خود اپنی ذات پر متوجہ ہو اور اپنے دل پر دھیان دو جس کے اندر ساری کائنات سمٹ کر جمع ہو گئی ہے اور ایسی کون سی چیز ہے جو اس کے اندر نہیں پائی جاتی۔

قطع کن زحمت رہ و منزل   تو دلی و نشستہ ای در دل

راستے اور منزل طے کرنے کی زحمت کا سلسلہ بند کرو تم سراپا دل ہو اور دل ہی کے اندر براجمان ہو۔

ہم کیا ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے؟ ہم دراصل آفتاب حق کے نور اور ایک جلوہ ہیں جو حق کے ہی نقاب میں پنہاں ہیں لیکن وہ آفتاب ایسا نہیں ہے کہ اس کے نور کی جھلک نقاب سے چھن کر باہر آئے۔

ما ہمہ نور آفتاب حقیم   جلوہ خفتہ در نقاب حقیم

ہم سب آفتاب حق کے نور اور نقاب حق میں پوشیدہ ایک جلوہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نیست ایں آفتاب ازیں دستور   کہ برون تا بد از نقابش نور

یہ آفتاب اس قسم کا نہیں ہے کہ نور اس کے نقاب سے چھن کر باہر آئے۔

رہ ندارد برون حق آفاق   نیست تقیید خارج اطلاق

اس کائنات اور آفاق کا حق سے باہر کوئی راستہ نہیں ہے تقیید، اطلاق سے خارج نہیں ہے۔

جز بخویشتن کجاست عالم سیر   خارجش غیر باشد ولا غیر

خود اپنی ذات کے سوا کوئی اور سیر گاہ نہیں ہے اس سے باہر غیر ہے اور غیر کا کہیں کوئی وجود نہیں۔

اس طرح وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ''حق'' سے باہر کسی چیز کا کوئی وجود ہی نہیں ہے ساری چیزیں صفحہ مطلق پر نقش اور ثبت ہیں۔

جملہ منقوش صفحہ مطلق   ہمہ ظاہر ولی بباطن حق

سب چیزیں صفحہ مطلق پر نقش ہیں سب چیزیں ظاہر ہیں لیکن باطن میں حق ہیں۔

چند باید بوہم فرسودن   خارج حق نمی توان بودن

''وہم'' کے پھندے میں پڑ کر کب تک فرسودہ ہوتے رہو گے؟ حق سے خارج ہو کر کسی چیز کا وجود ہی نہیں ہو سکتا ہے۔

کرد آنجا فسانہ ہا کوتاہ   معنیٰ لا الہ الا اللہ

قصہ مختصر یہ ہے کہ '' لا الہ الا اللہ'' کے یہی معنی ہیں یعنی لا موجود الا اللہ۔

انسان کا کام:

اس سلسلے میں بیدل قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان اپنی جگہ انسان ہوتے ہوئے بھی ایک ''نسخۂ عرفان'' ہے جب وہ فسونگری کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جانے کتنے جادو جگاتا اور کتنے فتنے کھڑے کرتا ہے۔

سخن اکنوں بعرض سامانست   ملکوتی دیگر پر افشاں است

گفتگو کا سلسلہ یہاں پہونچا کہ ملکوتی خصوصیات کا حامل انسان اب پر افشانی کر رہا ہے۔

می شود ساز نسخہ عرفان   قصہ ای از توجہ انسان

انسان کی توجہ کا ایک قصہ ''ساز نسخۂ عرفان'' ہے۔

کایں فسونگر چہ سحر می بارد   وین قیامت چہ فتنہ می کارد

دیکھئے یہ جادوگر جادو کے کیا کیا کرشمے دکھاتا ہے اور یہ سراپا قیامت کیا کیا فتنے کھڑا کرتا ہے۔

انسان عموماً ''جہان تعین'' جس سے مراد ''جہاں کثرت'' ہے کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کی کثرت میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اس کے صفحۂ ذہن پر ''جہاں وحدت'' کا تصور تک نہیں ابھرتا ہے۔ بیدل نے ایام طفولیت میں وحدت در کثرت کا درس پڑھا تھا۔ اور مرور ایام کے ساتھ بعض عارفوں کی صحبت میں اس کا یہ عقیدہ اس کے دل میں پوری طرح راسخ ہو گیا تھا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ چاہے جس موضوع پر قلم اٹھائے آخر اسی مرکزی خیال پر پہنچ جاتا ہے۔ کہنا چاہئے اس نے اپنے تمام تر شاعرانہ ذوق اور صلاحیت کو اسی مرکزی فکر کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا تھا چنانچہ یہاں بھی وہ اس موضوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

چوں تامل بکنہ معنی تاخت   حیرت آئینہ جنون پرداخت

جب تامل نے اس معنیٰ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی تو ''حیرت آئینہ'' پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی۔

یعنی از ہرچہ در خیال آورد   شخص صنع خودش مثال آورد

یعنی جو چیز بھی اس کے صفحۂ خیال پر رونما ہوتی ہے اپنی خود ساختہ شخصیت کی مثال اس کے سامنے آتی ہے۔

موج بیرون قلزمش نہ نمود   رنگ و بو خارج بہار نبود

موج کی نمائش دریا کے باہر نہیں ہوئی۔ رنگ و بو کا موسم بہار کے باہر کوئی وجود نہیں ہوتا۔

ذات مشہود و ماسوی موہوم   شعلہ موجود و خار خس معدوم

ذات الٰہی مشہود ہے اور اس کے علاوہ سب معدوم ہے ''ذات'' الٰہی سب جگہ نظر آتی ہے اور ماسوی موہوم ہے شعلہ موجود ہے اور خار و خس ناپید ہو گئے۔

لیکن خدا شناسی کے لئے خود شناسی ضروری ہے۔ خود شناسی کے سلسلے میں بیدل کہتا ہے کہ ''سیر انجمن'' نے ہم کو شمع کی طرح خود آپ اپنی ذات پر غور و فکر سے غافل کر دیا۔ ہماری نگاہ اتنی آوارہ گرد اور ہرزہ تاز واقع ہوئی ہے کہ اپنے گرد و پیش زمین و آسمان، دشت و صحرا اور کوہ و دریا وغیرہ کو دیکھتی ہے پر خود اپنی ذات کی تحقیق پر کبھی متوجہ نہیں ہوتی ہے۔

ہر طرف گشت پر فشان خیال   کرد پرواز از خویشش استقبال

قوت خیال ہر چہار طرف کی دوڑ لگائے ہے۔ اس کی خود پروازی نے اس کا آؤ بھگت کیا۔

ہمچو شمعیکہ سیر انجمنش   داشت غافل ز فکر خویشتنش

جس طرح شمع کو ''سیر انجمن'' نے خود اپنی ذات پر دھیان دینے سے غافل کر دیا۔

چون بہ تحقیق این و آن پرداخت   رنگ محفل زرنگ خود نشاخت

جب اس کی توجہ ادھر ادھر کی چیزوں کی طرف بٹنے لگی تو اپنے رنگ اور محفل کے رنگ میں کوئی تمیز نہیں کر سکی۔

اس کے بعد طرح طرح کے دلکش اسالیب کے ذریعہ قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ انجمن سازی میں ہم اس لئے اور مطمئن نظر آتے ہیں کہ ہم نے اپنی خلوت کو ''شعور کا کفیل'' اور ذمہ دار نہیں بنایا ہے۔ اور اپنے باطن یا باطنی کیفیات کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی ہے۔

گر شدی خلوتت کفیل شعور   انجمن سازیت نہ بود ضرور

تمہاری خلوت اگر شعور کا کفیل ہوتی تو انجمن سازی کی تمہیں ضرورت نہیں پڑتی۔

باطن کیا ہے؟ سیر دل۔ چنانچہ اس کے بعد سیر دل کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے جس پر پانچواں باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے اس سلسلے میں وہ ''حیرت'' کو بھی موضوع سخن بناتا ہے جس پر الگ سے اسی پانچویں باب میں بحث کی گئی ہے۔ انسانی عجز و بیچارگی کو جو ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے تعریف کرتا ہوا بیدل کہتا ہے۔

فضل یزداں ز التفات قدیم   بندگان را کند دعا تعلیم

خدا کا فضل و کرم قدیم زمانہ سے بندوں کو دعا کی تعلیم دیتا رہا ہے۔

باز ز یشاں ہمان دعا طلبد   سوی خود زین بہانہ وا طلبد

پھر وہ ان سے بار بار مطالبہ کرتا ہے کہ دعا کریں اور اس بہانے وہ ان کو اپنی طرف بلاتا ہے۔

عاجزی بندہ را خمش دارد ‏ ‏ ‏ لیک حق با خروش خوش دارد

انسانی عاجزی و بے بسی بندے کو خاموش رہنے پر آمادہ کرتی ہے لیکن خدا کو اس کے حضور ان کا رونا دھونا پسند ہے۔

اس کے بعد ایک عارف اور اس کے فرزند کی داستان بیان کر کے ''وحدت و کثرت'' اور ''خود شناسی'' کی وضاحت کرتا ہے اس کے بعد انسانی ہستی کو دو عدم کے درمیان ایک وجود سے تعبیر کرتا ہے۔

اولت ہیچ و آخرت موہوم ‏ ‏ ‏ وسط اندیشہ ہای نا مفہوم

تیرا اول ہیچ ہے اور آخر بھی موہوم ہے بیچ کے حصے میں ایسے افکار و خیالات ہیں جو نامفہوم ہیں۔

اس صورت میں ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم ''ما و من'' کی قید میں گرفتار رہیں یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں: جسم اور جان، ہماری ساری جد و جہد اور تگ و دو کا محور جسم اور اس کی نگہداشت ہے گویا سب کچھ جسم ہے کسی اور چیز کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اور جان کو سرے سے فراموش کر دیا ہے۔

ہمہ جسمی و جان بیادت نیست ‏ ‏ ‏ جز ہمیں خواب و خور مرادت نیست

تو سب کچھ جسم ہے جان کی تجھے کبھی یاد تک نہیں آتی۔ کھانے پینے اور سونے پڑنے کے سوا تیری زندگی کا جیسے کوئی اور مقصد ہی نہیں ہے۔

لفظ وہمی کہ نام او جسد است ‏ ‏ ‏ معنیش سنگ و صورتش جسد است

جس کا نام جسم ہے وہ ایک وہمی لفظ ہے اس کا مفہوم پتھر ہے اور شکل جسم کی ہے۔

بیدل کہتا ہے کہ جان کی اہمیت سے صرف نظر کر کے تو نے اپنی ساری توجہ جسم پر مرکوز کر دی ہے۔ تیرے سوچنے کا یہ انداز سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ای سراپا ہجوم جان لطیف ‏ ‏ ‏ خاک بر سر مکن ز جسم کثیف

اے وہ آدمی کہ جان لطیف پر تو سراپا بوجھ بنا ہوا ہے اپنے جسم کثیف کی بدولت سر پر خاک مت اڑا۔

جسم یکسر غبار ظلمانی است ‏ ‏ ‏ پردہ گنج جان نورانی است

جسم یکسر ایک تیرہ و تاریک غبار ہے جب کہ نورانی جان خزانے کا پردہ ہے۔

خاک بردار و گنج پیدا کن ‏ ‏ ‏ سرمہ مفت است دیدہ ای وا کن

مٹی نکال کر الگ رکھ اور خزانہ حاصل کر سرمہ یہاں مفت دستیاب ہے آنکھیں اپنی وا کر۔

چند در فکر ہستی افتادن ‏ ‏ ‏ بغم تن پرستی افتادن

''ہستی'' کی فکر اور تن پرستی کے غم میں کب تک گھلتا رہے گا۔

اس کے بعد پھر اپنے مقصد کی وضاحت کرتا ہوا کہتا ہے کہ اس پوری داستان سرائی کا مقصد یہ

ہے کہ تم پر خود شناسی کی اہمیت واضح ہو جائے۔ انسان جو جان و جسم سے مرکب ہے اگر اپنی ذات کی شناخت اسے حاصل نہیں ہے انسان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ انسان کو اگر حیوان پر بالاتری حاصل ہے تو علم و دانش اور عرفان و خود شناسی کی بدولت ہے ورنہ دونوں کے درمیان کیا فرق ہے۔

مقصد آنست ای کمال اندیش ‏ ‏ ‏ کہ خبر گیری از لوازم خویش

اپنے ''کمال'' کی بابت سوچنے والے مقصد یہ ہے کہ اپنے لوازم ہستی کی شناخت حاصل کرو۔

تا نماید اشارہ عینیت ‏ ‏ ‏ خم ابروی قاب قوسینت

تاکہ تیرے قاب قوسین جیسے ابرو کی خم تجھے عینیت کا اشارہ سمجھائے۔

جان و تن بین کہ آدمت دانند ‏ ‏ ‏ روز و شب شو کہ عالمت خوانند

جان و تن پر نظر کرو کیونکہ لوگ تم کو آدم سمجھتے ہیں رات دن بن جا، کیونکہ لوگ تم کو عالَم کہتے ہیں۔

''آدمیت'' ز خویش باخبری است ‏ ‏ ‏ ماقبی ہرچہ ہست گاو خری است

''آدمیت'' نام ہے خود اپنی ذات کی شناخت کا اس کے سوا سب گاو خر ہی (گائے گدھے) کا تصور ہے۔

فضل انسان بسائر حیوان ‏ ‏ ‏ نیست الا بدانش و عرفان

انسان کی سارے جانوروں پر فضیلت علم و دانش اور عرفان و خود شناسی کی بدولت ہے۔

ہوش سامان افسرست اینجا ‏ ‏ ‏ معرفت جادہ دیگر است اینجا

عقل و ہوش یہاں تاج کا سامان ہے لیکن معرفت و خدا شناسی یہاں ایک اور راستہ ہے۔

ہر کرا عشق کسوتی دادہ است ‏ ‏ ‏ پاس اظہار لازم افتادہ است

جس کو عشق نے کوئی لباس عطا کیا ہے اس کو اس کے اظہار کا پاس و لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

غفلت از گاو خر ہنر باشد ‏ ‏ ‏ آگہی جوہر بشر باشد

گاؤ خر کے اندر غفلت و بے خبری ہنر ہے علم و آگہی انسان کا جوہر ہے۔

آدمست آنکہ گر ز راہ افتد ‏ ‏ ‏ ہرکجا پا نہد بچاہ افتد

آدمی کی خصوصیت ہے کہ اگر راستے سے وہ بہک جائے تو جہاں بھی پاؤں رکھے گا کنواں میں گرے گا۔

پیش ازیں قدح واژگوں آید ‏ ‏ ‏ عدم از ہستیت برون آید

اس سے پہلے کہ یہ پیالہ سرنگوں ہو عدم تیری ہستی سے باہر نکل آئے گا۔

چشم بکشای جلوہ درکار است ‏ ‏ ‏ در شرر یک نگاہ بسیار است

آنکھیں کھول کے دیکھو جلوہ سرگرم کار ہے چنگاری میں ایک نگاہ بہت کافی ہے۔

چند ازیں غافلی و گمراہی — خون شد از غفلت تو آگاہی

کب تک اس سے غافل و بے خبر رہو گے تمہاری غفلت کی وجہ سے علم و آگہی کا خون ہو گیا۔

فنا:

دنیا کے ہر جز و کو ''فنا'' کا نمائندہ قرار دیتے ہوئے بیدل کہتا ہے۔

معنیٔ آنکہ ز ہر جز و ظہور — نیست جز صورت درسی منظور

مطلب یہ ہے کہ منصۂ ظہور کی ہر چیز سے مقصد ''صورت درسی'' یعنی ایک ایسی صورت ہے جس سے درس عبرت لیا جائے۔

چیست ایں باغ؟ درسگاہ رمی — حیرت اوراق رنگ و بو رقمی

یہ باغ جہاں کیا ہے؟ درسگاہ رمی ہے (جہاں ہر چیز بس بھاگم بھاگ میں لگی ہے) سراپا حیرت اوراق ہے، جس پر رنگ و بو کی تحریر ہے۔

رنگہا جملہ گرد رم گردید — شفق گلشن عدم گردید

سارے رنگ رم و فرار کے گرد گھوم رہے ہیں اور ''گلشن عدم'' کا شفق بن رہے ہیں (یعنی سب پابرکاب فنا ہیں)۔

اس لئے ''فنا'' سے ہم اپنی نگہداشت کیسے کریں؟ بیدل کہتا ہے اس مقصد کے لئے خدا کی ''ذات باقی'' سے وابستہ ہو جائیں۔

نور مرأت اول و انجام — نشہ ذوالجلال و الاکرام

آغاز و انجام کا نور مرأت ذوالجلال والاکرام کا نشہ ہے (خدا کی ذات سے پیوستگی کا نشہ)۔

دامن از گرد ایں و آں برزن — ہمہ در دامن عدم بشکن

ادھر ادھر کی باتوں سے دامن جھاڑ کر کھڑا ہو اور سب کو دامن عدم میں جھونک دے۔

پھر پروانے کی مثال دے کر یہ واضح کرتا ہے کہ عاشق کا معشوق کی ذات میں فنا ہو جانا ہی اس کی زندگی ہے۔

کس چو پروانہ دردناک نسوخت — کہ بآتش رسید و پاک نسوخت

پروانے کی طرح کوئی آدمی بھی دردناک انداز سے نذر آتش نہیں ہوا کہ عشق کی آگ میں پہنچ کر مکمل طور پر جل بھن گیا ہو۔

ہر کجا مدعاء عشق فناست — غیر تعجیل ہرچہ ہست خطاست

عشق کا مقصود و مدعا جہاں بھی ''فنا'' ہوتا ہے وہاں اس میں جلد بازی دکھانے کے سوا جو روش بھی اپنائی جائے سب غلط ہے۔

از فنا جان نمی توان بردن — پس بمیرید پیش از مردن

''فنا'' سے کوئی آدمی جانبر نہیں ہو سکتا اس لئے مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یعنی مرنے کے بعد کے حالات کے لئے تیاری کرو، حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے ''موتوا قبل ان تموتوا۔''

در نشان سیر بی نشان مفت است — فصل گل جلوۂ خزان مفت است

نشان (انسان) کو بے نشان (خدا) کی سیر مفت میں حاصل ہے فصل گل (موسم بہار) میں جلوہ خزاں بھی حاصل ہے۔

نیست در وحدت ایں اثر چیدن — کہ ز کثرت برون توان دیدن

''وحدت الوجود'' کے نظریے میں اس طرح کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا جو ''کثرت'' سے باہر ہو کر مشاہدہ میں آتا ہے۔

عقل و تدبیر:

اس کے بعد عالم تدبیر و معاش کی طرف متوجہ ہو کر بیدل کہتا ہے کہ ''انسانی ہستی'' اگرچہ پابرکاب فنا ہے پھر بھی اس کے وجود کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ''ہستی'' کی کل حقیقت نفس کی آمد و شد ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس جگہ کا نام ہے جہاں ''ہنگامہ تردد'' کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے اس لئے تردد انفاس (سانس کی آمد و رفت) کا سلسلہ جب تک جاری ہے دنیاوی دھندھوں سے کنارہ کشی نہیں کی جا سکتی۔

ہرچہ ہستی جز آمد و شد نیست — غیر ہنگامہ تردد نیست

تم جو کچھ بھی ہو، آمد و شد نفس کے سوا کچھ نہیں ہو ''ہنگامہ تردد'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

رہ نورداں وادی عدمیم — خامشی منزل و نفس قدمیم

ہم سب ''وادی عدم'' کے راہگیر ہیں سانس جیسا قدم رکھنے والے خاموش منزل کے رہنے والے۔

تا نفس را ز خواب پا دوریست — ترک اشغال سخت مجبوریست

سانس کا پاؤں جب تک خواب کے دائرے سے دور ہے کام دھندے کو چھوڑ بیٹھنا سخت مجبوری (فراق) ہے۔

آنچہ بر اہل شوق دشواریست   شرم تعطیل و ننگ بیکاریست

اہل شوق کو جو چیز نہایت گراں گذرتی ہے وہ ہے تعطیل کا شرم اور بیکاری کا ننگ (انہیں بیکار ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے میں شرم آتی اور سبکی وخواری محسوس ہوتی ہے۔)

کار:

اس سلسلہ میں وہ کام دھندے کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

ذکر آں شخص کہ گر کارنداشت   دست می سود و ندامت می کاشت

ایک ایسے آدمی کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کے پاس کوئی کام دھندہ نہ تھا وہ یونہی افسوس و ندامت کا ہاتھ ملا کرتا تھا۔

درج بالا عنوان کے تحت بیدل کام دھندے کے سلسلے میں لوگوں کے افکار وخیالات اور ان کی تلاش وجستجو کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے اور آخر میں کہتا ہے اس آدمی کی حالت نہایت افسوسناک ہے جو پاؤں رکھتا ہے پر نہیں چلتا اور ہاتھ رکھتا ہے پر کام نہیں کرتا۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اندر توانائی پیدا کریں۔ تلاش وجستجو کا سلسلہ جاری رکھیں اور زندگی کے آخری دم تک سانس کی طرح سدا تگ ودو میں لگے رہیں۔ زندگی درحقیقت نام ہے ہے ''لگاتار محنت'' اور ''سعی پیہم'' کا اس لئے تلاش معاش کے لئے ضروری ہے چاہے جو پیشہ ہو اسے اختیار کریں اور دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی نہ گذاریں۔

پس طلب لازم توانائیست   غیرت کار خاص دانائیست

لہٰذا حصول توانائی کے لئے طلب ضروری ہے کام کر کے زندگی گذارنے کی لاج دانائی کی خصوصیت ہے

بہ کہ من بعد تا حصول فنا   نہ نشینیم چون نفس از پا

اس کی اہمیت واضح ہونے کے بعد حصول فنا تک بہتر یہی ہے کہ سانس کی طرح لگاتار چلتے رہیں۔

تنگ بر خود چرا کنیم معاش   موج دریای زندگیست تلاش

اپنی معاشی حالت کو کیوں نازک بنائیں اور انہیں نہ سدھاریں دریائے زندگی کی موج تو تلاش وجستجو ہی کا نام ہے۔

بخر و شیم و مستی ای داریم   یعنی افسون ہستی ای داریم

جوش عمل دکھائیں اور موج ومستی کریں یعنی ''ہستی'' کے جادو کو برقرار رکھیں۔

می تواں زو بمکتب اعمال   فال شوقی ز نسخہ اشغال

مختلف کاموں کے اداروں میں مختلف قسم کے کام دھندے سے دلچسپی لی جاسکتی ہے۔

پیشہ ای باید اختیار کنیم   تا دمی چند صرف کار کنیم

کوئی بھی پیشہ اختیار کریں تاکہ ہماری زندگی کے یہ چند لمحات کام کاج کی مصروفیت میں گذریں۔

ماحصل شوق بیقرار بس است   مزد ما اشتغال کار بس است

خلاصہ یہ کہ شوق وذوق بیکراں ہی کافی ہے کام کی مشغولیت ہی ہماری مزدوری ہے۔

جہد:

اس سلسلے میں بیدل جدوجہد کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور کہتا ہے ''تردد'' کو ''توکل'' پر بالاتری حاصل ہے۔

نیست پوشیدہ ز ارباب نظر   کہ تردد ز توکل بہتر

ارباب نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ''تردد'' (معاش کے لئے دوڑ بھاگ کرنا) ''توکل'' (خدا کے بھروسے پر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا) سے بہتر ہے۔

سانس کی آمدورفت کا سلسلہ جب تک قائم ہے انسان آرزوؤں اور خواہشوں کے شکنجے سے رہائی نہیں حاصل کرسکتا اور جب تک آرزوئیں برقرار ہیں سکون خاطر ملنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے آرزو بر آری کے لئے انسان کو صرف امیدیں نہیں باندھنی چاہیں اور خیالی پلاؤ نہیں پکانا چاہئے بلکہ زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔ ''توکل'' کا مفہوم جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں ''افسردگی'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تا نفس ساز زندگی رہن است   شش جہت دام آرزو پہن است

سانس جب تک ساز زندگی کے ہاتھ میں گروی ہے ہمارے چاروں طرف آرزوؤں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہے۔

آرزو تا بجاست راحت کو   دام تا نگسلی فراغت کو

آرزو جب تک برقرار ہیں آرام کہاں نصیب ہے جال جب تک توڑ نہیں دیتے اس سے رہائی کیونکر ہو۔

سخت دوری ز راحت منزل   کہ بر امید بستہ ای محمل

یہ جو تم نے نری امیدوں پر اپنی آرزوؤں کا کجاوہ باندھ رکھا ہے تو تم منزل کی راحت سے کافی دور جا پڑے ہو۔

از شکنج خیال خام بر آ   بال جہدی کشا ز دام بر آ

خام خیالی کے شکنجے سے باہر آؤ جدو جہد کا بازو پھیلاؤ اور جال سے باہر نکل آؤ۔

در توکل چہ آبرو دیدی   جز فسردن دگرچہ فہمیدی

توکل میں تم کو کیا آبرو دکھائی دی ہے یہاں ''افسردگی'' کے سوا کیا چیز تمہارے پلّے پڑی۔

بگذر از شیوہ زمین گیری   کآرزو زندہ و تو می میری

ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھے رہنے کی روش کو ترک کرو کیونکہ آرزو زندہ ہے اور تو موت کی آغوش میں پہنچ رہا ہے۔

برق جولاں فسردہ ای روشی   ترک پرواز کردہ ای طپشی

تو وہ روش ہے جس نے برق جولاں (دوڑنے والی بجلی) کو افسردہ و پژمردہ کردیا۔ تو وہ طپش ہے جس نے پرواز ترک کردی ہے۔

اور کیا خوب کہا گیا ہے۔

جہد دانائیست جہل مگیر   در طلب فیضہاست سہل مگیر

جدو جہد سراپا دانشمندی ہے جہالت و لاعلمی کی روش مت اختیار کر۔ حرکت میں برکت ہے سہل پسند مت بن۔

بیدل کے ذہن رسا، ذوق سلیم اور زور بیان کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ عالم یہ ہے کہ وہ ''جہد'' کو ''دانائی'' اور ''بیکاری'' کو ''لاعلمی'' سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان چاہے جس شعبہ حیات میں ہو پیہم کوششوں سے ہی مطلوبہ چیز حاصل کرسکتا ہے پس جو آدمی تلاش و جستجو اور محنت و مشقت سے جی چرائے اور بھاگے گویا وہ نہیں چاہتا ہے کہ اپنی لائن کی معلومات حاصل کرے لہذا وہ جاہل ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے فرمایا ہے حصول علم میں انسان جب پورے تن من دھن سے لگتا ہے تو اسے تھوڑا سا علم ہاتھ آتا ہے پھر جو آدمی سرے سے اس میں نہ لگے ظاہر ہے اس کے پلّے کیا پڑے گا۔

جہد دانائیست، جہل مگیر   در طلب فیضہاست، سہل مگیر

جدو جہد سراپا دانشمندی ہے جہالت مت اختیار کر تلاش و جستجو میں طرح طرح کے فیوض و برکات ہیں اس لئے سہولت پسند مت بن۔

شبنمی گر بجہد می تازد   اشک را آفتاب می سازد

شبنم اگر پوری توانائی سے رواں دواں ہو تو آنسو کو بھی آفتاب بنادے۔

کاہلی ہا فسردگی ثمر است   دست خوابیدگان بزیر سر است

کاہلی اور سستی کا ثمرہ افسردگی و پژمردگی ہے۔ سونے والوں کا ہاتھ سر کے نیچے بے مصرف پڑا رہتا ہے۔

جہد ہرگز نمی شود پامال   ریشہ ہا از دویدنست نہال

جہد و مشقت کبھی رائیگاں نہیں جاتی ہے جڑیں اندوں خاک دوڑتی رہتی ہیں تب پودا اوپر ہرا بھرا دکھائی دیتا ہے۔

در تلاش آئینہ بسنگ خورد   بہ کز آسودگیش زنگ خورد

تلاش و جستجو کی راہ میں آئینہ اگر پتھر سے ٹکرا جائے تو اس سے بہتر ہے کہ آسودگی کی وجہ سے اسے زنگ کھائے۔

قطرہ کش جہد راہبر باشد   چون بمنزل رسد گہر باشد

جس قطرے کی رہنمائی جہد کرتی ہے جب وہ منزل پر پہنچتا ہے تو گہر ہوجاتا ہے۔

در طلب گر ہمہ ز پا افتی   خوشتر از جادہ رہنما افتی

طلب میں اگر تم پاؤں سے پوری طرح معذور بھی ہوجاؤ تو یہ زیادہ اچھا ہے اس بات سے کہ تم رہبر کی حیثیت سے راستے سے دور جا پڑو۔

بی طلب وصل یار نتواں یافت   بی طپیدن کنار نتوان یافت

طلب کے بغیر وصال یار نصیب نہیں ہوسکتا تڑپ کے بغیر محبوب کے پہلو میں جگہ نہیں مل سکتی۔

سچ پوچھئے تو یہ ایسے اشعار ہیں جن کو آب زر سے لکھنا چاہئے۔ کوئی شاعر ہمیں اب تک ایسا نظر نہیں آیا جس نے جدو جہد کی اہمیت پر اس طرح فلسفیانہ انداز سے اور دلکش طرز میں روشنی ڈالی ہو۔

اس سلسلے میں بیدل ایک ثروتمند آدمی کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جب اس کی ساری دولت و ثروت ہاتھ سے جاتی رہی اور وہ قلاش ہوگیا تو اپنی روزی روٹی کمانے میں اسے شرم محسوس ہونے لگی۔ ادھر جو لوگ اس کی خوشحالی کے زمانے میں اس کی دوستی کا دم بھرا کرتے تھے اس کے تہی دست ہوجانے کے بعد اس کی مزاج پرسی کو بھی نہیں آتے تھے آخر میں کہتا ہے۔

مرد از مفلسی زبوں گردد   شیشہ چون شد تہی نگوں گردد

مفلسی و ناداری کی وجہ سے آدمی کی ساکھ گرجاتی ہے گلاس جب خالی ہوجاتا ہے تو سرنگوں ہوجاتا ہے۔

ستم است اینکہ در دیار رسوم   حاکم آید بہ پیشۂ محکوم

معاشرہ کے رسم و رواج کے حسب اقتضا اگر کوئی حاکم محکوم کا پیشہ اختیار کرلے تو غضب ہوجائے۔

سخت تر از ہزار مرگ بشمار — کہ شود باج خواہ باجگذار

ٹیکس وصول کرنے والا افسر اگر ٹیکس دینے والا المحکوم بن جائے تو اسے ہزاروں موت سے بڑھ کر سخت معاملہ سمجھو۔

فقر وغنا:

سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے بیدل کہتا ہے کہ نہ تو غنا و تونگری فخر کا سبب ہے اور نہ ہی فقر و تنگ دستی ننگ و عار کا باعث ہے بلکہ راہ شوق میں جو چیز سنگ راہ ہے وہ ہے ''تمیز'' اس لئے ہدایت کرتا ہے کہ اول دونون کے درمیان تمیز کرنے کی اس روش کو ختم کرو تب تم فخر یا عار کسی چیز سے متاثر نہیں ہو سکتے۔

نہ غنا فخر و نہ فقرت ننگ است — در رہ شوق تمیزت سنگ است

بیدل کہتا ہے کہ فقر وغنا دونوں انسان کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور ان میں سے کسی کو بھی جدوجہد سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

چیست فقر و غنای ملک و جود — انتقال تخیل مشہود

ملک وجود یعنی کائنات میں فقر وغنا کی حقیقت کیا ہے؟ ''تخیل مشہود کا انتقال'' (جس تخیل یا قوت خیالیہ کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اس کا ایک کیفیت سے دوسری کیفیت کی طرف انتقال کرنے کا نام ہے۔)

کہ کسی در قلمرو اظہار — نیست بر عزل و نصب آن مختار

کہ قلمرو اظہار میں کسی آدمی کو اس کے عزل ونصب پر اختیار حاصل نہیں ہے۔

اس موضوع پر پانچویں باب میں الگ سے بحث کی گئی ہے۔

فلسفہ اپیکور:

''شمع و پروانہ'' کے قصہ کے ذریعہ بیدل نے فلسفہ اپیکور کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ غم ماضی کی قید اور فکر مستقبل کے شکنجے سے آزادی حاصل کرو۔ حال کو غنیمت سمجھو اور خوش رہو خواہ غنا کی حالت میں رہو خواہ فقر کی حالت میں۔

ہمہ را نقد حال مغتنم است — حال مفت است اگر ہمہ الم است

''نقد حال'' سب آدمی کے لئے غنیمت ہے ''حال'' کی فرصت مفت میں حاصل ہے چاہے

دکھ ہی دکھ کیوں نہ ہو۔

حال اگر فقر و غنا خوش باش — ای دلت عالم رضا خوش باش

زمانہ حال میں چاہے فقر ہو چاہے غنا ہر صورت میں خوش رہو اے وہ شخص کے تیرا دل ''عالم تسلیم و رضا'' میں مطمئن ہے ہشاش بشاش رہ۔

از خمار خیال استقبال — درد کلفت مکن بساغر حال

''مستقبل'' کی فکر کے نشہ میں ''حال'' کے ساغر میں کلفتوں کا تلچھٹ مت ڈالو۔

غم عمر گذشتہ خوردن چند — نقد گم کردہ وا شمردن چند

عمر گذشتہ کا غم کب تک کھاتے رہوگے جو نقدی ہاتھ سے جاتی رہی اس کو کب تک یاد کرتے رہوگے۔

فکر آئندہ تا بکی کردن — چند راہ نرفتہ طی کردن

آئندہ کی فکر کب تک کرتے رہوگے جس راستے پر تم چلے نہیں اس کو کب تک طے کرتے رہوگے۔

سر گیر ز ماضی شوی حضور اندیش — جمع در حال تست بی کم و بیش

ماضی سے صرف نظر کرو حال کی بابت سوچو۔ حال میں تمہیں بی کم وکاست جمع خاطر حاصل ہے۔

ور کنی جستجوی استقبال — چوں بیاییش نیست غیر از حال

اگر خواہ مخواہ مستقبل کی جستجو کرنا ہی چاہتے ہو تو جب تک تم اس کے پاس پہونچو گے وہ حال کے سوا کچھ نہیں رہ جائے گا۔

ہیچ چیزت زحال بیروں نسیت — زیں طلسم خیال بیرون نیست

تمہاری کوئی چیز حال کے دائرے سے باہر نہیں ہے اس طلسم خیال کے حلقہ سے باہر نہیں ہے۔

پس چہ ماضی کدام مستقبل — مفگن در بنای حال خلل

پھر ماضی کیا اور مستقبل کیا ہے؟ ''حال'' کی بنیاد میں خلل مت ڈالو۔

یکقلم حالی ای خرد دشمن — در آئندہ و گذشتہ مزن

اے دشمن عقل وخرد! یک قلم ''حال'' بن کر رہو۔ آئندہ و گذشتہ کے دروازے پر دستک مت دو۔

اس سلسلے میں بیدل ''امل'' کے فریب پر بھی بحث کرتا ہے جس کے نتیجے میں انسان موجودہ سکون و راحت کو بھی ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے گویا امل پرستی سکون خاطر کو تباہ کرنے والی چیز ہے۔ اس موضوع پر اس نے اس سے پہلے بھی روشنی ڈالی ہے۔

امل آئینہ ایست کلفت خیز — آبروی صفای حال مریز

''امل'' ایک پریشان کن آئینہ ہے ''حال'' کی پاکی وصفائی کی آبرو خاک میں مت ملاؤ۔
امل کے فریب سے گلوخلاصی کے لئے وہ ہدایت کرتا ہے کہ آزادی اور وارستگی کا زرّیں اصول اپناؤ جو بہ قول بیدل تمام خوشیوں کا سرمایہ اور سبب ہے۔

چیست آزادی؟ از امل رستن یعنی از وہم پیش و پس جستن

آزادی کیا ہے؟ امل کی قید سے خلاصی، یعنی پیش و پس اور آگے پیچھے کے وہم کے دائرے سے باہر نکل آنے کا نام ہے۔
انسان جب آزادی و وارفتگی کا شیوہ اختیار کرتا ہے تو وہ فقر وغنا اور تہی دستی وتونگری سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔

چہ غنا و چہ فقر اگر رستی چہ صباح و چہ شام اگر مستی

اگر تم امل کی قید سے خلاصی حاصل کرلو اور مست مولا رہو تو تونگری ہوئی تو کیا اور تہی دستی ہوئی تو کیا؟ صبح ہو تو کیا اور شام ہو تو کیا؟ کوئی چیز تم کو متاثر نہیں کرسکتی۔

غم کجا کو الم تمیز بلاست تا تمیز است عیش نیز بلاست

غم کہاں اور الم کیا چیز ہے؟ یہ سب عقل وتمیز کی بلا ہے جب تک یہ تمیز اپنی جگہ برقرار ہے عیش و آرام بھی تلخ ہوجاتا ہے۔

شخص ما را لباس بسیار است در عدم نیز جلوہ درکار است

ہماری شخصیت ایک ہے پر لباس گوناگوں ہیں عدم میں بھی ایک جلوہ درکار ہے۔
گویا فقر وغنا اور ناداری وتوانگری یہ سب ایک آدمی کے مختلف لباس ہیں جو باری باری سے اس کے جسم کو ڈھکتے رہتے ہیں جبکہ اس کی شخصیت اپنی جگہ بدستور اسی طرح برقرار ہے۔ یہ ہماری عقل کا کرشمہ ہے جو ان کے درمیان خط امتیاز کھینچتی ہے اس لئے بیدل کہتا ہے کہ اسے اٹھا کر الگ رکھدو۔

امتیاز ست آفت ہمہ کس اینہمہ عکس می نماید و بس

خط امتیاز کھینچنے والی عقل آدمی کی ساری آفتوں اور مصیبتوں کی جڑ ہے وہ اپنا گوناگوں عکس دکھاتی رہی ہے۔
اس کے بعد ایک ثروتمند آدمی کا واقعہ بیان کر کے سعی پیہم اور جہد مسلسل کی اہمیت بیان کرتا ہے۔

ہیچ جا زیں صحیفہ تکمیل جلوہ گر نیست معنی تعطیل

اس ''صحیفہ تکمیل'' یعنی کائنات میں کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں تعطیل اور بیکاری کا مفہوم پایا جاتا ہو۔

از عقول و عناصر و اجرام ہمہ را بر تردد است اقدام

عقول ہوں، عناصر ہوں چاہے اجرام ہوں سب کی گامزنی ''تردد'' یعنی لگاتار جدوجہد سے وابستہ ہے۔

عقل آں ریشہ بہار مثل کز ریاض قدم دمید اول

عقل وہ ''بہار مثل ریشہ'' (جس کی جڑیں بہار کی طرح سبز وشاداب ہیں) جو باغِ قِدم سے پہلے پہل وجود میں آئی۔

دفتر شاخ و برگ صنع کشود آب و رنگ گل بدیع نمود

اس نے قدرت الٰہی کی شاخ و برگ کے دفتر کھول دیئے عمدہ ونفیس پھولوں کے آب ورنگ کی نمائش کی (یعنی کارخانہ عالم کے تمام اشیاء کو وجود بخشا۔)

ریشہ اش آنقدر تردد کرد کہ قدم نو بر تجدد کرد

اس کی جڑ نے اتنی کاوش کی کہ اس نے ''تجدد'' پر اپنا تازہ قدم رکھ دیا۔
گویا ساری دنیا لگاتار کوششوں اور کاوشوں میں جٹی ہوئی ہے جس کو سعدی نے ایک شعر میں ادا کیا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند تا تو نانی بکف آری و بغفلت نہ خوری

بیدل نے اس موضوع پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے وہ کہتا ہے۔

دست قدرت بدار و صانع باش دامن گنج گیر و قانع باش

زور بازو سے کام لے اور صنعت کار بن جا (مختلف ساز وسامان کے مینوفکچرر بن جاؤ) خزانے کا دامن تھام لے اور قناعت کر۔

گر شوی محرم کیفیت کار ہیچ کسبت نشود مایہ عار

کام کی اہمیت کا اگر تم کو اندازہ ہوجائے تو کسی بھی پیشے سے تم کو عار نہیں ہوگی۔

مفت فرصت شمار کاری کن نقد گم می شود نثاری کن

فرصت تمہیں مفت میں حاصل ہے کام کرو نقد ہاتھ سے نکلا جارہا ہے اسے اپنے اوپر نچھاور کرو۔
اس سلسلے میں وہ مختلف قسم کے پیشوں کا تذکرہ کرتا ہے جن کو حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام نے اختیار کیا تھا اور قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ان کے بظاہر پست قسم کے پیشے مثلاً لوہاری، معماری، ٹوکری سازی، چرواہی، کھیتی کسانی نے ان کی عظمت و بزرگی میں کوئی بٹہ نہیں لگایا لہٰذا اسے اپنے لئے موجب ننگ وعار سمجھ کر اس

سے کنارہ کشی نہیں کرنی چاہئے۔

بود داؤد از تو صد جا بہ   نزدش چشمکی ز ننگ زرہ

حضرت داؤد علیہ السلام جو تم سے سیکڑوں درجہ بہتر تھے زرہ سازی یا لوہاری کے پیشہ سے ان کی طبیعت میں ذرا بھی انقباض نہیں پیدا ہوا۔

پی کسب معاش تحصیلش   بر سلیمان چہ یافت زنبیلش

حصول معاش کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے زنبیل سازی (ٹوکری سازی) کا پیشہ اختیار کیا۔ کیا اس سے ان کی قدر و منزلت گھٹ گئی؟

نہ تو از جد خود بزرگتری   کہ نہ شد منفعل ز برزگری

تم نہ تو اپنے دادا حضرت آدم سے زیادہ بزرگ ہو جنھوں نے برزگری (کھیتی کسانی) کے پیشہ سے کبھی عار محسوس نہیں کی۔

از شبانی چہ عار داشت کلیم   و ز عمارت چہ ریخت ابراہیم

کیا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو چرواہی سے شرم آئی؟ اور کیا ابراہیم علیہ السلام کی قدر و منزلت معماری کے پیشہ سے کچھ گھٹ گئی۔

زیں چمن ہر گلی بہاری داشت   ہر کرا دست بود کاری داشت

اس چمن کے ہر پھول میں بہار کی تر و تازگی اور شادابی تھی جس کو بھی قوت بازو حاصل تھی کسی نہ کسی کام میں لگا رہتا تھا۔

تا چہ مقدار دشمن خویشی   کہ تو در خانہ رہزن خویشی

تم اب اپنی ذات کے کتنے بڑے دشمن ہو کہ گھر میں رہ کر خود آپ اپنے ڈاکو بنے ہوئے ہو۔

چند ازیں پیشہ ہا تبرایت   ای زدست تو تیشہ بر پایت

ان پیشوں سے کب تک تو بیزار رہے گا خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے۔

اس طرح وہ پیشہ کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اس کے بعد ایک واقعہ کے ذریعہ اس کی مزید توضیح کرتا ہے۔

اس کے بعد بیدل کہتا ہے کہ انسان کو اپنی ابتداء آفرینش سے ہی زحمتوں اور کلفتوں سے سابقہ ہے اور آخری دم تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس لئے اس کی بے کلی و بیقراری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیکار نہ بیٹھا رہے۔ اس سلسلے میں اپنی گفتگو کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے اس نے ہمت اور توکل پر بحث شروع کر دی ہے اس کا خیال ہے کہ ہمت کسی طرح آسودگی اور جمود و رکود کو

پسند نہیں کرتی وہ سدا تلاش و جستجو میں مصروف رہتی ہے حوصلہ مند اور بلند ہمت لوگ توکل کو اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔

ہمت آسودگی نمی جوید   شعلہ تا وقت مرگ می پوید

ہمت کو سکون و آرام کی جستجو نہیں ہوتی شعلہ بجھنے تک لگاتار رواں دواں رہتا ہے۔

پس توکل شعار ہمت نیست   چون در اینجا رسی بعجزہا یست

اس لئے توکل ہمت کا شعار نہیں جب یہاں پہونچو گے تو عجز و بے بسی سے سابقہ پڑے گا۔

ہمتی داری ای تردد کیش   بگذر از ہرچہ آیدت در پیش

اے تردد کیش (محنت کش آدمی)! اگر تمہارے اندر ہمت ہے تو جو صورتحال بھی سامنے آئے سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاؤ۔

اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کر کے توکل کے مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ اس واقعہ کے آخر میں کہتا ہے "توکل" درحقیقت نام ہے "خدائے یکتا کے اثبات کا"۔

نیست وضع توکل آرائی   غیر اثبات ذات تنہائی

"توکل" خدای واحد کے اثبات کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں ہے۔

لیکن لوگوں نے غلط فہمی یا سہو سے "کاہلی" کو توکل کا نام دے رکھا ہے۔ بیدل اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔

کاہلی را کنی توکل نام   اینست گمراہی و تصور خام

"کاہلی" کا نام تو نے توکل رکھا ہے یہ سراسر گمراہی اور نرا خیال خام ہے۔

سازاول غنا و بے نیازی کا حصول

بیدل ایک بار پھر موضوع غنا کی طرف لوٹتا ہے اور کہتا ہے ہر جائز اور ممکن طریقے سے غنا حاصل کرنے کی کوشش کرو اس نے فقر و غنا دونوں کی تحلیل و تجزیہ کر کے ساری دنیا میں اس کے اثرات کی توضیح کی ہے۔

آنچہ ناز و نیاز ملک بقاست   اعتبار ظہور فقر و غناست

کشور بقا (اس دنیا) کے ناز و نیاز کی شکل میں جو کچھ ہے وہ فقر و غنا کے ظہور کا اعتبار ہے۔

حسن و عشقی کہ شہرت آہنگ است   اصطلاحی ازیں دو بیرنگ است

جس حسن و عشق کا معاشرے میں اتنا چرچا ہے وہ بھی دراصل اسی دو بیرنگ چیزوں کی اصطلاح ہے۔

عزت اینجا بقدر زرداری است   آبرو منصب گہرداری است

تمہارے پاس جتنا زیادہ مال ودولت جاہ وثروت ہوگی اسی قدر تمہیں یہاں عزت حاصل ہے گویا آبرو درحقیقت گھر دار کے منصب کا نام ہے۔

اس سلسلے میں وہ ایک نادار آدمی کے عشق کا قصہ بیان کرتا ہے جو تہی دستی کی وجہ سے آخر کار راہ عشق میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اس واقعہ کی تصویر کشی میں بیدل نے غیر معمولی مہارت اور زور قلم کی نمائش کی اور آخر میں اپنے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کسب معاش سے مقصد ایک شریفانہ زندگی بسر کرنا ہے۔

مقصد آنست کز جہاں معاش　　منصب عزتی کنیم تلاش

مقصد یہ ہے کہ کسب معاش کے ذریعہ ایک آبرومندانہ منصب حاصل کریں۔

فقر ہر چند عافیت جوش است　　مرگ از وبیش راحت آغوش است

فقیری اور تہی دستی اگر چہ آرام بخش خصوصیت ہے لیکن موت اس سے کہیں زیادہ راحت رساں ہے۔

آبرو چیست؟ گیر و دار جہان　　می مینای اعتبار جہان

آبرو کیا ہے؟ دنیا کے گیرودار اور اعتبار جہاں کے مینا کا نام ہے۔

جہد تا رہبر غنا باشد　　فقر زنجیر پا چرا باشد

جدوجہد جب تک حصول غنا کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے فقر وتنگ دستی کیوں ہمارے پیروں کی بیڑی بنے۔

نوائے ثانی کھیتی باڑی:

عرض آہنگ نوای ثانی　　شوخی زمزمۂ دہقانی

صدائے دوم کا آہنگ کھیتی کسانی کی زمزمہ سنجی ہے۔

درج بالا عنوان کے تحت بیدل کھیتی کسانی کو موضوع بحث قرار دیتا ہے اور اسے دوسرے پیشوں پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے جتنی جاندار چیزیں روئے زمین پر زندگی کی نعمت سے بہرہ مند ہیں اپنے کو زندہ رکھنے کے لئے وہ کسانوں کی محتاج ہیں۔ کسانوں کا طبقہ تمام نوع بشر کے فائدے کے لئے اپنی خدمت انجام دیتا ہے اور دوست دشمن کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتا ہے۔

حاصل مدعای دشمن و دوست　　برگی از مزرع تردد اوست

دشمن ودوست کے مقصد کا حاصل کھیت کی پیداوار کا ایک ایک پتہ ہے جو اس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

زندگی نسبتان عیال و یند　　ناز پروردگان نہال ویند

زندگی سے نسبت رکھنے والی ساری جاندار چیزیں اس کے اعضا خانوادہ ہیں اور اس کے پودوں کی ناز پروردہ ہیں۔

انسانی معاشرہ میں اگر چہ ہم کو ہر قسم کے چھوٹے بڑے پیشے کی ضرورت پڑتی ہے تاہم ان کے درمیان وہ پیشہ جو انسانی وضع قطع کے شایان شان ہے وہ کھیتی کسانی کا ہے۔

نیست شایان وضع انسانی　　حرفتی بہ ز وضع دہقانی

انسانی وضع قطع کے لئے کھیتی کسانی سے بہتر کوئی پیشہ نہیں ہے۔

باید از زرع و کشت فال زدن　　ہمہ دم ساغر بہشت زدن

کھیتی کسانی سے ہمیں نیک شگون لینا چاہئے اور سدا ساغر بہشت کا دور چلانا چاہئے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس زمانے میں اشرافیہ طبقہ کھیتی کسانی کو گرا ہوا پیشہ سمجھتا تھا اور کسانوں کے طبقے کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اس پس منظر میں بیدل نے اپنی تمام تر قلمی توانائی، زور بیان اور اظہار وابلاغ کی بے پناہ صلاحیت اس پیشے اور اس طبقہ کی اہمیت نیز ان کے اُن اہم رول کی وقعت کو واضح کرنے پر صرف کردی ہے جو انسانی معاشرے کی فلاح و بہبودی میں وہ ادا کرتے ہیں۔ وہ اس کا تذکرہ تفصیل سے کرتا ہے اور آخر میں اپنا مقصد اس طرح بیان کرتا ہے۔

مقصد اینست کاین طریق نیاز　　عالمی راست مایہ پرورناز

مقصد یہ ہے کہ نیاز کا یہ شیوہ (کھیتی کسانی) ایک دنیا کے لئے ناز کا مایہ پرور ہے۔ (ان کی پیداوار ہی پر لوگ ناز کرتے دکھائی دیتے ہیں اگر ماکولات نہ ہوں تو انسان بھوکوں مرجائیں)

ہوش اگر معنی آشنا باشد　　ننگ این پیشہ اش چرا باشد

عقل وہوش اگر اس کی اہمیت کے مفہوم کو سمجھے تو انسان کو اس پیشے سے شرم نہیں آسکتی۔

اس سلسلے میں بیدل ایک دلچسپ نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہر آدمی کی عزت اس کی انکساری کے مطابق ہوتی ہے انسان جس قدر زیادہ انکساری وخاکساری سے کام لیتا ہے اس کی آبرو اسی قدرت بڑھتی ہے۔ زراعت پیشہ طبقے کی آبرو بھی اس کی خاکساری اور انکساری کی وجہ سے ہے۔

عزت اینجا بقدر خاکساریہاست　　در شکستن کلاہ داریہاست

عزت یہاں خاکساری (انکساری) کے مطابق ملتی ہے۔ شکست ہی میں بادشاہی اور سلطانی ہے۔

پس دہاقین بعالم تحقیق　　بی نیاز اند از جمیع فریق

چنانچہ کسانوں کا طبقہ سچ پوچھئے تو تمام طبقے سے بے نیاز ہے۔

اس کے بعد حضرت آدمؑ کی گندم خوری، ان کے توبہ اور قبولیت توبہ کا قصہ بیان کرتا ہے اور کہتا

ہے ایسا کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا جو تواضع پیشہ لوگوں کے اندر پائی جانے والی ایک لطیف دنیا کا سراغ لگائے۔ ہماری مثال بڑی حد تک ایک ایسے آدمی کی سی ہے جو موتی برآمد کرنے کی خاطر بہ جائے اس کے کہ سمندر میں غواصی کرے ساحل پر کھڑا تماشا دیکھا کرتا ہے۔

کیست زین خاک طینتان کثیف — کہ شود محرم جہان لطیف

گرد وغبار میں اٹے خاک طینت لوگوں میں ایسا کوئی ہے جو جہاں لطیف کا محرم ہو۔

گوہر اندر محیط و ما بکنار — محو غواصی ہجوم غبار

موتی سمندر کے اندر موجود ہے اور ہم ساحل پر کھڑے گرد وغبار کی غواصی کا تماشا دیکھنے میں محو ہیں۔

تا لطافت بدل نمی جوشد — معنی از لفظ چہرہ می پوشد

دل میں جب تک ''لطافت ورقت'' کی خصوصیت پیدا نہیں ہوتی معنی لفظ سے اپنا چہرہ چھپائے پھرتا ہے۔

کار فضل است کار کوشش نیست — خاک را با سپہر جوشش نیست

یہ خدا کے فضل وکرم کا معاملہ ہے اس میں کوشش کا دخل نہیں ہے خاک کو آسمان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

یہاں پھر وحدت الوجود کے اسی مرکزی خیال پر پہنچتا ہے۔

''من'' ایں طائفہ عبارت از ''او'' است — ''تو'' دگر گفتہ اند اشارت ازوست

اس طبقے کے لفظ ''من'' سے مراد ''او'' ہے اور اگر ''تو'' کہا ہے تو اس سے بھی اشارہ ''ازو'' کی طرف ہے۔

گفتگوی مقربان جلال — نیست مفہوم دور گرد خیال

مقربین بارگاہ الٰہی کی گفتگو ایسی نہیں ہوتی کہ قوت خیالیہ کے دائرہ فہم میں آسکے۔

اصطلاحات عرفا:

مشکلی ہست کنوں پردہ کشا — اصطلاحات بیان عرفا

(صوفیہ کے کلام میں عارفانہ اصطلاحات کے مشکل مفہوم کی اب وضاحت کی جاتی ہے۔)

کے زیر عنوان چند قصے بیان کرنے کے بعد خود شناسی کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

چوں نہ ای محرم تامل خویش — رفتہ ہوش از تو صد بیابان پیش

جب تو خود آپ اپنی ذات اور نفس پر غور وفکر کا محرم نہیں بنا تو تیری عقل وہوش تجھ سے سیکڑوں

بیاباں دور ہوتی چلی گئی۔

راہ اوہام طی شدہ است بسی — جہد کن تا بخود رسی نفسی

بس کرو، اوہام وخرافات کا راستہ بہت طے ہو چکا اب کوشش اس بات کی کرو کہ کسی حد تک خود اپنی ''ذات'' تک رسائی حاصل ہو جائے۔

بر نوای ہوس تغافل زن — محو دل شو در تامل زن

''ہوس'' کی آواز سے دانستہ طور پر غفلت برتو، دل کی طرف متوجہ ہو اور تامل وتفکر کے دروازے پر دستک دو۔

نزد انساں دل است عالم نیست — گر نفہمید گاو خر غم نیست

انسان کے نزدیک سب کچھ ''دل'' ہے دنیا کی کوئی حقیقت نہیں گدھے اور گائے صفت لوگ اگر اسے نہیں سمجھتے ہیں تو کوئی غم نہیں۔

اس کے بعد ''دل کی صفت'' کے زیر عنوان اس کی خصوصیات پر تفصیل سے بحث کی ہے جو اس لائق ہے کہ مطالعہ کیا جائے۔ حدیث شریف میں بھی دل کی صحت وعلالت کو تمام خوبیوں اور خرابیوں کا دار ومدار بتایا گیا ہے۔ اس موضوع پر پانچویں باب میں بحث کی گئی ہے اس لئے یہاں چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آفتابت در آستین خفتہ — سیر پرتو دماغ آشفتہ

تیرا آفتاب آستین میں محو خواب ہے اس کے پرتو کی سیر نے تیرے دماغ کو پراگندہ کر دیا ہے۔

آنسوی چرخ اگر پر افشانی — نیست ممکن برون ز دل مانی

پرواز کر کے اگر آسمان کے پرے بھی پہنچ جاؤ تو بھی دل کے دائرے سے باہر جانا ممکن نہیں ہے۔

ہر طرف می روی دل افتادہ است — رفتن از خویش مشکل افتادہ است

جدھر کا رخ کروگے دل پڑا ملے گا اپنی ذات کے دائرے سے باہر نکلنا مشکل ہے۔

جنس ثالث تجارت وسوداگری:

یہاں بیدل

جنس ثالث ز دکان من و ما — کہ بہشت بود اقبال غنا

تیسری جنس ''من وما'' کی دوکان سے وابستہ ہے کیونکہ ''اقبال غنا'' بہشت ہے۔

اس موضوع کے تحت وہ پھر تجارت کی بحث شروع کر دیتا ہے اور اس کی اہمیت جتاتے ہوئے

کہتا ہے کہ کھیتی کسانی اگرچہ تمام پیشوں سے معتبر اور انسانی احوال وکوائف کے تقاضا کے عین مطابق ہے پھر بھی دانے کی طرح افسردگی اور زمین گیری کی خصوصیت اس کے اندر پائی جاتی ہے جبکہ بلند ہمت اور حوصلہ مند لوگ اس افسردگی کو پسند نہیں کرتے کیونکہ زندگی نام ہے سانس لینے کا اور سانس کبھی رکتی نہیں ہے بلکہ سدا چلتی رہتی ہے اس لئے ہمیں بھی لگاتار تگ ودو کرتے رہنا چاہیئے۔

مانفس مایہ ایم و کار نفس   نیست بودن مقیم دام و قفس

ہمارے پاس تو لے دے کے سانس کا سرمایہ ہے اور سانس کا کام یہ ہے کہ وہ کسی دام وقفس میں محدود اور مقید ہو کر نہیں رہ سکتی۔

گرچہ دہقانی اصل تعمیراست   لیک چودانہ بر زمین گیرست

کھیتی کسانی اگرچہ بنیادی تعمیری کام ہے پر دانے کی طرح اس میں زمین سے چپکے رہنے کی خصوصیت ہے۔

ہمت اینجا زبس شکستہ عصاست   پابرہ نانہادہ آبلہ پاست

ہمت کی لاٹھی یہاں کافی حد تک ٹوٹ چکی ہے راستے پر چلے بغیر اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔

اس لئے افسردگی کے شکنجے سے رہائی کے لئے اس کے سوا کوئی شکل نظر نہیں آتی کہ انسان تجارت کا پیشہ اختیار کرے جس کے اندر وہ سدا پابرکاب سفر رہتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر قیمتی تجربے حاصل کرتا ہے کیونکہ تاجر پیشہ اپنے سامان کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں بیچنے اور حصول منفعت کے لئے اور کم سے کم قیمت میں خریدنے کے لئے مختلف مقامات کا لگاتار دورہ کرتا رہتا ہے۔ یہ تلاش و جستجو اس کے دل پر افسردگی اور پژمردگی طاری نہیں ہونے دیتی اور چونکہ وہ کسی کا پابند بھی نہیں ہوتا ہے اس لئے آزادی کی نعمت سے بھی پوری طرح بہرہ مند ہوتا ہے۔

تاتواں از مراد برخوردن   نشوی آبیار افسردن

جب تک حصول مقصد کا لگن تیرے دل میں رہے گا تو کسی طرح افسردہ نہیں رہے گا۔

ہرکرا مایہ وقف غارت نیست   پیشہ ای خوشتر از تجارت نیست

جس کو اپنی پونجی برباد جانے سے محفوظ رکھنا منظور ہو اس کے لئے تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نہیں ہے۔

بتجارت اگرکمر بندیم   بر مزاج فسردہ در بندیم

تجارت کے لئے اگر ہم آمادہ اور کمر بستہ ہو جائیں تو اپنے مزاج افسردہ کے دروازے بند کردیں۔

پیش گیریم وضع آزادی   مفت جہد است فرصت شادی

آزادی کی روش اختیار کریں تو خوشی کا موقعہ مفت ہاتھ آجائے۔

اس کے بعد، جمشید کی کامیابی نیز اراکین دولت سے ملک کی فلاح و بہبود اور تعمیر وترقی سے متعلق اس کے مشورہ کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے ملک کی تعمیر وترقی میں تاجروں کا کیا رول رہتا ہے بیدل نے اس موضوع پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے جیسے وہ اقتصادیات کا ماہر ہو۔

وہ کہتا ہے کہ بادشاہ اگر اپنے ملک کو آباد اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن رکھنا چاہتا ہے اور اس میں خوشحالی وفراغبالی اور زندگی کی چہل پہل دیکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ تاجروں کی آمد ورفت پر قدغن نہ لگائے اور ان کو ملک میں پوری آزادی سے اپنی تاجرانہ سرگرمیوں کا موقعہ فراہم کرے۔ ملک اگر زندگی کے درجے میں ہے تو تاجروں کی آمد ورفت سانس کے درجے میں ہے اور ظاہر ہے سانس کی آمد ورفت کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں ہے۔

ملک اگر شخص زندگی ہوس است   آمد و رفت تاجرش نفس است

ملک کو اگر ہم ایسا آدمی تصور کریں جسے زندگی کی خواہش ہے تو اس کے تاجروں کی آمد ورفت سانس کے درجے میں ہے۔

پای تجار در میان باشد   کایں چمن ایمن از خزاں باشد

تاجروں کی چلت پھرت جب تک قائم رہے گی یہ چمن خزاں سے محفوظ رہے گا۔

بر زمینیکہ راہ ایشان نیست   غیر خاک سیہ پر افشان نیست

جس سرزمین پر انکو آمد ورفت کی سہولت اور آزادی حاصل نہیں ہے وہاں خاک سیاہ کے سوا کوئی چیز نہیں دکھائی دے گی۔

ابر رحمت غبار مقدم شان   بحر رافت نزول شبنم شان

انکے ورود وقدوم کا غبار ابر رحمت ہے ان کی شبنم کی افشانی بحر رافت ہے۔

دریائے گنگا میں ہندوؤں کے اشنان کا میلہ:

یہاں بیدل

جہد آنطائفہ کزہمت فرد   نقد فردوس ز سیحون واکرد

(اس طبقے کی کوشش بھی ملاحظہ کیجئے جس نے اپنی ہمت فرد سے دریا سے جنت کا سرمایہ حاصل کیا)۔ کے زیر عنوان ہندوسنتوں اور سنیاسیوں کا قصہ بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ دریائے گنگا کے کنارے

اکٹھے ہوکر عوام کے غسل کا اہتمام کرتے اور خوب جشن مناتے ہیں جس کو ان کی اصطلاح میں "گنگا اشنان" کہتے ہیں۔ یہاں بیدل ان تمام امور کو جنہیں ہندو اس میلہ کے موقع پر انجام دیتے ہیں مثلاً پیشانی پر صندل لگانا، قشقہ ملنا، جنیو باندھنا اور طرح طرح کے بھجن کیرتن کرنا وغیرہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور گنگا اشنان کے سلسلے میں انکے عقائد بیان کیے ہیں۔

حاصل الامر ازاں سواد طرب — موج می زد ہزار رنگ طلب

غرض جوش و مسرت کے اس علاقے سے عوام کی طلب و جستجو کی ہزاروں رنگ میں لہریں اٹھ رہی تھیں۔

از سراندیپ تا حد ملتان — شور لبیک دل گسستہ عنان

سراندیب سے لے کر ملتان تک عوام کے نعرہ ہای لبیک کے شور نے دل کے عنان کو توڑ دیا تھا۔

تا در آں کعبہ صفا تمثال — شستہ خوانند نامہ اعمال

تا کہ اس پاک وصاف کعبہ میں پہنچ کر اپنے سیاہ نامہ اعمال کو دھو ڈالیں۔

بی محابا بطوفش از ہمہ سو — ہند چون سیلی تیرہ داشت غلو

اس کے گرد طواف کے لئے ہر طرف سے ہندوستان زبردست سیلاب کی طرح امنڈا چلا آتا تھا۔

سعی شبگیر ہا ہلاک سفر — کز زلالش کشند جام سحر

شبگیر (پچھلی رات کو عبادت کے لئے اٹھنے والوں) کی کوششیں سفر کی نذر تھیں کہ کسی طرح اس آب شیریں کو صبح تڑکے نوش کریں۔

از ذکور و اناث کافہ ناس — ہمچو امواج سر ز پا نشناس

مرد عورتیں سب کی سب لہروں کی طرح اس انداز سے گرم رفتار تھیں کہ سر اور پاؤں میں فرق نہیں تھا۔

بہزار آفت نشیب و فراز — گرم می تاخت ناقہ تگ و تاز

نشیب و فراز اور اتار چڑھاؤ کی ہزاروں زحمتوں کو سہ کر ان کی ناقہ تگ و تاز گرم رفتار تھی۔

ان اشعار میں بیدل نے اعمال بد کے نتائج سے گلوخلاصی کی خاطر ہندو مرد عورتوں کے گنگا اشنان کے لئے غیر معمولی ذوق وشوق، لگن ودھن، اور تگ ودو کا نقشہ جس انداز سے کھینچا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء میں پٹنہ سے دہلی کے سفر کے دوران وہ بنارس اور الٰہ آباد سے گذرا ہے اور ان تمام مناظر کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے کیونکہ عموماً انہیں دو جگہوں میں اس طرح کا میلہ لگتا ہے بلکہ ہندوؤں کے اس گنگا اشنان تیہوار کو دیکھتے ہوئے جو ۱۹۷۷ء جنوری میں الٰہ آباد کے پاس سنگم کے

نزدیک منایا گیا جہاں ہندو چودہ میل تک اسے مقدس سرزمین تصور کرتے ہیں اور جہاں ملک کے گوشہ و کنار سے کئی ملین لوگ آ کر اکٹھے ہوئے، کہا جاسکتا ہے کہ بیدل کے زمانے میں بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے اور ان مناظر کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا بیدل اپنے مشاہدات کو سطحی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ ان پر غور وفکر کر کے ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں بھی اس عمل کی معقولیت کا سراغ لگانے کے لئے اس نے ہندو دوست واحباب سے اس کے بابت تبادلہ خیال کیا لیکن ان کے جواب سے اس کو اطمینان نہیں ہوا اس لئے وہ اس عمل کو مذہبی عقائد کی کورانہ تقلید سے تعبیر کرتا ہے جو عرصہ دراز سے ان کے رگ و پی میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔

زیں نسق ساز اعتقاد ہنود — بیک آہنگ داشت بربط و عود

اس طرح ہندوؤں کے مذہبی عقاید کے ساز کا یہ عالم ہے کہ بربط وعود (دو جداگانہ آلات موسیقی) کو ایک ہی مذہبی سر اور لے میں بجاتے ہیں۔

کانچہ در ذہن ما یقین پیاست — از کتاب عقاید عرفا است

کہ جو چیزیں ہمارے ذہن میں یقین وایمان کی طرح پیوست ہوگئی ہیں وہ ہمارے رشی منیوں کے گرنتھوں سے ماخوذ ہیں۔

وفق ایں نسخہ اختلافی نیست — می این جام درد و صافی نیست

ان گرنتھوں کے مطابق ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس جام کی شراب میں درد و صاف کی کوئی تمیز نہیں۔

اس کے بعد بیدل پھر تجارت کے موضوع کی طرف واپس لوٹتا ہے اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ تاجروں کے عزم وحوصلے کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ صرف یہی ایسا طبقہ ہے جو ہر قسم کی زحمتیں اٹھاتا ہے اور اپنی جان جوکھم میں ڈالتا ہے اور ایک شعر میں اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نے خود بھی اسی شے کو اختیار کیا تھا۔

دل بریں پیشہ مستقل گیریم — از تجارت مراد دل گیریم

اسی پیشے کو پوری دلجمعی اور مستقل مزاجی سے اختیار کریں اور تجارت سے اپنے دل کی مراد حاصل کریں۔

اس کے بعد وہ تسخیر کائنات کے لئے انسانی عزم وارادہ کو موضوع بنا کر اس پر تفصیل سے بحث کرتا ہے۔

زورق آرائی بحر فرنگ — راہ بردن بسر چشمہ گنگ

فرنگیوں کی سمندر میں کشتی رانی دیکھئے کہ اس طرح وہ دریائے گنگا (ہندوستان) تک پہونچے۔
اس سلسلے میں جو دلآویز و دلچسپ باتیں اس نے بیان کی ہیں اس پر پانچویں باب "بیدل کے افکار و خیالات" میں ہمت و جہد کے عنوان سے روشنی ڈالی گئی ہے یہاں صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آدمی تا نفس زدن دارد　　در جنوں ہم ہزار فن دارد

آدمی کی سانس جب تک چلتی رہتی ہے جنون میں بھی اس کے ہزاروں انداز ہوتے ہیں۔

در تہہ آب اگر شود راہی　　محمل آراید از پر ماہی

پانی کی تہہ میں اگر راستہ ہوتا تو مچھلی کے پر پر بھی وہ محمل آرائی کرتا۔ چنانچہ عصر حاضر میں سائنس دانوں نے سمندر کی تہہ تک پہنچ کر بڑی بڑی مچھلیوں کا مقابلہ کیا اور ہیرے جواہرات نکالے۔

عزم کارت درست می باید　　ورنہ کو مشکلی کہ نکشاید

تیرا عزم وارادہ پختہ ہونا چاہئے ورنہ کون سی مشکل ایسی ہے جو حل نہ ہو۔
لیکن کسی مقصد تک رسائی کے لئے بیدل صرف ہمت وحوصلہ اور جد وجہد کو کافی نہیں سمجھتا کیونکہ بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی پھر بھی منزل تک نہ پہنچ سکے اس لئے انسان کو اپنی کوششوں کا فریب نہیں کھانا چاہئے۔

ہر کہ اینجا فریب کوشش خورد　　غیر عجز و فسوس پیش نبرد

جو یہاں کوشش وکاوش کے دھوکے میں آیا عجز وبے بسی اور افسوس کے سوا کچھ اس کے ہاتھ نہ لگا۔
اس کے بعد انسان کی بے سکونی وبے کلی کی تحلیل کرتا ہوا کہتا ہے کہ اس کی بے سکونی وبے اطمینانی کا سرچشمہ زیادہ تر خود اس کے اپنے خام افکار وخیالات ہیں جو ہمارے اقتصادی، مالی اور سماجی حالات سے وابستہ ہوتے ہیں۔

ای ہوا مقصد وغبار تلاش　　یکنفس حاضر تامل باش

اے وہ ہستی جس کی منزل ہوا اور جس کی تلاش کا محور گرد وغبار ہے تھوڑی دیر خود اپنی ذات پر تامل وتدبر کر۔

چہ ہوا در سر تو جا دارد　　کہ دل آتش بزیر پا دارد

تمہارے سر پر کون سا خبط سوار ہے کہ دل کا پاؤں آگ پر پڑا ہوا ہے۔

یک شرر تاب و اینقدر تگ و تاز　　یک نفس بال و اینہمہ پرواز

تو ایک چنگاری کی سی چمک کا حامل ہے (یعنی تجھے اتنی ہی فرصت ہستی حاصل ہے) اور اس قدر

بھاگ دوڑ میں لگا ہے۔ تیری قوت بازو کی مدت ایک سانس سے زیادہ نہیں اور اس قدر پرواز میں لگا ہے۔
انسان اپنی دور دراز آرزوؤں کی تکمیل کے لئے موجودہ آرام وراحت کو ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے اور جنت وحور کی تلاش کے رجحان نے موجودہ سرور کے بہشت سے اسے غافل کر دیا ہے۔

پوچ بافیست ذوق جنت و حور　　ای دلت غافل از بہشت سرور

اے وہ شخص کہ تیرا دل بہشت سرور سے غافل ہے۔ جنت وحور کی جستجو کا ذوق وشوق تیرے اندر پوچ بافی (خام خیالی ہے)۔
بیدل آگے کہتا ہے: تو اپنے سکون وآرام کو خیر باد کہہ رہا ہے اگر تیری طبیعت راحت شناس ہوتی تو ہرگز اپنے گریباں سے بے اعتنائی برت کر اس کی جستجو میں ادھر ادھر نہ بھٹکتا پھرتا۔

طبع راحت شناس اگر می بود　　جز بدامن قدم نمی فرسود

تیری طبیعت اگر راحت شناس ہوتی تو اپنے گریبان کو چھوڑ کر قدم فرسائی نہ کرتا۔
اس سلسلے میں وہ قارئین کو "دنیائے خیال" کی کرشمہ سازیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے اور آئینہ وتمثال کی مثال دے کر اپنے مقصد کو مزید واضح کرنا چاہتا ہے "رائی" یعنی "دنیائے خیال" پر نظر کرنے والے آئینہ کے درجے میں ہے "مرئی" یعنی جو چیز نظر آتی ہے وہ عکس اور تمثال کے درجے میں ہے۔ آئینہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صورتوں کا عکس قبول کرنے میں کسی امتیاز کا قائل نہیں ہے جیسی بھی اچھی یا بری صورت اس کے سامنے آتی ہے اس کو اسی شکل میں دکھاتا ہے جس طرح وہ خارج میں ہے دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آئینہ میں جو صورت بھی نظر آتی ہے اسے اپنی لیاقت کی کوئی خبر ہوتی ہے اور نہ قوت آزادی نام کی کوئی چیز اس کے اختیار میں ہوتی ہے۔ اس کے سامنے اگر ہم ہنسیں وہ بھی اسی حالت کی نمائش کرے گا اور اگر روئیں تو وہی کیفیت دکھائے گا اس طرح صورتوں کو جیسی کچھ بھی ہو قبول کرنے میں وہ کسی امتیاز کا قائل نہیں ہے اور نہ اس میں اس کا کوئی اختیار ہے پھر بھی وہ واحد چیز جس کا وہ اثر قبول کرتا ہے "شکست" (ٹوٹ پھوٹ) ہے۔

رائی و مرئی جہان خیال　　حکم آئینہ دارد و تمثال

دنیائے خیال کا رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (دیکھی جانے والی چیز) جو آئینہ اور تمثال کے درجے میں ہیں۔

نہ در آئینہ امتیاز صور　　نہ بہ تمثال دستگاہ خبر

نہ تو آئینے میں صورتوں کے درمیان باہم کوئی امیتاز کرنے کا مسئلہ درپیش ہے اور نہ تمثال کو اپنے اختیار کی خبر ہے۔

آنچہ آئینہ را کند آگاہ　　آنچہ آئینہ را رسد از آہ
آئینہ امتیاز نپذیرد　　از شکستن مگر اثر گیرد

جو چیز آئینے کو باخبر کرتی ہے یا سامنے آتی یا اسے جو آہ پہنچتی ہے آئینہ ان کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں کرتا ہے مگر شکست کا اس پر اثر ہوتا ہے۔

اس طرح وہ قارئین کو اس نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ادھر ادھر کی آوارہ گردی میں جو زحمتیں تم اٹھاتے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنے ''سکون'' کی اہمیت اور قدر و قیمت نہیں سمجھی ہے۔ آرام شناس طبیعت اپنے دامن کے سوا کہیں اور قدم نہیں رکھتی ہے لیکن اس راحت کی قدر اسے تب معلوم ہوتی ہے جب وہ مصائب و آلام میں گرفتار ہوتی ہے۔

آدمی را ز ساز و برگ طرب　　آگہی نیست جز بوقت تعب

آدمی کو اسباب راحت کی قدر تب معلوم ہوتی ہے جب وہ تعب اور مشقت میں گرفتار ہوتا ہے۔

نکند تا مصیبتی فریاد　　نشہ عافیت کہ دارد یاد

جب تک کسی کو مصیبت و آفت سے پالا نہیں پڑتا ہے عافیت کا نشہ اسے کب یاد آتا ہے۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو سعدی شیرازی نے گلستاں میں بیان کیا ہے کہ ایک غلام دریا کے سفر میں بادشاہ کے رکاب میں تھا اس نے دریا کبھی دیکھا نہیں تھا۔ سفر کے دوران اس کی لگاتار گریہ وزاری سے بادشاہ سلامت کے آرام میں خلل پڑ رہا تھا آخر ایک دانشمند کے حسب ہدایت اس کو دریا میں ڈالا گیا اور پھر نکالا گیا تو خاموش ہو گیا۔ سعدی اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

''قدر نعمت کسی داند کہ بہ مصیبتی گرفتار آید''

نعمت کی قدر اسے ہوتی ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔

بیدل آگے کہتا ہے:

باخت سودای فطرت خامت　　جنت نقد یعنی آرامت

تیری فطرت خام کے خبط نے تیری ''نقد جنت'' یعنی آرام و سکون کو ہاتھ سے دیدیا۔

نیست با طبع جز فسون خلل　　خواہ ہمت شمار خواہ امل

طبیعت میں جادو کے سوا کسی چیز سے خلل نہیں پڑتا ہے چاہے اسے ہمت سے تعبیر کیجیے یا امل سے۔

بر خیالات مردہ ریگ مپیچ　　دل بی مدعا ست جنت و ہیچ

مردہ افکار و خیالات پر پیچ و تاب مت کھا۔ دل بے مدعا جنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بیدل یہاں دل بی مدعا، کو زمینی جنت قرار دیتا ہے یہ ایک امر واقعہ ہے کہ انسان اپنی بے شمار

آرزوؤں کی تکمیل کی کوشش میں اپنا سارا امن چین داؤں پر لگا دیتا ہے اور اپنی جنت ارضی کو جہنم میں بدل دیتا ہے اس لئے جو دل آرزوؤں سے خالی ہو اس نے گویا اپنے سکون کو غارت ہونے سے بچا لیا اور کہنا چاہئے یہی جنت ہے۔ شاید اقبال نے یہیں سے یہ فلسفہ لیا ہے کہتا ہے۔

دوا ہر دکھ کی ہے مجروح تیغ آرزو رہنا　　علاج زخم ہے آزاد احساں رفو رہنا

اس سلسلے میں بیدل نے جو عمدہ اور نفیس اشعار کہے ہیں وہ واضح کرتے ہیں کہ اس نے بلند اخلاقی قدروں کی اشاعت پر اپنی تمام تر قلمی توانائی اور زور بیان صرف کر دیا ہے۔ سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو مایوسی کا شکار پایا جو آرزوؤں کے بر نہ آنے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہوئی تھی اس لئے یہ نکتہ واضح کرنے کے لئے کہ انسان اسی دنیا میں کس طرح جنت کا مزہ لے سکتا ہے میں نے گفتگو کا یہ انداز اختیار کیا جس نے آخر کار مجھے ایک فضولی واعظ بنا دیا۔ گویا بیدل نہیں چاہتا تھا کہ اس کا شمار خشک واعظوں کے زمرے میں ہو جن کا مقصد صرف دوسروں کو نصیحت کرنا اور خود کو فراموش کرنا ہوتا تھا اور نصیحت بھی اس طرح کہ طبیعت اوب جائے اور تنگی محسوس ہونے لگے۔

بیدل امروز خامہ حراف　　منحرف بود از خط انصاف

بیدل آج زباں دراز قلم انصاف کے ڈگر سے ہٹ گیا تھا۔

اینکہ گفتیم شعار ہوش نبود　　بادہ ام را تمیز جوش نبود

یہ جو ہم نے کہا تو ہوش حواس ٹھکانے نہ تھے میری شراب میں ابال کی تمیز نہ تھی۔

یاس آنقوم دل بدرد آورد　　کہ مرا واعظ فضولی کرد

اس قوم کی مایوسی سے میرے دل کو ٹھیس پہونچی جس نے مجھے یاوہ گو واعظ بنا کر رکھ دیا۔

وحشت کاروان زمام گسیخت　　بر جرس نوحہ طپیدن ریخت

قافلے کی وحشت نے باگ توڑ کر رکھ دی جرس پر ماتم کرنا شروع کر دیا۔

ورنہ من ہم ہماں جنون زدہ ام　　ساغر عافیت بخون زدہ ام

نہیں تو میں وہی جنون کا مارا ہوا انسان ہوں جس نے عافیت کا ساغر خون سے لت پت کر دیا ہے (آرام و سکون ہاتھ سے دے رکھا ہے)۔

عقیدہ جبر:

پھر موضوع جدو جہد کی طرف واپس لوٹتا ہے اور تقدیر کے بابت اظہار خیال کرتا ہوا کہتا ہے۔

من و تو جملہ جبری قدریم   از سکون و طپش چہ صرفہ بریم

ہم، تم سب جبر یہ قدر یہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں سکون و بے سکونی سے ہم کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

قضا وقدر کے مسئلے پر بڑا اختلاف ہے اور کئی طبقے پیدا ہو گئے ہیں ان میں ایک طبقہ جبر یہ ہے اس طبقے کا کہنا ہے کہ ہم مجبور محض ہیں یعنی ہمارے کسی عمل میں ہمارے ارادے کا دخل نہیں ہوتا ہے اگر چہ جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں پھر بھی کوششوں سے اپنی منزل نہیں مل سکتی۔ بیدل کہتا ہے۔

ای کہ در اختیار مجبوری   جہد کار تو نیست معذوری

اے وہ آدمی کہ اختیار رکھتے ہوئے بھی مجبور ہے جدوجہد تیرا کام نہیں ہے تو معذور ہے۔

گر بدست تو نبض کار بود   ہمہ کارت با ختیار بود

تیرے ہاتھ میں اگر امور کی نبض ہوتی تو تیرے سارے کام تیرے اختیار میں ہوتے۔

شش جہت گرد جستجو برپاست   کس چہ سازد عنان بدست ہواست

جستجو کی گرد چاروں طرف اڑ رہی ہے کسی کے اختیار و بس میں کیا ہے؟ باگ ڈور تو ہوا کے ہاتھ میں ہے۔

کار عالم بایں نسق جاریست   عقل معذور و علم و فن عاریست

دنیا کے سارے دھندے اسی نظام سے چل رہے ہیں یہاں عقل و ہوش معذور ہیں اور علم و فن اپنی اہمیت کھو بیٹھے ہیں۔

از طپش عالمی شکست قفس   کس نشد محرم تلاش نفس

ایک دنیا نے اپنی بے کلی و بیقراری سے پنجرہ توڑ دیا لیکن سانس کی تلاش و جستجو کیا ہے کوئی اس کا سراغ نہ لگا سکا ہے۔

ایں ہوس پیشہ ہا کہ درکارند   یکقلم جبریان مختار اند

یہ ہوس پیشہ لوگ جو اپنے دھندے میں لگے ہیں جبر یہ مختار ہیں (یعنی اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق نہ تو مجبور محض ہیں نہ مختار محض بلکہ ایک گونہ مجبور اور ایک گونہ مختار ہیں۔)

قصہ جبر و اختیار مپرس   خار خار است ازیں بہار مپرس

"جبر واختیار" کے مسئلے میں مت الجھو یہ کانٹوں سے بھری بہار ہے اس کے بابت مت پوچھو۔

ایک مظلوم کا قصہ:

تجارت کی اہمیت واضح کرنے کی خاطر بیدل ایک مظلوم اور اس گے بعد نیک طبع بادشاہ کا قصہ

بیان کرتا ہے اور ظلم وستم کو تباہ کن قرار دے کر اس کی مذمت کی ہے اور عدل وانصاف کو آباد کرنے والی خصوصیت قرار دے کر اس کی تعریف کی ہے۔

نامساعد حالات سے مجبور ہو کر ایک بیمار آدمی اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ گداگری کا سہارا لیتا ہے۔ دونوں میاں بیوی بھکاری کے بھیس میں دشت و در کی خاک چھان رہے تھے کہ ایک دن جنگل میں ان کو بادوباراں، آندھی طوفان اور کڑک چمک سے سابقہ پڑا۔ شوہر نے چاہا کہ کچھ ترنجبین (ایک قسم کی قدرتی شکر جو اونٹ کٹاروں کے کانٹے پر شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے) اکٹھی کر کے شہر میں بیچے اور اس کی قیمت سے کچھ دوائیں خریدے۔ اپنی پونجی لے کر جیسے ہی شہر میں داخل ہوا کچھ لوگوں نے اسے لوٹ لیا اور جب ان سے ان کی قیمت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے الٹے اسے طمانچہ رسید کیا۔ وہ بیمار آدمی فریاد لے کر حاکم شہر کے پاس پہونچا۔ حاکم بجائے اس کے کہ اس کی فریاد رسی کرتا اس سے پوچھ بیٹھا۔ یہ ترنجبین تو نے کہاں سے لائی تجھے نہیں پتہ کہ سارا جنگل میری ملکیت ہے۔ تو خائن، چور اور گردن زدنی ہے۔ لیکن صرف تیرا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس وقت ایک دردناک آہ اس کے دل سے نکلی جس کے نتیجے میں اس علاقے میں بھونچال آیا اور سارے لوگ اس کی زد میں آگئے۔

آہش از لب نجستہ فاصلہ ای   تاخت بر قلب کوہ زلزلہ ای

اس کی آہ کو ہونٹ سے نکلے ابھی کچھ دیر نہیں لگی تھی کہ پہاڑ کے قلب پر ایک زلزلہ کا حملہ ہوا۔

نہ نشاں ماند از انمکان و نہ نام   طعمۂ خاک شد مقیم و مقام

اس جگہ کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہا سب باشندے اور مکانات زمین کا لقمہ بن گئے۔

دل شکنی سب سے بڑا ظلم ہے:

اس واقعہ سے بیدل یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ظلم کا دائرہ ویسے تو بہت وسیع ہے لیکن اس میں "دل شکنی" سب سے بڑا ظلم ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات دنیا میں تباہی آتی رہی ہے۔

ظلم ازایں بیشتر چہ خواہی کرد   دل شکستی دگر چہ خواہی کرد

اس سے زیادہ ظلم وستم کیا ہوگا کہ تو نے دل توڑ دیا اب اس سے آگے اور کیا کرے گا۔

دل شکستی و نالہ نہ شنیدی   از خود ای بیخبر چہ فہمیدی

تو نے کسی کا دل توڑا اور اس کے آہ و نالے کی آواز تیرے کان میں بھی نہ آئی۔ اپنی ذات سے غافل آدمی آخر تیری سمجھ میں کچھ آیا۔

در بساطیکہ شور مظلوم است   پنبہ در گوش داشتن شوم است

جہاں مظلوم کی آہ و بکا کا شور بلند ہو رہا ہو وہاں کان میں روئی ٹھونسے رہنا نحوست ہے۔

از ہمیں پنبہ عالمی بیدرد　　خان و مانہا نیاز آتش کرد

کان میں یہی روئی ٹھونسے رکھنے کی وجہ سے ایک بے درد دنیا نے اپنے گھر بار سب نذر آتش کردیئے۔

صاحب راز دل دو دل نسزد　　شخص تحقیق منفعل نسزد

راز دل کے محرم کو دودلا ہونا زیب نہیں دیتا۔ جس آدمی نے کسی مسئلے کی تحقیق کر کے اس کو اپنایا ہے اسے شرمندہ ہونا مناسب نہیں ہے۔

شیشہ ہادیدہ ای خطاایں ست　　د ل نفہمیدہ ای بلا این است

تو نے اسے (دل) کو صرف شیشہ تصور کیا غلطی یہی ہے تو نے دل کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے، مصیبت یہی ہے۔

شرم دار ا ز جناب یکتائی　　کہ یکی و دو در خیال آئی

خدائے واحد و یکتا سے شرم کر کہ وہ ایک ہے اور تو اسے دو تصور کرتا ہے۔

ایک لڑکے کا قصہ جو حاملہ عورت سے پیدا ہوا تھا:

اس زلزلہ کے بعد اس علاقے میں ایک مدت تک ویرانی چھائی رہی۔ البتہ ایک حاملہ عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جو پروان چڑھنے کے بعد جب سن رشد کو پہونچا تو خوش قسمتی سے ''تخت شاہی'' پر اس کی رسائی ہوئی اور وہ بادشاہ بن بیٹھا۔ اس جوان سال، جواں ہمت اور پسندیدہ خصال بادشاہ نے ملک کی تعمیر و ترقی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تا آنکہ وہ علاقہ ایک دلکش و دلفریب بہشت زار میں تبدیل ہوگیا۔

ازنم رحمت آں پاک سرشت　　بز میں آمدن جوی بہشت

اس پاک طینت بادشاہ کی عنایتوں کی بارش سے زمین پر بہشت کی نہر جاری ہوگئی۔ ضمنی طور پر یہاں بیدل پھر انسانی جدوجہد اور حوصلہ وہمت کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے۔

ای دلت را بکار گاہ خیال　　غم دشوار وپیچ و تاب محال

اے وہ آدمی کہ تیرے دل کو خیال کی کارگاہ میں غیر معمولی حزن وغم اور پیچ و تاب سے سابقہ ہے۔

ہر چہ پیش تو سازد شواریست　　ہمہ وہم فسردہ اطوار یست

تیرے سامنے مشکلات کا جو ساز و سامان موجود ہے وہ سب افسردہ مزاجی کا وہم ہے۔

این خیالات جز خیالی نیست　　گر تو جہدی کنی محالی نیست

یہ افکار و خیالات فرضی اور وہمی ہیں اگر تو کوشش پر اتر آئے تو کوئی چیز محال نہیں ہے۔

سر ز وضع فسردہ بر گردان　　قدمی زن بجادۂ مردان

افسردگی کی اس حالت و کیفیت سے باہر نکل آ مردان راہ کے راستے پر قدم رکھ۔

نشہ ہمت بسامان نیست　　ورنہ کومشکلی کہ آسان نیست

تیرے اندر ہمت کے نشے کی کمی ہے ورنہ کون سی مشکل ایسی ہے جو آسان نہ ہو جائے۔

گر ہمہ عزم آسمان باشد　　مرد رانگ امتحان باشد

عزم و ارادہ اگر سراسر آسمان کی طرح بلند و بالا ہو تب بھی وہ آدمی کے لئے ننگ آزمائش ہے۔

ہمت مرد اگر کمند شود　　آسمان تاکجا بلند شود

انسان کی ہمت اگر کمند (پھندا) پھینکے تو آسمان کی بلندی بھی کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ہے۔

ور بدریا کشی فتد کارش　　شرم گیرد دماغ خمارش

اور اگر کشتی اور جہاز رانی سے اس کا سابقہ پڑے تو اس کے نشہ سے مست دماغ کو شرم آئے۔

طاقت مرد اگر قدم فشرد　　کوہ از سایہ پشت دست خورد

مرد اگر اپنی قوت و طاقت سے کام لے تو پہاڑ بھی سایہ کے ہاتھوں طمانچہ کھائے۔

کس قدر نفیس اور حوصلہ افزا اشعار ہیں

غرض وہ نیک مزاج بادشاہ امور خیر کی طرف اس قدر مائل ہوا کہ تخت سلطنت کو خیرباد کہہ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگا اور خدائے تعالیٰ کے حضور اس قدر خشوع و خضوع، تضرع و زاری اور توجہ و تبتل کرنے لگا کہ پہاڑ بھی اس کے اثر سے موم ہو گیا۔ اس طرح بیدل یہ ثابت کرتا ہے کہ جسے ہم جنت و دوزخ کہتے ہیں وہ درحقیقت ہمارے اپنے اعمال کے نتائج ہیں۔

خلد و دوزخ کجاست چشم بمال　　جز حصول نتائج اعمال

ذرا آنکھیں مل کے دیکھو جسے بہشت و دوزخ کہتے ہیں وہ اعمال کے ثمرات اور نتائج کے حصول کے سوا کیا ہیں۔

عمل نیک ہر قد کاری　　ہمہ فردوس بار می آری

جس قدر نیک کام کرو گے اسی قدر بہشت تمہارے ہاتھ لگے گی۔

ہر کجا فعل زشتت استاد ست　　بی تکلف جہنم ایجاد ست

جہاں بھی برے عمل تم سے سرزد ہوئے وہاں بلاتکلف تم نے دوزخ بنالی۔

قدرت بی نیاز کن معلوم   آہ مظلوم و نالہ مرحوم

مظلوم کی آہ اور مرحوم کے نالے میں خدائے بے نیاز کی قدرت کا مشاہدہ کرو۔

آں یکی کوہ را ز پا انداخت   این دگر سنگ را چو موم گداخت

ان میں سے ایک نے پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تو دوسرے نے پتھر کو موم کی طرح نرم کر دیا۔

آخر میں خود شناسی کی نصیحت کرتا ہے جسے عشرت سے تعبیر کرتا ہے۔

فہم خویشت حضور تسکین است   در رہت آنچہ مشکل است اینست

خود اپنی شناخت کی طرف متوجہ ہوگا تو تجھے سکون ملے گا تیرے راستہ میں جو مشکل درپیش ہے وہ یہی ہے (کہ اپنی شناخت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔)

جز تو عشرت کجا ندامت کو   تو بلای خودی قیامت کو

عشرت و ندامت تیری ذات سے باہر کہاں ہے تو خود اپنی آپ بلا ہے قیامت کدھر ہے۔

حق از این دوزخ و بہشت غنی است   آنسوی زوج و فرد ماومنست

حق اس دوزخ اور بہشت سے بے نیاز ہے وہ تو جوڑے اور فرد اور ''ماومن'' سے وراءالوراء ہے۔

اس کے بعد اس قصے کو بیان کرنے سے کیا مقصد ہے اس کی وضاحت کرتا ہے۔

مقصد آنست کا بچنیں اخبار   ہست موقوف فطرت تجار

غرض یہ ہے کہ اس طرح کی خبروں کا سراغ تاجروں کی فطرت میں داخل ہے۔

تا توان بہرہ از تجارت برد   غم کسبی دگر نباید خورد

جب تک تجارت سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے کسی اور پیشے کی فکر مت کر۔

چوتھی قسم علوم و معارف:

قسم رابع کہ در وہست عیاں   علم و فضل است کمال انساں

چوتھی قسم جس کو بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو علم و فضل سے ہی کمال حاصل ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت بیدل انسانی علوم و معارف کی وضاحت کرتا ہے اور ہر ایک حروف تہجی کا ذکر کر کے اس سے ایک نکتہ پیدا کرتا ہے مثلاً ''الف'' اشارہ ہے تنزیہہ کی طرف۔

چہ ''الف''؟ آن اشارہ تنزیہہ   ''بی'' ہماں میل الفت تشبیہ

''الف'' کیا ہے؟ وہ درحقیقت تنزیہہ (خدا کو عیوب و نقائص سے پاک کرنا) کی طرف اشارہ ہے۔ ''با'' تشبیہ (اپنے کو خدا سے تشبیہ دینا) کی طرف انسان کا میلان و جھکاؤ ہے۔ یہ سارے نکات

بڑے دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں آخر میں کہتا ہے اس کی یہ شکل ایک صفت کی تشنہ ہے۔

ہوش اگر آشنای معرفتی است   وضع ہر شکل تشنۂ صفتیست

عقل و ہوش اگر خدا شناسی سے آشنا ہے تو ہر شکل کی وضع کسی نہ کسی صفت کی تشنہ نظر آئے گی۔

کیست فہمد رموز این اشکال   کز چہ سازاست نغمہ ہای خیال

کون ہے جو ان اشکال کے رموز کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ قوت خیال کے یہ سارے نغمے آخر کس ساز سے نکل رہے ہیں۔

اس سلسلے میں وہ جدوجہد کی تعریف اور بے شغلی و بیکاری کی تنقیص کرتا ہے۔ پھر انسان کے موضوع کی طرف عود کرتا ہے۔

وصف انساں کہ جہاں گردۂ اوست   ایں ہمہ نقش بر آوردۂ اوست

انسان کا بیان کہ دنیا اس کا صرف ایک خاکہ ہے اور یہ سارے نقوش اسی کے ساختہ و پرداختہ ہیں۔ انسان کیا ہے؟ بیدل کہتا ہے ''انسان حقائق اشیاء کا ایک پورا دفتر ہے'' یہاں اس نے جسم کے ہر ایک عضو پر الگ الگ بحث کی ہے اور ان سے متعلقہ وظائف کی وضاحت کی ہے اس کے بعد ثابت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہر ایک عضو کے حوالے وہی وظیفہ کیا ہے جو اس کی ہیئت کدائی کے لئے مناسب اور موزوں تھا۔

ای کتاب حقایق اشیا   عالم از صفحہ ات شعور انشا

اے وہ ہستی کہ تیری ذات حقائق اشیا کی ایک پوری کتاب ہے اس دنیا کو تیرے صفحہ سے ہی علم و شعور حاصل ہوا ہے۔

عضو عضوت ز آگہی محلی است   کہ ہمان وضع صورت عملی است

تیرا ایک ایک عضو علم و آگہی کا ایک محور و مرکز ہے کیونکہ یہی ایک عملی شکل و صورت ہے۔

بی کم و کیف ضع رب علیم   کردہ اعمال بر صور تقسیم

رب علیم کی صفت نے بغیر کسی کیف و کم کے اعمال کو صورتوں پر بانٹ دیا ہے۔

نور اسرار خالق اشیاء   شخص تحقیق علّم الاسماء

جس آدمی نے ''علّم الاسماء'' (اور سکھایا آدم کو اللہ نے چیزوں کے نام) کی تحقیق و تدقیق کی اس کی ذات خالق اشیاء کا نور اسرار ہے۔

چہ معما کہ فطرتش نشگافت   چہ غوامض کز و ظہور نیافت

ایسا کون سا معمہ ہے جس کو اس کی فطرت نے حل نہیں کیا ہے۔ اور ایسی کون سی باریکیاں ہیں

جو اس کی ذات سے ظہور میں نہیں آئیں۔

ہیچ نقشی نہ بست کلک خیال — کہ زعلمش نداشت رنگ کمال

کلک خیال نے ایسا کوئی نقش نہیں بنایا جس میں اس کے علم کے کمال کا رنگ نہیں پیدا ہوا ہے۔

موجد حرف و نقش این دفتر — نتوان یافت غیر صنع بشر

اس دفتر کے حروف ونقوش کا موجد بشری صلاحیت ولیاقت کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلے میں بیدل سکندر اور اس کے ''سیر ظلمات'' کی وضاحت کرتا ہے۔ سکندر کا شمار بلند حوصلہ اور عالی ہمت سلاطین کے زمرے میں ہوتا ہے جس نے غیر معمولی ارادہ سے بہت سے ملکوں پر اپنی فتح کا پرچم لہرایا لیکن جو معمولی سرمایہ اس کے ہاتھ لگا وہ اس کی نقد ہستی تھی۔

زان ہمہ جنس کز غرور افزود — آنچہ کم یافت نقد ہستی بود

وہ تمام ساز وسامان میں سے جن سے اس کے غرور میں اضافہ ہوا جو معمولی چیز اس کو نصیب ہوئی وہ ''نقد ہستی'' تھی۔

اور کیا عمدہ کہا ہے؟

ہر کرا در نظر بود مردن — حیف باشد غم جہان خوردن

جس کی نگاہ میں سدا موت کا سماں پھرتا رہے اس کے لئے دنیا کا غم کھانا بڑے افسوس کی بات ہے۔

چقدر خجلت است و رسوائی — مرگ در پیش و حکمفرمائی

رسوائی وپشیمانی کی کوئی حد ہے کہ موت سامنے کھڑی منڈلا رہی ہے اور فرمائی کا خبط دل و دماغ پر سوار ہے۔

غرض ابدی زندگی کی خواہش نے اسے ایک درویش کے پاس پہونچایا۔ اس سے پوچھا کوئی تدبیر ایسی ہے جس سے پابرکاب فنا سانس کو بیڑیوں میں جکڑا جاسکے کہ کچھ دنوں اپنے ارمان نکال سکیں اور خواہشیں پوری کرسکیں۔ درویش نے جواب دیا۔

باد و قید وقفس خیالست این — عمر و ضبط نفس محالست این

ہوا کو کہیں پنجرہ میں قید کیا جاسکتا ہے اور ضبط نفس یعنی زندگی میں سانس کو کہیں کنٹرول کیا جاسکتا ہے؟ ہر ایک امر محال ہے۔ پھر اسے بحر ظلمات تک جانے کی نصیحت کی کیونکہ جو آدمی اس چشمہ سے ایک جام نوش کرلیتا ہے اسے غیر فانی زندگی نصیب ہوجاتی ہے۔

ہر کہ زان چشمہ جام می گیرد — دور عمرش دوام می گیرد

سکندر جو اپنی تمام تر شاہی شان وشوکت اور وسیع وعریض قلمرو کے باوجود اپنی ناپائیدار ہستی کا

تصور کرکے غمگین وافسردہ رہا کرتا تھا، درویش کی اس خوشخبری سے بہت خوش ہوا۔ اسی وقت وہ اپنے حشم و خدم کے ساتھ بحر ظلمات کا سراغ لگانے کے ارادے سے نکل پڑا اور اس جگہ پہونچا جہاں تاریکی کی وجہ سے آگے بڑھنا ممکن نہ تھا۔ وہاں اسے چراغ اور مشعل کی ضرورت پڑی پھر بھی وہ اپنی منزل تک نہ پہنچ سکا اور ناکام ونامراد واپس لوٹا۔ درباریوں کو حکم دیا کہ اس چشمہ کا پتہ لگانے کی کوشش کریں لیکن سب نے اپنی درماندگی وبے بسی کا اعتراف کیا آخر ارسطو تک یہ معاملہ پہونچا اور ارسطو نے عرض کیا۔

کای جہاندار آفتاب علم — نہ سپہرت سواد گردش چشم

کہ آفتاب علم کے جہاندار! نو آسمان تیری گردش چشم کی سیاہی ہیں۔

آستانت جہان عز و جلال — سایہ پرورد در گہت اقبال

تیرا آستانہ جلال وعزت کی ایک دنیا ہے اور عروج واقبال تیرے دربار کا سایہ پروردہ ہے۔

گرچہ ہر کس بہ جستجوی دگر — می زند جام آرزوی دگر

اگرچہ ہر آدمی کسی نہ کسی چیز کی تلاش میں لگا ہے اور کسی نہ کسی آرزو کا جام نوش کررہا ہے۔

من ہم از ساغر حضور یقین — بردہ ام بوی نشۂ تسکین

مجھ کو بھی ''حضور یقین'' کے ساغر سے نشہ تسکین کی بو ملی ہوئی ہے۔

برق دودی ازاں چراغ سرور — می کشد بالم از دماغ شعور

سرور کے اس چراغ سے دھواں کی جو بجلی نمایاں ہے وہ دماغ شعور سے میرے بازو کو جھنجھوڑتی ہے۔

ارسطو نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا: مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ ان تمام علوم کو جمع کروں جو منزل تک رہنمائی کرسکتے ہیں۔ بادشاہ نے اسے اجازت دیدی۔ ارسطو نے خلوت میں بیٹھ کر اپنی ایک سالہ تحقیق ومطالعہ کے بعد سارے علوم وفنون کو ترتیب دیا اور انہیں ایک مستقل کتاب کی شکل میں پیش کیا۔ اسی بنا پر اسے معلم اول کہتے ہیں جس نے علوم خصوصاً علم فلسفہ اور حکمت کو جو اس وقت تک پراگندہ شکل میں پائی جاتی تھی اور دوسرے لوگوں نے اسے خیر باد کہہ دیا تھا اپنی طرف سے مزید اضافے کے ساتھ ترتیب دیا۔ اس کے بعد اسے سکندر کی خدمت میں پیش کیا اس میں اس کے علم وفضل اور اوصاف حسنہ وپسندیدہ کی تعریف بھی کی ہے۔

حاصل الامر آن حکیم زمن — تازگی بست بر جہان کہن

غرض اس دانائے روزگار نے دنیا کو جدت وتازگی بخشی۔

آنقدر گل بمدح شاہ کشید — کہ تل خرمنش بماہ کشید

اس نے بادشاہ کی تعریف میں اس قدر پھول برسائے کہ اس کی انبار کا ٹیلہ چاند تک جاپہونچا۔

این حقیقت رنگها بجوش آورد   عالمی را بہار پوش آورد

اس حقیقت کی وجہ سے اس نے (علوم کے) رنگوں میں ایک طرح کا ابال پیدا کر دیا۔ اور ایک دنیا کو موسم بہار کی رنگینیوں سے ڈھک دیا۔

کای دلت چشمہ ثبات حیات   اینک آب حیات در ظلمات

کہ تیرا دل زندگی کا دائمی چشمہ ہے یہ لیجئے وہ آب حیات (امرت جل) تاریکیوں میں چھپا ہے۔

نفس اینجا گل بقا اثریست   حی درین عالم از ممات بریست

سانس یہاں ایک ایسا پھول ہے جس کا اثر پائدار ہے اور اس عالم کا زندہ شخص موت سے بری اور آزاد ہے۔

ظلمات از دوات داشت صفیر   آبحیوان ترانہ تحریر

(ظلمات) تاریکیوں کو دوات سے آواز حاصل تھی آب حیات جسے کہتے وہ تحریر ہی کا ترانہ ہے۔

صورت علم را جز این کسوت   نیست بامعنی دوام الفت

علم کی شکل وصورت کو اس پوشاک کے سوا کسی اور پوشاک میں معنی دوام کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔

اس طرح ارسطو سکندر کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ واحد چیز جو انسان کو دوام بخشنے اور فنا ہونے سے محفوظ کر دے وہ ہے علم اور وہ بھی ''ہستی مطلق'' کا علم لہذا جس نے اپنے پیچھے اپنے علمی آثار چھوڑے ہیں کہا جا سکتا ہے کہ اسے ابدی زندگی نصیب ہوگئی۔

ہر کہ آثار علم او باقیست   نشہ ہستیش بقا ساقیست

جس کے علم کے آثار برقرار ہیں اس کی ہستی کا نشہ بھی باقی ہے۔

چیست این علم؟ ہستی مطلق   چون سحر پردہ نفس زدہ شفق

یہ علم کیا ہے؟ ''ہستی مطلق'' کا علم ہے سحر کی طرح شفق (شام کے وقت کی سرخی) نے پردہ سانس کو سرکایا یعنی سانس لیا پھر ''صفت علم'' کی اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

ہر کہ شمعش ز علم درگیرد   تا ابد داغ مرگ نپذیرد

جس کی شمع علم سے الجھتی رہتی ہے (یعنی وہ شمع کی مدھم روشنی میں بھی درس ومطالعہ کا سلسلہ جاری رکھتا ہے) اسے ابد تک ''موت'' کا داغ نہیں سہنا پڑتا ہے۔

پر تو علم دور باش فناست   صبح تا روشن است شام کجاست

علم کی جھلک فنا کو دور بھگانے والی چیز ہے صبح جب تک روشن ہے شام کا وجود کہاں آسکتا ہے۔

پس ہمان علم گشت تا محشر   زندگی بخش نام اسکندر

پھر وہی علم تا قیامت باقی رہے گا اور اسکندر کے نام کو جاوداں بنانے والا ہے۔

گر نمی کرد علم پردہ دری   جستجو یاوہ بود جہد تری

علم نے اگر اشیاء سے پردہ نہ اٹھایا ہوتا تو ساری جدوجہد رائیگاں جاتی۔

زین دقایق ہزار کشف و شہود   علم می آرد از خفا بنمود

علم ہی ہے جو نئی دریافتوں سے وابستہ ہزاروں نکات ودقائق کو پردۂ خفا سے منصۂ شہود پر لاتا ہے۔

گر چہ ہر پیشہ سحر پردازیست   پیشہ علم و فضل اعجازیست

ہر پیشہ اپنی جگہ اگر چہ جادو کا سا اثر رکھتا ہے لیکن علم وفضل کا پیشہ اعجازی کیفیت کا حامل ہے۔

اس طرح بیدل علم وفضل کی اہمیت اور دوسرے پیشوں پر اس کی شرافت وفوقیت کو واضح کرتا ہے۔

طور خامس حکمت: (پانچواں طور حکمت)

طور خامس کہ بساز اعمال   حکمت انجمن آرای خیال

پانچواں طور کہ اعمال کے ساز سے فلسفہ وحکمت خیال کا انجمن آرا ہے۔

یہاں حکمت اور اس کی تعریف پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے کہ اس کے سیکھنے کے لئے غیر معمولی ہمت اور حوصلہ درکار ہے اور عوام کے اندر چونکہ ایسی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے اس لئے ان کی اکثریت حکمت کی طرف متوجہ نہیں ہوتی ہے۔

اکثری خلق نا رسا پر و بال   ماندہ عاری ز سعی کسب کمال

لوگوں کی اکثریت چونکہ نارسا پروبال کی حامل ہوتی ہے اس لئے وہ حصول کمال سے محروم رہتی ہے۔

بیدل کہتا ہے جس کو علم کی معراج کہتے ہیں وہ حقیقت میں اس علم کا نام ہے جو ساری چیزوں کو اپنی آغوش میں لے لے اور اس کا احاطہ کر لے۔

چیست معراج آگہی اینجا   اقتدار احاطت اشیا

علم ودانش کی معراج کیا ہے؟ اشیاء کا احاطہ کرنے کی قدرت۔ اس سلسلے میں علم وحکمت کے درمیان جو ربط ہے اس کی وضاحت کرتا ہوا کہتا ہے کہ ان دونوں کے بیچ آئینہ وصورت کی نسبت ہے یعنی حکمت اگر آئینہ ہے تو علم اس کی صورت کے درجے میں ہے، اس لئے اس مقصد سے کہ صورت کا کوئی اثر سامنے آئے حکمت نے آئینہ داری کا وظیفہ اپنے سر لے لیا۔

حکمت آنجا کہ نیست آئینہ دار　　صور علم را گم است آثار

حکمت جہاں آئینہ داری کا فریضہ انجام نہیں دیتی ہے وہاں علم کی شکل وصورت کے آثار ناپید ہوجاتے ہیں۔

علم عکس است و حکمتش مرآت　　علم پرواز و حکمت است نبات

علم عکس اور حکمت اس کا آئینہ ہے علم پرواز ہے اور حکمت نبات کے درجے میں ہے۔

ارسطو نے علم وحکمت کا جو سرمایہ یکجا کیا تھا بیدل اسے کتاب امکان کے ''بعض معانی'' قرار دیتا ہوا کہتا ہے کہ وہ ''کمال بیان'' نہیں ہے۔ جو آدمی عالی ہمت اور بلند حوصلہ ہوتا ہے وہ صرف اتنے علوم پر قناعت نہیں کرسکتا ہے۔ اس کی بلند ہمتی کا تقاضا ہے کہ وہ ''علم کل'' حاصل کرے جس سے مراد ''ہستی مطلق'' کا علم ہے۔

بی تکلف ارسطو آنچہ کشود　　نغزی از کتاب حکمت بود

ارسطو نے جو کچھ دریافت کیا یا لکھا وہ کتاب حکمت کی ایک عمدہ تخلیق تھی۔

درک بعضی معانی امکان　　نیست نزد خرد کمال بیان

کائنات کے بعض حقائق ومعانی کا سراغ لگالینا عقل کے نزدیک کوئی کمال نہیں ہے۔

اینقدر علم پیش ہمت فرد　　نسزد قابل قناعت مرد

ایک بلند ہمت آدمی کے سامنے اتنا علم اس لائق نہیں ہے کہ اس پر قناعت کیا جائے۔

باید از علم کل زدن فالی　　گر مفصل نباشد اجمالی

''علم کل'' کا نیک شگون لینا چاہئے اور مفصل نہ ہوتو کم از کم اجمالی ہی ہو۔

کامل نشہ علیم شدن　　نیست ممکن بجز حکیم شدن

''علیم'' کے نشہ کامل کا حامل ہونا حکیم ہوئے بغیر ممکن نہیں۔

فرق عالم ز اعتبار حکیم　　دوری قدر اطلس است و گلیم

عالم اور حکیم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا اطلس اور گلیم کی قدر ومنزلت میں فرق ہے۔

گل این باغ فیض اگر بوئی　　دمد از خار و خس ارسطوئی

اس باغ فیض کے پھول کو اگر سونگھو تو اس کے خار وخس سے ارسطوئیت کی بو آئے گی۔

''ہستی مطلق'' اور اس کے ''سیر تنزل'' کا علم بیدل کے خیال میں ان علوم سے کہیں بلند وبالا ہے جس کی اساس ارسطو نے رکھی تھی۔ ''ہستی مطلق'' کے علم کی جمادات سے ابتداء کرتا ہوا کہتا ہے۔

ذکر اشکال جہان ایجاد　　کہ نخستیں رقم اوست جماد

''جہاں ایجاد'' کی شکلوں کا تذکرہ جس کی پہلی تحریر ''جماد'' ہے۔

یہاں بیدل نے ''جمال مطلق'' کے مظاہر کی دلکشی ودلربائی کی طرف قارئین کو متوجہ کیا ہے اور انواع واقسام کے قیمتی پتھروں کو ان کی خصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہر ایک کے بارے میں اس نے اہم اور قیمتی معلومات فراہم کئے ہیں جو اسے ماہر جمادیات کی فہرست میں شمار کرنے کے لئے کافی ہیں۔

مثلاً پتھر کے بابت کہتا ہے:

جہل عام است در طبیعت سنگ　　کہ نصیبی ندارد از فرہنگ

پتھر کی طبیعت میں جہالت ولاعلمی عام ہے۔ اس کے نصیب میں ادب وتہذیب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

گر ز خاصیتش خبر گیری　　بہرہ قوت بصر گیری

اس کی خاصیت کا اگر تمہیں کچھ علم ہوجائے تو قوت باصرہ کو اس سے کچھ حصہ مل جائے۔

اس کے بعد نباتات سے بحث کرتا ہے اور ان کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اس کے اندر جو حرکت نظر آتی ہے وہ علم کی نشاندہی کرتی ہے یہاں قدرت کے حسن وجمال نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا رکھا ہے۔

وقف ہر برگ صد ہزار آثار　　بار ہر ریشہ عالمی اسرار

ہر پتے سے سیکڑوں آثار وابستہ ہیں اور ہر جڑ اپنے اندر اسرار کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔

بظہور خواص نفع و ضرر　　قدرت آئینہ شاخ تا بہ ثمر

شاخ سے لے کر پھل تک سب اپنے نفع نقصان کی خصوصیات کے ساتھ اس کی قدرت کے آئینہ بنے ہوئے ہیں۔

غرض نباتات کی دنیا میں علم نے مختلف شکلیں اختیار کر رکھی ہیں ان سب کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔

حاصل الامر در جہان نبات　　علم دارد ہزار رنگ آیات

غرض نباتات کی دنیا میں علم کی ہزاروں شکلیں اور کرشمے ہیں۔

فہم ما تا کجا کند طوفان　　کاین علوم آورد بضبط بیان

ہماری فہم کہاں تک تگ ودو کرے کہ ان سارے علوم کو ضبط تحریر میں لائے۔

اس کے بعد ''سیر کارواں'' کا سلسلہ حیوانات تک پہونچا کر ان کی گوناگوں خصوصیات بیان کرتا ہے۔ بیدل کے خیال میں حیوانات قدرت الٰہی کی جلوہ گاہ ہیں جہاں بڑی حد تک اسماء وصفات کا

ظہور ہوا ہے۔ ان کے کان اور آنکھیں سمع و بصر کی صفات کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ہر قدر در شکنجہ مژگان　　گردش چشم را دہی جولان

پلکوں کے شکنجے میں اپنی نگاہ کو تم جس قدر جولانی عطا کرو گے۔

نوری از پردہ موجزن یابی　　برق اسرار ذوالمنن یابی

پردہ کی اوٹ سے ایک نور ان میں موجزن نظر آئے گا اور خدائے محسن کے اسرار کی وہ ایک تجلی معلوم ہوگی۔

متجلی ست زین طلسم بدیع　　در درون و برون بصیر و سمیع

اعجیب وغریب طلسم سے اندر و باہر بصیر و سمیع کی صفات نمایاں ہیں۔

جوش سمع و بصر درین ہیکل　　می نماید کہ ای بفہم مثل

اس ہیئت کذائی میں ''سمع و بصر'' کی صفات واضح کرتی ہیں کہ اے آدمی ذرا اس مثال پر دھیان دے۔

حی در اینجا محیط پیش و پس است　　ہر طرف وا رسی ہمیں نفس است

یہاں صفت ''حی'' اس کی ہستی کے پس و پیش کو اپنی آغوش میں لئے ہے جدھر غور کرو یہی سانس رواں دواں ہے۔

ہر نوائیکہ وا رسی زین ساز　　علم بی پردہ می دہد آواز

اس ساز کی جس آواز پر بھی غور کرو گے تو علم کھلے عام آواز دیتا نظر آئے گا۔

انسان:

وصف انسان کہ چو شکلش بالید　　خاتم دفتر حکمت گردید

انسان کی تعریف کہ جب اس کی شکل وصورت کو بالیدگی نصیب ہوئی تو ''دفتر حکمت'' کو اس نے پایہ تکمیل تک پہونچایا۔

انسان کی تعریف میں بیدل نے جو کچھ یہاں کہا ہے وہ حقیقت میں آیت ''ولقد کرمنا بنی آدم اور و لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم '' کی تفسیر ہے دوسری مخلوقات پر انسان کی شرافت و بالاتری کو ہر لحاظ سے ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

در ہمیں جا کشید کلک قدیم　　نقش تحقیق احسن تقویم

کلک قدیم (خدا کے قلم) نے یہاں پہنچ کر ''احسن تقویم'' کے نقوش کو پایہ تکمیل و تحقیق تک پہنچایا۔

خواہ علم است و خواہ حسن عمل　　ہست موضوع این شگرف محل

چاہے علم کا معاملہ ہو اور چاہے حسن عمل کا مسئلہ اسی حیرت انگیز اور عجوبہ روزگار ہستی کا موضوع سخن ہے۔

آنچہ از علم راز می گفتیم　　چوں بانیجا رسیدیم آشفتیم

''علم راز'' کے بابت جو کچھ بیان کر رہے تھے جب یہاں پہنچے تو آشفتگی کا شکار ہو گئے۔

انسان چونکہ خدائے تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مظہر اتم ہے اس لئے اس کے علم نے بھی خاک سے لے کر افلاک تک سب کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اس کی فطرت اتنی ہی بلند واقع ہوئی ہے کہ نووں آسمان اس کی بلندی و رفعت اور پہنائی و وسعت کے مقابلے پر وہی نسبت رکھتے ہیں جو بچے کی دائی کے آغوش میں ہوتی ہے۔

فطرتش راز ظرف عرفان جوش　　نہ فلک طفل دایہ آغوش

عرفان و خداشناسی کی بدولت اس کی فطرت میں اتنا ہی جوش وخروش ہے کہ نووں آسمان اس بچے کی طرح ہے جو دائی کے آغوش میں رہتا ہے۔

موالید ثلاثہ کی خصوصیات جو پراگندہ شکل میں جہاں تہاں پڑی تھیں انسان کی ذات میں اکٹھی ہوگئی ہیں۔ وہ بیک وقت جمادات کے وقار، نباتات کی نمو اور حیوانات کے حواس خمسہ وسمع و بصر سے بہرہ مند ہے۔ اسی طرح عناصر اربعہ کی ساری خصوصیات مثلاً آگ کی گرمی، پانی کی نرمی، ہوا کی بلند پروازی اور مٹی کی انکساری سب اس کی ذات میں اکٹھی کردی گئی ہیں۔ غرض انسان تمام اوصاف کا جامع ہے اور یہ صرف اسی کی ذات ہے جس کے اندر صانع کی صنعت علی وجہ الکمال نمودار ہوتی ہے۔

در ہمیں کارگاہ حق تمثال　　صنع صانع بہم رسانده کمال

اسی کارخانہ حق تمثال میں صانع کی صنعت اوج کمال کو پہونچی ہے۔

کرم و جود و رحمت و غفران　　جز در این انجمن کہ داد نشان

کرم، جود، رحمت اور غفران یہ سب خصوصیات اس کی ذات کے سوا کس میں موجود ہیں۔

خور تو خواب و لباس و الفت ورم　　ہمہ اینجا بساط چیدہ بہم

خورد و نوش، خواب وخفت، لباس و پوشاک، الفت ومحبت اور فرار ورم سب چیزیں اس کی ذات میں ایک جگہ اکٹھی ہوگئی ہیں۔

صورت حق کنون معاینہ است　　خلق اللہ آدم آئینہ است

اب حق کی صورت پوری طرح جلوہ گر ہوگئی۔ مشہور ہے کہ خلق آدم علی صورتہ کہ اللہ

نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

دہر بی این ظہور خامی داشت   وضع دوران ناتمامی داشت

اس ظہور کے بغیر زمانے کی وضع ادھوری اور اس کے اندر خامی تھی۔

چرخ سرگشتہ در ہزار ادوار   دید آنجا بہم خط پرکار

آسمان ہزاروں ادوار میں حیران و پریشان تھا پرکار کے خطوط یہاں باہم ملتے نظر آتے ہیں۔

پھر جسم و جان کے تعلق کی نوعیت پر بحث کرتا ہوا کہتا ہے کہ چونکہ وہ نباتی، جمادی اور حیوانی روحوں کا جامع ہے اس لئے خداشناسی کا وصف اسے نصیب ہوا۔ انسانی جسم چونکہ ہر قسم کے اعتدال اور توازن کا حامل ہے اس لئے ہر قسم کے کمالات اس کیلئے مخصوص ہوئے۔

مجمع ساز اعتدال اینجا ست   ہمہ را دعوی کمال اینجا ست

ہر چیز میں اعتدال اور توازن کا وہ مجموعہ ہے اس لئے کمال کا دعویٰ بھی اسے پہنچتا ہے۔

جسم باجا کے درجے میں ہے تو جان نغمہ کے درجے میں اور نغمہ جان کو ساز جسم کے بغیر نہیں سنا جا سکتا اور اسی طرح جسم کی ساری نزاکتیں جان کی بدولت قائم ہیں جس وقت جان نے جسم کو خیر باد کہا پھر غرور و ناز کی کوئی چیز اس میں باقی نہیں رہ گئی۔

نغمہ جان ز تن بساز رسد   تن ز جان ہمچنان بناز رسد

نغمۂ جان کی جسم ہی کی بدولت ساز تک رسائی ہے اور اسی طرح جان ہی کی بدولت جسم کو ناز نخرے سوجھتے ہیں۔

بیدل اپنی گفتگو کا سلسلہ دراز کرتا ہوا کہتا ہے ''جسم'' صفت قیوم کا مظہر ہے اور روح صفت ''حی'' کا مظہر ہے یہ دونوں صفات خدائے تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن ساری کائنات خصوصاً انسان خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر اتم ہے۔

ہر کہ رمز نوای نے دانست   جسم قیوم و روح حی دانست

جس کو ''نے'' کی نوا و آواز کا رمز معلوم ہوا اس نے جسم کو قیوم اور روح کو حی سمجھا۔

حی و قیوم نیست جز اللہ   فہم کن فہم درد سر کوتاہ

حی (زندہ) اور قیوم (تھامنے والا) اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے اسے اچھی طرح ذہن نشین کرو اور اپنا درد سر مختصر کرو۔

ورنہ ای محرم حقیقت راز   نظری کن بشکل انسان باز

نہیں تو اے حقیقت راز کے محرم! انسان کی شکل پر غور کرو۔

کہ درین شکل بی غبار گمان   کردہ طوفان بہم زمان و مکان

کیونکہ اس شکل میں زمان و مکان نے بلاشبہ ایک ساتھ ایک طوفان بپا کیا ہے۔

نغمہ اینجا ست تار را دریاب   سیر گل کن، بہار را دریاب

نغمہ یہاں ہے تار کا پتہ چلاؤ پھولوں کی سیر کرو اور بہار کا سراغ لگاؤ۔

بشکن آئینہ ہای وہم و قیاس   نور خود را بہ آفتاب شناس

''وہم و قیاس'' کے آئینے توڑ ڈالو اور اپنے نور کو آفتاب سے روشناس کرو۔

این موالید در جہان شعور   زادگانند از مشیمہ نور

یہ موالید ثلاثہ جہاں شعور میں نور کے مشیمہ (وہ جھلی جس میں بچہ پیدا ہوتا ہے) سے پیدا ہوئے ہیں۔

بہر تکمیل ملہم اند ہمہ   چون شدند آگہ آدم اند ہمہ

ان سب کا الہام ایک چیز کی تکمیل کی خاطر تھا جب وہ ساری خصوصیات اس میں اکٹھی ہو گئیں تو آدم وجود میں آیا۔

مسئلہ تناسخ:

پھر روح کی بحث کو طول دیتے ہوئے مسئلہ تناسخ کو جسے ہندوستان میں آواگون کہا جاتا ہے موضوع سخن بناتا ہے۔ تناسخ یعنی روح کا ایک قالب سے دوسرے قالب میں منتقل ہونا بیدل کے خیال میں جمادات، نباتات اور حیوانات میں بھی علی الترتیب ''رسخ، فسخ اور مسخ کے نام سے پایا جاتا ہے۔

رسخ فسخ است و مسخ تفصیلش   بعد خلق از جہان تکمیلش

رسخ فسخ ہے اور مسخ اس کی تفصیل ہے دنیا پیدا کرنے کے بعد اس کی تکمیل ہوتی ہے۔

آں جماد و نبات و حیوانست   کہ بچندین طپش پرفشان است

وہ جمادات، نباتات اور حیوانات ہیں جو سیکڑوں دھڑکنوں کے ساتھ پرافشانی میں مشغول ہیں۔

اور اس مقصد سے کہ پتھر بھی انسان کے درجے تک رسائی حاصل کرے اسے انقلاب کے سیکڑوں مرحلے طے کرنے ہوں گے۔

صد تناسخ زند مزاج حجر   کہ فتد قرعہ اش بنام بشر

پتھر کا مزاج تناسخ کے سیکڑوں مرحلے طے کرتا ہے تب انسان کے نام سے اس کا قرعہ نکلتا ہے۔

اس سلسلے میں بیدل بڑے دلچسپ اور قابل مطالعہ نکات بیان کرتا ہے مثلاً یہ کہ یہ کمال فنا کے بغیر ہاتھ نہیں آتا ہے۔

جز نفی خود و وداع نمود   نتوان بر قع کمال کشود

اپنی ذات کی نفی اور نمود کا انکار کئے بغیر برقع کمال کو کھولا نہیں جاسکتا۔

پتھر میں طبعی طور پر ''افسردگی'' کی خصوصیت پائی جاتی ہے اور اپنے حالات وہ بہ سہولت نہیں بدلتا ہے، بہت سے لوگ جو بظاہر انسان نظر آتے ہیں اپنی درشتی طبع اور فسردگی کی وجہ سے پتھر کے درجے سے آگے نہیں بڑھ سکے ہیں۔

جمعی اینجا فسردہ اطوار اند   کہ ز طبع درشت کہسار اند

ایک طبقہ انسانوں کا یہاں ''فسردہ اطوار'' (بجھی ہوئی سیرت کا حامل) ہے جو اپنی طبعی درشتی و سختی کی وجہ سے پہاڑ کی طرح ہے۔

نباتات اپنی پیشرفت کی خاطر مختلف قسم کے انقلابات اور پلٹیوں سے گذرتے ہیں اور سدا اپنی اگلی حالت بدلتے رہتے ہیں اس لئے بلاشبہ انکے اندر اپنی ترقی کا عزم وارادہ ہے تاہم ان کی کاوشوں میں سستی کا بھی عمل دخل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اگرچہ ہوا میں اڑتے ہیں ان کے پاؤں بدستور مٹی میں گڑے رہتے ہیں۔

ہمت از جہد ست گشت خجل   بر ہوا تاخت لیک پا در گل

ہمت یہاں اپنی سست جدوجہد اور کدوکاوش سے پشیمان ہوگئی ہے ہوا پر پرواز کیا لیکن پاؤں اس کے مٹی میں پھنسے رہ گئے۔

رنگ اگر یافت صورت جان کو   بو اگر داد خلق انسان کو

رنگ اگر اس نے پا بھی لیا تو جان کی صورت اسے کہاں حاصل؟ 'بوٗ' کی خصوصیت اگر اسے حاصل ہے تو بھی انسان کہاں اس سے پیدا ہوسکتا ہے؟

چشم و گوشی بفہم خود نکشود   عزم تحقیق کرد و فسخ نمود

اس نے اپنی ذات کو سمجھنے کے لئے آنکھ اور کان سے کام نہیں لیا تحقیق کا ارادہ تو کیا پر اپنا عزم فسخ کردیا۔

ہر کہ دارد بعزم واماندن   صاحب فسخ بایدش خواندن

جس کا عزم وارادہ واماندگی کا ہم عنان ہو اس کو صاحب عزم نہیں بلکہ صاحب فسخ کہنا چاہئے۔

کیا کہنے بیدل کے عزم وارادہ اور واماندگی و درماندگی دونوں خصوصیات ایک جگہ اکٹھی نہیں ہوسکتی ہیں۔ جو آدمی کسی کام کی انجام دہی کے لئے بلند ہمتی اور عالی حوصلگی سے کام لے اسے چاہئے کہ واماندگی کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہ دے۔ پھر اس کے باوجود اگر وہ درماندگی اور تکان کا اظہار کرتا ہے تو

کہنا چاہئے کہ وہ بھی نباتات کی طرح فسخ سے ملا جلا عزم کا حامل ہے۔ بیدل کے خیال میں بہت سے لوگ اسی مرحلے میں زندگی گذارتے ہیں اور نباتات کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکال سکے۔

عالمی زین نمق بہمت ست   کرد عزم جہان قرب درست

ایک دنیا اسی طرح سستی و پست ہمتی کی شکار ہے۔ اس نے قریب کے کاموں کے لئے تو اپنا عزم راسخ کیا۔

اور حیوانوں کے سلسلے میں مسخ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

نزد دانشوران علم و عیان   مسخ از آنست عالم حیوان

علوم وفنون کے ماہرین کے نزدیک ''مسخ'' عالم حیوان کی خصوصیت ہے۔

کہ ز شکل قوی سمع و بصر   نیست از امتیاز تامش اثر

جو سامعہ و باصرہ کی قوت رکھنے کے باوجود اشیاء کے اندر امتیاز کرنے کی پوری صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔

جانور میں قوت سامعہ اور باصرہ موجود ہیں پر ان کا پوری طرح اثر نمایاں نہیں ہے۔ آنکھ رکھنے کے باوجود وہ حقیقی دید سے محروم ہیں اور کان رکھنے کے باوجود وہ ہوش وگوش سے محروم ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس زبان ہے لیکن بات نہیں کرسکتے بجز اس کے کہ کچھ مخصوص آوازیں ان کے منہ سے نکلتی ہیں۔ اس لئے معرفت وخودشناسی کی راہ ان کے لئے تنگ ہے۔

دارد اینجا ز غفلت و دنگی   رہ جولان معرفت تنگی

ان کی غفلت و بے خبری کی وجہ سے معرفت کی تگ ودو کے لئے یہاں راستہ تنگ ہے۔

تا باین درسگاہ رو آورد   خرس و بوزینہ چو آدم کرد

ریچھ اور بندر نے بھی اگر اس معرفت کا رخ کیا ہوتا تو وہ بھی انسان بن جاتے۔

مسخ تبدیل آگہیست بجہل   کا این صفت راست جنس حیوان اہل

مسخ کہتے ہیں علم وآگہی کے جہل ولاعلمی میں بدلنے کو اس صفت کے اہل حیوانات ہیں۔

بیدل کا خیال ہے کہ لوگوں کا ایک طبقہ اسی انداز سے زندگی گذار رہا ہے۔ انہوں نے حیوانات کے دائرے سے قدم باہر نہیں نکالا ہے۔ آنکھ، کان، زبان رکھنے کے باوجود وہ حقیقی دید وشنید وگفت سے محروم ہیں اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کی ذات سراسر بلکہ عین اسرار ورموز ہے پھر بھی ''وہم'' کے دامن میں گرفتار ہیں چمن میں موجود ہیں پھر بھی بہار کے فیوض و برکات کا انہیں کوئی علم نہیں۔

ہم بر این وضع جمعی از مردم   کردہ منزل درون منزل گم

لوگوں کا ایک گروہ اسی انداز سے زندگی گذار رہا ہے کہ منزل کے اندر رہتے ہوئے منزل کو گم کئے ہوئے ہے۔

وصل ایشان ز وصل محرومی   ہستی شان گواہ معدومی

ان کا وصل کہنے کو وصل ہے مگر درحقیقت وصل سے محرومی ہے ان کی ہستی معدومی کی گواہ ہے۔

عین اسرار لیک وہم اندیش   باہمہ قرب دور گرد از خویش

وہ سراپا اسرار ہیں پر وہم کے دام میں پھنسے ہیں تمام تر قرب کے باوجود خود آپ اپنی ذات سے دور ہیں۔

جمادات، نباتات اور حیوانات علم وعرفان سے نابلد اور اس سے کوسوں دور ہیں۔ اور اصول ''تجدد امثال'' کے تحت دنیا کی ساری چیزیں اگرچہ آگے کی طرف پیشرفت کر رہی ہیں اور اپنے کمال کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں پھر بھی یہ سب چیزیں آخر کار جہنم کی ایندھن ہیں۔

تا بانساں نمی رسد پی شان   آتش افتادہ در رگ و پی شان

ان کی تلاش وجستجو جب تک انسان کے مرحلے تک نہیں جاری رہتی ہے ان کے رگ وپے میں اک آگ سی لگی ہوئی ہے۔

بحصول مراد شاں کہ رسد   جز تناسخ بداد شان کہ رسد

ان کی منزل مقصود تک رسائی کیسے ہو کہ تناسخ کے سوا کون سی چیز ان کے داد وفریاد کو پہنچ سکتی ہے۔

ساری چیزیں اسی حسرت میں سوگوار ہیں کہ ساری کائنات کیوں نہ ''انسان'' میں بدل گئی۔ وہ آخر میں مسئلہ تناسخ کی ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق وضاحت کرتا ہے۔

ہندواں را بعالم ایجاد   طبع مغلوب این خیال افتاد

کائنات میں ہندوؤں کے ذہن ودماغ پر اس خیال کا غلبہ اور تسلط ہے۔

کہ پس از انتقال این پیکر   روح دارد حلول جسم دگر

کہ اس جسمانی پیکر کے انتقال کے بعد روح دوسرے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔

ہمدران جسم صورت حالش   می رسد بر جزای اعمالش

پھر اس جسم میں اس کی صورت حال اس کے اچھے برے اعمال وافعال کے مطابق رہتی ہے۔

عمرہا شد کہ علم ازین آیات   دادہ بر ذہن شان رسوخ ثبات

ایک مدت دراز سے اس قسم کی باتیں ان کے ذہن ودماغ میں پوری طرح رچ بس گئی ہیں۔

در خور قوت عقاید شان   حکم خیر و شریست عاید شان

ان کے انہی عقائد کی رو سے خیر وشر کا حکم ان پر جاری ہوتا ہے۔

بیدل مسئلہ تناسخ کو جس کا تذکرہ اشعار بالا میں ہوا مکمل طور پر ''وہم'' پر مبنی سمجھتا ہے یعنی یہ سب باتیں قوت واہمہ کی اختراع ہیں۔ ان کے یہ عقائد چونکہ ایک طویل عرصہ سے ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکے ہیں اس لئے واقعات کو وہ اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس عقیدہ کی جڑیں ان کے اندر دور تک اتنی گہری چلی گئی ہیں کہ وہ ان سے دور نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں وہ چند واقعات کا تذکرہ کرتا ہے۔

بیدل کو ایک دفعہ جنوبی ہند میں کچھ دنوں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک برہمن سے اس کی ملاقات ہوئی جس سے اس کا یارانہ ہوگیا۔ برہمن کا باپ جب بھی رفع حاجت کیلئے میدان جاتا تو ایک کالے کوے سے اس کا سابقہ پڑتا جس کی کریہہ اور ناگوار آواز سے اسے اکثر وحشت ہوتی اور جب آب دست کر کے فارغ ہوتا تو اس کے آب دست کے پانی سے اپنی پیاس بجھاتا پھر نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا۔ ایک عرصے تک یہی صورت حال رہی۔ اس اثنا میں اس نے اس کو بھگانے کی کئی تدبیریں کیں لیکن سودمند نہ ہوئی آخر جیوتشیوں کے پاس جاکر سارا ماجرا ان کو سنایا۔ انہوں نے کہا: کوا درحقیقت تمہارا قرضدار ہے جو آدمی دوسروں کا قرضہ ادا کئے بغیر اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے اس کی روح دوسری دنیا میں کوے کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور آوارگی وپریشاں حالی میں زندگی گذارتی ہے اس کی تشنگی اسے مجبور کرتی ہے کہ قرضخواہ کے آب دست سے اپنی پیاس بجھائے پس اگر تم اس کا قرض معاف کردو تو اس طرح کی ناگوار صورت حال پیش نہیں آئے گی۔ برہمن نے اس تجویز پر عمل کیا تو اس کا نتیجہ حسب خواہ برآمد ہوا یعنی کوا سدا کیلئے غائب ہوگیا۔

ہندوؤں کے یہاں تناسخ یا آواگون کے عقیدے کی اساس اسی نظریہ پر قائم ہے کہ جب جسم غبار کی شکل اختیار کرلے تو ضروری ہے کہ اپنے کرتوت کے مطابق وہ روپ دھار لے یعنی جو اچھے یا برے عمل اس نے کئے ہیں دوسری دنیا میں انہی اعمال کے مطابق اس کی شکل وصورت نمایاں ہو۔

پس بطبع ہنود و ہم انجام   فہم این علم کردہ است مقام

ہندوؤں کی ''وہم انجام طبیعت'' میں یہ علم پوری طرح رچ بس گیا ہے۔

گر ہمہ جسم شان غبار شود   حکم آن باید آشکار شود

کہ ان کا پورا جسم اگر گرد وغبار میں بدل جائے تو اس کا حکم یعنی کرتوت کے مطابق صورت حال بھی آشکار ہونا چاہئے۔

از حصول نتائج اعمال خواہ قسم ہدیٰ و خواہ ضلال

یعنی اعمال ہدایت کے ہوں چاہے ضلالت کے ان کے نتائج سامنے آنے چاہئیں۔

در سواد کتاب شان پیداست چون خسوف وکسوف بیکم وکاست

ان کی کتابوں (ویدوں) میں لکھا ہے کہ جس طرح چاند گرہن اور سوج گرہن بے کم وکاست وقت پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح زمانے کے تجربوں کی اساس پر عقل اس قسم کے واقعات کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے۔

یہاں بیدل علم جیوتش پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ سراسر تجربوں پر مبنی ہے اسی وجہ سے چاند اور سورج گرہن کے بابت جو پیشین گوئی جیوتشی لوگ کرتے ہیں اکثر درست نکلتی ہے۔ یہ موضوع بہت ہی دقیق وعمیق ہے لیکن بیدل نے ہر قسم کے سنجیدہ مسائل کو اپنی بحث کا موضوع بنا کر اپنی غیر معمولی لیاقت وصلاحیت، سوجھ بوجھ اور زور قلم کا ثبوت دیا ہے۔

علم کے بابت ہندوؤں کا عقیدہ مسلمانوں سے مختلف ہے۔ ان کے خیال میں ''روح''، ''ہوا'' کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں ہے لیکن یہ جسم ہے جہاں اس کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اس ''ہوا'' کو نفس سے تعبیر کرتے ہیں جس کے ذریعہ جسم کو علم وآگہی حاصل ہوتی ہے اور اپنے قفس میں وہ اس کی نگہداشت کرتا ہے لہٰذا جسم کی جب بھی اس ہوا کی وجہ سے نشو ونما ہوتی ہے اس کی عقل علوم وفنون کے سرمایہ سے بہرہ مند ہو جاتی ہے۔ جسم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہوا کو ہوا کے ذریعہ شکار کرتا ہے اور اس طرح جسم کا طلسم ''صید ہوا'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔

پس طلسم جسد بہر خم و پیچ غیر صید ہوا ندارد ہیچ

بیدل کہتا ہے جو خیال ایک لمبے عرصہ تک صفحہ ذہن پر ثبت رہتا ہے علم کی بدولت وہ نفوس کے اندر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس وقت خواہ عالم بیداری میں ہو خواہ عالم خواب میں نفوس اپنے اثرات دکھاتے ہیں۔ ظاہر ہے ''اوہام'' کے جال کو توڑا نہیں جا سکتا اس سے نجات حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ انسان خود اپنی ذات سے نجات حاصل کر لے اور جب علم اس مقام تک پہنچتا ہے تو اسے یقین سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہر خیالیکہ ثبت کرد ادوار یافت از علم در نفوس قرار

زمانے نے جس خیال کو صفحہ ذہن پر ثبت کر دیا وہ علم کی بدولت نفوس میں جاگزیں ہو گیا۔

خواہ در خواب و خواہ بیدارست اثر آن نفوس درکار است

چاہے نیند میں ہو چاہے جاگ رہا ہو اس کا اثر نفوس میں سرگرم کار رہتا ہے۔

دام اوہام را گسستن نیست چارہ اش جز ز خویش رستن نیست

دام اوہام میں شکست نہیں آتی اس کا علاج خود آپ اپنی ذات سے رہائی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

در مقامیکہ علم ایں گوید فہم راہ ہماں یقین پوید

جہاں علم اس طرح کی بات کرے فہم اسی مقام کی راہ پر گامزن رہتی ہے۔

ستی کی رسم جس کا ہندوؤں میں پہلے بڑا رواج رہا ہے بیدل اسے بھی اسی قسم کے علم وعقیدے پر مبنی سمجھتا ہے جو ایک عرصے سے ان کی کتابوں خصوصاً ویدوں میں لکھا چلا آ رہا ہے۔

اینکہ ہندو زنان از کمال وفاق مرگ جفتش کند ز ہستی طاق

یہ جو ہندو عورتوں میں کمال اتحاد و ہم آہنگی کی بدولت شوہر کی موت ان کے لئے خود ہستی سے ہاتھ دھونے کا نام ہے۔

علت آنست کز مواعظ شان عبرتی می درد نقاب بیان

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس پند ونصائح میں یہ نکتہ لکھا ہے۔

کہ زنان خلق باطن مرد اند جاذب فعل جوہر فرد اند

کہ عورتوں کی اپنی الگ کوئی شناخت نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ مرد کی باطنی وجود کی حیثیت رکھتی ہیں اور جوہر فرد کے فعل کو اپنے اندر جذب کرتی ہیں۔

مرد ہر گاہ رنگ در بازد زن ہم آں بہ کہ در پیش تازد

جب کبھی مرد کا رنگ ہستی اڑ جاتا ہے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی اپنی جان نچھاور کر دے۔

زن کہ جز شوہر التفاتش نیست تا نسوزد بہم نجاتش نیست

عورت جس کی توجہ شوہر کے سوا کسی اور مرد پر نہیں ہوتی ہے اگر وہ اس کے ساتھ چتا میں جل کر بھسم نہیں ہو جاتی تو اس کی مکتی نہیں ہو سکتی۔

اس سلسلے میں وہ ستی کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو صوبہ بہار میں پیش آیا تھا۔ ایک مالدار ہندو کی ایک سات سالہ بیٹی تھی جس کا نام راجونتی تھا اپنی شیر خوارگی کے دور سے نکل کر خاکبازی کے دور میں اس نے قدم رکھا ہی تھا کہ اس علاقے کی رسم کے مطابق اس کے لئے ایک منگیتر نامزد کر دیا گیا اور اس کی منگنی کا جشن بڑے دھوم دھام سے منایا گیا۔ اتفاق سے اس کا منگیتر شادی کی نوبت آنے سے پہلے ہی مر گیا۔ وہ لڑکی جس کو اپنے شوہر کا شعور تک نہیں تھا اور سدا کھیل کود میں مشغول رہا کرتی تھی ایک دم سے افسردہ رہنے لگی اور دھیرے دھیرے خودسوزی کے لئے آمادہ ہو کر خود کو اپنی شوہر کی چتا پر نچھاور کر دیا۔

دام تسکین نبود وعظ فنش — داد تسلیم تن بسوختنش

وعظ ونصیحت سے اسے کوئی تسلی وتشفی نہیں ہوئی اس نے خود کو آخر کار آگ کے حوالے کردیا۔

بیدل یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کے جیسے عقائد ہوتے ہیں خواہ وہ یقین وایمان کے درجے میں ہوں خواہ ظن وگمان کے درجے میں ان کا رہنما علم ہوتا ہے۔ اس یقین وگمان کا اگر بہ غور مطالعہ کیجئے تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ منزل ایک ہے رستہ جدا جدا ہیں۔

گر یقین است وگر گمان علم است — ہر طرف راہبر ہمان علم است

یقین ہو چاہے گمان ہو علم ہی ہر طرف رہنمائی کا فرض ادا کرتا ہے۔

اصل ہر حق و باطلست یکی — جادہ بسیار و منزل است یکی

ہر حق وباطل کی اصل ایک ہی ہے راستے بہت ہیں پر منزل ایک ہی ہے۔

منزل آنجا کہ واکند آغوش — جادہ ہا گردد انتشار فروش

منزل وہی ہے جو اپنی آغوش تمہارے لئے وا کردے راستے سارے انتشار پراگندگی پیدا کرتے ہیں۔

ہرچہ گل کردہ طور رسم علوم — حصر آن نیست درخور مفہوم

علوم وفنون کے نام سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے ان سب کا حصر کرنا ممکن نہیں۔

اینہمہ جادہ ہاست منزل نیست — لیک رہرو تمیز وقابل نیست

یہ سب راستے ہیں منزل نہیں ہے لیکن راہرو ہی ان میں فرق کرنے والا باصلاحیت نہیں ہے۔

بیدل کا خیال یہ ہے کہ تناسخ کا عقیدہ صرف ہندوستان کی سرزمین میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ بھی صرف ہندوؤں کے درمیان۔ دنیا کے دوسرے حصوں اور قوموں میں اس کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ اگر یہ واقعی ایک حقیقت ہوتی تو دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی اس کا وجود ہوتا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ سراسر ''وہم پرستی'' پرمبنی ہے جس کو انہوں نے شاستر (علم) کا نام دے رکھا ہے۔ دین اسلام میں اس قسم کے توہمات کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کا نتیجہ قیامت کے دن ملے گا۔

تا مسلمان مدارج دین خواند — بی نیاز از خیال کاشی ماند

مسلمانوں نے جب سے دین اسلام کے مختلف مدارج ومراحل کا مطالعہ کیا تو وہ کاشی کے تصور سے بے نیاز ہوگئے۔

کیا عمدہ بات کہی ہے کہ دین کے مختلف مراحل کو طے کرنے کے بعد کاشی کی طرح جس کا قصہ

شروع مثنوی میں گذرا ہے مسلمان اپنی جائے پیدائش کی خاطر کسی قسم کے رنج وغم میں مبتلا نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ ساری دنیا اور سارے علاقے کو اپنا وطن سمجھتا ہے ممکن ہے اقبال نے اسی خیال سے متاثر ہوکر کہا ہے:

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

قصص انبیاء فرقانی — بید یا نراست محض نادانی

قرآن حکیم میں جو انبیاء کا تذکرہ آیا ہے وید کے ماہر کو ان کا سرے سے کوئی علم نہیں ہے۔

حالت دیوتای شاستری — مسلمیں را گواہ بیخبری

ادھر شاستری کے دیوتاؤں کی حالت سے مسلمان ناواقف ہیں

این حقیقت بزمرۂ اسلام — نرسانید پیک علم پیام

اسلام کے زمرے یعنی مسلمانوں میں علم کے قاصد نے اس قسم کی حقیقت کا کوئی پیغام نہیں پہونچایا۔

مسخ در امت محمد نیست — بزم مقبول جای مرتد نیست

امت محمدیہ میں مسخ کا کوئی تصور نہیں۔ مقبولان بارہ گاہ الٰہی کی محفل میں مرتد کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کاں وفا جوہر و کرم بنیاد — ہمہ را وعدہ قیامت داد

کیونکہ اس وفا جوہر اور کرم بنیاد (جناب رسالت مآب ﷺ) نے سب سے قیامت کے آنے کا وعدہ کیا ہے۔

بر مسلمان ز فکر دوراندیش — اگر آید قیامت آید پیش

مسلمانوں پر اگر ان کی دوراندیشی کی وجہ سے کوئی صورت حال پیش آئے گی تو وہ قیامت ہوگی۔

مومنان را ظہور این آیات — نبود جز بموقف عرفات

مومنوں کے نزدیک اس کی نشانیوں کا ظہور عرفات کے میدان میں ہوگا۔

گر مکافاتی از عمل بیند — خویش را ہم در آں محل بیند

اپنے عمل کا اگر مکافات اور بدلہ وہ پائے گا تو خود کو وہیں موجود پائے گا۔

آنچہ در ما ودیعت علم است — انتخاب حقیقت علم است

علم کی حیثیت سے جو ودیعت اور امانت ہمیں ملی ہے وہ علمی حقائق کا ایک منتخب حصہ ہے۔

قیامت سے متعلق بیدل کی یہ وضاحت بتاتی ہے کہ اس نے اسلام اور ویدانت کا تقابلی مطالعہ کیا تھا نیز یہ کہ اس کے اسلامی افکار و خیالات پر ویدانت کا اثر نہیں تھا بلکہ اسلامی حقائق کو اس نے اور واضح الفاظ میں مدلل طور پر پیش کیا ہے۔

چھٹی فصل: سلطنت:

حکم سادس کہ دریں دار غرور　　نیست جز سلطنت اقبال ظہور

چھٹی فصل اس امر میں کہ دار غرور (دنیا) میں سلطنت کے سوا کوئی اور اقبال نمایاں نہیں ہے۔

بیدل یہاں حکومت و سلطنت پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے کہ دنیا میں اگر کسی کو اقتدار اور غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل ہے تو وہ بادشاہ ہے جس کے اندر خدائی قدرت کا عکس نظر آتا ہے۔

آنچہ من زیں بہار می بینم　　قدرت کردگار می بینم

اس بہار کی جو چیز مجھے دکھائی دے رہی ہے وہ ہے خدائے کردگار کی قدرت کا کرشمہ۔

اور النـاس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے سلاطین کے طور طریقے پر زندگی گزارتے ہیں) کے مطابق سماجی قدروں کا معیار بادشاہ کی پسند و ناپسند ہوتی ہے۔

ہنری راکہ طبع شان نخرید　　گرد ادبار بر رخش خندید

جس علم و ہنر کو ان کی طبیعت نے پسند نہیں کیا اس کے چہرے پر زوال و ادبار کی گراوٹ آگئی۔

یہ لوگ غلط صحیح اور جائز و ناجائز جیسی راہ و روش اپناتے ہیں معاشرہ پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں بیدل نے اول سلاطین کے اوصاف شمار کئے ہیں جو انتہائی دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں لیکن ان کی قابل ذکر اور سب سے نمایاں خصوصیت ان کی دلیری اور اولوالعزمی ہے جو قابل تقلید ہے۔ بیدل نے یہاں شاہانہ عزم و ارادے اور دلیری و بہادری کو بعض دلچسپ کہانیوں کے ذریعہ واضح کیا ہے۔ یہ طبقہ عزم و ہمت اور استقلال و پامردی کا ایسا بے مثال نمونہ ہوتا ہے کہ بادشاہت کے حصول کے لئے وہ جام شہادت تک نوش کر لیتا ہے یا اسے حاصل کر کے جام عشرت نوش کرتا ہے۔ ان کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ گردش زمانہ سے وہ چاہے تنگدست اور فقیر ہو جائیں پر دماغ ان کا شاہانہ ہی رہتا ہے اور ان کے چہرے بشرے سے شان بے نیازی ٹپکتی ہے۔

ہر کہ زیں قوم در وجود آمد　　فضل حق توأمش فرود آمد

اس طبقے کا جو آدمی بھی منصۂ شہود پر آتا ہے خدا کا فضل اس کے شامل حال رہتا ہے۔

یاشہی یافت یا شہادت دید　　عاقبت نشہ شہادت دید

یا تو اسے بادشاہت مل جاتی ہے یا جام شہادت نوش کر لیتا ہے یا آخر کار اسے نشہ شہادت نصیب ہوتا ہے۔

خواہ در بزم و خواہ در رزم اند　　بی تکلف ہمان اولو العزم اند

بزم میں ہوں چاہے رزم میں ہر جگہ یکساں حوصلہ مند اور بلند ہمت نظر آتے ہیں۔

گر ہمہ فقر جوشد از بر شان　　گم نگردد دماغ افسر شان

ان کے چہرے بشرے سے اگر فقر و تنگ دستی نمایاں ہوتی ہے تب بھی ان کا شاہانہ دماغ اپنی جگہ بدستور برقرار رہتا ہے۔

از خواصی کہ وقف ایشان است　　بی نیازی ظہور عنوان است

ایک خصوصیت جو صرف ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے وہ ہے ان کی شان بے نیازی۔

ذاتی است این صفات نی عملی ست　　اوج تعظیم آسمان ازلیست

یہ صفات ان کی ذاتی ہوتی ہے عملی نہیں ہوتی ہیں یعنی کوشش سے نہیں آتی ہیں جیسے آسمان کی بلندی اور رفعت ازلی ہے۔

بیدل نے تیس سال کی مدت میں جو مثنوی عرفان کی تالیف کا زمانہ ہے جانشینی کی تین جنگوں کا منظر خود اپنی آنکھوں سے اور قریب سے دیکھا تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں اعظم شاہ اور معظم شاہ کے درمیان، ۱۱۲۱ھ میں بہادر شاہ اور کام بخش کے درمیان اور ۱۱۲۴ھ میں جہاندار شاہ اور اس کے بھائیوں کے درمیان۔ مذکورہ جنگوں سے متعلق ان تمام تفصیلات کو اگر پیش نظر رکھیں جن کا اس کتاب کے شروع میں ذکر ہوا تو کہا جا سکتا ہے کہ بیدل نے جس شاہانہ عزم و ارادہ اور استغنا و بے نیازی کی تعریف کی ہے وہ انہیں واقعات سے ماخوذ ہیں۔

لاثانی شاہانہ عزم و ارادے کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے بیدل نے کچھ دلچسپ قصے کہانی بھی بیان کئے راقم السطور اختصار کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہے۔

ایک بادشاہ حالات کی ناسازگاری کے باعث دشمن کے ہاتھ گرفتار ہوا اور بعد میں قید ہوا۔ قیدی بادشاہ کو سدا یہ فکر دامنگیر رہتی تھی کہ کسی طرح قید خانے سے فرار کر جائے۔ آخر ایک دن وہ محافظوں کے خلاف ایک سازش کرنے میں کامیاب ہو گیا اور قید سے نکل بھاگا۔ محافظوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا پر اس کا سراغ ان کو نہ مل سکا۔ ادھر فراری بادشاہ کافی راہ پیمائی اور صحرا نوردی کے بعد ایک ایسے ملک میں پہونچا جہاں اسے اطمینان ہو گیا کہ اب کوئی اس کا پیچھا کرنے والا اور گرفتار کرنے والا نہیں ہے اس ملک کا بادشاہ بہت منصف مزاج اور رعیت پرور تھا۔ ایک دن اس کے دل میں آیا کہ اپنی فوج کے لئے دوڑ کے

مقابلے کی ایک تقریب ترتیب دے۔ جب اس نے خیال کو عملی شکل دینا چاہا تو اس فراری بادشاہ نے بادشاہ سلامت کے حضور عرض کیا میں بھی سپاہیوں کے طبقے سے تعلق رکھتا ہوں لیکن بد نصیبی سے اپنے ملک سے دور جا پڑا ہوں، اس مقابلے میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے منظوری دیدی۔ مقابلہ شروع ہوا وہ فراری بادشاہ سب پر بازی لے گیا۔

شور ایں شاطر جنوں آہنگ　　کرد میدان برق تازاں تنگ

اس جنونی فوجی کے شور نے تیز رفتار حریفوں کا ناطقہ تنگ کردیا۔

بادشاہ کے مقربین نے اس سے اس کی بڑی تعریف کی اور عرض کیا کہ یہ سپاہی اس لائق ہے کہ سدا آپ کے رکاب میں رہے۔ بادشاہ نے اسے قبول کرلیا۔ اس طرح وہ بادشاہ سلامت کے مقرب سپاہیوں کی صف میں شامل ہوگیا۔ بیدل کہتا ہے یہ اس کا شاہانہ عزم و ارادہ تھا جس کی وجہ سے تمام تر ناسازگار حالات کے باوجود اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں دیا اور انجام کار اس میں کامیاب ہوا۔

قصہ کوتہ بہ یمن ہمت چست　　نسبتش شد بہ بارگاہ درست

غرض اپنی بلند ہمتی کی برکت سے شاہی دربار سے اس کا تعلق اور مستحکم ہوگیا۔

مشہور کہاوت ہے کہ ''کل امر مرہون باوقاتہا'' ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔

بی تکلف چو وقت کار رسد　　وصل بی مژد انتظار رسد

جب کسی کام کے ہونے کا وقت آتا ہے تو بغیر انتظار کے وصل حاصل ہو جاتا ہے۔

فراری بادشاہ جو ایک سپاہی تھا ایک دن شکار کی غرض سے بادشاہ سلامت کے ہمراہ شکارگاہ روانہ ہوا۔ کچھ اور ملازم بھی اس کے ہمراہ تھے۔ شکار کی تلاش میں انہوں نے گھوڑے دوڑانے شروع کیے لیکن زوال تک انہیں کوئی شکار نظر نہیں آیا۔ وہ واپس لوٹنا چاہتے تھے کہ ایک ہرن پر نظر پڑی بادشاہ نے اس کے پیچھے اپنا گھوڑا اتنا تیز دوڑایا کہ اپنے ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر کافی دور نکل گیا۔ وہ جس قدر ہرن سے قریب ہونا چاہتا تھا ہرن اسی قدر اس سے دور ہوتا جارہا تھا۔ اس وقت صرف وہی سپاہی بادشاہ کے رکاب میں رہ گیا تھا۔ پیاس کی شدت سے بادشاہ کی حالت نازک ہونے لگی۔ سپاہی نے کہا آپ یہیں ٹھہریں میں پانی کی تلاش کرتا ہوں۔ کافی جدوجہد کے بعد آخر اسے ایک درخت نظر آیا جس پر ایک بندر بیٹھا تھا اس سے اندازہ لگایا کہ پانی یہیں کہیں آس پاس میں موجود ہے۔ اس مقصد سے کہ بندر اس کی رہنمائی کرے سپاہی نے اس کے سامنے زمین پر الٹنا پلٹنا اور خاک ملنا شروع کردیا۔ بندر سمجھ گیا کہ یہ آدمی پانی کی تلاش میں ہے۔

خاک الحاح آنقدر لیسید　　کہ ز بوزینہ آدمیت دید

اس نے منت سماجت کی خاک اس قدر اپنے جسم پر ملی کہ بندر میں اسے آدمیت اور انسانیت نظر آئی۔

بخت ہر گاہ رہنما گردد　　بوزنہ خضر مدعا گردد

قسمت جب کبھی رہنمائی کرتی ہے تو بندر بھی خضر راہ ثابت ہوجاتا ہے۔ بندر نے اس کی کنوئیں تک رہنمائی کی۔ جب کنوئیں کے پاس پہونچا تو اسے کوئی برتن نہیں ملا جس میں بادشاہ کے لئے پانی لے جائے۔ اب اس کے سوا کوئی اور چارہ اسے نظر نہ آیا کہ اسی بندر کو مار کر اس کے پوست میں پانی بھر کے لے جائے چنانچہ اس نے اپنے منصوبے کو عملی شکل دی۔ اس کے بعد کمال مہارت سے اس کی پوست کو اس کے جسم سے اتارا اور اسے ڈول بنایا اور فوراً پانی لے کر بادشاہ سلامت کی خدمت میں پہونچا۔ بادشاہ جو پیاس کی شدت سے خاک پر لوٹ رہا تھا اور صرف ایک رمق اس کے اندر باقی رہ گئی تھی، حلق میں پانی پہنچتے ہی اس کی جان میں جان آگئی اور وہ سپاہی کا اتنا ممنون اور شکر گذار ہوا کہ اس سے پانی کے سراغ لگانے کا ماجرا دریافت کیا۔ سپاہی نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ کو اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا اور اسے یقین ہوگیا کہ اس شخص کا تعلق شاہی خاندان سے ہے۔

گفت: ای شاطر بلند مقام　　بادہ ات از چہ نشہ دارد جام

اس نے کہا اے بلند مرتبہ سپاہی! تیری شراب میں آخر کس جام کا نشہ ہے۔

عملی کز تو یافت رنگ ظہور　　می دہد بوئی از شہان غیور

جو کام تجھ سے انجام پایا اس سے تو غیرتمند بادشاہوں کی بو آتی ہے۔

شاہ کی ممنونیت کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ اس سپاہی نے اپنے اس آقا کی جان بچانے کے لئے جو موت کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اس بندر کی جان لے لی جس نے کنوئیں تک اس کی رہنمائی کرکے اس پر احسان کیا تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ اب تم اپنی اصلی رام کہانی مجھے بتاؤ تب سپاہی نے لب کشائی کی۔ بادشاہ اس کے بیان سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت سلطنت سے دست کش ہوگیا اور اسے بادشاہت کا اہل سمجھ کر حکومت اس کے حوالے کردی۔

تو ہمہ گر گلی و گر خواری　　بی گماں ملک را سزاواری

تم چاہتے مٹی ہو چاہے ذلیل وخوار بلاشبہ تم ہی بادشاہت کے اہل ہو۔

اس طرح بیدل قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ سلاطین میں بڑی حد تک غیرت خداوندی کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ان کا لطف وقہر خدا کے لطف وقہر سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ جب ان کا جذبہ عطوفت ورحمت جوش میں آتا ہے تو زندگی بخش دیتے ہیں اور جب ان کا جذبہ قہر وغضب جوش

میں آتا ہے تو خون بہانے سے کم پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے۔

لطف شان جز حیات نہ پسندد   قہر شان جز بخون نہ پیوندد

ان کا لطف و کرم زندگی بخش دینے کے سوا کوئی چیز پسند نہیں کرتا ہے ان کا قہر خون لینے کے سوا کسی اور امر کے لئے تیار نہیں۔

ضمنی طور پر بیدل یہ بھی گوش گذار کرتا ہے کہ انسان کو شاہانہ عزم و ارادے کا حامل ہونا چاہئے اور حالات چاہے جتنے ناسازگار اور حوصلہ شکن ہوں امید کا دامن اسے ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔ ممکن ہے کچھ دنوں تک وہ کامیاب نہ ہو لیکن اس کی یہ ناکامی اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ سدا ناکام ہی رہے گا۔ اسے اپنی منزل تک پہونچنے کے لئے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھنا اور اس بات کی امید رکھنی چاہئے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے کل امر مرہون باوقاتہا جب وہ وقت آجائے گا تو یقیناً وہ اس میں کامیاب ہوگا۔

استاد صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"شاہ شاطر" کے قصہ میں بیدل انسان کو بشری عزم و ہمت اور معنوی بلندی و رفعت کے حصول کی دعوت دیتا ہے اور یہ بتانا چاہتا ہے اگر سر ہے تو اسے ٹوپی سے بہتر اور بیش قیمت ہونا چاہئے۔ یہ سر ہے جو ٹوپی پیدا کرتا ہے نہ کہ بالعکس اور یہ بھی سمجھانا چاہتا ہے کہ انسان کا ذاتی گوہر تمام چیزوں سے بالاتر ہے امید اور اپنے گوہر کی جس طرح بھی ہو بازیافت کرنی چاہئے۔

لیکن اس کہانی سے بیدل کی اصل غرض و غایت یہ ہے کہ "عرفان" صرف وحدت و کثرت کے درس کا نام نہیں ہے۔ صوفی اپنے دینی اور عرفانی مبادیات میں تعبد اور تامل سے کام لیتا ہے اور داد و ستد و لین دین کی دنیا میں بھی وہ اخلاقی مبادیات کا دامن ہاتھ سے نہیں دیتا ہے اور اگر دنیائے سیاست میں داخل ہوتا ہے تو اس کے اصول و ضوابط کے مطابق عمل کرتا ہے۔ انسان دنیائے اخلاق میں کسی طرح شر کا مرتکب نہیں ہو سکتا ہے۔ سقراط کہتا تھا شر کو شر سے نہیں دفع کیا جا سکتا ہے لیکن یہ انفرادی معاملات کے سلسلے میں تو ممکن ہے سماج اور معاشرہ یعنی دنیائے سیاست میں ممکن نہیں۔

اگر قرآن مجید میں یہ ارشاد ہے کہ "شر کو خیر سے دفع کرو" تو یہ حکم افراد کے ذات البین اور باہمی معاملات میں قابل عمل ہے اور جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے دو برائیوں میں سے جو سب سے آسان ہو اسے اختیار کرو۔ اذاابتلی الانسان ببلیتین فلیختر

الاسہل۔ تو اس کا مقصد سیاسی امور میں اس روش کو اپنانا ہے سیاست کی دنیا میں انسان جب دو شر کو ایک دوسرے کے دوش بدوش دیکھتا ہے تو انہیں اپنے فکر و ضمیر کے ترازو پر تولتا ہے ان میں جو سب سے ہلکا اور آسان معلوم ہوتا ہے اسے اختیار کرتا ہے مثال کے طور پر اب سے تین صدی پہلے ایک عظیم قوم کا سردار تباہی کے کگار پر پہنچ گیا اور اپنے دوست کی ہلاکت پر اسے پریشانیوں سے سابقہ ہے۔ دوسری طرف بے گناہ محسن بندر ہے جس نے شاہ شاطر (سپاہی کو جو پہلے بادشاہ تھا) پانی کا نشان و پتہ دیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندر کی زندگی اور انسان کی زندگی کے درمیان جو اشرف مخلوقات ہے بلکہ ابھی تک ایک بندر اور ایک انسانی معاشرہ کے درمیان جہاں پست ذہن لوگ اس قسم کے بھنور میں پھنس کر چھوٹے خیر کو بڑے خیر پر ترجیح دیتے ہیں اور بڑے شر کا انتخاب و ارتکاب کرتے ہیں یا حیرت کے بھنور میں ڈوب جاتے ہیں تا آنکہ فرصت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

ان حالات میں انسان آخر کیا کرے؟۔" (۱۸۴)

راقم السطور استاد صلاح الدین کے اس استنباط و استخراج پر کوئی تنقید نہیں کرتا ہے ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے مثنوی کے موضوع اور شاہ شاطر کے قصہ کے درمیان ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اس نتیجہ گیری کو خارج از امکان نہیں قرار دے سکتے۔ لیکن ایک بڑا شبہ جو قارئین کے ذہن میں اس صورت میں پیدا ہوتا ہے اور ان کی ذہنی پراگندگی کا سبب بنتا ہے یہ ہے کہ کیا تصوف میں کوئی سیاسی پہلو بھی ہوتا ہے؟ اور کیا ہم صوفیوں سے اس بات کی توقع کریں کہ سیاسی لوگوں کی طرح وہ بھی اقتدار کیلئے ہر جائز و ناجائز کام کریں اور ہر غلط و صحیح ذریعے کا سہارا لیں۔ خاکسار استاد کی اس بات سے کہ "اگر بدنیای سیاست داخل شد بر شیوہ سیاست و ضوابط آں رفتار کند" اتفاق نہیں کرتا۔ اسی طرح حضورؐ کے ارشاد "اذاابتلی الانسان ببلیتین فلیختر الاسہل" کہ جب انسان دو بلاؤں میں گرفتار ہو جائے تو آسانتر کو اختیار کرے۔) کے تذکرہ کی بھی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ بیدل نے درج ذیل اشعار میں اپنے مقصد کی اسی انداز سے وضاحت کی ہے۔

خواہ در بزم و خواہ در رزم اند   بی تکلف ہمان او لو العزم اند
لطف شان جز حیات نہ پسندد   قہر شان جز بخوں نہ پیوندد

راقم السطور کے ناقص خیال میں یہاں شاہانہ عزم و ارادے سے متعلق حکایت کے بیان کرنے سے بیدل کا اصل مقصد قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرانا ہے کہ سلوک و عرفان کی راہ میں بھی اسی درجہ کا عزم و ہمت مطلوب ہے جس کی ایک بادشاہ سے توقع کی جاتی ہے۔ ایک بلند اور اعلیٰ نصب العین

کے حصول کے لئے آدمی ہر قسم کی زحمتوں کو سہنے، کلفتوں کو برداشت کرنے اور خطروں کو مول لینے کے لئے سدا تیار رہے۔ جس طرح شاہ شاطر نے اپنے مالک کو ہلاکت کے گڈھے میں گرنے سے بچانے کے لئے شاہانہ عزم وارادے سے کام لیا اور گرفتار ہونے سے لے کر تخت پر براجمان ہونے تک کسی قسم کی کاہلی اور سستی کو اپنے اندر راہ نہ دیا۔ بہ قول حافظ

یا جاں رسد بجاناں یاجان ز تن برآید

ہمیں معلوم ہے کہ بیدل بڑی حد تک مولانا جلال الدین رومی، سنائی اور عطار کے عارفانہ افکار وخیالات اور ان کے انداز بیان سے بہت متاثر ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی پیروی میں اس نے بھی چاہا کہ شیریں حکایتوں اور قصے کہانیوں کے ذریعہ سالک کی راہ کی مشکلات کو دور کریں۔
ڈاکٹر سید جعفر سجادی، ''تجلی عرفاں وتصوف درادب'' کے زیر عنوان اپنے ایک مقالہ میں رقم طراز ہیں:

'' یکی از نکات جالب عطار کہ ملا جلال رومی بعد ہا بدنبال وی رفتہ است ہمیں است کہ ہر اشکال وایرادی کہ باوی شود، ضمن حکایتی برطرف، راہ را از چاہ می فہماند وراہ درست را می نمایاند۔'' (۱۸۵)

عطار کا ایک دلچسپ ودلکش نکتہ جس کی بعد میں جلال الدین رومی نے بھی پیروی کی، یہ ہے کہ جو مشکل ان کے سامنے پیش آتی یا جو اعتراض ان پر کیا جاتا تھا ایک حکایت کے ذریعہ اسے دور کرتے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتے اور بیدل عطار کے بابت کہتا ہے۔

رفع انکار از نسب جویان معنی مشکل است   گو بقدرت انوری در معرفت عطار باش

نسب جویان معنی (یعنی طرح طرح کے عارفانہ نکات بیان کرنے والے شاعروں) کی اہمیت سے انکار کرنا مشکل ہے لوگوں سے کہدو کہ قادر الکلامی میں انوری بن جاؤ اور معرفت وخدا شناسی میں عطار بن جاؤ۔ اس لئے یقین ہے کہ اس نے بھی ان کی پیروی میں یہ روش اپنائی ہے۔

قصہ کام دی ومدن:

ہمدریں قصہ حیرت تمثال   کام دی و مدن آمد بخیال

اسی سلسلے میں کام دی اور مدن کے حیرت انگیز قصے کا خیال صفحہ ذہن پر ابھرا۔

بیدل نے شاہی عزم وارادے کی درحقیقت ایک بے نظیر صفت کی حیثیت سے مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک ماہر رقاصہ کام دی اور اعلیٰ درجے کا موسیقار مدن کے معاشقہ کی داستان بیان کی ہے۔ معاشقہ کی یہ داستان بڑی دلچسپ، شیریں اور قابل مطالعہ ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ بیدل کے سحر

انگیز قلم نے اس کی دلکشی میں چار چاند لگادیا ہے۔
مشہور چکوسلوواکی مصنف یاں ریپکا نے مثنوی ''عرفان'' کے اس حصہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"An importan part of Irfan is the poem Komade va Madan,which has been thoroughly studied particularly by Soviet Scholors.It is a highly artistic doston,the theme being based on an Indian fairy-tale.This fact alone is quite remarkable .The theme of strong, unselfish love between two young,love free of tragedy found in the classical theme of Farhod and Shirin or Laila and Majnun,is new in Tajik-Persian Literature.This is one of the few dostons written in the Middle East in which love prevails over death."(186)

مثنوی عرفان کا ایک اہم حصہ کامدی اور مدن کے قصہ سے وابستہ ہے جس کا خاص طور سے روسی دانشوروں نے باقاعدہ مطالعہ کیا ہے۔ یہ داستان انتہائی فنکارانہ خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے مضمون کی اساس ہندوستانی پریوں کی کہانی پر استوار ہے۔ اور کچھ نہ ہوتو صرف یہی ایک حقیقت یہاں انتہائی قابل ذکر ہے جن کا فرہاد وشیریں اور لیلی ومجنوں کی داستانوں میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں تاجکی فارسی ادب میں ایک بالکل نئی چیز ہے۔ یہ ان داستانوں میں سے ایک ہے جو مشرق وسطی میں لکھی گئی ہیں جس میں عشق بالآخر موت پر غالب آجاتا ہے۔
ذیل میں اس داستان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے'' کام دی'' ہندوستان کے ایک عظیم بادشاہ کے دربار کی رقاصہ تھی۔ وہ انتہائی حسین اور ایک ماہر رقاصہ تھی جو اپنی کافرانہ اداؤں، اشاروں، غمزوں اور عشووں سے تماشائیوں پر قیامت ڈھاتی تھی۔

حاصل الامر آں بہشت نمود   ہر چہ بود آفت دو عالم بود

غرض وہ بہشت صفت رقاصہ دونوں جہاں میں آفت کی پرکالہ تھی۔
کام دی کو بادشاہ کے مزاج اور طبیعت میں اتنا ہی دخل تھا کہ اگر اس کو'' جان دربار'' سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ بادشاہ کو اس کی ذرا دیر کی عدم موجودگی بھی گوارا نہ تھی۔
دوسری جانب ''مدن'' نام کا ایک موسیقار تھا جو فن موسیقی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا وہ ایک دوسرے بادشاہ کے دربار میں گانے بجانے کا فرض انجام دیتا تھا۔

علم موسیقیش باوج کمال   بدر سازش تہی ز نقص ہلال

علم موسیقی میں اسے کمال حاصل تھا اس کے ساز کا بدر کامل ہلال کی خامی سے عاری تھا۔

ہر کجا بزم نغمہ می آراست   زندہ می مرد و مردہ بر می خواست

جس بزم میں وہ نغمہ سرائی کرتا اور ساز کے تاروں کو چھیڑتا زندہ اپنی ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھتا اور مردہ قبروں سے اٹھ بیٹھتا۔

''مدن'' کی نغمہ سرائی کا چرچا جب کام دی کے کان تک پہونچا تو ہر قیمت پر اس سے ملاقات کرنے کا اس نے ارادہ کیا لیکن شاہی دربار میں خود کو اس طرح پا بہ زنجیر پاتی تھی کہ دور سے آہ بھرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ ایک دن عشق خانماں سوز نے اسے مجبور کیا کہ مدن کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس مناسبت سے بیدل نے کیا خوب کہا ہے:

در خرابات شوق ملت و کیش   نشہ واحد بست طالب خویش

عشق کے مے خانے میں ہر ملت و مذہب اور کیش و مسلک والے کا نشہ ایک ہی ہوتا ہے جو اسے اپنا طالب بنالیتا ہے۔

نیست در عالم شہود مثال   قدردان کمال غیر کمال

عالم شہود و ظہور (دنیا) میں کمال کا قدرداں کمال کے سوا کوئی نہیں ہوتا ہے۔

عشق و محبت کی راہ و روش بلاشبہ تمام راہ و روش سے بالکل جدا ہوتی ہے جس آدمی کو جام عشق سے ایک جرعہ بھی ملا ہے وہ مختلف مذاہب اور مسالک کے درمیان فرق نہیں کرتا۔ یہاں صرف ایک ہی نشہ ہوتا ہے جو ایک کو دوسرے سے باہم جوڑے رہتا ہے۔

پس دریں کارگاہ عشق و ہوس   نسبتی ہست رابط ہمہ کس

عشق و محبت کی اس کارگاہ میں ایک نسبت ہے جو سب کو باہم ایک دوسرے سے جوڑے رہتی ہے۔

جملہ جویای معنی خویش اند   تابع شوق متحد کیش اند

سب اپنے اپنے معنیٰ کی تلاش میں لگے ہیں عشق کے تابع اور ہمکیش ہیں۔

ادھر مدن نے بھی اس دربار کا رخ کیا جہاں کام دی اس کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ کام دی کو جب مدن کے آنے کی خبر ہوئی تو ملاقات کا اشتیاق اس کے دل میں اور بڑھا لیکن بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملاقات کی کوئی سبیل ممکن نہ تھی۔ درباریوں نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک ایسا موسیقار دربار میں حاضر ہوا ہے جس کا پورے ملک میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ وہ ملاقات کا خواہاں ہے۔ بادشاہ نے اس کو حاضر کئے جانے کا حکم دیا۔ بادشاہ کے حسب حکم رقص و سرود کی ایک محفل سجائی گئی

جس میں عیش و نشاط کے جملہ اسباب مہیا کئے گئے تھے۔ شراب کا دور چلنے کے بعد رقص و سرود کی نوبت آئی۔

اس منظر کی تصویر کشی میں بیدل نے اتنی مہارت، لطف ذوق اور زور بیان کا ثبوت دیا ہے کہ قاری تھوڑی دیر کے لئے خود کو اسی رنگین مجلس میں موجود پاتا ہے یا کم از کم اس کی نگاہوں کے سامنے وہی سماں پھر جاتا ہے۔ اس موضوع پر مزید کچھ لکھا جائے تو بحث طویل ہو جائے گی پھر بھی بعض مناظر ایسے ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا مثلاً

رقص کامدی کا منظر:

آب می گشت چو روان می شد   چرخ تا می زد آسمان می شد

جب وہ تھرکتی تھی تو پانی جیسی روانی اس میں نظر آتی تھی جب رقص کرتی تھی تو لگتا تھا آسمان پر چڑھ جائے گی۔

رفتہ رفتہ زبانہ زد طورش   گشت جوالہ شعلہ دورش

اس کی اداؤں میں دھیرے دھیرے اتنی لپٹیں اٹھتی تھیں کہ لگتا تھا ایک شعلہ جوالہ گردش میں ہو۔

تا بجای رسید جولانش   کز قدم رفت فرق دامانش

ناچتے ناچتے اس کا یہ عالم ہوا کہ قدم اور دامن میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔

فہم آرام و رم معما شد   پای دامن و دامنش پا شد

حرکت و سکون کا سمجھنا ایک معمہ ہو گیا اس کا پاؤں دامن اور دامن پاؤں میں بدل گیا۔

آں تسلسل کہ دور سحر نگاشت   خط پرکار جملہ مرکز داشت

رقص میں تسلسل کا یہ عالم تھا کہ زمانہ اس کو جادو سے تعبیر کرنے لگا پرکار کی لائن سراسر مرکز بن گئی تھی۔

داشت در کسوت نیاز دگر   پیش ہر فرد رقص ناز دگر

اپنے لباس میں اور قسم کا نیاز رکھتی تھی ہر فرد کے روبرو رقص کے ناز کا اور انداز تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ کام دی کی رقاصی کی جو تصویر بیدل نے اپنے قلم کے کیمرے سے کھینچی ہے اس میں رقص کے ان تمام پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے جو شروع سے آخر تک تدریجی ارتقا میں ایک رقاص یا رقاصہ کے پیش نظر رہتے ہیں نیز اسے ایک طبعی اور فطری شکل میں ترقی دی ہے جیسے وہ ذاتی طور پر ان امور کا تجربہ رکھتا ہو اور ممکن ہے رانی ساگر کے دوران قیام اس مجلس رقص نے جس

میں اپنے چچا مرزا قلندر کے ہمراہ بیدل نے شرکت کی تھی۔ اس منظر کشی میں اہم رول ادا کیا ہو۔

غرض ادھر اگر کام دی کی فتنہ انگیز رقاصی تھی تو ادھر بے نظیر موسیقار ''مدن'' کی دلکش نغمہ سرائی۔ مدن اس کی قاتلانہ اداؤں سے اتنا گھائل ہو چکا تھا کہ بادشاہ نے جو ہار اسے پہننے کو دیا تھا گلے سے نکال کر اسے کام دی کے قدموں پر ڈال دیا یہ کہتے ہوئے کہ

کانچہ من دارم از سر افرازی   بہ کہ خلخال پای خود سازی

کہ رفعت وسربلندی کا جو سرمایہ میرے پاس ہے بہتر ہے کہ تو اسے اپنے پاؤں کا پازیب بنا لے۔

بادشاہ کو مدن کی یہ ادا نہیں بھائی۔ انتہائی غصے کے عالم میں اس نے حکم دیا کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔ درباریوں نے مدن کو بڑی رسوائی کے ساتھ مجلس سے نکال کر ملک بدر کرنا شروع کیا۔ کام دی ''مدن مدن'' چلاتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔۔ بڑی زحمتوں سے مدن کے قریب پہونچی اور شاہی ملازمین کے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑائی کہ کم از کم ایک رات کے لئے اسے چھوڑ دو صبح تڑکے اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی ملک بدر کر دینا کیونکہ میری غلطی اس کے لئے وبال جان بن گئی۔ اگر میں نے حسن کی نمائش نہ کی ہوتی تو عشق میری طرف مائل نہ ہوتا۔

جرم حسنست، عشق آزاد است   نقش شیرین بلای فرہاد است

جرم حسن کا ہے عشق آزاد ہے۔ شیریں کا حسن فرہاد کے لئے بلائے جان ثابت ہوا۔

شمع گر آتشش نیفروزد   رخت پروانہ را کہ می سوزد

شمع اگر اپنی آگ روشن نہ کرتی تو پروانے کے وجود کو کون بھسم کرتا۔

غرض کافی منت سماجت کرنے اور رشوت دینے کے بعد بادشاہ کے ملازموں نے کام دی کو اسے اپنے گھر لے جانے کی اجازت دی۔ کام دی مدن کو اپنے گھر تو لے آئی مگر اس کی خستہ اور نازک حالت دیکھ کر اسے بڑا ملال ہوا اس نے مدن سے کہا۔ تم نے میری خاطر وطن کو خیر باد کہا اور طرح طرح کی ذلت وخواری اور پریشانیاں برداشت کیں تو میرا بھی فرض ہوتا ہے کہ تم پر فدا ہو جاؤں اور تمہارے عشق کو ہاتھ سے نہ دوں۔ لیکن بادشاہ کی طرف سے ہمیں اطمینان نہیں۔ ممکن ہے وہ ہم پر اور ستم ڈھائے۔ اس خیال سے ان کا سارا امن چین غارت ہو گیا پھر بھی کام دی نے اس عزم کا اظہار کیا کہ حالات چاہے جس قدر ناسازگار اور ناگفتہ بہ ہوں، مدن کی رفاقت اور اس کے عشق کا سلسلہ جاری رہے گا اس لئے کہ مدن کے بغیر اس کی زندگی بے معنیٰ ہے۔

زندگی گرچہ داغ جانکاہست   از پیام تو تازگی خواہست

''زندگی'' اگر چہ ایک جانکاہ والمناک داغ کے سوا کچھ نہیں ہے پر تیرے پیام عشق ومحبت سے

اس میں نئی جان آ گئی ہے۔

آپس میں یہ طے پایا کہ دونوں ایک مشکل کشا درخت کے پاس جائیں اور اس سے اپنے درد کا درمان اور مشکل کا حل تلاش کریں۔ مدن جو کام دی کی عاشقانہ گفتگو سے بہت زیادہ متاثر ہو کر جذباتی ہو گیا تھا، شعلہ جنون ایک دم سے اس کے دل سے بھڑک اٹھا اور اس قسم کے عاشقانہ اور فدا کارانہ جذبات کا اظہار اس نے کیا۔

ای ہوای تو برق آفت من   شور من، داغ من، قیامت من

اے وہ شخصیت کہ تیری محبت میرے لئے ایک برق آفت ہے ایک شور ہے ایک داغ ہے اور ایک قیامت ہے۔

اس شعر میں بیدل نے ایک حقیقی وارفتہ اور بیخود عاشق کے عاشقانہ جذبات کی ایسی حسین ترجمانی کی ہے کہ اس سے بہتر کوئی تعبیر مشکل سے ملے گی۔ کچھ اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

آن خیالم توئی کہ درہمہ حال   تا بمرگم فتادہ در دنبال

میرے خیال میں تو ہی بسی ہوئی ہے جو سارے حالات میں موت تک میرا پیچھا کرتی رہے گی۔ کسی نے اردو شعر میں اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے۔

تم ہی ہو خیالوں میں خوابوں میں دل میں   تو پھر تم کو کیوں کر بھلائے گا کوئی

بی رخت سر بسنگ و پا در نیش   سیر روز سیاہ دارم پیش

تیرے حسین مکھڑے کے بغیر میرا سر پتھر سے ٹکرائے اور پاؤں کانٹوں سے الجھے گا اور مجھے برے دن بتانے پڑیں گے۔

اس کے بعد اسے صبر وضبط سے کام لینے کی ہدایت کی اور اس کی اہمیت اس پر واضح کی اس ضمن میں اس نے دنیا کی بے ثباتی وناپائداری اور سلاطین وامراء کے غرور وسرکشی سے متعلق کچھ پند ونصائح بھی کئے ہیں۔ کہتا ہے۔

چیست اقبال؟ پیش بیں بودن   آسمان داشتن زمین بودن

اقبال وسربلندی کیا ہے؟ اقبال درحقیقت پیش بینی سے کام لینے اور رفعت وبلندی کے آسمان پر پہنچ کر بھی عجز وخاکساری کی زمین پر رہنے کا نام ہے۔

زیں دو ہیأت کہ کبر و عجز نماست   رنگ آفات وعافیت پیداست

ان دو صورتوں سے جن میں ایک کبر وغرور دوسری عجز ودرماندگی کی نمائندہ ہے آفت وعافیت کا رنگ نمایاں ہے۔

اسی طرح ہمت وحوصلہ سے کام لینے کے بابت کیا خوب کہا ہے۔

ہمت آنجا کہ بستہ است کمر   مور بر شیر بردہ است ظفر

ہمت جب بھی کمر بستہ ہوئی ہے چیونٹی کو شیر پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

کوشش مرد اگر قدم ساید   آسمان با زمین بہم ساید

انسان اگر سعی وکوشش سے کام لے تو آسمان کو بھی زمین سے ملا لے (چنانچہ دور حاضر میں خلا بازوں نے یہ کام کر کے دکھایا)

ننگ ہمت خیال بیش وکم است   غیرت آدم کہ جوش ز دحشم است

کامیابی و ناکامی وبیشی وکمی کا تصور کر کے پیچھے ہٹنا ننگ ہمت ہے جب انسانی غیرت میں جوش آتا ہے تو وہی حواس کے لئے جاہ وحشم ثابت ہوتی ہے۔

مدن کام دی کی تسلی ودلاسے کے طور پر کہتا ہے کہ جیوتشی لوگ مشکل کشا درخت کے بارے میں جو ملک کے شمالی علاقے میں واقع ہے یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ وہ مشکلات کو رفع کرتا ہے۔

ہر کہ درسایہ اش قرار گرفت   چتر خورشید ش اعتبار گرفت

جس نے اس کے سایہ میں پناہ لی اس کے سورج کی چھتری کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔

اس لئے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے بہتر ہے اسی درخت کو وسیلہ بنائیں اور باچشم گریاں ودل بریاں وہ کام دی سے رخصت ہوا۔ بیدل نے اس مناسبت سے بہت عمدہ اشعار کہے ہیں۔

کار عاشق بفہم ناید راست   مد عا وصل بود ہجران خواست

عاشق کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس کا مقصد وصال یار ہوتا ہے لیکن فراق چاہتا ہے۔

عشق ما را ز ما جدائی داد   تا بقرب خود آشنائی داد

عشق نے خود ہم کو ہم ہی سے جدا کر دیا جب سے اس نے اپنی قربت سے آشنا کیا ہے۔

شوق تا لذتی کند پیدا   اند کی از جہان وصل برآ

تا کہ شوق وذوق میں مزید لطف پیدا ہو اور مزہ آئے تھوڑی دیر کے لئے وصل کے دائرے سے باہر نکل آ۔

باوجود وصال ہجران خواہ   در تمنای درد درماں خواہ

وصال حاصل ہونے کے باوجود فراق کا طلب گار رہ اور درد کی تمنا میں درماں اور علاج طلب کر۔

اب مشکل کشا درخت تک پہنچنے کے لئے مدن جب راستے پر چل پڑا تو ہر اگلے قدم کے ساتھ

اس کی بے کلی و بیقراری بھی بڑھنے لگی وہ افسوس کے عالم میں کہنے لگا کیوں اپنے دلدار سے جدا ہو کر ساری زحمتیں مول لی ہیں۔

کز چہ گشتی جدا ز دلبر خویش   دوری آوردت این قیامت پیش

کیوں بلا وجہ اپنے دلبر سے رخصت ہوا اس دوری نے مجھ پر قیامت برپا کر دی ہے۔

اسی شش وپنج میں وہ گرفتار تھا کہ اچانک حسن سے اس کا آمنا سامنا ہوا جو اس کو اپنی آغوش میں لینے کو بالکل تیار کھڑا تھا۔ اس کی ساری کلفتیں کافور ہو گئیں اور پورے عزم راسخ وارادہ قوی کے ساتھ اس نے قدم بڑھایا حالانکہ یہ ساری کرشمہ سازی اس کی قوت متخیلہ کی تھی۔

رفتہ رفتہ خیالش آئینہ شد   حسنی از شش جہت معانیہ شد

اس کا خیال دھیرے دھیرے آئینے کی شکل اختیار کر گیا اور چھؤوں جہت سے وہ حسن اسے نظر آنے لگا۔

بسکہ دل خلوت حضورش بود   در بغل بود آنچہ دورش بود

اس کا دل بے انتہا خلوت حضور کا حامل تھا جو چیز دور نظر آ رہی تھی وہ خود اس کے بغل میں واقع تھی۔

عزم رہ گر قدم کشا می شد   سعی رفتار نقش پا می شد

راستہ چلنے کا عزم وارادہ اگر قدم اٹھانا شروع کرے تو سعی رفتار نقش پا کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

کز ہوس پیش و پس چرا بروم   از بر کامدی کجا بروم

ہوس کے سبب آگے پیچھے کیوں ہوتا رہوں کامدی کی رفاقت چھوڑ کر آخر کہاں جاؤں۔

این درودشت گرد محمل اوست   دیدہ تا دل ہماں مقابل اوست

یہ درو بام اور دشت وصحرا سب اس کے محمل کی گرد ہیں آنکھ سے لے کر دل تک اگر دیکھو تو وہی مقابل نظر آئے گی۔

عشق جب نقطہ عروج پر پہنچ جاتا ہے تو ہر طرف معشوق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ان اشعار کے ذریعہ بیدل نے عشق خدا کے مسئلے کو جس کا نتیجہ وحدت الوجود ہے، کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

غرض مدن طویل مسافت طے کرنے کے بعد مشکل کشا درخت کے پاس پہنچتا ہے اور وہاں قیام کر کے عرصے تک اس سے اپنی کامرانی کی آس لگاتا ہے۔ وہاں اس نے اس قدر گریہ وزاری کی کہ اس کا گلا بیٹھنے لگا۔ اس جنونی کیفیت کے عالم میں کبھی کامدی کو مخاطب کر کے اس سے گلہ کرتا اور کبھی عاشقانہ جذبات کا اظہار کرتا۔

بزبان جنون سخنہا داشت   حیرت آشوب انجمنہا داشت

جنونی کیفیت کے عالم میں بہت سی باتیں کہتا اور انجمنوں کو حیرت واستعجاب کے عالم میں مبتلا کر دینا۔

اور حاصل قصہ کو بیان کرتا ہوا کہتا ہے۔

حاصل قصہ آنکہ آن بیدل   داشت در سایہ شجر منزل

غرضکہ اس عاشق وارفتہ نے درخت کے سائے میں پڑاؤ کیا۔

شوق بیتاب ترجمانش بود   نام معشوق بر ز بانش بود

شوق اس کی ترجمانی کے لئے بیقرار تھا معشوق کا نام اس کی زبان پر جاری تھا۔

وحش و طیر سواد آن صحرا   بست منقار ولب زصوت وصدا

اس علاقے کے سارے چرند و پرند اپنی چونچ بند کئے خاموش ہوگئے۔

بسکہ با سازش آشنا گشتند   یکقلم کام دی نوا گشتند

ان کے کان اس کی ساز و آواز سے اسی قدر مانوس ہوگئے کہ سب نے مل کر ایک ساتھ ''کام دی'' کی صدا بلند کرنی شروع کردی۔

صد زبان محو یک سبق گردید   منطق الطیر یک ورق گردید

سیکڑوں زبانیں ایک ہی سبق کے تکرار میں محو ہوگئی تھیں اور ایک ہی ورق پڑھ رہی تھیں۔

می سرودند با ہزار آہنگ   نام آن فتنہ بدل زدہ چنگ

وہ ہزاروں آہنگ میں نغمہ سرائی کر رہے تھے۔ اس سراپا فتنہ کے نام نے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا۔

بی خور و خواب عمر برد بسر   تاز تاب و تبش نماند اثر

بی غذائی بہم زد اجزایش   خورد نا خوردن آب اعضایش

بھوکے پیاسے رہنے کی وجہ سے اس کے اجزاء جسم ڈھیلے پڑ گئے تھے اور باہم ایک دوسرے کو سہارا نہ دے سکے۔

رنگ طاقت شکست تاب گداخت   گفتگو محو شد حساب گداخت

توانائی کا رنگ اڑنے لگا تاب و تواں رخصت ہونے لگی گفتگو کا سلسلہ محو ہونے لگا۔

بمقامی رسید ضعف قوی   کہ ز امداد ہم نشست جدا

جسمانی ضعف و ناتوانی اس نقطے پر پہنچ گئی کہ اعضا ایک دوسرے کو سہارا اور مدد دینے سے عاجز ہوگئے تھے۔

نہ بلب قدرت نفس داری   نہ بناخن امید سر خاری

نہ ہونٹ کے اندر سانس لینے کی صلاحیت رہی اور نہ ناخن کے اندر کھجانے کی۔

دانہ ساں صد گداز دل می چید   تا بہ مژگانش ریشہ می جنبید

دانے کی طرح سیکڑوں گداز دل میں پیدا کرتا تھا تب کہیں اس کی پلکوں میں جنبش ہوتی تھی۔

گرچہ از عمر ساز و برگ نداشت   زندہ عشق بود مرگ نداشت

اگرچہ زندگی کا کوئی ساز و سامان اس کے پاس باقی نہیں رہ گیا تھا لیکن وہ عشق کی بدولت زندہ تھا، موت نے اسے اپنی آغوش میں نہیں لیا تھا۔

جان عاشق ز عالم جان نیست   جنس عشق از دکان امکان نیست

عاشق کی جان عام دنیاوی جان کی طرح نہیں ہوتی ہے جنس عشق اس امکانی دنیا کی دوکان کی چیز نہیں ہے۔

عاشقان زندہ اند مردۂ دوست   مردہ و زندہ کار شان با اوست

عاشق لوگ درحقیقت زندہ ہیں لیکن دوست کی ذات میں فنا ہوکر وہ مردہ بھی کہے جاسکتے ہیں۔ وہ زندہ ہوں چاہے مردہ ان کا تعلق اس (معشوق) سے ہے۔

زندگان را فتور می باشد   اجل از مردہ دور می باشد

زندہ لوگوں میں تو فتور اور خرابی ہوسکتی ہے لیکن جو مردۂ دوست ہے موت اس سے کوسوں دور رہتی ہے۔

ان حکایات سے بیدل نے جس انداز سے نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس کی ذہنی رسائی اور فکری گیرائی کی دلیل تو ہے ہی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس مثنوی میں عطار اور رومی کے اسلوب کی پیروی کی ہے۔ خصوصاً مصرعہ ''منطق الطیر یک ورق گردید'' اس دعوی کا شاہد عدل ہے۔ آخر کے تین اشعار میں کام دی اور مدن کی داستان معاشقہ سے نتیجہ نکالتے ہوئے کیا خوب کہہ گیا ہے۔

''عاشقان زندہ اند مردہ دوست''

عاشق لوگ تو دوست کے نام پر مردہ ہیں پر حقیقت میں وہ زندہ ہیں۔ یہ تو اس داستان کا ایک رخ تھا جو بظاہر ٹریجڈی پر ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے اگرچہ وہ ٹریجڈی پر ختم نہیں ہوئی۔ اب اس کے دوسرے رخ پر دھیان دیجئے جہاں عاشق کو اُس کے معشوق تک پہونچانے کے لئے سلاطین کی باہم رزم آرائی شروع ہوتی ہے اور یہ داستان کامیڈی پر ختم ہوتی ہے۔

ذکر شاہیکہ بآن دشت رسید   وز مدن قصہ بیداد شنید

اب اس بادشاہ کا قصہ سنئے جو اس جنگل میں پہونچا اور مدن سے اس پر کئے گئے ظلم وستم کی داستان سنی۔

مدن کو آہ وزاری کرتے ہوئے اب ایک سال ہو رہا تھا۔ حسن اتفاق سے ایک بادشاہ کا بارادہ شکار اس علاقے سے گذر ہوا۔ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی اور جو منظر بھی اسے نظر آتا ایک عاشق وارفتہ و دل سوختہ کی طرح جو اپنے معشوق سے جدا ہو کر حزن وغم اور رنج والم میں مبتلا ہو، سوگوار نظر آتا تھا۔ حتی کہ چرند و پرند کی آواز میں بھی ''کام دی کام دی'' کا شور اسے سنائی دے رہا تھا۔ وہ اس غم انگیز سکوت اور مغموم فضا کا راز اپنے ساتھیوں سے معلوم کرتا ہے۔ یہ لوگ اس راز کی تلاش میں نکل پڑے آخر ایک آدمی انتہائی خستہ اور پریشان اور بدترین حالت میں ایک درخت کے سایہ تلے پڑا نظر آیا۔

بادشاہ کو اس کی اس خستہ حالی پر ترس آیا۔ اسے کچھ مشروب پلایا تب اسے ہوش آیا لیکن پھر ''کامدی کامدی'' چلاتے ہوئے وہ بیہوش ہوگیا۔ بادشاہ کو اس کے چہرے بشرے اور وضع قطع سے اس کی حالت کا اندازہ ہوگیا اسے یقین ہوگیا کہ یہ ایک دل جلا اور معشوق سے بچھڑا ہوا عاشق ہے۔ اس سے کہا اپنی رام کہانی سناؤ۔ مدن نے سارا ماجرا اس سے بیان کیا۔ تب بادشاہ نے قسم کھائی اور پختہ عزم کا اظہار کیا کہ چاہے جس طرح ہو اس کی مدد کریں گے۔

نرسم گر بداد این مظلوم   خاک بر فرق و جاہ و شوکت شوم

اس مظلوم انسان کی اگر دادرسی نہ کی تو میری جاہ وحشمت کے سر پہ خاک نحوست اڑے۔

چنانچہ قاصد کے ذریعہ ایک دھمکی آمیز خط اس بادشاہ کے پاس روانہ کیا جس نے مدن کو اپنے دربار سے بڑی رسوائی اور بے عزتی کے ساتھ نکالدیا تھا اور اسے تنبیہ کی کہ ایسے عاشق دل سوختہ کے ساتھ ایسی نازیبا حرکت نہیں کرنی تھی۔ رہا یہ کہ اس نے آداب شاہی کی رعایت نہیں کی تو سمجھنا چاہیے کہ عشق نے جس کے سارے اختیارات اس سے سلب کر لئے ہوں وہ معذور ہوتا ہے اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرنی چاہئے اور معشوق کو اس کے حوالے کر دینا چاہئے۔ اس عاشق کی حالت پر ترس کھانے کی ضرورت ہے۔ مدن تم سے انصاف چاہتا ہے اگر تم اس کی دادرسی کرنا چاہتے ہو تو کام دی کو فوراً اس کے حوالے کردو۔

بادشاہ نے جب اس خط کو پڑھا تو غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا، اس وقت قاصد سے کہا اس خط کو اپنے بادشاہ کے حضور پھینک دینا۔ ایک عورت کو حوالے کرنے کا نہایت ہی نازیبا اور ناشائستہ مطالبہ اس نے مجھ سے کیا ہے اب تک کسی نے میرے سامنے اس طرح کی جرأت نہیں کی۔ اس کا دھمکی آمیز مطالبہ میرے لئے باعث ننگ وعار ہے۔

پیش مرداں بہ جبن تن دادن   نیست بدتر ز ننگ زن دادن

مردوں کے سامنے بزدلی سے خود کو حوالے کر دینا عورت کو حوالے کرنے کے ننگ سے زیادہ برا نہیں ہے۔

جہاں تک اس عاشق دلسوختہ پر ترس کھانے کی بات ہے یہ بھی میری مہربانی ہے کہ جو آدمی گردن زدنی تھا اسے صرف جلاوطنی کی سزا دی گئی ہے اور اگر اس قصے پر تم نے خواہ مخواہ جنگ ہی کی ٹھانی ہو تو ہم بھی تیار بیٹھے ہیں۔

صلح وصفائی کی کوئی گنجائش جب باقی نہیں رہ گئی تو دونوں اس مسئلے پر باہم لڑ پڑے۔ کافی کشت وخون کے بعد اس بادشاہ کو جو مدن کا طرفدار تھا کامیابی حاصل ہوئی۔ یہاں بیدل نے اپنے قلم جادو رقم سے جنگی مناظر کی جس طرح تصویر کشی کی ہے اس سے ٹھیک وہی سماں نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے۔

کمتر افتد کہ دولت ظالم   ماند از آفت قضا سالم

بہت ہی کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ظالم وجابر حکومت آفت قضا سے صحیح سالم بچ نکلے۔

خاک آں بیوفا بخون ترشد   پادشاہ مدن مظفر شد

وہ بے وفا بادشاہ خاک وخون میں لت پت تھا جبکہ مدن کا طرفدار بادشاہ کامیاب وکامران ہوا۔

ہر کہ امداد بیدلان دارد   از زوال اخترش اماں دارد

عاشقوں، بے بسوں اور درماندوں کی جو مدد کرتا ہے اس کی قسمت زوال سے محفوظ رہتی ہے۔

بہرحال مدن کے حامی بادشاہ کی کامیابی کی خبر سن کر مدن اور کام دی دونوں کو بڑی خوشی ہوئی لیکن بادشاہ چاہتا تھا اس سے پہلے کہ ان کے درمیان وصال کی صورت پیدا ہو کام دی کے عشق کی بھی آزمائش کی جائے اور یہ معلوم کرے کہ عشق کی یہ آگ یک طرفہ ہے یا دونوں طرف یکساں لگی ہوئی ہے اس کی خاطر اس نے کچھ جاسوسوں کو اس ملک کی طرف روانہ کیا جہاں کام دی رہتی تھی۔ معمولی تلاش و جستجو کے بعد وہ لوگ کام دی کے پاس پہنچ گئے اور اس سے مدن کے حالات دریافت کئے۔ بادشاہ کے حسب ہدایت ان لوگوں نے مدن کی موت کا تذکرہ اس کے سامنے ایک غم انگیز مقدمہ کے ساتھ کیا۔ کام دی ان کے بیان سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اسی جگہ اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ جب ہوش میں آئی تو گلدستہ کے پاس جا کر اس نے عہد کیا کہ وہ بھی اپنے عاشق کی طرح جان جاں آفریں کے حوالے کردے گی۔ جاسوس لوگ جب تک اسے سنبھالیں وہ خدا کو پیاری ہو چکی تھی۔

کام دی کی وفات کی خبر سن کر بادشاہ بہت دکھی ہوا اور حکم دیا کہ دونوں وفا شعار ہستیوں کی نعش ایک دوسرے سے جدا نہ کریں اور ان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی سپرد خاک کردیں کیونکہ ان کی موت اس امتحان کی وجہ سے ہوئی جس کا میں نے حکم دیا تھا۔ درباریوں کو جب بادشاہ کے عزم وارادے کا پتہ چلا تو وہ بہت مضطرب ہوئے لیکن اس کے حکم سے سرپیچی کی بھی گنجائش نہ تھی۔ آخر دانشوروں اور طبیبوں کی

ایک جماعت نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ان لوگوں کو سکتے کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ یہ دنیا سے رخصت نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے کسی قسم کی تشویش وفکر مندی کی بات نہیں ہے۔ جہاں پناہ اگر اجازت دیں تو ان کو ایک تدبیر سے ہوش میں لایا جاسکتا ہے۔ بادشاہ کے حسب اجازت یہ لوگ دونوں عاشق ومعشوق کو ایک گرم حمام میں لے گئے کچھ دیر بعد جب ان کی رگوں میں حرارت آئی تو دونوں ہوش میں آگئے۔

مردہ بودند لیک شرم وفا — عرق آورد بر جبین بقا

وہ موت کی آغوش میں پہنچ چکے تھے لیکن وفا کی لاج نے جبین بقا پر عرق ریزی کی۔

نادر افتد بعالم مخلوق — زیں صفت حشر عاشق ومعشوق

مخلوقات کی اس دنیا میں کم ہی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ عاشق معشوق اس انداز سے جی اٹھے ہوں۔

گل دمیدند یا بہار شدند — کس چہ داند چہ آشکار شدند

وہ پھول بن کر کھلے یا بہار بن کر ابھرے کسی کو کیا پتہ کہ کس انداز سے ظاہر ہوئے

گفتگو ماندازین بیان بی برگ — گشت اینجا فسانہ شادی مرگ

اس بیان کے بعد اب مزید گفتگو کے لئے کوئی مصالحہ نہیں رہ گیا۔ یہاں پہنچ کر یہ قصہ شادی مرگ کا نمونہ بن گیا (شادی مرگ ایسی موت کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ خوشی کی وجہ سے آجائے)۔

اس طرح معاشقے کی یہ داستان کامیڈی (طربیہ) پر ختم ہوتی ہے جسے خود بیدل شاذ ونادر سمجھتا ہے لیکن اس داستان کو بیان کرنے سے بیدل کا مقصد کیا ہے درج ذیل اشعار سے معلوم کیجئے۔

مدعا زین فسوں سحر نمود — عرض اقبال پادشاہان بود

اس جادو بھری داستان کے بیان کرنے سے مقصد بادشاہوں کے عروج واقبال کا حال بیان کرنا تھا۔

کز چہ انوار روشن اند انیہا — رنگ ناز چہ گلشن اندانیہا

کہ ان کی روشنی اور چمک دمک کا سرچشمہ کیا ہے کس باغ و راغ سے ان کے اندر ناز کی خصوصیت پیدا ہوئی۔

نیست موسوم ازین سپید و سیاہ — غیر شاہاں باسم ظل اللہ

دنیا کے اس سیاہ وسفید کے اندر سلاطین کے علاوہ ایسا کوئی نہیں ہے جس کو ظل اللہ خدا کا سایہ کہا جائے۔

وصف حق گشتہ تا ودیعت شان — فسخ ننگ است در عزیمت شان

جب سے وصف حق (خدائی عزم وارادہ) انکے اندر ودیعت ہوئی ہے ان کی عزیمت میں "فسخ"، ننگ وعار کی بات سمجھی گئی ہے۔

آدمی پوست عزمہا مغز است — مغز تاپختہ می دہد نغز است

آدمی کی حیثیت کھال اور چمڑے کی ہے اور اس کا عزم وارادہ مغز کے حکم میں ہے مغز میں جب پختگی آجاتی ہے تو وہ نفیس اور عمدہ چیز ہو جاتی ہے۔

تاز ہستی طرب گزین باشد — آدمی باید این چنیں باشد

زندگی میں اگر خوشی ومسرت حاصل کرنا ہے تو انسان کو ایسے ہی عزم واستقلال کا حامل ہونا چاہئے۔

اس طرح بیدل کا اس واقعہ کے بیان کرنے سے جو مقصد ہے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

اس نے شاہانہ عزم وارادے کو جس کی نظیر بہت کم ملتی ہے بیان کر کے قارئین کو اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ لیکن راقم السطور کے خیال میں پیغمبرانہ عزم وارادہ سلاطین کے عزم و ارادہ سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے خصوصا اس بنا پر کہ شاہ کے عزم وارادے کے جو واقعات ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں وہ یا تو فرضی افسانے ہوتے ہیں یا ان کی حقیقت اس سے نہایت کم ہوتی جتنی بیان کی جاتی ہے جبکہ پیغمبرانہ عزم وارادہ کے واقعات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں اور یہاں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے تنکہ کو پہاڑ بنا کر پیش نہیں کیا جاتا ہے۔

بہر حال اس مختصر ڈرامے کے اندر جو حسین ودلکش اور رنگین مناظر کی بیدل کے قلم جادو رقم نے تصویر کشی کی ہے اس کے بابت جناب صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

"عشق ایک ایسی لڑکی کے بیچ جو رقاصہ ہے اور ایسے لڑکے کے بیچ جو موسیقار ہے فطری نوعیت کا حامل ہونے کے علاوہ بڑا ہی مضبوط اور استوار ہے خصوصاً اس بنا پر کہ اس ڈرامے میں بہت سے مناظر ہیں: ایک عیش پرست بادشاہ کے دربار کا، دور دراز ملک سے پہلی دفعہ مدن کے وہاں پہنچنے کا، اس مجلس میں کام دی سے اس کے روبرو ہونے کا، جس کی خاطر اس نے سفر کی زحمت اٹھائی پھر اس حسین اور رنگین منظر کا، جس میں ایک فنکار عاشق نغمہ سرائی کرتا ہے اور ایک فنکار معشوقہ وجد میں آکر رقص کرتی ہے۔

آب می شد تا رواں می شد — چرخ تا می زد آسماں می شد

ایک ٹریجڈی میں بدلنے اور بادشاہ کے آگ بگولہ ہونے کا اس کے شہر بدر کرنے کا، مدن کے مشکل کشا درخت کے سامنے آہ وزاری کرنے کا، چرند و پرند پر اس کے اثر ہونے کا، جنگ کے خونی منظر کا، پھر ان دونوں عاشقوں کے طرفدار بادشاہ کی فتح وکامرانی کا، پھر دونوں کے مرنے اور زندہ

ہونے کا ایک طبی تشخیص کے تحت، کیونکہ وہ دونوں مرض سکتہ میں گرفتار تھے۔ سب اس مختصر ڈرامہ کے رنگا رنگ اور بدلتے ہوئے مناظر ہیں۔ میں نے اس طرح کے ڈرامے بہت کم دیکھے ہیں جس میں اس قدر اختصار کے باوجود اتنے رنگ برنگے رنگین مناظر ہوں اور جس میں دو بادشاہوں کی نفسیات کو اس حد تک مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہو اور عشق بھی ایسا خلوص آمیز ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قصہ ٹریجڈی پر ختم نہیں ہوتا ہے۔ یہاں علم کی آستین ظلم وستم کے آنسوؤں کو پونچھتی ہے۔(۱۸۷)

ایک اور افغانی دانشور محمد عبدالعزیز مہجور نے ''داستان کامدی ومدن'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں ایک مقدمہ کے ساتھ اس کہانی کو بیان کیا ہے۔ مقدمہ میں اس داستان کے بیان کرنے سے بیدل کا کیا مقصد رہا ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں اس کے بعض حصے کا ترجمہ پیش ہے۔

۱۔ بیدل کا مقصد یہ ہے کہ عشق مجازی کا تذکرہ کر کے قارئین کو عشق حقیقی کی اہمیت جتائے، مجموعی طور پر وہ عشق کے تمام نکات کو بیان کرتا ہے۔ یہ عشق کا کمال ہے کہ کس طرح وہ دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور معشوق کے سوا کسی چیز پر اس کی توجہ نہیں ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حقیقی صوفی عشق حقیقی میں خدا کے سوا ماسوا کی طرف معمولی سی رغبت بھی نہیں رکھتا اور صرف خدائے یکتا پر اس کی توجہ رہتی ہے۔

۲۔ بیدل اس داستان سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ عشق اگر مجازی بھی ہو تو پختگی اور استواری پائیداری اور وفاداری کی صورت میں عاشق و معشوق کا اتحاد یا دوسرے الفاظ میں وصال میسر ہوتا ہے۔ اور تصوف و عرفان کی راہ میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر سالک دوست کی راہ میں زحمتیں اٹھاتا اور پریشانیاں برداشت کرتا ہے اور اس میں استقلال اور ثابت قدمی دکھاتا ہے تو اپنی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔

۳۔ بیدل سدا کمزوروں، ناتوانوں اور محروم و مظلوم طبقے کی طرفداری کیلئے اٹھتا ہے۔ ظلم و جبر پر سخت تنقید کرتا اور اس سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس داستان میں اورنگ زیب جیسے بادشاہ کو اس کے مظالم سے آگاہ کرتا ہے جس طرح اکثر بزرگوں اور شاعروں نے اپنی تصانیف میں سلاطین کو نصیحت کی ہے اور جس زمانے میں بھی انہوں نے زندگی گذاری ہے مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور اپنی تاریخی رسالت سے صاحب اقتدار حضرات کو ظلم کے نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ اس داستان میں ظالم بادشاہ کی داڑھی کا بھی بیدل نے مذاق اڑایا اور اس کے ظاہری جاہ وجلال کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے دوسرے طبقہ

یعنی رعایا کی طرفداری کی ہے۔ بیدل ظلم وستم کے انجام کو جس میں تباہی و بربادی اور زوال و انحطاط کے سوا کچھ نہیں ہے یاد دلاتا ہے اور اہل اقتدار کو آگاہ کرتا ہے کہ لوگوں پر ظلم و جبر کرنے سے باز رہیں کیونکہ اس نیلے آسمان کے نیچے میں نے نہیں سنا ہے کہ ظالموں کا محل ہمیشہ آباد رہا ہے لیکن اس دنیا میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ ہر ظالم کے کان اور آنکھ پر جہالت و نادانی کا پردہ ڈال دیا ہے اور وہ اپنی غفلت سے فرعون، نمرود اور چنگیز کے کیفر کو فراموش کر جاتا ہے۔

بیدل نے اس داستان میں جنگ کی شدت اور جنگی آلات کے استعمال کو جنگ و جدل اور نزاع کے مضامین سے الگ ہو کر بیان کیا ہے جو خود اس ادیب کا ایک مخصوص ہنر ہے۔

اس داستان ''کامدی و مدن'' میں بیدل دوسرے بزرگوں کی طرح تصوف و عرفان کے دشوار گذار اور پر مشقت مراحل کو استعارہ اور کنایہ کے لباس میں بیان کرتا ہے کہ ایک صوفی عاشق پر خدا اور اس کے خاص بندوں کی عنایتیں کس طرح ہوتی ہیں اور کس طرح اسے منزل مقصود تک پہونچاتی ہیں۔ کامدی اور مدن کے دوبارہ زندہ ہونے سے مقصد صوفی کا مقام فنا سے گذر کر دائرہ بقا میں داخل ہونا ہے۔ اس طرح کے واقعات کا انکار صوفیوں کے مسلک کا انکار ہے۔(۱۸۸)

اس کے بعد بیدل ''غنا'' کو موضوع بحث بنا کر کہتا ہے۔

صنع صانع اگر از فہم رساست　　آدمی جوہر اسرار غناست

انسان کی فہم اگر رسا ہے تو خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے کہ آدمی درحقیقت اسرار غنا کا جوہر ہے۔

بیدل کا کہنا ہے کہ کافی تلاش و جستجو کے بعد یہ نکتہ واضح ہوا ہے کہ آدمی چاہے جو پیشہ اختیار کرے اس کا مقصد اس سے ''غنا'' کا حصول ہی ہوتا ہے۔

تاجر و عالم و شہ و درویش　　دارد آہنگ مقصدی درپیش

تاجر ہو یا عالم، بادشاہ ہو یا گدا، سب کے سامنے ایک ہی مقصد ہے۔

زان ہمہ بیقرای سودا　　مدعا نیست جز حصول غنا

اپنے اپنے پیشے میں مگن رہنے والوں کی ان تمام بیقراریوں اور جدوجہد کا مقصد حصول غنا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ غنا و بے نیازی روپے پیسے سے ہاتھ آتی ہے اس سلسلے میں وہ روپے اور اس کی اہمیت کی وضاحت کرتا ہوا کہتا ہے۔

زر محیطی است کز تموج او　　می برد ہر کس آبر و بسبو

روپیہ پیسہ ایک سمندر ہے جس میں جب لہریں اٹھتی ہیں تو ہر آدمی اپنے اپنے ظرف کے مطابق عزت و آبرو حاصل کرتا ہے۔

کشت عزت بجا صلش محتاج   بحر قدرت ز رشحہ اش مواج

عزت کی کھیتی اس کی پیداوار کی محتاج ہے قدرت کا سمندر اس کے تقاطر سے موج زن ہے۔

اسی وجہ سے آدمی پر روپے پیسے اور سونے چاندی کا ایسا نشہ طاری ہوتا ہے کہ اس کی خاطر علم کیمیا تک سیکھتا ہے جو ایک سراسر لغو اور بیہودہ کام ہے۔

کیمیا را بعزم حاصل آں   نتواں کرد شغل لہو گمان

اس روپے پیسے کے حصول کی خاطر کیمیا کو بھی لغو ولایعنی کام نہیں کہا جاسکتا ہے۔

یہاں بیدل ایک رومی کیمیا گر (سونے چاندی بنانے والے) کا قصہ بیان کرتا ہے۔ جس نے کافی دولت و ثروت حاصل کرنے کی غرض سے کیمیا گری سے متعلق دستیاب جملہ معلومات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن جب اپنے ملک میں اسے اس کام میں کامیابی نہ ہوئی تو دوسرے ملکوں کا دورہ کرنا شروع کیا جہاں جہاں سے گذرتا وہاں کے باشندوں سے پوچھتا اس علاقے میں کوئی انوکھی چیز بھی پائی جاتی ہے۔ جس آدمی کو جو کچھ معلوم ہوتا سب اس کو بتاتا تھا۔ لیکن کہیں بھی اس کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی پھر بھی لازمی قیمتی معلومات اس کے ہاتھ لگیں۔ بیدل کہتا ہے جو آدمی کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اگر عین وہ چیز اس کو نہ ملی تو بھی کم از کم بہت سی دوسری اہم چیزیں اس کے ہاتھ ضرور لگتی ہیں۔

سعی غواص در ہمہ حال   نکند مزد جستجو پا مال

غوطہ خوروں کی کوشش بہر حال تلاش وجستجو کی مزدوری تو دے ہی جاتی ہے۔

غرض رومی کیمیا گر کافی بھاگ دوڑ کے بعد جب جنوبی ملک پہونچا تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔ انتہائی تکان کی وجہ سے وہ آس توڑ بیٹھا اور ایک پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر رونے لگا۔ چند سالہ زحمتوں کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب جبکہ جسمانی طاقت جواب دے چکی ہے اپنی کوشش کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اسی کشمکش میں گرفتار تھا کہ ایک جوہری آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے اس کو انتہائی دکھی و پریشان دیکھ کر اپنی رام کہانی سنانے کو کہا۔ نیز یہ کہا کہ خاکسار کے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو اسے انجام دینے کے لئے حاضر ہوں۔ کیمیا گر نے جواب دیا ایک عرصے سے ایک چیز کی تلاش میں سرگرداں ہوں لیکن افسوس کہ ساری کوششیں میری رایگاں گئیں اور وہ چیز ہاتھ نہیں لگی۔ میری مایوسی نے میری یہ درگت کردی۔ اس کے باوجود امید کا دامن ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔

اس جواں آدمی نے بہت سے عجائبات کا اس سے تذکرہ کیا منجملہ اس کے ایک درخت تھا جو کبھی مرجھانا نہیں جانتا تھا اور نہ جڑ سے اکھڑ سکتا تھا، سدا ہرا بھرا رہتا تھا، موسم کے اختلاف سے اس میں

کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ یہ سن کر اس کی جان میں جان آئی، امید کی ایک کرن اس کے دل میں چمکی۔ رومی کیمیا گر جو اس وقت تک بوڑھا ہو چکا تھا اس کا شکر گزر ہوا اور کہنے لگا اس طرح کا محبت آمیز برتاؤ اگر تو میرے ساتھ نہ کرتا تو میں شاید اس دنیا سے انتہائی حسرت و یاس کے ساتھ رخصت ہو جاتا۔ غرض جوان نے اس کی اس درخت تک رہنمائی کی۔ بوڑھے کیمیا گر نے کہا تم نے میری اس مفت کی جنت کی طرف رہنمائی کی ہے تو میں تم سے راز کی ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں عرصہ سے اس بہشت صفت درخت اور اس کی خاصیت سے واقف ہوں اور اس سے فائدہ اٹھاتا رہا ہوں لیکن اب جبکہ موت کے دہانے پر پہنچ چکا ہوں اس فکر میں تھا کہ کوئی لائق آدمی نظر آئے جس کو یہ راز بتاؤں۔ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ وہ خوش نصیب آدمی تم ہی ہو۔

ایں زمانم یقین نقاب کشود   کاں ودیعت نصیب ذات تو بود

اس وقت میرے یقین نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا کہ وہ ودیعت تیری ہی نصیب میں تھی۔

اس سلسلے میں وہ اس جوان لڑکے کو ایسا کام انجام دینے کی ترغیب دیتا ہے جو سدا باقی رہے اور زمانے کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ سلسلہ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس نے ایک پودے سے اکسیر کشی کا عمل شروع کرنے کو کہا جو ایک بہت مشکل کام ہے اور جس کے لئے کافی عزم وحوصلہ درکار ہے۔

ہمتی کہ صنعت تدبیر   از گداز جسد کشد اکسیر

ایسی ہمت مطلوب ہے جو کسی تدبیر اور ٹکنک سے پودے کی جسمانی گداز سے اکسیر کشی کر سکے۔

من برانم کہ جسم خون شدہ را   برسانم بدستگاہ بقا

میں نے یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ خون شدہ جسم کو دوام عطا کروں اور اسے امر بنا دوں۔

رمز ایں پردہ آشکار کنم   خاک رہ را فلک غبار کنم

اس پردے کا رمز برملا بیان کروں۔ خاک راہ کو فلک غبار بناؤں (ادنی کو اعلیٰ مرتبے پر پہونچا دوں۔)

درخت پر اپنے کیمیکل کا تجربہ کر کے جوان کو ایک ایسے راز سے آگاہ کرنا چاہا جس کو اس وقت تک اس نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا اس طرح اس نے ایک یادگار کو دوام عطا کی۔

دہر تا جای علم و فن باشد   ایں عمل یادگار من باشد

زمانے میں جب تک علم وفن کا چرچا رہے گا یہ عمل میری یادگار کے طور پر باقی رہے گا۔ لیکن یہ عظیم کام چونکہ باہمی تعاون کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا اس لئے اس نے جوان کو تعاون کرنے کی ہدایت کی۔ جوان نے نہ صرف تعاون کا بلکہ اس کے حسب ہدایت کام کو انجام دینے کے لئے مکمل

آمادگی کا اظہار کیا۔ جوان نے جس جوش وخروش کے ساتھ تعاون کی پیش کش کی اس سے اس کیمیاگر کا حوصلہ بڑھا۔ کیمیاگر کے حسب ہدایت جوان نے پہلے تو درخت کو کاٹ کر اور جڑ و بنیاد سے اکھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کیئے، پھر اسے اس دیگ کے اندر جس میں تیل تھا ڈال کر آگ پر چڑھایا یہاں تک کہ درخت کا ہر ٹکڑا ایک دھات کی شکل میں دو سو مثقال کے وزن کے برابر ہو گیا، اس کے بعد بوڑھے کیمیاگر نے کہا کہ مجھے بھی اس دیگ میں ڈال دو پھر دیکھتے رہو جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ جوان نے اسے دیگ میں ڈال دیا جو صبح تک اسی طرح آگ پر ابلتا رہا۔

حاصل قصہ ان اطاعت کیش   ہر چہ فرمود کرد رفت از خویش

غرض اس فرمانبردار و اطاعت شعار جوان نے اس کے حسب ہدایت یہ کام انجام تو دیا مگر اس کے ہوش اڑ گئے۔

ہمہ شب تا تحیر داشت   کاین قیامت چہ برق غیرت کاشت

ساری رات حیرت واستعجاب کے عالم میں تاکتا رہا کہ دیکھئے یہ قیامت کس برق غیرت کو جنم دیتی ہے۔

اس بوڑھے کیمیاگر نے خود کو بھینٹ چڑھا کر جوان کو حیرت کا پتلا بنا دیا تھا۔ وہ جوان کیمیاگر عرصے تک ایک بدحواس آدمی کی طرح زندگی گذارتا رہا۔ آخر زندگی کی ضرورتوں نے اسے مجبور کیا کہ اس کی تکمیل کے لئے اس میں سے کچھ لے لے۔ جونہی وہ اس کا ایک عضو کاٹتا وہ پہلے کی طرح ہو جاتا جب لوٹ کر اس کی طرف آتا تو کسی بھی گوشے سے اس میں کوئی نقص اور کمی اسے نظر نہ آتی تھی۔ اس قدر ترقی اسے حاصل ہوئی کہ آخر مقام سلطنت تک جا پہونچا۔ اور جس قدر اس سے جود و کرم کرتا وہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ ایک دفعہ اسے خیال آیا کہ پہاڑوں کو کھود کر پرشکوہ عمارتیں اس کی جگہ بنائی جائیں لیکن چالیس سال کے بعد اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور سارے منصوبے یونہی دھرے رہ گئے۔

باہوس داشت صد جنون سودا   لیک نقد نفس نکرد وفا

ہوس میں سیکڑوں خبط اس کے سر پر سوار رہتا تھا لیکن نقد نفس نے وفا نہ کی۔

عمر وا ماندہ کار پیش نبرد   زندگی بار کوہ پیش نبرد

زندگی تھک کر بیٹھ گئی تھی اس لئے کام اب آگے نہیں بڑھ سکتا تھا اب اس میں پہاڑ کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہ تھی۔

بیدل کہتا ہے ''کیمیا حقیقت میں ''جود و کرم کی صفت'' کا نام ہے جس کی وجہ سے آدمی کبھی بھی طاق نسیاں کی زینت نہیں بنتا ہے

اینکہ گو پند اہل علم بہم   کیمیا گریکی است در عالم

یہ جو اہل علم حضرات بالاتفاق کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک ہی کیمیاگر ہوتا ہے۔

شخص دیگر ز جوہر عملش   نبرد بہرہ جز دم اجلش

دوسرا آدمی اس کے جوہر عمل سے اس وقت فائدہ اٹھاتا ہے جب وہ موت کے آستانے پر پہنچ جاتا ہے۔

ہم در اینجا نبرد فہم دقیق   گشت بی پردہ معنی تحقیق

فہم دقیق کو یہاں بھی صحیح راستہ نہیں ملا جبکہ معنئ تحقیق پوری طرح واضح ہو چکا تھا۔

صورت اصل کیمیا این بود   کہ نمایان شد از سرادق جود

کیمیا کی اصل صورت وہی ہے جو جود و کرم کے پردہ سے نمایاں ہوتی ہے۔

اس کے بعد کبریت (گندھک) اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کی ایک خصوصیت ''جنوں عرض نمو'' ہے یعنی اس کے اندر اپنی ہستی کی نمایش کا ایک زبردست خبط اور دیوانگی ہے۔

آن حقیقت کہ اصل طینت اوست   بیقرار جنون عرض نموست

وہ حقیقت جو اس کی اصل خمیر میں پوشیدہ ہے ''جنون عرض نمو'' کے تحت اس کی بیقراری ہے۔

شور شوقی باین صفت بلد است   کہ مزاج ظہور را مدد است

یہ شور شوق اس صفت سے آگاہ ہے جس سے نمود وظہور کے مزاج میں مدد ملتی ہے۔

نیست آں شوق در جہاں وفاق   جز بخار طبیعت آفاق

جہاں وفاق میں وہ شوق طبیعت آفاق کے بخار کے سوا کسی اور نام سے متعارف نہیں ہے۔

''جنوں عرض نمو'' صرف گندھک میں نہیں پایا جاتا بلکہ تمام مظاہر طبیعت عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ میں پایا جاتا ہے جس کو بیدل ''بخار طبیعت آفاق'' سے تعبیر کرتا ہے۔ جس کی بدولت ساری چیزوں میں چمک دمک، گرمی وحرارت اور رونق و بہجت نظر آتی ہے۔

نشود نام ایں بخار عیاں   غیر کبریت چو رسد بزبان

اس بخار کا نام جب زبان پر آتا ہے تو کبریت (گندھک) کے سوا کسی اور چیز میں واضح اور آشکار ہو کر نہیں آتا ہے۔ چاند اور سورج میں بھی وہی بخار موجود ہے جس نے دن کو منور اور روشن کر رکھا ہے۔

زین بخار است بی گمان روشن   در چراغان مہر و مہ روغن

سورج اور چاند اسی بخار کی بدولت روشن ہیں اور اس میں چراغاں کی کیفیت اسی روغن کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد گندھک کو طبیعت یا فطرت سے کس قسم کا رابطہ ہے اس کی وضاحت کرتا ہوا کہتا

ہے کہ اسی حرارت وگرمی کی وجہ سے مخلوق لطافت سے کثافت کی طرف منتقل ہوئی اور انسان چونکہ جامع ترین مخلوق ہے اس لئے اس کے اندر بھی وہی حرارت وگرمی اثر اندازی ہوئی ہے جو خاص طور سے کیمیا گری کی طرف اس کے رجحان سے واضح ہے۔

حدت اینجا ارادہ ازلیست　　آتش افروز کیمیا عملی است

یہاں (انسان) کے اندر جو حرارت وگرمی ہے وہ ایک ازلی ارادہ ہے وہ ایک ایسا کیمیا عمل ہے جو آگ کو روشن کرتا ہے۔

آدمی را طبیعت خلاق　　چون بسازد بزرگری مشتاق

آدمی کی تخلیقی طبیعت جب اسے زرگری کا مشتاق بنا دیتی ہے۔

شغل جزو ترابی انسان　　ناگزیر ست از تردد آن

شغل تو انسان کا خاکی تقاضا ہے جس کے لئے تردد کرنا ضروری امر ہے۔

کہ ندارد جہاں جسم و جسد　　جز ز کبریت احتمال مدد

کیونکہ جہاں جسم وجسد کو کبریت (گندھک) کے سوا کسی چیز سے مدد ملنے کا امکان نہیں ہے۔

اور چونکہ آدمی اس عمل میں اپنی خلاقیت کی صفت کا اظہار کرتا ہے اس لئے وہ اس پیشے کی طرفداری میں کہتا ہے۔

صنعت کیمیا برین تقدیر　　دارد ازنشہ دگر تاثیر

اس بنا پر کیمیا کی صنعت میں ایک اور شے کا اثر بھی ہے۔

ہوس خالقیت است اینجا　　فہم کن تا چہ نیست است اینجا

یہاں انسان کی خالقیت کی ہوس کارفرما ہے اور غور کرو تو یہاں کیا کچھ نہیں ہے۔

خاصہ عقل کیمیا سازی است　　شیوہ ہوش صنع پردازی است

خصوصیت سے کیمیا ساز کی عقل پر توجہ کیجئے جس کے اندر صنع پردازی کا ہوش ہے۔

عزم وارادہ وثابت قدمی وپائداری میں کیمیا گروں کو بادشاہوں سے تشبیہ دے کر ان کی اس طرح تعریف وتوصیف کرتا ہے۔

عزم شان عزم پادشاہان است　　میل شان میل کجکلاہان است

ان کا عزم وارادہ شاہانہ عزم وارادہ کی طرح ہے ان کا میلان طبع کج کلاہ لوگوں (سلاطین) جیسا ہے۔

بر مرادیکہ غیر مبہم نیست　　گر بسوزند خانمان غم نیست

جس مقصد اور منزل کا واضح تصور ہو اس پر اگر جان ومال اور گھر بار سب کچھ بھی لگا دیں تو فکر کی بات نہیں ہے۔

ہر کرا مدعا بلند افتاد　　در خم و پیچ این کمند افتاد

جس کا مقصد جتنا بلند ہوگا وہ اسی قدر اس کے پھندے کے خم وپیچ میں پھنسے گا۔

یہ تھا کیمیا گروں کی زندگی کا ایک پہلو جو واقعی قابل تعریف ہے لیکن دوسرا پہلو جس کی تنقیص و تقبیح ہونی چاہئے وہ ہے ان کی ہوس پرستی اور حرص کا جذبہ۔

اس سلسلے میں بیدل ایک انگریز تاجر کا قصہ بیان کرکے کہتا ہے کہ کیمیا گروں کا طبقہ اگر چہ بڑے عزم وحوصلے کا حامل ہوتا ہے پھر بھی یہ پیشہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کے حصول میں وقت صرف کیا جائے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ایک انگریز تاجر کے پاس اتنی ہی دولت تھی کہ اس کی مقدار کا صحیح اندازہ خود اسے بھی نہیں تھا اس کے باوجود اس سر پر ہر وقت کیمیا کا خبط سوار رہتا تھا۔ اس کے دوست احباب جتنی کوشش کرتے کہ اس کو اس نامناسب پیشے سے باز رکھیں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جیسے اس نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ چاہے جس طرح ہو اور جس قیمت پر ہو اسے سیکھ کر عملی شکل دے گا۔ اس نے اپنے حسب ارادہ کیمیا گری کا کام شروع کر دیا۔ گھر کا سارا اثاثہ اور سرمایہ اس میں لگا دیا اور بڑی محنت اور جانفشانی کی پر سارا سرمایہ اور کوششیں رائگاں گئیں اور وہ گوہر مقصود اس کے ہاتھ نہ لگا۔ اس کی تہی دستی اس حد تک بڑھی کہ نان شبینہ تک کا محتاج ہو گیا۔

گردش آخر سپہر یاس رواج　　چون مہ نو بنان شب محتاج

آسمان نے آخر اسے مایوس کر دیا اور ماہ نو کی طرح اسے نان شبینہ کا محتاج بنا دیا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں تمام تر حوصلہ رکھنے کے باوجود وہ اپنے کام کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا پھر بھی اس نے آس نہیں توڑی اور کوشش سے باز نہیں آیا۔ اس موقع کی مناسبت سے بیدل نے کیا عمدہ اشعار کہے ہیں۔

ہر کہ مقصود او غنا طلبی است　　ہمتش مست کیمیا طلبی است

جس کی زندگی کا مقصد حصول غنا ہوتا ہے اس کی ہمت کیمیا طلبی میں مگن رہتی ہے۔

مقصد اصلی غنا اینجا ست　　نشہ جام مدعا اینجا ست

اصلی مقصد یہی غنا ہوتا ہے جام مدعا کا نشہ یہی ہوتا ہے۔

ہر کہ بر عرش ہمتش گذراست　　رفعت عالمیش پی سپر است

جس کی ہمت کا گذر عرش پر ہوتا ہے اسے دنیاوی رفعت وسربلندی حاصل ہوتی ہے۔

جستجوی حقیقت نایاب　　می شگافد ز ہرچہ ہست نقاب

نایاب حقیقت کی تلاش و جستجو ہر اس چیز سے جو موجود ہے نقاب ہٹاتی ہے۔

لیکن کیمیا گری کے پیچھے جو اصل محرک ہے وہ ہے سونے چاندی بنانے کی فکر اور بیدل اسے ہوس پرستی و ہوس کوشی سے تعبیر کرتا اور اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔

فکر ایجاد زر ہوس کوشی است　　سعی بیحاصل جنون جوشی است

سونا بنانے کی فکر درحقیقت ہوس کوشی ہے لاحاصل کوشش جنوں جوشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

گر باین عزم بستن است احرام　　اول از عمر گیر فال دوام

اگر اس عزم و ارادے کا احرام لامحالہ باندھنا ہی ہے تو سب سے پہلے اپنی زندگی کی ابدیت کا فال نکال کر دیکھو۔

اس طرح عمل کیمیا گری سے ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اس لئے اپنی عمر عزیز کے قیمتی اوقات کو اس کے حصول میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

نیست با این دو روزہ وہم وخیال　　کیمیا غیر خجلت اعمال

اس دو روزہ وہمی اور خیالی زندگی میں کیمیا اپنے اعمال پر پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کیمیا کے مقابلے پر بیدل علم سیمیا سیکھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اگر اقبال آرزو دارید　　سیمیا را غنیمت انگارید

اقبال وعروج کی تمنا ہے تو سیمیا کو غنیمت سمجھو۔

سیمیا کیا چیز ہے بیدل اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

سیمیا در مراتب مقدور　　دارد انواع دستگاہ ظہور

سیمیا کا اپنے دائرہ اثر میں طرح طرح سے ظہور ہوتا ہے۔

بعضی از حرکت زبان علم است　　بعضی آن حاصل خط ورقم است

کچھ تو زبان کی حرکت کی بدولت معلوم ہوتا ہے کچھ تحریر کا ماحصل کہلاتا ہے۔

دلفریب است حسن پردہ درش　　زہرہ خیز است عالم صورش

پردے کو چاک کردینے والا اس کا حسن و جمال دلفریب ہے اور اس کا عالم صور و اشکال تازگی بخش اور مقوی ہے۔

اکثری زین حقایق معلوم　　بی نقاب است از نقوش رقوم

ان جانے پہچانے حقائق میں سے بیشتر ایسے ہیں جو تحریر کے نقوش سے بے نقاب ہوجاتے ہیں۔

وآنچہ زین حرف وشکل جلوہ گر است　　حرف مقصود و مطلب بشر است

اس حرف وشکل سے جو چیز سامنے آئی ہے وہ انسان کا مقصود و مطلوب ہے۔

کہ نفس موجد تجلی اوست　　چہرہ پرداز لفظ و معنی اوست

کہ سانس اس کی تجلی کو وجود بخشنے والی ہے اور اس کے لفظ و معنیٰ کے چہرے بنانے والی (نمایاں کرنے والی) ہے۔ سیمیا درحقیقت بہ قول ناظم الاطبا ''علم طلسم'' کا نام ہے جس کے ذریعہ روح کو دوسرے کے جسم میں منتقل کرتے ہیں اور جس شکل میں چاہتے ہیں اسے لاتے ہیں اور ایسی وہمی چیزوں کو نگاہوں کے سامنے پیش کرتے ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا ہے۔''(۱۸۹) لیکن بیدل نے اس کو کسی ایک مخصوص مفہوم میں محدود نہیں کیا ہے۔ اس کے نزدیک سیمیا تمام عملیات کو شامل ہے جو جنون کو حاضر کرنے وغیرہ سے وابستہ ہیں اس کے اندر عزائم، تعویذ اور نقوش سب چیزیں داخل ہیں۔

چنانچہ اسی قسم کے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے۔

ذکر آن شخص کہ از فطرت پست　　گنجش آمد بکف و داد از دست

اس آدمی کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کے ہاتھ خزانہ لگا مگر اپنی پستی فطرت کی وجہ سے اسے گنوا بیٹھا۔

ایک آدمی ایک دریا کے کنارے بیٹھا پانی پر نقش بنا رہا تھا۔ اچانک اس کی انگلیوں سے ایسا نقش بنا جس کے نتیجے میں دریا سے ایک آدمی نکلا اور بولا کیوں اس بیہودہ اور لایعنی کام میں مشغول ہو۔ جیسے ہی وہ غائب ہوا اس نے دوسری بار پھر وہی نقش بنایا پھر وہی آدمی نمایاں ہوا اور وہی سوال دہرایا پھر نظر سے غائب ہوگیا اس نے تین چار بار اس عمل کا تکرار کیا۔ جب اپنے دوستوں کے پاس جاکر اس نے ساری رام کہانی سنائی تو انہوں نے اسے وہمیات اور خرافات پر محمول کیا۔ آخر ایک استاد کے پاس پہونچا۔ استاد نے کہا وہ موکل تھا جس کو تو نے ہاتھ سے دیدیا۔

بیدل اس واقعہ سے ثابت کرتا ہے کہ ہر نقش کا ایک اثر ہوتا ہے اور وہ ایک مخصوص مفہوم کا حامل ہوتا ہے۔

پس درین کار خانہ نیرنگ　　دارد اشکال صد ہزار آہنگ

اس ''کارخانہ نیرنگ'' میں شکلوں کی لاکھوں آہنگیں ہوتی ہیں حتی کہ نقش سلیمانی جو جنوں کو اپنے قبضے میں کرتا تھا اس میں بھی نقوش کے اثرات تھے۔

زین صفت فطرت سلیمانی　　کرد قدرت بخاتم ارزانی

اس طرح سلیمانی فطرت نے انگوٹھی کو توانائی بخشی۔

بیش ازین وصف نقش نتوان کرد　　کز اثر دیورا سلیمان کرد

نقش کی اس سے زیادہ تعریف نہیں کی جاسکتی کہ اس کے اثر سے سلیمانؑ نے دیو کو اپنے قبضے میں کرلیا۔

در نفس نغمہ هاست بی تکرار　　کیست محرم نوای این اسرار

سانس سے ایسے نغمے ابھرتے ہیں جن میں تکرار نہیں ہے لیکن ان اسرار کا محرم کون ہوتا ہے۔

اس دنیا میں جو بھی کھلی اور چھپی یا سیاہ وسفید چیز نظر آتی ہے سب اسی عمل سیمیا کا نتیجہ ہیں۔

بی غبار خیال وہم و گمان　　نیست پوشیدہ از یقین نظران

''یقین نظر'' یعنی مومنوں کی نظر سے بے وہم وگمان یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

کہ بہ ہر آنچہ از خفی وجلی است　　وضع نیرنگ سیمیا عملی است

کہ زمانے کے اندر جو خفی اور جلی ڈھکی اور کھلی چیزیں نظر آتی ہیں سب عمل سیمیا کی نیرنگیوں کا نتیجہ ہیں۔

از ازل این صفت نمودار است　　سیمیای قدیم درکار است

یہ صفت ازل سے ہی نمایاں ہے قدیم سیمیا سرگرم عمل ہے۔

ہرچہ گل کرد از سپید و سیاہ　　می کند از ہمیں عمل آگاہ

جو بھی سیاہ وسفید چیزیں نمودار ہوئیں سب اسی عمل کی نشاندہی کرتی ہیں حتیٰ کہ اگر خود آپ اپنی ذات سے غافل نہیں ہیں تو محسوس کرسکتے ہیں کہ سیمیا کے نقوش اور اس کی چھاپ ایک حد تک ہماری شخصیت پر بھی ہے۔

نقش ماہچنان ز پردۂ راز　　بخیالات می دہد آواز

ہماری شخصیت کے نقوش بھی اسی طرح راز کے پردے سے خیالات کو آواز دے رہے ہیں۔

گر جہولیم و گر خرد کاریم　　یکقلم نقش سیمیا داریم

ہم چاہے جاہل مطلق ہوں چاہے عقلمند کسی نہ کسی حد تک سیمیا کے نقوش ہمارے اندر ہیں۔

شش جہت حکم غیب قدرت ذاست　　پس جہان غیر سیمیا چہ بلاست

چاروں طرف حکم غیب قدرت الٰہی کا نمائندہ اور ترجمان ہے لہٰذا دنیا سیمیا کے سوا کس بلا کا نام ہے۔

حتیٰ کہ بلقیس کا تخت جو سبا سے حضرت سلیمانؑ کے دربار میں پہونچا تھا وہ درحقیقت اسی علم سیمیا کی کرشمہ سازی کا نتیجہ تھا۔ اس موضوع پر بیدل نے چہار عنصر میں ''اثر سخن'' کے عنوان سے بحث کی ہے۔ اس لئے اس کا تذکرہ پانچویں باب ''بیدل کے افکار وخیالات'' میں ہوگا۔

بالیسر کے ایک نادار شخص کا قصہ:

اسی سلسلے میں بیدل ایک اور آدمی کا قصہ بیان کرتا ہے جس کا نام اگرچہ ''غنی'' تھا پر حقیقت میں وہ تہی دست تھا۔ بیدل کی اس سے ملاقات بالیسر کے بندرگاہ میں ہوئی تھی جو صوبہ اڑیسہ میں واقع ہے اور ان دونوں کے بیچ دوستانہ روابط قائم ہوگئے تھے۔

مفلسی در نواح بالیسر　　دست بیکار داشت وقف کمر

بالیسر کے اطراف ونواحی میں ایک مفلس تھا جو بیکاری کی وجہ سے ہاتھ کمر پر ٹیکے رہتا تھا۔

بیدل از محرمان رازش بود　　چندی انباز سوز و سازش بود

بیدل اس کے محرم راز احباب میں شامل تھا کچھ دنوں اس کے خوشی وغم میں شریک رہا۔

غنیش نام و لیک پر ناکام　　دستگاہش ہمان عبارت نام

اس کا نام اگرچہ ''غنی'' تھا لیکن قسمت کا نہایت ہی تنگ اس کے پاس صرف بات کرنے کی صلاحیت تھی۔

غرض کہ وہ غنی ایک درخت کے سایہ تلے زندگی گذارتا تھا، وہاں اسے کچھ آرام وسکون نصیب ہوا۔ اس مناسبت سے بیدل نے درخت کی اہمیت اور اس کے فوائد کا تذکرہ نہایت دلکش انداز میں کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ غنی نے بیدل سے اپنی رام کہانی بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک دن میں اس غربت وافلاس کے عالم میں بیٹھا تھا کہ ایک جوانمرد ادھر سے گذرا۔ میری خستہ حالی دیکھ کر اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہاں بندرگاہ پر بہت سے ماہی گیر اور تاجر بڑے بڑے فائدے اٹھا رہے ہیں اور مال کما رہے ہیں اور میں بدنصیب نان شبینہ تک کا محتاج ہوں۔ اس جوان نے ایک کتاب جیب سے نکال کر مجھ کو سنانا شروع کیا۔

کہ جہاں مکتب خیالات است　　صفحہ گردان رنگ حالات است

کہ دنیا افکار وخیالات کا ایک مکتب ہے جو لوگوں کے حالات وکیفیات کے ورق پلٹتی رہتی ہے۔

تاتوان درسی از تماشا خواند　　اندکی رنگ بایدت گرداند

جب تک یہاں تماشا دیکھا جاسکتا ہے تھوڑا سا تجھے بھی اپنا رنگ بدلنا چاہئے۔

کمر جستجو نساختہ چیست　　نہ نشستہ است نقش کار دُرست

تو نے تلاش وجستجو پر اپنی کمر ہمت کیوں نہیں باندھی تیرے کام کاج کا ڈھنگ صحیح نہیں ہے۔

گر وطن کلفت آورد سفری　　آشیان تنگ شد کشاد پری

وطن میں آدمی کو پریشانی لاحق ہو تو اسے سفر کرنا چاہئے۔ آشیاں (گھونسلہ) اگر تنگ ہوگیا ہو

پر پھیلاؤ۔ (گھونسلہ جب چڑیا کیلئے باعث تنگ ہو جاتا ہے تو وہ پر پھیلا کر اڑنے لگتی ہے۔)

هیچکس را گریز ازین درنیست   بی تلاش آرزو میسر نیست

کسی کو اس درواز سے فرار ممکن نہیں۔ تلاش وجستجو کے بغیر انسان کی آرزو پوری نہیں ہوسکتی۔

زین مکان گر تو هم قدم سپری   پر قریب است کوه نیل گری

یہاں سے نکل کر اگر تم باہر جاؤ تو قریب ہی میں نیل گری کا پہاڑ ملے گا۔

اس نوجوان نے کہا غربت وافلاس کے پنجے سے نجات حاصل کرنے کے لئے وطن کو خیرباد کہ[و] اور نیل گری پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں ایک دیوار ہے اس کے گیٹ پر ایک روشن چہرہ دربان کھڑا [ملے] گا۔ اس کو میرا سلام کہنا۔ وہ تجھے اس احاطہ کے مالک کے پاس لے جائے گا یہ خط اسے پیش کر دینا اور زبان سے کچھ نہ کہنا۔

اس جوان کے حسب ہدایت میں راستے پر چل پڑا جب حصار کے احاطہ کے پاس پہونچا تو ایک بوڑھے آدمی سے میری ملاقات ہوئی۔ خط اس کے حوالے کیا، وہ بادشاہ کی خدمت میں لے گیا، وہاں بادشاہ کے خادموں نے میری بڑی تعظیم وتکریم کی، شاہی خلعت پہنائے۔ اس وقت میری وضع قطع اتنی اچھی لگ رہی تھی کہ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کیا یہ خواب ہے یا حقیقت ہے۔

محو بودم که صورت این حال   گل خوابست یا جنون خیال

مجھے یہ خیال دامن گیر تھا کہ یہ صورت حال ''گل خواب'' ہے یا ''جنون خیال'' ہے (یعنی یہ کہ خواب وخیال کی باتیں تو نہیں ہیں۔)

هر طرف چشم بازمی کردم   تکیه بر دوش ناز می کردم

جدھر آنکھ کھول کر دیکھتا ناز ونعمت کے کاندھوں پر میرا تکیہ ہوتا۔ دوست احباب کے ساتھ داد عیش دیتا اور طرح طرح کا آرام وراحت اور خوشی ومسرت مجھے حاصل تھی۔ ایک دن حاضرین مجلس میں سے ایک آدمی نے تازہ میوہ مجھے پیش کیا۔ میں نے اسے کھالیا اور یہ سمجھا کہ وہی میوہ میرے لئے زوال کا سبب ثابت ہوگا۔

بر گرفتم ز تر دماغی جام   لیک غافل که دور گشت تمام

کیف وسرور کے عالم میں میں نے جام تو اٹھا لیا پر خبر نہ تھی کہ یہ دور آخری ہے اس کے بعد سلسلہ ختم ہے۔

وہ ساری شان وشوکت، جاہ وحشمت، عیش وراحت سب ایک دم سے خواب وخیال بن گئی۔

رفت اقبال وجاه و رونق و بخت   خاک ادبار ماند و پای درخت

وہ جاہ وحشمت، عروج واقبال اور رونق وبہجت سب رخصت ہوگئی۔ اب تو پستی وادبار کی خاک رہ گئی تھی اور درخت کی جڑ۔ پھر اپنی پچھلی حالت کی طرف لوٹ گیا ہوں۔

کالوطاق کے ایک مالدار کا قصہ:

اسی سلسلے میں وہ کالوطاق (بنگال) کے دولتمند آدمی کا قصہ بیان کرتا ہے۔

ذکر آن مرد که در کالوطاق   گشت ماهش کلف اندود محاق

کالوطاق کے اس آدمی کا قصہ جس کے چاند میں گہن لگ گیا

لگتا ہے کہ مرزا قلندر کے سفر بنگال کے وقت بیدل اس کے ہمراہ کالوطاق تک گیا ہے۔ کالوطاق کہاں ہے؟ کلکتہ کے بعض احباب سے دریافت کیا تو وہ نہ بتا سکے بعض نے کلکتہ کا اصلی نام کالی گھاٹ بتایا۔ انگریزوں نے اسے کلکتہ کر دیا۔ ہوسکتا ہے کہ کالی گھاٹ کو اورنگ زیب کے زمانے میں کالوطاق کہتے ہوں یہ واقعہ اس نے وہاں کسی کی زبانی سنا ہے۔ غرض کہ ایک ثروتمند آدمی نے جو گردش زمانہ سے مفلس ہوگیا تھا اپنی غربت سے تنگ آکر وطن کو خیرباد کہنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور وہاں سے کسی اور علاقے کی طرف فرار کر گیا۔ اس سلسلے میں بیدل روٹی کی اہمیت پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالتا ہے۔

آدمی را بعالم امکان   نیست چیزی ضرور تر از نان

انسان کے لئے اس دنیائے امکان میں روٹی سے زیادہ اہم اور ضروری کوئی چیز نہیں ہے۔

شخص هستی اگر دکان دارد   مایه از دستگاه نان دارد

وجود کی حیثیت اگر دوکان کی فرض کریں تو روٹی اس کے لئے سرمایہ اور پونجی کی حیثیت رکھتی ہے۔

خواه زر خواه مال خواهی گنج   نان گل زندگیست باقی رنج

چاہے سونا ہو چاہے مال، چاہے خزانہ کچھ بھی ہو روٹی ہی گل زندگی ہے باقی سب رنج والم اور تعب ومشقت کے سوا کچھ نہیں۔

آنچه بی او بقا نیاید راست   در حقیقت ذخیرهٔ نان است

جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا حقیقت میں وہ روٹی ہی کا ذخیرہ ہے۔

غرض اس کی غربت نے اسے دریوزہ گر بنا دیا۔ ایک دولتمند کے دروازے پر پہونچ کر اس نے صدا لگائی لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملا، اس نے دوبارہ آواز لگاتے ہوئے کہا کہ تم جیسے دولتمند کو زیب نہیں دیتا کہ فقیر کو اپنے دروازے سے محروم واپس کرو۔ دروازہ کھلا۔ دربان نے اسے اس باغ کا راستہ دکھایا جہاں وہ مالدار شخص بیٹھا تھا۔ مالدار نے فقیر سے کہا۔

که دمی چند کام راحت گیر   سیر این باغ مفت فرصت گیر

تھوڑی دیر سستالو اور اس باغ کی سیر کرو۔اس کے بعد اسے علم سیمیا سکھایا۔فقیر نے اس کے حسب ہدایت سارے امور انجام دیئے اور جب وہ مطلوب چیز تیار ہوگئی تو عام لوگوں کو دعوت دی کہ ہر آدمی اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس میں سے اپنا حصہ لے، انہیں میں یہ فقیر بھی تھا۔

این گدا هم ز نزل شکل انگیز   کرد کشکول آبرو لبریز

اس فقیر نے بھی ضیافت کی اس نوعیت سے اپنا کشکول آبرو بھر لیا۔

نعمتی مست لذتش گرداند   که زبان محولب مکیدن ماند

نعمت نے اسے لذتوں میں ایسا مست کر دیا کہ زباں ہونٹ چاٹنے لگی۔اس کے بعد اسے نصیحت کی کہ جب بھی غنا کی ضرورت محسوس کرو یہ درہم تمہارے لئے کافی ہوں گے۔

اگرت آرزو غنا هوس است   این دراهم کفاف عمر بس است

اگر تمہیں تونگری وغنا کی خواہش ہو تو یہ دراہم زندگی بھر کے لئے کافی ہوں گے۔

ور رموزات غیب خواهی فاش   غافل از فیض این فتیله مباش

اور اگر غیب کے رموز سے پردہ اٹھانا چاہو تو اس فتیلہ کے فیض سے غافل مت رہنا۔

هر چراغی کز و شود روشن   پر توش صنع حق کند خرمن

اس فتیلہ سے جو چراغ روشن ہوتا ہے اس کی جھلک خدا کی قدرت کو ایک خرمن بنا دیتی ہے۔

وہ مفلس وقلاش آدمی کافی مال و دولت اور سیمیا کا علم لے کر وطن واپس ہوا اور اس عمل سے اس نے اتنی دولت اکٹھی کی کہ سختی اور تنگی کے دنوں کی یاد بھی اس کے صفحۂ ذہن سے محو ہوگئی۔

محو گردید از دل درویش   که دودم پیش ازیں چه داشت به پیش

فقیر کے صفحۂ دل سے یہ بات محو ہوگئی کہ دو لحہ پہلے اس کے پاس کیا تھا۔

ایک دن گاڑی بانوں نے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک تالاب واقع ہے جہاں طرح طرح کے پرندے چہکتے نظر آتے ہیں۔ان کے ساتھ وہ بھی ان کا شکار کرنے کے لئے جانے کو تیار ہوگیا۔شکار کے بعد اس نے ایک بزم طرب ترتیب دی اور عیش وطرب کے سارے سامان اس میں مہیا کئے۔صبح کو جب خواب سے بیدار ہوا تو سارے اسباب عیش ونشاط کا کہیں کوئی نشان پتہ نہ تھا۔

اس قصے میں بیدل قارئین کو اس نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ سلاطین جو اپنی قوت وسلطنت کے بل پر اکثر ناز ونخرے کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ عروج واقبال سدا قائم رہنے والی چیز نہیں ہے گردش روزگار سے اس میں انقلاب آتا رہتا ہے۔

بادشاهان ز ساز افسر و تخت   ناز دارند بر مدارج بخت

سلاطین تاج وتخت کے بل بوتے اپنی قسمت کی بلندیوں پر ناز کرتے ہیں۔

لیک تغییر رنگ این آثار   نیست غیر از ندامت ادبار

لیکن عروج واقبال کے ان آثار میں جو انقلاب آتا رہتا ہے اس سے زوال وادبار کی ندامت و پشیمانی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔

دولت آنست کز شکست حشم   نخورد پایه غنا برهم

دولت واقبال دراصل وہ چیز ہے کہ جاہ وحشم کے خاتمہ کے بعد بھی قائم رہے اور غنا کی بنیاد درہم برہم نہ ہو۔

نقش تاسع ہمت: (نویں نقش ہمت)

بیدل منظوم عنوان "نقش تاسع کہ ہمہ علم وفنون آمداز کارگہ عقل بروں"، نقش نہم کہ جملہ علوم وفنون کارگاہ عقل کے رہین منت ہیں کے تحت بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ سب ہمت کے ممنون ومرہون ہیں۔دنیا ساری کی ساری ہمت کی امتحان گاہ ہے جب ہمت کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو ساری چیزیں اپنے سے کمتر نظر آئیں۔

که جهان جوش جوهر فرد است   امتحانگاه همت مرد است

کہ دنیا جوہر فرد (جوہر یکتا اور بے نظیر موتی مراد بے نظیر آدمی) کے جوش وابال کا نام ہے یہ انسان کی ہمت کی آزمائش گاہ ہے۔

تا رموز همم شگافته ام   همه را پست خیز یافته ام

جب سے ہمت کے رموز کا میں نے سراغ لگایا ہے سب کو اپنے سے کمتر پایا ہے۔

هر کس اینجا بخود فرومانده است   کم کسی بال همت افشانده است

ہر آدمی اپنی ذات میں سمٹ کر پست ودرماندہ اور عاجز وبیچارہ ہوگیا ہے۔بہت ہی تھوڑے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی ہمت سے بازوؤں کو حرکت دی ہے۔

این تردد که ما و من دارد   در فروماندگی وطن دارد

یہ ما ومن (ہم اور میں) جو تردد میں گرفتار ہے بیچارگی اور فروماندگی کو اپنا وطن سمجھے ہوئے ہے۔

اس بنا پر قناعت بیدل کے نزدیک پست ہمتی کی علامت ہے۔

فطرت پست قانع افتاده است   که ز معراج مانع افتاده است

پست فطرت آدمی ہی قناعت پسند ہوتا ہے جو اس کی پیشرفت اور ترقی میں رکاوٹ ہے۔

بیدل کی مراد اس قناعت سے علوم وفنون کے حصول میں قناعت ہے جو واقعی پست ہمتی کی علامت ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس نے دنیاوی اسباب میں قناعت کی تعریف کی ہے اور خود اسے اپنایا ہے۔ جیسا کہ کہتا ہے۔

با قناعت ساز گر حسرت پرست راحتی — بالش آرام گوہر قطرہ واری آبروست (۱۶۲)

غالباً اقبال نے بیدل کے اسی فلسفے سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاج تنگیِ داماں بھی ہے

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے — گذاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے (اقبال)

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے — آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

ہنگامہ ز بونی ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجئے اسے عبرت ہی کیوں نہ ہو (اقبال)

سلسلہ گفتگو کو دراز کرتا ہوا بیدل کہتا ہے کہ سارے علوم وفنون آئینے کی باہمی خراش کی ایک چمک کا نتیجہ ہیں یعنی جو علوم وفنون ہمیں دنیا میں نظر آتے ہیں یہ سب اس رگڑ کا نتیجہ ہیں جو لوگوں کے دلوں کے آئینے پر لگی ہے لیکن وہ اتنی ہی ناچیز اور معمولی تھی کہ اس کا رنگ بدستور باقی رہا۔ بیدل کہتا ہے اس رنگ کو دور کرنے کے لئے دل کی صیقل اور پولیشنگ کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے اہل علم وفن پست ہمت اور دون طبع ہیں کیونکہ یہ لوگ ادھر دھیان نہیں دیتے ہیں اور دل کی اہمیت کا پتہ نہیں لگاتے ہیں۔

آنچہ زین علم وفن معاینہ است — چشمکی از خراش آئینہ است

اس علم وفن کے جو مظاہر سامنے نظر آتے ہیں وہ آئینہ دل کی رگڑ کی ایک جھپکی ہے۔

رنگ آئینہ ہمچنان بر جاست — اینقدر رہا خراش چہرہ کشاست

آئینے کا رنگ اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے اتنی سی رگڑ سے تو صرف ذرا سا چہرہ کھلا ہے۔

علم و فن رشتہ گسیختہ است — کہ برونت ز پردہ ریختہ است

یہ علوم وفنون ٹوٹے ہوئے دھاگے کی طرح ہیں جس نے تجھ کو پردے سے باہر ڈال دیا ہے۔

یعنی از خویش غافلت دارد — با ہوسہا مقابلت دارد

یعنی خود اپنی ذات سے تم کو بے خبر اور لاعلم کر رہا ہے اور ہوس میں مبتلا کر رہا ہے۔

اور تجارت وزراعت حتیٰ کہ علم وحکمت اور علم سیمیا سب کو طائر ہمت کی پرواز سے کمتر درجے کی چیز سمجھتا ہے۔

پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہمت بلند اور عزم محکم کے شایان شان کیا چیز ہے؟ بیدل کے اس

آئیڈیل آدمی کی خصوصیات بیدل کی زبان سے سنئے۔

مرد باید کہ در جہان معاش — ہمتش نارسا نگردد فاش

آدمی کو چاہئے کہ معاش کی دنیا میں اس کی ہمت نارسا نہ ثابت ہو بلکہ ہمت سے کام لے کر اپنی معاشی حالت اچھی بنائے۔

سر ہمان بہ کہ گر بنرخ رسد — یا شود خاک یا بچرخ رسد

سر وہی بہتر ہے کہ جب اس کا بھاؤ لگے یا مٹی کی طرح بے وقعت ہو کر خاک میں مل جائے یا آسمان کی طرح وقیع ہو کر آسمان پر پہنچ جائے۔

ورنہ این سرکہ بار گردن ماست — از خیالات پوچ پا بہواست

ورنہ یہ سر جو ہماری گردن کا بوجھ بنا ہوا ہے اپنے لچر پوچ افکار و خیالات کی وجہ سے پا در ہوا بنیاد اور بے وقعت ہے۔

ہر کرا پایۂ طلب عالیست — غیر سعی کمال پامالیست

جس کی طلب کا پایہ بلند ہو کمال کے سوا کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔

گر تمنای جستجو باشد — باید آنشد کہ جملہ او باشد

اگر تلاش وجستجو کی ہی تمنا ہے تو اتنی کوشش کرو کہ سراسر وہ یعنی فنافی اللہ ہو جاؤ۔

عقل کل است اول و آخر — قدرت انشای باطن و ظاہر

اول وآخر "عقل کل" ہی ہے ظاہر وباطن کا قدرت انشا بھی وہی ہے۔

اعتبارش وجوب تا امکان — خواب و بیداریش نہان و عیان

اس کا اعتبار وجوب سے لے کر امکان تک رہتا ہے اس کا خواب و بیداری سب نہاں اور عیاں ہے

تا توان جام بحر پیمودن — ننگ جہد است موج وکف بودن

جام بحر کو جب تک نوش کیا جا سکتا ہے۔ موج وکف بنے رہنا جدوجہد کے لئے شرم وعار کی بات ہے۔

علم و فن شغل عالم جزئیست — طالب عقل باش اینہا چیست

علم وفن تو عالم جزئی کی مصروفیت ہے عقل کے طالب بنو ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے۔

عقل آئینہ ات کشد درپیش — تا کشائی نظر بمعنی خویش

عقل تیرے آئینے کو سامنے لا کر رکھ دیتی ہے تا کہ خود اپنے معنی اور باطن پر نگاہ ڈالو۔

اس سلسلے میں وہ ایک برہمن کا قصہ بیان کرتا ہے جو نور وجوب تک پہنچنے کی خواہش رکھتا تھا اور

اس آرزو میں اس نے سالوں زحمتیں اٹھائیں۔ اس موقع پر بھی بیدل نے ہمت اور جدوجہد سے متعلق بہت سے عمدہ اشعار کہے ہیں۔

نیست در وادی کمال حضور — عزم صدق طلب ز منزل دور

کمال حضور کی وادی میں طلب صادق کا عزم وارادہ منزل سے دور نہیں ہوتا ہے۔

مدعا گر ہمہ محال افتاد — ہمت از خویش می کند ایجاد

مقصد تک رسائی چاہے سراسر محال معلوم ہوتی ہو ہمت خود اپنی ذات سے وہ عزم پیدا کر لیتی ہے۔

ہر کجا جہد نار سا نشود — نیست لاینحلی کہ وا نشود

جدوجہد جب نارسا نہیں ہوتی تو ایسا کوئی لاینحل مسئلہ نہیں رہ جاتا ہے جو حل نہ ہو جائے۔

برہمن ایک پختہ عزم وارادے کے ساتھ راستہ طے کر رہا تھا کہ ایک دن اس کا گذر نہر کے پاس سے ہوا۔ اس نے غوطہ لگا کر اپنے وہم کے زنگ کو صاف کرنا چاہا جیسے ہی اس نے ڈبکی لگائی ایک نور ظاہر ہوا برہمن نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ نور نے کہا میں تیری تلاش وجستجو کا ثمرہ ہوں۔

گفت من مرد جستجوی توام — حاصل باغ آرزوی توام

اس نے کہا میں تیری تلاش وجستجو کا ثمرہ اور تیرے باغ آرزو کا حاصل ہوں۔

یعنی آن شخص ای خیال احرام — کز تو بردہ ات حسرتش آرام

یعنی اے خیال احرام! میں وہ شخص ہوں جس کی حسرت نے تیرا سارا سکون چھین لیا۔

برہمن نے کہا اس ''مکتب اوہام'' میں جو علوم وفنون بھی میں نے سیکھے وہ یقین کے آستانے تک میری رہنمائی نہیں کرتے اب تو تیرے سوا کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا جو منزل یقین تک میری رہنمائی کا فرض انجام دے۔

جز تو کس نیست در تصور من — کہ کشاید رہ تفکر من

تیرے سوا کوئی بھی میرے صفحہ خیال پر نہیں ابھرتا ہے جو فکر واندیشے کی راہ مجھے دکھائے۔

تب نور نے زیر لب تبسم کے ساتھ اس سے کہا کہ جب تو غسل سے فارغ ہو جائے گا تو خود ہی یقین کی منزل پر پہنچ جائے گا۔ برہمن نے اس کے حسب ہدایت اپنے کپڑے اتار کر ساحل پر رکھے اور پانی میں ڈبکی لگائی جس کی وجہ سے وہ ایک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو دیکھا کیا ہے کہ اپنے گھر میں انتہائی سخت بخار کی حالت میں پڑا ہوا ہے اور ساری تدبیر اور علاج کے باوجود اس کی بیماری جانے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ آخر اس بیماری میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے عزیزوں نے اپنے رسم ورواج کے مطابق اسے نذر آتش کر دیا۔ اس کی عورت بھی ستی ہو گئی، دونوں کی راکھ زمین

اور فضا میں بکھر کر نابود ہو گئی لیکن ہنود چونکہ تناسخ کے قایل ہیں اس لئے ان کا عقیدہ ہے کہ انسان چاہے مر کر مٹی ہو جائے پھر بھی وہ قیام کیلئے اپنے گھر ہی آتا ہے۔ اتفاق سے ایک بھنگن جو عرصہ سے بانجھ تھی اور ایک اچھی روح کی متمنی تھی جو لڑکے کی شکل میں اس کے بطن سے پیدا ہو وہ وہاں گئی، حاملہ ہو گئی اور ایک لڑکا اس سے پیدا ہوا۔ یہ پھول اگر چہ کوڑے پر اگا تھا مگر ناز ونعمت کے گہوارے میں پلا اور پروان چڑھا۔ جب سن بلوغ کو پہونچا تو ماں باپ نے اس کی شادی کر دی آدمی چاہے شاہ ہو یا گدا اس کی آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ دو دل کو ملا دے۔ اس مناسبت سے بیدل ازدواجی زندگی اور اس کی اہمیت وضرورت پر انتہائی دلکش انداز میں روشنی ڈالتا ہوا کہتا ہے کہ اس کی کامیابی بڑی حد تک شادی شدہ جوڑوں کے تعلقات میں میانہ روی پر موقوف ہے ورنہ ظاہر ہے ہر مرد وعورت کے رجحانات الگ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے لہذا ایسے دو افراد کے درمیان جن کے رجحانات الگ الگ ہوں، ہماہنگی، موافقت اور نبھاو پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک دوسرے کے جذبات کے سامنے حسن تفاہم، اعتدال ومیانہ روی کی روش اپنائے۔

عدل یکدل کن زن و مرد است — ورنہ ہر یک بطبع خود فرد است

اعتدال ومیانہ روی مرد وعورت کو یک دلا بنا دیتی ہے ورنہ ہر ایک اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

غرض شادی کے بعد اس کے یہاں چند بچے پیدا ہوتے ہیں اور ایک عرصہ تک آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کرتا رہا اچانک اس کی شریک حیات کا انتقال ہو جاتا ہے شریک حیات کے انتقال کا اس پر اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس مناسبت سے بیدل کہتا ہے کہ اس دنیا میں وصال و فراق اور نشاط وغم کا سلسلہ سدا ایک دوسرے کے تعاقب میں لگا رہتا ہے۔

دارد این نسخہ تسلسل کار — ورق وصل و ہجر بی تکرار

اس نسخہ تسلسل کار (دنیا) میں وصل وہجر کا ورق بغیر تکرار کے موجود ہے لیکن ایک مونس وغمگسار شریک حیات کی موت نا قابل برداشت اور جانکاہ المیہ ہے۔

ہمہ را اگر چہ مردنست بہ پیش — کس مبینا د مرگ مونس خویش

اگر چہ ایک دن سب کو اس دنیا سے کوچ کرنا ہے لیکن خدا نکرے کسی کو اپنے مونس وغمگسار کی موت سے سابقہ پڑے۔

شریک حیات سے محروم اس نوجوان کو قسمت کی یاوری سے کہیں کی حکومت مل گئی وہاں اسے ہر طرح کا عیش وآرام نصیب ہوا حتی کہ اپنی حور جیسی خوبصورت کنیزوں کے درمیان وہ اپنی شریک حیات

کی جدائی کا سارا غم بھول گیا۔ ایک دن رفع حاجت کی غرض سے وہ دریا کے کنارے گیا۔ دریا کے اس پار سے ایک بھنگی جو اسی کی برادری کا تھا اسے دیکھ کر پہنچان گیا اس کے پاس آیا، اس کی بے وفائی کا شکوہ کیا اور اُسے برا بھلا کہہ کر بولا کہ تیری شریک حیات اگر چہ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے پر تیرے لڑکے تیری توجہ کے مستحق تھے تو ان سب کو بھلا بیٹھا۔ اس جوان نے (جو اس وقت بادشاہ ہو چکا تھا) آہ و زاری کرنی شروع کی۔ اس اثنا میں محافظ دستہ اس کی خیریت لینے وہاں پہنچ گیا تو پتہ چلا کہ وہ بھی بھنگی ہے۔ پورے ملک میں کہرام مچ گیا کہ افسوس ایک بھنگی کو ہم نے اپنا راجہ بنالیا۔ یہاں بیدل ہندوؤں کی مختلف برادریوں کے درمیان رائج چھوت کی رسم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے اونچی ذات کے لوگ جیسے برہمن نیچی ذات کے لوگوں جیسے بھنگیوں اور مہتروں کے ساتھ انتہائی حقارت آمیز برتاؤ رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ برہمن چھوت کی بیماری سے پاک کرنے کے لئے خود کو آگ کی نذر کر دیتے ہیں۔

اس یہودی کا واقعہ جو معراج کا منکر تھا:

قصہ منکر معراج نبی | کہ چہ پیش آیدش از طبع نبی

یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو ایک دن اس کا تذکرہ آپ صحابہ کے درمیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے وہاں ایک یہودی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس واقعہ کا انکار کیا۔ خدائے تعالیٰ نے اسے ایسے حالات سے دوچار کر دیا کہ آخر اس واقعہ کی تصدیق کر کے وہ مسلمان ہو گیا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دن وہ یہودی غسل کے لئے دریا گیا۔ ڈبکی لگانے کے بعد اس نے خود کو دریا کے اس پار پایا۔ جب اپنے جسم کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مرد سے عورت بن چکا تھا۔ انتہائی ندامت و پشیمانی کے عالم میں پانی میں کھڑا تھا کہ اچانک ایک دھوبی وہاں سے گذرا۔ اس کے اضطراب اور بے چینی کو دیکھ کر اسے دریا سے باہر نکالا اور حالت دریافت کی یہودی نے یہ سوچ کر کہ اپنی مضحکہ خیز حالت کا تذکرہ اس سے کرنا مناسب نہیں ہے یوں بیان کیا کہ عرصہ ہوا میرا شوہر اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے میں اکیلی رہ گئی اس لئے بہت ہی رنجیدہ خاطر اور غمگین رہتی ہوں۔ دھوبی نے اس سے شادی کر لی دونوں نے مل کر زندگی گذارنی شروع کی اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے۔

آنچہ مقدور بود پیش آورد | بی تکلف بعقد خود آورد

جو چیز اس کے بس میں تھی یہی شادی کی پیشکش تھی چنانچہ بلا تکلف اس سے عقد کر لیا۔

طاقت پہلو انان ز عرصہ جہاند | پشتش آخر قضا بخاک رساند

اس کی ساری پہلوانی جاتی رہی اور تقدیر نے اس کی پشت زمین سے لگا دی۔

زد بخم زور دست رعنائی | رفت تنبان بخاک رسوائی

اس کے دست رعنا کا سارا زور پست کر دیا اور اس کا ازار بند خاک رسوائی سے آلودہ ہو گیا۔

مرد کو تا فروتنی نکند | چکند زن اگر زنی نکند

وہ مرد کہاں کہلا سکتا ہے جو فروتنی اور انکساری کی روش نہ اپنائے۔ عورت اگر زنی یعنی نسوانی خصوصیات کا اظہار نہ کرے تو پھر کیا کرے۔

گارزش صاحب معاملہ شد | چند روزی نرفتہ حاملہ شد

دھوبی نے اس سے ہمبستری کی ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ اسے حمل ٹھہر گیا۔

مدت حمل چون زہی سرکرد | نوبری از شگاف سر برکرد

حمل کی مدت جب پوری ہو گئی تو ایک نومولود عضو مخصوص سے پیدا ہوا۔

داشت ہر سال آں ندامت حال | رنج زائیدن و غم اطفال

ہر سال اسے یہ ندامت اٹھانی پڑتی تھی بچہ جننے کی تکلیف سہنی پڑتی اور بچوں کا غم برداشت کرنا پڑتا۔

شغل فرزند و خانہ داریہا | بروش از طبع ننگ خاریہا

بچوں کی پرورش اور گھر گرہستی نے اس کی طبیعت سے ذلت و خواری کا احساس ختم کر دیا۔

غرض سات سال اسی طرح بیت گئے۔ ایک دن وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک گھاٹ پر کپڑے دھونے میں مصروف تھا کہ اچانک صابون اس کے ہاتھ سے پھسل کر پانی میں گر گیا۔ اس کو نکالنے کے لئے پانی میں جو ڈبکی لگائی تو وہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور اپنی پچھلی حالت پر لوٹ آیا۔ اس کے کپڑے اور مٹکے سب وہیں موجود تھے۔ بچوں اور شوہر کی جدائی سے اسے اضطراب لاحق ہوا۔ دیوانگی اور برہنگی کے عالم میں وہ اپنے گھر پہونچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ اس کی عورت جس طرح اس کو چھوڑ کر گیا تھا اسی طرح آٹا گوندھ کر روٹی پکانے جا رہی ہے۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی بیوی نے کہا۔

کای جنوں فطرت این چہ رسوائی است | این چہ سامان خندہ پیمائیست

کہ اے جنونی آدمی یہ کیا ذلت و رسوائی اور ہنسی مذاق کا حلیہ بنا رکھا ہے۔ لیکن وہ اپنے بچوں کا نام لے لے کر روتا پھرتا تھا۔

ای جگر پارہ ہا کجا ماندید | کز من بینوا جدا ماندید

اے جگر کے ٹکڑو! کہاں رہ گئے مجھ بے نوا سے کیسے بچھڑ گئے۔

ایک عرصہ کے بعد جب بچوں اور شوہر کا خبط دھیما پڑا تو حسب سابق جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک ہفتہ کے بعد وہی دھوبی جو یہودی کا شوہر تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں بچوں کو ساتھ لے کر حاضر ہوا اور اپنی بیوی کے گم ہونے کا قصہ بیان کیا اور اس سلسلے میں آپ سے مدد کی درخواست کی۔

من و این طفلهای بی مادر   از طپش می کنیم خاک بسر

میں ہوں اور یہ بے ماں کی بچے ہیں مارے غم کے سر پر خاک اڑا رہے ہیں۔

زندگانی وبال ما شده است   آب ما آتش بلا شده است

زندگی ہماری وبال جان بن گئی ہے ہمارا پانی ہمارے حق میں آتش بلا بن گیا ہے۔ یہودی نے جب اس کی زبان سے یہ ماجرا سنا تو ایک دم سے اٹھا اور اپنے بچوں کی طرف لپکا۔

سوی طفلان دوید باخته هوش   سینه تاجیب صد هزار آغوش

حواس باختہ ہو کر وہ بچوں کی طرف لپکا اور سینے سے لے کر گریباں تک ہزاروں آغوش ان کے لئے وا کر دیئے۔

همچو پروانه پرفشان می گشت   بوسه می داد و گردشاں می گشت

پروانے کی طرح ان کے گرد منڈلانے اور ان کے بوسے لینے لگا۔

درد دل خاصه مسلمانی است   در یهود این چه فضل رحمانی است

درد دل تو مسلمانوں کی خصوصیت ہے یہودیوں میں یہ ایزدی فضل کہاں سے آ گئی۔ اس شعر پر حضور اکرم ﷺ کا ایک قصہ یاد آیا۔ ایک دفعہ آپ حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو گود میں لے کر پیار کر رہے تھے کہ ایک بدو نے جو آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہنے لگا کہ ہم تو اپنے بچوں کو اس طرح پیار نہیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ خدا نے تیرے دل میں رحم کا جذبہ نہیں رکھا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

شد اشارت ز حضرت ستار   که ادب محرمیست لب بفشار

حضرت ستار یعنی خدا کی طرف سے یہ اشارہ ملا کہ ''ادب محرمی'' ہے یعنی جو خدا اور رسول کے مراتب کا پاس و لحاظ رکھ کر گفتگو کا انداز اختیار کرنا چاہے اپنے ہونٹ بند کر لے۔

از حدیث پیمبر انکارت   کرد با این ادب خبر دارت

پیغمبر کی بات سے تیرے انکار نے تجھ کو یہ ادب سکھایا ہے۔

تا نگشتی باین صفت موصوف   بر تو معراج ما نشد مکشوف

جب تک تو خود ان اوصاف سے متصف نہ ہوا ہماری معراج کا راز تجھ پر منکشف نہ ہوا۔

صفحه از نقش نیک و بد ساده است   نظرت بر خط خود افتاده است

صفحہ ذہن نیک و بد کے نقوش سے خالی ہے لیکن تیری نظر خود اپنے ہی خط پر محو ہے۔

دست این جمله گیر و هیچ مگو   محو حق باش و تاب پیچ مگو

آپ ﷺ کا ہاتھ ان امور میں تھام لے اور کچھ مت بول اپنی ہستی کو خدا میں محو کر دے اور کسی پیچ و تاب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

عاقبت آن جهود دست بدل   کرد ایمان معرفت حاصل

اس یہودی نے آخر دل پر ہاتھ رکھ کر ایمان کی معرفت حاصل کر لی۔

استاد سلجوقی لکھتے ہیں:

برہمن اور یہودی کے قصے جو ایک سلسلہ مضمون میں اُس نکتہ سے مربوط ہیں جو ابتداء کتاب میں بیان کیا گیا تھا ''ما ہمہ خیالات شخص یکتائی می باشیم'' ہم سب ایک واحد ہستی کے خیالات ہیں اسی کے ساتھ بیدل زمانے کی نسبت کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتا ہے یہ نسبت زمانی جن کے بابت البرٹ آئین اسٹائن بھی کہتا ہے کہ ایک دن روشنی کی سرعت دنیا میں روی زمین پر اس کی زندگی کے تقریباً دو ہزار سال کے برابر ہے۔

بعض لوگ جو ریالزم (حقیقت پسندی) کا بلند بانگ دعوی کرتے ہیں ممکن ہے ان کو یہ قصے پسند نہ آئیں۔ ایسے لوگوں کو تو میں سنا کرتا تھا جو اپنے دین دھرم میں تعصب رکھتے ہیں لیکن اب حیرت کے ساتھ ایسے لوگ مجھے نظر آ رہے ہیں جو اپنے فن میں تعصب رکھتے ہیں۔ یہ تعصب ہی ہے جس نے ریالزم کو آئیڈیالزم بنا رکھا ہے۔ انسان ایسا کوئی شعر نہیں دکھا سکتا جو سوفی صد ریابسٹ یا حقیقی ہوتی کہ تاریخ بھی سوفی صد حقیقی نہیں ہے۔ لیکن انسان کیا ایک ایسی نظم کہہ سکتا یا ایک ایسی فنی اور ادبی نثر لکھ سکتا ہے جس کی اندر مجاز مرسل یا مجاز تشبیہی یعنی استعارہ نہ ہو اور بالکل فطری بات ہے جہاں مجاز کا استعال ہو گا وہاں وہ چیز حقیقی نہیں رہ سکتی شیکسپیئر کہتا ہے ''چاند نے لہروں کی گلیوں کو روشن کر دیا'' کیا لہریں واقعی شہر ہیں اور اس میں گلیاں ہیں۔

نظامی نے خسرو شیریں کی کہانی کو منظوم شکل میں پیش کیا اور جامی نے زلیخا کی کہانی کو نظم کا روپ دیا اور دعویٰ کیا کہ میری کہانی میں بڑی حد تک ریالیزم (واقعیت پسندی) کی چھاپ ہے کیونکہ یہ کہانی قرآن سے ثابت ہے واقعہ یہ ہے ایک قصہ حقیقت کے چاہے جس درجے پر ہو اس میں شاخ و برگ نکلتی ہیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ بنا سنوار کر پیش کیا جاتا ہے شعر کی بنیادی خشت چاہے وہ نظم ہو چاہے نثر مثالی آئیڈیالیزم پر قائم ہے۔ دارا کا خون سے لت پت جسم ایک دردناک منظر ہو گا اگر ریالیزم

کی دنیا میں اسے پیش کیا جائے لیکن اگر فن میں خصوصیت سے جس کا فنکار نظامی ہو وہ بدصورت کو خوبصورت بنا کر پیش کرے گا۔ ریالیزم کو اگر فن سے نکال دیں تو اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے الکحل کو شراب سے نکال دیں اور پانی اور دوسرے مواد کو اس میں بدستور اسی طرح رہنے دیں۔ لیلی کی قد و قامت، ناز و ادا، چنک بھٹک، چشم و ابرو، خدوخال اور غازہ و پوڈر وغیرہ کو اس کے پیکر سے نکال دیں اور اس کے ہڈی کے ڈھانچے کو پیش کریں۔'' (۱۹۰)

استاد سلجوقی مرحوم نے برہمن اور یہودی دونوں کے قصے کو ایک ہی سلسلے کی کڑی تصور کیا ہے راقم السطور کو اس سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ برہمن کے قصے میں بیدل ہندوؤں کے عقائد کے مطابق تناسخ یعنی روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف انتقال سے وابستہ قصہ بیان کرنا چاہا ہے اور جیسا کہ لکھا گیا یہ عقیدہ بیدل کے خیال میں مکمل طور پر توہم پرستی پر مبنی ہے کیونکہ اس کا رواج صرف ہندوستان میں وہ بھی صرف ہندوؤں میں ہے اس عقیدہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو ساری دنیا میں اسکا رواج ہوتا۔

لیکن یہودی کے قصے میں بیدل زمانے کی نسبت دکھانا چاہتا ہے جیسا کہ درج ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

تا نگشتی باین صفت موصوف — بر تو معراج ما نشد مکشوف

جب تک خود اس صفت سے تم موصوف نہ ہو ہماری معراج کے راز کو نہیں سمجھ سکتے۔

رہی ریالیزم اور آئیڈیالیزم کی بحث تو ہمیں اس کے اندر پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جس آدمی کا توحید و رسالت اور آخرت پر یقین نہ ہو اور صرف عقل کو اپنا رہبر بنائے ہر اس واقعہ کو جو اس کی عقل و فہم کے خلاف ہو رد کردے گا مثلاً یہی واقعہ مسلمانوں کے حق میں ریالیزم پر مبنی ہے جبکہ مادہ پرستوں کے نزدیک آئیڈیالیزم پر مبنی ہے۔

جہد عاشر: (دسویں فصل)

جہد عاشر رجوع اشکال — تخمہ جمعیت تحصیل کمال

اشکال کا رجوع کرنا حصول کمال کی جمعیت کا تخم ہے۔

کے عنوان کے تحت بیدل انسان، عقل اور عرفان وغیرہ موضوع سے بحث کرتا ہے اس سلسلے میں وہ کہتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر عقل و دانش اور علوم و فنون کے باوجود اگر خود اپنی ذات کی سیرگاہ سے غافل ہے تو اس کی حالت نہایت افسوسناک ہے اسے چاہئے کہ سیر ذات کی طرف متوجہ ہو۔ اور یہ درس خاتم النبیین ﷺ نے دیا ہے۔

حیف ازینگونہ نشأ قابل — باشد از سیر گاہ خود غافل

ایسا نشہ قابل یا جو ہر قابل اپنی سیرگاہ سے غافل ہو بڑے افسوس کا مقام ہے۔

گر ہمہ رمز کائنات شگافت — آنکہ اسرار خود نیافت چہ یافت

جس نے ساری کائنات کے راز کھنگال ڈالے اور خود اپنے رازہائے سربستہ کا سراغ نہ لگایا اس نے کون سا تیر مارا۔

فاش گویم کہ این حقیقت کل — منکشف نیست جز بختم رسل

میں کھل کر واضح لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ اس حقیقت کل کو خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی واشگاف کیا۔

یا بر آنہا کہ امت اویند — پیرو نور ہمت او یند

یا ان حضرات نے کیا جو آپ کے امتی ہیں اور آپ کے نور ہمت کے پیرو ہیں۔

طالب آں کمال باید بود — بدر او را ہلال باید بود

اس کمال کی طلب کرنی چاہئے اس کے بدر کامل کا ہلال بننا چاہئے۔

در کمال آگہان عرش اساس — ہمت انیست مابقی وسواس

یہ ہمت عرش کی سی اساس رکھنے والے باکمال حضرات کے اندر ہی ہے باقی سب وسوسے ہیں۔

سچ پوچھئے تو مثنوی عرفان وفی انفسکم افلا تبصرون کی تفسیر ہے اور یہ حقیقت یعنی ''سیر عالم انفس'' جناب رسول خدا ﷺ کی بدولت ہم پر عیاں ہوا۔

اس کے بعد عقل کی نارسائی اور دل کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے جس کا تذکرہ دوسری مثنوی اور خود اس مثنوی میں بھی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی نے بالکل بجا لکھا ہے۔

''اس نظم (مثنوی) میں واقعی شاعر اپنے اوج کمال پر دکھائی دیتا ہے فی الواقع کثرت میں وحدت پیدا کرنا بے حد مشکل کام تھا لیکن شاعر نے شروع سے لیکر آخر تک بنیادی خیال کو ملحوظ رکھا اور کامیاب ہوگیا۔'' (۱۹۱)

مثنوی سادہ و پرکار:

ٹونک (راجستھان) کے ادارہ تحقیقات عربی و فارسی میں بیدل کی ایک نایاب مثنوی ''سادہ و پرکار'' کے ایک قلمی نسخے کا ابھی چند سال ہوئے پتہ لگا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں پٹنہ میں ''بیدل کانفرنس'' کے موقعہ پر اور ۲۰۰۳ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں ''بیدل کانفرنس'' کے موقعہ پر وہاں کے ڈائرکٹر صاحبزادہ

شوکت علی خاں صاحب نے اس موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا جو دلچسپ تو ہے ہی بیدل کی زندگی کی بعض گتھیوں کو بھی سلجھاتا ہے اگرچہ راقم السطور کو اس کے باقاعدہ مطالعہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوسکا ہے۔ بہرحال اس مثنوی کے بابت درج ذیل معلومات کی اساس شوکت صاحب کا مقالہ ہے۔

''اس مخطوطہ کے سرورق پر'' سادہ پرکار مثنوی فارسی از مرزا عبدالقادر بیدل'' کسی کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ یہ عبارت اس مخطوطے کے ترقیمے سے ماخوذ ہے جو کاتب مثنوی نے اس طرح رقم کیا ہے۔

''تمت تمام نسخہ سادہ پرکار من تصنیف میرزا عبدالقادر بیدل سلمہ اللہ البقاء۔''

ترقیمے کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب اگر مصنف نہیں تو مصنف سے عمر میں بڑے ضرور ہیں جنہوں نے اس سادگی اور بے تکلفی سے یہ ترقیمہ لکھا ہے۔ اس ترقیمے سے یہ امور تحقیق طلب ہیں کہ کیا یہ مثنوی بیدل کے قلم سے لکھی ہوئی ہے اور اگر ہے تو کس عہد کی نوشتہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر یہ مصنف کے قلم سے نہیں ہے تو اس کا کاتب کون ہے جو مصنف سے اس قدر قریب ہے۔

یہ نسخہ صحت متن کے لحاظ سے بہت اہم اور مصنف کی حیات کا معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ مصنف کے مطالعہ میں رہا ہو۔ اس میں کل ۱۵۶ صفحات ہیں۔ جن میں چھ صفحات سادہ ہیں، ہر صفحے میں سترہ سطریں ہیں۔ اس حساب سے اس میں کم وبیش ۲۷۵۰ اشعار ہیں۔ اس پر قدرت اللہ اور نعمت اللہ دو آدمیوں کی مہریں ثبت ہیں۔ اس مثنوی کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے شروع کے اشعار یوں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   مصرعہ موزوں کتاب کریم
مصرعہ برجستہ دیوان راز   شاہد دین را سیہ ابروی ناز
مشک فشاں گیسوی رخسار حور   ازلی کا شانہ دل شمع نور

اس کے بعد توحید دوم شروع ہوتی ہے پھر توحید سوم اس کے بعد ایک ورق سادہ ہے۔ اس سادے ورق کے بعد توحید ششم شروع ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے توحید چہارم اور توحید پنجم اس میں نہیں ہے توحید ہفتم کے بعد توحید ہشتم کا عنوان اس طرح دے رکھا ہے۔

''در توحید ہشتم در تصوف باری تعالیٰ عز اسم نعت مذکور است۔''

پھر چند صفحات کے بعد'' در توحید باری تعالیٰ'' اور اس کے بعد نعت دوم'' در ظہور اسرار دل می گوید'' شروع ہوتی ہے پھر'' صفت معراج''، صفت'' مودت ومحبت''،'' در صفت مطالب نغز گوید''، کے بعد ایک طویل حکایت کے عنوان سے تاج بادشاہی سریر شاہی عدل وانصاف، صولت وشوکت بادشاہی، اور گول کندہ کے ناقابل تسخیر و نارسا مقامات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس حکایت کے ساتھ ایک اور عنوان مرقوم ہے۔'' در صفت اسرار دل یافتن و مآل جمعیت حاصل شدن'' بعدہ ایک اور عنوان'' استفاضہ از

روح شیخ نظامی'' ہے جس میں مصنف نے خمسہ نظامی سے روحانی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ اس کے بعد'' صحبت پیر روشن ضمیر'' کے فیض قدس کا ذکر بڑے ہی والہانہ انداز میں کیا ہے لیکن اس پیر روشن ضمیر کا نام نہیں دیا ہے۔ اس کے بعد'' صفت بہار'' کے اشعار ہیں پھر ایک اور عنوان'' در تعریف سید عالی نسب والا حسب میر محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ'' ہے۔ اس قصیدہ میں ۱۳۱ اشعار ہیں جو سادات کے حقائق و معارف، علم و فقر اور عرفان و حکمت کے بیان پر مشتمل ہے۔ میر صاحب کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے بیدل اس کو انوری اور خجندی کا ہمپایہ بلکہ ان سے بھی بالاتر اور دلی کی آبرو قرار دیتا ہے اس کے علمی، ادبی و روحانی درجات کا نہایت خوبصورتی سے ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

پایہ عرفان ز و جودش رفیع   میر صفا کیش محمد شفیع

اخلاص کیش میر محمد شفیع کی شخصیت کی بدولت تصوف کا پایہ بلند ہے۔

چوں رہ دشوار پسند می زند   طعنہ بر اشعار خجندی زند

شاعری میں جب وہ کسی دشوار گذار راستے کو اختیار کرتا ہے تو خجندی کے کلام کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔

می رسدش وقت سخن گستری   مہر بلب بالفرج و انوری

جب وہ شاعری کرتا ہے تو ابوالفرج اور انوری جیسے عظیم شاعر بھی اس کے سامنے مہر بلب اور خاموش رہتے ہیں۔

یہ محمد شفیع وارد وہی شخص ہیں جس نے تذکرہ مرآت واردات لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک دیوان اور چار مثنویاں گلشن نیرنگ، مرآت فرخی، چمن دیدار اور ساقی نامہ نظامی گنجوی بھی ہیں۔

''مثنوی سادہ و پرکار'' کے خاص خاص عنوانات درج ذیل ہیں'' حکایت در تنبیہ اہل غرور، حکایت در بیان وفا بعہد، حکایت در صفت پادشاہ ابراہیم گوید، حکایت در تعریف سیم کیش کہ در اقلیم ہند، بود راست، حکایت پری چہرہ در نواح خراسان، حکایت در تعریف رو بہ بیاباں، حکایت در ظہور عشق گوید، حکایت در تعریف مطرب کہ ساکن بغداد بود، حکایت در توکل گوید، حکایت در تعریف سخن گوید، حکایت در تعریف عارف بالیدمی گوید، حکایت در تعریف نکتہ گذاراں صاحب عقول و محبت آں، حکایت در اویس قرنی، حکایت در تعریف نساج کہ صاحب پرہیزگار بودند، حکایت در تعریف والی بصرہ نیز می گوید، حکایت در تعریف راست گوئی و حکایت فی المعجزہ گوید، حکایت مالک دینار وغیرہ وغیرہ۔

ان عنوانات کے بعد آخر میں'' در خاتمہ گوید'' کا عنوان ہے، جس میں مثنوی کے خاتمہ پر اس کے عنوان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس خاتمے کے بعد ابتدا کے دو شعر اور وہ شعر جس سے اس مثنوی کا نام

ظاہر ہوتا ہے پیش کئے جاتے ہیں۔

خاتمہ گوید

بیدل ایں نامہ معنی سواد   محو سخن بندہ بیدل نہاد

خاکسار بیدل نے جو شعر و شاعری میں محو و مگن ہے اس نامہ معنیٰ سواد کی بنیاد رکھی۔

بود شبی انجمن آرای فکر   داشت سرگرم ز سودای فکر

ایک رات وہ فکر کی انجمن آرائی اور طبع آزمائی میں سرگرم تھا۔

گفت سخن سادہ و پرکار بہ   تاب کشی سبحہ و زنار بہ

بولا کہ سادہ و پرکار کلام بہتر ہوتا ہے۔ تسبیح اور جنیو کا تاب دینا بہتر ہے۔

مثنوی کے آخر میں اشعار اس طرح ہیں۔

شاد شود گر دل از گفتہ ام   جمع شود خاطر آشفتہ ام

میرے کلام سے اگر کسی کا دل خوش ہوتا ہے تو میرے خاطر آشفتہ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

لایق ایں نظم کہ جان پرور است   سامع ہر ناطقہ تحسین آور است

اس جان پرور نظم کو زیب دیتا ہے کہ ہر ناطق کی قوت سامعہ اس کی تعریف و توصیف کرے۔ (۱۹۲)

✪✪✪

رباعیات

بیدل ایسا عظیم شاعر ہے جس نے اپنی شاعرانہ لیاقت و صلاحیت کا مظاہرہ فارسی شاعری کے جملہ اصناف میں کیا ہے اگرچہ بعض اصناف میں دوسرے اصناف کی بہ نسبت کچھ زیادہ مہارت دکھائی ہے۔ مثنوی کے بعد اس کی رباعیات کو اس کے شاعرانہ کمالات کی جلوہ گاہ قرار دیا جا سکتا ہے جو کیا کمیت کے لحاظ سے اور کیا کیفیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ خوشگو لکھتا ہے: بیدل نے چار ہزار رباعیاں کہی ہیں اور اس سلسلے میں شاہ گلشن کا مقولہ نقل کیا ہے "رباعی گوئی حق اوست" (۱۹۳) رباعی گوئی تو اس کا حق تھا۔ اور شاید انہی وجوہ سے ڈاکٹر نورالحسن انصاری لکھتے ہیں:

"بیدل فارسی کے صف اول کے رباعی گو شعراء میں ہیں، رباعی میں بھی ان کی تخلیق کی مقدار دوسرے سبھی رباعی گو شعراء سے کہیں زیادہ ہے۔ بیدل کو سمجھنے کے لئے ان کی رباعیوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے... بیدل کے ہمعصران کی رباعی کے شیدائی اور مداح تھے۔" (۱۹۴)

لیکن ڈاکٹر انصاری کے اس خیال کے مقابلے پر صلاح الدین سلجوقی کا خیال ہے۔

"رباعیات بیدل باہمہ رفعت و ارتفاع خود باز ہم بہ پایۂ غزل اونمی رسد۔" (۱۹۵)

بیدل کی رباعیات اپنی تمام تر رفعت و بلندی کے باوجود اس کی غزل کے پائے کو نہیں پہنچتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

ا۔ بیدل غزل کا شاعر ہے۔ ۲۔ غزل میں شاعر کے افکار و خیالات ایک شعر بلکہ بیدل کے ہاں تو ایک ہی مصرعہ میں ادا ہو جاتے ہیں اور مصرعہ ثانی مصرعہ اول کا شاہد ہوتا ہے جبکہ یہ کام رباعی میں دو اشعار میں انجام پاتا ہے۔ ۳۔ بیدل کی بیشتر رباعی اس کے بڑھاپے کی تخلیقات ہیں جو اس لئے کہی تھیں تاکہ کلیات کے نصاب کی تکمیل ہو جائے۔ ۴۔ اس کی بہت سی رباعیات غزلیات کی سطح سے پست واقع ہوئی ہیں اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ وہ از قبیل مداخلہ ہیں۔"

ہر آدمی کو اپنی مرضی کے مطابق اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔ اس سے پہلے کہ استاد سلجوقی کے خیالات پر بحث کریں آیئے پہلے بیدل کی رباعی گوئی کے انداز اور اس میں بیان کئے گئے افکار و خیالات پر توجہ دیں۔

ظاہر ہوتا ہے پیش کئے جاتے ہیں۔

خاتمہ گوید

بیدل ایں نامہ معنی سواد   محو سخن بندہ بیدل نہاد

خاکسار بیدل نے جو شعر و شاعری میں محو و مگن ہے اس نامہ معنی سواد کی بنیاد رکھی۔

بود شبی انجمن آرای فکر   داشت سرگرم ز سودای فکر

ایک رات وہ فکر کی انجمن آرائی اور طبع آزمائی میں سرگرم تھا۔

گفت سخن سادہ و پرکار بہ   تاب کشی سبحہ و زنار بہ

بولا کہ سادہ و پرکار کلام بہتر ہوتا ہے۔ تسبیح اور جنیو کا تاب دینا بہتر ہے۔

مثنوی کے آخر میں اشعار اس طرح ہیں۔

شاد شود گر دل از گفتہ ام   جمع شود خاطر آشفتہ ام

میرے کلام سے اگر کسی کا دل خوش ہوتا ہے تو میرے خاطر آشفتہ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

لایق ایں نظم کہ جان پرور است   سامع ہر ناطقہ تحسین آور است

اس جان پرور نظم کو زیب دیتا ہے کہ ہر ناطق کی قوت سامعہ اس کی تعریف و توصیف کرے۔ (۱۹۲)

✪✪✪

رباعیات

بیدل ایسا عظیم شاعر ہے جس نے اپنی شاعرانہ لیاقت و صلاحیت کا مظاہرہ فارسی شاعری کے جملہ اصناف میں کیا ہے اگر چہ بعض اصناف میں دوسرے اصناف کی بہ نسبت کچھ زیادہ مہارت دکھائی ہے۔ مثنوی کے بعد اس کی رباعیات کو اس کے شاعرانہ کمالات کی جلوہ گاہ قرار دیا جا سکتا ہے جو کیا کمیت کے لحاظ سے اور کیا کیفیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ خوشگو لکھتا ہے: بیدل نے چار ہزار رباعیاں کہی ہیں اور اس سلسلے میں شاہ گلشن کا مقولہ نقل کیا ہے ''رباعی گوئی حق اوست'' (۱۹۳) رباعی گوئی تو اس کا حق تھا۔ اور شاید انہی وجوہ سے ڈاکٹر نورالحسن انصاری لکھتے ہیں:

> ''بیدل فارسی کے صف اول کے رباعی گو شعراء میں ہیں، رباعی میں بھی ان کی تخلیق کی مقدار دوسرے سبھی رباعی گو شعراء سے کہیں زیادہ ہے۔ بیدل کو سمجھنے کے لئے ان کی رباعیوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے... بیدل کے معصران کی رباعی کے شیدائی اور مداح تھے۔'' (۱۹۴)

لیکن ڈاکٹر انصاری کے اس خیال کے مقابلے پر صلاح الدین سلجوقی کا خیال ہے۔

> ''رباعیات بیدل با ہمہ رفعت و ارتفاع خود باز ہم بہ پایۂ غزل اونمی رسد۔'' (۱۹۵)

بیدل کی رباعیات اپنی تمام تر رفعت و بلندی کے باوجود اس کی غزل کے پائے کو نہیں پہنچتی ہیں۔ انہوں نے اپنے دعوی کے ثبوت میں درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

۱۔ بیدل غزل کا شاعر ہے۔ ۲۔ غزل میں شاعر کے افکار و خیالات ایک شعر بلکہ بیدل کے ہاں تو ایک ہی مصرعہ میں ادا ہو جاتے ہیں اور مصرعہ ثانی مصرعہ اول کا شاہد ہوتا ہے جبکہ یہ کام رباعی میں دو اشعار میں انجام پاتا ہے۔ ۳۔ بیدل کی بیشتر رباعی اس کے بڑھاپے کی تخلیقات ہیں جو اس لئے کہی تھیں تا کہ کلیات کے نصاب کی تکمیل ہو جائے۔ ۴۔ اس کی بہت سی رباعیات غزلیات کی سطح سے پست واقع ہوئی ہیں اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ وہ از قبیل مداخلہ ہیں۔''

ہر آدمی کو اپنی مرضی کے مطابق اظہار خیال کا حق حاصل ہے۔ اس سے پہلے کہ استاد سلجوقی کے خیالات پر بحث کریں آیئے پہلے بیدل کی رباعی گوئی کے انداز اور اس میں بیان کئے گئے افکار و خیالات پر توجہ دیں۔

بیدل کے حالات بتاتے ہیں کہ پہلا کلام جو اس کے طبع موزوں سے صفحہ قرطاس پر رونما ہوا حسن اتفاق سے وہ رباعی ہی کی شکل میں تھا اور وہ بھی انتہائی متانت و رزانت اور روانی و سلاست کی حامل رباعی جو دس سال کی عمر میں اس نے مکتب میں حصول تعلیم کے دوران کہی تھی اور جس پر طلبہ تو طلبہ اساتذہ میں بھی حیرت اور سکتے کا ملا جلا ردعمل ظاہر ہوا۔

یارم ہرگاہ در سخن می آید   بوی عجبش از دہن می آید
این بوی قرنفل است یا نکہت گل   یا رائحہ مشک ختن می آید

اس کے بعد بزرگوں کے اس پر ردعمل کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

''قماش آگاہان نزاکت معنی را شہرت این رباعی از حریر کارگاہ عالم خیال آگاہ گردانید و نکہت شناسان بہار حضرت رابوی این نافہ رباعی بجنون زار جہان تعجب رسانید۔ بعضی بمقتضای تعقل، از حیرت وضع قابل قطعا چشم بستہ بودند۔ و بعضی بحکم تعبد فرض دامن باستفہام انکاری شکستہ۔ ہمہ راشبہہ آئینہ داریقین کہ از رشتہ ضعیف، تاب انتظام چنین گوہری غریب در نظر می آید۔ واز ریشہ ناتوان قامت آرائی این جنس نہال بعید می نماید۔'' (۱۹۶)

نزاکت معنی سے واقف حضرات کو اس رباعی کی شہرت نے کارخانہ عالم ''خیال'' کے ریشم سے آگاہ کر دیا اور شادابی بہار کے نکہت شناس حضرات کو اس نافے کی خوشبو نے جہاں تعجب کے جنون زار میں پہونچا دیا۔ بعض حضرات نے جان بوجھ کر وضع قابل پر حیرت کرنے سے یکقلم آنکھیں بند کر لیں (یعنی ناقابل اعتنا سمجھا) اور بعض حضرات نے از راہ تعبد فرض سمجھ کر استفہام انکاری پر اپنا دامن جھاڑ دیا (یعنی کیسے ممکن ہے کہ اس کم سنی کے ساتھ تم فارسی رباعی کہہ لو)۔ ان سب حضرات کا شبہ اس یقین کا آئینہ دار تھا کہ ایک کمزور دھاگے میں ایسے گوہر کو پرونے کی توانائی نہایت انوکھی بات معلوم ہوتی ہے اور ایک ناتواں ریشے سے پودے کی قامت آرائی بعید نظر آتی ہے۔

یہ واقعہ واضح کرتا ہے کہ بیدل کا میلان طبع بچپن سے ہی رباعی گوئی کی طرف تھا اور حقیقت حال بالکل اس کے برعکس ہے جو استاد سلجوقی نے دعوی کیا ہے کہ اپنی کلیات میں ہر صنف کلام کی تکمیل اور غزلیات و مثنویات کی تعداد سے تناسب برقرار رکھنے کے لئے بیدل نے کثرت سے رباعیات کہی ہیں۔ چنانچہ مذکرہ بالا واقعہ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے خود بیدل لکھتا ہے:

''الحاصل این رباعی را از کار بنای موزونی می داند واز ہمیں چہار مصراع عنصر مزاج شعلہ افسوں می خواند۔'' (۱۹۷)

غرض اس رباعی کو خاکسار اپنے موزونی طبع کی اساس سمجھتا ہے اور عنصر مزاج ان چار مصرعوں

سے طبیعت کی شعلہ افسونی کا مطالعہ کرتا ہے۔

مستقبل میں اس کا کیا کیریئر رہے گا اور کونسی راہ و روش اپنائے گا اس کی تعیین میں اس رباعی نے گویا اہم رول ادا کیا ہے یہ تو دس سال کی عمر کا قصہ ہے، اب آپ ذرا آگے بڑھئے۔ سترہ سال کی عمر ہے، بیدل پٹنہ میں اپنے ماموں میرزا ظریف کے گھر منعقد ہونے والی ایک ادبی محفل میں شریک ہے، اس میں شاہ ابوالفیض معانی بھی شریک ہیں اس کا بیان ہے کہ اس مجلس میں ''وارستگی'' (یعنی کسی قسم کے حالات سے متاثر نہ ہونا اور مست مولا رہنا) کا موضوع زیر بحث تھا۔ حاضرین میں ہر شخص نے طبع آزمائی کی۔ میں نے بھی اس وادی میں قدم رکھا اور درج ذیل رباعی کہہ کر شاہ صاحب سے اصلاح کی درخواست کی۔

بیدل زغم و نشاط دوراں بگذر   وز بیش و کم و مشکل و آساں بگذر
در گلشن دہر ہمچو نسیم دم صبح   آزادہ در آ و دامن افشاں بگذر
(بیدل! نہ ہو غمگین کبھی اور نہ شاداں   چھوڑ دے فکر کمی بیشی و مشکل و آساں
گلشن دہر میں مثل نسیم دم صبح   آزادی سے آ اور چلا جا دامن افشاں)

شاہ ابوالفیض نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''از فحوای این کلام، بوی صہبای کمال می آید۔ وصفای این الفاظ، آئینہ حسن متانت می زداید۔ از جادہ انصاف در نباید گذشت کہ باز این صغر سن، بمذاق گیرا رساندن، آثار بنای ندرت است۔ و در مرتبہ ریشگی، پہلوی نمو نخلہای بلند زدن دلیل آبیاری قدرت۔ برین شعلہ غافل منگرید واز ین طوفان حیرت خروش، بی خبر مگذرید۔'' (۱۹۸)

اس کلام کے مفہوم و معنی سے صہبائے کمال کی بو آتی ہے اور ان الفاظ کی صفائی و پاکیزگی سے حسن متانت کے آئینہ کی صیقل گری ہوتی ہے۔ عدل و انصاف کے راستے سے ہٹنا مناسب نہیں کہ کم سنی کے باوجود اس قدر پختگی کا اظہار شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے اور آغاز ریکھا کی منزل میں کھجور کے بلند و بالا درختوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا قدرت الہی کی آبیاری کی واضح دلیل ہے۔ اس شعلہ کو غفلت کی نگاہ سے مت دیکھو اور اس حیرت خروش طوفاں سے بے اعتنائی مت برتو۔

شاہ ابوالفیض نے اپنے اس تبصرے میں بیدل کی رباعی کی دو خصوصیات متانت و استواری اور صفائی و پاکیزگی کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو سترہ سال کی عمر میں جب کہ شاعرانہ تجربوں کے دور سے وہ گذر رہا تھا اور اس مرحلے میں نہیں پہونچا تھا جب فکر بالغ، پختہ اور متین کلام کی تخلیق کا سبب ہوتی ہے۔ رباعی کو انتہائی صفائی و پاکیزگی اور استحکام و پختگی کے ساتھ کہنا انتہائی

حیرت انگیز امر تھا اسی کے ساتھ رباعی گوئی کی طرف اس کے طبعی میلان کی یہ نشاندہی بھی کرتا ہے۔

بیدل نے ۱۰۹۴ھ ۱۶۸۲ء میں اپنی خودنوشت سوانح ''چہار عنصر'' لکھنی شروع کی اور ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء میں اسے پایہ تکمیل کو پہونچایا۔ اس کے اندر رباعیات کی خاصی تعداد موجود ہے جو کہولت کے زمانے میں کہی گئی ہیں۔ اسی طرح بانکی پور کی خدا بخش لائبریری میں ایک نہایت ہی مذہب اور خوبصورت قلمی نسخہ رباعیات بیدل کا نظر آیا جس پر سن کتابت ۱۱۱۵ھ ۱۷۰۳ء درج ہے اور اس کے سرورق پر جملہ'' بخط مرزا بیدل مرحوم'' لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ بتاتا ہے کہ اس وقت تک بیدل نے خاصی تعداد میں رباعیات کہی تھیں۔ اس لئے یہ کہنا تو کسی طرح مناسب نہیں کہ اس نے اپنی کلیات کے نصاب کی تکمیل کے لئے بڑھاپے میں رباعیاں کہی ہیں۔

رباعیات بیدل کا دقیق وعمیق مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ان موضوعات کے علاوہ جو اس نے غزلوں میں پیش کئے ہیں جیسے وحدت الوجود، عشق وحیرت، عرفان وخودشناسی، خودی وبیخودی، تسلیم ورضا، جود و سخا، فقر وغنا وغیرہ کا بہت سی رباعیوں میں اس نے فرقہ روافض اور ریا کار زاہدوں پر طعن وتشنیع کیا ہے۔

استاد سلجوقی اس قسم کی رباعیات کو ہزلیات میں شامل کرتے اور الحاقی تصور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' ہزلیات کے بابت یہ ایک فطری امر ہے کہ بیدل ہی نہیں ہر صوفی فلسفی مذہبی اور اخلاقی ادیب ایکدم سے بازاری ہزلیات کی طرف پورے زور شور سے متوجہ ہوتا ہے۔ عظیم شخصیتیں جو حقیقت میں معلم ہوتی ہیں اس غرض سے کہ علم کو خوشگوار اور تعلیم وتلقین کو آسان اور قابل قبول بنائیں، یہ امور انجام دیتی رہی ہیں لیکن ہزلیات ایسا کلام نہیں ہوتا جو کسی فرد یا طبقے کو کوئی نقصان پہونچائے یا ان کی دلی آزاری کرے۔

بیدل نیم آنکہ مدح عالم بکنم — یا معنی را منفعل ذم بکنم
لیکن گاہی بد ستگاہ طبیعت — ذوقی دارم کہ خندہ ای هم بکنم

بیدل! میرا مسلک نہیں کہ دنیا کی مدح وستائش کروں یا کسی کی ردوقدح کر کے معنی کو شرمندہ کروں ہاں کبھی کبھی اپنے میلان طبیعت کی وجہ سے ہنسنے ہنسانے کا ذوق بھی رکھتا ہوں۔

بیدل نے داڑھی اور پگڑی پر حملے کئے ہیں یہ وہی ہزلیات کی قسم کی چیز ہے جو شاعروں کی مجلس میں سد انقل (شراب پینے کے بعد میٹھی یا نمکین چیز زبان کا مزہ بدلنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں) ہے اور خصوصاً صوفی شعرا کے ہاں بعض امور کے مقابلے پر بیدل کی زاہدانہ مخالفت ہزلیات ہی ہے جس میں کبھی کبھی تعصب کی آمیزش بھی نظر آتی ہے خصوصیت سے ایک ایسے صوفی آدمی کے جو انسان کو کرامت وشرافت کا تاجدار سمجھتا ہے لیکن اس میں بھی حسن اخلاق کا داعیہ پوشیدہ ہے۔ وہ کبھی بھی

انسانی شرافت کی گردن کو دنائت وسفالت کے گڈھے میں گرتا نہیں دیکھ سکتا۔'' (۱۹۹)

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ داڑھی اور پگڑی پر حملہ ہزلیات کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا بلکہ حقیقت سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس نے جیسا کہ اس سے پہلے مثنوی محیط اعظم کی بحث میں گذرا اور اپنی غزلیات میں بھی اس کو موضوع بحث بنایا ہے اور راقم السطور نے پانچویں باب 'بیدل کے افکار وخیالات' میں اس پر الگ سے تفصیلی بحث کی ہے۔ سچ پوچھئے تو بیدل نے اس کے پردے میں جوفروشی وگندم نمائی سے بھرپور زندگی کے خلاف، جس سے اس کا دہلی پہنچنے اور وہاں کے قیام کے دوران سابقہ پڑا، احتجاج کیا ہے۔

اس طرح روافض پر طعن وتشنیع سے وابستہ بیدل کی رباعیوں کی بابت استاد سلجوقی لکھتے ہیں:

''صوفی عموماً خواہ بیدل خواہ حافظ وخواہ مولانا ہیچ وقت بمذہب کاری نداشتہ اند طوریکہ همه ایشان جنگ هفتاد و دو ملت را افسانہ می دانند حتی بدین نیز اگر اشارہ بکنند آنهم ضمنی است ونمی خواہند ہیچ صورت از طریقہ رندانہ وناموس می پرستانہ صوفیانہ خود برآیند۔

صوفیوں کو عام طور سے خواہ وہ بیدل ہوں خواہ خواجہ حافظ ہوں خواہ مولانا رومی ہوں کبھی بھی مذہب سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ یہ لوگ ہفتاد و دو ملت (۷۲ فرقے) کی بات کو فرضی قصے کہانی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے حتی کہ اگر دین ومذہب کی طرف کبھی اشارہ کرتے ہیں تو ضمنی طور پر اپنے رندانہ مسلک اور مے پرستانہ وصوفیانہ اصول کے دائرے سے باہر کسی طرح آنا نہیں چاہتے ہیں۔

اس قسم کے الحاقی اضافے لوگوں نے ہر جگہ کئے ہیں بیدل، حافظ اور مولانا کوئی بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ ان کے گوشہ خیال میں بھی نہیں گذرا کہ وحدت الوجودی صوفی جو وحدت و کثرت کے درمیان کا اطلاق وتقیید کے درمیان، مادہ ومعنی کے درمیان اور حتی کہ طبیعت اور مابعد الطبیعت کے درمیان بھی شعوری اتحاد ویگانگت کی راہ پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کیسے اس بات کو پسند کرے گا کہ شیعہ و سنی دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جن میں سے کوئی بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے کے سوا یہود ونصاری اور دیگر ادیان کے جھنڈے تلے نہیں جاسکتا پھوٹ پڑے اور وہ اس لائق بھی نہ رہیں کہ اس فن کے اسٹوڈیو میں بھی ایک دوسرے کے برابر بیٹھ سکیں۔

یہ الحاقیات اس سے پہلے کہ ان بزرگ ہستیوں کو جو جاہلوں کے تعصب سے کہیں بالا ہیں، شیعہ یا سنی بنائے، ان کے علمی اور فنی مراکز کو منہدم کردیں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلبل کو تو مار ڈالیں پھر اس کو جال میں گرفتار کریں۔'' (۲۰۰)

تاجیکی ادیب صدر الدین عینی نے بھی بیدل کی ان رباعیات کو جن میں روافض پر حملہ ہے

الحاقی قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں اسد اللہ حبیب ان کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ بیدل کی کلیات میں بعض ایسے اشعار ہیں جو بیدل کے نہیں ہیں، عینی کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بحث خصوصیت سے ان رباعیات بیدل کے بابت ہے، جن کے اندر روافض پر حملہ کیا گیا ہے اور پہلی نظر میں وہ تنگ نظری کی نشاندہی کرتی ہیں ان کے اندر برے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ عینی ناشر کتاب پر برس پڑے ہیں کہ اس نے دوسروں کے اشعار اس میں داخل کردیئے ہیں۔" (۲۰۱)

اس میں شک نہیں ہے کہ جناب سلجوقی اور عینی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد ظنوا المومنین خیرا مومنوں سے حسن ظن رکھو، اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اشعار خصوصاً وہ رباعیاں جو سنی اور شیعہ کے اختلاف یا روافض پر طنز سے وابستہ ہیں اس انداز سے ان کی توجیہ کی جائے کہ اہل تشیع حضرات (جن سے شاید خاص طور سے ایران وافغانستان کے اہل تشیع مراد ہیں) بیدل کے بابت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اس سلسلے میں وہ یہاں تک کہہ گئے کہ اس قسم کی رباعیاں الحاقی ہیں۔

لیکن ایک محقق اور نقاد کا کام موضوع بحث شاعر یا ادیب کے افکار وخیالات کا پرکھنا اور جائزہ لینا ہے خواہ وہ ناقد یا قاری کے افکار وخیالات سے ہم آہنگ ہوں یا نہ ہوں اور بغیر کسی جانبداری کے اس کے خیالات کی اسی طرح تشریح کرتا ہے جس طرح اس کے قلب ودماغ میں وہ موجود ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ استاد سلجوقی اور عینی نے اس لحاظ سے اپنا فرض انجام نہیں دیا اور امانت کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنے عقائد کے لحاظ سے ایک متعصب سنی تھا اگرچہ ایک وحدت الوجود صوفی کی حیثیت سے اپنا مذہب "جمال مطلق سے عشق" کو قرار دیا تھا۔

بغیر عشق ندانیم ہیچ آئینی　　گزیدہ ایم چو پروانہ سوختن مذہب

قارئین کو ایسے دو واقعات یاد دلاتا ہوں جن کا تفصیلی تذکرہ بیدل کے حالات کے ضمن میں ہو چکا ہے پہلا اسد کا قصہ دوسرا حکیم طاہر گیلانی کا واقعہ جو صوبہ اڑیسہ کے شہر کٹک میں پیش آئے تھے۔ ان واقعات کے آخر میں بیدل کا بیان غور طلب ہے۔

"فحش در چہ مذہب از شعبہ ہای عصمت است۔ وناسزا در کدام ملت سزاوار ستایش عفت۔ می گونید: تولای عمر بی تبرای زید صورت نمی بندد امانفهمیده اند کہ اتفاق این دو تخیل در یک محل بر جہل فطرت می خندد۔ ترا از غیر محبوب فراموشی می خواہد، نہ باخیال اضد ادسرگوشی۔ محبت باعداوت جمع کردن برق در مزرع آگاہی کاشتن است۔" (۲۰۲)

گالی بکنا کس مذہب میں عصمت وپاکدامنی کا ایک شعبہ ہے اور نازیبا باتیں کہنی کسی ملت میں عفت کے لئے قابل تعریف امر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کی دوستی ممکن ہی نہیں جب تک زید سے بیزاری کا اظہار نہ کیا جائے لیکن اتنی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ان دونوں خیالوں کا ایک جگہ جمع ہونا ایسا ہی ہے جیسے فطری جہالت کا مذاق اڑانا۔ غیر محبوب سے فراموشی اختیار کرنا چاہئے (محبوب کے علاوہ کسی اور کا خیال بھی تمہارے صفحہ ذہن پر نہیں آنا چاہئے) چہ جائیکہ اس کے مخالف سے بھی راہ ورسم جاری رہے۔ (ائمہ کی) محبت کو اور (صحابہ کی) عداوت کو ایک دل میں جمع کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی علم ودانش کے مزرعہ میں آگ لگادے۔

ستم می پرورد آغوش گل از خار پروردن　　زبانی را کز وکار درود آید بسب مکشا

آغوش گل اپنے پہلو میں کانٹے کی پرورش کرکے خود آپ پر ستم ڈھا رہی ہے۔ جس زبان سے درود وسلام کا کام انجام پاسکتا ہے اس کو سب وشتم کے لئے مت استعمال کرو۔

کیا اس قسم کے واضح اور غیر مبہم افکار وخیالات کو بھی ہزلیات یا الحاقات کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔ بیدل کو انہیں شاعروں کی فہرست میں شمار کرنا چاہئے جنہوں نے سخت گیر تشیع کے خلاف رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ایک دن افضل سرخوش نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی مدح میں ایک رباعی کہہ کر بیدل کو روانہ کیا:

در فضل و کمال ذات احمد یکتاست　　اسلام قوی ز یاری شیر خداست
عین ایشاں نتایج ایشانند　　ہمچو دو الف کہ یازدہ شاں پیداست

فضل وکمال میں جناب احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کی ذات یگانہ ہے لیکن اسلام کو توانائی شیر خدا کی مدد سے حاصل ہوئی ان کی اولاد بھی عین انہیں خصوصیات کی حامل ہیں جس طرح دو الف کو ملانے سے گیارہ کا عدد حاصل ہوتا ہے۔

بیدل نے جواب میں لکھا ہے:

آں چار خلیفہ و رسول معبود　　کز ابجد وضع شاں عشر شد موجود
بی نقطہ شک بذات یکتای نبی　　چوں جمع کنند یازدہ خواہد بود (۲۰۳)

وہ چار خلفا اور خدا کے رسول ﷺ جن کے حروف سے ابجد کے قاعدے کے مطابق دس کا عدد نکلتا ہے، بلاشبہ جب نبی کی ذات یگانہ کے ساتھ اکھٹے ہوں گے تو گیارہ کا عدد نکلے گا۔

گویا بیدل حضرت علیؓ کو یاران اربعہ سے الگ کرکے ان کی فضیلت کا قائل ہونا اور دوسرے خلفا کو ان سے کمتر درجے کا سمجھنا نہیں چاہتا ہے۔

اسے معلوم ہے کہ علم کی حیثیت سے حضرت علیؓ کا مرتبہ اوروں سے بلند ہے کہ آپ نے فرمایا "انا مدینة العلم و علی بابها" لیکن خلافت کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہی شروع ہوتا ہے۔

علم علی گر توانی پی برد — باید بر ہر دو عالمش فضل شمرد
لیکن در مبحث خلافت زنہار — لب نکشائی زہم کہ گہ خواہی خورد

حضرت علیؓ کے علم و دانش کی اگر تحقیق کروگے تو دونوں جہاں پر ان کو فضیلت حاصل ہوگی لیکن خلافت کے مسئلے پر حقیقی صورت حال کے خلاف لب کشائی نہ کرنا ورنہ گوہ کھانا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ۶۳۰ اشعار پر مشتمل ایک ترکیب بند میں بیدل نے خدا کی حمد، حضورﷺ کی نعت آپ کے صحابہ اور چاروں خلفا کی تعریف کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے۔

ز دل بر آر غبار خیال کینہ او — مباش ہمقدم رافضی لعین ہرگز (۲۰۴)

دل سے ان کی عداوت کے خیال کی گرد و غبار جھاڑ دو اور ہرگز ملعون رافضی کے ہم خیال و ہمقدم مت بنو۔

ایک جگہ کہتا ہے:

گر یکی زیں جملہ نہ پسندی بحکم اعتقاد — از گل دین تو نقصان می کند ناچار گل

ان میں سے اگر کسی ایک کو بھی تو نے عقیدۂ نفرت کی نگاہ سے دیکھا لامحالہ تیرے دین کے پھول میں پژمردگی آجائے گی۔

سرخوش نے دوسرے دن پھر اسی مضمون کی ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔

وہمی باشد بہ ذات پاک احمد — تفریق دوازدہ امام امجد
کایں جلوہ موجہای دریائے صمد — چوں سیزدہ است آشکار از احد

ذات پاک احمد سے بارہ ائمہ امجد کو الگ کرنا سراسر وہمی بات ہوگی کیونکہ دریائے صمد کی لہروں کے یہ جلوے لفظ "احد" سے تیرہ نکلتے ہیں۔

بیدل نے جواب میں لکھا

از چار خلیفہ رسول مختار — قائم شد، چار رکن دین ابرار
دالیکہ بود آخر احمد دال است — بر اثبات خلافت ایں چار یار (۲۰۵)

رسول مختار کے چار خلفاء کی بدولت دین ابرار کے چار رکن قائم ہوئے۔ احمد کے آخر میں جو دال ہے وہ ان چار یاروں کی خلافت کے اثبات پر دلالت کرتا ہے۔

ان وجوہ سے درج ذیل رباعی کو الحاقی نہیں کہا جاسکتا۔

با دین فرنگ ہر کہ از دل گروید — باید تف آنجماعہ اش خورد و کلید
تا سب صحابہ نہ شود رفضی ہم — حب آلش یقیں نخواہد گروید

مرکزی ایشیا میں جن حضرات نے خصوصیت سے رباعیات بیدل پر کام کیا ہے ڈاکٹر اسد اللہ حبیب نے ان کے کام کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ذیل میں ان کے مضمون کے اس حصے کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"بیدل کی رباعیات کے سماجی پہلو سے متعلق چند نکتے" کے عنوان سے شکوروف نے ۱۹۶۵ء میں اپنا دوسرا مقالہ شائع کیا۔ اس مقالے میں بیدل کی ان رباعیات کی اس نے تحلیل و تجزیہ کیا ہے جن میں سیاسی اور سماجی مسائل زیر بحث آئے ہیں اور آخر میں وہ بیدل اور خیام کی رباعیات کے درمیان یکسانیت اور مشابہت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسرے مقالے میں دونون کی رباعیات کا تقابلی مطالعہ کیا ہے جو ۱۹۶۷ء میں "قید ہای جداگانہ دائر بہ جہتہای مشابہ و باہم نزدیک رباعیات خیام و بیدل" خیام اور بیدل کی رباعیات کے ملتے جلتے اور تقریبی پہلوؤں سے وابستہ نکتے کے عنوان سے چھپا۔ اس مقالے کے آخری حصہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بیدل فارسی کے کلاسیکی ادب سے مکمل طور پر واقف تھا اور کیا موضوع کے لحاظ سے اور کیا فنی خصوصیات کے لحاظ سے کلاسیکی ادب سے اس نے اس حد تک استفادہ کیا کہ خیام سے متاثر ہوکر رباعی گوئی میں اس کی پیروی کرڈالی۔ ۱۹۶۶ء میں شکوروف کا ایک اور مقالہ "رباعیات بیدل کے اخلاقی و ادبی موضوعات" کے عنوان سے شائع ہوا اس مقالے میں بیدل کی اخلاقی تربیت سے وابستہ رباعیات ہیں جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں جس میں زندگی کے حقیقی خدوخال پر ان کے حملے ہیں تاکہ اس کے معنوی پہلوؤں کو اجاگر کرکے نقطۂ عروج پر پہونچایا جائے۔ اس مقالے میں بیدل کا موازنہ سعدی سے کیا گیا ہے اور چونکہ بیدل کی شخصیت کی تصویر یہاں ایک فعال اور سرگرم آدمی کی حیثیت سے کھینچی گئی ہے اس لئے یہ مضمون توجہ طلب ہے اس سلسلے میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بیدل کی بعض رباعیوں کی توضیح میں مقالہ نگار سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔" (۲۰۶)

ذیل میں بیدل کی بعض وہ رباعیاں لکھی جاتی ہیں جن کی لوگوں نے بڑی تعریف کی ہے۔

شیر خاں لودھی نے بیدل کی ایک رباعی کے بابت لکھا ہے:

"ایں رباعی مرزا عبدالقادر بیدل در قوانین خیال نظیری ندارد۔ معلوم نیست کہ ہیچ یکی از شعرائے عصر در فن رباعی بایں درجہ رسیدہ باشد۔

ہر کسی گامی براہ حیرت برداشت — چوں آئینہ در نقش قدم بستر داشت
عمریست زمیں گیری موج کریم — پا لغزش صفای دل عجب لنگر داشت

مرزا بیدل کی یہ رباعی قوانین خیال میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس کے معاصر شاعروں میں سے کسی نے بھی رباعی گوئی میں یہ مقام حاصل کیا ہو۔

''حیرت'' کے راستے پر جو آدمی بھی چلا آئینے کی طرح نقشِ قدم کو اس نے اپنا بستر بنایا مون کریم کی زمین گیری (یعنی مفلوجی) کو ایک عرصہ ہو گیا۔ صفائے دل کی لغزش پا عجب لنگر (لوہا جس سے کشتی کو روکتے ہیں) کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ موضوع حیرت سے وابستہ ہے جو بیدل کا انتہائی محبوب اور پسندیدہ موضوع ہے اور اس کے بہت سے عمدہ اشعار ہیں۔ اسی موضوع پر اس کی دوسری رباعی پیش ہے۔

یارب تو بحیرتم ہم آغوشی بخش   در تحمصۂ شعور کم ہوشی بخش
از اندیشۂ آئندہ خلاصم گرداں   از یاد گزشتہ ہا فراموشی بخش

بارالہا! تو مجھے ''حیرت'' سے ہم آغوش کر۔ جہاں ''شعور'' کے جھگڑے اور مسئلے کھڑے ہوں تو ہمیں ''کم ہوشی'' بخش مستقبل کی فکر سے نجات عطا کر اور ماضی کی یاد میرے صفحہ ذہن سے محو کر دے۔

راقم السطور نے اس موضوع پر پانچویں باب میں الگ سے بحث کی ہے۔

افغانی ادیب عبدالحئی خان حبیبی نے اپنے ایک مضمون ''سبک ہند و مکتب بیدل'' میں بیدل کی ایک نہایت عمدہ رباعی کا ذکر کیا ہے۔

بیدل بر خلق کسر شاں نمائی   تا تیر تواں شدن کماں نمائی
خاصیت ایں معرکہ عاجز کشی است   اینجا زنہار ناتواں نمائی

بیدل! مخلوق کے سامنے کسر شاں سے کام نہ لینا۔ جب تک تیر کی طرح ان کے سامنے سیدھے اور الرٹ رہ سکتے ہو کمان کی طرح جھکے نہ رہنا۔ اس دنیاوی معرکہ کی خصوصیت عاجز کشی ہے یعنی جو کمزور پڑے اس کو قوی دبا لیتا ہے اس لئے یہاں کبھی اپنے کو کمزور اور ناتواں نہ ظاہر کرنا۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حبیبی لکھتے ہیں:

''ایں نظریہ را از جملہ نظریہ ہای جدید دنیای سائنس قرار می دہد کہ داروین فیلسوف انگلیسی نظریات خود را بر آن استوار کردہ است اما بیدل بسیار قبل آنرا مطرح کردہ۔'' (۲۰۸)

اس نظریے کا شمار جدید دنیائے سائنس کے نظریات میں ہوتا ہے جس پر انگریز فلسفی ڈارون نے اپنے نظریات کی بنیاد رکھی تھی لیکن بیدل بہت پہلے اسے کہہ چکا ہے۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں متھرا میں بدامنی پھیل جانے کے سبب بیدل جب متھرا سے دہلی روانہ ہوا تو راستے میں اس کی مٹھ بھیڑ ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے ہوئی۔

اتفاق سے ان میں سے ایک آدمی جو صورۃً مسلمان معلوم ہو رہا تھا بیدل کا خیر خواہ نکلا اس کی وجہ سے وہ ان کے پنجے سے رہائی پا سکا۔ اس موقعہ پر اس نے درج بالا رباعی کہی تھی۔

رباعی گوئی پر بیدل کی توانائی اور رودکی کی ایک رباعی کی کامیاب پیروی کا تذکرہ کرتے ہوئے خوشگو لکھتا ہے:

''رباعی گفت در جواب آدم الشعراء حکیم رودکی کہ تا حال ممتنع الجواب بود۔ ایشاں بعد سی صد سال از عہدہ جواب بر آمدند......... خاں صاحب آرزو منداں ازاں بسیار محظوظ اند۔

رودکی: آمد برمن، کہ؟ یار، کی؟ وقت سحر   تر سید، ز کہ؟ ز خصم، خصمش کہ؟ پدر
دارمش چہ؟ بوسہ، برکجا؟ برلب و بر   لب بُد؟ نہ چہ بد؟ عقیق، چون بد؟ چون شکر
بیدل: دی خفت، کہ؟ ناقہ، درکجا خفت؟ بگل   کردم، چہ؟ فغان، زچہ؟ ز یاد منزل
داد، از کہ؟ زخود، چرا؟ زسعی باطل   کافتاد، چہ؟ بار، از کہ؟ سر، بر کہ؟ بدل'' (۲۰۹)

آدم الشعراء حکیم رودکی کے جواب میں بیدل نے ایک ایسی رباعی کہی کہ اب تک اس کا جواب کسی سے بن نہیں پڑا۔ تیس سو یعنی تین ہزار (خوشگو کو غلط فہمی ہوئی...... رودکی کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی اس لحاظ سے تقریباً سات سو سال کے بعد کہنا چاہیے) بیدل نے اس کا جواب دیا اور خوب دیا۔ خان صاحب آرزو منداں (سراج الدین علی خاں) اس سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔

[رودکی: آیا میرے سامنے کون؟ یار، کب؟ سحر کے وقت ڈرا کس سے؟ دشمن سے۔ اس کا دشمن کون؟ باپ۔

میں اس کو دیا، کیا؟ بوسہ، کہاں؟ لب اور جسم پر، لب تھا؟ نہیں، کیا تھا؟ عقیق، کیسا تھا؟ شکر کی طرح۔

بیدل: کل سویا، کون؟ اونٹنی، کہاں سوئی؟ مٹی پر۔ میں نے کیا، کیا؟ آہ و فغاں، کس کی خاطر؟ منزل کی یاد میں۔ انصاف، کس سے؟ اپنے سے، کیوں؟ اپنی لغو کوشش سے، گرا، کیا؟ بوجھ، کس سے؟ سر سے، کس پر؟ دل پر۔]

افضل سرخوش لکھتا ہے:

اپنی درج ذیل رباعی پر بیدل کو ناز تھا اور کہتا تھا یہ مجھے عطا ہوئی ہے۔

ہر چند طلب بصد فنون است اینجا   دریوزہ دیدار جنون است اینجا
از ہیئت چشم و مژہ غافل نشوی   دستی دگر از کاسہ برون است اینجا (۲۱۰)

طلب و جستجو کے یہاں اگرچہ سیکڑوں انداز ہیں پر دیدار محبوب کا بھکاری یہاں تو جنون ہے۔ آنکھ اور پلکوں کی صورت سے غافل نہ ہونا یہاں پیالے سے دوسرا ہاتھ بھی باہر نکلا ہوا ہے۔

اور اب چند منتخب رباعیاں پیش ہیں۔

خدا سے تعلق:

جز حق سوہر کہ حاجت بست احرام　　پیش آید این چارغم یاس انجام
ننگ کم ہمتی و تشویش سوال　　رسوائی احتیاج و نومیدی کام

جو آدمی حق کے سوا کسی اور کے پاس اپنی ضرورت کا احرام باندھے اور اس سے لو لگائے اس کو چار یاس انجام غموں سے سابقہ پڑے گا۔ پست ہمتی کی پشیمانی، مانگنے کی پریشانی، احتیاج کی رسوائی اور مقصد میں ناکامی۔

مخلوق سے تعلق:

ہستی جز جانکنی و خون خوردن نیست　　از عالم مرگ وعیش جان بردن نیست
در خلق برون خلق بودن غلط است　　صحبت بازندگی است بامردن نیست

''ہستی'' جانکنی وعرق ریزی کا دوسرا نام ہے۔ عالم مرگ وزیست سے رہائی ممکن نہیں۔ عوام کے بیچ رہ کر ان سے بے تعلق رہنا غلط ہے۔ گفتگو تو زندگی کی ہوتی ہے موت کی نہیں۔

فضل وہنر:

تا فضل و ہنر آئینہ پرداز نشد　　اقبال درش بر روی کس باز نشد
فولاد بر آہن شرف از جوہر یافت　　بی علم بجنس خویش ممتاز نشد

علم وفضل اور دانش وہنر جب تک کسی کے آئینہ دل کی صیقل گری نہیں کرتا عروج واقبال کا دروازہ اس پر وا نہیں ہوتا۔ فولاد (ایک قسم کا سخت جوہر والا لوہا) کو آہن (معمولی لوہے) پر اسی جوہر کی وجہ سے برتری حاصل ہے۔ علم ودانش کے بغیر کوئی آدمی اپنے امثال واقران میں ممتاز نہیں ہوتا۔

خدا پر اعتماد:

ای لفظ پرست جیب معنی شق کن　　سطری طبق مقیدت مطلق کن
چند انکہ بخلق اعتماد تو قوی است　　عشری زانجملہ نذر فضل حق کن

اے لفظ پرست (ظاہری ٹیپ ٹاپ کے رسیا) دامن معنی کو کبھی چاک کر (باطن آرائی کی طرف

بھی متوجہ ہو) تھوڑی دیر ''مقید'' سے نکل کر ''مطلق'' کے دائرے میں آ۔ جتنا عوام پر تیرا اعتماد ہے اس کا کم از کم دسواں حصہ بھی تو خدائی فضل وکرم پر کر۔

تسلیم ورضا:

خاک انساں کہ صد رجا دارد و بیم　　بر چہرہ نشست گرد عجزش ز قدیم
گفتند تراکجا کجا تواں کردن صرف　　آہی زد و گفت: دربنای تسلیم

انسان کی خاک کے اندر امید وبیم کے سیکڑوں مرحلے آتے ہیں۔ اس کے چہرے پر عجز و بے بسی کی گرد زمانہ قدیم سے جمی ہوئی ہے۔ لوگوں نے اس سے پوچھا تجھے کہاں کہاں صرف کیا جا سکتا ہے۔ اس نے ایک آہ بھری اور کہا ''شیوہ تسلیم ورضا'' پر۔

بلند ظرفی:

افراد حقیقت است اعیان تفریط　　این جملہ مرکب انہمہ فیض بسیط
کم ظرفی ما فیض ترا مانع نیست　　گرقطرہ بود قطرہ، محیط است محیط

افراد (صوفیائے کرام کا وہ طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی تجلی ذات سے مستفیض ہوتا ہے) حقیقت ہے اعیان وممکنات تفریط ہے یہ سب مرکب ہیں جبکہ وہ فیض بسیط ہے۔ ہماری کم ظرفی تیری فیض رسانی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ قطرہ اگر قطرہ (یعنی معمولی نا قابل اعتنا) ہوتا ہے تو سمندر بھی سمندر (وسیع وعریض) ہوتا ہے۔

یکرنگی:

در صومعہ باید بتواضع بودن　　در مصطبہ سر خوش تجرع بودن
نقص حقیقت یکرنگی است　　در عالم صنع بی تصنع بودن

عبادتخانے میں تواضع اور فروتنی سے رہنا چاہئے اور شرابخانے میں شراب پی کر دھت رہنا چاہئے۔ ایک رنگ مین رہنا انسانی حقیقت کی خامی ہے عالم صنع میں بغیر تصنع وتکلف کے رہنا چاہئے۔

کچھ پسندیدہ اور منتخب رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

حق:

این علم وفنون باب سراغ دگر است　　آئینہ نمای گل باغ دگر است
حق را بہ دلایل نتوان فہمیدن　　در خانہ خورشید، چراغ دگر است

تقلید و تحقیق:

انکاری غیر باش، تصدیق این است
وا گرد بہ دل توفیق این است
تبعیت خلق از حقت غافل کرد
ترک تقلید گیر، تحقیق این است

چشم تنگ:

ابنای زماں بس کہ نفاق آہنگ اند
در پردہ صلح، دستگاہ جنگ اند
چون مژگان شان تفرقہ بہتر، کاین قوم
ہرجا بہم آمدند، چشم تنگ اند

رحمت الٰہی:

بیدل! دلت آخر زنی و نغمہ چہ دید
کز تو بہ حصول مغفرت اندشید
ای کم ہمت از معصیت ترسیدی؟
بر رحمت ما ندوختی چشم امید

فضل یزدان:

دلہا از ہرکہ شاد و خندان باشد
بی شک مقبول فضل یزدان باشد
مردود ابد شناس آن ملعون را
کزوی خلق خدا ہراسان باشد

خود را خوردند:

یاران بہ ہوس رنج تگ و دو بردند
تا خاک شدن قدم بہ حرص افشردند
چون گردش آسیا بہ سعی روزی
آخر ہمہ رفتہ رفتہ خود را خوردند

شرق و غرب:

شرق تا مغرب و عرب تا بہ عجم
دیدیم معاملات اہل عالم
چوں شیشہ ساعت ہمہ در داد و ستد
خاکی است کہ می کنند در کاسہ ہم

بش و بلیرو غیرہ پر:

یک سو شور کر و فر و عزت و شان
یک سو حسد و دعوی و حرص و بہتان
بر ہیچ، چہ ہنگامہ بیاراستہ اند
این مسخرہ ہای چار سوی امکان

فلسفۂ قوت:

بیدل! بر خلق کسر شان ننمائی
تا تیر توان شدن، کماں ننمائی
خاصیت این معرکہ عاجز کشی است
این جا زنہار، ناتوان ننمائی

جہد علما:

ہرچند بہ عدل دین حق رہبر بود
جہد علما پیرو حکم زر بود
سلطان ہر گاہ ریخت خون پدرش
گفتند جہاد کردہ، او کافر بود

بدل عمر:

زین محفل ہرکہ ہر چہ را دارد دوست
ہر چند بود زشت، بہ چشمش نکو است
بر خواجہ ز جمع مال و زر خردہ مگیر
نعم البدل عمر تلف کردۂ اوست

عبرت:

ہر دیدہ کہ عبرتی نگیرد، کور است
ہر شہد کہ لذتی نہ بخشد، شور است
رختی کہ تغیر نپذیرد، کفن است
آن خانہ کہ تبدیل نیابد، گور است

فضل خدا:

یارب! کرم تو بی خیال کم و کاست
سر تا پایم بہ جود مطلق آراست
آن چیست کہ فضل تو عطایم نمود
تا بایدم از کسی دگر چیزی خواست

✪✪✪

قصائد

بیدل من آں نیم کہ شوم تاجر کمال — جائیکہ خاص و عام سخن راست مشتری

جہاں خاص و عام ہر طبقہ میرے کلام کا خریدار اور قدرداں ہو مجھے اپنے کمالات کی تجارت کرنے کی کیا ضرورت پڑے گی۔

بیدل کے قصائد دو لحاظ سے قابل مطالعہ ہیں۔

۱۔ تشبیہات واستعارات کے استعمال، الفاظ وتراکیب کی سلاست وروانی اور متانت واستواری نیز اس صنف میں دوسروں کی پیروی کے لحاظ سے۔

۲۔ معانی اور مضامین کے لحاظ سے

جہاں تک تشبیہات واستعارات کے استعمال، الفاظ کی سلاست وروانی ومتانت واستواری کی اور دوسرے الفاظ میں ظاہری ڈھانچہ سے وابستہ تمام ضروری امور کا تعلق ہے دوسرے اصناف کلام کی طرح اس صنف میں بھی بیدل نے غیر معمولی زور قلم اور قدرت بیان کا ثبوت دیا ہے جسے ہم قصائد کے دقیق مطالعہ کے دوران اچھی طرح محسوس کرتے ہیں گویا اس کے طبع موزوں کے سمندر میں ایک طغیانی آئی ہو اور اس نے دیو پیکر تھپیڑوں اور پہاڑ جیسی لہروں کو صفحہ قرطاس پر ثبت کر دیا ہو۔ یہ سلاست، متانت اور شان وشکوہ خصوصیت سے ان قصائد میں نظر آتی ہے جو عقیدت وارادت سے بھرے دل سے نکلے ہیں۔

اوزان وقوافی، مطلع اور شیوہ گریز کا اگر بہ غور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیدل نے خاقانی، انوری وامیر خسرو وغیرہ کے قصائد کی پیروی کی ہے۔ استاد صلاح الدین سلجوقی نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور بیدل کو خاقانی پر ترجیح دی ہے۔

اپنے پیشرو شاعروں کی تقلید کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ تمام عظیم شاعروں کو اس مرحلے سے گذرنا پڑا ہے لیکن ایک خاص مدت تک تقلید کرنے کے بعد عظیم شاعر اس مرحلے پر پہنچتا ہے جب اس کے اپنے اسلوب کے خدوخال معین اور دوسروں سے بالکلیہ ممتاز ہو جاتے ہیں۔

بیدل خاقانی، انوری، اور امیر خسرو تینوں کو عظیم اور قادر الکلام قصیدہ گو شاعروں کی فہرست میں

شمار کرتا اور ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے ان کا اثر قبول کیا ہے اور ان کی خصوصیات اپنے کلام میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

رفع انکار از نسب جویاں معنی مشکل است — گو بقدرت انوری در معرفت عطار باش

معنی کے نسب جو یعنی معنیٰ آفریں شاعروں کی اہمیت سے انکار کرنا مشکل کام ہے (ان شاعروں سے) کہہ دو زور بیان میں انوری تو خداشناسی میں عطار کا مرتبہ حاصل کریں۔ اسی طرح اکبر آباد کے ادبی مقابلہ میں جو مرزا کامگار کے گھر منعقد ہوا تھا جن شاعروں نے خاقانی اور امیر خسرو کی تحقیر میں ناشائستہ کلمات استعمال کئے تھے بیدل نے ان کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا:

''بایں دستگاہ خاقانی را بچاؤشی یاد نمودن ادبار مناصب فطرت وخسرو را بخادمی قبول فرمودن تنزل مراتب ہمت

بی خبر گر دستگاہ یک دو لفظ مستعار — پیش نتواں برد با معنیٰ سپاہاں ہمسری'' (۲۱۱)

اس معمولی استعداد ولیاقت کے ساتھ خاقانی کو چاؤش وچوبدار سے یاد کرنا اعلیٰ انسانی فطرت کے مناصب کو پست دکھانا ہے اور خسرو کو خادم کی حیثیت سے قبول کرنا مراتب ہمت کے انحطاط وزوال کا مظاہرہ کرنا ہے۔

اے غافلو! چند مستعار الفاظ کے سہارے تم معنی سپاہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

عطار وانوری کے لئے ''نسب جویان معنیٰ'' اور خاقانی وخسرو کے لئے ''معنی سپاہان'' کی ترکیب استعمال کر کے بیدل نے ان کے احترام کے ساتھ ان کے قصائد سے غیر معمولی اثر پذیری کا ایک طرح سے اعتراف بھی کیا ہے۔ درحقیقت اس نے ان حضرات کے کلام کی پیروی کی ہے اور قصیدہ سرائی کے اس معیار تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا کلام اس کے نزدیک صرف ایک قابل تقلید نمونے کی حیثیت رکھتا تھا ''صاحب معنیٰ'' بننے کے لئے اس کو تقلید کے مرحلے سے آگے بڑھنا تھا۔

از رہ تقلید نتواں صاحب معنی شدن — ژالہ بیش از یکدو دم بر خود نچیند گوہری

کسی کی تقلید کر کے کوئی آدمی ''صاحب معنیٰ'' نہیں بن سکتا۔ اولہ گوہر کی تقلید ایک دو لمحہ سے زیادہ نہیں کر سکتا ہے۔

رتبہ معنی بقدر ہمت مرد است وبس — گر بہ بند آبلہ از پا نمی آید سری

آدمی میں جتنی ہمت ہوتی ہے اسی کے مطابق اس کے معانی کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ پاؤں آبلے کی شکل اختیار کر لے تو وہ سر کا کام انجام نہیں دے سکتا۔

لہٰذا تقلید کر کے تحقیق اور پیروی کر کے ابداع کی منزل تک اس نے رسائی حاصل کی اور اپنا

مخصوص اسلوب شاعری اختیار کیا۔ بیدل، جیسا کہ اس کی ضخیم کلیات ایک بیّن ثبوت ہے، بڑے عالی عزم و ارادے اور ہمت و حوصلے کا آدمی تھا۔ وہ تازہ بہ تازہ معانی اور نکات بیان کرنے کی از حد کوشش کرتا تھا اور اس لحاظ سے اس نے ''خلاق معانی'' خاقانی کے مقابلے پر ابوالمعانی کا لقب پایا کیونکہ اس نے بھی یہی کام انجام دیا تھا۔

اب جبکہ گفتگو کا سلسلہ معانی اور مضامین تک پہونچا ہے تو اس بحث کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ مضامین کے لحاظ سے بیدل کے قصائد کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ نعت و منقبت سے وابستہ قصائد

۲۔ مدح و ستائش سے وابستہ قصائد

۳۔ اخلاقی اور عرفانی مضامین وابستہ قصائد

۱۔ نعتیہ قصائد:

نعتیہ قصیدہ کے بابت جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

دی کہ باد سحر طرہ شب خورد تاب ‌ ‌ ‌ شعشۂ پرواز داد آئینہ آفتاب

کل جب صبح کی باد نسیم سے رات کی زلف نے پیچ و تاب کھائے تو آئینہ آفتاب نے اپنی کرنیں پھیلائیں۔

استاد سلجوقی لکھتے ہیں:

''درج بالا قصیدے میں بیدل نے پہلی دفعہ وزن و قافیہ، موضوع قصیدہ، طرز گریز اور اس کے ذو مطلعین وغیرہ امور کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ دو قصیدوں کے درمیان محاوروں کا انداز بعض تشبیہات و استعارات بھی مشترک رہیں۔ اس کے باوجود ان دونوں اسلوبوں کا باہم یکجا اور ہم آہنگ ہونا دشوار کام ہے اور اس لحاظ سے دونوں قصیدوں اور ان کے اسلوب کے درمیان نمایاں فرق نظر آتا ہے' اور آخر میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ بیدل نے اس ادبی مقابلہ کو جس کا انعام کوثر رضوان خدا کا ایک پیالہ ہے، شایان شان انداز سے جیتا۔ بیدل سے پہلے خاقانی نے بھی اپنا پیالہ حاصل کیا تھا لیکن بیدل کے قصیدے کو تمام امور میں کیا مضمون، تخیل، انداز بیان، منطق، مسلک، تجزیہ، روانی لفظ کے لحاظ سے اور کیا عمق معنی اور موسیقی کے لحاظ سے خاقانی کے قصیدے پر برتری حاصل ہے گو ایک بہت ہی مرکب قسم کا سیفون ہے۔ (ایک خاص نغمہ جو ارکسٹرا

میں بجایا جاتا ہے اور جس میں کئی مختلف گیت ساتھ چلتی ہیں'۔)(۲۱۲)

اسی طرح دو دوسرے نعتیہ قصائد کے بابت لکھتے ہیں: ''بیدل کے حضور سرور کائنات ﷺ کی نعت میں دو اور قصیدے ہیں جن میں سے ایک کا قافیہ گل ہے اس کے آخر میں آپ کے چار یاروں کی مدح و ستائش بھی ہے اس کے اندر ستر اشعار ہیں۔ بیدل کے یہاں فطری طور پر بھرتی کی کوئی غزل نہیں ہے اس کی غزل، قصیدہ، مثنوی غرض اس کی ہر تخلیق جس کو اس نے نظم کا روپ دیا ہے سب گہر ہائے آبدار کے حامل ہیں جس کا انتخاب انسان قرعہ اندازی ہی سے کر سکتا ہے۔(۲۱۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ستائش میں جو قصیدہ بیدل نے کہا ہے اس کے بابت لکھتے ہیں:

''شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں جو قصیدے اس نے کہے ہیں ان میں سے ایک تو کو اس نے غالباً خاقانی کی پیروی میں کہا ہے۔ خاقانی کے قصیدے کے ساتھ اس کا تقابلی مطالعہ کیجیے تو اس میں وزن و قافیہ کے سوا کسی اور چیز میں خاقانی کے قصیدے کی مشابہت نظر نہیں آئے گی لیکن یہ یقینی امر ہے کہ قصیدہ کہنے کے وقت بیدل کے سامنے خاقانی کا قصیدہ رہا ہے کیونکہ خاقانی کے اس قصیدے نے ادب و تصوف کی فضا میں ایک عظیم دوئیت پیدا کر دی ہے اور اکثر بڑے شعراء جیسے خسرو اور جامی نے اس کا استقبال کیا ہے۔''(۲۱۴)

بیدل کے قصیدے جو سرور کائنات ﷺ کی نعت اور شاہ ولایت کی منقبت میں کہے ہیں بلاشبہ بہت زیادہ جوش، جلال و شکوہ، متانت و رزانت و لطافت اور نزاکت کی خصوصیات کے حامل ہیں جس سے نہ صرف باذوق حضرات ہی لطف لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایسے مواقع ہیں جس سے بیدل کا خلوص، محبت، ارادت اور عقیدت سب کچھ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے جب الفاظ کلے، تعبیرات اور ترکیبات کا سرچشمہ عشق و محبت و ارادت و عقیدت کے جذبے سے سرشار ہوں تو ان میں کتنا زور، کتنا شکوہ اور کتنی حرارت ہو گی کہنے کی ضرورت نہیں'۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری لکھتے ہیں:

''انہوں نے اگر چہ نعت اور حضرت علی کی منقبت میں لمبے لمبے قصیدے کہے ہیں مگر ان سے ان کے ادبی مرتبہ میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ ان قصائد سے بیدل کی عقیدت ضرور ٹپکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان قصائد میں انہوں نے خاقانی کے تتبع کی بھرپور کوشش کی ہے۔''(۲۱۵)

۲۔ مدحیہ قصائد:

بیدل نے ایک قصیدہ ''مداح فطرت'' کے عنوان سے کہا ہے جس کا مطلع اس طرح ہے۔

اے شمع بزم قدس ندانم چہ مظہری — کز وہم گاہ روشن و گاہی مکدری

اے بزم قدس کی شمع! میں نہیں جانتا آخر تو کس کی مظہر ہے کہ وہم کی کرشمہ سازی سے کبھی واضح اور صاف دکھائی دیتی ہے اور کبھی مکدر اور مبہم نظر آتی ہے۔

اس قصیدے میں ''شمع بزم قدس'' خود بیدل کی ذات ہے اس لئے گویا خود کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ آوارہ گرد نگاہ کی طرح تیری توجہ ادھر ادھر بٹتی رہتی ہے جبکہ تیری ذات آس پاس کی ساری چیزوں سے بہتر ہے اور ساری کائنات تیری ذات میں سما گئی ہے۔ افسوس کہ تجھے اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں۔

از ہر شی کہ عقل تو فہمیدہ افضلی — وز ہر مکاں کہ فہم تو پی بردہ برتری

تو ان تمام چیزوں اور جگہوں سے جو تیرے دائرہ فہم میں آتی ہیں، افضل ہے۔

چوں موج چند ہرزہ دویدن بہر کنار — گرداب شو اگر طلب آہنگ گوہری

موج کی طرح کب تک ساحل سے بیہودہ ٹکراتا رہے گا بھنور بن جا اگر تیرا ارادہ حصول گوہر کا ہے۔

چوں کہربات میل خس جسم تا بکی — بشناس قدر خویش کہ یاقوت احمری

بجلی کی طرح جسم کے تنکے کی طرف کب تک تیرا میلان رہے گا۔ اپنی قدر و قیمت کا اندازہ کر کیونکہ تو یاقوت احمر (سرخ قیمتی پتھر) کی طرح بیش بہا ہے۔

سرچشمہ حیات ابد در کنار تست — گر سر بجیب خویش کشیدی سکندری

ابدی زندگی کا سرچشمہ تیرے پہلو میں جاری ہے آپ اپنے دامن میں سر جھکا کر اپنی حیثیت اور مقام و مرتبہ پر غور کرو تو تم سکندر ہو۔

اس قصیدے کے آخر میں قصیدہ سرائی میں اپنے مقام و مرتبہ اور انداز اسلوب کی اس انداز سے وضاحت کرتا ہے۔

بیدل من آن نیم کہ شوم تاجر کمال — جائیکہ خاص و عام سخن راست مشتری

جہاں خاص و عام ہر طبقہ میرے کلام کا خریدار اور قدر دان ہے میرا مسلک اور میرا اصول نہیں کہ کمال کی تجارت کروں۔

در عرصہ بیان نفسی گرو می کنم — بی دعوی فضیلت ولاف سخنوری

اپنی فضیلت و برتری اور طبع آزمائی و شاعری کا دعوی کئے بغیر بیان کے میدان میں گرم رفتار ہوں۔

محکوم بی نیازی شوقم نہ محو فکر — آزادم از تخیل اوہام گستری

اپنے شوق و ذوق کی بے نیازی کے دائرہ و اختیار میں ہوں۔ اپنے فکر میں محو نہیں ہوں اور وہم گستری کے تخیل سے آزاد ہوں۔

از ہیچکس نیم صلہ اندیش بیش و کم — مداح فطرتم، نہ ظہیرم نہ انوری

کسی سے کم و بیش صلہ ملے گا، یہ خیال بھی میرے صفحہ ذہن پر نہیں ابھرتا میں تو فطرت کا مداح ہوں، ظہیر اور انوری کی سی مبالغہ آمیز مداحی اور خوشامدانہ خصوصیات کا حامل نہیں ہوں۔

فطرت وصلہ مشتاق عمر وزید است حیف — دارد قصور ہمت ازین رنگ شاعری

فطرت یعنی خدا اور بندے کے مرتبے اور دونوں کے تعلقات کے سچے اظہار کا جذبہ اور اس کے ساتھ عمرو زید وغیرہ سے صلے کا مشتاق ہونا بڑے افسوس کی بات ہے۔ اس قسم کی شاعری میں پست ہمتی پوشیدہ ہے۔

کلکم بصفحہ مشت غباری نشاندہ است — ورنہ سخن حقیقت بادی است سرسری

میرے قلم نے صفحہ قرطاس پر مٹھی بھر گرد و غبار جما دیئے ہیں ورنہ شاعری تو ایک سرسری ہوا ہے۔

سلاطین کی تعریف سے بیدل کی پہلو تہی اور کنارہ کشی کے لئے شاید اس سے بہتر اور واضح اشعار ہم کو نہ ملیں۔ ان اشعار میں بیدل نے خصوصیت سے ان لوگوں کو جنہوں نے شاعری کو اپنا ذریعہ معاش بنایا ہے اپنی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اور انہیں ''تاجر کمال'' کا لقب دیا ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اس کا کلام عوام خواص ہر طبقے میں مقبول ہے۔ اس لئے بھی اس کو اپنے کمال کے تجارت کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس کا کہنا ہے کہ زبان و بیان کے میدان میں قلم کی جولانی جو دکھا رہا ہوں وہ در حقیقت میرے فطری رجحان طبع کی بنا پر ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور محرک مثلاً اپنے علم و فضل کی نمائش یا اپنی شاعری کا بلند بانگ دعوی یا صلہ و بخشش کی امید وغیرہ نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں مداح فطرت ہوں۔ مشہور قصیدہ گو شاعر انوری اور ظہیر جیسے شاعروں کی خوشامدانہ طبیعت اور مبالغہ آمیز انداز مدح کا حامل نہیں ہوں کیونکہ کسی امیر و رئیس کی بخشش کی امید رکھنا اور اس کی درازی عمر کی تمنا کرنا انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ شاید انہیں اشعار کی بنا پر ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

''ان کے ہم عصر شعرا جنہیں اپنی تازہ گوئی پر ناز تھا صرف بیان کی نزاکتوں کے دلدادہ تھے لیکن بیدل کے سامنے کوئی اور مقصد تھا کہتے ہیں

غرض مطلب دیگر و اظہار صورت دیگر است — بیدل از آئینہ نتواں ساخت وضع جام را

وہ چاہتے تھے کہ ان کا فن صرف ان کے خیالات کے اظہار کا ذریعہ نہ بنے۔ دوسرے الفاظ میں ان کے خیال کے مطابق ابلاغی اسلوب زندگی میں ان کا ایک مقصد تھا، وہ انسانیت کبری کا احیا چاہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ان کا فن ان کے اس مقصد رفیع کے تابع ہو۔ ان کے عہد کے دوسرے شعرا شہنشاہوں اور شہزادوں کی مدح کیا کرتے تھے اور قصائد میں اپنے غیر حقیقی خیالات بیان

کرتے تھے لیکن ان کے قلم سے جو مصرعہ بھی نکلا ان کے خلوص دل کی آئینہ داری کرتا تھا اس لئے اپنے آپ کو مداح فطرت کہا کرتے تھے، انہوں نے نہ تو ملوک کی قصیدہ نگاری کی نہ وہ آرٹ کی دیوی کے پجاری بنے بلکہ انہوں نے اپنی غیر معمولی شاعرانہ صلاحیتیں انسانی فوز وفلاح کے لئے استعمال کیں اور یہ بے نظیر کارنامہ انہوں نے اس عہد میں سرانجام دیا جب کسی کے دل میں یہ خیال تک موجود نہ تھا کہ آرٹ ارفع اور اعلیٰ مقاصد کے لئے بھی وقف کیا جاسکتا ہے۔" (۲۱۶)

قصیدہ کے علاوہ قطعوں اور رباعیوں میں بھی بیدل نے سلاطین وامرا کی مدح وستائش سے گریز کیا ہے یا اس پر سخت تنقید کی ہے۔

بیدل مارا ہرزہ درائی شان نیست　　مدح میر وستایش سلطان نیست
زین است کلامیکہ ز ما شنوی　　غیر از ایثار خدمت یاران نیست

بیدل لغو گوئی میرے شایان شان نہیں ہے بادشاہ اور امیر کی ستائش میرا شیوہ نہیں ہے، یہی وہ ہے جو کلام میرا تم پڑھتے ہو وہ دوستوں کی خدمت میں ایک معمولی پیش کس کے سوا کچھ نہیں۔

ایکہ تعریف سلاطین کردہ ای　　مشق تعلیم شیاطین کردہ ای
چیست تعلیم شیاطین؟ حب جاہ　　ای شیاطین مرشدت رویت سیاہ

اے مخاطب! تو نے سلاطین کی تعریف کیا کی ہے درحقیقت شیطان کی تعلیم کی مشق کی ہے۔ شیطان کی تعلیم کیا ہے؟ دنیاوی جاہ وحشمت کی محبت۔ شیطان تیرا مرشد تیرا چہرہ سیاہ ہو۔

فخر طبیعت مدح شاہی بیش نیست　　کانہمہ تخت وکلاہی بیش نیست

تیری طبیعت کو اس بات پر بڑا ناز ہے کہ سلاطین کی تعریف میں مشغول ہے حالانکہ ان کا سارا تخت وتاج زوال پذیر ہے۔

امتیازی تا بدانی شاہ کیست　　این قفس پروردہ وہم جاہ کیست

ذرا عقل وتمیز سے کام لے کر سوچو کہ شاہ کون ہے؟ وہم کے پنجرے کے اندر پلا ہوا یہ شخص کس جاہ ومرتبے کے وہم میں گرفتار ہے۔

فی الحقیقت آتش است این شاہ نیست　　لیک ہر آتش پرست آگاہ نیست

وہ درحقیقت بادشاہ نہیں آگ ہے لیکن آگ کا ہر پجاری اس نکتے سے واقف نہیں۔

قرب این آتش بلای جان تست　　برق دین وخرمن ایمان تست

اس آگ کی نزدیکی تیرے لئے بلائے جان ہے تیرے دین وایمان کے خرمن کے لئے ایک بجلی ہے۔

ای بسا معنی روشن کہ ز حرص شعرا　　خاک جولانگہ اسپ وخر اہل جاہ است

کتنے بلند اور اعلیٰ مضامین شاعروں کی حرص کی بدولت اہل جاہ کے گھوڑوں اور گدھوں کی جولانگاہ ہے۔

اپنے روحانی اساتذہ کا ذکر کرنے کے بعد دنیاداروں کی تعریف سے کنارہ کشی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے بیدل لکھتا ہے۔

"زبان در مدحت ارباب دنیا جز آلودگیہای اغراض دنیوی ندارد و در ذکر صفات این طایفہ (اولیاء) غیر از چاشنی لذات حقی نمی شمارد۔ دران محفل بمقتضای غلبہ حرص یکسر مبالغہ ریا متصور۔ و درین مقام بحکم تقدس محفل اخلاص جلوہ گر۔" (۲۱۷)

زبان کو دنیاداروں کی تعریف کرنے میں دنیوی اغراض کی آلودگیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اس طایفہ اولیا کی خوبیوں کا تذکرہ کرنے میں ایزدی لذتوں کی چاشنی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اس محفل میں غلبہ حرص کے حسب اقتضا سراسر مبالغہ آمیز ریا کا عمل دخل ہے اور اس محفل میں اس کے تقدس کے حسب اقتضا اخلاص اور للٰہیت کا عمل دخل ہے۔

اتقول المفید علی کتاب التوحید کے مصنف محمد بن صالح العثیمین نے توحید اور شرک کے مسائل پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے وہ ایک جگہ مبالغہ آمیز مداح سلاطین شعراء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ومن ذلک ما یحصل لغلاۃ المداحین لملوکھم لاجل العطاء فلا یخرجھم ذلک عن کونھم المشرکین (۲۱۸) اسی شرک میں شامل ہیں غالی مداح شاعر جو سلاطین کی بخشش اور انعام کے خاطر ان کی تعریف کرتے ہیں یہ امراان کو ان کے مشرک ہونے سے نہیں نکالے گا۔

اسی طرح شیر خان لودھی وغلام علی آزاد بلگرامی اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیدل نے سلاطین کی مدح سے ہمیشہ اجتناب کیا۔

لیکن صورت حال ایسی نہیں ہے کیونکہ کلیات میں اورنگزیب، اعظم شاہ، بیدار بخت اور خان دوراں کی تعریف میں کچھ قصیدے موجود ہیں جن کے اندر مبالغہ آمیز مدح اور اپنی تحقیر ومحتاجگی پر مشتمل اشعار بھی نظر آتے ہیں۔ "چراغان دہلی" کے زیر عنوان ایک قصیدہ میں اورنگ زیب کو خطاب کرتا ہوا کہتا ہے۔

خسروا! معنی پناہا کو سرو برگ قبول　　تا بعرض حال دل جویم درین درگاہ بار

جہاں پناہ! دربار میں اپنے قلبی حالات وکیفیات بیان کرنے کے لئے باریابی کا میرے پاس

وہ سروسامان کہاں کہ انہیں شرف قبول حاصل ہو۔

صورت احوالم از طرز تخلص روشن است　　بیدلیہا چیدہ ام بر خود ز وضع روزگار

میرے حالات میرے طرز تخلص سے ہی واضح ہیں۔ زمانہ کے ہاتھوں میری نصیب میں افسردگی و بیدلی ہی آئی ہے۔

در قمار آرزو نقش مرادم گل نکرد　　داشتم نقد دل اما باختم بی اختیار

آرزو کے جوا میں میرا مقصد شرمندہ تکمیل نہ ہوا۔ میرے پاس لے دے کے ایک دل تھا اسے بھی بے اختیار گنوا بیٹھا۔

من سراپا احتیاج و چرخ دون پرور خسیس　　من طراوت انتظار و ابر احسان شعلہ بار

میں سراپا احتیاج ہوں جبکہ آسمان کمینہ پرور و خسیس واقع ہوا ہے میں طراوت و تازگی اور سعادت وخوشحالی کے انتظار میں ہوں جبکہ احساں کا بادل شعلے کی بارش کر رہا ہے۔

گر شود ابر عنایت آبیار مزرعم　　خوشہ ساں از پای تا سر جملہ دل آرم بار

آپ کا ابر عنایت اگر میرے کھیت کی آبیاری کرے تو خوشے کی طرح پاؤں سے لے کر سر تک میرا دل باغ باغ ہو جائے۔

محو بودم کز چہ خدمت قابل این منصبم　　شد یقینم کا ینقدر ہا بیدلی کرد ست کار

میں اس فکر میں تھا کہ کونسی خدمت کر کے اس منصب کا اہل بنوں اب یقین ہو گیا کہ میری اس قدر بیدلی ہی اپنا کام کرے گی۔

یعنی این اسمم دلیل لطف شاہنشاہی است　　ہمچنان کز عجز خوانند بندہ را پروردگار

یعنی میرا یہ نام ہی خسروانہ الطاف و کرم کی دلیل ہے۔ جس طرح پروردگار عالم بندے کو اس کی عجز و بے بسی کی وجہ سے بندہ کہہ کر پکارتا ہے۔

من ہمینم بلکہ کمتر تا بخود وا می رسم　　لیک موج بحر رحمت رانمی باشد شمار

جب میں اپنی شخصیت پر غور کرتا ہوں تو خود کو ویسا ہی بلکہ اس سے بھی کمتر درجے کا پاتا ہوں لیکن بحر رحمت کی موج کی حدو نہایت نہیں ہوتی ہے۔

چون نگین سر تا قدم عرض جبین سجدہ ام　　تا کند شاہم بانعام تخلص نامدار

نگیں کی طرح سر سے پاؤں تک میں سراپا جبیں سجدہ ہوں تا کہ بادشاہ سلامت مجھ کو تخلص پر انعام دے کر گوشہ گمنامی سے باہر نکالیں۔

کیا ان اشعار کا ''مداح فطرت'' کے اشعار سے کوئی جوڑ ہے، جن میں وہ دعوی کرتا ہے۔

وز ہیچ کس نیم صلہ اندیش بیش وکم　　مداح فطرتم، نہ ظہیرم نہ انوری

مجھے کسی سے کم وبیش صلے کی امید نہیں ہے میں تو مداح فطرت ہوں۔ ظہیر اور انوری نہیں ہوں۔

یا ایک جگہ کہتا ہے:

عرض حاجت می گدازد جوہر ناموس فقر　　آہ کایں گوہر ز دست طبع دوں می گردد آب

اب ذرا اور آگے بڑھیے۔ شہزادہ اعظم شاہ کی شان میں قصیدہ گوئی سے تمام تر بے نیازی اور کنارہ کشی کے باوجود اس کی کلیات میں ایک قصیدہ شہزادہ موصوف کی تعریف میں پایا جاتا ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حبذا خورشید قدرت منظر اوج یقین　　حکم فرمای سلاطین متکای عالمین

خورشید لقا، اوج یقین کا منظر، سلاطین کا حکم فرما اور دنیا والوں کی پناہ گاہ کا کیا پوچھنا۔

وارث صاحبقران سلطان محمد اعظم آن　　کز گل مدحش زبان دارد چمن در آستین

صاحب قراں کا وارث سلطان محمد اعظم جس کی تعریف و ستائش کے پھول سے زباں اپنی آستین میں ایک چمن سمیٹے ہوئے ہے۔

آنکہ مالد آفتاب چرخ بآن اوج قدر　　صندل نازاز غبار خاک راہش بر جبیں

وہ ہستی کہ آفتاب چرخ اپنی تمام تر رفعت و بلندی کے باوجود اس کی خاک راہ کے غبار سے نازکا صندل پیشانی پر ملتا ہے۔

آستان کعبہ تعظیمش شرف خاصیتی است　　کز طوافش سجدہ بندد بار منت بر جبین

اس کے کعبہ جیسی تعظیم رکھنے والے آستانے کو خاص شرف حاصل ہے جس کا طواف کر کے سجدہ احسان کا بوجھ پیشانی پر لادتا ہے۔

شوکت جمشید از جاہش مثالی بیش نیست　　گوش برافسانہ تا کی چشم بکشا و بہ بین

جمشید بادشاہ کی شان و شوکت اس کے جاہ و مرتبے کے سامنے ایک مثال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے قصے کہانیاں کب تک سنتے رہو گے آنکھیں کھول کے دیکھو۔

ہر کجا آوازہ قدرش جہانگیری کند　　کوس اقبال سکندر چوں مگس دارد طنین

اس کی قدر و منزلت کا چرچا جہاں بھی ہوتا ہے سکندر کے اقبال کا نقارہ بھی مکھی کی طرح بھنبھناتا ہے۔

اس طرح ایک قصیدہ ''مدح شاہ اور تولد شاہزادہ'' کے عنوان سے کلیات میں موجود ہے جو راقم السطور کے خیال میں اعظم شاہ اور اس کے بیٹے بیدار بخت کے بابت ہے کیونکہ ۱۰۸۱ھ میں جبکہ بیدل اعظم شاہ کی ملازمت میں تھا بیدار بخت کی ولادت کی مناسبت سے کئی قطعے اس نے کہے ہیں جو کلیات

میں موجود ہیں۔ اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اعظم شاہ اور اس کے بیٹے بیدار بخت ہی سے وابستہ ہے۔

حمد خدا کہ از چمن شاہ کامران　　گل کرد نشہ طرب عیش جاودان

الحمدللہ کہ کامران و کامیاب بادشاہ کے چمن سے جاودانی عیش ونشاط کا نشہ رونما ہوا۔

شاہنشہی کہ در چمنستان معدلت　　شاخ گل ست در کف او تیغ خونفشان

ایسا بادشاہ جس کے عدل و انصاف کے چمن میں پھول کی شاخ اس کی ہتھیلی میں خون نشاں تلوار کی حیثیت رکھتی ہے۔

گر ماہ سجدۂ در او آرزو کند　　گرد کلف بشویدش آنخاک آستان

چاند اگر اس کے آستانے کا سجدہ کرنے کی تمنا کرے تو اس کو آستانے کی خاک پہنچنے سے پہلے اپنے چہرے کے داغ دھونے ہوں گے۔

تانسبتی بپایہ جاہش رسانده است　　افگنده بر ہوا کلہ ناز آسمان

ناز آسمان کی ٹوپی نے جب سے اس کے جاہ و مرتبے سے ایک نسبت پیدا کی ہے اسے ہوا میں معلق کر رکھا ہے۔

مہرش دمیکہ سرزد از اندیشہ سپہر　　جوشید شیر نور ز پستان اختران

اس کے آفتاب نے جس دم آسمان سے سر اٹھایا نور کا دودھ ستاروں کے پستان سے ابل پڑا۔

اسی طرح خان دوراں نظام الملک (بانی آصف جاہی سلطنت) کی تعریف میں اس نے ایک قصیدہ کہا ہے جس کے چند اشعار پیش ہیں۔

فلک عمریست می نازد بدور شوکت وشانش　　بیاتا وا نمایم اقتدار خان دورانش

آسمان ایک عرصے سے اس کے دور شان وشوکت پر ناز کر رہا ہے۔ آؤ خان دوراں کے اقتدار کی کچھ جھلکیاں تمہیں دکھائیں۔

ز اکرامی کہ من دیدم ازان ذات کرم جوہر　　زبان گر بی سپاس افتد دل وداغست تاوانش

اس ذات کرم جوہر نے جس طرح میرا اعزاز و اکرام کیا زبان اگر شکر گزاری نہ کرے تو دل و داغ اس کے بدلے میں حاضر ہے (دل پر ناشکری کا صدمہ رہے گا)

ہمہ گر خاک گردم از غبارم شکر می بالد　　خموشی کیست تاپیچد سر طومار احسانش

اگر میں سراپا خاک ہو جاؤں تب بھی میری گرد و غبار سے شکر گزاری کا سلسلہ جاری رہے گا۔ خموشی کدھر ہے کہ اس کے احسانات کے رجسٹر کو لپیٹ کر رکھ دے۔

حدیثی در خور وصفت نگفتم آبم از خجلت　　محبت مشکلی دارد کہ نتوان کرد آسانش

میں نے آپ کے شایان شان آپ کی تعریف نہیں کی، اس بات سے مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا ہوں۔ محبت ایک ٹیڑھی کھیر ہے اسے آسان نہیں بنایا جا سکتا۔

سپہرش گر بگویم، فطرتم می نالد از پستی　　اگر خورشید خوانم زرہ واری نیست شایانش

رفعت و بلندی میں اگر اسے آسمان سے تشبیہ دوں تو میرا شاعرانہ ذوق اپنی پست فکری کی وجہ سے آہ و نالہ کرتا ہے اور اگر اسے سورج سے تشبیہ دوں تو ذرہ بھر بھی وہ اس کے شایان شان نہیں ہے۔

اغراق اور بے جا مبالغہ پر مشتمل اس قسم کے اشعار جو ممدوح کے مقابلے پر اپنی پستی و زبونی اور دنائت و فضیحت کو ظاہر کرتے ہیں بیدل کے اصول زندگی سے، جس کا پہلے ذکر ہوا ہم آہنگ نہیں نظر آتے ہیں اور حقیقت میں ہمیں ظہیر فاریابی اور انوری ابیوردی کی یاوہ گوئی کی یاد تازہ کراتے ہیں جہاں وہ کہتا ہے۔

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پای　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

نوں آسمان اس فکر میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں کہ قزل ارسلان کے رکاب کا بوسہ کیسے لیں۔

ایزد چو کارگاہ فلک را بکار کرد　　از کاینات ذات ترا اختیار کرد

خدا نے جب کارخانہ عالم کو وجود بخشا تو ساری کائنات میں سے تیری ذات کو چن لیا۔

اول ترا یگانہ و بی مثل آفرید　　وانگہ سپہر ہفت وعناصر چہار کرد

پہلے تو تجھے یگانہ اور لاثانی شخص بنایا اس کے بعد سات آسمان اور چار عناصر پیدا کیے۔

اور انوری کہتا ہے

سہیل اگر نہ ز دیوان تو برد توقیع　　مثال عزل دہند از ولایت یمنش

سہیل ستارہ (ایک مشہور چمکدار ستارہ جو ملک یمن میں طلوع ہوتا ہے اس کی تاثیر سے چمڑے میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور کل حشرات الارض مر جاتے ہیں) اگر میرے دفتر سے شاہی فرمان نہ لے تو ملک یمن سے اسے معزول کر کے نکال دیں۔

اگر شہاب نہ بانام او رود بفلک　　میان راہ بدم بفسرند اہرمنش

اگر شہاب (روشن ستارہ یا وہ چیز جو ستارے کی طرح آتشبازی کے انار کی طرح چھوٹتی ہے) اس کا نام لے کر آسمانوں پر نہ چڑھے تو بیچ راستے ہی میں اہرمن (شیطان) اسے ٹھنڈا کر دیں۔

ملاحظہ کیجئے بیدل کا دعوی کہ "مداح فطرتم نہ ظہیرم نہ انوری" حقیقت سے کوئی ربط رکھتا ہے؟ یہی صورت حال اس کے قطعات میں بھی نظر آتی ہے ایک قطعہ میں جو شاید اس نے فرخ سیر کی تعریف میں کہا ہے، کہتا ہے۔

تو ان رفیع جنابی کہ مرغ ناطقہ را　　باوج مدحت تو بال و پر فرو ریزد

تو وہ بلند مرتبہ ہستی ہے کہ مرغ ناطقہ کے پر و بال تیری تعریف کی چوٹی تک پہنچنے میں گر جاتے ہیں۔

عروج قدر تو کیوان اگر خیال کند　　ہوای عالم رفعت زسر فرو ریزد

کیواں (ستارہ زحل جو ساتویں آسمان پر ہے) اگر تیری قدر و منزلت کی بلندی کا صرف تصور کرے تو عالم رفعت کی اس کی خواہش سر کے بل گر جائے۔

فرخ سیر کی تخت نشینی کی مناسبت سے اس نے ایک طویل قطعہ کہا ہے جس کے کچھ مبالغہ آمیز اشعار ملاحظہ ہوں:

تیغ جہاندار زمن روزی کہ شد برق آفرین　　اقبال قیصر دست شست از زز ہرہ تا خاقان چین

جہاندار عصر کی تلوار جس دن بجلی گرانے لگی زہرہ سے لے کر خاقان چین (چین کے سلاطین کا لقب) تک قیصر جیسی اقبال نے ہاتھ دھولیا۔

شاہی کہ پیش شوکتش پست است لاف سرکشان　　گر پشہ او دم زند بر کوہ بر بندد طنین

ایسا بادشاہ ہے جس کی شوکت و سطوت کے سامنے سرکش سلاطین کی لاف زنی کی کوئی وقعت نہیں۔ اگر اس کا مچھر بھی بھنبھنائے تو پہاڑ اس سے دب جائے۔

عدلش سپہر معدلت، جودش محیط مکرمت　　ذاتش بقای مملکت، نامش جہان بخش نگین

اس کا عدل و انصاف معدلت کا آسماں ہے اور اس کا جود و کرم مکرمت کا سمندر ہے۔ اس کی ذات مملکت کی بقا ہے اس کا نام دنیا عطا کرنے والا نگینہ ہے۔

غیر از خضوع بندگی با ظل حق کفر است و بس　　آہ از نگوں بختی کزو در سینہ دزد د بو کین

ظل حق (سایہ خدا یعنی بادشاہ سلامت) کے سامنے جذبہ بندگی کے ساتھ جھکنے کے سوا سارا راستہ کفر کا ہے۔ اس بدنصیب پر افسوس جو اس کی طرف سے دل میں کینہ و کدورت رکھے۔

درعرصہ گاہ کاف ونوں از دور آدم تا کنون　　روشن نشد زین امتداد آئینہ فتح مبین

کاف ونون (دنیا کو وجود بخشنے کے لئے خدا کے ارشاد ''کن'' ہوجا) کی عرصہ گاہ میں عہد آدم سے لے کر آج تک پورے طویل عرصے میں ایسی کوئی فتح مبین سامنے نہیں آتی۔

نص شرف، شاہ زمان، نجم الہدی فیاض ملک　　کشور کشا، موسی عصا، گیتی ستان، جم نگین

شرافت کا متن، زمانے کا بادشاہ، ہدایت کا ستارہ، ملک کا داتا، فاتح، موسی علیہ السلام جیسی لاٹھی والا عالمگیر اور جمشید جیسے نگین والا۔

کیا اس قسم کی بے جا مبالغہ آمیز مدح پر مشتمل اشعار کی کوئی توجیہ کی جاسکتی ہے؟ ہاں ایک

رباعی میں بیدل نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ میں نے یہ کام احباب کی فرمائش پر کیا لیکن اب مجھے اس پر ندامت ہے۔

مدح و تاریخ بعضی از شاہ و امیر　　کردم بتکالیف عزیزاں تحریر

آنہا مردند و من پشیمان گشتم　　فطرت بہ عذاب قبر ماند از تشویر

بعض سلاطین اور امرا کی جو مدح وستائش میں نے کی ہے اور ان کے لئے جو تاریخی قطعات کہے ہیں وہ درحقیقت دوست احباب کی فرمائش پر کہے ہیں وہ لوگ اللہ کو پیارے ہوئے اور میں اپنی جگہ نادم و شرمندہ ہوں۔ انسانی فطرت اپنی خجالت و پشیمانی کے باعث عذاب میں گرفتار رہتی ہے۔

اگر اس توجیہ سے ہم مطمئن نہ ہوں تو کہنا پڑے گا کہ بیدل کے یہاں بھی اور لوگوں کی طرح تضاد اور جدلیت موجود ہے وہ خود کہتا ہے

زندگی موضوع اضداد است صلح اینجا کجاست　　با نفس باقیست تا قطع نفس بر خاش ما

[ہے زندگی اضداد کا مجموعہ مرے دوست　　رہتا ہے نزاع سانس سے جب تک وہ چلے ہے]

نہ تو شیر خان لودھی کا بیان درست نظر آتا ہے اور نہ غلام علی آزاد کا اور نہ ہی صلاح الدین سلجوقی کا خیال راقم السطور سے ہم آہنگ ہے جو بیدل سے غیر معمولی ارادت وعقیدت کی بنیاد پر چاہتے ہیں کہ وہ تمام اشعار جو بیدل کی شخصیت وسیرت کو کسی طرح مجروح کرتے ہیں یا اس کے لئے نقصان دہ ہوں یا اس کی تضاد بیانی کو واشگاف کرتے ہیں، الحاقی قرار دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسرے تمام شاعروں کی طرح بیدل بھی ایک انسان تھا کوئی فرشتہ نہیں تھا اور جس طرح دوسروں کے یہاں قول وعمل میں تضاد وجدلیت موجود ہے اس کے یہاں بھی تھی۔ ایسا انسان جو اچھے برے حالات سے متاثر ہو کر اسی قسم کے اچھے برے رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ باوجودیکہ بیدل کو عزائم اور تعویذ گنڈوں کے بعض واقعات میں کامیابی ہوئی ہے۔ راقم السطور کسی طرح اس کو جنید بغدادی، بایزید بسطامی اور ابوبکر شبلی وغیرہ اولیاء اللہ کا ہم پایہ وہم پلہ قرار دینے کو تیار نہیں۔

مدح وستائش میں اگر وہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ دیتا تو بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنے اصول کے دائرے سے باہر نہیں گیا لیکن جیسا کہ ہم نے پڑھا، معاملہ ایسا نہیں ہے۔ مدح وستائش کے سلسلے میں ایک طرف تو دعوی کرتا ہے کہ میں مداح فطرت ہوں دوسری طرف سلاطین اور شہزادوں خصوصاً فرخ سیر کی تعریف میں جس نے کشت وخون کا بازار گرم کر دیا تھا، ظہیر وانوری کی روش اپنایا ہے۔

ز نور عدل او در محفل دہر　　طرب گل جوش چوں گوہر بہ مہتاب

اس کے نور عدل کی بدولت دنیا میں خوشی ومسرت کی ایسی لہر دوڑ گئی ہے جیسے چاندنی رات

میں موتی کی چمک دمک اور نکھر جاتی ہے۔

ممکن ہے یہ جواز پیش کیا جائے سلاطین کی مدح وستائش سے بیدل کا مقصد جاہ و مرتبہ اور دولت وثروت کا حصول نہ تھا بلکہ خود کو ان کے شر سے بچانا مقصود تھا۔لیکن یہ نکتہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ وہ کوئی سیاسی قسم کا آدمی نہ تھا کہ ناخوشگوار حالات کی بھینٹ چڑھنے کا اندیشہ اسے مبالغہ آمیز مدح وستائش پر آمادہ کرتا۔

۳۔ تصوف، حیرت اور اخلاق وغیرہ سے متعلق قصائد:

بیدل کے بعض ایسے قصائد بھی ہیں جن کا موضوع تصوف اور اخلاق ہے۔ان میں خصوصیت سے ''سواد اعظم، محیط بے کراں، رمز حیرت، اور طلب حق'' کے زیر عنوان قصائد خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ان قصائد کو اس کے عارفانہ اور اخلاقی افکار وخیالات کی حقیقی جولانگاہ سمجھنا چاہئے۔

قصیدہ سواد اعظم کی بابت ڈاکٹر عبدالغنی مرحوم لکھتے ہیں:

''امیر خسرو کا تتبع کرتے ہوئے ایک قصیدہ ''سواد اعظم'' بھی تصنیف کیا ان میں بہاریہ اشعار ہیں، رنگین بیانی ہے، چمن پروری اور چمن آفرینی کا مظاہرہ ہے۔'' (۲۱۹)

لیکن راقم السطور کے خیال میں بیدل نے ان ہی مضامین پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ عشق و محبت عرفان وخودشناسی، اضطراب وبے کلی، دل کی اہمیت، عقل وہنر کا حصول، نفع رسانی خلق وغیرہ موضوعات حتی کہ خود اپنی اہمیت کا تذکرہ بھی اس میں کیا ہے۔اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بیدلان ناچار رنگ عشق می باید گرفت　　شعلہ احمری کند گر اخضر وگر اصفر است

بیدل عشق کا رنگ اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔شعلہ چاہے سبز رنگ کا ہو چاہے زرد رنگ کا اسے سرخ رنگ کا ہونا ہی پڑے گا۔

سعی عاشق را بجهد مردم دنیا مسنج　　وجد طفلان دیگر است و رقص بسمل دیگر است

عاشق کی جدوجہد کو دنیاوی انسانوں کی جدوجہد پر قیاس مت کرو بچوں کا وجد اور ہوتا ہے، بسمل کا رقص اور ہوتا ہے۔

بر خود از غفلت بہشتی را جہنم کردہ ایم　　گر دل از شرم معاصی آب گردد کوثر است

غفلت وبے خبری سے ہم نے بہشت کو اپنے لئے جہنم بنالیا ہے دل اگر گناہوں پر ندامت اور پشیمانی کی وجہ سے پانی پانی ہوجائے تو اس کی حیثیت آب کوثر کی ہے۔

طوف خود کن تا حقیقت نشہ ای حاصل کنی　　گرد دل گشتن درین میخانہ خط ساغر است

خود اپنی ذات کے گرد طواف کرتا کہ حقیقت کا نشہ تجھے حاصل ہو اس میخانے میں دل کے گرد منڈلانا خط ساغر ہے۔(اس میں اشارہ ہے قرآن پاک کی آیت ''**وفی انفسهم افلا تبصرون** (خود اپنی جانوں میں غور نہیں کرتے) کی طرف)

عافیت از عالم امکان نباید خواستن　　خانہ زنجیر سامانش ہمیں شور وشر است

عالم امکان (دنیا) سے خیر وعافیت کا خواہاں مت رہ یہ ایک خانہ زنجیر ہے جس کا سارا اثاثہ یہی شور وہنگامہ ہے۔

بی تکلف کسب ہوشی کن کہ در دنیای راز　　اندکی فهمیدن از بسیار گفتن خوشتر است

سدا ہوش وگوش اور علم ودانش کے حصول میں لگے رہو کہ دنیائے راز کے اندر تھوڑا سمجھنا زیادہ بولنے سے بہتر ہے۔

حسن معنی خواہی از کسب ہنر غافل مباش　　ابر وی بی مو بود تیغیکہ او بی جوہر است

حسن معانی ومضامین اگر مطلوب ہے علم وہنر کے حصول میں لاپرواہی سے کام مت لو۔جس تلوار میں جوہر نہ ہو اس کی مثال اس بھوں کی سی ہے جس میں بال نہ ہو۔

گر رضای حق طمع داری بنفع خلق کوش　　ہر غذا کافتد موافق با بدن جان پرور است

خدا کی رضا وخوشنودی اگر مطلوب ہے تو خلق خدا کی نفع رسانی یا خدمت خلق میں لگے رہو جو غذا بدن کو راس آئے وہ جاں پرور ہوتی ہے۔

بیدل اس قصیدے پر فخر کرتا تھا، کہتا تھا۔

شوخی این نظم بر دلها قیامت می کند　　ای قیامت در نفس شورت چہ طوفان پرور است

اس نظم کی دلکشی ودلآویزی نے دلوں پر قیامت ڈھادی ہے۔اے وہ ہستی کہ تیری سانس میں قیامت کی سی خصوصیت ہے تیرے شور نے کس قدر طوفان برپا کردیا ہے۔

دوسرا قصیدہ ''محیط بے کراں'' کے عنوان سے ہے۔اس قصیدے کے مضامین زیادہ تر اخلاقی ہیں۔اس میں زمانے کی سختیوں پر صبر وتحمل، فقر و درویشی، خودشناسی، طبع عالی، طبع ناقص، ابناء دہر کی شفقت کا دھوکہ، پست طبع لوگوں کی صحبت، صفا کیشی اور صفا کیشوں کی اہمیت، شیوہ تسلیم ورضا، تعلق مع اللہ اور فنا وغیرہ موضوعات زیر بحث آئے ہیں اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سختی دوران بوضع کاملان نزدیکتر　　سنگ ازاں بر سینہ بستی خاتم پیغمبر ان

زمانے کی سختیاں کاملوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھتی ہیں اسی لئے ختم الرسل جناب رسول خدا ﷺ نے سینے پر پتھر باندھے۔

از سختی دوران کسی آزادنیست   میوه باغ سعادت نیز دارد استخوان

زمانے کی سختیوں سے آدمی تو آدمی ہما پرندہ تک بچا ہوانہیں ہے۔ ہڈیاں (جو ہما کی غذا ہے) بھی باغ سعادت کے میوہ کی حقیقت رکھتی ہیں۔

طبع ناقص رازوضع خود ترقی مشکل است   طفل اشک آن نیست درصد سال ہم گردد جوان

ناقص طبیعت والوں کو اپنی (پست) حالت سے ترقی کر کے آگے بڑھنا مشکل ہے ''طفل اشک'' ایسی چیز نہیں ہے جو سو سال میں بھی جوان ہو جائے۔

طبع عالی برندارد منت امداد غیر   سختی خویشست تیغ کوه راسنگ فسان

بلند طبع حضرات غیروں کی امداد کے احسان کا بوجھ نہیں اٹھاتے ہیں سان کا پتھر پہاڑ کی چوٹی پر خود اپنی سختی کی وجہ سے جما ہوا ہے۔

دوش عجز ما تحمل طاقت اسباب نیست   جز مژه مشکل که بردارد نگاه ناتوان

ہماری عجز و بے بسی کا شانہ اسباب کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا، نگاہ ناتواں پلک کے سوا کوئی اور چیز کو مشکل سے ہی اٹھا سکتی ہے۔

غره راحت مباش از شفقت ابنای دہر   درفسون مہر شان خفتست باد مہرگان

ابناء دہر کی بظاہر شفقت ومہربانی کی وجہ سے اگر آرام نصیب ہو تو اس پر مت پھولنا ان کی محبت کے جادو میں مہرگاں (مہرگان خزاں کا ایک مہینہ ہے جس میں آفتاب برج میزان میں رہتا ہے۔) کی ہوا (یعنی ویرانی) محو خواب رہتی ہے۔

بی تکلف صحبت دون مرگ عالی ہمت است   اختلاط آب باآتش ندارد امتحان

پست طبع لوگوں کی صحبت عالی طبع اور بلند ہمت حضرات کے لئے یقیناً موت ہے۔ پانی کی آگ کے ساتھ آمیزش کی آزمائش کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

''رمز حیرت'' کے عنوان سے جو قصیدہ بیدل نے کہا ہے اس مین عشق، استغنا، اور دنیا کی بے ثباتی وغیرہ موضوعات سے بحث کی ہے اس لحاظ سے یہ قصیدہ بڑی حد تک صوفیانہ رنگ لئے ہوئے ہے جس کے اندر جمال مطلق سے عشق کا ذکر ہے۔

ازره عشق آنکه مشت خاک بر سر یافته   در محیط آبرو خود را شناور یافته

راہ عشق کی مٹھی بھر خاک بھی اگر کسی کے سر پر آ کر جمی تو اس نے گویا آبرو کے سمندر میں شناوری کر لی۔

ای خوش آں شیرین اداطبعی که در بزم مقال   طوطیش از گفتگوی عشق شکر یافته

اس شیرین ادا طبیعت کا کیا پوچھنا جس کی طوطی کو محفل میں عشق ومحبت کی گفتگو کی چاشنی ملی ہو۔

گر نباشد معنی عشق انتخاب مدعا   سعی غواص سخن فیض از چه گوہر یافته

''مفہوم عشق'' اگر شاعر کے سامنے منتخب اور چیدہ مضمون کی حیثیت نہ رکھتا، تو بحر سخن میں غواصی کرنے والے کی کوشش کس گوہر سے فیض حاصل کر سکتی ہے۔

داغ عشق دستگاه آبروی خویش کن   نازد آں حسنی کزاین آئینه جوہر یافته

تیری حیثیت ''داغ عشق'' کی ہے اسے اپنی آبرو کا معیار قرار دے۔ اس حسن کو اپنے اوپر ناز ہوتا ہے جس کو اس آئینے سے جوہر مل جائے۔

خاک شواز دردنایابی که در صحرای عشق   خویش راہم شخص گم ناگشته کمتر یافته

''نایابی'' کے غم میں خاک ہو جا کیونکہ عشق کے صحرا میں ایسا آدمی جو کھویا نہیں ہے اپنے کو بھی کم ہی پاتا ہے۔

ساز ماؤ من حریف نشه تحقیق نیست   خامشی زین رمز حیرت اندکی دریافته

''ماو من'' کا باجا نشہ تحقق کا حریف نہیں ہوتا ہے اس رمز حیرت سے خاموشی کو کچھ حصہ ملا ہوا ہے۔

''طلب حق'' کے زیر عنوان قصیدے میں جیسا کہ اس کے موضوع سے ظاہر ہے بیدل نے بڑے دلکش انداز میں ''حق کی تلاش'' پر روشنی ڈالی ہے اور قارئین پر اس کی اہمیت واضح کی ہے۔

طلب حق اگرت رہبر تحقیق شود   بردآنجا که خیالت کشد الله معک

حق کی تلاش وجستجو اگر تمہاری تحقیق کی رہبری کرے تو وہاں تک پہونچائے جہاں تمہارا خیال تم کو اللہ معک (اللہ تیرے ساتھ ہے) تک کھینچ لائے۔ قال الله : انی معکم لئن اقمتم الصلوٰة و آتیتم الزکوٰة و آمنتم برسلی و عزرتموھم و اقرضتم الله قرضا حسنا (مائدہ۱۲)۔ اللہ کی معیت کے لئے پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ نماز کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی، پیغمبروں پر ایمان اور ان کی مدد اور خدا کہ راہ میں خرچ اس لئے خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان امور پر دھیان دینا ضروری ہے۔

حاصل الامر جہاں دام فریب است وجہل   قرب یزدان طلب و از ہمه رو دور ترک

غرض کہ دنیا دھوکہ دھڑی اور جہالت ولاعلمی کا دام ہے خدا کی قربت حاصل کرو اور دیگر چیزوں سے زیادہ سے زیادہ بے تعلق ہو جاؤ۔

در خور یکدم غفلت ز خدا وند کریم   نزد بیدل صدازیں قارعه باشد اندک

خدا کریم سے لمحے بھر کی غفلت بھی بیدل کے نزدیک سیکڑوں قیامت کے منظر سے کم درجے کی چیز ہے۔

ایک قصیدہ ''خیمہ بیدل'' کے عنوان سے بھی ہے جس کا موضوع دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری ہے۔ غلام حسن مجددی لکھتے ہیں:

''این قصیدہ ہیچ ہدفی علمی وعرفانی ندارد وفقط قوت تخیل وقدرت قلم این شاعر مبدع را نشان می دہد۔'' (۲۲۰)

اس قصیدہ کا کوئی علمی وعارفانہ مقصد نہیں ہے محض اپنی قوت تخیل اور زور بیان کے اظہار کے لئے اس نے کہا۔

مرا مفلوک تنبوئی است کز عبرت ثمر دارد   بدنیا دل نہ بند دہر کہ بر حالش نظر دارد

میرے پاس ایک پھٹا پرانا تنبو ہے جس سے درس عبرت حاصل ہوتا ہے جس آدمی کی دنیا کے حالات پر نظر ہے وہ اس سے دل نہیں لگاتا ہے۔

بغیر از نام گردی نیست در بنیاد موہومش   طلسم بی نشانی از پر عنقا خبر دارد

اس کی موہوم بنیاد میں نام کے سوا کچھ نہیں رکھا ہے طلسم بے نشاں کو ہی عنقا کے پر کی خبر ہوتی ہے۔

حباب شوق گویم ؟ گر دباد حیرتش خوانم   کہ اشک وآہ من عمریست سیر بحر وبر دارد

اسے شوق کا بلبلہ کہوں یا حیرت کی گردباد کہ میرے آنسو اور آہ ایک مدت سے بحر وبر کے سفر میں سرگرم ہیں۔

✪✪✪

قطعات

بیدل کے قطعات بیشتر مبارکباد نامہ، تعزیت نامہ، فتح نامہ اور خوش آمدید نامہ کی نوعیت کے ہیں۔ یہ قطعات معاشرہ کے مختلف طبقے سے اس کے گونا گوں تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ تاریخی مادہ نکالنے میں اس کی زبردست صلاحیت ولیاقت کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ چار عنصر اور رقعات میں بہت سے ایسے قطعات ہیں جن کا موضوع اخلاقی وعرفانی مضامین ہے اور جن میں قارئین کی دلچسپی کا سامان بھی ہے۔ وہ تاریخی قطعے جو فرخ سیر کی شادی اور اس کے تخت پر جلوس کی مناسبت سے بیدل نے کہے ہیں بڑی حد تک بے جا مبالغہ واغراق اور تملق وخوشامد پر مشتمل ہیں جو بیدل کے مسلک ومشرب سے ہماہنگ نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ راقم السطور کو وہ قطعات بہت پسند آئے جو شکر اللہ خاں اور نظام الملک عرف چین قلیچ خاں کی آمد اور ان کے استقبال میں بیدل نے کہے ہیں۔ یہاں جوش وخروش، شان وشکوہ، اور اشتیاق وآرزومندی ساری چیزیں نقطہ عروج کو پہنچتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بے انتہا لطف آتا ہے۔

بیار بادہ کہ بوی بہار جان آمد   فروغ مہر ازل چین قلیچ خان آمد

شراب لاؤ کہ بہار جاں کی بو آ رہی ہے۔ مہر ازل کی روشنی چین قلیچ خاں (نظام الملک آصفجاہ اول) تشریف لا رہے ہیں۔

بسیر کشور ما از نوید اقبالش   سعادت آمد وامن آمد واماں آمد

ہمارے ملک (دہلی) کی سیاحت کی غرض سے اس کے نوید اقبال سے سعادت وخوش نصیبی آئی اور امن وامان آیا۔

بچرخ برد ہوا خواہ او پیام مسیح   ازین نشاط کہ آن عمر جاودان آمد

اس کا خیر خواہ پیام مسیح کو آسمان پر لے گیا اس خوشی پر کہ وہ اَبدی حیات والا آیا۔

بخاک خفت حسودش فروتر از قارون   شکوہ او چقدر برخسان گران آمد

اس کا حاسد قارون سے بھی نیچے خاک میں محو خواب ہوا اس کی شان وشوکت کمینوں پر کتنی گراں گذری۔

جبین زسجدۂ شوقش بلندئی می خواست — دمیدن عرق شرم نردبان آمد

پیشانی اس کا سجدۂ شوق کر کے رفعت و بلندی چاہتی تھی پر مارے شرم کے پسینے کا جاری ہو اس کے لئے سیڑھی بن گیا۔

مقیم گوشۂ زانوی انتظارم داشت — حقیقتی کہ بچشم من این زمان آمد

میرے زانوئے انتظار کے گوشے میں قیام پذیر تھی وہ چیز جو اس وقت میری آنکھوں میں حقیقت بن کر آئی ہے۔

چو سایہ بر در الفت سجودش آخر کار — سر من از خط تسلیم موکشان آمد

دروازہ الفت پر اس کا سجدہ سایے کی طرح آخر کار میرا سر تسلیم کے خط سے موکشی کرتا ہوا آیا۔

نداشت بیدل ما طاقت زیارت او — کرم نمود و بدرمان خستگان آمد

بیدل میں اس کی زیارت کرنے کی توانائی نہ تھی اس نے کرم کیا اور خستہ و پریشان لوگوں کا علاج کرنے آیا۔

اور شکر اللہ خاں کی آمد کی مناسبت سے کہا:

باز از دل بسوی دیدہ ما می آئی — ای دل و دیدہ فدایت زکجا می آئی

تو دوبارہ دل سے ہماری آنکھ کی طرف آرہا ہے تجھ پر میرے دیدہ و دل قربان ہوں کہاں سے تشریف لا رہا ہے۔

می خرامی و تو و من ناز تحیر دارم — گوئی از بہر من بی سروپا می آئی

تو گرم رفتار ہے اور میں ناز تحیر کا حامل ہوں گویا مجھ بے سروپا کی خاطر تو آرہا ہے۔

دیدہ تا دل ہمہ گلچین بہار آغوش است — چشم بد دور عجب عقدہ کشا می آئی

آنکھ سے لے کر دل تک سب گلچیں بہار آغوش ہیں چشم بد دور تو عجیب عقدہ کشا (میری گتھی سلجھانے والے بن کر) تشریف لا رہا ہے۔

کو مکان و چہ زمان کز تو تواں یافت تہی — ہمہ دم با ہمہ کس در ہمہ جا می آئی

کونسی ایسی جگہ ہے اور کون سا ایسا زمانہ ہے جو تجھ سے خالی ہو۔ سدا سب کے ساتھ اور سب جگہ آپ تشریف لاتے ہیں۔

✪✪✪

ترجیع بند و ترکیب بند وغیرہ

جیسا کہ اس سے پہلے کئی جگہ لکھا گیا بیدل کا اپنا ایک بنیادی اور مرکزی خیال ہے اس کے تمام اصناف کلام کے مطالعہ کے وقت اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ بنیادی فکر ''وحدت الوجود'' کا ہے اور ایک قادر الکلام شاعر اور نظریہ وحدت الوجود کے زبردست حامی ہونے کی حیثیت سے وہ ہر نوع کے کلام میں بالآخر اسی موضوع پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ یہی عمل اس نے ترکیب بند اور ترجیع بند میں بھی دہرایا ہے، ترجیع بند کے بارے میں خوشگو لکھتا ہے۔

''ترجیع بندی گفتہ از ہزار بیت زیادہ در جواب ترجیع بند فخر الدین عراقی کہ بسیار مشہور است و بندآں این است۔'' (۲۲۱)

اس نے ایک ترجیع بند کہی ہے جس میں ایک ہزار سے اوپر اشعار ہیں اور فخر الدین عراقی کی ترجیع بند کے جواب میں ہیں جو بہت مشہور ہے اس کا ایک بند یہ ہے۔

کہ بہ چشماں دل ہمیں جز دوست — ہر چہ بینی بدانکہ مظہر اوست

عراقی نے سالکانہ انداز سے اس نکتے پر روشنی ڈالی ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں جو ہمیں نظر آتی ہیں اس کی قدرت کے مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ عارف کا عقیدہ ہے اشیاء عین ذات خدا ہیں اس لئے بیدل نے عارفانہ انداز سے کہا ہے۔

کہ جہاں نیست جز تجلی دوست — ایں من و ما ہماں اضافت اوست

کہ دنیا دوست کی تجلی (جلوہ گاہ) کے سوا کچھ نہیں ہے یہ ''من و ما'' درحقیقت اسی کی نسبت اور اضافت کے الفاظ ہیں۔

صلاح الدین سلجوقی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

اس ترجیع بند میں سات سو چودہ اشعار ہیں جن کے اندر ہر بیس اشعار کے ایک بند کے بعد جس کی کل تعداد ۳۴ ہے اس شعر کا تکرار ہوا ہے۔

کہ جہاں نیست جز تجلی دوست — ایں من و ما ہماں اضافت اوست

ترکیب بند کی طرح یہ بھی ایک تکوینی سفر پر مشتمل ہے جو درحقیقت ''دنیائے تعینات'' کی پیدائش

کی شرح و تفصیل کہ ''وجود'' مجلۂ اطلاق سے نکل کر کس طرح صحرائے تعینات میں نزول کرتا ہے۔ یہ ترجیع بند نہایت خوبصورت، پختہ اور متین ہے۔ بیدل اور اس کی طبع رواں کے موجزن دریا میں جس قدر غور و خوض کرتا ہوں ایسی کوئی موج نظر نہیں آتی جو متانت و انسجام کے ساتھ اپنے ساحل ہدف پر نہ پہنچتی ہو اور نغمہ سرائی نہ کرتی ہو اور افادات کے آبدار گوہر معانی نہ چھوڑ جاتی ہو۔

قاری اگر بیدل کے ''وحدت الوجودی تصوف'' سے کسی قدر واقف اور اس کے اسلوب سے بھی آشنا ہو تو بیدل کے کلام کا یہ انداز بہت آسان معلوم ہوگا روانی سے پڑھتا اور سمجھتا چلا جائے گا۔ (۲۲۲)

ترجیع بند کے مضامین بڑی حد تک ''وحدت الوجود'' اور اس سے متعلقہ مسائل ہیں اس لیے پانچویں باب ''بیدل کے افکار و خیالات'' میں اس پر تفصیلی بحث ہوئی ہے۔

ترکیب بند چھ سو تیس اشعار پر مشتمل ہے جس میں ابجد کی ترتیب کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ترکیب بند یعنی مشہور حدیث کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف کی کامل شرح ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات اور کائنات و موجودات کی پیدائش سے وابستہ معلومات کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے۔ مثنوی طلسم حیرت اور عرفان میں ان موضوعات پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ استاد صلاح الدین سلجوقی اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان ترکیب بندوں کی ابتداء تنزلات کی وضاحت سے کرتا ہے کہ ''وجود مطلق'' کس طرح بالترتیب پانچ حضرات سے جس کی شرح مثنوی طلسم حیرت میں بھی کی گئی ہے گذر کر دنیائے تعینات میں نزول کرتا ہے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کا سلسلہ چھ ترکیبوں یعنی آخر حرف ''حاء'' تک، جہاں سے نعت حضرت سرور کائنات خاتم المرسلین ﷺ شروع ہوتی ہے، جاری رہتا ہے اور تین ترکیبیں نعت کے ساتھ مخصوص ہیں اسکے بعد چار ترکیبیں حضرت کے چاروں اصحاب کی منقبت سے وابستہ ہیں جو حرف ''شین'' پر ختم ہوتی ہیں اور حرف صاد سے آخر تک باقی ترکیبیں وعظ و ارشاد پند و نصیحت اور اخلاق خصوصاً صوفیانہ اخلاق سے وابستہ ہونے کی ترغیب سے وابستہ ہیں۔

یہ ترکیب بند نہایت واضح غیر مبہم سود مند اور الہام بخش ہیں۔ بیدل کا شعر ہگل کے فلسفہ کی طرح باہم مربوط اور منضبط ہے۔ آپ اسے شمسی نظام سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں جس میں ہر جز ایک نظم و ترتیب کے ساتھ اپنے مدار میں رواں دواں ہے۔ (۲۲۳)

(ن) مخمسات، تنبیہ المہوسین، فرسنامہ وغیرہ۔

شاعری کی جانی پہچانی صنفوں کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی بیدل نے اسی شاعرانہ ذوق و شوق

اور استعداد و صلاحیت کی نمائش کی ہے اور اسی مہارت و قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے چنانچہ بیشتر تذکرہ نگاروں نے اس کی شاعرانہ عظمت و نبوغ کا اعتراف کیا ہے چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزو لکھتا ہے:

''مرزا بیدل جامع فنون شعر است چہ غزل و چہ مثنوی و چہ رباعی و شعر او را طرز خاصی است۔'' (۲۲۴)

مرزا بیدل کیا غزل کیا مثنوی کیا قصیدہ کیا رباعی غرض جملہ اصناف کلام کے جامع تھے اور ان کی شاعری کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔

غلام علی آزاد لکھتا ہے:

''در جمیع اسالیب نظم پایہ بلند''۔ (۲۲۵)

جملہ اسالیب اور اصناف کلام میں ان کا پایہ بلند ہے۔

لیکن اپنے مخصوص اور بنیادی موضوع کے ڈگر سے وہ کہیں بھی ہٹتا دکھائی نہیں دیتا اور ہر ایک صنف کو اپنے عارفانہ اور اخلاقی افکار و خیالات کی جولانگاہ قرار دیتا ہے جو اس کے رجحان طبع کی دلیل ہے حتیٰ کہ اس کی ہجویات و ہزلیات بھی اس چاشنی سے خالی نہیں ہیں۔ سراج الدین علی خاں آرزو لکھتا ہے:

''در سرزمین شعر تمام تخم تصوف می کاشت و بمرتبہ آشنائی مرتبہ توحید بود کہ ہجو و ہزل او نیز بی ذوق درویشانہ نبود۔'' (۲۲۶)

شاعری کی زمین میں وہ سراسر تصوف کی تخم ریزی کرتا تھا اور مرتبہ توحید سے آشنائی کی منزل پر پہونچا ہوا تھا جس کی ہجو و ہزل میں بھی درویشانہ ذوق تھا۔ بیدل کی مخمسات کے بابت سلجوقی لکھتے ہیں:

''بیدل کی مخمسات میں اغلب وہی روح کارفرما ہے جو اس کی غزلیات میں ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مخمسات میں تامل و تفکر پر زیادہ زور ہے اور حسن و زیبائی پر کم۔ کیونکہ غزلیات میں ہر خیال دو مصرعوں بلکہ ایک ہی مصرعہ میں ادا ہو گیا ہے جبکہ وہی خیال مخمسات میں پانچ مصرعوں میں ادا کیا گیا ہے۔ فطری بات ہے کہ عارفانہ غزل چاہے جتنی دقیق اور مختصر ہو زیادہ تر رمزیہ رنگ کی حامل ہوتی ہے اور رمز ہی عشق و تصوف کی جان ہے۔ (۲۲۷)

بیدل کی زیادہ تر مخمسات کا مضمون عارفانہ ہے اور اس لحاظ سے کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ انہی مضامین کا تکرار ہے جو مثنویوں اور غزلیات میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

اسی طرح کیمیا کی تنقید میں ''تنبیہ المہوسین'' نام کی ایک مثنوی لکھی ہے اس مضمون کو وہ مثنوی عرفان میں بھی ذکر کر چکا ہے وہاں اس کا تذکرہ تفصیل سے ہو چکا ہے۔

تین سو پچاس اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ''فرسنامہ'' جو بحر متقارب میں ہے اس کے اندر گھوڑے کی اس کے تمام اعضا و جوارح کے ساتھ تعریف کی گئی ہے فرسنامہ کے سلسلے میں صلاح الدین سلجوقی لکھتے ہیں:

> ''گھوڑ سواری کا شوق درحقیقت ایک ایسا جذبہ ہے جو ذوق حسن پرستی اور روح شہسواری دونوں میں مشترک ہے کیونکہ گھوڑے کی ذات میں حسن و رعنائی اور زور توانائی دونوں خصوصیات اکٹھی ہوگئی ہیں۔ بیدل کو بھی شاعری اور سپہ گری دنوں کا خاصا ملکہ تھا۔ عہد گذشتہ کے ایک شاعر نے بادشاہ کے گھوڑے کی اس طرح تعریف کی ہے۔
>
> تواں شہی کہ بہر چراگاہ دلالت   باشد بہ پشت گنبد نیلوفری النگ
>
> لیکن بیدل جو تصوف، فلسفہ اور ادب کے میدان کا شہسوار ہے اس کو اس نیلوفری گنبد کے چہرے اور پشت سے کیا سروکار۔ وہ اپنے گھوڑے اپنے خیال کے آئیڈیل گھوڑے کو نہ کہ دوسروں کے گھوڑے کو اس اولنگ کے روبرو لے جاتا ہے جو چھوُں جہت اور ساتوں آسمانوں کے پار ہے یعنی مابعد الطبیعی دنیا میں شاعر خود مابعد الطبیعی خصوصیات کا حامل ہو تو اس کا گھوڑا پھر ایسا کیوں نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کے پاس واقعاً کوئی گھوڑا اس دنیا میں نہیں تھا کیونکہ خیالی گھوڑا اصطبل میں بندھے گھوڑے کے مقابلے میں زیادہ حسین، زیادہ تیز رفتار (حتی کہ بجلی اور روشنی سے بھی زیادہ تیز) اور عشوہ گر بھی ہے۔(۲۲۸)

خاکسار کے خیال میں ہمیں ان بحثوں میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بیدل کا مقصد تو اپنی قوت گویائی اور قادر الکلامی کا اظہار ہے وہ اپنے زور قلم سے تنکے کو پہاڑ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے اس نے اگر گھوڑے کی تعریف کی ہے تو صرف اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کی قدرت کے طور پر۔ یاد رہے کہ ترہت میں تین مہینے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک سپاہی کی حیثیت سے داد شجاعت دے چکا تھا۔ پھر اعظم شاہ کے دربار میں کم و بیش چار سال وہ اسی پیشے سے وابستہ رہا۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں اکثر و بیشتر گھوڑوں سے ہی سفر کرتے تھے اور بیدل نے جو ہندوستان کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک بہار، بنگال، اڑیسہ، اتر پردیش، دہلی، پنجاب، لاہور، گجرات کا طویل سفر کیا اس صورت میں اس کا گھوڑے سے کتنا لمبا سابقہ رہا ہے یہ کہنے کی ضرورت نہیں اس لئے اگر اس کی توجہ گھوڑے کی تعریف کی طرف مبذول ہوگئی تو یہ عین بشری تقاضا ہے۔

✪✪✪

ز فرق تا قدم افسون حیرتی بیدل
کسی چہ شرح کند معنیٔ نکوی ترا

باب پنجم

بیدل کے افکار و خیالات

ای آئینہ طبع تو ارشاد پذیر
در کسب فوائد نمائی تقصیر
مجموعہ فکر ما صلای عام است
سیری کن و قسمت تسلی برگیر

''اے ہستی کہ تیرا آئینہ طبع ارشاد و ہدایت کی باتوں کو قبول کرتا ہے حصول فوائد میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔ ہمارا ''مجموعہ فکر'' صلاے عام ہے، اس کا مطالعہ کرو اور اپنی تسلی خاطر اور دل جمعی کی باتیں اس سے اخذ کرو۔''

بیدل کو بجا طور پر ابوالمعانی کا لقب ملا ہوا ہے۔ اس کی غزلوں، مثنویوں، رباعیوں، قصیدوں اور نثری تصانیف چہار عنصر، نکات اور رقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بے شمار اہم اور غیر اہم موضوعات پر قلم فرسائی کی ہے۔ یہ موضوعات عرفانی، دینی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، عاشقانہ اور فلسفیانہ قسم کے ہیں۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہر ایک موضوع میں ایسی نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے کہ اس کی ذہنی رسائی اور نگاہ عمیق کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ پھر یہ کہ ہر دعوی کے ساتھ دلیل ایسی دی ہے کہ آسانی سے اسے رد نہیں کیا سکتا۔ اس کا یہ انداز زبردست قوت مشاہدہ اور غیر معمولی قوت بیان دونوں کے گواہ ہیں۔ راقم السطور نے دیوان غزلیات سے اشعار کا ایک انتخاب عنوان کے لحاظ سے تیار کیا تو دو بڑی ڈائریاں بھر گئیں۔ اس طرح ایک موضوع سے متعلق بیشتر اشعار اور نثری قطعے کو ایک جگہ اکٹھا کرنے سے اس کے افکار و خیالات کو مرتب منظم، اور مستند طریقے سے سمجھنے اور پیش کرنے میں بڑی مدد ملی۔ جن لوگوں نے صرف دو چار اشعار کو لے کر اس کے افکار و خیالات کی وضاحت کرنی چاہی ہے ان کی غلط فہمیاں بھی پوری طرح سامنے آئیں۔

مشہور صاحب طرز ادیب مجنوں گورکھپوری بیدل کے افکار و خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> بیدل بڑا دانشور تھا، دانشور وہی ہے جس کی کہی ہوئی بات اس کے عہد کے بعد بھی غیر متناہی زمانے تک کچھ بدلے ہوئے عنوانات سے ہمارے کام آسکیں۔ اور ہماری زندگی کی تہذیب و ترقی میں کام آسکیں۔ بیدل خود اپنے زمانے کے لئے صوفی باصفا اور اللہ والا تھا اور شاعر کی حیثیت سے ''خارج آہنگ'' یعنی نا قابل قبول لیکن آج ہم محسوس کرنے لگے ہیں کہ ایران اور ہندوستان کے تمام شعراء میں گنتی کے چند کو چھوڑ کر بیدل سے بڑا مربی فن اور معلم اخلاق نہ تھا اور اس کے شعری اور نثری کارناموں کا غائر مطالعہ کرنے سے یہ سبق ملتا ہے کہ فن اور اخلاق کے درمیان کوئی بیگانگی نہیں ہے بلکہ فن کی تربیت بغیر تہذیب اخلاق کے ممکن نہیں ہے اور اصل فن وہی ہے جو اخلاق کی تہذیب میں مددگار ثابت ہو۔(۱)

بیدل کے افکار و خیالات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ راقم السطور کے خیال میں ان کی درج ذیل

ترتیب سے درجہ بندی کی جا سکتی ہے۔

۱۔ عرفانی مضامین جیسے معرفت و خود شناسی، وحدت الوجود، عشق و محبت، سیر دل، کشف قلوب، خودی و بیخودی، حیرت و استعجاب، عجز بشری، فقر و غنا، صلح کل، تجدد امثال، تسلیم و رضا، فنا و بقا، دیر و کعبہ، زہد و تقوی، حق و باطل، عزلت و گوشہ نشینی۔

۲۔ دینی مضامین جیسے ایمان و یقین، اسلام و کفر، نماز و روزہ، دنیا و عقبی، جنت و دوزخ، قیامت، ریا و خلوص، یاد خدا، رحمت الہی، قضا و قدر، وسیع مشربی۔

۳۔ اخلاقی مضامین جیسے اخلاق حسنہ، صدق و صفا، ایثار و قربانی، جود و کرم، تواضع و انکساری، صاف دلی و روشن دلی، قناعت و سیر چشمی، عزت و ذلت، سود و زیان، جد و جہد، حوصلہ و ہمت، فرصت و امل، حرکت و عمل، مکافات عمل، دوستی و دشمنی، چشم پوشی، ادب و سلیقہ، صحبت نیک و بد، بخل و کنجوسی، حسد و کینہ، غیبت و عیب جوئی، سب و شتم، نفاق و شقاق، ندامت و پشیمانی، ظلم و جبر، غرور و تکبر۔

۴۔ سماجی مضامین جیسے تحقیق و تقلید، پراگندگی و پریشانی، سکون و عافیت، جاہ و مرتبہ، غفلت و بیخبری، موقعہ شناسی، دوست احباب، کلفت و راحت، جسم و روح، عیش و عشرت، شہرت و نام وری، روزی روٹی، غربت و افلاس، مال و دولت، صلح و جنگ، ہندوستانی علاقوں اور ان کی جغرافیائی خصوصیات اور حالات کا تذکرہ جیسے پنجاب، بنگال، کشمیر، اڑیسہ، بہار، پٹنہ، ارہ، بنارس، پٹنہ کٹک، کالو طاق، مہسی، دہلی، متھرا، اکبر آباد، لاہور، حسن ابدال، نیکو در، سہار نپور، لونی، شیخ پورہ، عظیم آباد، ساری، بالیسر، احمد آباد، [آبروئے ہند، کشمیر و پنجاب میں پیاز لہسن کا استعمال، بنگال کا سیلاب، پٹنہ کا علمی مرکز، اڑیسہ کی سرزمین، دہلی کا قیامت کدہ ہونا، بندرابن متھرا کا محبت کی سرزمین ہونا، سہارنپور کے باغات، مہسی کے بزرگ، اکبر آباد کا باغ دہرہ، نیکو در کے مخلص لوہار، ساری کی تجارتی منڈی]۔

۵۔ سیاسی مضامین جیسے مغلیہ حکومت و سلطنت، دنیا و ارباب دنیا، عروج و زوال، سیاسی اتار چڑھاؤ، مدح و ذم امراء و سلاطین، جنگ جانشینی، ان جنگوں میں کشت و خون۔

۶۔ فلسفیانہ مضامین جیسے انسانی زندگی، کائنات، زمانہ، اصل و فرع، فکر و خیال، امید و نومیدی، وارستگی و وارفتگی، انسانی فطرت۔

۷۔ علمی و ادبی مضامین جیسے علم و دانش، عقل و ہوش، زبان و بیان، لفظ و معنیٰ، شعر و ادب، مختلف صنائع ادبی، مثالیہ، تضاد، تجنیس، لف و نشر، استعارات و کنایات وغیرہ۔

۸۔ عاشقانہ مضامین جیسے عشق و محبت، وصل و ہجر، نیاز و ناز، وحشت و جنون، وفا و جفا، پیکار عشق و عقل، حسن و زیبائی معشوق، شوخی و ادا، محبوب کے مختلف اعضا مثل زلف، رخ، چشم، دہن، قامت، زنخنداں، لب، عارض، ابرو، جبین وغیرہ کی تشبیہ اور ان میں نکتہ آفرینی۔

ان تمام موضوعات پر لکھنے کے لئے خاصا وقت چاہیئے تھا اس کے علاوہ اس صورت میں ہزاروں صفحات سیاہ کرنے پڑتے اور کتاب کا حجم اندازے سے کہیں زیادہ ہوجاتا اس لئے صرف ان اہم موضوعات سے بحث کی گئی ہے جو راقم السطور کے خیال میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں اور جن پر بحث کے دوران اس سے متعلق بہت سے ضمنی موضوعات بھی اس میں شامل ہوگئے ہیں۔]

✪✪✪

بیدل و تصوف

در مزاج خلق بیکاری ہوس می پرورد غافلاں نام فضولی را تصوف کردہ اند

جامی زخمخانہ عرفاں بدست آوردہ ام صاف گردیدن زہستی بادہ ناب من است

خان آرزو بیدل کے تصوف کے بابت لکھتا ہے:

”اگرچہ از علم ظاہر بہرہ وافی نداشت از صحبت بزرگاں و سیر کتب صوفیہ آنقدر مایہ ور بود کہ در سرزمین شعر تمام تخم تصوف می کاشت و بمرتبہ آشنای مرتبہ توحید بود کہ ہجو و ہزل او نیز بی ذوق درویشانہ نبود۔“(۲)

ظاہری علوم سے اگرچہ وہ پوری طرح بہرہ مند نہ تھا مگر بزرگوں کی صحبت اور صوفیہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اتنا سرمایہ اس کے پاس اکٹھا ہوگیا تھا کہ شاعری کی زمین میں سراسر تصوف کی تخم ریزی کرتا تھا اور مرتبہ توحید سے آشنائی کے مقام تک رسائی حاصل کرلی تھی کہ اس کی ہجویات و ہزلیات میں بھی درویشانہ ذوق کی چھاپ نظر آتی تھی۔

بیدل کے تفصیلی حالات آرزو کے بیان کی توثیق کرتے ہیں۔ تصوف سے بیدل کی آشنائی میں دو امور کا بڑا دخل ہے:

۱۔ بزرگوں کی صحبت:

۲۔ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ:

جہاں تک بزرگوں کی صحبت کا تعلق ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا آغاز طفولیت ہی سے جب وہ مکتب میں زیر تعلیم تھا یعنی تقریباً سات سال کی عمر (۱۰۶۱ھ/ ۱۶۵۰ء کے آس پاس) سے عہد جوانی یعنی تقریباً ۲۶ سال کی عمر (۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء) تک مولانا شیخ کمال قادری، شاہ ملوک، شاہ یکہ آزاد، شاہ فاضل، شاہ ابوالفیض معانی، مرزا قلندر، مرزا ظریف، شاہ قاسم ہواللہی، شاہ کابلی نیز پیر روشن ضمیر (جن کا تذکرہ مثنوی سادہ و پرکار میں بیدل نے کیا ہے اور ان کا نام نہیں بتایا ہے۔) جیسے ”خورشید نگاہ اور عالی ہمت“ بزرگوں کی خدمت فیض درجت میں وحدت الوجود، وحدت الشہود، عین و غیر،

اسماء و صفات، معرفت و خود شناسی، حیرت و استعجاب، عشق و محبت، مراقبہ، سیر گریباں، تفکر و تامل، صلح کل تسلیم و رضا، فقر و غنا، قناعت و سیر چشمی، جہان اور ہستی انسان وغیرہ بہت سے اہم عارفانہ و اخلاقی نکات سیکھے ہیں۔

جہاں تک صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ کا تعلق ہے اس کے حالات بتاتے ہیں کہ اس نے ابوبکر شبلیؒ کے مجموعہ رسائل، فریدالدین عطارؒ کی کتاب تذکرۃ الاولیاء، غزالی کی کیمیائے سعادت، مولانا روم کی مثنوی معنوی، عطار کی مثنوی منطق الطیر، جامی کی نفحات ولوائح ولوامع وغیرہ، سنائی کی حدیقۃ الحقیقہ اور خاقانی کی تحفۃ العراقین وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور ان سے متاثر ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ خوشگو لکھتا ہے:

”او بہ افکار تصوفی مولانا روم و ابن عربی نظر داشت۔“(۳)

مولانا روم اور ابن عربی کے عارفانہ افکار خیالات پر بھی اس کی نظر تھی۔

نواب نظام الملک سے بیدل کے تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے خوشگو نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رخصت ہوتے وقت بیدل نے نظام الملک کو کیمیائے سعادت اور نفحات الانس وغیرہ تصوف کی بہت سے کتابیں ہدیۃً دیں۔ مثنوی عرفان اور چہار عنصر کے بعض حصے کا مطالعہ بتاتا ہے کہ بیدل نے فلسفہ اسلام اور ویدانت کا تقابلی مطالعہ بھی کیا تھا۔ علاوہ ازیں، اپنی تصنیفات میں حضرات جنید بغدادی، بایزید بسطامی، ابوبکر شبلی، منصور حلاج، جلال الدین بلخی رومی، فریدالدین عطار، سنائی وغیرہ کا جو میدان تصوف کے شہسوار اور معروف شخصیتیں ہیں انتہائی عزت و احترام کے ساتھ نام لیتا اور ان کے عارفانہ کلام سے اپنی اثر پذیری کا جا بجا اعتراف بھی کرتا ہے۔

بیدل جب پایہ تخت دہلی پہونچا تو وہاں بقول نورالحسن انصاری مرحوم تصوف کے دو متضاد مکتب فکر سرگرم عمل تھے۔ ایک دبستان داراشکوہ کی سرپرستی اور ملا شاہ بدخشی اور سرمد کی رہنمائی میں فروغ پارہا تھا۔ اس نقطہ نظر کی رو سے تصوف کا مقصد تھا روح انسانی کی تکمیل و تنزیہہ۔ یہاں مذہبی اختلافات کی گنجائش نہیں تھی۔ ہندو سنت اور مسلم صوفیوں کا یکساں احترام تھا۔ گیتا اور قرآن دونوں ہی کو آسمانی صحیفہ مانا جاتا تھا، یہاں کسی خاص مذہب کی پابندی یا کسی خاص معاشرہ کی رسوم پر عمل بھی ضروری نہیں تھا۔ سرمد بالکل ننگے رہتے تھے پھر بھی ان کے عقیدتمندوں کا ایک بڑا حلقہ تھا۔

تصوف کے دوسرے دبستان کا سرچشمہ مجددی سلسلہ تھا جس کے بانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی تھے۔ اس کی رو سے شریعت اور طریقت میں مکمل ہم آہنگی تھی اور غیر اسلامی طریقت روح اسلام کے منافی سمجھی جاتی تھی۔ اورنگ زیب اسی سلسلہ سے متعلق تھا۔ اس کے مرشد شیخ معصوم سرہندی

شیخ احمد کے لڑکے اور خلیفہ تھے۔ شیخ معصوم کے لڑکے شیخ سیف الدین (م ۱۰۹۸/ ۸۷-۱۶۸۶) اورنگ زیب کے دربار میں رہتے تھے تاکہ شہنشاہ وقت کی روحانی رہنمائی فرماتے رہیں۔ عام لوگ اسی اسلامی تصوف کے پیرو تھے۔ بیدل ان دونوں متضاد دبستانوں کی آویزش کا شکار رہے۔(۴)

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اپنی زندگی کے تقریباً ۳۷ سال سے زیادہ کی مدت دہلی میں گذارنے کے باوجود بیدل نے اپنی تصانیف میں ان دونوں میں سے کسی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ دونوں نظریے کے درمیان زندگی بھر کشمکش میں گرفتار رہا۔ اس کشمکش کی وجہ کیا تھی؟

بیدل کے حالات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس کے روحانی اساتذہ دو گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پہلا طبقہ وہ تھا جس نے تصوف کو شریعت کے ظاہری احکام کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ کر دیا تھا یہ لوگ تھے مولانا شیخ کمال قادری، شاہ قاسم ہواللہی، مرزا ظریف اور شاہ ابوالفیض معانی، دوسرا طبقہ وحدت الوجود کا قائل تھا اور شریعت کے ظاہری احکام کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا بلکہ ایک طرح سے ان سے بے اعتنائی کا اظہار کرتا تھا۔ اس طبقے میں شاہ ملوک، شاہ یکہ آزاد، اور شاہ کابلی تھے ان میں شاہ ملوک تو سرمد ہی کی طرح ننگ دھڑنگ رہا کرتے تھے اور لباس و برہنگی پر جو بحث سرمد اور ملا قوی کے درمیان جاری رہتی تھی وہی بحث شیخ کمال قادری اور شاہ ملوک کے درمیان جاری تھی۔ ان دونوں گروہوں کے افکار و خیالات میں تصادم کے باوجود بیدل ہر ایک کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا، آزادی سے ہر ایک کی صحبت سے استفادہ کرتا اور ہر ایک کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ اس حد تک کہ خود کہتا ہے ان دونوں کی صحبتوں سے استفادہ کے نتیجے میں بیدل کے دماغ کا نشہ دو آتشہ ہو گیا۔

یہ کشمکش اس کی زندگی کے آخری دور تک محسوس ہوتی ہے ایک طرف تو وحدت الوجود کا قائل نظر آتا ہے، اپنے کو ”از وحدتیانیم“ کہتا ہے اور ایک مصرع میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے ”قصہ کثرت نخواں بیدل ما وحدتیست“ اور تصوف کے دوسرے مقامات مثلاً عشق و محبت، حیرت و استعجاب، فقر و غنا، صبر و شکر، تسلیم و رضا، قناعت و سیر چشمی، ایثار و اکرام اور حیا وغیرہ کا قائل ہے۔

دوسری طرف مدح بیجا اور تحقیر نفس (اگر قصائد اسی کے ہوں) اور شریعت کے ظاہری احکام کے بابت بے اعتنائی بلکہ بعض اسلامی شعار جیسے داڑھی وغیرہ کی توہین کرتا اور زہد و تقویٰ پر تنقید کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ بقول خوشگو (دروغ برگردن راوی) جوانی میں شراب نوشی اور پیری میں بھنگ اور پُر خوری و شکم سیری کا عادی تھا حتی کہ بڑھاپے میں بھی اس کی خوراک عہد شاہجہانی کے دو تین سیر مقدار کے برابر تھی۔ ان باتوں سے چشم پوشی کیجیے تو عملی زندگی میں ریاضت و مجاہدہ، ورع و تقویٰ، توبہ و انابت اور خوف و رجا کی خصوصیات جو حضرات صوفیاء میں پائی جاتی ہیں اس میں نظر نہیں آتی ہیں۔ اس نے ایک

شعر میں شاید اپنی انہیں کوتاہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

داشت غافل سرکشیہای شباب از طاعتم   قالب خم گشتہ یاد از گوشہ محراب داد

جوانی کی سرکشی نے مجھے طاعت و بندگی سے غافل رکھا اب جب میری کمر جھک گئی ہے گوشہ محراب کی یاد آنے لگی ہے۔

ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی توحید و یکتا پرستی اور عرفان و خداشناسی کیا ہے جس نے جمال مطلق کے مشاہدہ میں خود کو تقریباً ایسا کالعدم کردیا کہ نیک و بد اور خیر و شر میں تمیز کرنے کے لائق بھی نہیں رہا ہے وہ نیک و بد اور قدح و مدح کے درمیان خط امتیاز کیوں کھینچتا نظر آتا ہے؟ لئے کہنا چاہئے کہ قول و عمل کا یہ تضاد و جدلیت دوسرے لوگوں خصوصاً شاعروں کی طرح اس کی زندگی میں بھی موجود تھی خود کہتا ہے۔

زندگی موضوع اضداد است، صلح اینجا کجاست   با نفس باقی است تا قطع نفس پرخاش ہا

زندگی اضداد اور Contradictions کا مجموعہ ہے۔ یہاں صلح اور آشتی اور موافقت و ہم آہنگی کہاں؟ سانس لینے تک سانس سے معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی مفہوم کے دو اشعار اور ہیں۔

ہر کس در ہر نفس جہانی دگر است   خود را چہ خیال است کماہی دیدن

ہر آدمی ہر آن کسی اور عالم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے خود کو جیسا کہ در حقیقت وہ ہے دیکھنا ممکن نہیں۔

اور ایک شعر میں کہتا ہے:

بندگی شاہی، گدائی، مفلسی، گردن کشی   خاک عبرت خیز ناصد رنگ تہمت می کشد

محمد حیدر ژوبل اپنے ایک مضمون میں بیدل کی اس جدلیت اور تضاد بیانی کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں:

"بنا بہ کثرت آثار از نظر فکر گاہگاہی افکار متضاد ہم در آثارش دیدہ می شود کہ با در نظر گرفتن دورہ ہای مختلف زندگانیش این تضاد افکار نہ تنہا عجیب است بلکہ طبیعی است بہ گفتہ خودش:

شعرم کہ بصد زبان فرود آمدہ است   در چندین وقت آن فرود آمدہ است

تورات نبودہ تا بگویم کہ ہمہ   یک بودہ ز آسمان فرود آمدہ است (۵)

تخلیقات کی کثرت کی بنا پر بیدل کے کلام میں کبھی کبھی متضاد خیالات بھی نظر آتے ہیں جو اس کی زندگی کے مختلف ادوار کے پیش نظر کوئی تعجب خیز بات نہیں ہیں بلکہ بالکل فطری امر ہے خود کہتا ہے۔

میرا کلام جو سیکڑوں انداز و اسلوب میں صفحہ قرطاس پر ثبت ہوا ہے ان کی آمد مختلف اوقات میں ہوئی ہے۔ وہ توریت نہیں ہے کہ جس کا مضمون بغیر کسی تضاد کے آسمان سے نازل ہوا ہے۔ بیدل نے

توریت کا حوالہ دیا ہے خود قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا یہ قرآن خدا کی کتاب ہے اگر یہ انسان کی ہوتی تو اس میں بہت اختلاف پاتے" فوجدو فیہ اختلافا کثیراً".

وحدت الوجود:

ہم وحدتم ہر چند در کثرت وطن دارم   بدریا ہمچو گوہر خلوتی در انجمن دارم

[وحدت ہے مری منزل، ہر چند ہوں کثرت میں   موتی کی طرح حاصل خلوت ہی ہے جلوت میں]

بیدل کے افکار و خیالات میں، جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا، نظریہ "وحدت الوجود" کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے اکثر و بیشتر خیالات اسی محور کے گرد گھومتے ہیں اور اس کے مثبت و منفی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اس کی تفصیلی بحث ضروری ہے۔

"وجود" کا مسئلہ ایک طویل زمانے سے دانشوروں کے درمیان موضوع بحث رہا ہے اور ابھی تک اس کی یہ حیثیت برقرار ہے۔ "وجود" کے ارتقا کی تاریخ دلچسپ بھی ہے، قابل مطالعہ بھی اور طولانی بھی۔ اس پر تفصیلی بحث کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے جو اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بیدل کے افکار و خیالات میں چونکہ یہ ایک بنیادی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنی ضروری ہے۔

وجود کیا ہے؟

ارسطو کا خیال ہے کہ "وجود" ایک ایسا لفظ ہے جس کا اطلاق خدائے تعالیٰ اور انسان دونوں پر ہوسکتا ہے گویا کلمہ "وجود" اپنے مفہوم کے لحاظ سے خالق اور مخلوق دونوں کے درمیان مشترک ہے لیکن کیا "موجودیت" میں دونوں یکساں ہیں؟ اس امر میں لوگوں کے درمیان اختلاف رائے ہوگیا۔ ارسطو کے بعد اس کا ایک طبقہ جو مشائی کہلاتا تھا ان کا خیال ہے کہ "وجود" "ماہیت" پر طاری ہوتا ہے اور "ماہیت" کے علاوہ ہر چیز وجود کا حامل ہے۔ البتہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں وجود اور ماہیت دونوں ایک ہی ہیں یعنی اس کی ماہیت عین وجود ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ معلول ہو اس بنا پر لوگ تشکیک کے قائل ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ "وجود" کے کئی مرتبے ہیں مخلوقات کے اندر کمزور درجہ کا ہے جبکہ خدائے جل مجدہ کے اندر کامل درجے کا ہے۔

خدا کا وجود دین اسلام میں:

"وجود خدا" کا مسئلہ ایک انتہائی عظیم اور اہم ترین اسلامی مسئلہ ہے جس پر دین اسلام کی

ساری اساس قائم ہے اس لئے یہ مسئلہ مسلم دانشوروں کے درمیان جو یونانی فلسفہ سے بھی واقف تھے بڑی شد و مد کے ساتھ اٹھا اور ایک بڑی بحث کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ کلمہ ''وجود'' کے بابت مولانا عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں:

> لفظ ''وجود'' کا کبھی ''تحقق اور حصول'' کے مفہوم میں، جو اس کا مصدری معنی ہے، اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ''وہ معقولات ثانیہ'' کی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے جس کے مقابل خارج میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے بلکہ تعقل میں وہ ''ماہیات'' پر عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ محققین حکما اور متکلمین کی تحقیق ہے۔ اور کبھی لفظ ''وجود'' سے ایسی حقیقت مراد لیتے ہیں جس کی ہستی خود اس کی اپنی ذات ہوتی ہے اور بقیہ موجودات کی ہستی اس پر عارض اور اس سے قائم و استوار ہے۔ چنانچہ کامل ترین عارفوں اور عظیم ترین اہل ایمان و یقین کا ذوق اس کی گواہی دیتا ہے۔ اس اسم کا اطلاق جناب حضرت حق سبحانہ تعالیٰ پر دوسرے معنی میں ہے پہلے معنی میں نہیں۔ اہل قیود کے قیاس اور عقل سے ہستی اعیان وحقائق پر عارض ہونے والی چیز کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتی لیکن ارباب شہود کے مکاشفہ میں اعیان سراسر عارض ہیں۔ اور وجود معروض ہے۔'' (نفحات جامی)

جناب ضیا احمد بدایونی نے تصوف، صوفیاء اور فلسفہ ''وحدت الوجود'' کے ارتقا کی طویل بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے:

> '' تصوف کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس کو صوفی کا لقب ملا ''ابو ہاشم کوفی'' تھے اور بعض نے جابر بن حیان کو پہلا صوفی کہا ہے۔ یہ دونوں حضرات دوسری صدی ہجری میں بقید حیات تھے۔ پہلے جو لوگ زہد و تقویٰ اختیار کرتے تھے ان کے لئے صحابی و تابعی کا لقب استعمال کیا جاتا تھا۔ انہیں کے قریب حضرت ابراہیم ادہم، داؤد طائی، فضیل بن عیاض اور رابعہ عدویہ تصوف کے مشہور ترین چہرے شمار ہوتے ہیں جن کے زہد و ریاضت اور مجاہدہ کے واقعات اور روایات تفصیل سے تذکروں اور تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ دور اول کے مؤلفین میں جنہوں نے اس موضوع پر بحث کی ہے یحییٰ بن معاذ رازی، سید الطایفہ جنید بغدادی، شیخ ابونصر شراح طوسی، امام ابوالقاسم قشیری خراسانی اور شیخ علی بن عثمان ہجویری لاہوری کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بایزید بسطامی اور جنید بغدادی سے پہلے تصوف ایک قسم کی زاہدانہ اور قناعت پسندانہ زندگی میں محدود تھا لیکن ان دونوں حضرات نے ''وحدت الوجود'' کی ایسی نغمہ سرائی کی کہ در و بام تک ان کے دلفریب و دلکش

> اور جان فزا نغمہ سے گونج اٹھے اور ان پر وجد و حال طاری ہوگیا۔ ان کے دور تک مسئلہ وحدت الوجود ایک ذوقی اور وجدانی چیز تھی۔ پھر ایک لمبے عرصے کے بعد شیخ محی الدین ابن العربی تشریف لائے جنہوں نے اس مسئلے کو دلائل و براہین کے ساتھ ایک مخصوص فلسفے کی شکل میں پیش کیا ان کی ساری تصانیف انہیں افکار و خیالات سے بھری پڑی ہیں۔ امام غزالی نے اپنے علم وفضل کی بنیاد پر تصوف کو فلسفہ کے پنجے سے رہائی عطا کی اور تصوف میں جو کچھ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ باتیں تھیں ان کو اسلامی دستور کی شکل میں پیش کیا۔ اس کے باوجود بہت سے شاعروں مثلاً سنائی، عطار، رومی، عراقی، اوحدی، شبستری، خسرو، حافظ اور جامی، ان سبھوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی تصانیف میں اسی قسم کے تصوف کو موضوع بنایا اور مے تصوف کے جام کا ایسا دور چلایا کہ زمین سے لے کر آسمان تک ساری فضا اس سے متاثر ہوگئی۔ آخر ہندوستان میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی تشریف لائے۔ انہوں نے وحدت الوجود کے مقابلے وحدت الشہود کی تعبیر اختیار کی اور اپنی ساری توجہ اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کرنے پر مرکوز کی، ان کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے اس مسئلے پر مزید بحث و تامل کیا یہاں تک کہ انہوں نے دونوں نظریوں کے درمیان ہم آہنگی اور مطابقت پیدا کی۔'' (۶)

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے روحانی اساتذہ سے استفادہ کے علاوہ بیدل نے اکثر امام غزالی، عبدالرحمٰن جامی، فریدالدین عطار، سنائی اور جلال الدین رومی کی تصانیف کا مطالعہ کیا تھا اس لئے اگر یہ کہیں کہ یہ کتابیں ان کے ماخذ ہیں تو بے محل نہ ہوگا۔ امام غزالی نے توحید کے چار درجے بیان کئے ہیں۔ توحید منافق، توحید عالی، توحید وحدت الشہودی اور توحید وحدت الوجودی لکھتے ہیں:

> ''بدانی کہ توحید بر چہار درجہ است، و آنرا مغزیست، و آن مغز را مغزیست۔ و دو را پوستیست، و آن پوست را پوستی است۔ پس دو مغز دارد و دو پوست۔ و مثل آن چون جوز تر بود کہ مغز و پوست وی معلوم است و روغن مغز مغز آنست۔ درجہ اول آنست کہ بزبان لاالہ الا اللہ گوید و بدل اعتقاد ندارد و این ''توحید منافق'' است۔ درجہ دوم آنکہ معنی این کلمہ بدل اعتقاد دارد بتقلید، چون عامی۔ یا بنوعی از دلیل، چون متکلم۔ درجہ سوم آنکہ بمشاہدہ بیند کہ ہمہ از یک اصل می رود و فاعل یکی بیش نیست، ہیچکس دیگر را فعل نیست۔ و این نوری بود کہ در دل پیدا آید کہ در آن نور این مشاہدہ حاصل آید و این نہ چون اعتقاد عامی و متکلم بود کہ اعتقاد ایشا ن بندی باشد کہ بر دل افگنند بحیلہ تقلید و یا بحیلہ دلیل۔ و این مشاہدہ شرح دلی بود و بند ہمہ

برگیرد۔ وفرق بود میان کسی کہ خودرا برآں دارد کہ اعتقاد کند کہ فلاں خواجہ در خانہ است بسبب آنکہ فلاں کس می گوید کہ در خانہ است۔ واین تقلید عامی بود کہ از پدر وما در شنیدہ بود، ومیان آنکہ استدلال کند کہ او در خانہ است بدلیل آنکہ اسپ وغلام بر در خانہ است واین نظر اعتقاد متکلم بود، ومیاں آنکہ بمشاہدہ اورا در خانہ بیند۔ واین مثل ''توحید عارفان'' است واین توحید اگرچہ بدرجہ بزرگ است، امادرآن خلق رابیند وخالق رامی بیند ومی داند کہ خلق از خالق است۔ پس درین کثرت وبسیاری دراست وتادوی بیند درتفرقہ باشد وجمع نباشد۔ وکمال توحید بنود۔ درجہ چہارم آنست کہ جز یکی رانہ بیند وہمہ راخود یکی بیند ویکی شناسد وتفرقہ رادرین مشاہدہ ہیچ راہ نبود واین راہ صوفیان ''فنادر توحید'' گویند، چنانکہ حسین حلاج خواص رادید کہ در بیابان می گردید گفت چہ می کنی؟ گفت: قدم خود در توکل درست می کنم گفت عمر در آبادنی باطن بگذرانیدی پس بہ نیستی در توحید کی رسی پس این چہار مقام است۔'' (۷)

واضح رہے کہ توحید کے چار درجے ہیں۔ اس کا ایک درجہ تو مغز کے حکم میں ہے پھر اس مغز کا بھی ایک مغز ہے۔ اور ایک درجہ پوست (چھلکا) کے حکم میں ہے اور اس چھلکے میں بھی ایک چھلکا ہے اس طرح اس کے اندر دو مغز اور دو پوست (چھلکے) ہیں اس کی مثال اخروٹ کی سی ہے جس کے اندر ایک مغز اور دو پوست تو بظاہر نظر آتے ہیں اور ''روغن مغز'' اس مغز کا مغز ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور دل سے اس پر یقین نہ کرے یہ تو ''توحید منافق'' ہے دوسرا درجہ یہ کہ اس کلمے کے معنی ومفہوم پر دل سے یقین رکھے، چاہے باپ دادا کی تقلید میں جیسے عام لوگ یا کسی قسم کی دلیل کی اساس پر جیسے متکلم لوگ۔ تیسرا درجہ یہ کہ مشاہدہ کرے سب کی اصل ایک ہی ہے اور سب کے اندر موثر ایک ہستی سے زیادہ نہیں ہے۔ کسی اور ہستی کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ ایک نور ہے جو دل کے صفحے پر جب نمایاں ہوتا ہے تو یہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے یہ نہ تو عام لوگ اور نہ ہی متکلم قسم کے لوگ کے یقین وایمان کی طرح ہوتا ہے۔ کیونکہ یقین واعتماد ایک طرح کی بیڑی ہوتی ہے جو تقلید کے ذریعہ یا دلیل کا مشاہدہ کرکے دل پر ڈالی جاتی ہے (یا اس سے دل کو جکڑ دیا جاتا ہے) جبکہ یہ مشاہدہ ''شرح دل'' کا نام ہے اور وہ ساری بیڑیوں سے آزاد کردیتا ہے۔ ایک آدمی کو کسی کے اس کہنے پر یقین ہے کہ فلاں آدمی گھر میں ہے یا اس نے اپنے والدین سے سن رکھا تھا اس کے مقابل ایک آدمی کو کسی کے گھر میں ہونے کا یقین اس بنا پر ہے کہ اس کا گھوڑا گھر کے دروازے پر بندھا اور اس کا غلام کھڑا ہے اور ایک آدمی اپنے مشاہدہ سے اس کو گھر میں دیکھتا ہے ان دونوں قسم کے آدمیوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

مثال تو عارفوں کے توحید کی ہے اور توحید کا یہ درجہ اگرچہ بلند ہے پر چونکہ اس میں خالق بھی نظر آتا ہے اور مخلوق بھی اور سمجھتا ہے کہ مخلوق خالق سے وجود میں آیا ہے لہٰذا وہ ''کثرت'' میں مبتلا ہے اور جب تک اسے دوئی نظر آتی رہے گی وہ تفرقہ (انتشار و پراگندگی) میں پڑا رہے گا اسے جمعیت خاطر اور سکون دل حاصل نہ ہوگا اور کمال توحید کے درجہ سے محروم رہے گا۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ خدا کی ایک اکیلی ہستی کے سوا کوئی چیز اسے نظر نہ آئے اور ساری کائنات کو ایک ہی تصور کرے اور ایک ہی سمجھے۔ اس مشاہدہ میں تفرقہ (انتشار و پراگندگی) کے لئے دراندازی کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے یہ ''فنافی التوحید'' صوفیوں کا درجہ ہے۔ حلاج نے خواص کو دیکھا کہ بیاباں میں گھوم رہے ہیں۔ پوچھا کیا کررہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا توکل میں ثابت قدمی کی کوشش کررہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ زندگی ساری باطن کی آبادکاری میں گذاردی پس فنافی التوحید کے درجے کو کیسے پہونچو گے۔ یہ ہے توحید کا چوتھا درجہ۔

اس طرح یہ بات واضح ہے کہ وحدت الشہود کی اصطلاح حضرت مجدد الف ثانیؒ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کی ایجاد نہیں ہے بلکہ ان سے بہت پہلے (لگ بھگ پانچویں صدی ہجری میں) اس اصطلاح کا رواج صوفیوں میں ہوچکا تھا نیز یہ کہ امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کے نزدیک اعلیٰ درجے کی توحید ''وحدت الوجود'' ہی ہے۔ امام غزالی نے آیت ''اللہ نور السموات الخ'' کی تفسیر میں ''مشکوۃ الانوار'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جو نظریہ ''وحدت الوجود'' کی طرف ان کے عام رجحان طبع کی نشاندہی کرتا ہے۔ بیدل نے ''وحدت الوجود'' کی توضیح وتشریح کے لئے بیشتر مقامات پر چونکہ اسی آیت کا سہارا لیا ہے اس لئے بہتر ہوگا مشکوۃ الانوار کے مضمون کا خلاصہ پیش کیا جائے جو تفسیر حقانی سے نقل کیا جاتا ہے۔

> ''اس میں امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس پر اس لفظ کا اطلاق حقیقۃً ہے مجازاً نہیں۔ بہت سے مقدمات بیان فرما کر یہ کہا ہے کہ ادراک عقلی ادراک بصری سے اشرف ہے۔ دونوں کا مقتضی ظہور ہے۔ خواص نور میں ظہور ہی اشرف ہے اس لئے ادراک عقلی ادراک بصری سے بدرجہ اولی بہتر ہے پھر انوار عقلیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو سلامۃ الاحوال کے وقت واجبۃ الحصول ہیں یعنی تعقلات فطریہ دوسرے مکتسبہ۔ قسم ثانی میں کبھی غلطی بھی واقع ہوجاتی ہیں اس لئے اس کے واسطے ہادی ومرشد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس امر میں کلام الٰہی اور کلام انبیاء سے زیادہ اور کوئی ہادی ومرشد نہیں ہے۔ اس لئے یہ سبھی نور ہیں اسی وجہ سے قرآن اور نبی کو بھی نور کہا گیا ہے اور اسی طرح ملائکہ بھی نور ہیں پھر ملائکہ بھی درجے میں متفاوت ہیں یہاں

تک کہ سب ... بڑھ کر نور اعظم جو سب ارواح سے اعلیٰ ہے معدن نور ہے۔ پھر یہ سب
انوار ح... سفلیہ ہو جیسا کہ آگ کا نور یا علویہ جیسا کہ آفتاب، ماہتاب اور کواکب کے
یا انوا... یہ سفلیہ ہوں جیسا کہ ارواح انبیاء و اولیاء یا ملکیہ ہوں جیسا کہ ملائکہ یہ سب کے
سب ... حد ذاتہا ممکن ہیں۔ اور ممکن فی حد ذاتہ معدوم ہیں۔ ان کو وجود غیر کی طرف سے
... ہوتا ہے اور ''وجود'' نور اور ''عدم'' ظلمت ہے۔ پس کل ممکنات اپنی ذات میں مظلم
ہیں۔ نور فی حد ذاتہ وہی ہے جس کا وجود ذاتی ہے۔ ممکنات کا وجود اور ان کے صفات اور
ان کے کسب معارف اللہ کی طرف سے آتے ہیں اب ظاہر ہو گیا کہ نور مطلق وہ اللہ سبحانہ
...لیٰ ہی ہے اور غیر پر جو اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے
... حیث هو ظلمة محضة'' ہے اس لئے کہ وہ من حیث هو عدم محض ہے بلکہ یہ
انوا... ...ن حیث ... ہی ظلمت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ وہی نور حقیقی ہے اور جس قدر انوار
ہیں اس ... ر کے پرتو ہیں۔''

بحث دوم کے عنوان ... ولانا حقانی مزید لکھتے ہیں:

''نور کو السمـ... و الارض کی طرف کیوں مضاف کیا گیا اس لئے کہ سب آسمان اور
زمین نور مجردہ او... سے بھرے ہوئے ہیں۔ انوار مادیہ جیسا کہ چاند اور سورج اور
ستاروں کی روشنی یہ س... نوں میں ہے اور زمین پر بھی یہی انوار منعکس ہوتے ہیں کہ
جس سے الوان مختلفہ دکھا... تے ہیں۔ اور انوار مجردہ سے عالم بالا پُر ہے۔ وہ انوار مجردہ
ملائکہ ہیں، عالم سفلی میں بھی ا... لیہ بہت سے ہیں اور وہ قوی نباتیہ و حیوانیہ اور انسانیہ
ہیں۔ اور نور انسانی سے جس کے ... خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا گیا عالم اسفل کا نظام چل
رہا ہے جیسا کہ نور ملکی سے عالم علوی ...م قائم ہے اور یہ جملہ انوار ایک دوسرے کے
ساتھ مرتبط و مسلسل ہیں اور سب کا منتہیٰ نور الانوار ہے اور وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے اس لئے
اللہ کو نور السموات والارض کہا گیا ہے۔'' (۸)

مولانا عبدالرحمٰن جامی جو نظریہ وحدت الوجود کے ایک نمایاں نمائندہ اور ترجمان ہیں لکھتے ہیں:

''توحید یگانہ گردانیدن دلی است یعنی تخلیص و تجرید او از تعلق بما سوی اللہ حق سبحانہ، ہم از
روی طلب وارادت وہم از حیث علم و معرفت۔ یعنی طلب و ارادت او از ہمہ مطلوبات
و مرادات منقطع گردد۔ وہمہ معلومات و معقولات از نظر بصیرت او مرتفع شود۔ از ہمہ روی
توجہ بگرداند و بغیر از حق سبحانہ او را آگاہی و شعور نماند۔''

توحید بعرف صوفی صاحب سیر — تخلیص دل از توجہ اوست بغیر
رمزی ز نہایات مقامات طیور — گفتم بتو گر فہم کنی منطق طیر (۹)

توحید نام ہے دل کی یگانہ سازی کا، یعنی حق سبحانہ و تعالےٰ کے ماسوا سے دل کو بے تعلق اور
پاک و صاف کر دینے کا طلب و جستجو اور ارادت و عقیدت کے لحاظ سے بھی اور علم و معرفت کے لحاظ سے
بھی۔ یعنی اس کی طلب و جستجو اس کی ارادت و عقیدت کا تعلق تمام دیگر مطلوب و مراد چیزوں سے ختم
ہو جائے اور تمام معلوم و معقول چیزوں کا تصور اس کی نظر بصیرت سے ناپید ہو جائے۔ ان ساری چیزوں
سے اپنا دھیان گمان ہٹالے اور حق سبحانہ کے سوا کسی چیز کی اسے کوئی خبر ہو نہ اس کا شعور۔ صاحب کردار
صوفی کے عرف میں توحید نام ہے دل کو ماسوی اللہ کی طرف دھیان دینے سے پاک وصاف کرنے کا۔
''مقامات طیور'' کا ایک رمز میں نے تجھے بتایا ہے اگر تو عطار کی ''منطق الطیر'' کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

عطار ''وحدت الوجود'' پر کہتے ہیں۔

بعد ازاں وادی توحید آیدت — منزل تجرید و تفرید آیدت
اس کے بعد توحید کی وادی یعنی تفرید و تجرید کی منزل آتی ہے۔

رو یہا چوں زیں بیاباں در کنند — جملہ سر از یک گریباں بر کنند
ان بیابانوں سے جب آگے بڑھیں تو سارے سر ایک ہی گریبان سے باہر نکلیں گے۔

گر بسی بینی عدد گر اندکی — آں یکی باشد دریں رہ بی شکی
اگر بہت سے عدد یا تھوڑے عدد نظر آئیں تو اس راہ میں وہ بلاشبہ ایک ہی ہوگا۔

نیست آں یک کایں احد آید ترا — زاں یکی کاندر عدد آید ترا
وہ ایک نہیں ہے کہ وہ احد تیرے پاس آئے وہ ایک ایسا ہے جس کے اندر تجھے بہت سے نظر
آئیں گے۔

چوں بروں است آں ز حد و از عدد — از ازل قطع نظر و ز ابد
چونکہ وہ حد و عدد کے دائرے سے باہر ہے اس لئے ازل اور ابد سے قطع نظر کرو۔

ان لوگوں نے در حقیقت ابن العربی جو ''نظریہ وحدت الوجود'' کے اصل بانی ہیں کے قول کی
وضاحت کی ہے ان کا ارشاد ہے۔
''سبحان من خلق الاشیاء و هو عینها'' پاک ہے وہ ذات جس نے اشیاء کو پیدا کیا اور
وہ عین وہی اشیاء ہے۔ ''الرب حق و العبد حق فما ادری من المکلف'' رب بھی حق ہے اور
بندہ بھی حق ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مکلف کون ہے۔ اس نظریے کے حامی اپنے خیال کی تائید میں

بہت سی قرآنی آیات کو پیش کر[illegible] جیسے و الھکم اله واحد لا اله الا هو الرحمن الرحیم
(بقرہ۱۶۳)الله لا اله الا ھ[illegible]ی القیوم (بقرہ۲۵۵)لاتتخذوا الٰھین اثنین (نحل ۵۱)اللہ
کفر الذین قالوا ان الله [illegible] ثلاثه (مائدہ۷۳)لیس کمثله شیٔ (شوریٰ۱۱)وھو بکل شیٔ
علیم (بقرہ۲۲)اذا قضی[illegible] فانما یقول له کن فیکون (آل عمران۴۷)ان الله علی کل
شیٔ قدیر (بقرہ۲۰[illegible])اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیتیں واضح کرتی ہیں کہ حیات علم وارادہ
قدرت، بصر اور کلام وغ[illegible]ات مستقل طور پر ذات خداوند تعالیٰ سے وابستہ ہیں۔

یہیں سے [illegible]یر کا مسئلہ کھڑا ہوتا ہے جو بیدل کے لئے بھی عرصے تک دل ودماغ کی
پراگندگی کا سبب بنا رہا[illegible] کا مطلب ہے کہ خالق ومخلوق میں کوئی امتیاز نہیں سب ایک ہی ہیں اور غیر کا
مطلب دونوں میں امتیاز[illegible]ونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔

حق اور خلق کو ایک ماننے کی [illegible]یدا ہونے والی خرابیاں

اگر ساری کائنات اور مخلوقات کو عین [illegible] کریں تو لازم آتا ہے کہ حق وخلق اور رب ومربوب
کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہے جبکہ یہ دعویٰ جو[illegible]ن پاک کے بالکل خلاف ہے۔ اللہ نے
فرمایا: وھو الذی خلقکم من طین (انعام [illegible]له هو الرزاق ذوالقوة المتین
(الذاریات۵۸) وھو یطعم ولا یطعم(انعام ۱۴).

یہ سب آیتیں خالق ومخلوق کے درمیان جو خط امتیاز ہے اسے وا[illegible] اس کے علاوہ اس
نظریے کی اساس پر بہت سی دوسری خرابیاں بھی پیدا ہوگئی ہیں مثلاً موحد اور [illegible]ک ہونا، ان
مسلمانوں کا مشرک ہونا جو خالق ومخلوق میں عینیت کے قائل نہیں ہیں، حق وباطل اور خیر[illegible]
کرنا جو قرآن کے مقتضٰی کے خلاف ہے اسی طرح لاعن وملعون کے درمیان فرق نہ ہونا۔ ان کی تضاد بیانی
کا ظاہر ہونا کہ ایک طرف اشیا کو عین حق کہتے ہیں اور دوسری جانب کہتے ہیں کہ اشیاء کے اندر وجود کی بو
تک نہیں ہے، جبر کا قائل ہونا اس لئے کہ جب ''انسانی وجود'' کی کوئی حقیقت ہی نہیں رہتی ہے تو اس کے
اختیارات اور اعمال وافعال جو اختیار پر مرتب ہوتے ہیں اس کے بعد ان اعمال کے نتائج یہ سب لغو اور
بیکار ٹھہرتے ہیں، احکام شریعت سے بے اعتنائی اور کسب معاش سے بے رغبتی پیدا ہوگی۔

دونوں نظریوں کے درمیان ہماہنگی پیدا کرنے کی کوشش:

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے نظریہ ''عینیت'' سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے بچنے

کے لئے ''وحدت الشہود'' کی اصطلاح کو ترجیح دی ہے اور شیخ بن العربی کے مقام کا پاس ولحاظ رکھتے
ہوئے ''عینیت'' کے مسئلے پر ان سے اختلاف کیا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
نے بھی ''وحدت الوجود'' اور ''وحدت الشہود'' کے درمیان ہماہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ان کے
ایک خلیفہ مولانا عبدالباری نے اسے اس طرح نقل کیا ہے۔

''یہ ہے حاصل مجدد الف ثانی صاحب کے مشرب کا خلاصہ جس کا لقب وحدت الشہود ہے اور
حقیقت اس کی یہی وحدت الوجود ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک بھی حقیقی وجود واحد ہی
ہے جیسا کہ شیخ اکبر کے نزدیک تھا، صرف فرق یہ ہے کہ شیخ اکبر وجود ظلی کی نفی کرتے ہیں اور مجدد
صاحب اثبات کرتے ہیں پس اصطلاح میں ''وحدت الوجود'' کے معنی یہ ہوئے کہ وحدت الوجود کا
اثبات وجود ظلی کی نفی کے ساتھ۔ اور ظاہر ہے کہ مجدد صاحب اس کے قائل نہیں اس لئے ان کے مشرب
کا لقب وحدت الوجود نہیں ہوا۔ باقی وحدت الشہود سے ملقب ہونے کی وجہ سو وہ یہ ہے کہ مجدد صاحب
نے شیخ اکبر کا عذر یہ فرمایا ہے کہ ان کو غلبہ نور وجود کی وجہ سے وجود ظلی مشہود نہیں ہوا صرف وجود واحد ہی
مشہود ہوا۔

لہذا بایں معنی کہ وحدت الوجود کی حقیقت حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود فرمائی اس
لئے ان کے مسلک کا لقب ''وحدت الشہود'' ہوا۔

پس گویا شیخ اکبر اللہ کی حقیقت ''وحدت الوجود'' سمجھے اور مجدد صاحبؒ اس مسئلے کی حقیقت
وحدت الشہود سمجھے نیز شیخ وجود عالم کی نفی کرتے ہیں اس لئے صرف وجود حق کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر
باوجود اس کے اس کا مشاہدہ نہیں کرتے مشاہدہ صرف وجود حق کا کرتے ہیں جیسے دن میں تاروں کا مشاہدہ
نہیں ہوتا باوجودیکہ ستارے موجود ہیں اور موجود سمجھے بھی جاتے ہیں۔ یہ وجہ ہے اصطلاحی تسمیہ میں فرق
کی ورنہ لغوی معنیٰ میں وحدت الوجود کے قایل ہونے میں دونوں حضرات شریک ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر
ہو چکا جیسا کہ وہ بھی وجود کو حقیقی کہتے ہیں پس چار مذاہب ہیں: علماء ظاہر، بعض حکمائے اسلام، وجودیہ،
شہودیہ، ان میں سے تین مذاہب اس دعوی میں متفق ہیں۔

''وجودیہ'' کے نزدیک حقیقت عالم کی ''اسماء وصفات'' ہیں جو ظاہر وجود میں متجلی ہوتے ہیں
اور اس سے عالم کے وجود کا خیال پیدا ہوا جس کی تعبیر کبھی یوں بھی کرتے ہیں کہ وہ ''معدوم محض'' ہے مگر
ساتھ ہی احکام کا مورد ہے اور کبھی یوں کرتے ہیں وہ ''عین حق'' ہے اور دونوں کا حاصل ایک ہے اور
''شہودیہ'' کے نزدیک حقیقت عالم کی ''عدمات'' ہیں جن پر اسماء وصفات نے تجلی کی جس سے وجود ظلی
پیدا ہوا اس لئے وہ عالم کو معدوم سمجھتے ہیں نہ عین حق۔ باقی عالم سے حقیقی وجود کی نفی میں دونوں شریک

ہیں اور اس میں اہل ظاہر کی ملامت کے دونوں ہدف ہیں اور ملامت شیخ پر اس لئے زیادہ ہے کہ ان کے کلام کو غلط سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے اگر شیخ کا قول ضلال محض ہوتا تو حضرت مجدد صاحب بجائے اس کی تقریر کے اس کا ابطال اور شیخ کی تضلیل بلکہ تکفیر فرماتے حالانکہ باوجود تغلیط کے، ان کو تصریحا مقبولان الٰہی میں شمار فرماتے ہیں۔

مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود مسائل کشفی ہیں یہ کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔'' (۱۱)

مشہور معاصر ادیب صلاح الدین سلجوقی نے وحدت الوجود کی اس طرح وضاحت کی ہے:

وجود خدائے تعالیٰ کی صفت ہے جس طرح علم، حیات، سمع اور بصر اس کی صفات ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود اور اس کے لوازم جو حیات، سمع، بصر اور تمام نیک صفات ہیں حقیقی شکل میں خدا کے ساتھ مخصوص اور محصور ہیں اور یہ وجود عالم، حیات اور صفات ظلی عرفی اور عکسی ہیں۔ (۱۲)

مولا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے بیان کو پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سلجوقی کا یہ خیال شہودی طبقے کے عقیدے اور نظریہ کے مطابق ہے کیونکہ طبقہ وجودی تو ظلی وجود کا بھی انکار کرتا ہے۔

مشہور ایرانی ادیب و نقاد جناب ڈاکٹر سید جعفر سجادی نے ''تجلی عرفان و تصوف در ادب فارسی'' کے عنوان سے اپنے ایک مضمون میں ''وحدت الوجود'' کے مسئلے پر اس طرح اظہار خیال کیا:

''وحدت الوجود'' جو اکثر عارفوں کی گفتگو کا تکیہ کلام ہے اور جو فارسی ادب میں انتہائی دلکش انداز میں موضوع بحث رہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملکوت، لاہوت، جبروت اور ناسوت کی ہستی در حقیقت ایک جہاں ہے ان میں سے کچھ ایک دوسرے کا سایہ ہیں یا سب ایک دریائے نور کی طرح ہیں جن میں شدت کے کئی درجے ہیں یا ایک موج زن دریا ہے جس میں سدا مختلف لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ ''تکثرات'' جو مختلف موجودات کا نام ہے سب اسی دریا کی لہریں ہیں ورنہ دریا بذات خود ایک ہی ہے لہریں جب بیٹھ جاتی ہیں اور دریا پر سکون ہو جاتا ہے تو ایک سے زیادہ کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے اور وہ ہے دریا۔ لہٰذا عالم ملکوت، عالم جبروت، اور عالم ناسوت سب اسی دریا کی لہریں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بڑی اور نمایاں لہریں ہیں۔ آدمی، جن، پری، حیوانات، معادن، نباتات اور تمام معلوم نا معلوم صورتیں سب اس دریا کی چھوٹی لہریں ہیں اور یہ سب پھر اپنے مرتبے کے لحاظ سے جوش و خروش میں ہیں اور جب کبھی ازلی ارادہ اور لم یزل حکم جاری ہوتا ہے سب لہریں بیٹھ

جاتی ہیں اور دریا کی طرف جو ان کی اصل ہے واپس لوٹ جاتی ہیں فرمایا: لمن الملک الیوم؟ للہ الواحد القھار و انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہست دریای ز گوہر موج زن   تو ندانی در حضیض و اوج زن

ہر کہ او آن جوہر دریا نیافت   لاشد و از لا نشان جز لا نیافت

موتی کے ایک دریا میں لہریں اٹھ رہی ہیں تم کو اس کی پستی و بلندی کی خبر نہیں جس کو دریا کا یہ جوہر نہیں ملا وہ ''لا'' ہو گیا اور ''لا'' کا نشان ''لا'' کے سوا نہیں پایا۔'' (۱۳)

اس وضاحت کی اساس پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بیچ کوئی فرق نہیں رہ جاتا کیونکہ ''ماسوا اللہ'' کو ''ظلی وجود'' کا حامل قرار دیا ہے جبکہ ابن العربی کے مطابق ماسوی اللہ یا ''معدوم محض'' ہے یا ''عین حق'' ہے۔ بیدل ان دو نظریوں کے بیچ اکثر کشمکش کی حالت میں نظر آتا ہے اگرچہ خود کو ''از وحدتیانیم'' اور ''مقیم وحدت'' کہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان دونوں نظریے کا خلاصہ پیش نظر رہے۔

طبقہ وجودی کے خیال کا خلاصہ:

۱۔ وجود نام ہے صرف خدائے تعالیٰ کا

۲۔ کائنات نام ہے اسماء و صفات الٰہی کا جس کو کبھی ''معدوم محض'' اور کبھی ''عین حق'' کہتے ہیں۔

طبقہ شہودی کے خیال کا خلاصہ:

۱۔ وجود حقیقی تو نام ہے خدا تعالیٰ کا

۲۔ کائنات نام ہے وجود ظلی و عکسی کا

جناب ضیا احمد بدایونی کے مطابق آخری عہد کے صوفیوں نے اس پر بعض ایسے امور کا اضافہ کیا ہے جن کے لئے قرآن و حدیث میں کوئی سند نہیں ہے مثلاً اتحاد، حلول، شریعت و طریقت میں تصادم، دیر و حرم کی مساوات، خاص حالات میں بندہ کے ذمہ سے فرائض کا سقوط، شیخ کا تصور، پیر پرستی، قبر پرستی، صلوٰۃ الرغائب، نماز معکوس، رہبانیت، ترک حیوانات، حبس دم، سماع و رقص وغیرہ۔ (۱۴)

بیدل بھی درج بالا بعض امور مثلاً صلح کل، مومن و کافر اور دیر و حرم میں مساوات کا قائل نظر آتا ہے۔ اس تمہید کے بعد وحدت الوجود کے سلسلے میں بیدل کے فکری ارتقاء پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

بیدل کا سب سے پہلے مولانا کمال قادری اور شاہ ملوک کی خدمت میں ''وحدت الوجود'' اور

''وحدت الشہودٗ'' کے دقیق نظریے سے سابقہ پڑا۔ اس وقت اس کی عمر دس سے تیرہ سال کے بیچ تھی۔
شاہ کمال قادری اور شاہ ملوک کی خدمت سے بیدل کے استفادے کا تذکرہ حالات کے تحت تفصیل سے آچکا ہے ان کی بحث کا خلاصہ بیدل اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

''اینجا مطلب شاہ (ملوک) ''نفی اوہام تعینات بود در مشاہدہ ''جلال وحدت''۔ ومقصود مولانا (کمال) ''اثبات ذات یکتائی درعین انتظام کثرت۔'' (۱۵)

یہاں شاہ ملوک کا مطلب جلال وحدت کے مشاہدے میں اوہام تعینات کی نفی کرنا تھا اور مولانا کمال کا مقصد عین کثرت میں ذات یکتائی کا اثبات تھا۔

شاہ ملوک ''جلال وحدت'' کے مشاہدے میں اتنے غرق تھے کہ خود اپنی ہستی کا اُنہیں کوئی شعور نہیں رہ گیا تھا اور اس قدر فنافی اللہ تھے کہ غیر کا تصور تک ان کے صفحہ ذہن پر نہیں ابھرتا تھا۔ کائنات کی جس چیز پر ان کی نظر پڑتی تھی ذات واحد نظر آتی تھی۔ اس وجہ سے وہ زندگی کی پابندیوں سے مکمل طور پر آزاد تھے۔ یہ تو تھی ''وحدت الوجودٗ''۔ شاہ ملوک کے مقابلے پر مولانا کمال قادری ''کثرت میں وحدت کا مشاہدہ'' کرتے تھے یعنی یہ فرض کرنے کے بعد کہ یہ کائنات دنیائے کثرت ہے اس کی ہر چیز ذات احدیت کی جلوہ گاہ ہے۔ یہ تھی وحدت الشہود۔ بیدل نے دونوں مکتب فکر میں اس طرح تال میل پیدا کیا:

''خواہ گرمی راطبیعت آتش دانند وخواہ آتش رالباس گرمی پوشانند چوں حاصل برہمزدن دودست یکصدا است ونتیجہ تحریک دولب یک مدعا۔'' (۱۶)

چاہے ''حرارت'' کو آگ کی طبیعت کہیں چاہے آگ کو ''حرارت'' کا لباس پہنائیں دونوں ہاتھوں سے تالی بجانے کا حاصل ایک ہی آواز کا گونجنا ہے اور دونوں لبوں کی جنبش کا نتیجہ ایک ہی منزل پر پہنچنا ہے۔

اس طرح ان دونوں نظریوں میں ہماہنگی پیدا کرنے کی کوشش کے نتیجے میں بیدل کے ہاتھ جو کچھ لگا اس کے بابت لکھتا ہے۔

''دماغ معنی سراغ بیدل ازگردش ایں دوساغر یک نشہ دوبالا گردید۔'' (۱۷)

یعنی بیدل کے متجسس اور تحقیق طلب دماغ کا نشہ ان دونوں جاموں کی گردش سے دوبالا ہوگیا۔

گویا بیدل کے نزدیک وحدت الوجود اور وحدت الشہود نتیجے کے لحاظ سے ایک ہی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام میں دونوں نظریے نظر آتے ہیں۔ کہیں تو وہ کائنات کو ''جلوہ گاہ ذات

خداوندی'' سے تعبیر کرتا ہے۔

عالم ہمہ جلوہ ذات احد است ایں خانہ ہیولی است نہ صورت جسد است

ساری کائنات ذات احد کی جلوہ گاہ ہے۔ یہ گھر نہ تو ہیولی ہے اور نہ صورت جسمیہ، اور کبھی کائنات کو ''عین حق'' کہتا ہے۔

محیط جہاں حیرت مطلق است بہرجا زنی غوطہ عین حق است

بیدل از شیوہ کیفیت خورشید مپرس حق نہاں نیست ولی خیرہ نگاہان کورند

کائنات کا یہ سمندر حیرت کا پتلا ہے جہاں بھی غوطہ لگاؤ گے ''عین حق'' نظر آئے گا۔

شاہ ملوک اور مولانا کمال کے بعد بیدل نے شاہ یکہ آزاد کی خدمت میں زانوے تلمذ تہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیدل کو مولانا جلال الدین بلخی رومی کے درج ذیل اشعار کے بہ غور مطالعہ کرنے کی ہدایت کی تاکہ اس پر عرفان وتصوف کا دروازہ وا ہوجائے۔

این توئی ظاہر کہ پنداری توئی ہست اندر توی تو از بی توئی

یہ بہ ظاہر تو ہے یا حقیقت میں تو ہے تیرے ''تو'' کے اندر ''توئی'' پنہاں ہے۔

اوتو است امانہ این تو کہ ہمین است آن توئی کز برتراز ماؤ من است

''وہ'' ''تو'' ہے لیکن یہ ''تو'' نہیں ہے جو سامنے ہے وہ ''تو'' ہے جو ''ماومن'' سے پرے ہے۔

توی تودر دیگری آید دفین من غلام مرد خودبین چنیں

تیرا ''تو'' دوسرے کے اندر مدغم ہوگیا میں ایسے خودبیں آدمی کا غلام ہوں۔

یہاں بھی بیدل کے ''وحدت الوجودٗ'' کا وہی سابق درس ہے۔ انسان، جو کائنات کا عصارہ اور لب لباب ہے، جب تعینات کی دنیا سے عاری ہوکر اس ہستی مطلق کے اندر فنا ہوجاتا ہے تو ساری کائنات جو ''غیر'' نظر آتی ہے خدا کی ذات میں مدغم ہوجاتی ہے اور اپنی جداگانہ ہستی کا شعور وہ ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے۔ درج بالا اشعار پر غور وفکر کے بعد جو چیز بیدل کے پلے پڑی اس کی بابت لکھتا ہے:

''بمواظبت حضور معنیش، مشق حیرتی بکمال رساندم۔ وبحافظت اسرار حقیقتش ورق نفسی بخاموشی گرداندم۔'' (۱۸)

اس مضمون کے ذہن میں لگاتار استحضار کے نتیجے میں ''حیرت'' کی مشق کو اوج کمال تک پہونچایا اور اس کے اسرار حقیقت کی نگہداشت کرکے سانس کے اوراق کو خاموشی سے پلٹ دیا۔ چنانچہ اس موضوع کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

تو آفتاب وجہاں جز بجستجوی تو نیست بہار درنظرم غیر رنگ و بوی تو نیست

تو آفتاب اور دنیا تیری تلاش کے سوا کے کچھ نہیں بہار میری نگاہ میں تیرے رنگ و بو کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ازیں قلمرو مجنوں کسی نمی جوشد　　که نارسیده بفهمد در آرزوی تو نیست

اس قلمرو مجنون سے کوئی نہیں جوش زن ہے جو بغیر پہنچے سمجھے کہ تیری آرزو میں نہیں ہے۔

خروش کن فیکون در خم ازل ازلیست　　نوای کس بخرابات های و هوتو نیست

ز دور باش ادب خیز حکم یکتائی　　غبار ما همه گر خوں شود بکویتوی نیست

جهاں به حسرت دیدار می زند پر و بال　　ولی چه سود که رفع حجاب خوتو نیست

ز جوش بحر نواها ست در طبیعت موج　　من و توئی همه آفاق غیر توی تو نیست

هزار آئینه طوفاں حیرتست اینجا　　که چشم سوی تو دار بم و هیچ سوی تو نیست

بچشم بسته خیال حضور حق پختن　　اشاره بست که اینجا نگاه بینا نیست

چشم وا کن حسن نیرنگ قدم بی پرده است　　گوش شو آهنگ قانون عدم بی پرده است

جهاں گل کردن یکتائی اوست　　ندارد شخص تنها جز خیالات

دل بیاد پر تو حسنت سراپا آتش است　　از حضور آفتاب آئینه ما آتش است

بهشتی تو امید است نیستیها را　　که گفته اند: اگر هیچ نیست الله هست

هوای الفت بیگانه مشربی دارم　　قرار ما طلب او، نشاط ما غم اوست

از ناله ما غیر ثنایت نتواں یافت　　سایل نفسش صرف دعاهای کریم است

جز معنیٰ از آثار عبارت نتواں خواند　　گر غیر خدا فهم کنی غیر خدا نیست

کو خلوت و چه انجمن آثار جاه اوست　　هر جا مژه بلند کنی بار گاه اوست

اسی کا نتیجہ ہے کہ مولانا جلال الدین کا اثر بیدل کے کلام میں اکثر مقامات پر نظر آتا ہے۔ مثنوی محیط اعظم میں ''جام موسوی'' کے تحت تجلی طور اور موسی علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی خیال کا اظہار کرتا ہے۔

بدرس یقینش ز اسرار نور　　نمودار گردید برقی ز نور

ان کے درس یقین کی خاطر اسرار نور سے نور کی ایک بجلی کوندی۔

که آئینه اعتبارات هوش　　از آنجلوه رنگی نیابد، خموش

کہ ہوش و عقل کے آئینہ اعتبار کی اس جلوے کے کسی رنگ تک رسائی نہیں ہو سکتی اس لئے خاموش رہ۔

نختیں سرو برگ هستی بسوز　　دگر شمع آن انجمن بر فروز

پہلے اپنے سرمایہ ہستی کو آگ کی نذر کر دے پھر اس انجمن کی شمع روشن کر۔

چو نتواں باین برق بگداختن　　به آن نور ممکن مداں ساختن

اس بجلی سے جب تک اپنی ہستی میں سوز و گداز نہیں پیدا کرتے اس نور کے ساتھ سازش و یگانگی ممکن نہیں۔

نمودند نیرنگ آهنگ را　　که گر طالبی بشکن ایں رنگ را

ایک انوکھی صدا آئی کہ اگر واقعی تم طالب صادق ہو تو اس ہستی موہوم کے رنگ کو اڑا دو۔

و لیکن زمانیکه آنجا رسی　　تو پیدا نه ای تا باو وا رسی

لیکن جب تمہاری رسائی وہاں تک ہوگی تو تمہارا وجود ناپید ہو جائے گا اور اس لائق نہیں ہوگے کہ اس پر غور کرو۔

باو غیر او کس نخواهد رسید　　خوش آندل کزین جستجو آرمید

''اُس'' تک ''اُس'' کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ دل کیا ہی اچھا ہے جو اس کی تلاش و جستجو سے باز آ گیا۔

چه حاصل کند سایه از آفتاب　　که خود را هم آنجا نه بیند بخواب

آفتاب سے سایہ کے کیا ہاتھ لگے گا کیونکہ وہ خود کو وہاں خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتا ہے۔

بهر رنگ از آنجلوه محرومی است　　که آنجا اثر های معدومی است

چاہے کوئی رنگ اختیار کیجئے اس جلوہ سے محرومی ہی رہے گی کیونکہ وہاں معدومی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

ز وحدت مبر نام تا کثرت است　　بقا از فنا خواستن خجلت است

جب تک ''کثرت'' موجود ہے ''وحدت'' کا نام نہ لو ''فنا'' سے ''بقا'' یا فانی سے باقی کی امید رکھنی سراسر ندامت کی بات ہے۔

حسابیکه می باید ا از خانه خواست　　محالست آید ببازار راست

گھر کا حساب کتاب بازار میں جہاں تجارت پیش نظر ہوتی ہے نہیں چل سکتا۔

وجودت نشان است واو بی نشان　　زمین سخت دوراست از آسمان (۱۹)

تیرا وجود ''نشان'' ہے اور ''وہ'' بے نشان ہے زمین آسمان سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

بیدل کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ جمال مطلق تک رسائی اسی وقت ممکن ہے جب ''تعین''

کا لباس اتار کر اس کی ذات میں اس طرح گم ہو جائیں کہ اپنی ہستی کا احساس تک ہمارے صفحۂ ذہن پر باقی نہ رہے کیونکہ وہ باقی ہے اور ہم فانی ہیں۔ فانی باقی تک کیونکر رسائی حاصل کر سکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے ''وجود'' کے اس رنگ کو مٹا دیں اور ''اُس ہستی'' کے اندر کھو جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام پر جب یہ راز فاش ہوا تو ان کے دل کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ پھر جس شے پر ان کی نظر پڑتی تھی ''انی انا اللہ'' کی آواز انہیں سنائی دیتی تھی۔

بہاری شد از نخل طورش پدید   ز ہر برگش انی انا اللہ شنید

نخل طور سے ایک بہار نمایاں ہوئی جس کے ہر پتے سے انی انا اللہ کی صدا ان کے کان میں پہنچنے لگی۔

اس کے بعد وہ شاہ فاضل کی خدمت میں نظر آتا ہے ان کی صحبت میں جب ''وحدت و کثرت'' کا تذکرہ چھڑا تو ان کے ایک ارادتمند نے دریافت کیا:

''اس دنیا میں جو قول و عمل بھی رونما ہوتا ہے اس کا اصلی محرک تو خدائے تعالیٰ کا ارادہ ہی ہے کیونکہ اس کی مشیت کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا تو منصور حلاج کے قول جنہوں ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا اور فرعون کے قول جس نے ''انا ربکم الاعلی'' کا نعرہ بلند کیا تھا کے درمیان کیوں فرق کرتے ہیں جبکہ دونوں نے ایک ہی طرح کے نعرے کا تکرار کیا ہے۔

شاہ موصوف نے جواب دیا:

''آدمی کی شخصیت ہر قسم کی بدی و نیکی کی نسبت سے پاک ہوتی ہے۔ یہ ہمارے اعمال ہیں جو ہماری شخصیات اور خصوصیات کی تشکیل کرتے اور ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں۔ ''انقلاب'' یعنی رنگ بدلنے کا سرچشمہ ''کثرت'' ہے اور ''پائداری'' کا سرچشمہ ''وحدت'' ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جس کی نظر ساز و سامان اور حشم و خدم پر ہوتی ہے وہ تمام حالات میں اپنے موقف پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا ہے۔ بلکہ حالات کے حسب اقتضا اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور جو اپنی ہستی کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی ہستی میں گم کر دیتا یا صوفیا کی اصطلاح میں فنا فی اللہ ہو جاتا۔ اسے وہی ''ہستی مطلق'' نظر آتی ہے، وہ سدا اپنے موقف پر قائم رہے گا۔ منصور حلاجؒ نے اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں نابود کر دینے کے بعد ''انا الحق'' کا نعرہ لگایا تھا۔ ساری موجودات حتیٰ کہ خود اپنی ہستی کا تصور بھی ان کے صفحۂ ذہن پر باقی نہیں رہا تھا اور مکمل طور پر ''جام وحدت'' نوش کر لیا تھا۔ اس ''جام'' میں ''غیر'' نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ان کے نعرہ ''انا الحق'' کا سرچشمہ یہی ''وحدت'' تھا۔ ان کے نعرہ کی یکسانی

یکرنگی کی اساس اسی ''وحدت'' پر قائم تھی، اس لئے پورے واقعہ کے دوران وہ بدستور اسی طرح نظر آتے ہیں۔ فرعون کے دعوے ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا سرچشمہ ''کثرت'' تھا یعنی اس نے اپنے جاہ و جلال، کر و فر، شان و شوکت، حشم و خدم اور ساز و سامان پر بھروسہ کر کے یہ نعرہ بلند کیا تھا۔ جب ناساز گار حالات سے اس کا سابقہ پڑا تو اس کی کیفیت بدل گئی اور اپنے موقف پر قائم نہ رہا، درج بالا نعرہ کے بجائے ''آمنت برب موسی و ہارون'' کا نعرہ بلند کیا۔ اس واقعہ کے آخر میں بیدل حضرت شاہ صاحب موصوف کا ارشاد نقل کرتا ہے:

''در محفل وحدت شہود جز یکی متحقق نیست، پرتو اختلاف از کجا بظہور پیوندد۔ و در بہار کثرت کہ غیریت آئینہ پرداز نشو و نماست۔ ناچار ہر برگی ہزار رنگ می خندد۔ پس کذب لازم کثرت نمائی است و صدق دلیل وحدت آشنائی۔''(۲۰)

''وحدت الشہود'' کی محفل میں جب ایک ہستی کے سوا کسی کا کوئی وجود ثابت نہیں ہے تو اختلاف کی جھلک کہاں سے دکھائی دے سکتی ہے۔ اور ''بہار کثرت'' جہاں غیریت اور دوئیت پروان چڑھتی رہتی ہے وہاں لامحالہ ہر پتہ ہزاروں رنگ میں خنداں نظر آتا ہے۔ لہٰذا ''کذب و دروغ'' ''کثرت نمائی'' کے لئے لازمی عنصر ہے اور ''صدق و راستی'' ''وحدت آشنائی'' کی دلیل ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ فاضل کی خدمت میں بھی بیدل کو اسی ''وحدت وجود'' کا درس یعنی ذات خداوندی میں نابود ہو جانے یا فنافی اللہ ہو جانے کا درس ملا۔

اس کے بعد بیدل اڑیسہ میں شاہ قاسم ہواللہی کی صحبت میں ایک دن ''مجموعہ رسائل ابوبکر شبلی'' کا مطالعہ کر رہا تھا۔ شاہ موصوف نے پوچھا ان کی کون سی بات تمہیں اچھی لگی؟

بیدل نے جواب دیا:

''مدتہا رشتہ اندیشہ عقدہ داشت و خامہ تامل تردد می نگاشت۔ امروز از مطالعہ کلام تحقیق انجام شیخ طریقت شبلیؒ آن عقدہ بکشایش مقرون گردید۔ و آن تردد بمضمون تسلی انجامید کہ فرمودہ است کہ التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن غیر ولا غیر''(۲۱)

عرصہ سے رشتہ اندیشہ میں ایک گرہ پڑی ہوئی تھی اور خامہ تدبیر پریشان نگاری میں مصروف تھا۔ آج شیخ طریقت حضرت ابوبکر شبلیؒ کے کلام تحقیق انجام کے مطالعہ سے وہ گتھی سلجھی اور خلجان دور ہو کر دل کو تسلی نصیب ہوئی۔ وہ ہے '' التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن غیر ولا غیر۔''

تصوف شرک ہے اس لئے کہ اس کی تعریف ہے دل کو غیر اللہ کے تصور سے محفوظ رکھنا جبکہ ''غیر'' کا کہیں وجود ہی نہیں ہے۔

اس وقت بیدل کی عمر سترہ سے اکیس سال کے درمیان تھی اور اس کے بیان کی اساس پر کہا جا سکتا ہے کہ ''مجموعہ رسائل'' کے مطالعہ سے پہلے ''وحدت الوجود'' سے متعلق جو معلومات اسے حاصل تھیں اس کے ذہنی انتشار کو دور نہیں کر سکی تھیں۔ مذکورہ رسالہ کے مطالعہ خصوصاً حضرت ابوبکر شبلی کے مقولے نے اس کے شبہے کو دور کیا۔

حضرت شبلی کے اس مقولے کا اگر بہ غور مطالعہ کریں تو وہ نظریہ وحدت الوجود ہی نظر آئے گا لیکن چند اضافہ کے ساتھ۔ اس سے پہلے حضرت شاہ کمال، شاہ ملوک، شاہ یکہ آزاد اور شاہ فاضل کی محفلوں میں اس مکتب فکر سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ لیکن ''عین وغیر'' کا مسئلہ ہنوز اس کے لئے ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کا باعث بنا ہوا تھا۔ حضرت شبلی کے مقولے نے اس مشکل کو حل کیا۔ شبلی کے ارشاد کا مطلب ہے کہ ''غیر'' نام کی کسی چیز کا جب سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے تو دل کو غیر سے محفوظ رکھنے کا سوال کیا پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے تصوف کی اس تعریف سے ''کہ وہ دل کو ماسوی اللہ سے محفوظ رکھنے کا نام ہے'' شرک کی بو آتی ہے۔ کیونکہ جب ہم کہتے ہیں ''غیر'' کا وجود نہیں ہے پھر نصیحت کریں کہ دل کو ''غیر'' کے تصور سے محفوظ رکھیں تو اس کا مطلب یہ ہوا آپ ''غیر'' کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔

شاہ موصوف کے حسب ہدایت بیدل نے پوری کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے اس قدر متاثر ہوا کہ لکھتا ہے:

''خون گشتن آثار شبہات، رنگ چہرہ یقین افروخت'' (۲۲)

شکوک وشبہات کے آثار کے ناپید ہو جانے سے، چہرہ یقین کا رنگ نکھر گیا۔

یہاں بیدل کو ''عینیت'' یعنی خالق ومخلوق کے عین ہونے کا درس ملا لیکن تمام تر اعتراف کے باوجود ایک بار پھر وہ ''عین وغیر'' کے مسئلے پر کشمکش سے دوچار نظر آتا ہے۔ لکھتا ہے:

''ہمہ متفق کہ ''ماسوی اللہ'' اوہام است وبر وہم می پیچیدند۔ وجملہ متحد کہ ''غیر حق'' موجود نیست وخود را غیر می فہمیدند۔'' (۲۳)

سب اس بات پر متفق ہیں کہ ''ماسوی اللہ'' اوہام ہیں پھر بھی ''وہم'' پر پیچ وتاب کھا رہے ہیں اور سب اس بات پر یک زبان ہیں کہ ''غیر حق'' کا وجود نہیں ہے پھر بھی خود کو ''غیر'' سمجھے ہوئے ہیں۔

گویا ان لوگوں کے افکار وخیالات میں تضاد ہے جو کہتے ہیں کہ ماسوی اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے پھر بھی خود کو غیر سمجھے ہوئے ہیں۔ ان کے قول وعمل کے درمیان اس تضاد نے اسے یہ سمجھنے پر مجبور کیا کہ یہ مسئلہ ہنوز لاینحل ہے اسی کشمکش کے عالم میں ایک دن درج ذیل شعر بے ساختہ اس کی زبان پر جاری ہوا۔

از ہرچہ سرایت فزونی   خود گوئی چگویت کہ چونی

تیری ثنا وتعریف میں اے خدا! جو کچھ بھی کہوں تو اس سے کہیں پرے ہے۔ اب تو ہی بتا کہ تجھ کو کس طرح سے یاد کروں کہ تو کیسا ہے؟

اس سوال کا جواب آخر ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء میں اڑیسہ میں ''الہام کدہ بے حرف وصوت'' سے اس طرح ملا۔

''از ما با ماست ہر چہ گوئیم   ما ہچو توی دگر چگوئیم''

اپنے بابت جو کچھ بھی ہم کہیں گے وہ ہمارے ساتھ مخصوص ہے۔ ہم بھی تمہاری ہی طرح ہیں اس کے سوا اور کیا بتائیں۔

اس شعر کا مفہوم شاید یہ ہے کہ تم میری کنہ اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے بس اتنا سمجھو کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ہوں۔ جس طرح ہر آدمی کو اپنے بابت نسبۃً زیادہ علم ہوتا ہے اور اپنی شخصیت کو دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہے اسی طرح صرف میں اپنی کنہ وحقیقت دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہوں اور دوسروں کو اس کا سراغ لگانا مشکل ہے۔ بیدل اس پر اپنے ردعمل کا اس طرح اظہار کرتا ہے۔

''بجز داین ندا خواب ماہوش از سرم دامن افشاند۔ وموبمویم چون مژہ از خواب جستہ بحیرت باز ماند شب از پرتو خورشید چہ داند وخورشید از سواد شب چہ خواہد۔'' (۲۴)

اس آواز کے کان سے ٹکراتے ہی میرے خواب کے سارے تانے بانے بکھر گئے اور پلک کی طرح میرا بال بال خواب سے بیدار ہو کر حیرت میں غرق ہو گیا۔ رات کو سورج کے پرتو کا بھلا کیا علم ہو سکتا ہے اور آفتاب کو رات کی سیاہی کی بھلا کیا خبر ہو سکتی ہے۔

ز دل معاملہ عین و غیر پرسیدم   زبان گزید کہ جز شبہ حساب تو نیست

دل سے عین وغیر کے مسئلے پر اس کی رائے معلوم کی تو زبان نے اس طرح جواب دیا کہ تیرے حساب کرنے میں شبہہ کے سوا کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔

۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵ء میں دہلی میں بیدل کی ملاقات شاہ کاملی سے ہوتی ہے اور ان کی زبان سے بھی وہی شعر سنتا ہے بیدل نے پوچھا: یہ کس کا شعر ہے؟

''ہمارا ہے۔ اس میں شبہ کیا ہے؟'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے بعد زمین پر لیٹتے ہوئے کہا:

''اینجا گشاد چشم غیر از حیرت چیزی ندارد باید خوابید وبیداری جز تشویش بار نمی آرد باید واکشید۔'' (۲۵)

یہاں آنکھ کھولنے کا حاصل حیرت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لئے محو خواب ہو جانا چاہئے اور

بیداری کا نتیجہ تشویش کے سوا کچھ نہیں ہے اس لئے بستر پر دراز ہو جانا چاہئے۔

اس جواب سے یقین و ایمان کی جو دولت اسے نصیب ہوئی اس کے بابت لکھتا ہے:

''للّٰہ الحمد کہ لمعہ وقوع آن کیفیت، ظلمت ہزار رنگ شبہات از آئینۂ یقینم زدود، وشکوک یک عالم اوہام، چون نالہ از کمند تشویش بیرون می تاخت۔'' (۲۵)

الحمد للہ کہ اس کیفیت کی چمک نے شبہات کی ہزاروں تاریک تہوں کو میرے آئینۂ یقین سے ناپید کر دیا اور دنیائے اوہام کے شکوک نالے کی طرح تشویش کے کمند سے باہر نکل پڑے۔

اس کے بعد حاصل احساس کو ایک رباعی میں اس انداز سے سمو دیا ہے۔

عالم ہمہ یک برق تجلی دیدم   محمل گردی نداشت لیلی دیدم
زین سرمہ کہ حق کشید در دیدۂ من   ہر جا لفظی دمید معنی دیدم (۲۶)

ساری کائنات مجھے ایک ''برق تجلی'' نظر آئی۔ کجاوے پر کوئی گرد و غبار نہ تھا اس لئے لیلی مجھے صاف طور سے نظر آ گئی، خدا نے میری آنکھ میں جو سرمہ لگایا اُس کی بدولت جہاں بھی کوئی لفظ نظر آیا میری نگاہ معنی تک پہنچ گئی۔

ایک اور رباعی اسی مفہوم کی ہے۔

ہر چند جہاں طلسم آب و گل بود   در چشم شہود غیر حق باطل بود
عالم بخیال فہم خود کم پرداخت   ان لیلی در پردہ ہمیں محمل بود

شاہ کابلی کے ارشاد کے ساتھ درج بالا شعر در حقیقت اس سوال کا جواب ہے جس نے ''عین و غیر'' کے مسئلے پر بیدل کے ذہن کو اضطراب سے دو چار کر رکھا تھا۔ شاہ موصوف نے بیدل کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا کہ خدائے تعالیٰ کی کُنہ تک پہونچنا انسانی عقل و فہم کے دائرے سے باہر ہے، اس لئے اس کی کوشش کرنا بے سود ہے۔ اب اگر مظاہر فطرت مثلاً آسمان و زمین، چاند و سورج، دریا و صحرا، کوہ و بیابان، جن و انس اور چرند و پرند وغیرہ پر نظر ڈالو گے تو حیرت کے سوا کوئی چیز تمہارے ہاتھ نہیں لگے گی، اور فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ موجودات عین ذات الٰہی ہیں یا غیر ذات۔ اس لئے سب سے معقول بات یہی نظر آتی ہے کہ ساری کائنات کو ''جلوہ گاہ ذات احدیت'' سمجھ کر اپنی آنکھیں بند کر لو اور ''غیر'' کا تصور صفحۂ ذہن سے نکال دو۔ صرف یہی صورت ہے جس میں عقل سرگرداں اور فہم آوارہ کو مطمئن کیا جا سکتا ہے۔

کثرت حجاب جلوہ وحدت نمی شود   مژگاں بہر چہ باز کنی دیدہ محو اوست

''کثرت'' ''جلوہ وحدت'' کیلئے آڑ نہیں بن سکتی ہے جس چیز پر نظر ڈالئے آنکھ اسی خدائے واحد و یگانہ میں محو ہو جاتی ہے۔

باوجود یکہ بیدل یہاں شبہات کے ازالے کا اعتراف کرتا ہے ''عین و غیر'' سے متعلق اس کے شکوک ناپید نہیں ہوتے ہیں۔ آخر شاہ کابلی کے ساتھ تیسری ملاقات ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء میں دہلی کے ایک بازار میں ہوتی ہے جس نے اس کے ذہنی خلجان کے دور کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس ملاقات کا ذکر حالات کے ضمن میں تفصیل سے آ چکا ہے یہاں مسئلہ ''عین و غیر'' سے متعلق اس کے درج ذیل جملے نقل کئے جاتے ہیں:

''باہمہ بی تعینی ''غیر'' عبارت تعین ماست یعنی حصول توہم پیدائی و ''عین'' اصطلاح بی صفتی یعنی تغافل او ضاغ خودنمائی۔'' (۲۷)

تمام تر ''بے تعینی'' کے باوجود ''غیر'' ہمارے ''تعین'' کی تعبیر ہے یعنی ''توہم پیدائی'' کا حصول۔ اور ''عین'' ''بی صفتی'' کی اصطلاح ہے یعنی ''خودنمائی'' کی کیفیت سے تغافل۔

''تعین'' نام ہے ''وجود و ہستی'' کا۔ جو لوگ نظریہ ''ہمہ اوست'' کے قائل ہیں وہ اپنی ''ہستی'' کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن اپنی ''ہستی'' سے ان کے انکار کے باوجود ''غیر'' ناپید نہیں ہوتا ہے اس لئے اپنی ہستی کو چاہے جس طرح ہو ہم ''غیر'' کہنے پر مجبور ہیں۔ البتہ اس صورت میں ہماری ''ہستی'' قوت واہمہ کی اپج اور ایجاد ہوگی اور عین نام ہے ''بی صفتی'' کا یعنی جس وقت ذات کو صفت سے الگ اور جدا سمجھیں تو عین سامنے آتا ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ اس ''خاکی ہستی'' کے ساتھ خود کو ''عین ذات احدیت'' سمجھیں۔ اس بنا پر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس شکل میں ''خودنمائی'' کی کیفیت اپنے اندر پیدا نہ ہونے دیں۔

باہمہ معدومی، از قید توہم چارہ نیست   ماہی بحر کماں ہم می شناسد شصت را
در جہان بی نیازی فرق عین ز غیر نیست   عمرہا شد خالق عالم خلایق می شود

بیس سال بعد یعنی ۱۱۰۰ھ/۸۹-۱۶۸۸ء میں جب وہ اس زمانے کی یادوں کو ضبط تحریر میں لا رہا تھا اپنے دل و دماغ پر اس کے اثر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''امروز بیست سال است مست خیال آں ساغرم''۔ (۲۸)

آج بیس سال ہوئے اسی ساغر کے تصور سے مست ہوں۔

اس طرح ہم محسوس کرتے ہیں کہ کافی نشیب و فراز اور پستی و بلندی سے گذرنے کے بعد بیدل ایک ایسی منزل پر پہونچا جس کا خلاصہ ہے۔

۱۔ وجود حقیقی خدائے تعالیٰ کا نام ہے۔

۲۔ ''جہاں'' ''تعین'' اور ''موجودات'' یہ سب قوت واہمہ کی اختراع اور اپج ہیں اسی ''دنیائے تعینات''

کو اسماء و صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔

جہاں، جہاں آفریں اور ان دونوں کے درمیان تعلقات کی جو نوعیت ہے ان تمام امور کو بیدل نے درج ذیل حکایت میں مرتب شکل میں بیان کر دیا ہے۔ اس حکایت کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ بیدل نے اپنے افکار و خیالات کو بغیر کسی ابہام و پیچیدگی کے نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ حکایت مثنوی محیط اعظم سے ماخوذ ہے۔

شبی روح منصورم آمد بخواب — تمنا بہ پرسش نمود اضطراب

ایک رات منصور حلاجؒ کی روح مجھے خواب میں نظر آئی۔ اشتیاق نے سوال کرنے میں اپنی بیقراری کا اظہار کیا۔

کہ در خجلت آباد عرض وجود — نفس سرکش دعوی حق چہ بود

کہ "وجود" کی اس خجلت آباد اور مقام ندامت میں آپ کا نفس "انا الحق" کا دعوی کر کے سرکشی پر کیوں اترا۔

محالست در دیدۂ اعتبار — کہ گردد ز امکان وجوب آشکار

دیدہ اعتبار کو یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے کہ "امکان" سے "وجوب" ظاہر ہو۔

نیاید بہ تقیید اطلاق راست — نشاید ز می عالم تاک خواست

"تقیید" کو "اطلاق" راس نہیں آتا شراب سے عالم تاک (انگور کی بیل) کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔

زمین آسمانی کند حیرت است — انا البحر ساحل نم خجلت است

زمین آسمانی خصوصیات کا اظہار کرے حیرت ہوتی ہے ساحل کا "انا البحر" کہنا ندامت کی بات ہے۔

تقدس زبان تنزہ بیان — باین رنگ شد آگہی ترجمان

اس تقدس بیان اور تنزہ زبان نے اس انداز سے لب کشائی کی۔

کہ ای پختہ ای اعتبارات خام — مقید چہ رنگست و مطلق کدام

اے خام خیالی میں مبتلا آدمی! "مقید" کسے کہتے میں اور مطلق کون ہے۔

ز ذات احد اسم چندی دمید — ز ہر اسم کیفیتی سرکشید

ذات "احد" سے چند "اسماء" نمودار ہوئے اور ہر "اسم" سے ایک کیفیت نمایاں ہوئی۔

"صفاتی" "کز" "سماء" "زند راہ فہم — تو خواہی "تعین" شمر خواہ "وہم"

"اسماء" سے جو صفات دائرہ فہم میں آئے انہیں تو چاہے تو "تعین" سے تعبیر کرے چاہے "وہم" سے۔

عیان نیست زین گفتگوی ہوس — بغیر از تعین کہ وہم است و بس

اس بحث و تحیث سے "تعین" کے سوا جو بجائے خود "وہم" ہی ہے کوئی اور بات سامنے نہیں آئی۔

چہ اسم و صفت پردہ ساز غیب — تو ہم غباری ز آواز غیب

"اسم و صفت" کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سب "ساز غیب" کی لے اور نغمے ہیں اور "صدائے غیب" کے تو ہم غبار ہیں۔

جہانی از ین نغمہ ممتاز شد — صدای جرس کاروان ساز شد

اس "نغمہ" سے ایک عالم کو امتیاز حاصل ہوا گھنٹے کی صدا کارواں ساز بن گئی۔

دی کاین جرسہا ز آواز ماند — ہمان شوخی کاروان باز ماند

یہ جرس جس لحہ بے صدا ہو جائے گا کارواں کی شوخی بدستور باقی رہے گی۔

کہ در گنبد بی در آسمان — ز بیگانہ تا چند جوئی نشان

آسماں کے اس گنبد میں جہاں کوئی دروازہ نہیں ہے "غیر" کا نشان و پتہ کب تک ڈھونڈتے رہو گے۔

اگر چشم تحقیق بینا شود — گرہ از رہ منزلت وا شود(۲۹)

اگر تحقیق کی آنکھ سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرو تو راستے کی رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔

اب جبکہ بحث کا یہ سلسلہ "ذات و صفات" تک دراز ہو گیا ہے دوسرے اہم مآخذ اور مراجع سے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ شاہ کابلی کے ارشاد کو پیش نظر رکھئے تو "عین و غیر" کا مسئلہ در حقیقت "ذات و صفات" کی بحث معلوم ہوتی ہے۔ بیدل نے اس موضوع پر تقریباً ہر مثنوی میں روشنی ڈالی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی پندرہویں اور سولہویں لائحہ میں فرماتے ہیں:

"صفات" "غیر" "ذات" ہیں جہاں تک عقلوں کے ذریعہ ان کے ادراک کا تعلق ہے اور "عین ذات" ہیں جہاں تک ان کے تحقق اور ثبوت کا تعلق ہے۔ مثلاً عالم صفت علم کے اعتبار سے ذات ہے اور قادر صفت قدرت کی وجہ سے اور مرید صفت ارادت کی وجہ سے اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ سب جیسا کہ مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں خصوصیت سے "ذات" کے بھی مغایر ہیں۔ لیکن تحقق اور ثبوت کے لحاظ سے "عین ذات" ہیں اس معنی میں کہ وہاں کئی "وجودات" نہیں ہیں بلکہ صرف ایک وجود ہے اور اسماء و صفات اس کے اعتبارات اور نسبتیں ہیں۔

"ذات" "ذات" ہونے کی حیثیت سے تمام اسماء و صفات سے معرا اور تمام نسبتوں اور اضافتوں سے مبرا ہے۔ ان امور کے ساتھ اس کا اتصاف تجلی اول میں عالم ظہور کے ساتھ اس کی توجہ

کے لحاظ سے ہے کہ اس نے خود بخود اپنے اوپر ''تجلی'' کی اور علم، نور اور وجود و شہود کی نسبت پایہ ثبوت کو پہنچ گئی علم کی نسبت عالمیت و معلومیت کا تقاضا کرتی ہے۔ نور ظاہر و مظہریت کو مستلزم ہے اور ''وجود'' و احدیت و موجودیت و شاہدیت و مشہودیت کے متتبع ہے اس طرح ''ظہور'' جو نور کے لئے ایک لازم امر ہے ''بطون'' میں رونما ہوا اور ''بطون'' کو ظہور کی بہ نسبت ذاتی تقدم اور اولیت حاصل ہے۔ اس طرح ''اول'' و ''آخر'' ''ظاہر'' و ''باطن'' کا اسم متشخص ہو گیا۔ اسی طرح دوسری اور تیسری تجلی میں الی ماشاءاللہ یہ نسبتیں اور اضافتیں دوبالا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اس کی نسبتوں اور ناموں میں جس قدر اضافہ ہوتا جائے گا اس کے ظہور بلکہ اس کے ''خفا'' میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ پاک ہے جو اپنے مظاہر نور کے ساتھ پوشیدہ ہے۔ اپنے پردوں کو لٹکانے کے ساتھ ظاہر ہے۔ اس کی خفا اس کے اطلاق ذات کے لحاظ سے ہے اور اس کا ظہور مظاہر و تعینات کے لحاظ سے ہے۔'' (۳۰)

اس موضوع پر بیدل نے اپنی مثنوی میں اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

ز اسماء جز و کلش گفتگو است   کہ گویند او یا شمارند ازو است

اسماء کے جزو کل کی بحث چھڑی ہے کہ اسے ''وہ'' کہہ کر پکاریں یا ''اس سے'' سے کہہ کر۔

ز تقیید اطلاق جز و کلش   برون دادہ مینای ما قلقلش

اس کے ''جزو کل'' کے ''تقیید اطلاق'' سے ہماری مینا نے قلقلہ کی آواز نکالی ہے۔

''ازو'' ہر چہ گوئیم نزدیک و دور   بہ تفصیل افتد رجوع شعور

''ازو'' (اس سے) کا لفظ نزدیک یا دور چاہے جس طرح کہیں اس سے ذہن کو ذات احدیت کا تفصیلی علم نصیب ہوتا ہے۔

ولی ہر کجا او عبارت کنیم   با جمال ذاتش اشارت کنیم

لیکن جب ''او'' (وہ) لفظ کا استعمال کریں تو ذات احدیت کا اجمالی علم نصیب ہوتا ہے۔

مجازش سروبرگ جام و سبو   حقیقت خرابات بیرنگ ہو

اس کا ''مجاز'' جام و سبو کا سروسامان ہے اس کی حقیقت ''ہو'' کا بے رنگ و روپ میخانہ ہے۔

ازو ساز تقلید و او مطلق است   جہان اینقدر ما سوای حق است

''ازو'' تقلید کا ساز و آواز ہے جبکہ ''او'' ذات مطلق کی طرف اشارہ ہے۔ دنیا بس اسی قدر ''ماسوای حق'' ہے۔

گر از عالم ظاہرش گفتگو ست   چرا این نگوئی کہ این جملہ اوست

اگر اس کے ''عالم ظاہر'' کی بحث پیش ہے تو کیوں نہیں یوں کہتے کہ سب کچھ ''وہی'' ہے۔

زبس ظاہر اینجا صفات است وبس   بہ تغییر اوصاف ذات است وبس

یہاں ''صفات'' پوری طرح عیاں و نمایاں ہیں اگر ''صفات'' کو بدل دیجئے تو ''ذات'' ہی رہ جائے گی۔

بناچار اشارت سوی او کنند   بہ آن جلوہ بی نشان رو کنند

مجبوراً جب ''اس'' کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اس سے مجبوراً ''جلوہ بی نشان'' مقصود ہوتا ہے۔

وگر نہ ظہور است عین بطون   چہ دلہا کہ اینجا نگشتہ است خون

ورنہ ''ظہور'' عین ''بطون'' ہے جانے کتنے دل ہیں جو اس مسئلے پر پہنچ کر خون نہیں ہوئے۔

ضرور است ازو چون باسما رسیم   جز او نیست ہر گہ باو وا رسیم

جب ہم ''اسماء'' پر پہنچتے ہیں تو اسے ''ازو'' (اس سے) کی تعبیر ضروری ہوتی ہے۔ اور جب او (اس) پر پہنچتے ہیں تو وہاں ''او'' کی ہی تعبیر اختیار کرنی ہوگی۔

صفت ہر قدر جلوہ گر می شود   سخن صاحب بال و پر می شود

''صفت'' جس قدر جلوہ نما ہوتی رہے گی اس کی بحث اور تذکرہ طول کھنچتا جائے گا۔

وگر معنی ذات سازی رقم   بشو نقش پرواز اندیشہ ہم

اگر ''ذات'' کا مفہوم و معنیٰ لکھنا چاہو تو پرواز فکر کے سارے نقوش دھو ڈالو۔

اشارہ سوی او خس و آتش است   ازو گوئی باری عبارت خوش است'' (۳۱)

''او'' کی طرف اشارہ ایسا ہی ہے جیسے تنکا اور آگ کی نسبت ہوتی ہے کہ آگ اسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور اس کا وجود ناپید کرتی ہے اور اگر ''ازو'' کی اصطلاح استعمال کرو تو یہ اچھی تعبیر کہلائے گی۔

ان اشعار میں بیدل خدا اور کائنات کے درمیان پائی جانے والی نسبت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ ''او'' (وہ) مجمل ہے اور ''ازو'' (اس سے) مفصل ہے۔ ''او'' مطلق ہے اور ''ازو'' مقید ہے اور دونوں ایک ہی مفہوم و معنیٰ کی نشاندہی کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ''او'' ذات کی طرف ایک مجمل اشارہ ہے جبکہ ''ازو'' اس ذات کی طرف ایک مفصل اشارہ ہے۔ کائنات اور کائنات میں جو چیز بھی نظر آتی ہے ان کو صفات یا ''دنیائے تعین و تقیید'' سے تعبیر کرتے ہیں ''ماسوی اللہ'' کی حقیقت بس اتنی ہی ہے لیکن ''صفات'' کو بدل کر جب دوسری اصطلاح اور تعبیر میں ادا کرتے ہیں تو ''ذات'' کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔ پس اس غرض سے کہ خدا اور مخلوق میں یک گونہ فرق برقرار ہے خدا کو لفظ ''او'' سے اور کائنات کو لفظ ''ازو'' کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ ''ظہور'' و ''بطون'' کے مصداق کی حیثیت

سے ان دونوں کے بیچ کوئی فرق نہیں ہے۔ اسماء تک رسائی کے لئے ''ازو'' کی اصطلاح کو اختیار کریں اور ذات تک رسائی کے لئے ''او'' کی اصطلاح اختیار کریں۔

دوسری جگہ ذات وصفت کی اسی نسبت کی اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

در جامہ و دلق نیست جز پنبہ نہان این جامہ و دلق نیز در پنبہ نہان

کپڑے اور گدڑی میں روئی کے سوا کوئی چیز چھپی نہیں ہوتی۔

ذات وصفت اینست کہ کردیم بیان زین بیشتر از خلق وحق افسانہ مخوان

اور یہ کپڑا اور گدڑی بھی روئی میں ہی چھپی ہوتی ہے۔ ذات وصفت کی نسبت بس اتنی ہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ خلق وحق کی نسبت اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

''ذات'' و ''صفت'' اور ''حق'' و ''خلق'' کے درمیان اسی قسم کی نسبت ہے جیسی کپڑے اور روئی کے درمیان ہے۔ ظاہر ہے کپڑا روئی سے بنتا ہے اول روئی سے دھاگہ بناتے ہیں پھر بننے کے بعد وہ کپڑے کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اس لحاظ سے کپڑے کے اندر اگر دیکھا جائے تو روئی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور اسی طرح روئی کے اندر بالقوہ کپڑا چھپا ہے لہذا ٹھیک روئی اور کپڑے کی طرح خلق کو حق سے اور حق کو خلق سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

ذات وصفت ہی سے وابستہ وحدت وکثرت کا موضوع بھی ہے بیدل نے اس موضوع پر لمبی بحث کی ہے بہتر ہے وحدت وکثرت کے مفہوم کو مولانا جامی کے الفاظ میں سمجھنے کی کوشش کریں۔

''حقیقت الحقایق جو ذات باری تعالی ہے سب چیزوں کی حقیقت ہے اور وہ خود اپنی ذات میں یک وتنہا ہے عدد کا کوئی دخل نہیں ہے لیکن تجلیات متکثرہ اور تعینات متعددہ (کثرت سے ہونے والی متعدد تجلیوں اور تعینات) کے اعتبار سے مراتب میں کبھی تو حقایق جوہریہ متبوع ہے اور کبھی حقائق عرضیہ تابعیہ ہے۔ لہٰذا ''ذات واحد'' جواہر واعراض کی متعدد صفات کے سبب متعدد اور متکثر نظر آتی ہے جبکہ حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی ہے اور سرے سے متعدد اور متکثر نہیں ہے۔

یہ ''عین واحد'' مذکورہ تعینات تقیدات سے تجرد اور اطلاق کے لحاظ سے حق ہے اور تعدد و تکثر کے لحاظ سے جو تعینات کے ساتھ اس کی تلبیس (لباس پوشی) کی بدولت نظر آتا ہے خلق اور کائنات ہے۔ پس ''عالم'' ظاہر حق ہے اور ''حق''، ''باطن عالم'' ہے۔ ''عالم'' ظہور سے پہلے ''عین حق'' تھا اور حق ظہور کے بغیر ''عین عالم''۔ حقیقت میں ایک ہی ''حقیقت'' ہے اور ظہور وبطون اور اولیت وآخریت اس کی نسبتیں اور اعتبارات ہیں ھــــو الاول و

الاخر و الظاهر و الباطن۔ (۳۲)

بیدل بھی کہتا ہے کہ یہ ''دنیا'' جو اپنی صفات متعددہ کی وجہ سے ''جہاں کثرت'' نظر آتی ہے درحقیقت ''جہاں وحدت'' کی ہی نشاندہی کرتی ہے کیونکہ ذات الٰہی اپنی تجلیات متکثرہ اور تعینات متعددہ کی بدولت کثیر معلوم ہوتی ہے جبکہ وہ واجب اور یکہ وتنہا ہے اور اس کے اندر تعدد کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن عام لوگوں کی نگاہ غفلت شعار چونکہ کثرت ہی میں گم ہوکر رہ گئی اس لئے انہوں نے صرف ظاہر اشیاء اور ان کے رنگوں پر اپنی نظریں مرکوز کردی ہیں اور اس نکتے کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوئے کہ ''مشہودات متکثرہ'' کس ہستی کی نشاندہی کرتی ہیں۔

نگاہیست در گرو غفلت نہان یقین نظرگاہ چندین گمان

ان کی نگاہ پر غفلت کی گرد اٹی ہوئی ہے ان کا ایسا یقین ہے جس پر چند گمانوں کی نظر جمی ہوئی ہے۔

بسفلی عبارات اسمائیش فراموش شد درس یکتائیش

اس کے ''اسماء'' کی عبارت کی تہ میں ''درس یکتائی'' فراموش ہوگیا۔

بکثرت ز وحدت چنان باز ماند کہ گوئی ز تحقیق حرفی نخواند

''کثرت'' میں گرفتار ہوکر ''وحدت'' سے اس طرح باز رہ گئی جیسے تحقیق کا ایک لفظ بھی اس نے نہ پڑھا ہو۔

ز اشیا نظر بر ہمیں شکل دوخت بہار تنزہ برنگی فروخت

اشیاء کی صرف ان ہی شکل وصورت پر نظریں جمادی تنزہ اور پاکی کی بہار کو رنگ کے عوض بیچ دیا۔

ندانست این کثرت آثار کیست پس پردہ بی پردگی کار کیست

یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ ''کثرت'' آخر کس کی نشانی ہے۔ پردے کی آڑ میں حقیقت کی بے پردگی کس ہستی کا کام ہے۔

اسی قسم کے افکار وخیالات بیدل نے غزل کے درج ذیل اشعار میں بھی بیان کئے ہیں جن کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔

صفات ہرچہ بود ذات را تعدد نیست بفکر لالہ وگل خون مخور بہار یکست

''صفات'' چاہے جتنے ہوجائیں ''ذات'' میں تعدد کا سوال نہیں پیدا ہوتا ''لالہ'' و ''گل'' کی فکر میں پریشان مت ہو سب میں بہار ایک ہی نوعیت کی ہے۔

برون لفظ محال ست جلوہ معنی ہمان ز کسوت اسما طلب مسمی را

لفظ کے دائرے سے باہر ہوکر معنیٰ کا جلوہ محال ہے مسمیٰ کے لباس سے اسماء کو طلب کرو۔

باین کثرت نمائی غافل از وحدت مشو بیدل　　　خیال آئینہ ہادر پیش دارد شخص تنہارا

بیدل! اپنی اس کثرت نمائی کے ساتھ ''وحدت'' سے غافل نہ ہونا۔ قوت متخیلہ کے سامنے ایک شخص کے بہت سے آئینے ہوتے ہیں۔

وحدت نکند تشویش از بیش وکم کثرت　　　سرچشمہ چہ نم بازد از خشکی دریاہا

''کثرت'' کی کمی بیشی سے ''وحدت'' کو کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی دریا کے خشک ہوجانے سے چشمے کی نمی نہیں رخصت ہوتی ہے۔

وحدت بہ ہیچ جلوہ مقابل نمی شود　　　بیرنگ شو کہ آئینہ بسیار نازک است

''وحدت'' کا بھلا کوئی جلوہ کیا مقابلہ کرسکتا ہے بے رنگ ہوجاؤ کہ آئینہ یہاں بہت نازک ہے۔

ریشہ تخم وحدتیم از تگ وپوی ما مپرس　　　صرف ہزار جادہ است منزل ناپیدا ما

ہماری حیثیت ''تخم وحدت'' کی جڑوں کی ہے ہماری تگ ودو کا حال نہ پوچھو ہماری نظروں سے اوجھل منزل ہزاروں راستے پر گامزن ہے۔

وحدت از خود داری ماتہمت آلود دوئیست　　　عکس در آبست تا استادہ ای بیرون آب

''وحدت'' ہماری خودداری واحساس ذات کے باعث دوئی کی تہمت سے آلودہ ہے پانی میں تمہارا عکس جب ہی نظر آئے گا جب پانی سے باہر کھڑے ہوگے۔

دوئی نیست پیرایہ وحدت است　　　بہ تحقیق گر وارسی حیرت است

''دوئیت'' کا کہیں وجود نہیں ہے یہ ساری کائنات درحقیقت ''وحدت'' کی ہی آرائش و زیبائش ہے اگر تحقیق سے اس پر غور وفکر کرو تو حیرت واستعجاب کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگے گا اس لئے خلق حق سے جدا نہیں ہے اور کائنات عین حق ہے۔

صافی وحدت مکدر گشت کثرت جلوہ کرد　　　موج شد تمثال تا آئینہ دریا شکست

وحدت کی صاف وشفاف شراب مکدر ہوئی تو کثرت نے جلوہ آرائی کی جب آئینہ دریا ٹوٹ پھوٹ گیا تو موج کی تصویر ابھری۔

حسن یکتائی وآغوش دوئی وہم است وہم　　　تا تو از آئینہ می یابی اثر دیدار نیست

حسن یکتائی کے ساتھ دوئی کا تصور سراسر وہم ہے جب تک تجھ پر آئینے کا اثر ہے یا احساس ہے دیدار سے محروم ہے۔

من و پیمانہ نیرنگ کثرت　　　دماغ و حدتم اینجا دوبالا ست

میں اور نیرنگ کثرت کا پیمانہ میرا دماغ وحدت یہاں دوبالا ہے۔

دوئی کجا ست ز نیرنگ احولی بگذر　　　کہ یک نگاہ میان دوچشم مشترک است

دوئی کہاں ہے، احولی اور بھینگے پن کی نیرنگی سے آگے نکل ایک ہی نگاہ ہے جو دو آنکھوں کے درمیان مشترک ہے۔

غرق وحدت باش گر آسودہ خواہی زیستن　　　ماہیاں را ہرچہ باشد غیر دریا آتش است

وحدت کے دریا میں ڈوب جا اگر آسودگی کے ساتھ جینے کی تمنا ہے۔ مچھلیوں کے لئے دریا کے علاوہ چاہے جو نعمت بھی دنیا کی مل جائے آگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

جوش اشیا اشتباہ ذات بی ہمتاش نیست　　　کثرت صورت غبار و حدت نقاش نیست

کثرت آباد جہان جوش گل یکرنگیست　　　پردہ چشم غلط بین تو محجوب خطا ست

وحدت چہ خیالست توان یافت بکثرت　　　چون ریشہ دوانید نمو دانہ نباشد

لب فروبندیم تا رفع دوئی انشا کنیم　　　درمیان ما و تو ما و تو حایل می شود

اگر موجیم یا بحریم، اگر آبیم یا گوہر　　　دوئی نقشی نمی بندد کہ ما را از تو وا دارد

ای غفلت ابروی طلب بیش ازین مریز　　　عالم تمام اوست کرا جستجو کنند

اے غفلت! طلب کی اب اس سے زیادہ آبروریزی مت کر ساری دنیا وہی ہے پھر کس کی جستجو کررہے ہیں۔

ندارد حسن یکتائی زجیب غیر جوشیدن　　　حق از حق جلوہ گر شد باطل از باطل برون آید

حسن ''یکتائی'' دامن ''غیر'' سے جوش زن نہیں ہوتا حق سے حق ہی اور باطل سے باطل ہی رونما ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں بھی ارشاد خداوندی ہے کہ جو لوگ خدا کی قدرت کے مظاہر میں غور کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے اسے باطل نہیں پیدا کیا ہے۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا.

حق جدا از خلق وخلق از حق بروں، اوہام کیست　　　تا ابد گرداب در آبست و در گرداب آب

''حق''، ''خلق'' سے الگ اور ''خلق''، ''حق'' سے الگ ہو یہ سب وہم وخیال کی باتیں ہیں بھنور سدا پانی میں اور پانی سدا بھنور میں ہوا کرتا ہے۔

مجاز اندیشیت فہم حقیقت رانمی شاید　　　محال است اینکہ حق از عالم باطل شود پیدا

تیری ''مجاز اندیشی'' تجھے ''حقیقت'' کو سمجھنے نہیں دیتی ''جہانِ باطل'' سے حق رونما ہو۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔

چہ امکانست گرد غیر ازین محفل شود پیدا　　　ہمان لیلی شود بی پردہ گر محمل شود پیدا

اس محفل کائنات سے ''غیر'' کی گرد نمایاں ہو ممکن ہی نہیں اگر کجاوہ نظر آئے گا تو تو کجاوہ میں لیلی ہی بے پردہ نظر آئے گی۔

جز ہستی مطلق ز مقید نتواں یافت اشیا ہمہ یک سایہ خورشید نقاب اند

''مقید'' سے ''ہستی مطلق'' کے سوا کسی کا نشان پتہ نہیں ملے گا۔ کائنات کی ساری چیزوں کی حیثیت ایک سایہ خورشید کی ہے۔

چہ داری از وجود ای ذرہ غیر از وہم پروازی عدم باش و غنیمت دار خورشید آشنائی را

درین گلشن اگر از ساز یکرنگی خبرداری زبوی گل توانی در کشید آواز بلبل را

اس باغ میں 'سازیک رنگی' کا اگر تجھے علم ہوتا تو پھول کی خوشبو میں بھی تجھے بلبل ہی کی آواز سنائی دیتی۔

زجیب ریشہ اسرار چمن گل می کند آخر کمال جزو دارد دستگاہ معنی کل را

''دامن ریشہ'' سے آخر چمن کے اسرار نمایاں ہوتے ہیں کمال ''جز'' کے اندر ''کل'' کا مفہوم پنہاں ہوتا ہے۔ جزو کل کے روابط پر بیدل نے بہت سے اشعار میں روشنی ڈالی ہے۔

اجزای جہانِ کل کیفیت کل دارد ہر قطرہ کہ در دریاست باشد ہمہ تا باشد

ربط وفاق جزوہا پاس رعایت کلست زخم جدائی دو تار جز بقبا نمی رسد

ع ز خود گم شدن جزو را کل کند

تکلف من و مای خیال بسیاراست بناز خواب کن افسانہ ہای ساختہ را

''خیال'' کے ''ما و من'' میں بڑی تکلفات ہیں بناوٹی کہانیوں کو خواب کی نذر کر دو۔

حق است آئینہ، اینجا خیال ماؤ توچیست کہ دید سایہ در آفتاب تافتہ را

''حق'' تو آئینہ ہے یہاں ''ما و تو'' کے خیال کی گنجائش ہی نہیں ہے چمکتے آفتاب کے اندر سایہ کسے نظر آتا ہے۔

محیط جہاں حیرت مطلق است بہر جا زنی غوطہ عین حق است

کائنات کا سمندر ''حیرت مطلق'' ہے جہاں غوطہ لگاؤ گے ''عین حق'' نظر آئے گا۔

بیدل یہاں دنیا کو کبھی ''عین حق''، کبھی ''پیرایہ وحدت''، کبھی ''جلوہ نگاہ ذات احدیت''، کبھی ''جزوی از کل''، کبھی ''اسمی از اللہ''، اور کبھی ''آئینہ دار شوخی اظہار'' وغیرہ کی مختلف اور دلکش تعبیروں سے یاد کرتا ہے جو نتیجہ کے لحاظ سے مثبت پہلو کی حامل ہیں۔

لیکن جیسا کہ گذرا وحدت الوجودی طبقہ دنیا کے لئے ''معدوم محض''، ''وہمی'' اور ''خیالی'' کی اصطلاحیں بھی استعمال کرتا ہے جو منفی پہلو کی حامل ہیں۔ ایک خط میں دنیا کے ''وہمی'' اور ''خیالی'' ہونے

کی بات کی بیدل اس طرح وضاحت کرتا ہے:

''چاردیوار عناصر اعتبار ''طلسمی است بی بود'' و چارسوی انجمن گیرودار ''تخیلی خالی از متاع نمود'' بر بنای این طلسم چوں گردباد اعتماد نداری۔ ونہ در شکست این دیوار چون رنگ مایہ اختیاری۔ اگر نور تامل آئینہ پرداز دیدہ آگاہی گردد، ذرہ ای تا آفتاب بال پرواز عبرت است، وقطرہ تا محیط گرد جولان وحشت۔ صبح تا نفس می زند غبار ہستی بباد دادہ است۔ وشعلہ تا قامت راست می کند بفکر خاکستر نشینی افتادہ۔'' (۳۳)

عناصر اعتبار کی چار دیواریں ایک ''طلسم بی بود'' کی حیثیت رکھتی ہیں اور انجمن گیرودار کی چاروں سمتیں ''نمود سے خالی متاع'' کی حیثیت رکھتی ہیں، بگولے کی طرح اس طلسم کی اساس پر اعتماد نہ کرنا اور نہ اس دیوار کی شکست میں رنگ کی طرح تمہارا کوئی اختیار ہے۔ ''نور تامل'' اگر دیدہ ہای آگاہی کا آئینہ دار ہو (غور وفکر سے کام لو) تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک سب چیزیں عبرت کے بازوی پرواز ہیں اور قطرہ سے لے کر سمندر تک سب چیزیں جولاں وحشت کی گرد ہیں۔ صبح جب تک سانس لے ''ہستی کا غبار'' ناپید وراہی عدم ہو چکا ہوتا ہے اور شعلہ جب تک سیدھا ہو کر کھڑا ہو خاکستر نشینی کے فکر میں غرق ہو چکا ہوتا ہے۔

''دنیا و مافیہا سب پا بر رکاب فنا ہیں اور راہی عدم ہیں'' بیدل نے اس موضوع کو کیا غزل اور کیا مثنوی اپنی تمام تخلیقات میں نہایت دلچسپ انداز اور تازہ ترین و موزوں ترین تعبیرات میں بیان کیا ہے جو اس کی ژرف نگاہی کی دلیل ہیں۔

پا در رکاب و فکر اقامت چہ می کنی آنجا کہ میروی از خویش زیں خوش است

[ترا پاؤں ہے رکاب میں کرے فکر کیا ہے قیام کی
چلا جس مکاں کو ہے تو ابھی وہ ہے اس سے بہتر کہیں کا جی]

بغیر نفی چہ اثبات می تواں کردن طلسم ہستی ما سخت باطل افتاد است

کبھی اسے ''سبزہ زار بنگ'' قرار دیتا ہے۔

بہار خرمی دہر غیر وہم ندارد دوروز سیر کن این سبزہ زار بنگ برون آ

زمانے کی خوشی و شادمانی کی ساری بہار ''وہم'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ بھنگ کے اس سبزہ زار کی دو دن سیر کر کے وہاں سے نکل آ۔

کبھی اس کو ''دنیائے رنگ'' سے تعبیر کرتا ہے جس کا کام افسردگی و پژمردگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے نصیحت کرتا ہے کہ ''شیشہ دل'' کو ''سنگ وحدت'' سے ٹکرا دو اور شکست و ریخت کے دائرے سے باہر آجاؤ۔

جہان رنگ چہ دارد بجز غبار فسردن — نیاز سنگ کن این آئینہ از شکست [illegible]

اسی طرح دوسری خوبصورت دلکش و بامعنی تعبیروں مثلاً ''غباری ببال عنقا''، نقش برآب، دیدہ بیدار، وادی مادمن، امتحانگاہ ہوس، جہانی پست، طعمہ فنا وغیرہ سے یاد کیا ہے جو سب کی سب [illegible] کے وہمی، خیالی اور فرضی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

زصفحہ راز این دبستان، زنسخہ رنگ این گلستان — نگشت نقش دگر نمایان مگر غباری ببال عنقا

اس دبستان کے صفحہ راز اور اس گلستاں کے نسخہ رنگ سے بازوی عنقا میں گرد و غبار کے سوا کوئی اور نقش نمایاں نہیں ہے۔

نشانہا نقش بر آبست در معمورہ امکان — نگین بیہودہ در زنجیر دارد نام شاہا[illegible]

معمورہ امکان یعنی کائنات میں سارے نشان و آثار نقش برآب ہیں نگینہ نے بلاوجہ سلاطین کے نام زنجیر میں جکڑ رکھے ہیں۔

دیدہ مارا غبار دہر عبرت سرمہ شد — مردمک اندوخت این آئینہ از زنگا[illegible]

زمانے کی گرد ہماری آنکھوں کے لئے سرمہ عبرت ہوگئی اس آئینے نے مورچے سے آنکھ کی [illegible] کی حیثیت اختیار کرلی۔

این شبستان جز غبار دیدۂ بیدار نیست — جمع شد دود چراغ وریخت رنگ شام[illegible]

اس شبستان (رات کے رہنے کا مکان مراد دنیا) کی حیثیت دیدہ بیدار کی گرد کے سوا کچھ نہیں ہے چراغ کا دھواں ایک جگہ اکٹھا ہوا اور اس نے شام کا روپ دھار لیا۔

ازوادی این مادمن خاموش باید تاختن — ای کاروانت بی جرس در بند آوازی چرا

''مادمن'' کی اس وادی سے خاموشی سے نکل جانا چاہئے اے وہ آدمی کہ تیرے قافلے میں گھنٹی نہیں ہے آواز کی فکر میں کیوں پڑا ہے۔

خواندیم رموز دہر از تاب وتب انجم — خط نیست درین مکتوب جز شوخی عنوانہا

ستاروں کی چمک دمک سے ہم نے زمانہ کے سارے رموز پڑھ لئے اس مکتوب میں ''شوخی عنوان'' کے سوا کچھ اور تحریر نہیں ہے۔

درجہان بیخبر شرم از کہ باید داشتن — دیدہ بینا ندارد ہیچکس عریان برآ

غافلوں کی اس دنیا میں آدمی کس سے شرم کرے۔ یہاں کسی کے پاس دیدہ بینا نہیں ہے۔ اس لئے ننگ دھڑنگ وہاں سے نکل آؤ۔

عالمی در امتحانگاہ ہوس تگ می زند — گرنہ ای قانع توہم بیتاب این و آن برآ

ایک دنیا ہوس کے امتحان ہال میں تگ و دو میں مصروف ہے اگر تو قناعت پسند اور سیر چشم نہیں ہے تو تو بھی ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف رہ کر بیقرار رہ۔

جہان پست مقام عروج فطرت نیست — نگوں کنید علمہای سر فراختہ را

دنیائے پست ایسی جگہ نہیں ہے جہاں فطری طور پر ترقی پسند اور مائل بہ عروج لوگ رہیں ان جھنڈوں کو جھکا دو جنہیں تم نے کھڑا کیا ہے۔

جمعی گویند جہان صفت شیطان است — جمعیت براینکہ پر تو رحمان است

ایک طبقے کا خیال ہے دنیا شیطان کی صفت ہے اور دوسرے طبقے کا کہنا ہے کہ وہ رحمان کا پر تو ہے۔

خلق از بسکہ مختلف عنوانست — اسرار قدم باین جنون عریان است

اس بارے میں لوگوں کے اندر بہت اختلاف رائے ہے اس جنون پر اسرار قدم بالکل عریاں بے نقاب ہے۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو بیدل نے حقیقت میں ابن العربی، غزالی اور جامی کے افکار و خیالات ہی کو بیان کیا ہے اور وحدت الوجود کو اپنے کلام میں ایک مرکزی خیال کی حیثیت دی ہے۔ اس مرکزی خیال سے بہت سے دوسرے مسائل پیدا ہوتے ہیں جس میں عجز بشر، حیرت، عشق، مساوات، کفر و اسلام اور صلح کل وغیرہ ہیں۔

مثنوی ''طلسم حیرت'' کی اہمیت پر اظہار خیال کرنے کے بعد استاد صلاح الدین سلجوقی نے ''وحدت الوجود'' کے مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کا یورپ کے جدید فلسفیانہ مکاتب فکر سے موازنہ کیا ہے جس کا کچھ خاص حصہ درج ذیل ہے۔

''مکاتیب جدید فلسفی اکثر مولود فکرت وحدت الوجود است ولو کہ شکل تیرہ از الحاد برخود تراشیدہ باشد۔ بعد از نشر آراء وافکار سپینوزا و ''برونو'' کہ بعد از ایشان مکاتیب آید یالیست جرمنی بروی کار آمد۔ وبعد از ان مکاتبی کہ از حقیقت مطلق انکار کردند ویا مطلق را کمتر از مقید دانستند۔ وباز بعد از مردمی کہ مادہ را مطلق روجہندہ وحتی آفرینندہ تصور نمودند وباز مردمی کہ کوشیدہ اند خلیج دوری را بین خالق ومخلوق کم کنند ویا گم کنند ولوکہ خالق را در مخلوق مندمج سازند ہمہ اینہا مردمی ہستند کہ از شاہراہ طریقت وحدت الوجودی بس کوچہ تنگ وتاریکی را فراخور طبع پست خود برای خود باز کردہ اند۔''

جدید فلسفیانہ مکاتب فکر کا سرچشمہ زیادہ تر ''وحدت الوجود'' ہی ہے اگرچہ اس نے الحاد کا تاریک روپ دھار لیا ہے سپینوزا اور ''برونو'' کے افکار و خیالات کے پھیلنے کے بعد جن کے بعد جرمنی

کے ایڈیالسٹ کے مکتب فکر کا ظہور ہوا اس کے بعد وہ مکاتب فکر جنہوں نے ''حقیقت مطلق'' کا انکار کیا
''مطلق'' کو ''مقید'' سے فروتر سمجھا پھر اس کے بعد وہ لوگ جو مادہ کو سدا تغیر پذیر اور رواں حتی کہ خالق
تصور کرتے ہیں پھر وہ لوگ جنہوں نے خالق و مخلوق کے درمیان دوری کی خلیج کو کم کرنے یا ناپید کرنے
کی کوشش کی، چاہے خالق کو مخلوق کے اندر مدغم کر دیا ہو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ''وحدت الوجود''
حضرات کے شاہراہ طریقت سے ہٹ کر اپنی پست ذہنیت کی بنا پر انتہائی تنگ و تاریک گلیاں بنالی ہیں

فلسفہ ''وحدت الوجود'' سے آشنائی حاصل کرنے سے پہلے یورپ توریت کے مطابق جس میں
یہود نے تحریف کی تھی اور تحریف شدہ شکل میں اس کو ان کے حوالے کیا ہے، خالق و مخلوق کے درمیان
مادہ اور معنیٰ کے درمیان جو فاصلہ ہے اس سے زیادہ وسیع فاصلہ کے وہ قائل تھے۔ خدا کو مکمل طور
کائنات حیّہ و غیر حیّہ (جاندار اور بے جان دنیا) کے دائرے سے باہر اور معنوی لحاظ سے بھی اس
کائنات کے تعلق سے انتہائی قہار و جبار ہی تصور کرتے تھے جس کی رو سے خالق و مخلوق کے درمیان
کی نوعیت فطری طور پر خوف و حشت اور خشوع مطلق کی ہو جاتی ہے اور لطف و عنایت اور رحمت
کی اسپرٹ اس سے ناپید ہو جاتی ہے۔ گویا ان ملکوں میں خالق و مخلوق کے درمیان بے تعلقی پیدا ہو جانے
سے ایک خلیج حائل ہو گئی جس کو سب محسوس کرتے تھے خصوصاً جب یہ دیکھتے تھے کہ اسلامی دنیا عام طور سے خدا
کو اپنے بندوں سے بہت قریب سمجھتی ہے اور خصوصیت سے صوفیوں کا طبقہ جو اس مسافت کو اور کمتر سمجھتا تھا
اس بنا پر وہ اس بات کے متمنی تھی کہ کسی طرح اس خلیج کو پاٹ دیں اور اگر ممکن ہو سکے فلسفہ خصوصاً فلسفہ ما بعد
الطبیعی اور مراتب وجود کے واسطہ سے اس کام کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اور آخر میں کہتے ہیں:

''اسلامی فرقوں میں بھی اگرچہ فردیت واشتراکیت کی طرف رجحان پایا جاتا تھا اور ان کے
بیچ ''وحدت الوجودی'' تصوف کے تعارف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان اختلافات کا کسی
طرح خاتمہ ہو، دوسری صدی کے آس پاس ایک جماعت عقل پرستوں کی نظر آتی ہے جس کا
لگام معتزلہ کے ہاتھ میں تھا ان کا رجحان ارسٹوکریسی (طبقہ اشرافیہ) کی طرف تھا۔ شاید اسی
وجہ سے مامون کی خلافت ان کی پشت پناہی کرتی تھی دوسرا طبقہ روایت پرستوں کا تھا جو
خوارج کے خلاف سرگرم عمل تھا۔ یہ لوگ ''فردیت'' کے سخت مخالف تھے اور ان میں اس حد
تک اشترا کی روح کارفرما تھی کہ اشخاص کے بجائے وہ اصول وضوابط کا احترام کرتے تھے۔
اس صورت حال میں تصوف نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ بیچ میں آ کر عدل وانصاف
کے ترازو کو ''وحدت و کثرت'' کے دو پلڑوں کے ساتھ ان کے سامنے لائے اور اپنی

''وحدت'' و ''کثرت'' کے نظریے کے ذریعہ ''فردیت'' اور ''اشتراکیت'' کو بیچ میدان یا
اثناء راہ میں ایک دوسرے سے باہم ہم آہنگ کر دے۔'' (۳۴)

استاد سلجوقی کے افکار و خیالات بعض مقامات پر خوش فہمیوں پر مبنی نظر آتے ہیں حتی کہ اسلام کی
بنیادی تعلیمات کو بھی انہوں نے نظر انداز کر دیا۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنے پیروؤں کو
زندگی کے سارے شعبوں میں اعتدال پر مبنی روش اپنانے کی ہدایت کرتا ہے اور آیت کریمہ ''ادخلو
فی السلم کافۃ'' کے مطابق ان ساری ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ صوفیہ کا نقطہ ضعیف یہ
ہے کہ ان کی سرگرمیاں صرف چند روحانی اور فکری عمل تک محدود ہیں۔ حضرت رسول کریم ﷺ اور آپ
کے صحابہ کی ہمہ جہتی سرگرمیاں جو زندگی کے سارے شعبوں کو شامل ہوتی تھیں ان کے سامنے نہیں ہوتی
ہیں۔ خصوصاً انتہا پسند وحدت الوجودی طبقہ نے رہبانیت یا ویدانت بلکہ بعض غیر اسلامی اصول و آئین
کفر واسلام اور دیر و کعبہ کی مساوات، زہد و تقویٰ اور اسلامی شعار پر طنز و تعریض وغیرہ کو بھی اس میں
شامل کر دیا ہے جیسا کہ آنے والے صفحات میں پڑھیں گے۔ اس کے علاوہ بیدل کے حالات کے ضمن
میں ہم نے پڑھا کہ اس کے تصوف میں زیادہ تر فکری پہلو ہی نمایاں ہے۔ میدان عمل میں جیسا کہ اس
نے خود ہی اعتراف کیا ہے کوتاہ رہا ہے چنانچہ کہتا ہے۔

غافل سرکشیہای شباب از طاعتم   قامت خم گشتہ یاد از گوشہ محراب داد

جوانی کی سرکشیوں نے مجھے طاعت و بندگی سے غافل کر دیا اب جب کہ قد و قامت دوہری
ہوگئی ہے تو اس نے محراب مسجد کے گوشے کی یاد دلائی ہے۔ پھر کس طرح اس کی راہ و روش کو اعتدال پر
حق کہا جا سکتا ہے۔

تصوف کی پوری تاریخ میں اگر کسی کو نظریہ وحدت الوجود کا واقعی نمائندہ کہا جا سکتا ہے تو وہ منصور
حلاج ہیں۔ ذات الٰہی میں وہ اس طرح کھو گئے یا اصطلاح تصوف میں فنا فی اللہ ہو گئے تھے کہ خود اپنی
ہستی کا شعور ان کے صفحہ ذہن پر نہیں رہ گیا تھا بایزید بسطامی، جنید بغدادی اور ابوبکر شبلی وغیرہ اپنی تمام تر
بزرگی اور عشق الٰہی میں غرق ہونے کی روایتوں کے باوجود منصور کے مرتبے کو نہیں پہنچتے، بیدل کس شمار
میں ہیں۔ خود کہتا ہے۔

درس کتاب معرفت حوصلہ خواہ خامشیست   گر بخت بلند شد تا سردار می رسد

خاموشی امان خواہ از چنین ہنگامہ باطل   کہ حرف حق چو منصور از زبانہا دار جوشاند

لہٰذا اس کا دعویٰ ''مقیم وحدتم ہر چند در کثرت وطن دارم'' تکیہ کلام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا
ورنہ اس کے حالات اس کی فکر سے ہم آہنگ نظر نہیں آتے ہیں۔

✪✪

حیرت

ز درس دیده و دل از من بیدل چه می پرسی   سراپا حیرتم حیرت نمی دانم چه فهمم

[ملا کیا دیدہ و دل کو مرے ہے درس، مت پوچھو   ہوا پتلا ہوں حیرت کا، سمجھ میں کچھ نہیں آتا]

''حیرت'' بیدل کا ایک انتہائی محبوب موضوع ہے جس کا تذکرہ اس نے اپنی تقریباً تمام نثری اور شعری تخلیقات میں کیا ہے۔ حیرت کیا ہے؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اس کا مقصد کیا ہے پہلے ان سوالات کا جواب ضروری ہے۔

''حیرت'' ایک عربی لفظ ہے کہتے ہیں حار الرجل یعنی نظر الی الشیٔ فغشی بصره "حار الرجل" کا محاورہ جب استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے: کسی چیز کو دیکھنے کے ساتھ آدمی کی نگاہ پر غشی طاری ہو جائے یعنی اس چیز کی حقیقت کے درک سے اس کی نگاہ عاجز ہوگئی تو اس پر ایک طرح کی گویا بیہوشی طاری ہوگئی۔ لہٰذا ''حیرت'' لغت میں تعجب حیرانی و سرگشتگی کا نام ہے مثلاً کوئی آدمی کسی منزل پر یا کسی چیز کی تہہ میں پہنچنا چاہتا ہے پر راستے کی پیچیدگی یا اس کی فہم کی کوتاہی اسے وہاں تک پہنچنے سے باز رکھے اس آدمی کو ''متحیر'' کہیں گے اور اس فعل کو حیرت کہیں گے۔ لیکن حیرت اصطلاح تصوف میں ایک بہت ہی اہم مقام کا نام ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا مقولہ ہے:

''وہ حد اور انتہا جس پر توحید کے بارے میں عقلمندوں کی عقلیں منتہی ہوتی ہیں ''حیرت'' ہے۔''

حصریؒ کہتے ہیں:

''خدا نے اپنی خلق کو اپنی کہنہ ذات کی معرفت سے پردہ میں رکھا ہے اور صرف اپنی قدرت کی نشانیوں کے ذریعہ انہیں اپنی ذات کا نشان دیا ہے۔ اس وجہ سے قلوب اسے شناخت کرتے ہیں اور عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔'' (۳۶)

بیدل کے سامنے بھی یہی مفہوم ہے ''ہجوم حیرت'' کے عنوان سے اس نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا اور اپنا سارا زور قلم اس پر صرف کر دیا۔ لکھتا ہے:

''مشاہدہ نگارستان صور اعتبار تکلیف حیرت اولوا الابصار۔ و تصور رنگ آمیزیہای این بہار غبار دیدہ ہای بیدار۔ بہر راہیکہ قدم تامل گذاری بی سروپائی دلیل است۔ و بہر صورتیکہ سعی

توجہ گماری ناشناسائی بہ قیل۔ در خط پرکار ہر جا نہایت گمان برند، بدایت می جوشد۔ و ہر کجا آغاز تصور نمایند انجام می خروشد۔ ہر فردی از افراد دیوان نمود آئینہ دار تحیر است و ہر جزوی از اجزاء نسخہ ظہور شیرازہ بند مجموعہ تفکر۔'' (۳۶)

اعتبار (کائنات) کی صورتوں کے نگارستان کا مشاہدہ اہل بصیرت حضرات کو ''حیرت'' کا مکلف بناتا ہے۔ اور اس بہار کی رنگ آمیزیوں کا تصور ''دیدہ بیدار'' کے لئے غبار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس راستے پر غور و فکر کی گام فرسائی کرو گے بے سروپائی تمہاری رہنما ہوگی اور جس شکل و صورت پر دھیان دو گے ناشناسائی درپیش ہوگی۔ پرکار کی لائن پر جہاں مجھے انجام کا گمان ہوتا ہے وہاں آغاز جوش زن ہے اور جہاں آغاز کا تصور ہوتا ہے وہاں انجام جوش زن رہتا ہے۔ ''دیوان نمود'' (کائنات) کا ہر فرد ''تحیر'' کا آئینہ دار ہے اور نسخہ ظہور کا ہر جزو ''مجموعہ تفکر'' کا شیرازہ بند ہے۔

بیدل نے اس مقالے میں آیت کریمہ "ان فی خلق السموات والارض لآیات لقوم یعقلون الخ" کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اہل علم و دانش کو ہدایت دی گئی ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش، شب و روز کی آمد و رفت، جہازوں کا سمندر کی سطح پر چلنا، بارش کے نزول، آسمان و زمین کے بیچ لٹکے ہوئے بادلوں، جانوروں کے پھیلاؤ اور ہواؤں کے الٹ پھیر وغیرہ امور پر غور و فکر کر کے اس کی قدرت کی نشانیوں کو سمجھیں۔

سچ پوچھئے تو ''حیرت'' درحقیقت انفسی و آفاقی آیات پر غور و فکر کرنے کا نتیجہ ہے۔ انسان اپنی فہم کوتاہ اور عقل ناقص کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی کہنہ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن اپنی مسلسل اور لگاتار کوششوں کے باوجود اس کو اس کا سراغ نہیں ملتا ہے کیونکہ وہ بے نشان ہے اور ہم نشان ہیں، وہ باقی ہے اور ہم فانی ہیں۔

بیدل چہ خیالست باں جلوہ رسیدن   او ہستی و ما نیستی، او جملہ و ما ہیچ

اس لئے اسے اس امر کا مکلف بنایا کہ مظاہر جمال مطلق پر غور و فکر کرے اس طرح وہ خدائے ذوالجلال کی قدرت و عظمت اور بزرگی و کبریائی کا پتہ لگا لے گا۔ چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں:

''ابن عباسؓ می گوید: قومی تفکر می کردند در خدا تعالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفت: ''تفکر در خلق او کنید۔ و در وی تفکر نکنید کہ طاقت آن نیارید و قدر او نتوانید شناخت۔'' و عائشہؓ می گوید: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز می کرد و می گریست۔ گفتم: چرا می گریی و گناہ تو عفو کردہ اند؟ گفت: چرا نگریم و این آیت بمن فرود آمدہ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب پس گفت وای بر آنکس کہ این

نخواند و درین تفکر نکند۔'' (۳۷)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کچھ لوگ خدا کی حقیقت پر غور وفکر کر رہے تھے رسول خداﷺ نے فرمایا اس کی مخلوقات پر غور وفکر کرو اس کی ذات پر غور وفکر مت کرو کیونکہ اس امر کی تاب لانے کی صلاحیت تمہارے اندر نہیں ہے۔ اور عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول خداﷺ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے اور روئے جارہے تھے میں نے عرض کیا: کیوں آہ وزاری کرتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ کے گناہ معاف فرمادیے ہیں؟ فرمایا؟ کیوں نہ روؤں جبکہ یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی۔ ان فی ....الخ پھر فرمایا افسوس ہے اس آدمی پر جو اس کی تلاوت نہ کرے اور اس پر غور وفکر نہ کرے۔

بات جب اس آیت پر پہونچی تو اس موضوع کی مزید وضاحت کے لئے اس کی شان نزول کسی قدر ضروری تفصیلات کا تذکرہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔ جب آیت والٰھکم الہ..........(یعنی حقیقی معبود تمام موجودات کا صرف خدائے تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک لہ ہے) نازل ہوئی تو کفار مکہ کو بڑی حیرت ہوئی انہوں نے پوچھا یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف ایک خدا سارے موجودات کے لئے قابل پرستش ہو آخر اس کی کیا دلیل ہے؟ تب آیت ان فی الخ نازل ہوئی یعنی آسمان وزمین کی پیدائش میں، شب روز کی آمد ورفت، جہازوں کے چلنے میں جو سمندر کی سطح پر لوگوں کے کار آمد سامان ڈھویا کرتے ہیں آسمان سے بارش کے نازل ہونے میں اور زمین کے مردہ ہونے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے میں انواع واقسام کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے الٹ پھیر میں اور آسمان وزمین کے بیچ لٹکے ہوئے بادلوں میں۔ خدا تعالیٰ کی قدرت، حکمت، اور وحدانیت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو عقل ودانش سے بہرہ مند ہیں۔

ارباب عقل ودانش سے مظاہر قدرت پر غور وفکر کا مطالبہ اس وجہ سے ہے کہ انسان خدا کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے سے عاجز ودرماندہ ہے۔ ہاں کائنات پر غور وفکر کرکے وہ خدا کی قدرت وعظمت اور کبریائی وبزرگی کا پتہ لگا سکتا ہے۔ بیدل بھی کہتا ہے:

باوج کبریا کز پہلوی عجز است راہ آنجا سر موی گر اینجا خم شوی بشکن کلاہ آنجا

خدا کی کبریائی کی رفعت وبلندی تک رسائی کا راستہ عجز ودرماندگی سے بھرا ہے۔ سر اٹھا کر دیکھنے کے لئے بال برابر بھی اگر جھکے تو ٹوپی تمہاری ٹیڑھی ہو جائے گی۔

اس مناسبت سے بیدل نے انسانی عجز وبیچارگی کو بھی موضوع سخن بنایا اور نت نئے انداز سے اس پر روشنی ڈالی ہے جن میں بعض درج ذیل ہیں۔

کبریا گم بود در تمہید عجز تا گدا گفتی شہ آوردیم ما

ہماری عجز ودرماندگی کے بیان میں خدا کی کبریائی پوشیدہ ہے جب سے ہم خود کو ''گدا'' کہنے لگے ہیں گویا ہم نے بادشاہ کے وجود کا اقرار کیا ہے کسی نے اردو میں ایک شعر اسی کے قریب کہا ہے۔

رب کی چاہت فطرت انسان بندہ مانگے آقا کو

در پردہ ہای عجز سری واکشیدہ ایم چون درد در شکست دلست آشیان ما

ہم عجز وبے بسی کے پردوں میں سر ڈھکے بیٹھے ہیں۔ درد کی طرح ہمارا آشیانہ شکست دل میں پنہاں ہے۔

ما سجدہ سرشتاں راجز عجز پناہی نیست امید رسا داریم چوں سر بہ تہ موہا

ہم سجدہ سرشتوں (جن کی خمیر میں سجدہ ہے) کی پناہگاہ عجز ودرماندگی کے سوا کوئی نہیں ہے۔ جس طرح سر بال کے نیچے ہوتا ہے ہم بھی ایسی آس لگائے بیٹھے ہیں۔

شکوہ کبریای او ز عجز ما چہ می پرسی نگہ جز زیر پا نبود سر افتادہ ای مارا

اس کی کبریائی کی شان وشوکت ہماری عجز ودرماندگی سے کیا پوچھتے ہو۔ ہم سر افتادہ کی نظر پاؤں کے سوا کہیں نہیں رہتی ہے۔

کاروان اشکم از عاجز متاعی ہا مپرس آبلہ محمل کش است از دیدہ تا داماں مرا

میں ''کارواں اشک'' (آنسوؤں کا قافلہ) ہوں ہماری عاجز متاعی یا سرمایہ عجز وبے بسی کے بابت مت پوچھو۔ چھالے آنکھ سے لے کر دامن تک محمل کشی کا کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پورے جسم میں جب چھالے پڑ جائیں تو ہر آدمی ہر کام کی انجام دہی سے مجبور ہو جاتا ہے۔

ازاں جلوہ گذشتیم و بخود ہم نرسیدیم ما را چہ گنہ خاصیت عجز ہمیں است

عجز چوں موصول بزم کبریا شد عجز نیست گر نیاز آنجا رساندی ناز پیدا می کند

عشق غیور از ما چیزی نخاست جز عجز ساز گدائی اینجا منظور بادشاہیست

مشہور ادیب نیاز فتحپوری مدیر مجلہ نگار نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

''بیدل نے اپنی تمام تصنیفات میں خواہ وہ نظم کی ہو یا نثر کی صرف ایک فلسفہ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ذات باری کی کنہ تک پہنچنا امر محال ہے اور انسان اس بات میں بالکل عاجز ہے اس سلسلے میں اس نے وحدت الوجود کو بھی اکثر جگہ بیان کیا ہے اور صرف اسی ایک خیال کے تحت اس نے ایسے ایسے بلند مضامین اور اس درجہ نازک اور پاکیزہ جذبات سے کام لیا ہے کہ ان تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے۔'' (۳۸)

خدا کی کنہ تک پہنچنے میں انسانی عجز ودرماندگی کا سرچشمہ درحقیقت ''حیرت'' ہے۔ لیکن بیدل

اس سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ہماری فہم کوتاہ کائنات کے اسرار کا سراغ نہیں لگا سکتی، خدا کی حقیقت تک پہنچنا تو دور کی بات ہے۔

"غبار شب بی دامن افشانی روز سرمہ واری صورت نمی بندد۔ و جمال صبح بی آشفتن طرہ شام نیم شکن تبسم نمی خندد۔ درینصورت، خیال، ازادراک تقدم روز برشب جز درس "حیرت" چہ آموزد۔ و عقل، دربیان تاخرشب ازروز، غیراز شمع خموشی چہ افروزد۔ ثابت قدمان وادی تامل را باآنکہ جادہ نگاہ بمنزل منتہی است، دروصول تحقیق این مقام لغزش گمرہی۔ و بلند فطرتان مراتب فکر را، ہرچند کمند قدرت عرش نگاہی است، دراوج یقین این کنگرہ اعتراف کوتاہی۔

بر رمز کارگاہ ازل کیست وا رسد   ما خود نمی رسیم مگر عجز ما رسد(۳۹)

رات کی گرد، دن کی دامن افشانی کے بغیر سرمہ جیسا سیاہ روپ نہیں دھار سکتی۔ اور جمال صبح طرہ شام نیم شکن کو آشفتہ کئے بغیر مسکرا نہیں سکتا۔ ایسی صورت میں قوت خیال کو رات پر دن کے تقدم کا ادراک کر کے درس "حیرت" کے سوا کیا پلے پڑ سکتا ہے اور عقل کو رات کے دن سے تاخر کے اظہار میں شمع خموشی کے سوا کیا چیز روشن کرے گی۔ وادی تامل کے ثابت قدم حضرات کو باوجودیکہ ان کی نگاہ کی راہ منزل پر آ کر تھکتی ہے، اس مقام کی تحقیق تک رسائی میں گمراہی کی لغزش میں پڑنے کا امکان ہے۔ عالی نظر اور بلند فطرت حضرات کو ہر چند کہ ان کی کمند قدرت عرش نگاہ ہے اس کنگورے کے اوج یقین تک پہنچنے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے۔ کارگاہ ازل کے اسرار و رموز تک پہنچنا کس کے بس کی بات ہے ہم تو خیر پہنچ نہیں سکتے ہاں ہماری عجز و درماندگی پہنچ سکتی ہے۔

(حیرت کی) اس وادی میں عقل نے جدوجہد کا کوئی قدم نہیں اٹھایا مگر یہ کہ گونگی زبان کی طرح اسے ندامت و پشیمانی اٹھانی پڑی۔ آسمان جب تک اپنی گردش موقوف نہیں کرتا ہے، ان مقدمات کا ثبوت معرض انقلاب میں ہے (نظریے بدلتے رہیں گے) زمین جب تک اپنی جگہ سے کھسکتی نہیں ہے اس تو ہم کی پرواز پیچ و تاب کے زندان میں مقید رہے گی اور آنکھ اگر تم نے وا کی ہے تو "حیرانی" سے اسے ہماہنگ کرنی ہوگی اور اگر شعور کی بات تمہارے صفحۂ ذہن پر ابھری ہے تو اسے بے شعوری سے وابستہ کرنا ہوگا۔ "بادیہ تحقیق" کے سیاح کے لئے سکون تک رسائی دائرہ حیرانی کا مرکز بنتا ہے اور دریائے تفکر کے غوطہ خوروں کے لئے ساحل جمعیت کو کوچہ نادانی کی گرد و غبار میں اٹھا ہے۔"

تحقیق زمار است نیاید چہ تواں کرد   پرواز بلندی بہ تحیر پر ما بست

ایک رباعی میں بھی اسی خیال کا اظہار کرتا ہے:

بیدل بہ سفیدی و سیاہی دیدن   آساں مشمر رمز الٰہی دیدن

ہر کس در ہر نفس جہانی دگر است   خود را چہ خیال است کماہی دیدن

اب جبکہ "حیرت" کا مفہوم پوری طرح واضح ہو گیا اس کی اہمیت پر تھوڑی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال بیدل کی حیرت پر رقمطراز ہیں:

"افلاطون کہتا ہے "حیرت" تمام علوم کی ماں ہے لیکن بیدل اسی کو دوسری نظر سے دیکھتا ہے۔

نزاکتہاست در آغوش مینا خانۂ حیرت   مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

حیرت کے مینا خانے کی آغوش میں نزاکتیں اکٹھی ہو گئی ہیں پلک نہ جھپکانا کہیں رنگ تماشا کا سلسلہ نہ ٹوٹ جائے۔

افلاطون کے نزدیک حیرت کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ دنیا کے حالات کے سلسلے میں ہمارے اندر ایک طرح کا ذوق تجسس پیدا کرتی ہے جبکہ بیدل کے نزدیک اس کے فطری نتائج سے قطع نظر "حیرت" بجائے خود بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس مضمون کو بیدل کے سوا کوئی شاعر اتنی خوبصورتی سے ادا نہیں کر سکا ہے۔"(۴۰)

ایک خط میں بیدل نے خود بھی حیرت کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

"تامل انقلاب ازمنہ وامکنہ امکانی جلای آئینہ حیرت است۔ و تخیل تغیر کیف و کم اعیان رفع زنگارہای غفلت۔ اینجا امداد "حیرت" حوصلہ بخش عروج نظرمی باشد و اعانت "تسلیم" چہرہ کشای علامات فتح و ظفر، حصول این نشا از ساغر آگاہی حق شمردنست و از شہود این کیفیات باسرار حضور مطلق راہ بردن۔"(۴۱)

دنیائے امکان کے زمانوں اور مکانوں میں رونما ہونے والے انقلاب پر غور و فکر "آئینہ حیرت" کو جلا بخشتا ہے اور اعیان کے کیف و کم میں رونما ہونے والی تبدیلی کا تصور غفلت و بیخبری سے زنگ کو دور کرتا ہے۔ یہاں "حیرت" کی امداد بلند نظری کو حوصلہ و ہمت فراہم کرتی ہے اور "تسلیم و رضا" کی اعانت فتح و ظفر کی علامتوں کے چہرے سے نقاب ہٹاتی ہے۔ اس نشہ کے حصول سے آگاہی حق کی ساغر کشی کی جا سکتی ہے اور ان کیفیات کے شہود سے حضور مطلق کے اسرار تک رسائی ہو سکتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کائنات کے اندر مختلف زمانوں اور مکانوں میں جو انقلابات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور ان کے حالات میں جو تغیر و تبدیلی اور الٹ پھیر ہوتی رہتی ہے ان پر غور و فکر کرنے سے دل کو جو آئینہ "حیرت" ہے جلا حاصل ہوتی ہے اور نظر کو وسعت و کشادگی اور رفعت و بلندی نصیب ہوتی ہے یہ ہے حیرت کی اہمیت۔ ایک اور خط میں اسی مضمون کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے:

"تماشای چمنستان صنع را اگر سودی در نظر است، فرصت حیرت رنگ آمیز بہای آثار است، و مہلت تامل کیفیات احوال و اطوار۔" (۴۲)

قدرت الٰہی کے چمنستان کا تماشا دیکھنے میں اگر نگاہ کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو وہ بہار کی رنگ آمیزیوں پر حیرت کرنے کی فرصت اور حالات و کیفیات پر غور و فکر کی مہلت ہے۔

اس درس کو بیدل نے درحقیقت دہلی میں اپنے ایک روحانی استاد "شاہ کابلی" کی خدمت حاصل کیا تھا جب شاہ صاحب موصوف نے ایک شعر پڑھا۔

از ما با ماست ہرچہ گوییم   ما ہچو توئی دگر چہ گوییم

بیدل کے اس پوچھنے پر کہ یہ کس کا شعر ہے شاہ صاحب نے کہا: میرا ہے۔ اس میں شبہ کیا ہے اور یہ کہتے ہوئے زمیں پر دراز ہوگئے کہ

"اینجا کشاد چشم غیراز "حیرت" چیزی ندارد باید خوابید" (۴۳)

یہاں کائنات میں اگر آنکھیں کھولو گے تو "حیرت" کے سوا کوئی چیز تمہارے پلے نہیں پڑے گی اس لئے محو خواب ہو جانا چاہئے۔

اس واقعہ کے بعد بیدل نے اسے اپنی زندگی کے بنیادی افکار و خیالات میں جگہ دے کر یوں کہا:

بسکہ آشوب غبار حیرتم پوشیدہ چشم   صورت آئینہ من نیز رفت ازیاد من

"حیرت" یعنی مظاہر قدرت میں غور و فکر کا ذوق اور حقائق کی تفتیش کی کوشش اس قدر پیشرفت کی کہ اس نے اس کی قوت بینائی کا احاطہ کر لیا اور اپنے اندر اس حد تک ضم کر دیا کہ آئینہ دل کی صورت بھی حافظے سے رخصت ہوگئی۔

مظاہر قدرت پر غور و فکر سے متعلق اسلامی ہدایات پر کاربند ہونے کے بعد حیرت یعنی ذوق تجسس نے بیدل کی شخصیت کو اس حد تک اپنی آغوش میں کھینچ لیا کہ کہتا ہے۔

در چار سوی دہر گذر کرد خیالم   لبریز شد از حیرت آئینہ دکانہا

میری قوت خیالیہ نے کائنات کی چاروں سمتوں کا دورہ کیا تو اسی کی ساری دکانیں "حیرت آئینہ" سے بھری نظر آئیں۔

نہ صرف یہ کہ حیرت نے اس کو غیر معمولی فائدہ پہونچایا اور اس سے وہ بے انتہا لطف اندوز ہوا بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کرتا ہے کہ اگر اپنی عقل کے افق اور دانش کے دائرے کو وسیع کرنا چاہتے ہو تو ساری کتابوں کو اٹھا کر الگ رکھ دو اور کتاب کائنات کا بہ غور مطالعہ کر کے اپنے سواد دیدہ کو روشن کرو۔

سواد نسخہ دیدار تا روشن تواں کردن   بآب حیرت آئینہ باید شست دفترہا

خود بیدل نے عالم آفاق و انفس کا مطالعہ کر کے اپنے علم و دانش کا دائرہ وسیع کیا۔

این دل حیرت سرا از نقش قدرت بہا پراست   ذرہ از سامان مہر و قطرہ از دریا پراست

اس حیرت سرا دل کے صفحے پر قدرت الٰہی کے نقوش بھرے پڑے ہیں ذرہ آفتاب کے سامان سے اور قطرہ دریا سے بھرا پڑا ہے۔

حیرت کی اہمیت پر ایک رباعی میں اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔

عمری دل غافل از کتابی کہ نداشت   می کرد تلاش انتخابی کہ نداشت
آخر در مکتب خیالی کہ نبود   حیرت ورقم شست بہ آبی کہ نداشت

دل غافل ایک عرصے تک ایسی کتاب سے جو اس کے پاس نہ تھی انتخاب کا عمل کرتا رہا آخر کب خیال میں جس کا وجود ہی نہ تھا۔ حیرت نے ایسے پانی سے میرا ورق زندگی دھو دیا جو اس کے پاس نہ تھا۔

زیں مدرسہ یک عمر سبقہا خواندیم   از ہر بد و نیک و زشت و زیبا خواندیم
حیرت آخر سواد ما روشن کرد   آئینہ نوشتیم و تماشا خواندیم

اس مدرسۂ کائنات میں عرصے تک تعلیم حاصل کرتے رہے ہر نیک و بد اور خوب و زشت کی معلومات حاصل کرتے رہے آخر کار حیرت نے میری عقل و فہم کو روشن کیا ہم نے آئینہ لکھا اور تماشا دیکھتے رہے۔

حیرت دمیدہ ام، گل داغم بہانہ ایست   طاؤس جلوہ زار تو آئینہ خانہ ایست

میں سراپا "حیرت" پیدا ہوا ہوں۔ داغ حیرت کا پھول تو ایک بہانہ ہے۔ ترے جلوہ زار کا طاؤس یعنی اے خدا تری قدرت کے رنگا رنگ اور بوقلموں مظاہر ایک آئینہ خانہ ہے جس میں ہر چیز حیرت و استعجاب کا سبب ہی ہوتی ہے۔

دیدہ وا کن و نیرنگ تحیر دریاب   این گلستان ہمہ زخم نمایان گلست

آنکھیں کھولو اور حیرت کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرو یہ باغ قدرت سراسر پھول کے زخم نمایاں ہے۔

دیدہ حیرت نگاہاں را بمو گاں کار نیست   خانہ آئینہ در قید در و دیوار نیست

حیرت نگاہوں کی آنکھ کو پلکوں سے کوئی واسطہ نہیں خانہ آئینہ در و دیوار کی قید میں نہیں ہے۔

مژگان بہرجہ باز کنی مفت حیرت است   عشق و ہوس ہمیں دو سہ روز است باز نیست

جس چیز پر پلکیں کھولئے حیرت ہی ہاتھ لگے گی عشق و ہوس کا سلسلہ تو صرف دو تین دن ہی رہتا ہے۔

بے اختیار حیرتم از حیرتم مپرس　　آئینہ است آئینہ آئینہ ساز نیست

حیرت کے ہاتھوں ہمارے اختیارات سلب ہو چکے ہیں میری حیرت کے بابت مت پوچھو آئینہ تو آئینہ ہی ہے آئینہ ساز نہیں ہے۔

بدل غیر از خیال جلوہ ات نقشی نمی یابم　　بجز حیرت کسی در خانہ آئینہ کی باشد

میرے دل میں تیرے جلوہ کے تصور کے سوا کسی اور چیز کا نقش نہیں ابھرتا، خانہ آئینہ میں حیرت کے سوا کسی کی مجال ہے کہ رہے۔

ذرہ تا خورشید امکاں جملہ حیرت زادہ اند　　جز بدیدار تو چشم ہیچکس نگشادہ اند

کائنات کے ذرہ سے لے کر خورشید تک سب حیرت زار ہیں تیری دیدار کے سوا کسی چیز پر کسی کی نظر نہیں ڈالی گئی۔

نگذاشت حیرتم کہ گلی چیدم از وصال　　از جلوہ تا نگاہ یک آغوش وا رماند
مخور فریب کہ حیرت دلیل آگاہیست　　ز چشم آئینہ تا جلوہ صد نگہ تاز است
عمر بست بحیرت نفس سوختہ رام است　　این مستی آسودہ ندانم ز چہ جام است

اور آخر میں حیرت پر ایک پوری غزل ملاحظہ ہو۔

چہ گوید آئینہ ام شکر خوش معاشی حیرت　　ز جلوہ باج گرفتم بہ بی تلاشی حیرت
بمکتبی کہ ادب وا نگاشت سر خط نازت　　نخواند جوہر آئینہ جز حواشی حیرت
ہزار آئینہ طاؤس می پرم بخیالت　　بہشت کرد جہانرا چمن تراشی حیرت
شبی در آئینہ سیر شکوہ حسن تو کردم　　نمی رسم بخود اکنوں ز دور باشی حیرت
بغیر محو شدن قدر دان جلوہ چہ دارد　　گلاب بزم توایم از نیاز پاشی حیرت
بعلم و فضل منازید کاین صفاکدہ دارد　　بقدر جوہر آئینہ بد قماشی حیرت
دران مکان کہ بصیقل رسد حقیقت بیدل　　ترحم است بحال جگر خراشی حیرت
حیرت مخصیم بیدل ہر کجا افتادہ ایم　　سرگرانیہای ما آئینہ بالین بودہ است

حیرت سے حاصل شدہ لطف نے اس کو اپنا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ خدا سے تحیر کی توفیق کی درخواست کرتا ہے۔

یارب! تو بحیرتم ہم آغوشی بخش　　در مخمصہ شعور کم ہوشی بخش
از اندیشہ آیندہ خلاصم گردان　　از یاد گزشتہ ہا فراموشی بخش

اے اللہ تو مجھے حیرت سے ہم آغوش کردے اور شعور کے جھمیلے میں گرفتار ہونے کا موقع نہ

دے۔ مستقبل کی فکروں سے نجات عطا کر اور ماضی کی یادیں صفحہ ذہن سے محو کردے۔

دو عوامل ایسے ہیں جو انسانی ذہن کو ہر وقت مضطرب کئے رکھتے ہیں مستقبل کی فکر اور ماضی کی یاد۔ جب تک شعور اور احساس برقرار ہے اور عقل اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے آئندہ کی فکر اور ماضی کی تلخ یادیں ہمارے دل و دماغ کا سارا امن چین غارت کئے رہتی ہیں اور لامحدود رنج و غم اور بیکراں درد و الم میں گرفتار کئے رہتی ہیں کیونکہ ایک طرف زندگی کے وہ تلخ واقعات کی یاد جن سے ماضی میں ہمارا سابقہ رہا ہے ہماری زندگی کو تلخ کرتی ہے تو دوسری جانب آئندہ کی فکر کہ کس طرح گذر بسر ہوگی، کیا کھائیں گے، کیا پییں گے، کس طرح زندگی کی مختلف الجھنوں سے نمٹیں گے وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارا سکون خاطر ہم سے چھین لیتی ہیں۔

بفکر نسیہ موہوم نقد نیز نماند　　مپرس در غم مستقبلم چہ حال گذشت

بیدل کہتا ہے یہ دونوں خیال، ہوش و شعور سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہ خدا سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے بے شعوری اور کم ہوشی کی دولت عطا فرما تا کہ ان کے ہاتھوں جو مصیبتیں اٹھا رہا ہوں وہ دور ہو جائیں جیسا کہ ایک جگہ کہتا ہے

در فراموشی مگر جمعیتی پیدا کنیم　　ورنہ چوں موی سر مجنوں پریشانم بباد

فراموشی میں شاید مجھے جمعیت خاطر حاصل ہو جائے ورنہ "باد" (ہوا) کی بدولت موئے سر مجنوں کی طرح میں پریشان رہتا ہوں۔

نیست باک از حادثاتم در پناہ بیخودی　　گردش رنگی کہ من دارم در حصار رحمت است

بیخودی کی پناہ میں مجھے حوادث روزگار کا کوئی اندیشہ لاحق نہیں رہتا ہے جس گردش رنگ سے میرا سابقہ ہے وہ رحمت کے حصار میں ہے۔

ہزار جلوہ در آغوش بیخودی محو است　　جہان شعور طلب می کند تو خواب طلب
زندگانی سخت دشوار است با اسباب ہوس　　بی شعوری گر نباشد کار مشکل می شود
بیخودی از معنیٰ جمعیتم آگاہ کرد　　گردش رنگ اعتبار سیلی استاد داشت
جمعیت حواس در آغوش بیخودیست　　از ہوش بہرہ نیست کسی را کہ مست نیست
ہر کس از سیر بہار بیخودی آگاہ نیست　　دیدہ ہر جا محو حیرت می شود گل چیدہ است

لیکن یہ بے شعوری اسی وقت ہاتھ آئے گی جب مظاہر کائنات پر غور و فکر کے بعد مجھے "حیرت" حاصل ہوگی اور اس میں بھی وہ مقام حاصل ہو جائے کہ خود میری ہستی کا تصور میرے صفحہ ذہن پر نہ ابھرے اس طرح اس زود گذر زندگی کی کسی قسم کا غم و خوشی مجھے متاثر نہ کر سکے گی۔

''حیرت'' کی یہ دوسری اہمیت ہے۔ شاید اسی وجہ سے بیدل خود کو ''حیرت سرشت ازلی''(۴۴) (یعنی ازل سے جس کی خمیر میں حیرت گوندھی ہوئی ہے) کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

اس موضوع کے آخر میں بے محل نہ ہوگا اگر حیرت سے متعلق بیدل کی تعبیروں کی بھی کسی قدر وضاحت کردی جائے۔ اس کی تخلیقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکثر مقامات پر ''حیرت آئینہ'' اور ''آئینہ حیرت'' کی دو ترکیبیں استعمال کی ہیں۔ پہلے لفظ آئینہ کی تحقیق پیش ہے پھر حیرت کی طرف اس کی اضافت پر جو کبھی تشبیہی اور کبھی مقلوبی ہوتی ہے روشنی ڈالیں گے۔ آئینہ کے بابت عہد حاضر کے محقق و ادیب ڈاکٹر سعید نفیسی رقمطراز ہیں:

''آئینہ ہمزہ کے ساتھ درست نہیں کیونکہ فارسی زبان میں ہمزہ کا وجود نہیں ہے۔ اس لفظ کی اصل ''آیینہ'' دو یا کے ساتھ اور اس کا مخفف آینہ ہے جس کے اندر دوسری ''ے'' کو حذف کردیا جاتا ہے، اصل لفظ ''آبگینہ'' تھا جس کے معنیٰ حقیقت میں شیشہ کے ہیں یعنی آب جیسا اور پانی کے رنگ کا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آبگینہ آئینہ میں بدل گیا۔''(۴۵)

آئینے کی خصوصیت کے بابت بیدل ایک جگہ لکھتا ہے:

''آئینہ تا کدورت دارد تسلیم خراشش ضروری است و چوں بصیقل رسید در انطباع خوب و زشت ناصبوری۔''(۴۶)

آئینے میں جب تک آلودگی موجود ہے اس کو صیقل گر کے حوالے کرنا ضروری ہے اور جب اس پر صیقل ہو جائے تو ہر اچھی بری تصویر کا نقش قبول کرنے میں وہ نہایت بے صبر اور جلد باز واقع ہوتا ہے۔

درج ذیل شعر میں بھی آئینہ کی اسی خصوصیت کی طرف وہ اشارہ کرتا ہے۔

با بد و نیک است یکرنگی ہوس آئینہ را نیست اظہار خلاف ہیچکس آئینہ را

آئینے کا ہر اچھے برے آدمی اور اشیاء کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک ہوتا ہے آئینہ کسی کی تصویر کو اس کے بالکل برعکس ظاہر نہیں کرتا ہے۔

بیدل کے ان دونوں نثری اور شعری مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ آئینہ کے اندر عکس پذیری کی ایک ناقابل انکار خصوصیت ہے جو چیز جس طرح اور جس شکل میں اس کے مقابل آئے گی عین اس کا عکس اپنے اندر دکھائے گا ع

چیزیکہ در آینہ توان دید مثالست

اب حیرت آئینہ کی ترکیب پر دھیان دیں۔ بیدل نے چہار عنصر میں ایک جگہ اس ترکیب کا استعمال اس طرح کیا ہے۔

''نگاہی بود چوں حیرت آئینہ بی نیاز جوہر شناسی''۔(۴۷)

وہ حیرت آئینہ کی طرح ''جوہر شناسی'' سے بے نیاز ایک نگاہ تھی۔

اس عبارت میں اس ''نگاہ'' کو جو ایام طفولیت میں اسے حاصل تھی ''حیرت آئینہ'' سے تشبیہ دیا ہے اور وجہ شبہہ دونوں کے درمیان ''بی نیاز جوہر شناسی'' کو قرار دیا ہے لہذا حیرت آئینہ، کی ترکیب یہاں بھی استعمال کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل آئینے کی طرح ہے جو تصویر بھی اس کے سامنے آتی ہے اس کی صرف ظاہری شکل کا عکس ہی اس میں آتا ہے اس کی حقیقت اور جوہر کا عکس اس میں منعکس نہیں ہوتا ہے اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ آئینہ ''جوہر شناسی'' سے عاری ہے۔ حیرت کی اضافت آئینہ کی طرف اضافت تشبیہی ہے یعنی جس طرح ''حیرت'' اشیاء کی حقیقت تک نارسائی کا نتیجہ ہے آئینہ اگرچہ اس کے اندر اشیاء کی صورت کا عکس نظر آتا ہے پر اس کی حقیقت کے ادراک سے وہ عاجز ہے چنانچہ ایک جگہ بیدل کہتا ہے۔

آئینہ را بہ قسمت 'حیرت' قناعت است زین جوش خون بس است کہ رنگی بما رسد

آئینہ کو صرف ''حیرت'' کے حصے پر قناعت ہے خون کے اندر ابال کی اتنی بات کافی ہے کہ صرف اس کا رنگ ہم تک پہنچتا ہے ع

عکس چوں حیرت مقیم خانہ آئینہ است

تا گرد باد من بہوائیست پر فشان بیدل بکنہ ذرہ رسیدن کجا رسد

جب تک میری ہستی کا بگولہ فضا میں پرفشانی کرتا رہے گا بیدل ذرہ کی کنہ تک پہنچنا بھی ممکن نہیں ہے (خدا کی کنہ تک پہونچنا تو دور رہا)۔

دل غیر از خیال جلوہ ات نقشی نمی یابم بجز حیرت کسی در خانہ آئینہ کے باشد

گویا ''آئینہ'' بھی حیرت ہی کا رول ادا کرتا ہے ع

حیرت از شش جہتم در دل آئینہ گرفت

ان توضیحات کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے حیرت آئینہ یا آئینہ حیرت کی ترکیبوں سے بیدل کا مقصد یہ ہے کہ کتاب کائنات پر غور و فکر کے بعد صرف اس کی صورتیں دل میں منعکس ہوتی ہیں ان کے حقائق اور جوہر تک رسائی اس کے دسترس سے باہر ہے اب اور اشعار ملاحظہ ہوں۔

علت حیرت نگردد پردۂ ساز فغان جلوہ ای دارد کہ می سازد جرس آئینہ را

ساز ''فغاں'' کا نغمہ حیرت کی علت نہیں بنتا البتہ اس میں ایک جلوہ ہوتا ہے جو آئینے کو جرس میں بدل دیتا ہے۔

حسن ہرجا دست بیداد تجلی وا کند   نیست جز حیرت کسی فریاد رس آئینہ

''حسن'' جہاں کہیں بھی جلوہ آرائی کا دست جور وستم دراز کرتا ہے تو حیرت کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی جو آئینے کی فریاد رسی کرے۔

بیدل اندر جلوہ گاہ حسن طاقت سوزاوست   جوہر حیرت زبان عذر خواہ آئینہ

بیدل! اس کے تواں فرسا حسن کی جلوہ گاہ میں ''جوہر حیرت'' ہی آئینہ کے لئے عذر کرنے وال زبان ہے۔

امتیاز جلوہ ما حیرت آغوشاں مخواہ   دور گرد دیدہ می باشد نگاہ آئینہ

ہم ''حیرت آغوش'' افراد سے جلوے کے اندر امتیاز کرنے کی بات مت کرو آئینے کی نگاہ اپنے دیدہ کے اردگرد ہی گھومتی رہتی ہے۔

بسکہ چون جوہر آئینہ تماشا نظر یم   می چکد خون تحیر زرگ و ریشہ ما

''جوہر آئینہ'' کی طرح ہم بھی اتنا ہی زیادہ تماشا دیکھنے کے عادی ہیں کہ ہمارے رگ وریشے سے حیرت کا خون ٹپکتا رہتا ہے۔

رمز دوجہان در ورق آئینہ خواندیم   جز گرد تحیر رقمی نیست در اینجا

دونوں جہاں کے رموز ہم نے آئینے کے ورق میں پڑھ لئے حیرت کی گرد کے سوا کوئی تحریر اس میں نہیں ہے۔

از حیرت دل بند نقاب توکشودیم   آئینہ گری کار کمی نیست در اینجا

دل کی حیرت سے ہم نے تیرے بند نقاب کو کھولا یہاں آئینہ گری بھی کوئی کم درجے کا کام نہیں ہے۔

تحیر مژدہ حسن بہاری داد کز شوقش   چواشک از دیدہ تا دامان دل آئینہ ها چیدم

حیرت نے ''حسن بہار'' کی ایسی خوشخبری دی کہ اس کے شوق میں آنکھ سے لے کر دامن دل تک آنسوؤں کی طرح آئینے بچھا دئے۔

ہمچو آئینہ اگر صاف شوی   ہمہ جا انجمن دیدار است

طواف بیخودی کردم بپای دیدہ افتادم   سجود حیرتی بردم دردل نیز بوسیدم

بیخودی کے گرد طواف کیا، آنکھ کے پاؤں پڑا، حیرت کے سجدے کئے اور دل کے دروازے کا بھی بوسہ دیا۔

مثنوی ''عرفان'' میں اس موضوع پر نہایت مرتب، حسین اور دلکش پیرایے میں روشنی ڈالی ہے۔

نفسی محرم تحیر باش   جیب آئینہ تفکر باش

تھوڑی دیر ''تحیر'' کا محرم بن کر زندگی گذار۔ آئینہ تفکر کا دامن بن کر دیکھ۔

کہ درین جلوہ زار یاس مآل   داشتم سیر رنگ و بوی خیال

کہ اس یاس مآل جلوہ زار میں ''خیال'' کے رنگ و بو کی سیر کرنا چاہتا تھا۔

کہ افسرد آتش ہوسم   داغ دل شد ز سوختن نفسم

میری آتش ہوس سرد پڑ گئی اور جلنے کی بدولت میرا سانس دل کا داغ بن گیا۔

ہچو شمع از خیال دور اندیش   سفر جیب خویشم آمد پیش

دوراندیش خیال کی بنا پر شمع کی طرح مجھے اپنے گریباں کا آپ سفر کرنا پڑا۔

جای دیگر نیافتم راہی   کندم اخر بجیب خود چاہی

کسی اور جگہ کا کوئی راستہ نہیں ملا لامحالہ آخر اپنے ہی گریباں میں ایک کنواں کھودا۔

بیقدر واشگافت فطرت من   کہ جہاں نیست غیر صنعت من

میری فطرت نے یہ نکتہ واشگاف کیا کہ دنیا خود میری اپنی صنعت (خودسازی) کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہر چہ گل می کند از بہار من است   آنچہ پر می زند غبار من است

جو چیز بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے وہ میری ہی بہار ہے جو چیز بھی اڑ کر فضا میں بکھرتی ہے وہ میری ہی گرد و غبار ہے۔

من کہ چرخ از ارادہ ام پیداست   جوش این خم ز بادہ ام پید است

میری یہ حیثیت ہے کہ آسماں بھی میرے ارادے سے منصۂ شہود میں ہے اور اس مٹکے کا سارا ابال بھی میری ہی شراب وجود سے نمایاں ہے۔

کیستم، کز خودم شعوری نیست   آفتابم بجیب و نوری نیست

میں کون ہوں؟ خود مجھے اس کا شعور نہیں ہے آفتاب میرے دامن میں ہے اور نور کا پتہ نہیں ہے۔

من ز من دور فکر عجز اندیش   در پی خویش رفتہ ام از خویش

میں خود آپ اپنی ذات سے دور جا پڑا ہوں اور میری قوت فکر یہ عجز اندیش ہے۔ اپنا سراغ لگانے کے واسطے یا اپنی ہستی کی حقیقت معلوم کرنے کے واسطے خود آپ سے آگے نکل گیا ہوں۔

ہچو پرکار ہرچہ پیمایم   از خط خویش بر نمی آیم

پرکار کی طرح جس قدر چلتا رہتا ہوں خود اپنی لائن کے دائرے سے باہر نہیں آتا۔

لیک تا وارسم بمرکز خویش   عجز ادراک جوشدم پس و پیش

لیکن جب اپنے مرکز پر پہنچتا ہوں تو آگے پیچھے سے عجز ادراک میرا استقبال کرتی ہے۔

عقل را کی بفہم خویش رہست　　خط پرکار چشم بی نگہیست

عقل کی خود اپنی فہم تک کب رسائی ہے پرکار کی لائن بغیر نگاہ کی آنکھ ہے۔

ماہمان حیرت زمین گریم　　نقش تسلیم و رنگ تصویر یم

ہماری حیثیت وہی ''زمین گیر حیرت''، ''نقش تسلیم'' اور ''رنگ تصویر'' کی ہے۔

ساز عجزیم بستہ خم و پیچ　　رنگ وعرض شکست باقی ہیچ (۴۸)

ہم خم و پیچ سے وابستہ ایک ساز عجز اور شکست کے رنگ وعرض ہیں۔

✪✪✪

عشق

بغیر عشق ندانیم ہیچ آئینی　　گزیدہ ایم چو پروانہ سوختن مذہب

''عشق'' کے سوا کوئی اور اصول زندگی ہمیں نہیں معلوم۔ ہم نے تو پروانے کی طرح عشق کی آگ میں جلنے ہی کو اپنا دین دھرم بنالیا ہے۔

گرمی ہنگامہ امکان جلال عشق اوست　　آتش این بیشہ چشم تیر روشن می کند

صوفیہ کے یہاں ''عشق الٰہی'' کی سب سے زیادہ اہمیت ہے یہی ان کی توجہات کا مرکز اور دلچسپی کا محور ہے۔ اور یہ بالکل فطری امر ہے کیونکہ وہ صرف خدائے واحد کے وجود کے قائل ہیں اس لئے جمال مطلق سے ان کا تعلق اتنا استوار ہونا چاہئے کہ غیر کا تصور بھی صفحہ ذہن پر نہ ابھرے، ماسوی کو دوست بنانا اور اس سے عاشقانہ حد تک تعلق رکھنا تو دور کی بات ہے۔ ان کی زبان پر سدا محبوب کا ہی ذکر رہتا ہے وہ ایسے امور انجام دیتے اور وہ وسائل اختیار کرتے ہیں جو محبوب کے وصال میں معاون ثابت ہوں۔ کائنات کی جس چیز پر ان کی نظر پڑتی وہی معشوق انہیں نظر آتا ہے۔ یہ ہیں عشق کی علامات۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''بدانکہ اہل اسلام متفق اند برانکہ دوستی حق تعالی فریضہ ایست وخدا تعالی گوید: یحبھم ویحبونہ و ﷺ می گوید ایمان کس درست نیست تا آنگاہ کہ خدا ورسول را از ہر چہ جز آنست دوست تر دارد۔ و پرسیدند کہ ایمان چیست؟ گفت آنکہ خدا و رسول را از ہر چہ جز آنست دوست تر دارد۔ و گفت ﷺ بندہ مومن نیست تا آنگاہ کہ خدای تعالی و رسول را از اہل و مال و جملہ خلق دوست تر دارد۔ و خدای تعالی نیز تہدید کرد و گفت اگر پدر و فرزند و مال تجارت و مسکن و ہر چہ دارید از خدا و رسول دوست تر می دارید ساختہ باشید تا فرمان در رسید قل ان کان آباء کم و ابناؤ کم و اموالکم الایہ و یکی یار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفت: ترا دوست می دارم گفت: ''درویشی را ساختہ باش'' گفت: خدا را دوست می دارم '' گفت: بلا را ساختہ باش...... معنی دوستی میل طبع است بچیز یکہ خوب بود و اگر آن میل قوی باشد آنرا عشق گویند''۔ (۴۹)

واضح رہے کہ اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خدائے تعالیٰ سے محبت رکھنا ایک فریضہ حیات ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے یحبھم و یحبونہ خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کسی کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدا ورسول کو دیگر تمام امور سے زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو۔ صحابہ نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ فرمایا خدا اور رسول کو تمام ماسوا سے زیادہ محبوب رکھنا اور جناب رسول خدا ﷺ نے فرمایا بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ خدائے تعالیٰ اور رسول کو اپنے اہل وعیال و مال ومنال اور تمام مخلوق سے زیادہ محبوب نہ رکھے اور خدائے تعالیٰ نے بھی تہدید آمیز انداز میں فرمایا کہ اگر باپ، بیٹے، مال تجارت، گھربار اور اپنا سارا اثاثہ تم کو خدا اور رسول سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے عذاب کے فرمان آنے کا انتظار کرو ان کان آبائکم الخ ایک صحابی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا "میں آپ سے محبت کرتا ہوں" فرمایا "پھر درویشی کی روش اپناؤ" انہوں نے کہا "میں خدا سے محبت کرتا ہوں" فرمایا "پھر مصیبت جھیلنے کے لیے تیار رہو" محبت کے معنی ہیں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو اچھی ہو اور اگر وہ میلان زبردست اور قوی ہے تو وہ عشق ہے۔

شبلیؒ کہتے ہیں:

"محبت کو محبت اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دل سے ماسوی کا نقش محو کردیتی ہے۔"

مشہور ایرانی دانشور ڈاکٹر جعفر سجادی "تجلی عرفان وتصوف در ادب و فارسی" کے عنوان سے عشق کے بابت لکھتے ہیں:

"عشق آتشی است کہ دردل واقع می شود ومحبوب رابسوزاند۔ عشق دریای بلاست وجنون الہی است وقیام قلب است بامعشوق بلا واسطہ۔ وآں مہتر ین رکن طریقت است کہ تنہا انسان کامل کہ مراتب ترقی وتکامل را پیمودہ است درک کند۔ عاشق رادر مرتبہ کمال حالتی دست می دہد کہ ازخود بیگانہ ونا آگاہ می شود واززمان ومکان فارغ می شود واز فراق محبوب می سوزدومی سازد۔ سلطان عشق خواست کہ خیمہ بصحرا زند درخزائن بگشود، گنج عشق بر عالم پاشید ورنہ عالم بابود ونابود خود آرمیدہ بود ودر خلوتخانہ شہود آسودہ۔

بطوریکہ ملاخطہ می شود مسئلہ عشق بالطافت وظرافت خاصی نمودہ شدہ است وایشان المجاز قنطرۃ الحقیقتہ عشق بزیبارویان رامقدمہ وسلوکی می دانند برای عشق پاک خدای تعالی وبالاخرہ وصول بہ معشوق ازلی این معنی بطور کامل درمنطق الطیر عطار وداستان سیمرغ ونیز درداستان شیخ صنعان وعشق وی بدختر ترسا نمودہ شدہ است۔" (۵۰)

عشق ایک طرح کی آگ ہے جو دل میں لگتی ہے اور محبوب کو جلا کر راکھ کردیتی ہے عشق بلاؤں کا ایک دریا ہے، جنون الٰہی ہے، قلب کی معشوق کے ساتھ بلا واسطہ وابستگی ہے۔ یہ طریقت کا اہم ترین رکن ہے جس کا ادراک وہ انسان کامل ہی کرسکتا ہے جس نے ترقی اور تکامل کے مرحلے طے کرلئے ہیں۔ عاشق کو مرتبہ کمال میں ایسی کیفیت نصیب ہوتی ہے کہ وہ آپ سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور اپنی ذات کا شعور تک اسے نہیں رہتا ہے۔ زمان ومکان کی قیود سے فارغ ہوجاتا ہے اور محبوب کی جدائی میں جلتا سلگتا رہتا ہے۔ سلطان عشق نے صحرا میں خیمہ زن ہونا چاہا، اس نے خزانے کے دروازے کھول دیئے اور عشق کا خزانہ ساری دنیا پر لٹا دیا ورنہ دنیا اپنے بود ونابود کے ساتھ خلوت خانہ شہود میں محو استراحت تھی۔

جیسا کہ معلوم ہے مسئلہ عشق کو کافی لطافت وظرافت کے ساتھ موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہ لوگ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ (مجاز حقیقت کا پل ہوتا ہے) کے حسب اقتضا خدائے تعالیٰ کے ساتھ عشق پاک کے لئے اور آخر میں معشوق ازلی تک رسائی کے لئے حسینوں کے عشق کو اس کا مقدمہ تصور کرتے ہیں منطق الطیر میں "سیمرغ کی داستان" شیخ صنعاں اور ایک نصرانی کی لڑکی سے اس کے عشق کی داستان میں عشق کا یہ مفہوم پوری طرح واضح ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا بیدل بھی عشق مجازی سے عشق حقیقی تک پہونچا ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ بیدل نے بہترین عشقیہ شعر کہے ہیں اور بعض شعروں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ عشق کی آگ میں تپے تھے۔

یاد آں عیشی کہ عیش جاودانی داشتیم　　سجدہ ای چوں آسماں بر آستانی داشتیم
برہمن ای بیخبر از کیش بیدردی مباش　　پیش ازیں ماہم بت نا مہربانی داشتیم

اس دائمی عیش وآرام کی یاد آتی ہے جب ایک آستانے پر آسمان کی طرح جبین نیاز جھکاتا تھا۔ اے کیش عشق سے بے خبر برہمن درد وغم عشق سے بیگانہ مت رہ۔ اس سے پہلے ہمارے پاس بھی ایک جفا پیشہ معشوق تھا۔

یہ اشارہ پاکر راقم السطور اس "بت نامہرباں" کی تلاش میں نکل پڑا جس نے بیدل کو کبھی عشق کی آگ میں تپایا اور تڑپایا تھا بالآخر اس کی کوشش نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ ایک اور شعر میں کہا ہے۔

ہیچ کافر مبتلای ناقبولیہا مباد　　یاد ایامیکہ ما را در دل کس راہ بود

بیدل نے بلاشبہ عشق کیا، عشق ایک پری زاد کے ساتھ جس نے پورے اکتالیس سال تک اس کے جذبات میں ہلچل پیدا کردی تھی۔ عشق کا یہ ماجرا بڑا دلچسپ ہے ذیل میں اس کا خلاصہ پیش ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء میں مرزا قلندر کے حسب ہدایت بیدل نے ترہت موجودہ (مظفر پور) بہار میں مرزا عبداللطیف کے فوجی دستے میں شریک ہوکر تین مہینے باغی راجاؤں سے معرکہ آرائی میں داد شجاعت دی تھی۔ آخر الہ آباد میں شاہ شجاع کی فوج کی شکست کی خبر پاکر ترہت میں اس کے فوجی دستے کے حوصلے بھی پست ہوگئے اور یہ لوگ وہاں سے فرار کر گئے دس دن تک صحرا نوردی کے بعد وہ پٹنہ پہونچتا ہے۔

اسی صحرانوردی کے دوران وہ ایک جگہ پہونچا جہاں سے کافی فاصلے پر ایک سفید ٹیلہ اسے نظر آیا، سورج ڈوبنے کے قریب تھا۔ بیدل نے اپنے دو ساتھیوں سرمست خاں اور مبارز خان کے ساتھ اس سفید ٹیلے کا پتہ لگانے کے لئے گھوڑے دوڑائے تا آنکہ ایک احاطے کے پاس پہنچے۔ اس کے دروازہ کا پتہ چلانے کے بعد اس میں داخل ہوئے تو ایک دلکش منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا مگر وہاں کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، کچھ آگے بڑھے تو ایک خوبصورت عمارت نظر آئی ایک طرف سے دھواں کے مرغولے فضا میں بکھرتے دکھائی دیئے جو ایک حوض کے کنارے کسی گوشہ سے بلند ہو رہے تھے، اس کی تلاش میں ایک کھڑکی کے پاس پہنچے وہاں زیر زمین ایک تہ خانہ نظر آیا سوراخ سے کیا دیکھتے ہیں:

''پری زادی ازاں طلسم بی نقاب گردید چون طراوت بر فرش نشستہ۔ وبوی گلی بز انوی خیال غنچگی دامن شکستہ۔ آتشی در مقابل چہرہ آتشین افروختہ۔ ونفس بافی قلیان سیم دوختہ۔ گرد وحشتی از سیمای جمعیتش موج زن۔ وشور سودای از آئینہ احوالش آشفتگی خرمن''۔

اس طلسم خانے میں ایک خوبصورت اور تروتازہ پری زاد نظر آئی جو فرش پر بیٹھی تھی اور بوئے گل کی طرح غنچگی کے خیال میں دامن تار تار کئے تھی اپنے آتشیں چہرے کے سامنے آگ روشن کئے تھی اور چاندی کے حقہ کے پائپ سے دم کشی کر رہی تھی، اس کے چہرے وبشرے سے وحشت کی گرد اڑ رہی تھی اور اس کے آئینہ احوال سے عشق وسودا کا شور فضا میں برپا تھا۔

دھواں کا وہ مرغولہ اسی حقہ سے بلند ہو رہا تھا جس کو وہ پری زاد پی رہی تھی۔ بیدل نے اس ظالم اور کافر ادا معشوق کے حسن وزیبائی، دلکشی ودلربائی اور استغنا وبی نیازی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''عطری از گلبرک پیراہنش رائحہ شوخی داشت کہ ہوای آں سرزمین مینای بہار بر شام می شکست۔ ورنگی از لالہ زار پیکرش بیرون می تافت کہ غبار آن فضا تتق شفق پیش راہ نظر می بست...... صدمات ہای وہوی ماچون شخص تصویر اصلا متغیرش نساخت وحرکات جنون آہنگی مابخیال گردش رنگ نینداخت۔''

اس کے منقش اور بوٹے دار لباس سے چھن کر آنے والی عطر کی خوشبو میں ایسی شوخی تھی کہ اس

علاقے کی آب وہوا شیشۂ بہار کو شام کے سر پر دے مارتی ہے۔ اور اس کے پیکر لالہ زار سے ایسا رنگ چمک رہا تھا کہ اس فضا کی گرد وغبار نے شفق کے پردے کو نگاہوں کے سامنے بے وقعت بنا دیا تھا۔ ہماری ہو ہا کی آواز نے اس کو تصویر کی طرح بالکل متاثر نہیں کیا اور ہماری جنون آہنگ حرکتوں نے اس کے خیال کے تانے بانے کو بکھرنے نہیں دیا۔

بیدل اور اس کے ساتھیوں نے بڑی منت سماجت اور اصرار کے ساتھ اس کی مزاج پرسی کی پر وہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوئی اور ایسی بے اعتنائی اور بے نیازی کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ جب ۱۱۱۶ھ/ ۱۷۰۴ء میں وہ اس واقعہ کو ضبط تحریر میں لا رہا تھا (یعنی تقریباً ۴۷ سال کے بعد) تو اس کے نقوش اس کے صفحۂ ذہن سے محو نہیں ہوئے تھے:

''شکوہ غیرتیکہ از ساز بینائیش معاینہ کردیم کہ زہرہ ہوش تا امروز بلمعہ تصور آن آئینہ گداز می زداید۔ وشخص تو ہم ہنوز پرتو اندیشہ از عہدہ رنگ باختن برنمی آید''۔

''......وحاصل آنکہ حسنی بود در کسوت عشق محجوب حجلہ بی نیازی وعشقی در لباس حسن مخمور نشاء استغنا طرازی''۔

اس کے ساز بینائی سے ایسی غیرت کی شکوہ کا ہم نے مشاہدہ کیا کہ ہوش کا پتہ آج تک اس کے تصور کی چمک سے آئینہ گدازی کر رہا ہے اور شخص تو ہم ہنوز اس پرتو اندیشہ سے رنگ بازی کے عہدے سے باہر قدم نہیں رکھا ہے۔

القصہ وہ ایک ایسا حسن تھا جو عشق کا لباس زیب تن کر کے حجلہ بے نیازی میں نظروں سے اوجھل تھا۔ اور ایسا عشق تھا جو حسن کا لباس زیب تن کر کے استغنا طرازی کے نشہ سے مخمور تھا۔

بہت زیادہ پوچھنے پر اس نے لب کشائی کی تو پیمانہ چشم کو اس نے اس طرح گردش دی کہ گویا ایک بجلی سی کوندی اور سب کو جلا کر راکھ کر گئی۔ لکھتا ہے:

''باں گردش چشم محرقی خوردیم کہ سراپای خود از دل دونیم بازنمی شناختیم وہر چند بضبط می کوشیدیم جز رقص بسلمی نمی پرداختیم''

اس کی گردش چشم سے ہمارے تن بدن میں ایسی آگ لگی کہ دل دونیم کی بدولت خود اپنے سراپا کی شناخت مشکل ہوگئی اور جس قدر ضبط نفس کی کوشش کرتے تھے رقص بسمل کے سوا کوئی اور شغل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اس بُت نامہرباں کے تیر نگاہ کا وہ کتنا گھائل تھا اس کے درج بالا بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ اس پری زادی نے آسمان کی طرف رخ کر کے ایک آہ بھری اور درج ذیل شعر پڑھا۔

سالہا در طلب روی نکو دربدریم   روی بنما و خلاصم کن ازین دربدری

[مدت سے ہوں تلاش میں روئے حسین کی   جلوہ دکھا کے مجھ کو تو اس سے نجات دے

تلاش روئے زیبا میں ہوں میں مدت سے آوارہ   جھلک اپنی دکھا چہرے کی اور کر مجھ کو آزاد]

درج بالا شعر کو اس نے ایسی حزین آواز میں پڑھا کہ بیدل اپنا ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ جب ہوش آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ وہ پری زاد ہاتھ میں حقہ لئے ہوئے کمرے سے نکلی اور قاتلانہ انداز میں چمن کی طرف بڑھی۔

بسکہ سر تاپای او آغوش وحشت ہالہ بود   بی تمیزی پاو سر چون شعلہ جوالہ بود

وحشت نے اس کے سراپا کا پوری طرح احاطہ کر لیا تھا۔ سر اور پاؤں کی تمیز کئے بغیر وہ اور سراپا شعلہ جوالہ بن گئی تھی۔

در قفایش تا عنان گیریم عمر رفتہ را   رہبر پا لغزش اشک وغبار نالہ بود

اس کا پیچھا کرتے ہوئے عمر گذشتہ کی باگ جب تک سنبھالوں پاؤں جو رہبری کا کام کر رہا تھا آنسوؤں کی لغزش اور نالے کا غبار بن چکا تھا۔

بیدل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی اس کے حسن و جمال پر اس قدر فریفتہ ہو گئے کہ اس کا پیچھا کرنے لگے۔ پری دوبارہ کمرے میں داخل ہو کر بنگلے کے بیچ میں بیٹھ گئی، یہ لوگ بھی نہایت نیازمندی سے اس کے سامنے بیٹھ گئے تا آنکہ رات ہو گئی اور چاند اور ستارے اپنی تابانی دکھانے لگے۔ صبح تک اسی حال میں وہ ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے رہے اور وہ اس شعر کو بار بار پڑھ رہی تھی اس وقت ان لوگوں کے دل کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، لکھتا ہے:

"......تا بخود می آئیم مارا بعالم دیگری انداخت۔ وذوق ہلاکی بخون آرزو کمر بستہ بودو حسرت بسمل درسر راہ انتظار نشستہ کہ گردش آن چشم باز دشنہ نگاہی بفسامی رساند و مارا از قفس مخمصہ آزاد گرداند۔ غرور تغافل بفریاد حسرت کشتگان نمی پرداخت واستعلای ناز ہیچ یکی را قابل امتحان نمی شناخت۔"

جب تک ہم ہوش میں آئیں ہمیں کسی اور دنیا کی راہی بنا دیتی۔ اس کا ذوق ہلاک خوں آرزد سے کمر بستہ تھا اور اس کی حسرت بسمل سر راہ انتظار کر رہی تھی کہ اس کی گردش چشم نے خنجر نگاہ کو سان پر چڑھا دیا اور ہم کو الجھنوں کے زندان سے آزاد کر دیا۔ اس کے غرور "تغافل" نے حسرت کشتگان کی فریاد نہیں سنی اور ناز کی تعلّی نے کسی کو قابل امتحاں نہیں سمجھا۔

آخر جب چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی تو اس پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گئی۔ پچھلی پہر

رات کو ایسی کیفیت اس پر طاری ہوئی کہ ساز قوی رشتہ توانائی کا سرا ہاتھ سے دے بیٹھا اور نسخہ حواس کے اجزا "ہجوم بیخودی" کے شیرازہ میں بندھ گئے۔ غرض کہ ان کی بیہوشی کا سلسلہ اتنا دراز ہو گیا کہ مشرق سے سورج نکل آیا اور اپنی کرنوں سے ان کو منور کرنا شروع کر دیا اور اس کی گرمی نے ان کو خواب سے بیدار کر دیا۔ اس حالت میں پھر اسی پری کی تلاش کا خبط ان پر سوار ہوا لیکن وہ نظروں سے اوجھل تھی۔ بیدل کے الفاظ میں:

"آخر جنون کی اضطراری کیفیت نے اس قدر گرد و غبار اڑائی کہ نشیمن کے سارے آثار نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور یاس و نومیدی کی تکلیف نے آنسوؤں کی باڑھ میں ایسا طوفان برپا کر دیا کہ اس نے تالاب کے تخیل کی لہروں پر جھاڑو پھیر دی۔"

مرزا عبداللطیف نے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ لوگ بیاباں مرگی کا شکار تو نہیں ہو گئے اپنے چند ساتھیوں کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ ان لوگوں نے کافی تلاش کے بعد بیدل اور اس کے ساتھیوں کو جنون زدگی کے عالم میں پڑا پایا۔ کسی عنوان سے ان کو قافلہ تک لائے اور احباب کی مزاج پرسی پر وہ اسی شعر کو بار بار پڑھتا تھا۔ لکھتا ہے ہماری اس پراگندگی و آشفتگی کی کیفیت نے ہمیں ایک عالم تحیر کی زیارتگاہ بنا دیا تھا۔ اور ہماری گریبان چاکی نے ایک طبقے کو لباس شعور سے عریاں کر دیا تھا۔

ای خوش آں سر گشتگیہای بیابان جنون   کز تماشا لیش خرد سر بر خط پر کار ماند

بیاباں کی وہ سرگشتگیاں بھی کس مزے کی تھیں جن کا تماشا دیکھ کر عقل پرکار کے خط میں محو ہو کر رہ گئی۔

محو دیدار تو ہر جا ریخت رنگ بیخودی   نالہ از وحشت گذشت واشک از رفتا رماند

تیرے دیدار میں جو کھویا ہوا ہے اس نے ہر مقام کو بیخودی کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ "وحشت" سے آہ و نالہ رخصت ہو چکا اور آنسو حرکت کرنے سے باز رہا۔

درمحبت این قدر تاثیر ہم می بودہ است   ہر کہ مارا دید حیران جمال یار ماند" (۵۲).

عشق و محبت میں اتنی تاثیر ہوتی ہے کہ جو کوئی ہمیں دیکھتا تھا جمال یار پر حیران رہ جاتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بیدل نے کبھی عشق مجازی کیا تھا اس کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی برہمن زادہ پر عاشق تھا۔

آنچہ بر دل رفت از یاد برہمن زادہ ای   کافرم گر ہیچ کافر این قیامت یاد داشت

یاد ایامی کہ در صحرای پر شور جنوں   ہمچو موج سیل نقش پای من فریاد داشت

ہندوستان کے معشوقوں کی بابت بیدل کا ایک شعر ہے۔

تشنہ لب باید گذشت از وصل معشوقان ہند   ہیچ ننگی در برہمن زادگان چون بوس نیست

ہندوستانی معشوقوں کے وصال کی آرزو میں تشنہ لب گذر جانا چاہئے برہمن زادیوں میں بوس و کنار سے بڑھ کر ننگ و عار کی کوئی بات نہیں ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ بیدل کے زمانے میں ہندو عورتوں کی یہ روایت تھی اور اب ہمارے دور میں کس قدر بے حیائی آ گئی ہے۔

بہر حال وہ عاشقانہ جذبات و احساسات سے سرشار تھا حتی کہ بڑھاپے میں بھی وہ اس کی حرارت اور تپش محسوس کرتا تھا اور وہ ''بت نامہربان'' یہی پری زادی تھی۔

لیکن جہاں تک خدا کے ساتھ اس کے عشق و محبت کا تعلق ہے جیسا کہ اس کے مفصل حالات کے ضمن میں پڑھا، مختلف روحانی اساتذہ کی خدمت میں حاضری دینے اور ان کی صحبت سے استفادہ کرنے اور تصوف کی کتابوں کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ اس نے وحدت الوجود کے مسئلے کو سمجھا اور سیکھا بلکہ تصوف سے متعلق بہت سے دوسرے مسائل کی جانکاری حاصل کی۔ مگر عشق ایسی چیز نہیں ہے کہ انسان اس کے حصول کی کوشش کرے۔ عشق قلب کا ایک داعیہ ہے، عشق ہو جاتا ہے کیا نہیں جاتا ہے اور جس کو عشق الٰہی کا مزہ مل جاتا ہے وہ اس داعیہ کو اپنے اندرون قلب غیر شعوری طور پر محسوس کرتا ہے۔ بیدل کی سرگزشت بتاتی ہے کہ وہ بھی آغاز شعور سے غیر شعوری طور پر ''ایک گوہر نایاب'' کے لئے اپنے دل میں ایک داعیہ محسوس کرتا تھا:

''فقیر بیدل را از آغاز بنای شعور بی امتیاز، نشاء عجز و غرور بر توجہ جناب نیرنگی بود و شوق نسبت آن حضور ہر نفس زدن بر حیرت آئینہ احوال می افزود و نمی دانست محرک سلسلہ نفس کیست و باعث اضطراب طبیعت چیست۔'' (۵۳)

خاکسار بیدل کو سادہ اور بے نقش شعور کی ابتدا ہی سے نشہ عجز و غرور جناب نیرنگی (خدائے تعالیٰ) کے دھیان گمان کا تھا اور اس حضور (الٰہی) کی نسبت کا شوق ہر آن آئینہ احوال کی حیرت میں اضافہ کرتا تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ سلسلہ نفس کا محرک کون ہے اور طبیعت کے اضطراب کا سبب کیا ہے۔

اس سلسلے میں وہ مزید لکھتا ہے کہ اس ''گوہر نایاب'' کے حصول کی جتنی کوشش کرتا کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا تھا۔ ایک غیر ارادی جذبے نے نہ صرف یہ کہ میرا امن و سکون درہم برہم کر دیا تھا بلکہ ایک زبردست کشمکش میں بھی مبتلا کر دیا تھا اگر ایک طرف بادل کی طرح بے حساب آنسو بہانا چاہتا تھا تو دوسری جانب اس راز کے اخفا کا پاس و لحاظ مجھے مجبور کر رہا تھا کہ اسے فاش نہ کروں۔ اس کشمکش کی حالت میں وہ دردسر کے بہانے اکثر احباب کی مجلس سے فرار حاصل کرتا اور عزلت و گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا تھا۔

گر ز درد عشق بوئی بردہ ای در صبر کوش   شوق را رسوا مکن از اشک گرم و آہ سرد

درد عشق کی اگر ذرہ برابر بھی کچھ بو تجھے ملی ہے تو صبر و ضبط سے کام لے۔ اشک گرم اور آہ سرد کا اظہار کر کے اپنے عشق کو رسوا مت کر۔

تا خون در جگر باقیست صرف رنگ کن   سوز دل چون شعلہ پُر بی پردہ است از روی زرد

جگر میں جب تک خوں کا ایک رمق بھی باقی ہے اسے رنگنے میں استعمال کر۔ چہرے کی زردی کی وجہ سے سوز دل شعلے کی طرح بے نقاب ہو جاتا ہے۔

سوختم از رشک آن شمعیکہ درعرض نیاز   پای تا سرداغ شد اما زبان پیدا نکرد

اس شمع کے رشک سے میں جل بھن کر خاکستر ہو گیا جو عرض نیاز کی خاطر سر سے پاؤں تک سراپا داغ بن گیا پر زبان سے کوئی شکوہ نہ کیا۔

پردہ قانون الفت پر نزاکت نغمہ است   تا نفس در شوخی آمد رفت معنی ہا نکرد

قانون الفت کا راگ نزاکتوں سے بھرا ایک نغمہ ہے جب تک سانس اپنی شوخی دکھائے معانی رخصت ہو چکے ہوتے ہیں۔

یہ جذبہ جیسے وہ ابتدائے شعور سے ہی اپنے اندر محسوس کرتا رہا اور شاہ کمال قادری، شاہ ملوک، شاہ یکہ آزاد، شاہ فاصل اور شاہ ابوالفیض معانی وغیرہ صوفیوں کی صحبت میں حاضری اور ان سے استفادہ کے باوجود لاینحل گرہ کی طرح لگ رہا تھا۔ ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء میں جب اڑیسہ کے پایہ تخت شہر کٹک پہونچا اور مرزا ظریف کی خدمت میں تفسیر کا درس پڑھ رہا تھا اس کی ملاقات شاہ قاسم ہواللّٰہی سے ہوئی اور ان سے پہلی ملاقات میں ہی بیدل کو وہ گوہر نایاب ہاتھ آ گیا۔ کہتا ہے:

''پوشیدہ مباد کہ این آگاہی انتظار غفلت با کثری از اہل جذبہ و سلوک رسید و در صحبت ہر یکی بہمان ضبط آداب و ستر حال می کوشید۔ غیر از طبع حق شہودش ہیچکس معمای این کیفیت نشگافت و جز مرآت غیب نمایش معنی این اسرار از دیگری منکشف نگشت۔'' (۵۴)

واضح رہے کہ اس سراپا غفلت اور علم و آگہی کے منتظر شخص (بیدل) کو اکثر اہل جذبہ و سلوک کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا اور ہر ایک کی صحبت میں آداب اطوار کے ضبط اور ستر حال کی کوشش کرتا رہا پر ان (شاہ قاسم) کے طبع حق شہود کے سوا کسی نے اس باطنی کیفیت کا معمہ حل نہیں کیا اور ان کے آئینہ غیب نما کے سوا کسی سے ان اسرار کے معانی بے نقاب نہ ہوئے۔

اڑیسہ میں اپنے تین سالہ قیام اور شاہ صاحب کی صحبت سے استفادہ کے دوران بیدل کو بہت سے حقائق و معارف کی جانکاری حاصل ہوئی۔ خود کہتا ہے۔

''بودیم آنچہ بودیم او وا نمود مارا''۔

[رہا جو کچھ بھی تھا پہلے، نکھارا اس نے ہے مجھ کو]

لیکن یہاں یہ دیکھنا ہے کہ عشق کے بابت ان کی خدمت میں اس نے کیا سیکھا عشق جیسا کہ اوپر لکھا گیا ''وحدت الوجود'' سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی کا مثبت پہلو ہے۔ پچھلے صفحات میں ہم نے پڑھا کہ حضرت ابوبکر شبلی کے مجموعہ رسائل کا مطالعہ کرتے وقت شاہ صاحب نے بیدل سے پوچھا کہ ان کا کونسا ملفوظ تمہیں پسند آیا؟ بیدل نے جواب دیا ''التصوف شرک لانہ صیانۃ القلب عن غیر ولا غیر''، تصوف شرک ہے کیونکہ وہ دل کو غیر اللہ سے محفوظ رکھنے کا نام ہے جبکہ غیر کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

دراصل ''جمال مطلق'' کے مشاہدے میں اس طرح کھو جانا یا نابود ہو جانا کہ غیر کا تصور بھی صفحہ ذہن پر نہ ابھرے اور دل میں اس کا خیال تک نہ آئے عشق و محبت کی انتہا ہے۔

پیوستگی بحق ز دوعالم بریدن است   دیدار دوست ہستی خود را ندیدن است
مائیم و پاسبانی خلوت سرای چشم   بیروں رو ای نگاہ کہ ایں خوابگاہ اوست
وصل حق بیدلی نظر بر بستن است از ماسوی   قرب شہ خواہی ز عالم چشم چوں شہباز بند
بیدل ازین چار سو عشوۂ دیگر مخر   غیر فنا ہیچ چیز نزد حق ارزندہ نیست

اس مقولہ کو لکھنے کے بعد بیدل نے اس موضوع پر ایک عمدہ غزل لکھی ہے۔

این قدر گرو ہم وظن، اعراض وجوہر ریختند   چشم واکن تاچہ صہبا از چہ ساغر ریختند

جو ہر وعرض اور وہم وظن کو اتنی کثرت سے دنیا میں اگر پھیلا دیا تو آنکھیں کھول کر دیکھو کہ کس ساغر سے کونسی شراب ان میں انڈیلی گئی ہے۔

حیرتی روداد دل اندیشہ آئینہ کرد   عقدہ ہادر شتہ ظاہر گشت وگوہر ریختند

دل کو حیرت واستعجاب سے سابقہ پڑا ہے اور قوت فکر یہ آئینہ بن گئی دھاگے میں گرہیں پڑ گئیں اور موتی بکھر گئے۔

یاس مطلب آتشی افروخت دوزخ برق زد   شوخی جہد عرق آورد کوثر ریختند

مطلب سے مایوسی نے آگ روشن کر دی تو دوزخ لہک اٹھی۔ جد و جہد کی شوخیوں نے پسینہ بہا دیا تو نہر کوثر جاری کر دیا۔

دیدہ مژگانہا کشودوساز پر وازی ندید   بیضہ بشکستند اما در قفس پر ریختند

آنکھوں نے پلکیں تو کھولیں پر پرواز کا ساز انہیں نظر نہیں آیا۔ انڈے تو توڑ ڈالے پر پنجرے ہی میں سارے پر گرا دیئے۔

نالہ بود آن سرو کز باغ جگر کردند طرح   اشک بود آن گوہر یکہ کز دیدہ تر ریختند

وہ سرو ایک آہ و نالہ تھا جس کو جگر کے باغ میں لگایا گیا وہ موتی آنسو تھا جس کو دیدہ تر یا اشکبار آنکھوں سے انہوں نے ٹپکایا۔

گفتگوی عشق شیرین کار بی تکرار بود   شیرہ این قند بیکاران مکرر ریختند

''عشق شیریں کار'' کی گفتگو ایسی نہ تھی کہ اس کا بار بار ذکر کیا جائے پھر بھی بیکاروں نے اس قند کا شیرہ بار بار گرایا۔

دم مزن از اصطلاح طوطیان این قفس   یعنی این شیرین نوایان سخت شکر ریختند

اس قفس کے طوطیوں کی اصطلاح (عشق) کا تم دعویٰ مت کرو (ہر کس و ناکس عشق کا دعویٰ نہیں کر سکتا) یعنی ان شیریں نواؤں نے حد درجہ شکر ریزی کی۔

اس غزل کے ہر شعر کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے پہلا، چھٹا اور ساتواں شعر تو خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ بیدل کے افکار و خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس کو دنیائے وہم وظن اور فلسفیانہ اصطلاح میں جہاں اعراض و جواہر، سے تعبیر کرتے ہیں بظاہر اس کے اندر زبردست اختلاف پایا جاتا ہے اور ''کثرت'' کی نمائندہ ہے لیکن اگر غور سے دیکھئے اور چشم باز سے اس کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سارے اعراض و جواہر اسی شراب عشق سے مست ہیں جو ایک ہی ساغر سے انڈیلی گئی ہے۔ وہ شراب ہے ''عشق الٰہی'' کی۔ اس بادۂ عشق الٰہی نے ساری چیزوں کو ایک کیف و سرور عطا کیا ہے اور ہر چیز زبان حال سے اسی شراب کی مستی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اس وقت تمام اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اس موضوع کو بیدل نے ''عشق شیریں کار'' کی گفتگو اور بحث کا نام دیا ہے جس سے شاید یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس موضوع میں اسے بے حد لطف آتا ہے اور مزہ ملتا ہے اور بار بار کے تکرار سے اس میں کہنگی اور فرسودگی نہیں پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے اندر سدا تازگی و طراوت اور شیرینی و حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ جو لوگ عشق کا دم بھرتے ہیں وہ بظاہر محبوب سے غیر معمولی تعلق کی وجہ سے دنیا میں بیکاروں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہوں پر اس قند کا شیرہ وہ بار بار ٹپکاتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ''قند عشق'' سے بڑھ کر کوئی چیز شیریں نہیں ہے جس کو بار بار تذکرہ کرنے کے سبب اس کی تازگی اور شیرینی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بیدل نے عشق کو ''اصطلاح طوطیان ایں قفس'' سے تعبیر کیا ہے اس سے پہلے بتایا گیا کہ طوطیان اس قفس سے اس کی مراد حضرات ابن عربیؒ، ابوبکر شبلیؒ، جنید بغدادیؒ، بایزید بسطامی، منصور حلاج، عطار اور رومی وغیرہ خداشناس اولیاء حضرات ہیں جنہوں نے وحدت الوجود اور عشق کی دلکش

نغمہ سرائی کی۔ ان کو ''شیریں نوا'' اور ان کی سخن سرائی کو شکر ریزی سے تعبیر کر کے ان کی اہمیت بھی واضح کی اور ان بزرگوں سے اپنی قلبی وابستگی کو بھی الم نشرح کیا ہے۔

اپنی ذہانت و فطانت اور غیر معمولی شاعرانہ لیاقت و صلاحیت کی بدولت بیدل نے اپنے عاشقانہ اور عارفانہ جذبات و احساسات کو انتہائی دلکش انداز میں کیا نثر میں اور کیا نظم میں بیان کیا ہے۔ غزلیات اور مثنویوں میں ایسے بہت سے اشعار نظر آتے ہیں جو اس کے لطیف عاشقانہ جذبات و احساسات کو نہایت وجد آفریں انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً

جلوہ اینجا ہر نفس جام دگر دارد بکف محرم کیفیت آں حسن بی تکرار باش

حسن کا جلوہ ہر لحہ ایک نیا جام ہاتھ میں لئے رہتا ہے اس ''حسن بے تکرار'' کی کیفیت کا محرم اور راز داں بنو۔

ساری کائنات اسے ''بادہ عشق'' سے مست و مخمور نظر آتی ہے۔ ذرہ بی مقدار سے لے کر آفتاب عالمتاب تک اور قطرہ ناچیز سے لے کر محیط بیکراں تک سب اسی شراب سے مست و مدہوش ہیں۔ تیسرے عنصر میں ''بہارستان جنوں'' کے نام سے بیدل نے ایک مقالہ سپرد قلم کیا اور سارا زور قلم اسی نکتے پر صرف کر دیا ہے اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

''کیست از فیض جنون مایہ ندارد اینجا خرد آں بہ کہ تکلف نگذارد اینجا

ایسا کون ہے دنیا میں جو ''جنون'' کے فیض سے بہرہ مند نہ ہو۔ عقل کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ خواہ مخواہ یہاں آنے کی زحمت گوارا نہ کرے۔

نقطہ در داغ وطن دارد و خط در زنجیر خامہ جز نسخہ سودا چہ نگارد اینجا

نقطے کا وطن داغ میں ہے اور خط کا زنجیر میں (پرکار کے ذریعہ نقطہ سے خط تیار ہوتا ہے)۔ نقطہ کے داغ میں مبتلا ہونے اور خط کے زنجیر میں گرفتار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب پریشان ہیں۔ قلم عشق و سودا کی بات کے سوا کیا لکھ سکتا ہے۔

چرخ یک حلقہ زنجیر و زمین یک گل داغ بیش ازین شخص تامل چہ شمارد اینجا

آسماں ایک حلقہ زنجیر ہے اور زمین ایک گل داغ ہے غور و فکر کرنے والا آدمی اس سے زیادہ کس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ آگے لکھتا ہے:

''اگر آفاق از سودائیان نیست طبیب دارالشفای مصلحت را روغن مہتاب بر اعضای امکان مالیدن دلیل چہ احتیاج است؟ و بادام کواکب در بنفشہ ای شب پروردن اصلاح اندیشی کدام مزاج؟ زمین را تا شور جنون از جا برندارد سایہ گل داغ بر سرش می گذارد؛ و آسمان را

تا ہوای بہار از خود نرباید سرگشتگی بہ حلقۂ زنجیرش راہ می گشاید۔ صبح دماغ مجنونی است بہ نسیم نفس آشفتہ؛ و شام اندیشۂ سودایی در طلسم سویدا خفتہ۔ سایہ از نسخۂ ہمواری داغ مسودۂ راحت العاشقین دارد، و آفتاب از سطر آواز زنجیر سلسلۃ الذہب شعاع می نگارد۔'' (۵۵)

''آفاق کا شمار اگر سودائیوں اور عاشقوں میں نہیں ہے تو دارالشفاء مصلحت کے طبیب کو عالم امکان (دنیا) کے اعضا پر روغن مہتاب ملنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ اور رات کے بنفشے میں بادام کواکب کی پرورش کرنے سے کس مزاج کی اصلاح مقصود ہے؟ زمین کو شور جنون جب تک اپنی جگہ سے بے جگہ نہیں کرتا سایہ گل اس کے سر کو داغدار کرتا ہے اور آسمان جب تک بہار کی ہوا کو اپنے سے دور نہیں کرتا سرگشتگی کو اس کی زنجیر کے حلقے تک راستہ مل جاتا ہے۔ کیونکہ صبح، مجنوں کا دماغ ہے جو باد نسیم کے جھونکوں سے آشفتہ ہے۔ اور شام، سودائی کی فکر ہے جو سویدا کے طلسم میں جل کر راکھ ہوتی ہے۔ سایہ، ہمواری دماغ کے نسخہ سے فرسودہ ہو کر راحت العاشقین کی کیفیت رکھتا ہے آفتاب، سلسلہ الذہب کی زنجیر کی آواز کی سطر سے کرنیں ڈالتا ہے۔''

غرضکہ عشق و جنوں نے ہر ایک مظہر طبیعت کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے اور اس شراب سے مخمور کر کے اس کو رواں دواں کر رکھا ہے۔

بہر سو حیرتی وا کردہ آغوش جہان در جیب مجنون می زند جوش

حیرت نے ہر طرف اپنی آغوش وا کر رکھی ہے دنیا گریباں میں محبوس ہے اور مجنوں جوش و خروش میں مگن ہے۔

دو عالم نیست غیر از یک جنون خند شگفتہاست مژگان بستنت چند

دونوں جہاں ایک جنون خند (مجنوں کی ایک مسکراہٹ) کے سوا کچھ نہیں ہے تیرا کچھ دیر تک آنکھیں بند کرنا در حقیقت اس کا کھلنا اور شگفتہ ہونا ہے۔

عشق کی کرشمہ سازیوں پر بیدل نے مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے بعض پسندیدہ اشعار ترجمہ کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

بی محبت زندگانی نیست جز ننگ عدم خاک کن بر فرق آن سازی کہ بی آہنگ اوست

عشق و محبت کے بغیر زندگی ننگ عدم کے سوا کچھ نہیں ہے اس ساز کی پیشانی پر خاک اڑاؤ جس میں اس کی آہنگ نہیں ہے۔

دل بذوق وعدۂ فرداست مغرور امل عشق گوید چشم وا کن فرصت ایں مقدار نیست

دل محبوب کے وعدہ فردا کے شوق میں امل (جھوٹی آرزوؤں) پر مغرور ہے عشق کہتا ہے آنکھ کھول کر دیکھو تمہیں اتنی بھی فرصت نہیں ہے۔

کیست دریں انجمن محرم عشق غیور … ما ہمہ بی غیرتیم آئینہ در کربلاست

عشق غیور کا محرم اس انجمن (دنیا) میں کون ہے۔ ہم سب تو جھوٹے دعویدار اور بے غیرت و بے شرم ہیں۔ آئینہ عشق تو کربلا میں ہے کہ کلمہ اللہ کو بلند کرنے کے لئے اپنی جانوں کی بازی لگادی پر باطل کے سامنے نہیں جھکے۔

یار در آغوش تست، ہرزہ بہر سومتاب … دیدہ بینا طلب، جلوہ نگہ پرور است

محبوب تو آغوش میں ہے ہر طرف بیہودہ مت دوڑو، ہاں آنکھ ایسی مانگو جو دیکھنے والی ہو جلوہ تو خود ہی نگاہ پرور ہے۔

در کیش عشق ساز رہائی ندامت است … افسوس طائریکہ بدام تو بال داشت

عشق کے مذہب میں رہائی کا ساز ندامت و شرمندگی ہے اس پرندے پر افسوس ہے جو تیرے دام میں پھنس کر بھی باز ور کھے۔

پاس اسرار محبت بہوس ناید راست … شمع بر قشقہ و زنار چہا سوختہ است

اسرار محبت کا پاس ولحاظ رکھنا ہوس کے بس کی بات نہیں ہے۔ شمع نے قشقہ اور زنار کو نذر آتش کہاں کیا ہے جس طرح پروانے کو کرتی ہے۔

گر عشق بنای کفر است بیدل … کسی جز کافر ایمانی ندارد

عشق اگر کفر کی اساس و بنیاد ٹھہرے تو کافر کے سوا کسی کے پاس ایمان نہیں ہے۔

در درسگاہ عشق دلائل جہالت است … طبعی بہم رساں کہ نباید کتاب دید

عشق کی درسگاہ میں دلائل کی بات کرنا جہالت کی بات ہے، ایسی طبیعت بناؤ کہ کتاب دیکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

حیات جاوداں خواہی گداز عشق پیدا کن … کہ دل درخوں شدن خاصیت آب بقا دارد

دائمی اور ابدی زندگی اگر مطلوب ہو تو گداز عشق پیدا کر کیونکہ راہ عشق میں دل کے خون ہونے میں آب بقا کی خصوصیت ہے۔

من و در خاک غلطیدن، تو و حالم نپرسیدن … بعاشق آنچناں زیبد، بہ دلدار این چنین باید

مجھ کو خاک میں الٹ پلٹ کرنے سے سابقہ ہے تجھ کو میری مزاج پرسی اور حال پرسی سے بے تعلقی ہے۔ عاشق کو ویسا ہی ہونا زیب دیتا ہے اور محبوب کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

کو جنوں عقدہ ہوش از سرما وا کند … وہم ہستی را سپند آتش سودا کند
فہم ناقص رمز قرآن محبت در نیافت … ورنہ یکسر نالہ دل بسم اللہ بود
حذر ز راہ محبت کہ پر خطر ناک است … تو مشت خار ضعیفی و شعلہ بیباک است
ہیچ کس بر معنی مکتوب شوق آگاہ نیست … ورنہ جای نامہ پیش یار ما را خواندن است
بی عشق محالست بود رونق ہستی … بی جلوہ خورشید جہاں نامہ سیاہست
حسن بی پردہ و من سر بگریبان خیال … اینکہ منع نگہم می کند ایمای دلست
دی من و دلدار ربط آب و گوہر داشتم … این زمان باید ز قاصد نام او پرسید و رفت
بی صبر بدل ماند و نہ حیرت بنظرہا … ای سیل دل و برق نظر اینچہ خرام است
بہر طرف نگرم درد دل پر افشانست … کدام سوختہ زین وادی خراب گذشت
ہر خار کہ دیدم مژہ اشک فشاں بود … حیرانم ازین دشت کدام آبلہ پا رفت
فردوس دل اسیر خیال تو بودن است … عید نگاہ چشم برویت کشودن است
ہوس تسخیر معشوقان بازاری مشو بیدل … کسی تا کی پی این وحشیان رام بردارد
تو و تمکین و تغافل، من و بی صبری درد … نہ ترا یاد مروت نہ مرا دل بخشند
در بزم عشق علم چہ و معرفت کدام … تا عقل گفتہ ایم جنوں می درد نقاب
ای دل دیوانہ کارت باغم عشق اوفتاد … در چہ مزرع کشت ذوق سینہ چاکی دانہ ات
بی ذوق ہنر دارم و نی محو کمالم … مجنون توام دانش و فرہنگ من اینست
با عقل چہ جوشیم کہ جز وہم ندارد … از عشق چہ لافیم کہ بیش از ہوسی نیست
غافل ز شکست دل عاشق نتواں بود … معموری امکاں بہمین خانہ خرابست
توفیق رسا عشق است ما را چہ توانائیست … یازیدن ہر دستی از قوت بازوئیست
دل و دانش ہمہ در عشق بتاں باید باخت … خویش را بیدل دیوانہ لقب باید کرد

ایک پوری غزل عشق سے وابستہ ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

غمم، دردم، سرشکم، نالہ ام، خون دلم، داغم … نمی دانم عرض گل کردہ ام یا جوہر عشقم

رنج و غم ہوں، درد و الم ہوں، اشک و سرشک ہوں، آہ و نالہ ہوں، خون دل یا داغ جگر ہوں کچھ پتہ نہیں عرض ہوں یا جوہر عشق، ہوں۔

بہ صد گردوں تسلسل بست دور ساغر عشقم … کہ گردانید یارب ایں قدر گرد سر عشقم

میرے ساغر عشق کے دور نے سیکڑوں آسمان سے ہمارا سلسلہ قائم کردیا۔ میرے سر عشق کے

اردگرد، خدایا! کس نے اس قدر گردشوں کا سلسلہ قائم کردیا۔

نہ دنیا عبرت آموزم، نہ عقبیٰ حسرت اندوزم　　بہ ہیچ آتش نمی سوزم، سپند مجمر عشقم

نہ ایسی دنیا ہوں جس سے درس عبرت لوں، نہ ایسی عقبیٰ ہوں جس میں حسرتیں اٹھاؤں۔ میں مجمر عشق کا سپند ہوں، کسی آگ سے جل نہیں سکتا۔

بہ صیقل کم نمی گردد غرور زنگ خود بینی　　مگر آئینہ برنگی زند روشنگر عشقم

خود بینی کے زنگ کا غرور صیقل سے کم نہیں ہوتا ہے شاید میرا روشن گر عشق آئینے کو پتھر سے ٹکرا دے یا اس پردے مارے۔

عنان بگسست عمر و من ہماں خاک درش ماندم　　نشد این بادبان آخر حریف لنگر عشقم

زندگی کی باگ ٹوٹ گئی اور میں ہنوز اس کے آستانے کی خاک بنا ہوا ہوں، یہ بادبان کشتی آخر میرے لنگر عشق کا حریف نہ بنی۔

گہی صلحم، گہی جنگم، گہی مینا، گہی سنگم　　دو عالم گردش رنگم جنون ساغر عشقم

کبھی صلح، کبھی جنگ، کبھی مینا اور کبھی سنگ بنا رہتا ہوں دو جہاں گردش رنگ ہوں ساغر عشق کا جنون ہوں۔

ایک رباعی میں کہتا ہے:

گر ذرہ شوقی بہ خیال است تو را　　صد عمر ابد در تہ بال است تو را
بی عشق اگر آفتاب خواہی گشتن　　ہشدار کہ عاقبت زوال است تو را

اگر ذرہ برابر بھی شوق و ذوق تیرے صفحہ خیال پر ہے تو ابدی زندگی تجھے حاصل ہے، عشق کے بغیر اگر آفتاب بنا چاہو تو دھیان رہے کہ انجام کار تیرا زوال ہوگا۔

دل میں عشق الٰہی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے تین عوامل کمال و جمال اور نوال کا احساس ضروری ہے۔ بیدل نے اپنے کلام میں ان تینوں محرکات کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے اور خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طرح کی ہے کہ اس کی بنا پر بعض غزلوں کو "حمد الٰہی" کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔ بیدل کی حمدیہ غزلوں کا ایک بہترین نمونہ ملاحظہ ہو، جس کو پڑھتے وقت راقم السطور کے دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی درج ذیل ہے۔

ای داغ کمال تو عیانہا و نہانہا　　معنی بنفس محو و عبارت بزبانہا

اے وہ ہستی کہ ساری ظاہر و باطن عیاں و نہاں چیزیں تیرے کمال قدرت کی نشانیاں ہیں معنی سانس میں محو ہے اور عبارت زبان میں۔

اس غزل میں خدا کی قدرت کو موضوع بنا کر کہتا ہے کہ ساری موجودات دو نوعیت کی ہیں عیاں اور نہاں یا ظاہر و باطن یا شہود و غیب اور پھر کہتا ہے یا الٰہی! تمام دنیا کی عیاں و نہاں اور ظاہر و باطن چیزیں تیرے کمال قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں حتیٰ کہ تیرے کمالات کے سامنے معنیٰ اور عبارت کا دامن اتنا تنگ ہے کہ ان کا بیان اس میں نہیں سما سکتا قرآن کہتا ہے قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی۔ کہہ دیجئے اگر سمندر اپنے رب کی باتوں کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے سمندر خشک ہو جائے۔

اشعار ملاحظہ۔

خلقی بہوای طلب گوہر وصلت　　بگسستہ چو تار نفس موج عنانہا

مخلوق کے ایک طبقے نے تیرے گوہر وصل کی طلب و جستجو کی خواہش میں تار نفس کی طرح اپنے باگ توڑ ڈالے ہیں۔

بس دیدہ کہ شد خاک و نشد محرم دیدار　　آئینہ ما نیز غباریست از آنہا

جانے کتنی آنکھیں خاک میں روپوش ہوگئیں پر تیرے دیدار کی محرم نہ ہو سکیں ہمارا آئینہ دل بھی ایسے ہی لوگوں کی گرد و غبار ہے۔

تادم زند از خرمی گلشن صنعت　　حسن از خط نوخیز بر آوردہ زبانہا

اس مقصد سے کہ تیری قدرت کے باغ کی شادابی کا دم بھرے حسن نے ایک نوخیز خط سے اپنی زبان باہر نکالی۔

دریاد تو ہوئی زد و بر ساغر دل ریخت　　درد نفس سوختہ سرخوش فغانہا

میرے نفس سوختہ کے درد نے جو آہ و فغاں میں مست ہے تیری یاد میں ایک آہ بھری اور ساغر دل میں اسے انڈیل دیا۔

آنجا کہ بسجود تو دہد بال خمیدن　　چون تیر توان جست بہ پرواز کمانہا

جہاں تیرا سجدہ بازو کو جھکنے کا حکم دیتا یا بازو کو جھکاتا ہے کمانوں میں بھی تیر کی طرح پرواز کی سکت پیدا ہو سکتی ہے۔

طوفان غبار عدمیم آب بقا کو　　دریا بمیان محو شد از جوش کرانہا

ہم "غبار عدم" کے طوفان ہیں (ہم تو نیست و نابود ہونے والے ہیں) آب حیات کہاں ہے؟ دریا ساحل کے جوش و ابال سے بیچ میں محو ہو کر رہ گیا۔

پیدا ست بمیدان ثنایت چہ شتابد　　دامن ز شق خامہ شکست بیانہا

ظاہر ہے تیری حمد وثنا کے میدان میں قوت بیان کیا دوڑ لگائے گی کیونکہ بیان کا دامن قلم کی شگاف کی وجہ سے تارتار ہو چکا ہے۔

تا ہمچو شرر بال کشودم بہوایت　　وسعت ز مکان گم شد وفرصت ز زمانہا

جب سے تیری محبت میں چنگاری کی طرح میں نے اپنے بازو پھیلائے ہیں مکان سے وسعت اور زمان سے فرصت رخصت ہو چکی ہے۔

بیدل کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خدا سے غیر معمولی تعلق تھا۔

نہ ذوق ہنر دارم و نی محو کمالم　　مجنون توام دانش وفرہنگ من اینست

ہر حرف کہ آمد بلبم نام تو باشد　　از نسخہ ہستی سبق یاد من اینست

ہر کس بقدر ہمت خود ناز می کند　　بیدل غم نو دارد اگر خواجہ مال داشت

اور جمال کے بابت کہتا ہے۔

ای گرد تگاپوی سراغ تو نشانہا　　و اماندۂ اندیشہ راہ تو گمانہا

حیرت نگۂ شوخی حسن تو نظرہا　　خامش نفس عرض ثنای تو زبانہا

در کنہ تو آگاہ وغفلت ہمہ معذور　　دریا ز میان غافل و ساحل زکرانہا

آن کیست شود محرم اظہار وخفایت　　آیینہ خویشند عیان ہا و نہانہا

ہر سبزہ درین دشت شد انگشت شہادت　　تا از گل خود روی تو دادند نشانہا

جز نالہ ببازار تو دیگر چہ فروشیم　　اینست متاع جگر خستہ دکانہا

(بیدل) رہ حمد از تو بصد مرحلہ دوراست　　خاموش کہ آوارۂ وہم اند بیانہا

ای آئینہ حسن تمنای تو جانہا　　اوراق گلستان ثنای تو زبانہا

اے وہ ہستی کہ ہماری جانیں تیرے حسن تمنا کی آئینہ دار ہیں اور ہماری زبانیں تیرے باغ حمد وثنا کے اوراق میں۔

بی زمزمہ حمد تو قانون جہان را　　افسردگی چون رگ تارست بیانہا

دنیا کے باجے سے اگر تیری حمد وثنا کے نغمے نہ بلند ہوتے تو سمجھنا چاہئے کہ رگ تار کی طرح اس کے بیان میں افسردگی اور جمود ہے۔

از حسرت گلزار تمنای تو آبست　　چوں شبنم گل آئینہ در آئینہ دانہا

تیرے گلزار تمنا کی حسرت میں آئینہ شبنم گل کی طرح اپنے آئینہ خانے میں پانی پانی ہو رہا ہے۔

بیتاب وصالست دل اما چہ تواں کرد　　چشم است براہت گرہ رشتہ جانہا

دل تیرے وصال کے شوق میں بیقرار ہے پر کیا کیا جائے کہ آنکھیں تیری راہ میں ہماری جانوں کے لئے گرہ رشتہ ثابت ہوئی ہیں (رشتہ پاؤں کا ایک زخم ہے جس سے تاگے کے مانند ایک باریک جاندار کیڑا نکلتا ہے۔)

آنجا کہ بود جلوہ گہ حسن جمالت　　چون آئینہ محو شد یقینہای گمانہا

جہاں تیرے حسن وجمال کی جلوہ گاہ ہے وہاں گمان آئینے کی طرح یقین میں محو ہو جاتے ہیں۔

از مرحمت عام تو در کوی اجابت　　گم گشتہ اثرہا بتگاپوی فغانہا

اجابت کی گلی کوچوں میں تیری عام عنایتوں اور مہربانیوں کی بدولت آہ وفغاں کے تگ ودو سے اثر جاتا رہا۔

در چارسوی دہر گذر کرد خیالم　　لبریز شد از حیرت آئینہ دکانہا

میرے خیال کی گذر زمانے کی چاروں سمتوں میں ہوئی ساری دکانیں ''حیرت آئینہ'' سے لبریز نظر آئیں۔

در پردہ دل غیر خیالت چہ تواں کرد　　جولانکدہ پرتو ما ہند کتانہا

پردہ دل پر بھی تیرے سوا کس کا خیال آسکتا ہے چاند کے عکسوں کی جولانگاہ تو کتان ہی ہوتا ہے (کتان ایک ریشمی کپڑا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ چاندنی رات میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے)۔

بہر نظارہ حسنش شوخی رنگ دگر دارد　　تصور چون توان کردن جمال بی مثالی را

حسن حقیقت روبرو، سعی فضول آیینہ جو　　بیدل چہ پردازد بگو ای یافتن ناجستنت

اور آخر میں عشق سے اپنی وابستگی کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

جہان وبصد رنگ شغل مایل، من وہمین طرز شوق بیدل　　تصورت سال وماہ در دل، ترنمت صبح وشام برلب

عقل گو تا جمع سازد خاطر اجزای ما　　عشق مشت خاک ما را سر بصحرا دادہ است

یارب مکن بہ یار دگر امتحان ما　　برداشتیم پیش تو دست دعا بس است

⭘⭘⭘

صلح کل

بیا زاہد طریق صلح کل ہم عالمی دارد   تو و تسبیح ما و می کشی، ہرکاری و مردی

اے زاہدو! ''صلح کل'' کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے تجھ کو تسبیح سے اور ہم کو شراب سے واسطہ ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر کام کے لئے الگ الگ آدمی ہوتے ہیں۔

''صلح کل'' تصوف کا ایک اہم موضوع ہے۔ جس پر خصوصیت سے وحدت الوجودی صوفیہ بہت زور دیتے ہیں۔ صلح کل کا مطلب ہے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر اور پورے امن و آشتی کے ساتھ زندگی گذارنا اور مذہب و مسلک، نسل، زبان رنگ اور علاقہ وغیرہ کی بنیاد پر کسی سے عداوت و دشمنی، تعصب و تنگ نظری، نفرت و بدبینی کے جذبات نہ رکھنا جسے آج کی اصطلاح میں پر امن بقائے باہم Peaceful Coexistance سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسانیت کو تباہ کرنے والی پہلی اور دوسری عالمی خونیں جنگوں کے بعد دنیا کے سیاسی قائدین کے ذہن میں پر امن بقائے باہم کے سنہرے اصول کا خیال آیا۔ اسی زمانے سے وہ اس اصول کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم ہوگئے اور اس کی کوشش جاری رکھی تا آنکہ ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کی شکل میں اس خیال نے عملی جامہ پہنا جو درحقیقت جیو اور جینے دو کے اصول پر مبنی تھا۔ یہ پالیسی دوسرے ملکوں کی منطقائی بالادستی اور اتحاد و یگانگت کے احترام اور انکے داخلی امور میں عدم مداخلت کے اصول پر قائم تھی۔

لیکن صوفیاء بہت پہلے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کے قائل تھے۔ یہ لوگ خود کو جہاں انسانیت کا خدمتگار کہتے ہیں انسان دوستی اور انسانی ہمدردی ان کا اصول ہے۔ یہ مسئلہ مختلف نقطہ ہای نظر سے غور طلب ہے پہلے بیدل کا مقولہ اور اس کے دلائل یہاں بیان کئے جاتے ہیں:

''عالمی بوضع خود خرسنداست، از اجتناب نادانی مخل اوقات کس مباش۔ و جہانی سرگرم آتش سوداست، بوعظ دم سردی آب تکلف مپاش۔ اگر نفست اثری دارد، صرف ارشاد خود بکن تا پیش مردم ہرزہ درا نباشی۔ و اگر ناخن رساست، بکشاد عقدہ خود پرداز تا جراحت دیگران نتراشی۔ پیداست کہ ناقص طینت را از ورق گردانی لیالی و ایام تحصیل معانی کمال محال

است۔ یعنی ہلال ابرو در صد سال ماہ نتواند گردید۔ و کودن طبیعت را بگردش ساغر ادوار حصول نشاء بزرگی دشوار، کہ طفل اشک در ہزار قرن بہ پیری نخواہد رسید۔'' (۵۶)

دنیا اپنی حالت پر مطمئن ہے ناسمجھی سے کام لے کر کسی کے اوقات میں خلل مت ڈالو۔ اور وہ اپنے خیال میں مست اور اپنے کام کا خبط اس پر سوار ہے، اپنی خشک پند و نصیحت کر کے اس پر تکلف کا چھڑکاؤ مت کرو۔ تیرے سانس میں اگر کوئی اثر ہے تو خود آپ اپنی ذات کے ارشاد و ہدایت پر اسے صرف کر، تاکہ لوگوں کی نگاہ میں تو بیہودہ گو نہ کہلائے اور اگر تیرے ناخن میں کوئی صلاحیت ہے تو خود اپنی گرہ کھولنے میں اسے لگا تاکہ دوسروں کو زخمی نہ کرے۔ ظاہر ہے جن کی طبیعت کی خمیر ہی ناقص واقع ہوئی ہے رات دن کی ورق گردانی سے ان کو کمال حاصل کرنا محال ہے یعنی ہلال ابرو سو سال گذرنے پر بھی چاند نہیں بن سکتا اور جس کی طبیعت کودن اور سست واقع ہوئی اور وہ کند ذہن ہے ان کو ساغر زمانہ کی گردش سے بزرگی حاصل ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ طفل اشک صدیاں گذرنے کے بعد بھی بڑھاپے کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ تھی سب سے بڑی دلیل جو ''صلح کل'' کے جواز کے لئے پیش کی جاسکتی ہے۔ ''صلح کل'' کے مسئلے کو، جس طرح بیدل نے وضاحت کی ہے اسے اسی طرح فرض کریں تو انبیاء کی بعثت خدا کے احکام کی بالادستی قائم کرنے کے لئے کافروں اور مخالفین سے ان کا جہاد اور آسمانی کتابوں کا نزول سب مہمل اور بے معنی ٹھہرتا ہے کیونکہ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگ اپنی دینی سماجی اور اخلاقی حالت پر مطمئن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ کی بعثت اسلام کی اشاعت اور توحید و رسالت کی تبلیغ ان کے معاملے میں آخر دخل اندازی اور مداخلت کے سوا کیا چیز تھی؟

راقم السطور کے خیال میں مذہبی احکام دو نوعیت کے ہیں پہلی قسم ان امور سے وابستہ ہے جن کو انجام دینے کا حکم ہے اور دوسری قسم ان امور سے وابستہ ہے جن سے بچنے کا حکم ہے۔ اور ان دونوں قسم کے احکام سے مقصود صرف یہی نہیں ہے کہ لوگ اوامر کے پابند ہوں یہ بھی ہے کہ فساد و بدامنی کی روک تھام کے لئے خود بھی برائی سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ ایک طرف نیک اور پاکباز لوگوں کی تعریف کی جائے تو دوسری طرف بروں کی تنقیص و تنقید کی جائے ان کو سزائیں دی جائیں تاکہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائیں جس سے معاشرہ میں فساد و بدامنی نہ پھیلے جبکہ ''صلح کل'' کی سیاست ان امور کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے۔

مشہور تاجکی ادیب صدرالدین عینی نے اپنی کتاب ''مرزا عبدالقادر بیدل'' میں بیدل کی زندگی کو چند ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ اس کے چوتھے دور کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"یہ وہ دور ہے جب بیدل کو ہندوستان کے قدیم فلسفہ سے آشنائی حاصل ہوئی اور اسے اسلامی تصوف سے ملایا اور ایک بیچ کی راہ اختیار کی جس سے مراد وہ تلاش ہے جو اس ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مساوات و برابری کے سلسلے میں اس نے کی ہے۔(۵۷)

صدرالدین کی تعریف کی بنا پر یہ دور گویا "صلح کل" کے نظریہ سے وابستگی کا ہے حالانکہ اس مسلک کو اس نے بچپن ہی میں شاہ ملوک کی خدمت میں اپنایا تھا پھر صوفیہ کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اور راسخ ہو گیا۔ اسی مساوات بین کفر و اسلام کا مسئلہ خود فریدالدین عطار نے بھی چھیڑا ہے جبکہ وہاں ایران میں خصوصاً عطار کے عہد میں نیشاپور میں ہندو مسلم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

درحقیقت بیدل خود کو صوفیہ کے اس زمرے میں شمار کرتا ہے جن کا سارا دین و ایمان عشق ہے اس کا کہنا ہے کہ جو آدمی بادہ عشق سے مست ہوتا ہے وہ کافر و مسلم کے درمیان تمیز نہیں کرتا ہے۔

محو عشق از کفر و ایماں فارغست   خانہ حیرت تماشا می کند

بغیر عشق ندانیم ہیچ آئینی   گزیدہ ایم چو پروانہ سوختن مذہب

عشق کے سوا کوئی اور بھی دین دھرم ہے میں نہیں جانتا۔ میں نے تو پروانے کی طرح عشق کی آگ میں جلنے کو ہی اپنا مذہب قرار دیا ہے۔

در خرابات شوق، ملت و کیش   نشۂ واحدیست طالب خویش

غیر محبت دگر دیں چہ و آئین کدام   مست چو پروانہ باش سوختن ایماں کیست

شیوہ محبت کے سوا کیسا دین کہاں کا ایمان۔ پروانے کی طرح مست رہو۔ جلنا کس کا ایمان ہے۔

اس عشق کی مزید وضاحت ڈاکٹر بہرام طوسی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

بی طاقت شوقیم و چنیں داغ سجود است   بت خانہ دریں راہ چہ و کعبہ کدام است

ہم شوق کے ہاتھوں اپنی توانائی کھو چکے ہیں اور جبیں داغ سجود ہے۔ اس راستے میں بت خانہ اور کعبے کی تمیز نہیں رہ گئی ہے:

"براساس استنباط صوفیان و عارفان از مفاہیم ادیان الٰہی، ہمہ موجودات مظہر و نشانہ ہای او ہستند پس باید ہمہ کس و ہمہ چیز را دوست داشت و بہ آں عشق ورزید و احترام کرد و از تخریب محیط زیست و جنگل و درخت و آسیب بدیگراں خودداری کرد کہ بہ عشق او لطمہ وارد نباید" (۵۸)

ادیان الٰہی سے مجموعی طور پر حضرات صوفیہ نے جو کچھ استنباط کیا اس کی اساس پر تمام موجودات اور مظاہر اس کی قدرت کی نشانی ہیں لہذا ہر آدمی اور ہر چیز سے عشق و محبت رکھنی اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا چاہئے۔ زندگی، جنگل، درخت کے ماحول کی بربادی کی اور دوسروں کی ایذا رسانی سے بچنا چاہئے جس سے عشق کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

بیدل سے پہلے وحدت الوجودی طبقے کے سرخیل حضرت محی الدین بن عربی نے بھی کہا ہے۔

ادین بدین الحب کیف توجہت   رکائبہ فالحب دینی و ایمانی

میں نے عشق و محبت کو اپنا دین دھرم بنایا اس کی سواری چاہے جدھر کا رخ کرے۔ بس عشق ہی میرا دین و ایمان ہے۔

۱۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

مذہب عاشق ز مذہبہا جداست   عاشقانرا مذہب و ملت خداست

ملت "عشق" سارے مذاہب سے الگ ہے عاشقوں کا سارا دین و ایمان بس خدا ہے۔

ہرچہ گوید مرد عاشق بوی عشق   از دہانش می جہد در کوی عشق

عاشق اپنی زبان سے جو کچھ اظہار کرتا ہے کوی عشق میں اس کے منہ سے عشق کی بو ہی پھیلتی ہے۔

ور بگوید کفر، دارد بوی دیں   ور بشک گوید شکش گردد یقیں

اگر کفر کے کلمات نکالے تو اس میں دین کی بو ہوتی ہے اور اگر شک کا اظہار کرے تو اس کا شک یقین ہوتا ہے۔

گر بگوید کژ، نماید راستی   ای کژی کہ راست را آراستی

اگر اس کی گفتگو میں کجی نظر آئے تو بھی وہ سچ ہوتا ہے کیا کہنے اس کجی کے جن نے سچ کو سنوارا۔(۵۹)

۲۔ عطار کہتے ہیں:

ہر کرا در عشق شد محکم قدم   بر گذشت از کفر و از اسلام ہم

جس کا قدم عشق کی راہ میں مضبوط اور استوار ہوتا ہے وہ کفر و اسلام کے دائرے سے باہر نکل آتا ہے۔

عشق را با کفر و با ایمان چہ کار   عاشقانرا با تن و با جاں چہ کار

عشق کو کفر و ایمان سے کیا واسطہ؟ عاشقوں کو تن و جان سے کیا تعلق؟

۳۔ سعدی کہتے ہیں۔

بجہاں خرم ازانم کہ جہاں خرم ازوست   عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست

میں دنیا سے اس لئے خوش اور مطمئن ہوں کہ ساری دنیا اس سے خوش ہے میں ساری دنیا کا عاشق ہوں کیونکہ ساری دنیا اس کی ہے یا اسی سے ہے۔

حافظ کہتے ہیں۔[44]

کمتر از ذرہ نہ ای پست شو، عشق بورز　　تا بہ خلو تگہ خورشید رسی چرخ زناں

تم ذرہ سے گئے گذرے نہیں ہو پست ہو جاؤ اور شیوہ عشق اختیار کرو تا کہ خورشید خلوتگاہ تک تمہاری رسائی ہو جائے۔

عرضہ کردم دو جہاں بر دل کار افتادہ　　بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

میں نے ایک تجربہ کار آدمی کے سامنے دونوں جہاں کو پیش کیا تو عشق کے سوا ساری چیزوں کو اس نے فانی قرار دیا۔

بیدل کا پورا دیوان جیسا کہ گذرا اسی قسم کے عاشقانہ اشعار سے بھرا پڑا ہے۔

اسی طرح بشر دوستی کے بارے میں جس کی ضرورت اور اہمیت اس وقت ہر زمانے سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے کیونکہ فوجی و معاشی بالادستی کی دوڑ اور تہذیبوں کے باہمی کے ٹکراؤ کے نتیجے میں بے انتہا معصوم جانیں تلف ہو رہی ہیں، بیدل کہتا ہے

لطفی، امدادی، نیازی، خدمتی　　ای زمعنیٰ غافل! آدم شو بایں مقدارہا

اے انسانیت اور آدمیت کے مفہوم سے بے خبر لوگو! انسان بننا ہو تو تمہارے اندر لطف و مہربانی، امداد و دستگیری ارادت و نیازمندی اور خدمت خلق کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بیدل سے پہلے سعدی و حافظ بھی کہہ گئے ہیں۔

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل ببار آرد　　نہال دشمنی بر کن کہ رنج بی شمار آرد

بنی آدم اعضاء یکدیگر اند　　کہ در آفرینش ز یک گوہر اند

بیدل نے اپنے دیوان غزلیات اور مثنویوں میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

''صلح کل'' کا مفہوم جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، تمام اہل علم و اہل مذاہب کا ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا اور مذہب و مسلک، ذات پات، نسل و نژاد اور علاقہ و خطہ کی بنیاد پر کسی کے ساتھ بھید بھاؤ نہ کرنا ہے اس کا سر چشمہ درحقیقت یہی عشق الٰہی اور بشر دوستی ہے جیسا کہ مولانا روم اور عطار کے اشعار سے واضح ہوا۔ عشق تو کفر و اسلام، دیر و کعبہ اور تاریکی و روشنی میں فرق نہیں کرتا اور سب کے ساتھ ایک ہی قسم کا برتاؤ کرتا ہے۔ خسرو نے اپنے شعر میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

خسروا! گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام　　با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام

اے خسرو! اگر تمہیں منزل مقصود تک رسائی منظور ہے تو خاص و عام سب کے ساتھ صلح و آشتی کا معاملہ کرو۔ مسلمانوں کے ساتھ رہو تو اللہ اللہ کرو اور برہمن کے ساتھ رہو رام رام کرو۔

بیدل کہتا ہے،

بیا زاہد طریق ''صلح کل'' ہم عالمی دارد　　تو و تسبیح، ما و می کشی، ہر کاری و مردی

اے زاہد! ''صلح کل'' کا اصول اپنی جداگانہ شان کا حامل ہے تجھ کو تسبیح سے اور ہم کو می کشی سے سروکار ہے۔ ہر کام کیلئے الگ الگ آدمی ہوتا ہے۔

زین تفنگ و تیر و پرخاشی کہ دارد جہل خلق　　نیست ممکن تا نیارد درمیاں شمشیر صلح

مخلوق جو اپنی نادانی سے باہمی پرخاش و نزاع کا تیر و تفنگ چلاتی ہے اس کا سلسلہ تب تک نہیں ختم ہو سکتا جب تک صلح کی تلوار بیچ میں نہ چلائی جائے۔

اور جام سے سبق لیتا ہوا مثنوی محیط اعظم میں کہتا ہے۔

بعیب و ہنر چشم نا دوختہ　　چراغی ز ''صلح کل'' افروختہ

کسی کے عیب و ہنر سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے اس نے ''صلح کل'' کا چراغ روشن کر رکھا ہے۔

بیدل کہتا ہے کہ جام کو شرابیوں کے عیب و ہنر سے کوئی سروکار نہیں، اس نے مذہب و ملت اور ذات برادری کی تفریق کے بغیر ہر ایک کو اپنی ذات سے بہرہ یابی کا موقع فراہم کیا اور ''صلح کل'' کا اصول اپنا رکھا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ معاشرہ کے مختلف طبقے اور مختلف مذاہب کے لوگوں سے جن میں ہندو شاعروں کی بھی خاصی تعداد تھی رابطہ قائم ہونے کے بعد بیدل نے آزادہ روی اور وسیع المشربی اور صلح کل کی روش اپنائی چنانچہ تاجیکی مصنف صدرالدین کا بھی یہی خیال ہے۔ وسیع المشربی کا مطلب اس کے نزدیک شاید مذاہب کے ظاہری رسوم و قیود سے آزادی ہے۔ چنانچہ کہتا ہے

در مشرب زن و از قید مذاہب بگریز　　عافیت نیست در آں بزم کہ سازش جنگ است

مشرب (وسیع مشربی) کے دروازے پر دستک دو اور مذاہب کی قید و بند سے آزاد ہو جاؤ اس بزم میں سکون و آرام نہیں جس کی خمیر اور ساخت جنگ سے ہو۔

وا رستہ تعلق زنار و سبحہ ایم　　نیرنگ ایں دو ریشہ ندوزند قبای ما

میں جنیو اور تسبیح دونوں کی پابندیوں سے آزاد واقع ہوا ہوں۔ ان دو ریشوں کی نیرنگیاں میرے قبا کو نہیں سیتی ہیں۔

اسی طرح زہد و تقویٰ کا جو اس نے اپنے کاندھوں سے اتار کر سینہ صافی پر قناعت کیا۔

زاہدی نمی دانم تقوی ای نمی خواہم　　سینہ صافی دارم نذر درد نوشیہا

زاہدی کیا چیز ہے میں نہیں جانتا اور تقویٰ کیا چیز ہے مجھے نہیں معلوم، ہاں میرا سینہ ہر قسم کی

باطنی بیماریوں سے صاف ہے جو دردنوشی کی نذر ہے۔

اور آزادمنشی کا اصول اسے اسی قدر محبوب تھا کہ کہتا ہے۔

سازمن آزادگی، آہنگ من آوارگی — از تعلق تار نتوان بست قانون مرا

میرا ساز آزادگی ہے اور میری آہنگ آوارگی ہے۔ میرے نغمے کو کسی خاص تعلق کے تارے باندھا نہیں جاسکتا ہے۔

غالباً غالب نے یہیں سے یہ مفہوم اخذ کیا ہے۔

آزادہ رہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

از غبار ہر دو عالم پاک بیروں جستہ است — بیدل آوارہ یعنی خانہ ویران شما

بیدل آوارہ یعنی تمہارا خانماں برباد دونوں جہاں کی گرد وغبار کے دائرے سے صاف نکل آیا ہے۔

بہ پستی نیز معراج است اگر آزادہ ای بیدل — صدای آب شو ساز ترقی کن تنزل را

بیدل اگر تم آزادہ رہو تو پستی میں بھی تمہیں معراج حاصل ہے پانی کی صدا بن جاؤ اور تنزل کو ترقی کا ساز بناؤ۔

ماسبکر وحان ز قید ششدرتن فارغیم — مہرہ آزادہ دل دارد بساط نردما

ہم سبک جان کسی جسم کے شش در (چھ دروازے کا مکان) کی قید و بند سے آزاد ہیں۔ ہمارے شطرنج کی بساط پر آزاد مزاج دل کا مہرہ ہے۔

از حوادث نیست کاہش طینت آزادرا — زحمت سودن نہ بیند تا گہرمی دارد آب

آزادمنش آدمی پر حوادث کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ اس سے اس کی شخصیت پر آنچ نہیں آتی، موتی میں جب تک چمک دمک رہتی ہے اسے گھسنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی ہے۔

تو شخص آزاد پر فشانی — قیامت است اینکہ غنچہ مانی

فسرد خود داریت برنگی — کہ سنگ کردی شرار خود را

بیدل تم تو تگ ودو کرنے والے ایک آزادمنش آدمی ہو اگر تم غنچہ کی طرح بستہ اور دل گرفتہ اور خاموش رہو گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ تیری خودداری اس انداز سے جمود ورکود کا شکار ہوگئی کہ اپنی چنگاری کو تم نے پتھر بنادیا۔

بسکہ ما آزادگاں را از تعلق وحشت است — عکس ماچون آب داند قعر چاہ آئینہ را

ہم آزادمنش لوگوں کو تعلق کے نام سے بے انتہا وحشت ہوتی ہے کنوئیں کی گہرائی ہمارے عکس کو آئینے میں آب جیسی لگتی ہے۔

ان تعصب جاہلان دین ہدی را دشمن اند — عاقبت در جنگ این کوران عصا خواہد شکست

بی کشمکشی نیست چہ دنیا و چہ عقبی — آہ از دل آزاد کہ خود را بکجا بست

یہ تمام اشعار اس کی آزادمنشی اور آزادہ روی کی تائید کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے بیدل جیسا آزاد منش شاعر اورنگ زیب جیسے متقشف اور پابند شریعت بادشاہ کے عہد میں زندگی بسر کرتا تھا اور وہ بھی دارالسلطنت دہلی میں۔

نقطہ نظر کے اس اختلاف کی اساس پر اس کے دیوان میں ایسے بہت سے اشعار ملتے ہیں جس میں اس نے اورنگ زیب کی مذہبی سیاست پر کھل کر تنقید کی ہے۔ اس نے لمبی ڈاڑھیوں، بڑی بڑی پگڑیوں اور جبہ وقبا کو جن کو اس زمانے میں بزرگی کی علامت تصور کیا جاتا تھا اور لوگ اعلیٰ سرکاری مناصب کے حصول کے لئے یہ وضع قطع اختیار کرتے تھے سخت تنقید کا نشانہ بنایا حتی کہ ان محتسبوں پر جن کو اورنگ زیب نے لوگوں کے کیرکٹر پر نظر رکھنے کے لئے مقرر کیا تھا، سخت ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

بہر منع می کشیہا محتسب درکار نیست — بیدل آخر رعشہ می بندد بدست ما شراب

شراب نوشی سے روکنے کے لئے محتسب کی ضرورت نہیں ہے آخر رعشہ خود ہی شراب کو ہمارے ہاتھ تک پہنچے سے روکتا ہے۔

بغیر کسی قسم کی تنگ نظری اور تعصب کے، سب کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے کو وہ ’’صلح کل‘‘ اور ’’سمندر مشربی‘‘ سے تعبیر کرتا ہے اور اسے اپنی زندگی کا ایک زریں اصول قرار دیتا ہے۔

عمرہا بودم مخمور سمندر مشربی — نیست از انصاف اگر ریزی بخاک ما شراب

ساری زندگی میں اپنے ’’سمندر مشربی‘‘ کے نشے سے مخمور رہا۔ ناانصافی نہ ہوگی اگر تو ہماری خاک میں یہی شراب انڈیل دے۔

در مشرب زن و از قید مذاہب بگریز — عافیت نیست درآں بزم کہ سازش جنگ است

’’وسیع مشربی‘‘ کے دروازے پر دستک دو اور مذاہب کی قید و بند سے فرار حاصل کرو اس بزم میں امن وسکون نہیں جس کی تعمیر ہی باہمی جنگ وجدل سے ہو۔

چو صحرا مشرب ما ننگ وحشت برنمی تابد — نگہدارد خدا از تنگی چین دامن مارا

صحرا کی طرح ہمارا مشرب بھی وحشت کا ننگ وعار نہیں سہ سکتا خدا ہمارے دامن کو شکنوں کی تنگی سے بچائے۔

دماغ اہل مشرب بافضولی برنمی آید — ہجوم ایں عمارتہا دگرگوں کرد صحرا را

’’اہل مشرب‘‘ کا دماغ فضول بکواس کرنے والوں سے کسی طرح میل نہیں کھاتا ان عمارتوں

کے ہجوم نے صحرا میں انقلاب برپا کردیا۔

می کشی کردیم و آسودیم از تشویش وہم   گرد چندیں مذہب از یک جرعہ مشرب نشست

میں نے شراب پی اور وہم کی تشویش سے نجات حاصل کرلی۔ چند مذاہب کی گرد ''وسعت مشرب'' کے ایک گھونٹ کی بدولت تہ میں بیٹھ گئی۔

مست جام مشربم بیدل کہ از موج میش   جادہ ہای دشت یکرنگی نمایاں می شود
موج ایں دریا تکلف پرور گرداب نیست   طینت آزاد بیروں تاز و ہم مذہب است
تمیز خوب و زشت از فیض معنیٰ باز می دارد   تماشا مشربی آئینہ کن بی انفعالی را

بھلے برے کی تمیز فیض معانی کے حصول سے باز رکھتی ہے بے انفعالی یا بے شرمی کے لئے تماشا مشربی (وسعت مشرب) کو آئینہ بنا۔

ان اشعار سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ بیدل مذہب کا مخالف تھا۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ضد مذہب بودن بیدل بمعنیٔ دشمنی یا تعصب ہای تنگ نظرانہ است، تمام بدبختہای مشرق زمین از دروں آں سرچشمہ می گیرد و بر ہمیں دلیل وقتی دریں زمینہ باوج خشم خود می رسد می گوید۔

ع طوفاں مگر ز عہدہ مذہب بدر آید (۶۰)

بیدل کے مذہب مخالف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی تعصب کی وجہ سے تنگ نظری اور دشمنی پیدا ہوتی ہے یہ چیز نہیں ہونی چاہئے کیونکہ مشرقی ممالک کی تمام بدنصیبیوں کا سرچشمہ یہی چیز ہے اور اسی وجہ سے جب وہ غصہ سے آگ بگولہ ہوجاتا ہے تو کہتا ہے:

طوفاں مگر ز عہدہ مذہب بدر آید

ایک شعر میں بھی بیدل اس تعصب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

از تعصب جاہلان دین ہدی را دشمن اند   عاقبت در جنگ این کوران عصا خواہد شکست

تعصب کی وجہ سے جاہل لوگ دین ہدی کے دشمن ہوگئے ہیں یہ اندھے بالآخر ایسی لڑائیوں میں لاٹھی ڈنڈے توڑ ڈالیں گے۔

دنیا کی موجودہ سیاسی صورت حال کے پیش نظر اس موضوع کی غیر معمولی اہمیت ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں ساری دنیا میں دہشت گردی کا مسئلہ چھڑا ہوا ہے۔ دہشت گردی، انسداد دہشت گردی اور نیوکلیائی و مہلک ہتھیاروں کی تعمیر و تخریب سے متعلق مسائل کی وجہ سے دنیا اس وقت جن حالات سے

دوچار ہے ان میں اس کا سارا امن وامان غارت ہو چکا ہے اور لوگوں کی زندگیاں تلخ ہوتی جارہی ہیں اور یہ صورت حال شاید اس سے پہلے انسانیت کی پوری تاریخ میں نہ رہی ہوگی ا۔

از بسکہ سوختم ز وضع جہانیاں   در دل فتد ز کجروی شان بداغ پا

دنیا والوں کے موجودہ حالات کی وجہ سے سخت اضطراب کے عالم میں ہوں ان کی کجروی سے دلوں کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔

ان حالات کی تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن جس خطرے سے اس وقت ساری دنیائے انسانیت کو سابقہ ہے اگر اس سے بچ نکلنے کی کوئی متحدہ کوشش نہیں کی گئی تو ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ سارے ممالک بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

اس پس منظر میں اگر ''صلح کل'' کی سیاست کو اپنایا جائے تو امید ہی نہیں یقین ہے کہ ساری دنیا کا امن وامان بحال ہوسکتا ہے۔ بیدل کہتا ہے۔

دوش از پیر خرد جستم طریق عافیت   گفت ای عاقل بہر تقدیر با تقدیر صلح

امن و سکون کی راہ کیا ہے؟ کل میں نے ایک خردمند سے دریافت کیا۔ تو اس نے جواب دیا اے عقلمند! ہر قیمت پر صلح و آشتی کی راہ و روش اپناؤ۔

امن عالم کے نام نہاد علمبردار امریکا کے صدر اور برطانیہ کے وزیر اعظم اور ان کے ہمنواؤں کو خصوصیت سے اس نکتے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ واحد پالیسی ہے جس کی اساس پر دنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے ورنہ جیسا کہ مولانا روم نے فرمایا:

ہر عمل اجری و ہر کردہ جزای دارد'' ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے، اس کے مطابق انہوں نے اپنی ذاتی اور ملکی مفاد کے حصول کی خاطر جس عمل کو اختیار کیا ہے اس کا ردعمل ہوتا رہے گا۔ دنیا خصوصیت سے عراق و افغانستان اور فلسطین میں بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنے اور اس کو تباہ و برباد کرنے سے اگر وہ باز نہ آئے تو نہ صرف ان کی بلکہ ان کے ہمنواؤں اور ہم خیال لوگوں کی زندگی بھی دوبھر ہوجائے گی۔ حافظ نے کیا خوب کہا ہے۔

دور فلکی یکسرہ بر منہج عدل است   خوش باش کہ ظالم نبرد راہ بمنزل

آسمان کی گردش سراسر انصاف کے ڈگر پر قائم ہے، مطمئن رہو کہ ظالم کی منزل تک رسائی نہیں ہوسکتی ہے۔ بیدل کہتا ہے:

مقام ظالم آخر بر ضعیفاں است ارزانی   کہ چوں آتش ز پا افتد بہ خاکستر دہد جا را

ظالم کا مقام آخر کار کمزوروں کو ملتا ہے کیونکہ آگ جب بجھ جاتی ہے تو اپنی جگہ راکھ کو بخش دیتی ہے۔

بغیر از خاک گردیدن پناہی نیست ظالم را — کہ تیغ شعلہ در خاکستر امید پر دارد
از طینت ظالم نتوان خاست مروت — شمشیر کی آب گہر داشتہ باشد
ظالم چہ خیالؔ است مودب بدر آید — آن نیست کجی کزدم عقرب بدر آید
طینت ظالم ہمان آمادہ ظلم است و بس — نشتر از رگ گر شود فارغ بدنبل می زند

بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر بیدل نے اقوام متحدہ کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔

از مزاج اہل دول رسم اتحاد مجو — درز میں تیرہ دلاں سایہ مشترک نشود

مختلف ملکوں کے سربراہوں کے مزاج سے اتحاد و یگانگت کی امید نہ رکھو، تاریک دل اور سیاہ قلب لوگوں کے ملک میں سایہ مشترک نہیں ہوتا ہے۔

یعنی سیاہ قلب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اسقدر بغل گیر نہیں ہوتے کہ ایک مشترک سایہ اور پلیٹ فارم بنا سکیں۔

کجا صلح، امروز جنگ است و بس — جہاں جملہ مینا و سنگ است و بس

صلح و آشتی کی بات کہاں ہے آج تو ہر طرف جنگ ہی جنگ کا بازار گرم ہے ساری دنیا شیشہ و سنگ بن کر رہ گئی ہے۔

کجاست امن کہ در مرغزار لیل و نہار — بہر طرف نگری یک پلنگ می گذرد
عالمی را سرکشی برباد غارت دادہ است — حرف امن از آتش نا مشتعل باید شنید
شور طوفان حوادث بر محیط افتادہ است — بعد ازاین چون موج می بر کشتی وصہبا زنید

⊛⊛⊛

اسلام و کفر اور کعبہ و دیر

مگو کعبہ از صاحب دیر نیست — بدیر و حرم سجدہ بر غیر نیست

یہ نہ کہو کہ کعبہ صاحب دیر نہیں ہے، دیر و حرم میں جہاں بھی سجدہ کیا جائے غیر کے سامنے نہیں ہوتا ہے۔

یار در آغوش و سیر کعبۂ دیر آرزوست — تا کجا رفتہ است از خود شوق بی پروای ما
عمری بسواد معرفت کردم سیر — تا شور چہ زمزمہ است زیر و بم غیر
آخر پی بردہ شد کہ ساز نفسم — لبیک بہ کعبہ بود و ناقوس بدیر

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اس موضوع کا تعلق بھی ''صلح کل'' سے ہے اسلام اور کفر اور دیر و کعبہ میں مساوات کا شمار ان موضوعات میں ہوتا ہے جن پر خصوصیت سے وحدت الوجودی طبقہ بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ اس سلسلے میں بیدل کی جملہ تصنیفات کو پیش نظر رکھ کر اس موضوع سے متعلق اس کے افکار و خیالات کا جائزہ لیں کیونکہ یہ مسئلہ اس کی بابت ایک طرح کی بدظنی پیدا کرتا ہے حتی کہ بعض نقادوں نے بغیر کسی واضح دلیل کے دعوی کیا ہے کہ بیدل قیامت اور جنت و دوزخ کی حقانیت کا قائل نہیں تھا چنانچہ یان ریپکا نے صدرالدین عینی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"He rejected the doctrine of life after death, fairy tales of Paradise and Hell."

اس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے عقیدہ نیز جنت کی پریوں کی کہانی اور دوزخ کا انکار کیا ہے۔

جبکہ بیدل کے حالات کا تفصیلی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ وہ قائل تھا۔

۱۔ توحید یعنی خدائے یکتا و یگانہ کا، جو تمام اوصاف جمالیہ و جلالیہ کا حامل ہے اس سلسلے میں وحدت الوجود کا عقیدہ جو اس کے سارے کلام میں بکھرا پڑا ہے توحید سے اس کی مکمل آشنائی اور وابستگی کو واضح کرتا ہے چنانچہ ایک رقعہ میں صاف لفظوں میں کہتا ہے ''از وحدتیانیم'' ''میں وحدت الوجودی ہوں۔''

چہ ممکن است رود داغ بندگی ز جبین　　ز میں فلک شود و آدمی خدا نہ شود
چمن دلیکہ بیاد تو آشنا گردید　　فلک سری کہ بپای تو جبہ سا گردید
کسیکہ دست بدامان التفات تو زد　　مقیم انجمن سایہ ہما گردید
حضور خاک جناب تو دارد اکسیری　　کہ نقش پا ز خیالش جبین نما گردید
وصل حق بیدل نظر بر بستن است از ماسوای　　قرب شہ خواہی ز عالم چشم چون شہباز بند

۲۔ جملہ رسولوں کی رسالت کا جیسا کہ مثنوی محیط اعظم میں آدمؑ سے لے کر حضور ﷺ تک بیشتر پیغمبروں کا ذکر جام آدم، جام نوح، جام ابراہیم، جام محمدی وغیرہ کے عنوان سے کیا ہے اور ''جام محمدی'' میں تو ایسے اشعار نظر آتے ہیں جو جناب رسالتمآب ﷺ سے اس کے والہانہ تعلق اور فریفتگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

جنوں می کنم از کمالش مپرس　　ز خود می روم از جمالش مپرس

آپ کے کمالات اور اوصاف جمال کا تصور کر کے مجھ پر بیخودی کا عالم اور جنون کی کیفیت طاری ہے۔

حضور کی تعریف میں نعت کے بعض اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

دو روزی فرصت آموزد درود مصطفیٰ مارا　　کہ پیش از مرگ در دنیا بیامرزد خدا مارا
بنازم نام شیرینی کہ ہرگہ برزباں آید　　جو بند نیشکر جوشد بہم چسپیدن لبہا
آنکہ از بوی بہارش رنگ امکاں ریختند　　گرد راہش جوش زد، آثار اعیان ریختند
نام او بردند اسماء قدم آمد بعرض　　از لب او دم زدند آیات قرآن ریختند
از جمالش صورت علم ازل بستند نقش　　وز کمالش معنی تحقیق انساں ریختند
غیر ذاتش نیست بیدل در خیال آباد صنع　　ہرچہ این بستند نقش و ہر قدر آں ریختند
سر سودای من خاک راہ یاد دلداری　　کہ نامش تا رسد بر لب دہن حمد خدا دارد

ایک رقعہ میں صاف لفظوں میں لکھتا ہے ''از محمد یانیم'' (۶۳) ''میں محمدی ہوں'' اس کے علاوہ ایک رباعی میں کہتا ہے۔

بجہاں خاک درش افسر ماست　　در عدم سایہ او بر سر ماست
پیروانیم چہ ہستی چہ عدم　　دین احمد ہمہ جا رہبر ماست (۶۴)

دنیا میں آپ کا آستانہ ہمارے تاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ عدم میں بھی یعنی جب دنیا سے کوچ کر جائیں گے آپ ہی کا سایہ میرے سر پر رہے گا۔ چاہے ہم بقید ہستی ہوں یا موت کی آغوش میں آپ

ی کے پیروکار ہیں۔ دین احمد ﷺ ہر جگہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

یہاں ''دین احمد ہمہ جا رہبر ماست'' دین اسلام سے اس کے تعلق کو واضح کرتا ہے اور نہ صرف حضرات پیغمبر علیہم السلام بلکہ مثنوی محیط اعظم میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی رضی اللہ عنہم اور اسی طرح جملہ اکابر صوفیہ حضرات بایزید بسطامی، جنید بغدادی و ابوبکر شبلی اور دیگر اولیا اور خود اپنے روحانی اساتذہ کا نہایت ادب و احترام کے ساتھ ذکر کرتا ہے جو اس کے ان حضرات سے قلبی لگاؤ کو واضح کرتا ہے۔ اور جب دین احمد کو راہبر بنایا تو فطری طور پر وہ قایل ہوا۔

۳۔ حضرات فرشتے کا ہے۔

۴۔ آسمانی کتابوں کی حقانیت کا۔

۵۔ اور قیامت کی حقانیت کا جیسا کہ اس کے ہاتھ ایک برہمن کے مسلمان ہونے کا واقعہ بتاتا ہے جو مسئلہ قیامت پر بحث کے بعد مغلوب ہو گیا تھا۔ نیز مثنوی عرفان میں کہتا ہے۔

کان وفا جوہر کرم بنیاد　　ہمہ را وعدہ قیامت داد
بر مسلمان ز فکر دور اندیش　　اگر آید قیامت آید پیش
مومناں را ظہور ایں آیات　　نبود جز بموقف عرفات (۶۵)

کہ اس کرم اساس پیغمبر علیہ السلام نے سب سے قیامت کا وعدہ کیا ہے مسلمانوں پر اگر دور اندیشی سے کوئی واقعہ پیش آئے گا تو وہ قیامت کا ہوگا۔ مومنوں پر ان آیات کا ظہور عرفات کے موقف کے سوا کہیں نہیں ہوگا۔

۶۔ جب قیامت کی حقانیت کا قائل ہوا تو قیامت کے روز کی جملہ کارگزاریوں کا بھی قائل ہوا جیسے منکروں کے لئے عذاب، فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور لازمی طور پر جنت و دوزخ کا بھی۔

۷۔ جہاں تک تقدیر کا مسئلہ ہے وہ جبریہ فرقہ سے قریب نظر آتا ہے۔

من و تو جملہ جبری قدریم　　از سکون و طپش چہ صرفہ بریم

ہم تم سب جبریہ و قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سکون و حرکت سے ہمیں کیا فائدہ پہونچے گا۔

اس طرح وہ ان تمام امور کا جن پر ایمان لانا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے قایل ہے بلکہ ان میں سے بعض سے تو عشق کی حد تک وابستگی رکھتا ہے۔

لیکن اسلام صرف عقائد اور نظریات کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا ایک عملی پہلو بھی ہے جو اس کے نظریاتی پہلو سے کسی طرح کم اہم نہیں ہے۔ یہ بحث کہ ایمان کیا ہے اور اس کے تکوینی اجزا کیا ہیں طویل بھی ہے اور ہمارے موضوع سے خارج بھی ہے۔

لیکن جن اعمال کی دین اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ ہیں ارکان اربعہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان فرایض کے علاوہ معروفات ومنکرات کی ایک لمبی فہرست بھی ہے۔ خصوصیت سے اگر کوئی صوفیہ کے حلقے سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے اندر نوافل عبادات، اوراد و وظائف، عزلت و گوشہ نشینی، کثرت نماز، کم خوری، فاقہ کشی، کم گوئی، مخلوق سے کم آمیزی اور فقر و درویشی وغیرہ کی خصوصیات بھی پائی جانی چاہیئے۔

بیدل کی کتاب چہار عنصر، نکات اور دیگر تخلیقات کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے عملی پہلو کے مقابلے پر فکری اور نظریاتی پہلو کا زیادہ قائل ہے خصوصیت سے نظریہ ''وحدت الوجود'' نے اس کے سوچنے سمجھنے اور دنیا و مافیہا کو دیکھنے کا معیار ہی سرے سے بدل کر رکھ دیا ہے۔

''دین'' بیدل کے نقطہ نظر سے:

بیدل نے محیط اعظم میں عقائد کے عنوان سے اس کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دنیا میں ایسا کوئی فرد نہیں جس کے دل میں بادہ ''محبت الہٰی'' جوش نہیں مارتا اور اس سے وہ بہرہ مند نہیں ہوا ہے۔ اس دعوی کی قرآن پاک کی ایک آیت سے بھی تصدیق ہوتی ہے فرمایا " الم تر ان اللـه یسبح له مافی السموات والارض (نور ۴۱) (دیکھتے نہیں آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔

بہر دل ازاں بادہ جوشی رسید　　　بہر سر از و نشہ ای شد پدید

اس شراب (شراب عشق) کی ابال ہر دل میں ہے اور اس کا نشہ ہر سر میں نمایاں ہے۔

پھر مخلوق کے افعال و اعمال نے اس کے جام کا مختلف انداز میں دور چلایا اور عقائد کی صورت میں بھنگ کی طرح اس کی خمیر میں گوندھ دیا۔

عقاید خیالات نیرنگ ریخت　　　درآب وگل این وآن رنگ ریخت

عقائد نے بوقلموں افکار خیالات کی شکل اختیار کی اور لوگوں کی آب وگل اور خمیر میں اسے گوندھ دیا۔

ایک طبقہ نے اس کی ظاہری شکل اختیار کی اور اس کے واسطے اصطلاحیں اور تمثیلیں وضع کیں دوسرے طبقے نے اس کی باطنی شکل اختیار کی اور اس کا تماشا دیکھنے پر اپنی ساری توجہ مرکوز کردی۔

مجموعی طور پر سارے مذہبی فرقے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے: ایک گروہ نے وعدہ الست کو یاد رکھا اور اپنی ساری توجہ اس پر مرکوز کر کے اس کے نبھانے میں لگا رہا۔ دوسرا گروہ غفلت و بیخبری اور وہم

پرستی کے عالم میں گرفتار ہوگیا۔ پہلا طبقہ گمان کی حد سے نکل کر یقین کے دائرے تک پہونچا جبکہ دوسرا طبقہ یقین کے دائرے سے نکل کر شک کی منزل میں داخل ہوا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر ایک خود کو حق پر اور دوسرے کو ناحق پر سمجھتا ہے۔

یکی ہوش پر داز رمز الست　　　یکی غفلت آرای اوہام ومست

ایک طبقے کو ''رمزالست'' کا ہوش وحواس باقی ہے دوسرا اوہام کی غفلت میں مست و مدہوش ہے۔

یکی از گمان خواندہ تحقیق دین　　　یکی شک نوشت از کتاب یقین

ایک نے دین کی تحقیق کر کے گمان کے دائرے سے خود کو نکالا دوسرے کو کتاب یقین (قرآن) سے شک وشبہ کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔

یقین ہای این پیش آن یک شکی　　　کمالات آن نزد این اندکی

اس طبقے کا یقین اس طبقے کے سامنے شک ہے اور اِس طبقے کے کمالات اُس طبقے کے نزدیک نقائص ہیں۔

اور آخر میں دین اسلام کی تعریف اس طرح کرتا ہے۔

چہ دین؟ حسن اظہار دریافتن　　　ز دریای ہستی گہر یافتن

دین کیا ہے؟ مافی الضمیر کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے کا انداز معلوم کرنا۔ دریائے ہستی سے موتی نکالنا (اعلیٰ قدروں کا پتہ لگانا)

اثرہای وہم و گمان سوختن　　　چراغ یقین در دل افروختن (۲۶)

اوہام وخرافات اور شکوک وشبہات کے آثار کو جلا دینا اور ایمان ویقین کا چراغ دل میں روشن کرنا۔

ان چاروں خصوصیت کی وضاحت ضروری ہے۔ ''حسن اظہار'' کا پتہ لگانا جیسا کہ راقم السطور کے خیال میں آیت " ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" اور "قولوا للناس حسنا"، و "قولوا قولا سدیدا" کا مفہوم اور تقاضا ہے جیسا کہ حسن ابدال کے سفر میں قیامت کے مسئلے پر برہمن سے بیدل کی بحث اور اس میں اس کی جیت کا واقعہ واضح کرتا ہے۔ یعنی مذہب اسلام کے بارے میں جو عقائد ہم رکھتے ہیں ان کو انتہائی حسن وخوبی، حکمت و دانائی، فصاحت و بلاغت اور محکم دلائل و براہین کے ساتھ دلکش اور معقول انداز میں بیان کرنا تا کہ مخاطب اس سے پوری طرح متاثر ہو۔ بیدل نے برہمن کے ساتھ اپنی گفتگو میں یہی روش اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس واقعہ کے آخر میں کہتا ہے۔

فصاحت نیست جز فہم مزاج مستمع ورنہ　　　قبح وصف نامفہوم دشنامی نمی باشد

فصاحت درحقیقت سامع کی افتادِ طبع اور مزاج کو سمجھ کر بات کرنے کا نام ہے ورنہ جو چیز دائرہ فہم میں نہیں آتی ہے اس کی قباحت وشناعت بیان کرنے سے وہ چیز دشنام نہیں بن سکتی۔

جہانی صید نیرنگست این افسون نیرنگی — سخن سحر است، دیگر دانہ و دامی نمی باشد

ایک دنیا نیرنگیوں اور مکاریوں کا شکار ہے اور یہ بجائے خود نیرنگی ومکاری کا جادو ہے گفتگو یا شاعری تو ایک جادوگری ہے یہاں شکار کرنے کے لئے اسے دام ودانہ کی ضرورت نہیں ہے۔

دریائے ''ہستی'' سے موتیوں کا سراغ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ہستی اپنے تمام تر لاؤلشکر اور ساز وسامان کے باوجود جب ایک دن فنا ہوجائے گی تو اپنی چندروزہ ہستی کے اس دریا سے موتیوں یعنی ''اعلیٰ انسانی قدروں'' کا سراغ لگانا چاہئے تاکہ ان کو عملی شکل دے کر ان کی فانی اور حادث ہستی کو وہ قدیم اور باقی میں بدل دے اور اسے رائیگاں جانے سے بچائے اور وہ اعلیٰ انسانی قدر عشق الٰہی کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

جس کا دل عشق کی بدولت زندہ ہے وہ امر ہوجاتا ہے۔ ہم عاشقوں کو صفحہ عالم پر دوام حاصل ہے۔

تیسری اور چوتھی خصوصیت یعنی وہم وگمان کا اثر ختم کر کے یقین وایمان کا چراغ دل میں روشن کرنا، یہ ایسی بات ہے جس پر بیدل نے اپنی تمام تخلیقات میں بحث کی ہے جیسا کہ مثنوی میں ہم نے اس کا تفصیلی مطالعہ کیا۔

دو چیزیں ہیں ''عقل'' اور ''عشق''، عقل کے ذریعہ جن علوم پر دسترس حاصل ہوتی ہے بیدل ان کو ''وہم وگمان'' سے تعبیر کرتا ہے کیونکہ ہماری عقل نارسا ہے وہ اشیاء کے حقائق سے پردہ اٹھانے کی چاہے جتنی کوشش کرڈالے کامیاب نہیں ہوسکتی۔ حقائق اشیاء تک اپنی نارسائی کے سبب وہ قیاس وگمان و وہم کے سوا اور کیا ہمیں فراہم کرسکتی ہے۔ عہد حاضر میں تمام حیرت انگیز ایجادات کی اساس تجربات پر ہے اور اس کے نتیجے میں انسان نے بلاشبہ غول پیکر مشینیں ایجاد کرلی ہیں پھر بھی تجربات میں باہم امتیاز ہوتا ہے اور آج کا تجربہ کل کے تجربے کی اہمیت کو کالعدم کردیتا ہے اس کا سلسلہ چونکہ لگاتار جاری ہے اس لئے عقل کی خودساختہ تھیوری کسی مخصوص جگہ پہنچ کر دم نہیں لے سکتی۔ ایسی صورت میں عشق کے سوا کوئی چیز نہیں جو یقین کی دولت فراہم کرے۔ عشق الٰہی کے نتیجے میں بے انتہا اسرار ورموز ہمارے دل پر الہام ہوتے ہیں۔ جب کسی کو اس کی چاشنی مل جاتی ہے تو دونوں جہاں اس کے رموز کے سامنے ہیچ ہوجاتے ہیں۔

اسی یقین کا چراغ دل میں روشن کرنا اور قیاس وگمان کے تمام آثار کو جو عقل کی وجہ سے پیدا

ہوتے ہیں جلا کر خاک کردینا ایک ایسا گوہر ہے جو انسان کو ہستی کے سمندر میں نابود ہونے سے بچاتا ہے اور اسی گوہر زندگی کو حکمت ودانائی اور پند وموعظت حسنہ کے ساتھ بیان کرنا اس کے نزدیک ''دین'' ہے ع

چہ خوش آنکہ ترک سبب کنی، بہ یقین رسی وطرب کنی

بی جوہر یقین از علم وفضل چہ حاصل — ماہی نمی توان شد ای کردہ خو بدریا

اس بنا پر کہا سکتا ہے دین کی حقیقت بیدل کے نزدیک ''عشق الٰہی'' ہے اور عشق جیسا کہ پچھلے صفحات میں آیا اس کا مثبت پہلو وحدت الوجود ہے۔ بیدل کہتا ہے جو آدمی خدا سے اس درجہ عشق کرتا ہے کہ غیر کا تصور بھی اس کے صفحہ ذہن پر نہیں ابھرتا تو اگر کفر کے راستے پر چل رہا ہے تو بھی گمراہ نہیں کہا جاسکتا۔

ز نقش غیر اگر آگاہیت نیست — براہ کفر ہم گمراہیت نیست

''غیر'' کا نقش اور اس کی چھاپ اگر تیرے صفحہ ذہن پر نہیں ہے تو کفر کے راستے پر ہوتے ہوئے بھی تو گمراہ نہیں کہلائے گا۔

و گر آلودہ احرام غیری — ہمہ گر کعبہ باشی ننگ دیری (٦٧)

اور اگر ''غیر'' اور ماسوی اللہ کا احرام تم نے باندھ لیا ہے تو چاہے تم سراسر کعبہ کے اندر ہو بت خانہ کے لئے بھی باعث ننگ وعار ہو۔

گویا اس کا مذہب عشق یا وحدت الوجود ایک ایسا وسیع مشرب ہے جو سماج کے جملہ طبقوں اور تمام اقوام وملل کو ایک ہی صف میں کھڑا کردیتا ہے۔

ز مذہب سخن کز لب آید بروں — بصد وسعت مشرب آید بروں

جب کبھی ''مذہب'' کی بحث چھڑتی ہے تو سیکڑوں ''وسعت مشرب'' کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔

بیدل کے نزدیک اسلام کی روح خلوص وللہیت اور دلوں کا باہمی میل ملاپ اور اتحاد ویگانگت ہے۔ کہتا ہے:

توفیقت اگر ناقہ کش راہ ہداست — طبع تو چرا منحرف طور وفا ست؟

از وضع نفاق رشتہ دیں مگسل — اسلام چو سبحہ اجتماع دلہاست

توفیق الٰہی اگر تیری رہنمائی راہ ہدایت کی طرف کرے تو تیری طبیعت راہ وفا سے کیوں انحراف کرے۔ نفاق ودوروئی سے دین کا رشتہ درہم برہم نہ کرو اسلام نام ہے دلوں کے اجتماع واتحاد ویگانگت

کا جس طرح تسبیح کے دانے باہم جڑے اور ملے ہوئے ہیں۔

شاید بیدل کا مقصد یہ ہے کہ جزوی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے لوگ تعصب کا شکار ہوکر ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں جبکہ اسلام اتحاد و یگانگت پر زور دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ کہتا ہے۔

از تعصب جاہلاں دین ہدی را دشمن اند　　عاقبت در جنگ ایں کوراں عصا خواہد شکست

بیدل کے نزدیک کمال ایمان و اسلام "نفس کافر کو مسلمان بنانا" یا دوسرے الفاظ میں نفس کشی ہے۔

نفس کافر را مسلمان کن کمال اینست و بس　　سحر چون باطل شود اعجاز پیدا می کند

بیدل کا خیال ہے اگر کسی مجلس میں کفر و اسلام کی بحث چھڑ جائے تو اس بحث میں پڑ کر ان کے درمیان خط امتیاز کھینچنے کے بجائے شیشہ و ساغر ہاتھ میں لو اور بے تکلف بادہ عشق الٰہی نوش کرو تب تم "نور جاوید" میں منتقل ہو جاؤ گے۔

شب از عافیت دور جامم رسید　　ز اوضاع مستان پیامم رسید

رات کو پورے اطمینان سے جام کا دور جب مجھ تک پہونچا تو مستوں کے حالات و کیفیات نے زبان حال سے یہ پیغام دیا۔

کہ ہرجا بمضرابی کفر و دین　　مخالف نوازد گمان و یقین

کہ کفر و دین کے مضراب سے جب بھی کوئی مخالف گمان و یقین کے نغمے چھیڑے۔

نی گردن شیشہ در دست گیر　　نواہای وہم جہاں پست گیر

گردن شیشہ کا دستہ پکڑو اور وہم خیال کی صداؤں کو پست کردو۔

بمی ساز کن نور جاوید باش　　قدح گیر و در دست خورشید باش

شراب (عشق) سے ہماہنگی پیدا کرو (پیو) اور دائمی نور بن جاؤ۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ اٹھاؤ اور سورج کے قبضے میں آجاؤ۔

بہر رنگ غافل مباش از شراب　　کہ ظلمت پرستیست بی آفتاب (۶۸)

کسی بھی حال میں اور کسی بھی قیمت پر شراب سے بے خبر نہ رہنا کیونکہ آفتاب کے بغیر رہنا ظلمت پرستی ہے۔

بعینہ یہی افکار و خیالات عطار، سنائی اور مولوی نے اپنی مثنویوں میں بیان کئے ہیں۔ عطار کہتے ہیں۔

عشق را با کفر و با ایمان چہ کار　　عاشقانرا با تن و با جان چہ کار

عشق کو کفر و ایمان سے کیا تعلق ہے عاشقوں کو جسم و جان سے کیا سروکار۔

ہر کرا در عشق شد محکم قدم　　برگزشت از کفر و از اسلام ہم

راہ عشق میں جس کا قدم پوری طرح جما ہوتا ہے وہ کفر و اسلام کے حدود کو پار کر کے آگے نکل جاتا ہے۔

عشق را با کافری خویشی بود　　کافری خود مغز درویشی بود (۶۹)

عشق کی کافری سے یگانگت ہوتی ہے کافری خود درویشی کا مغز ہے۔

بیدل بھی کفر کو اسلام سے دور نہیں سمجھتا اس کا خیال ہے کہ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء کا تعارف اضداد کے ذریعہ ہوتا ہے) کے اصول کے تحت ہر ایک چیز کی شناخت کے لئے اس کے مقابل کا وجود ضروری ہے۔ نور کی آغوش میں سدا سیاہی پنہاں رہتی ہے اگر غور سے دیکھو تو ایک کی نمود دوسرے کے اندر گم ہے۔ رات دن اور زنگ و صفا وغیرہ متضاد چیزوں کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس بیان کا اصل مقصد دوئیت کو ختم کرنا ہے خدائے تعالیٰ کی ذات یگانہ و بے ہمتا ہے تو پھر کعبہ دیر سے الگ نہیں۔ بت خانہ میں سجدہ کرو چاہے کعبے میں سجدہ اسی جمال مطلق کے حضور ہوتا ہے اور جو اختلاف عقائد میں نظر آتا ہے اس کا سرچشمہ لوگوں کے اپنے اعمال و افعال ہیں۔

مپندار کفر است ز اسلام دور　　سیاہی است دایم در آغوش نور
و لیکن بچشم تامل نگر　　گم است این یکی در ظہور دگر
اگر ہوش سر یقین کردہ است　　ز روز و شب ایں رمز پی بردہ است
صفا گرچہ از رنگ دارد نقاب　　بود زنگ ہم از صفا در حجاب
غرض زین ادا رفع حکم دوئیست　　ظہور من اثبات نفی توئی است (۷۰)

لیکن یہ افکار و خیالات قرآن کے فحوائے کلام سے ہماہنگ نہیں ہیں۔ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا و عملوا الصلحت سواء محیاھم و مماتھم ساء ما یحکمون ۔ (سورہ جاثیہ ۲۲) کیا برائی کرنے والے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انکو ہم ایمان والوں کے برابر کر دیں گے ان کی زندگی اور موت برابر ہے؟ برا فیصلہ کرتے ہیں۔

غزل کے بعض اشعار میں بھی یہ مفہوم ملاحظہ ہو۔

کفر و دین در گرہ پیچ و خم یکدگر اند　　ظلمت و نور چو آئینہ و جوہر بہم است
غباری نیست در پست و بلند موج دریا را　　حقیقت بی نیاز از اختلاف کفر و دین باشد
کفر و دین شک و یقین سازیست بی آہنگ ربط　　ہوش اگر داری بفہم ای بیخبر پرخاش نیست

مخصوص نیست کعبہ بہ تعظیم اعتبار ہرجا سری بسجدہ رسید آستانہ ایست
قضا ربطی دگر دادہ است باہم کفر و ایماں را زخود ہم می رمد چون سبحہ بی زناری افتد
اگر از بندگی آگاہ شوی ہر طرف سجدہ کنی معبود است
دل شیفتہ دیر و حرم شد چہ توان کرد بنگیست درین نسخہ کہ این اثر اوست
خروش دیر و حرم درین رہ نبود از درد و داغم آگہ خدا پرست واللہ اللہ، برہمن و رام رام برلب
از معنی دعای بت و برہمن مپرس این رام رام نیست ہمان اللہ اللہ است
نیک و بد در ساز غفلت رنگ تمیزی نداشت چشم از بازگشتن کفر و دین گردیدہ است
خدمت دلہا کن اینجا کفر و دین منظور نیست آئینہ از ہر کہ باشد مفت روشنگر بود
کعبہ و دیر تسلی کدہ نیست درد نایابی مطلب ہمہ جاست
بیطاقت شوقیم و جبین داغ سجود است بت خانہ درین راہ چہ و کعبہ کدام است
تفریق حق و باطل مصنوع خیالات است گر خط نکند شوخی، ہر پشت ورق رویست

مولانا روم فرماتے ہیں:

ہرچہ گوید مرد عاشق بوی عشق از دہانش می جہد در کوی عشق

عاشق جو کچھ کہتا ہے اس کے منہ سے کوچہ عشق میں بوئے عشق ہی پھیلتی ہے۔

ور بگوید کفر دارد بوی دین ور ز شک گوید شکش گردد یقین

اور اگر کفر بکے تو اس میں بھی دین کی بو آتی ہے اور اگر شک کی بات کرے تو اس میں بھی یقین کا پہلو ہوتا ہے۔

گر بگوید کژ نماید راستی ای کژی کز راست را آراستی

اگر ٹیڑھی بات کہے تو سچ ہوتی ہے وہ بھی کیا ٹیڑھی بات ہے جو سچ کو آراستہ کرے۔

غرض عشق کو وہ اپنا دین دھرم سمجھتا ہے۔ ایسا عشق جس نے انسانوں کے درمیان سارے وجوہ امتیاز کو ختم کر کے سب کو ایک رشتے میں پرو دیا ہے۔ راقم السطور کے ناقص خیال میں دور حاضر میں سیکولرزم کا بھی مفہوم اسی کے قریب ہے جس کا ترجمہ اگرچہ ''لامذہب'' سے کیا جاتا ہے پر مفہوم اس کا یہی ہے کہ ملک کے سارے باشندے شہری حقوق اور انسانی حقوق میں برابر ہیں۔ مذہب نسل، رنگ اور علاقہ کی بنیاد پر ان میں کوئی بھید بھاؤ نہیں کیا جانا چاہئے۔

حیرت انگیز امر یہ ہے کہ وہ اسی عشق کو جس میں کسی قسم کے امتیاز کو روا نہیں رکھا جاتا ہے، دین اسلام کی روح اور ''حقیقت محمدیہ'' سے تعبیر کرتا ہے جیسا کہ ۱۰۸۱ھ میں اکبرآباد میں حضور ﷺ کو

خواب میں دیکھنے کا واقعہ واضح کرتا ہے اپنے خواب کی تعبیر جب حضرت علی سے پوچھی تو آپ نے فرمایا:

''تعبیر خواب اینست کہ حقیقت محمدیہ ہم وقت سایہ فگن حال تست با آنکہ غفلت چشمت نکشاید
و باطن نبوت ہیچگاہ دامن تربیت از سر بر نمی گیرد ہر چند آداب ظاہر از تو بجا نمی آید۔'' (۱۷)

خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ''حقیقت محمدیہ'' سدا تیرے حال پر سایہ فگن ہے باوجودیکہ غفلت تیری نگاہ کو وا نہیں ہونے دیتی اور ''باطن نبوت'' کسی وقت بھی تیرے دامن تربیت سے سر اوپر نہیں اٹھاتا ہے اگرچہ آداب ظاہر تجھ سے انجام نہیں پاتے ہیں۔

خلاف شریعت خواب پر ہم یقین کریں یا نہ کریں یہ الگ مسئلہ ہے۔ یہاں اس خواب اور اس کی تعبیر کو سرسری نظر سے پڑھ کر نہیں گذرنا چاہئے۔ اس خواب کے ذریعہ بیدل نے درحقیقت اپنے ان رجحانات و میلانات کی وضاحت کر دی جو اسلام سے متعلق اس کے بطون قلب و دماغ میں تھے۔

اپنے ہی قول کے مطابق وہ دین محمدی کی روح اور اس کی حقیقت کا اس کے ظاہری احکام کے مقابلے میں زیادہ پابند ہے اور خود کو اسی حقیقت کا ترجمان سمجھتا ہے لیکن معشوق کی اداؤں پر جان نچھاور کئے بغیر عشق کا مفہوم کس طرح واضح ہوگا یا اس کا مصداق کیونکر سامنے آئے گا۔ یہ اس راقم السطور کے پلے نہیں پڑتا۔ بیدل کا عشق جو اس کے خیال میں ''روح اسلام'' اور ''حقیقت محمدی''، اور ''باطن نبوت'' ہے اس کو الخلق عیال اللہ کی طرف کھینچ لایا اور اس بات پر آمادہ کیا کہ کفر و اسلام، ظلمت و نور، مسلم و کافر، توحید و شرک، معصوم و گناہگار اور دیر و کعبہ کے درمیان میں کوئی خط امتیاز نہ کھینچے جبکہ خدا اور خدا کے سب سے بڑے پرستار اور سچے عاشق جناب رسول خدا محمد ﷺ ان کے درمیان واضح طور پر خط امتیاز کھینچتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيٖن مبشرين و منذرين و انزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه، و ما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ماجاء تهم البينات بغيا بينم فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم. (البقره ۲۱۳)

سب لوگ ایک دین پر تھے پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں۔ اور نہیں جھگڑا ڈالا کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اس بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ۔

لہٰذا عشق رسول سے بیدل کے عشق کو کوئی مطابقت نہیں ہے۔ عشق رسول میں معمولی سے معمولی حکم شریعت کی بھی اہمیت نظر آتی ہے اور عشق بیدل میں بعض احکام شریعت اس کی تنقید کا نشانہ بنے ہیں بلکہ اس کی توہین کا سبب قرار دیا ہے مثلاً داڑھی کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے اعفوا اللحی داڑھی بڑھاؤ جبکہ بیدل کہتا ہے۔

اینقدر ریش چہ معنیٰ دارد   غیر تشویش چہ معنی دارد
آدمی خرس چہ ظلم است آخر   مرد حق میش چہ معنی دارد

اتنی لمبی ڈاڑھی کا مطلب تشویش کے سوا کیا ہے کسقدر ظلم ہے کہ آدمی ریچھ بن جائے۔ مرد خدا بھیڑ بن جائے آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

زاہدی نمی دانم تقوی نمی خواہم   سینہ صافی دارم نذر درد نوشتہا

زہد سے واقف نہیں تقوی مجھے مطلوب نہیں میرا سینہ ہر قسم کی باطنی آلائشوں سے پاک ہے جو تلچھٹ پینے والوں کی نذر ہے۔

صفای دل کی وضاحت بیدل نے اس طرح کی۔

صافی دل چیست؟ از تمیز گذشتن   آئینہ با خوب و زشت کار ندارد

صافی دل کیا ہے؟ خوب وزشت کے درمیان خط امتیاز نہ کھینچنا کیونکہ آئینے کو خوب وزشت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔

جبکہ خدائے تعالیٰ اتقوا اللہ ما استطعتم اپنے امکان بھر خدا سے ڈرو اتقوا اللہ حق تقاتہ خدائے تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے فان خیر الزاد التقویٰ بہترین توشہ تقویٰ ہے حضور کا ارشاد التقویٰ ملاک الحسنات تقویٰ تمام بھلائیوں کی بنیاد اور اساس ہے۔ اسی طرح جنت کے بارے میں کہتا ہے۔

قلندرانہ حدیث است زاہد مغرور   تو غرہ ای بہ بہشتی کہ جای ریدن نیست

اے زاہد مغرور! یہ قلندرانہ بات ہے کہ جس جنت پر تو پھولا نہیں سماتا وہ رفع حاجت کے لائق بھی نہیں ہے۔

بڑی دیدہ دلیری کی بات ہے اللہ معاف کرے زاہد کو اگر جنت ملنے کی امید ہے اور اس پر اسے غرور ہے تو اس میں جنت کا کیا قصور ہے چمگادڑ اگر دن میں نہ دیکھے تو آفتاب کی ٹکیہ کا کیا قصور ہے۔

اللہ معاف کرے اس طرح کی فروگذاشتیں بیدل کے کلام میں اکثر ملتی ہیں گو کہ ان کے پیچھے توہین کا جذبہ نہ ہو مگر الفاظ پر بھی اللہ کے ہاں پکڑ ہوتی ہے ما یلفظ من قولٍ الا لدیہ رقیب عتید (ق)

کوئی لفظ انسان زبان سے نہیں نکالتا مگر ایک نگراں وہاں تیار رہتا ہے (جو اسے نوٹ کر لیتا ہے)۔

یہ ہیں وہ مقامات جہاں بیدل نے توازن و تعادل کا دامن ہاتھ سے دیدیا ہے اور اس کی زندگی اضداد کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔ خود ہی کہتا ہے۔

زندگی موضوع اضداد است صلح اینجا کجاست   با نفس باقیست تا قطع نفس پرخاش ما

زندگی اضداد کا مجموعہ ہے یعنی انسان کے اعمال و اقوال میں ہماہنگی نہیں ہے۔ جب تک سانس چل رہی ہے سانس کے ساتھ پرخاش اور نزاع کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چند شعر میں کہتا ہے کہ زندگی میں متضاد کیفیات و جذبات کا متضاد حالات میں پیدا ہونا طبعی امر ہے۔

دریں جنونکدہ اینست ناگزیر طبایع   کہ نالد و طپد و گرید و سراید و خندد
بیدل از عجز و غرور و فقر و جاہ ما مپرس   تا نفس باقیست زین آہنگ صد زیر و بم است

بیدل کو اپنی اس کمزوری کا احساس شاید بڑھاپے میں ہوا ہے چنانچہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

داشت غافل سرکشیہای شباب از طاعتم   قامت خم گشتہ یاد از گوشہ محراب داد

جوانی کی خودسری اور سرکشی نے مجھے خدا کی طاعت و عبادت سے غافل بنائے رکھا اب بڑھاپے میں جب کمر جھک گئی ہے تو اس نے محراب مسجد کے گوشہ کی یاد دلائی ہے ع

قامت خم گشت بیدل ناگزیر سجدہ باش

نی ز طاعت بہرہ ای بردم نہ ذوقی از گناہ   در ہمہ کارم حضور نیستی معذور کرد
ہمہ کس کشیدہ محمل بجناب کبریایت   من و خجلت سجودی کہ نکردہ ام برایت

اور ایک رباعی میں خدا سے اپنی بخشایش کی دعا بڑی عاجزی سے کیا ہے:

ہرگاہ من ناکس بی عشق و ہوس   ننگ پر پشہ و پای مگس
زین گستاخی کہ نامت آرم بزباں   یا رب تو بہ بخشا کہ نہ بخشاید کس

میں عشق و ہوس سے عاری ناکس و ناچیز جس کی شخصیت مچھر کے پر اور مکھی کے پاؤں کے لئے بھی باعث ننگ ہے۔ بار الٰہا! اس گستاخی پر کہ تیرا نام لیتا ہوں میری کوتاہیوں کو بخش دے تو نہ بخشے گا تو کون بخشے گا۔

بطرف بحر رحمت می برم خاشاک عصیانی   ہجوم اشک اگر نبود عرق سیلاب می گردد

اپنی نافرمانی کی خاشاک کو دریائے رحمت کی طرف کھینچ لے جاتا ہوں آنسوؤں کا "ہجوم" اگر نہ ہوتا تو پسینہ سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا۔

بیدل پر اگر چہ بے عمل ہونے کا لیبل نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ مثنوی محیط اعظم میں خود کہتا ہے۔

نشد بی عمل معتبر ہیچ کس   عمل شاہد اعتبار است و بس
اگر معرفت با عمل یار نیست   کس از علم عطار عطار نیست (۷۲)

بے عمل آدمی کا کوئی اعتبار نہیں۔ عمل ہی اس کی عزت واعتبار کا گواہ ہے۔ اگر معرفت کے دوش بدوش عمل نہیں ہے تو کوئی آدمی عطاری کا علم پڑھ کر عطار (دوا فروش) نہیں بن سکتا ہے۔

لاف ہنر بیہدہ است تا ننمائی عمل   تیغ نگردد چنار گر ہمہ تن جوہر است

جو شخص عمل کو اتنی اہمیت دیتا ہو اور لوگوں کے اعتبار اور وقعت کو اس پر مبنی سمجھتا ہو یقین نہیں آتا کہ وہ بے عمل ہوگا اور نماز و روزہ وغیرہ کا پابند نہ ہوگا۔ ایسا آدمی جب اپنی سوانح عمری لکھتا ہے تو کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی موقع پر اس کا تذکرہ ضرور کرتا ہے۔ چنانچہ میری تلاش پر ایک جگہ چوتھے عنصر میں اس کا درج ذیل جملہ ملا:

''کمان را بگوشہ خانہ گذاشتہ عنان بشغل نماز گرداندم''۔ (۷۳)

کمان کو گھر کے ایک گوشے میں رکھ کر میں نماز پڑھنے لگ گیا۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز روزے کا پابند تھا۔ ایک رباعی میں بھی وہ اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

نتواں کردن بعالم غلغلہ ساز   بی طاعت حق در بہ رخ خلق فراز
درانجمنت خلوت اگر مطلوب است   بر خیز و رجوع کن بتمہید نماز

اس ہنگامہ پرور دنیا میں خدا کی اطاعت کے بغیر کسی مخلوق کا رخ نہیں کیا جاسکتا اگر انجمن میں خلوت تمہیں مطلوب ہو تو اٹھ کر نماز کی تیاری کرو۔

ہمہ بستہ اند میان دل بہوای سیم و خیال زر   تو بہ بند سبحہ صفت ہمان برہ اطاعت دین کمر

سب سونے چاندی سے دل لگائے ہوئے ہیں تو تسبیح کی طرح اطاعت الٰہی پر کمر بستہ رہ۔ اور بدعملی پر اس طرح اظہار کرتا ہے۔

زشتی اعمال دارد برق نفریں در بغل   شاہد حسن عمل را جوش تحسین زیور است

اور ایک شعر میں نکتہ پیدا کیا ہے کہ جوانی قیام، بڑھاپا رکوع اور فنا سجود ہے۔ ہستی سے لے کر عدم تک نماز کے سوا کوئی کام نہیں انجام دیا جاسکتا ہے۔

شابت قیام و شیبت رکوع و فنا سجود   در ہستی و عدم نتواں جز نماز کرد
دوستاں را درو داع ہم عبارتہا بسی است   بیدل مسکین فقیر است اللہ اللہ می کند

اور کبھی کہتا ہے۔

من کہ باشم تا بذکر حق زبانم وا شود   نام بیدل ہم زخجلت بر لبم کم رفتہ است
یارب از خاطر نازتو فراموش شود   این خیالات کہ از یاد تو دورم افگند

البتہ عام صوفیوں کی طرح اس میں غلو کا قائل نہ تھا جیسا کہ اس کی درج ذیل رباعی سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

بنیاد جسد کہ کارگاہ اسماء است   روزی دو زحکمت طبیعی بر ماست
بر صوم و صلوٰۃ میفزا کآنجا   تعدیل بہر امر کمال عرفاست

جسم کی اساس جو کہ اسماء الٰہی کی کارگاہ اور مظہر ہے، دو دن کے لئے خدا کی حکمت طبیعی سے ہم کو عطا ہوئی ہے نماز روزے میں مبالغہ سے مت کام لے کیونکہ ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کی روش ہی عارفوں کا کمال ہے۔

نماز کو عشق کی سب سے اہم اور عظیم علامت اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن سمجھ کر تمام انبیاء، صحابہ، تابعین، صلحاء اور اولیاء اس میں غلو سے کام لیتے رہے ہیں حتی کہ روایت میں آتا ہے کہ نماز میں دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے پائے مبارک ورم کر جاتے تھے اور جب کوئی آپ سے پوچھتا کہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیئے ہیں پھر اس قدر کثرت سے نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''تو پھر کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' گویا خدا کی بے شمار اور انگنت نعمتوں کا تقاضا ہے کہ ہم کثرت سے اس کے حضور پیشانی ٹیکا کریں۔

بیدل کی مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وہ کمیت سے زیادہ کیفیت کا قائل تھا یعنی نماز اس کے نزدیک وہی معتبر ہے جس میں دل میں رقت پیدا ہو اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو۔ نماز اگر کثرت سے پڑھی پر اس میں یہ کیفیت نہ پیدا ہوئی تو اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہتا ہے۔

نماز تو بی دیدۂ اشکبار   چو مینائے خالی است بی اعتبار (۷۴)

تیری وہ نماز جس میں آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوئے شراب سے خالی شیشے کی طرح بے اعتبار ہے ع

ز رونق باز می ماند چو مینا شد زمی خالی

کو طاعتی کہ مارا تا کوی او رساند   تسبیح تا زبان است زنار تا بگردن

وہ طاعت وعبادت کہاں ہے جو ہمیں اس معبود حقیقی کے کوچے تک پہونچا دے۔ تسبیح صرف زبان تک ہے اور جنیو صرف گردن تک ہے۔

[طاعت کہاں ہے ایسی پہونچائے جو وہاں تک
تسبیح صرف زباں تک زنار ہے عنق تک]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے جان اور بے روح نماز کی خدا اور رسول کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ ایسی نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر پھینک دی جاتی ہے۔ یہاں بیدل کے اس خیال سے اتفاق کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس نے ''صراحی'' کے عنوان سے اس کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے خلوص سے بھرپور اور ریا و نمود سے پاک نماز اور سجدے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

اثرہای کیفیتش دیدنی است		ازین نخل معنی ثمر چیدنی است
اس کی کیفیت کے آثار اس لائق ہیں کہ ان کا مشاہدہ کیا جائے یہ نخل معنیٰ اس لائق ہے کہ اس کا پھل توڑا جائے۔

ز طبعش درین معبد جز و کل		بہر سجدہ گل می کند چار قل
جز و کل کی اس عبادتگاہ میں اس کی طبیعت سے ہر سجدے پر چاروں قل نمایاں ہوتے ہیں۔

کہ ہر کہ پی سجدہ گشتی روان		بہر دو جہان چار تکبیر خوان
کہ جو شخص سجدہ کرنے یا نماز پڑھنے چلا ہے اسے چاہئے کہ دونوں جہاں پر تکبیر پڑھے یعنی ان سے قطع تعلق کرلے۔

جمال حقیقت کشیدہ است تیغ		سرآن بہ کہ اینجا نبا شد دریغ
جمال ''حقیقت'' نے یہاں تلوار کھینچ رکھی ہے س لئے سر وہی بہتر ہے جو خود کو اس کے سامنے پیش کرنے میں دریغ نہ کرے۔

درین بزم رنگ دگر باطلست		عبادات یک سجدۂ بسمل است (۷۵)
اس بزم میں کوئی اور اصول اپنانا یا روش اختیار کرنا باطل ہے عبادت درحقیقت ایک ''سجدۂ بسمل'' کا نام ہے۔

ان اشعار میں بیدل نے اسی ''حقیقت محمدیہ'' اور ''باطن نبوت'' کو بیان کرنا چاہا ہے جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا گیا ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات کی پابندی میں اسلامی روح اور اسپرٹ کو کارفرما دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ ''صراحی'' کے ظاہر و باطن میں یکسانیت و یکرنگی سے عبرت حاصل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ منافقت اور دو روئی کے اصول کو ترک کریں۔ اس نے صراحی کے سجدے کو ''سجدہ بی ریا'' کا سمبل قرار دیا ہے سجدہ اس طرح کرنا چاہے جیسے صراحی کرتی ہے۔ اس کے سجدے کی

کیفیت سے یہ بات الم نشرح ہوتی ہے کہ جو آدمی سجدے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ دونوں جہاں پر تکبیر پڑھے یعنی سب سے بے تعلق ہوکر انتہائی انہماک، حضور قلب، اور کمال توجہ سے خدا کے سامنے جھکے کیونکہ جمال مطلق اس وقت تلوار کھینچے کھڑا ہے اور عاشق فدا کار کا کام اس سے بہتر نہیں ہوسکتا کہ قربان ہونے کے لئے وہ اپنا سر اس کے سامنے پیش کردے اس کے نزدیک ''عبادت'' نام ہے ''سجدہ بسمل'' کا۔ ثاقب سرہندی نے کیا خوب کیا ہے۔

ز بسکہ طاعت آلودہ با گناہ کنیم		بہ سجدہ ہمچو نگیں نامہ را سیاہ کنیم
بے شمار گناہوں سے آلودہ عبادت کرتے ہیں نگیں کی طرح سجدے سے اپنے نام اعمال کو سیاہ کررہے ہیں۔

گویا بیدل کے نزدیک عبادت میں اخلاص وللہیت اور خود سپردگی و محویت کا پہلو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور بلاشہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اخلاص کی وجہ سے تھوڑا عمل بھی باوزن ہوتا ہے۔ اس نے غزلوں میں بھی اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چیست در دشت طلب با کعبہ ما را احتیاج		سجدہ گاہ ماست ہر جا نقش پا افتادہ است
طلب و جستجو کے صحرا میں ہمیں کعبے کی کیا حاجت ہے ہر وہ جگہ میری سجدہ گاہ ہے جہاں ہمارے قدموں کی چھاپ پڑی ہے۔

مخصوص نیست کعبہ بہ تعظیم اعتبار		ہر جا سری بسجدہ رسید آستانہ ایست
تعظیم کیلئے کعبہ شریف کی کوئی خصوصیت نہیں ہے جہاں بھی سر نے سجدہ کیا وہ آستانہ الٰہی ہے۔
لیکن یہ بات سچ ہونے کے باوجود فحوای قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ نے فرمایا جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام اللہ نے کعبہ شریف کو حرمت اور تعظیم کا گھر قرار دیا۔

دو تا گشتیم در اندیشہ یک سجدہ بیپشانی		براہ دوست خاتم کرد ما را بی نگینہا
ایک سجدہ بے ریائی کے فکر میں میری کمر جھک گئی دوست کی راہ میں بے نگینی نے ہماری انگوٹھی کی حیثیت بتادی۔

وہ سجدہ حضوری کا قائل تھا۔

از سجدہ حضوری بوی اثر نبردیم		امید دستہا سود از جبہہ سائی ما

ع ہستیم عہدی بنقش سجدہ رو بستہ است
بندگی کا طوق اس کی گردن میں پڑا ہے۔

ع نہ رود سلسلہ بندگی از گردن ما

مگر ایسی بندگی جس میں معرفت شامل ہو۔

بندگی با معرفت خاص حضور آدمیست — ورنہ اینجا سجدہ ہا چوں سایہ یکسر مہمت
ز بسکہ شرم سجودش گداخت پیکر بیدل — چو عکس آب نہد سر بر آستانش و بلرزد

اس کے سجدے کی شرم نے پیکر بیدل میں اتنا گداز کردیا کہ عکس آب کی طرح اس کے آستانے پر سر ٹیکتا ہے اور کانپتا رہتا ہے۔

بر جبین ما نشان سجدہ تمغای وفا است — صنعت عشق از کلف آرایش مہ می کند

ہماری پیشانی پر جو سجدے کا نشان پڑا ہے وہ تمغہ وفا ہے عشق سیاہی سے چاند کی آرائش کرتا ہے۔

با شمع گفتم از چہ سرت می دہی بباد؟ — گفت ان سریکہ سجدہ ندارد چنین خوشت

شمع سے میں نے پوچھا: کیوں اپنا سر جلا کر بھسم کئے ڈال رہی ہے؟ وہ بولی: جو سر سجدہ نہ کرے اس کا یہی حشر بہتر ہے۔

سجدہ ما چو نہ زاہد بود از بی بصری — حلقہ گردیدن ما حلقہ چشم میناست

ہم سجدہ کرتے ہیں پر وہ زاہد کے سجدے کی طرح بصیرت سے عاری نہیں ہوتا۔ ہماری حلقہ بندی حلقہ چشم مینا کی طرح خدا کی طرف یکسوئی اور انہماک کی حامل ہوتی ہے۔

ایک رباعی میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

روزی کہ قضا ز خاکیان جست سجود — از آئینہ نمود ما رست سجود
چوں سایہ ز خویش تا گمانی داریم — از جبہہ ما نمی توان شست سجود
می چکد سجدہ ز سیمای نمودم بیدل — شاہد حال من آئینہ نقش قدم است

ع آنرا کہ سجدہ جزو بدن نیست بندہ نیست

یہ تھا اس کا خیال نماز کے بابت اور اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بقیہ اعمال میں بھی جو چیز اس کے نزدیک اہمیت کی حامل تھی وہ اخلاص ہی کا پہلو ہے۔ مثلاً رمضان کے بابت کہتا ہے:

بحرمت رمضان کوش اگر ز اہل یقینی — ہمین مہ است کہ آدم طبیعت ملکشش

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض دینی وسماجی بیماریوں کی تنقید میں اس نے اس قدر مبالغہ آرائی سے کام لیا کہ بعض اسلامی شعار بھی اس طنز ونشتر کے نشانے سے محفوظ نہ رہ سکے اور بہت سے قاری اس کے بابت بدظنی کے شکار ہوگئے۔

✪✪✪

جنت، دوزخ اور روز قیامت

جن موضوعات کی بنا پر بعض مصنفین مثلاً شیخ اکرام، نیاز فتحپوری، صدرالدین عینی اور یان ریکا وغیرہ بیدل پر اسلامی اصول سے ہٹنے کا الزام لگاتے ہیں وہ ہے جنت، دوزخ اور قیامت کا تصور۔ درحقیقت اس سلسلے میں بیدل کے افکار وخیالات میں بظاہر تضاد اور تناقض نظر آتا ہے۔ مثلاً

آنسوی ایں انجمن نیست مگر وہم وطن — چشم نپوشیدہ ای عالم دیگر کجاست
تشویش انتظار قیامت قیامت است — ما را دماغ این ہمہ ابرام ناز نیست

اس نوع کے اشعار پر غور کرنے سے پہلے بیدل کے ایک مسلمان کی حیثیت سے ایمان ویقین کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا بیدل کا ان تمام امور پر یقین وایمان ہے جو ایک مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے بلکہ انتہائی صراحت کے ساتھ کہتا ہے ع

"دین احمد ہمہ جا رہبر ماست"۔

دین احمد ہے ہمارا رہبر — ہوں جہاں بھی نہیں کچھ اس میں کسر
بیدل کسی بہ عرش حقیقت نمی رسد — تا خاک پای احمد مرسل نمی شود

بیدل کوئی شخص عرش حقیقت تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا جب تک احمد مرسلؐ کی خاک پا نہیں بن جاتا ہے۔

اور ایک رقعہ میں تو صاف طور سے کہتا ہے "از محمد یانیم" میں محمدی ہوں۔

خصوصاً برہمن کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ واضح کرتا ہے کہ بیدل نہ صرف یہ کہ قیامت کا قائل تھا بلکہ دلائل کے ساتھ ایک غیر مسلم کو قائل بھی کراسکتا تھا۔ علاوہ ازیں درج ذیل اشعار میں بھی وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صورت انجمن گر محو شد پروا کراست — خامہ نقاش ما نقش دگر خواہد نمود

انجمن (دنیا) کی موجودہ صورت اگر ناپید بھی ہوجاتی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے ہمارے نقاش (خدائے تعالیٰ) کا قلم اسے دوبارہ بنائے گا۔

پیکر خاکی ما را برہ سیل فنا — باد بربادی ازاں نیست کہ معماری ہست

ہمارے خاکی پیکر کو سیلابِ فنا کے راستے میں برباد کرنے والی باد و باراں کا اس لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ ایک معمار (خدائے تعالیٰ) موجود ہے۔

بیدل بیاد محشر اگر خون شوم بجاست　　　بازم دل شکستہ دمیدن قیامت است

بیدل اگر محشر کی یاد میں سراپا خون ہو جاؤں تو بجا ہے دل شکستہ کا دوبارہ ابھرنا قیامت ہے۔

امشب بوعدہ ایکہ ز فردا شنیدہ ای　　　گر آگہی مخسب، قیامت فسانہ نیست

اب چونکہ بیدل قیامت کا قائل اور بعث بعد الموت پر اس کا یقین ہے اس لئے وہ جنت دوزخ کا بھی قائل ہے۔

اس بنا پر جن اشعار سے ایسا ترشح ہوتا ہے کہ اس نے قیامت اور جنت و دوزخ کا انکار کیا ہے ان کی اس طرح توضیح و تاویل کرنی چاہئے کہ اس کے بنیادی افکار و خیالات سے متصادم نہ ہوں۔

علاوہ ازیں بہ قول استاد محترم پروفیسر نیر مسعود، شعراء عموماً اپنے شاعرانہ ذوق کی تسکین کی خاطر بہت سے خیالات کا اظہار محض تفنن طبع کے طور پر کرتے ہیں جو ان کے بنیادی اور سنجیدہ افکار و خیالات سے ہم آہنگ نہیں ہوتے ہیں اور اب ملاحظہ ہوں ایسے اشعار۔

موی آتش دیدہ را کوتاہ می باشد امل　　　چشم ما عمر یست برروز جز افتادہ است

جس بال کو آگ کی لپٹوں نے جھلس کر رکھ دیا اسے اپنی زندگی کی امید بہت کم باقی رہ جاتی ہے۔
ہم تو ایک مدت سے روز جزا کی راہ تک رہے ہیں۔

اس شعر میں بیدل نے انتہائی صراحت و وضاحت کے ساتھ نہ صرف یہ کہ روز جزا کی حقانیت کا اعتراف کیا ہے بلکہ ایک اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''امل'' (لمبی زندگی کی امید) نے انسان کو ایک طویل اور متمادی غفلت میں ڈال دیا ہے اور آخرت اور اپنے انجام کی فکر سے بے پروا کر دیا ہے۔ کیا مرد اور کیا عورت، کیا جوان اور کیا بوڑھے کیا غریب اور کیا امیر، سب اس امید میں جیتے ہیں کہ ان کی موت ان سے کوسوں دور ہے اور ان کو ابھی بہت سے دنیاوی امور انجام دینے ہیں لیکن بیدل خود کو موئے آتش دیدہ سے تشبیہ دے کر بتاتا ہے کہ جھلسے ہوئے بال کی طرح اسے بھی اپنی زندگی کی مزید کچھ امید باقی نہیں رہ گئی۔ اور مدت سے روز جزا کی راہ تک رہا ہے کہ جس کے نتیجے میں اس کا ''امل'' کوتاہ ہو گیا اور روز جزا کے لئے سدا تیار بیٹھا ہے۔ مثنوی عرفان میں ایک جگہ سکندر کے واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ہر کرا در نظر بود مردن　　　حیف باشد غم جہاں خوردن

جس کی نگاہ میں سدا موت کا سماں رہتا ہو اس کے لئے دنیا کا غم کھانا افسوس کی بات ہوگی۔

چقدر خجلت است و رسوائی　　　مرگ در پیش و حکم فرمائی

کس قدر ذلت و رسوائی اور ندامت و پشیمانی کی بات ہے کہ موت سامنے کھڑی سر پہ منڈلا رہی ہے اور دماغ میں فرمانروائی کا خبط سوار ہے۔

اگر عبرت رہ تحقیق مطلب سر کند بیدل　　　ہمیں یک پیش پا دیدن بعقبی می برد ما را

عبرت اگر مقصد کی تلاش و جستجو کی راہ ہموار کر دے تو ایک بار قدم کے سامنے دیکھنا ہمیں عقبیٰ تک پہونچا دے گا۔

بیدل کہتا ہے اگر عقبیٰ کا سراغ لگانا مطلوب ہو تو اپنی آنکھیں کھلی رکھو اور جس چیز پر تمہاری نظر پڑے اس سے عبرت حاصل کرو۔ اپنے سامنے کی چیز پر نظر ڈالو تو عقبیٰ تک رسائی حاصل کر لو گے۔ اس شعر میں شاید اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کے درمیان ہے۔ مقصد آپ کا یہ تھا کہ قیامت بہت ہی قریب آ گئی ہے۔ فرض کیجئے کہ بیچ کی انگلی اگر آٹھ سینٹی میٹر کی ہے اور شہادت کی انگلی سات سینٹی میٹر کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی عمر کا سات حصہ آج سے چودہ سو سال پہلے گذر چکا تھا اور ایک حصہ باقی رہ گیا تھا۔ قرآن پاک بھی کہتا ہے کہ ازفت الآزفۃ (سورہ نجم ۵۷) قریب آنے والی قریب آ چکی ہے۔ دوسری جگہ ہے اقتربت الساعۃ وانشق القمر (سورہ قمر ۱) قیامت قریب آ چکی ہے اور چاند شق ہو چکا ہے۔ تیسری جگہ ہے اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون (الانبیاء ۱) لوگوں کے حساب کتاب کا وقت قریب آ چکا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے منہ پھیر رہے ہیں۔ چنانچہ غفلت پر بیدل کے بہت سے اشعار ہیں۔

در دبستان جہان از بسکہ درس غفلت است　　　خلق چوں لوح مزار از نقش عبرت سادہ اند

اس طرح دیکھا جائے تو بیدل نے اس قرآنی اور نبوی حقائق کو بیان کیا ہے۔

چہ دام است دنیا چہ نام است عقبی　　　تو معماری این خانہ ہای گمان را

دنیا کس پھندے کا نام ہے اور عقبیٰ کس چیز کا نام ہے گمان کے ان خانوں کا تو خود ہی معمار ہے۔

دنیا کو حدیث میں ''دارالمحن'' مشقتوں کا گھر کہا گیا ہے اور عقبیٰ کو روز جزا یعنی بدلے کا دن بتایا گیا ہے۔ جو اچھا یا برا کام یہاں کر رہے ہیں اس کا بدلہ دوسری دنیا میں پائیں گے لیکن بیدل ''دنیا'' اور ''عقبیٰ'' کو خانہ گماں قرار دیتا ہے اور ہم کو اس کا معمار قرار دیتا ہے۔ یہاں اس کا مقصد دنیا اور عقبیٰ سے غالباً ناخوشی و خوشی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں دنیا چاہے جو کچھ ہو آخر دکھوں کا مجموعہ ہے جبکہ عقبیٰ خوشی کا

مجموعہ ہے پس دنیا کی خوشی و ناخوشی اور سکھ دکھ کو ''خانہ ہای گماں'' قرار دے کر بیدل اس نکتے کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے کہ اگر اس کی تکلیف کو محسوس کرو تو گویا تم دنیا میں ہو اور اگر مست مولا ہو کر دکھ سکھ کوئی چیز تمہیں متاثر نہ کرے تو گویا عقبیٰ میں ہو۔ گویا یہ ہماری سوچ کا دھارا ہے جو اسے الم کدہ یا راحت کدہ میں بدل دیتا ہے ورنہ عقبیٰ کا انکار کیونکر اس کا مقصود ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود دلائل سے اسے حق ثابت کر چکا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے:

عبرت آباد است اینجا، عافیت وارستگی است　　　ہر کہ دل با این و آن بندد الم خواہد کشید

مگر از فکر عقبی باز گردم تا بخویش آیم　　　کہ از خود سخت دور افتادہ ام از پیش بینیہا

شاید کسی طرح عقبیٰ کی فکر سے میں باز آؤں تا کہ ہوش میں آؤں کیونکہ اپنی پیش بینی کی بنا پر خود آپ سے بہت دور جا پڑا ہوں۔

دنیا وہ جگہ ہے جہاں اس وقت ہم بسے ہوئے ہیں اور عقبیٰ وہ جگہ ہے جہاں مرنے کے بعد قیامت کے دن پہونچیں گے۔ ہماری پیش بینی کا تقاضا ہے کہ عقبیٰ کی فلاح و بہبود کی خاطر یہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کریں۔ سوچ کا یہ انداز ہمیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ اس کا سامنا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کریں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ خود آپ اپنی ہستی کی شناخت سے دور جا پڑے ہیں اور اپنی ذات کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں کہ لمحہ بھر ٹھہر کر اس عالم النفس کی اہمیت کو سوچیں اور اس پر غور کریں۔ بیدل کہتا ہے کہ عقبیٰ کی فکر نے میرے سراپا وجود کو اس طرح اپنی آغوش میں لے لیا ہے اور ہمارے دل و دماغ پر محیط ہو گیا ہے کہ اس سے اس کا جدا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اس نے لفظ ''مگر'' استعمال کیا ہے جس میں احتمال کا مفہوم شامل ہے اس طرح وہ دراصل اس نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شاید کبھی اس فکر عقبیٰ سے باز آئیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے اس طرح بیدل عقبیٰ کا منکر نہیں ہے۔

بیا تا دی کنیم امروز فردای قیامت را　　　کہ چشم خیرہ بینان تنگ دید آغوش رحمت را

آؤ فردائے قیامت کو آج ماضی میں بدل دیں کیونکہ خیرہ بینوں اور حیرت کے پتلوں کی آنکھ نے خدا کی آغوش رحمت کو تنگ سمجھ رکھا ہے۔

قرآن میں اکثر مقامات پر اپنی رحمت کا تذکرہ کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ کہتا ہے رحمتی وسعت کل شئ میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ یہ اور اسی طرح کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے خدا کی رحمت تمام بندوں کے اوپر ہے اور عام واقع ہوئی ہے۔ بہ قول بیدل خیرہ بیں لوگ جن سے مراد شاید خشک طبیعت اور ریاکار زاہد و عابد ہیں اور جو آزاد منشوں اور مست مولا لوگوں کو اپنی تنقید کا نشانہ

بناتے اور آخرت میں رحمت الٰہی کو صرف اپنے تک محدود و مخصوص کرتے ہیں جبکہ خدائے تعالیٰ نے اس کو ہر زمانے اور ہر مقام میں اور ہر طبقے پر عام کر رکھا ہے۔ اس لئے کہتا ہے کہ ان خیرہ بینوں کے عقیدہ کے علی رغم اس رحمت الٰہی کو مستقبل سے لے کر ماضی تک طول دیں اور تنگ دائرے سے باہر نکال کر وسیع حلقے میں داخل کریں چنانچہ خدا کی رحمت عام کا تذکرہ ایک بہترین غزل میں اس طرح کرتا ہے۔

از چمن تا انجمن جوش بہار رحمت است　　　دیدہ ہر جا باز می گردد دوچار رحمت است
خواہ ظلمت کن تصور خواہ نور آگاہ باش　　　ہرچہ اندیشی نہاں و آشکار رحمت است
در بساط آفرینش جز ہجوم فضل نیست　　　چشم نابینا سپید از انتظار رحمت است
قدردان غفلت خود گر نباشی جرم کیست　　　آنچہ عصیان خواندہ ای آئینہ دار رحمت اش
سبحہ دیگر بذکر مغفرت درکار نیست　　　تا نفس باقیست ہستی در شمار رحمت است
وحشی دشت معاصی را دو روزی سر دہید　　　تا کجا خواہد رمید آخر شکار رحمت است
نہ فلک تا خاک آسودہ است در آغوش عرش　　　صورت رحمٰن ہماں بی اختیار رحمت است
شام اگر گل کرد بیدل پردہ دار عیب ماست　　　صبح گر خندید در تجدید کار رحمت است

ایک رباعی میں بھی بیدل خدا کی رحمت کا تذکرہ خیام کے انداز میں کرتا ہے۔

بیدل! دلت آخر زنی و نغمہ چہ دید　　　کز تو بہ حصول مغفرت اندیشید
ای کم ہمت! از معصیت ترسیدی؟　　　بر رحمت ما نہ اندوختی چشم امید

بیدل رحمت الٰہی کے سلسلے میں تقریباً خیام کے فلسفے کے قریب ہے۔ خیام نے کہا ہے

آبادی میخانہ ز می خوردن ماست　　　خون دو ہزار توبہ بر گردن ماست
گر من نکم گنہ رحمت کہ کند　　　آرایش رحمت ز گنہ کردن ماست

اگر میں گناہ نہ کروں تو رحمت کون کرے رحمت کی ساری آرائش و زیبائش تو میرے گناہ کرنے سے ہے۔

بیدل کہتا ہے:

معصیت در بارگاہ رحمتش　　　خندہ ہا بر بی گناہی می زند
شبستان معاصی صبح رحمت آرزو دارد　　　ہمیں رخت سیہ محتاج صابون می کند ما را

معاصی کی شب صبح رحمت کی آرزو کرتی ہے کہ ہمارا یہ سیہ لباس ہمیں صابون کا متمنی بناتا ہے۔

بر امید ابر رحمت دامنی آلودہ ام　　　می کند آب از حیای برگی عصیاں مرا

ابر رحمت کی امید میں میں نے دامن کو آلودہ کیا ہے نافرمانی کی بے سروسامانی مجھ کو شرم سے

پانی پانی کرتی ہے۔

رحمت ز معاصی بتغافل نہ شکیبد　　زانسوت گناہا گر ازین سوست الہا

گناہوں کی وجہ سے رحمت تغافل کو برداشت نہیں کرتی ہے اگر ادھر سے گناہ ہے تو ادھر سے خدائے کریم غفور ہے ع

ما بامید شکست توبہ بیدل زندہ ایم

زمیں تا آسمان ایثار عام و آنگاہ نومیدی　　بروبیم از درباز کرم این گرد تہمت را

زمیں سے لے کر آسمان تک عام ایثار ہے پھر بھی مایوس ہو۔ آؤ کرم کے کھلے آستانے سے اس تہمت کی گرد کو صاف کر دیں۔

بطوف بحر رحمت می برم خاشاک عصیانی　　ہجوم اشک، اگر نبود عرق سیلاب می گردد

گناہ کے کوڑے کرکٹ کو بہا کر بحر رحمت کی طرف لے جاتا ہوں ہجوم اشک اگر نہ ہو، پسینہ سیلاب ہو جائے۔

ز ساز معبد رحمت ہمیں نواست بلند　　کہ ای عدم صفتاں کاشکہ گناہ کنید

چہ آغوش است یارب موجہ دریای رحمت را　　کہ ہر کس رہ ندارد ہیچ سو سوی تو می آید

خیر و شر یکہ دارید بر فضل وا گذار بد　　ہر چند امید عفو است در کیش ما گناہ است

جو بھلے برے اعمال تمہارے پاس ہیں سب کو خدا کے فضل و کرم کے حوالے کرو اگرچہ عفو و درگذری کی امید ہے پر یہ امید بھی میرے کیش و مسلک میں گناہ ہے۔

قطرہ سامانیم اما موج دریائے کرم　　دارد آغوشی کہ آسان می کند دشوار ما

اگرچہ میں قطرہ سامان ہوں یعنی میرے پاس عمل صالح کی پونجی زیادہ نہیں ہے پر دریائے کرم کی لہر کی آغوش ہے جو میری دشواری کو آسان کرتی ہے۔

ان تمام اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل رحمت الٰہی کا زبردست امیدوار تھا اور آدمی کو امید اپنے رب سے اچھی ہی رکھنی چاہئے۔ ارشاد ہے انا عند ظن عبدی بی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنت اللہ کے فضل سے ملے گی اعمال کی بدولت نہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ بیدل نے دوسری جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

ع　بعد مردن کار با فضل است با اعمال نیست

ع　کار فضل آں نیست کز اسباب انجامش دہند

لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی شان امید و بیم کے درمیان رہتی ہے۔

المومن بین الخوف و الرجا اور قرآن پاک میں بھی آیا ہے یدعوننا رغبا و رھبا نہ تو خدا کی رحمت کی ایسی امید اسے ہوتی ہے کہ گناہوں پر اسے جری کر دے اور نہ اس کے عذاب کا ایسا خوف ہوتا ہے کہ اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اس لئے بیدل سے یہاں قلمی لغزش ہوئی ہے۔

آنسوی خویشت چہ دنیا و چہ عقبیٰ ہیچ نیست　　بگذر از خود تا نگاہی پیش بیں پیدا شود

تیری اپنی ذات اور ہستی سے پرے دنیا اور عقبیٰ کوئی چیز نہیں ہے۔ اپنی ہستی سے آگے نکل جاتا کہ تیرے اندر پیش بیں نگاہ پیدا ہو۔

مقصد یہ ہے کہ دنیا و آخرت سب خود تیری ''ہستی'' میں یکجا ہو گئی ہے اس کے دائرے سے باہر نہیں ہے یہاں جیسا کہ ذکر کیا گیا دنیا اور عقبیٰ خوشی و ناخوشی کا سمبل ہے۔ یا یہ کہ اگر اچھے کام کرو تو یہیں فردوس حاصل ہے اور برے کام کرو تو یہیں جہنم ہے، چنانچہ کہتا ہے۔

عمل نیک ہر قدر کاری　　ہمہ فردوس بار می آری

عمل زشت ہر کجا استاد است　　بی تکلف جہنم ایجاد است

اس لئے تاکید کرتا ہے کہ خود اپنی ذات پہ دھیان دو اگر تم اپنے باطن میں تکلیف کا احساس کرتے ہو تب تم دنیا میں ہو اور اگر آزاد منشی یا مست مولا کی روش اختیار کرتے ہو تو عقبیٰ میں ہو لیکن اس مقصد سے کہ نگاہ پیش بیں اور عاقبت اندیش حاصل کرو ضروری ہے اس کے تصور میں اپنی ہستی کو بھی پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاؤ۔ دوسرا مصرعہ مکمل طور پر تصور آخرت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ نفع اور نقصان کو پیش نظر رکھ کر صبح سے شام اور شام سے صبح کرتے ہیں انہیں قطعاً اس کی مہلت نہیں ملتی ہے کہ قیامت کے بابت بھی کچھ سوچیں اور نگاہ پیش بیں پیدا کر کے خود کو اس کے لئے تیار کریں۔

بی کشمکشی نیست چہ دنیا و چہ عقبی　　آہ از دل آزاد کہ خود را بچہ بابست

دنیا ہو چاہے عقبیٰ کوئی بھی جگہ کشمکش سے خالی نہیں۔ آہ آزاد دل نے اپنے کو کن کن چیزوں سے وابستہ کر رکھا ہے۔

اس شعر کی وضاحت کے لئے درج ذیل شعر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

دنیا الم غفلت و عقبی غم اعمال　　آسودگی از ما دو جہاں فاصلہ دارد

دنیا اور آخرت میں پائی جانے والی کشمکش کی تفسیر کرتا ہوا کہتا ہے کہ دنیا میں غفلت کا غم ہے تو آخرت میں اعمال کا غم۔ ایسی صورت میں ظاہری سکون و آرام ہم سے کوسوں دور ہے اور سدا ایک کشمکش سے دوچار ہیں۔ رہی یہ بات کہ دنیا کس طرح الم غفلت ہے؟۔ قرآن میں آیا ہے۔ اقترب للناس

حسابھم و ھم فی غفلة معرضون. لوگوں کے حساب کتاب کا وقت قریب آ گیا ہے لیکن وہ اس کی طرف سے غفلت و بیخبری کے عالم میں منہ پھیر رہے ہیں اور دنیا میں اس طرح منہمک ہیں کہ قیامت کا تصور تک ان کے صفحہ قلب و دماغ پر نہیں ابھرتا، تیاری کی کوشش دور رہی دوسری آیت الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر دولت و ثروت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے جذبے نے تم کو ہم سے غافل کر دیا۔ بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ بہت بڑی تعداد لوگوں کی غفلت و بےخبری کے عالم میں زندگی گذار رہی ہے جو انجام کے لحاظ سے درد و الم کا سبب ہے۔ آخرت غم اعمال اس معنیٰ میں ہے کہ جو اچھے برے کام یہاں انجام دیتے ہیں اس کا اچھا یا برا بدلہ کل قیامت کے دن ملے گا اچھے کام کرنے والوں کو یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں ان کا عمل اللہ کے پاس قبول ہوا بھی یا نہیں اور برے کام کرنے والوں کو قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھنے کے بعد ہوش آئے گا تب وہ پکاریں گے کاش ہم نے اچھا کام کیا ہوتا، کاش ہم نے عقل و فہم سے کام لیا ہوتا، کاش دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاتا تو ہم نیک کام کر کے آتے۔

اس لحاظ سے آخرت غم کھانے کی جگہ ہے اس بنا پر ہم چاہے دنیا میں رہیں چاہے آخرت میں کشمکش کہیں سے دور ہوتی نظر نہیں آتی۔ بیدل کہتا ہے اس کشمکش سے رہائی کی صرف ایک ہی شکل ہے اور وہ ہے آزادمنشی کی روش جس کا دل کسی چیز سے وابستہ نہیں ہے اور کسی کا تعلق اسے دامنگیر نہیں ہے وہ کسی بھی صورت میں خوشی و ناخوشی سے متاثر نہیں ہوگا۔

انتظار صبح محشر عالمی را خاک کرد   عمرہا رفت و ہمیں امروز و فردا می رود

صبح قیامت کے انتظار نے ایک دنیا کو مٹی میں ملا دیا عمریں گذرتی رہیں اور آج اور کل کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

خواجہ عباداللہ اختر مصنف کتاب ''بیدل'' نے اس قسم کے اشعار کے تحت لکھا ہے:

''بیدل کا نظریہ تجدد امثال کے تحت یہ ہے کہ امروز و فردا اور دنیا و عقبیٰ اور زمان و مکان سب اعتباری اور نسبتی امور ہیں۔ اصل میں کائنات ایک واقعہ واحدہ ہے اور حال ہی حال موجود ہے یہ صرف تغیرات ہیں جن کو ہم ماضی اور مستقبل سے موسوم کرتے ہیں۔'' (۷۶)

راقم السطور ان کے خیال سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ برہمن کا بیدل کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے کا واقعہ قیامت پر اس کے ایمان راسخ کی تائید کرتا ہے۔

جو لوگ واقعی مسلمان ہیں قرآنی آیت ان الساعة آتیة و ان اللہ یبعث من فی القبور کے مطابق ان کا یقین ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جب ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے اور ہمارے

اعمال کا نتیجہ اچھا یا برا جیسا کچھ ہو ہم کو ملے گا۔ وہ دن کب آئے گا خدائے تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال رکھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس کی علامتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس طرح صبح محشر کے انتظار میں ہماری زندگی کے لمحات گذر رہے ہیں یہ انتظار اتنا طویل ہو گیا ہے کہ کئی نسلیں زندگی کو خیرباد کہہ کر خاک میں مل چکی ہیں۔ اب اس انتظار میں اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری زندگی کا امروز فردا گذرتا جا رہا ہے۔ چنانچہ ایک شعر میں کہتا ہے۔

مردہ ہم فکر قیامت دارد   آرمیدن چہ قدر دشوار است

مردے کو بھی قیامت کی فکر دامنگیر ہے سکون و آرام کا مسئلہ کس قدر دشوار ہو گیا ہے۔

غالب نے اسی فکر کو دوسرے انداز سے ادا کیا ہے۔

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ   مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

آنرا کہ تو عقبیٰ شمری عقبیٰ نیست   یعنی جای تقرب مولا نیست

جس کو تم ''عقبیٰ'' سمجھتے ہو وہ عقبیٰ یعنی مولا کے تقرب کی جگہ نہیں ہے۔

ممکن ہے یان ریکا شیخ اکرام اور نیاز فتحوری جیسے حضرات اس شعر کو اپنے اس دعویٰ کی تائید میں پیش کریں کہ بیدل قیامت کا منکر تھا لیکن بنیادی عقائد پر بیدل کے یقین کی اساس پر راقم السطور اس شعر کی اور طرح سے وضاحت کرتا ہے۔ ''عقبیٰ'' کو قرآن شریف میں ''تقرب مولا'' کی جگہ بتایا گیا ہے یعنی وہ جگہ جہاں فرمانبردار لوگ خدائے تعالیٰ جل جلالہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کریں گے فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر سچائی کے مقام صاحب اقتدار بادشاہ (خدا) کے قریب ہوں گے۔ دین اسلام کی حقیقت اور اس کی روح بیدل کے نزدیک جیسا کہ پچھلے صفحات میں آیا ''عشق'' ہے جو دیگر اجزا پر فوقیت رکھتا ہے۔ جب آدمی خدا سے اپنا تعلق عشق کی حد تک قائم کر لیتا ہے تو جہاں بھی ہو خدا کا تقرب اسے حاصل ہے۔ عقبیٰ کی خصوصیت باقی نہیں رہ جاتی ہے دنیا اور عقبیٰ کا فرق ان لوگوں کے واسطے ہے جنہوں نے خود کو ذات باری میں گم اور اس کے عشق میں نابود نہیں کیا ہے۔

اس نوع کے بہت سے اشعار پائے جاتے ہیں جن کی وضاحت بیدل کے بنیادی عقائد کو پیش نظر رکھ کر ہی کرنی چاہئے۔ جیسے:

دلت بہ عشوہ عقبیٰ خوش است زین غافل   کہ ہر کجا توئی، آنجا بغیر دنیا نیست

سرمایہ ہوائیست چہ دنیا چہ عقبیٰ   از ہرچہ نفس بگذرد از خویش گذشت است

ہرچہ از دنیا و عقبیٰ بشنوی   حرف نا مفہوم القاب فناست

آنسوی این انجمن نیست مگر وہم و ظن   چشم نپوشیدہ ای عالم دیگر کجاست

تشویش انتظار قیامت قیامت است　　ما را دماغ این همه الزام نازنیست
دین و دنیا چیست تا از القفش نتوان گذشت　　پیش ہمت این دو منزل یک رہ خوابیدہ است
گر ز دنیا بگذریم افسون عقبیٰ حایل است　　منزلی تا هست باقی راه ناهموار نیست
کار دنیا بسکه مهمل گشت عقبیٰ ریختند　　فرصت امروز خوں شد رنگ فردا ریختند
گه مایل دنیائیم و گه طالب عقبیٰ　　انداخت خیالت ز کجا تا بکجا ما

اب جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیدل قیامت کا منکر نہیں ہے تو لازمی طور پر ثابت ہو گیا کہ جنت اور دوزخ کا بھی منکر نہیں ہے لہذا اس موضوع پر مزید تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں رہی لیکن چونکہ یان ریپکا کا اصرار ہے۔

"He rejected the fairy tales of Paradise and Hell."

اس نے جنت کی پریوں کی کہانی اور دوزخ کے تصور کا انکار کیا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ بیدل کے بارے میں جو غلط فہمی پھیل گئی ہے اسے دور کیا جائے۔

آنسوی خوف و رجا خلد یقیں پیدا کنید　　ورنہ ایمانیکہ مشہور است جز اعراف نیست

خوف ورجا سے پرے یقین کی جنت بناؤ ورنہ جو ایمان مشہور ہے وہ اعراف کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قرآن پاک میں آیا ہے ''یدعوننا رغبا و رھبا'' رغبت اور رھبت یعنی امید اور خوف کے ساتھ ہماری بندگی کرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے المومن بین الخوف والرجا کہ مومن کی شان خوف ورجا کے درمیان ہوتی ہے یعنی نہ تو خدا کی رحمت کی ایسی امید سے ہوتی ہے کہ اس کی ہدایت پر چلنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرے اور گناہوں کے ارتکاب میں جری ہو جائے اور نہ خدا کے خوف سے وہ اتنا ڈرا سہما رہتا ہے کہ عفوو درگذری اور مغفرت کی امید کا دامن بھی ہاتھ سے دے بیٹھے۔

بیدل کہتا ہے دو چیزیں ہیں جو دوزخ اور جنت کو ہمارے ذہن میں مصور کرتی ہیں۔ خوف اور رجا۔ ایک طرف خدا کے قہر وغضب کا خوف ہے جو باغی، سرکش اور نافرمان بندوں پر ہوگا۔ یہ خوف ہمیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ ایسا کوئی کام نہ کریں جو خدا کی ناراضی کا سبب بنے اور اس کے دردناک عذاب کا مستحق ٹھہرائے دوسری طرف اس کی رحمت اور مہربانی کی امید ہے جو فرمانبرداروں پر ہوگی۔ یہ ہمیں اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ ایسا کام کریں کہ اس کی رحمت کے مستحق ٹھہریں اور جنت میں داخل ہوں۔ بیدل کہتا ہے کہ یہ ایک سرحد ہے جو یقین سے پرے واقع ہوا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں اس طرح فنا کردے اور اس کے عشق میں اس حد تک کھو جائے کہ جلوہ دوست کے سوا کوئی چیز اس کو منظور نہ ہو۔ یہاں پہنچ کر وہ خوف ورجا کی سرحدوں کو پیچھے چھوڑ کر اس جگہ

پہنچ جائے گا جسے ''خلد یقین'' سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ کہتا ہے۔

جلوہ مشتاقم بہشت و دوزخم منظور نیست　　می روم از خویش در ہر جا کہ می خوانی مرا

میں تو تیرے جلوے کا مشتاق ہوں۔ مجھے بہشت و دوزخ سے کیا مطلب۔ تو جہاں بلائے گا وہاں مستانہ وار چلا جاؤں گا۔

جو آدمی اس مقام تک نہیں پہونچا بیدل کے خیال میں وہ ''مقام اعراف'' میں کھڑا ہے۔ ''علی الاعراف رجال'' ''اعراف جنت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو ایک بڑی دیوار کی شکل کا ہے۔ کچھ لوگ وہاں کھڑے ہوں گے ان کا عمل مساوی ہوگا یعنی ان کی برائی اور بھلائی کا پلہ برابر ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت تک اسی طرح کھڑے رہیں گے جب تک خدا کا ان کے بابت کوئی فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ بیدل کہتا ہے جس قسم کا ایمان اس وقت مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے اس کی حیثیت ''اعراف'' کی طرح بین بین کی ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

خوف ورجا کے درمیان مومن کی شان کا مسئلہ ایسا ہے جس کی تائید قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی تعریف میں قرآن پاک کہتا ہے انھم کانوا یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغبا و رھبا (الانبیاء ۹۰) وہ لوگ بھلائیوں پر دوڑ کر مقابلہ کرتے اور ہم کو امید سے اور ڈر سے پکارتے تھے اور تھے ہمارے آگے عاجز۔ دوسری آیت میں فرمایا ہے۔

امن ھو قانت آناء اللیل ساجدا و قائما یحذر الآخرۃ و یرجوا رحمۃ ربہ. قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوا الالباب(۹) (زمر آیت ۲۳)

بھلا ایک آدمی جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی۔ تو کہہ کہیں برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے۔

اس آیت کے ذیل میں مولانا شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ بعض متصوفین کہا کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کو پکارے توقع سے یا ڈر سے وہ اصلی محب نہیں ہے۔ یہاں سے ان کی غلطی ظاہر ہوئی انبیاء سے بڑھ کر خدا کا محب کون ہوسکتا ہے۔ (۷۷)

جیسا کہ عرض کیا گیا بیدل کا بنیادی عقیدہ دراصل ''وحدت الوجود'' کا ہے اور وہ اس نظریے کا ایسا والہ وشیدا بلکہ جنونی ہے کہ ہر چیز کو وہ اسی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اس حیثیت سے اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے اس سے پہلے مولانا جلال الدین رومی فرما گئے ہیں۔

ترسیدن ما چونکہ ہم از بیم بلا بود　　اکنوں ز چہ ترسیم کہ در عین بلائیم

ہمارا خوف بھی چونکہ بلا کے اندیشے سے تھا اب کیوں ڈروں کہ عین بلا (عشق) میں گرفتار ہیں۔

مارا نہ غم دوزخ و نہ حرص بہشت است   بردار ز رخ پردہ کہ مشتاق لقائیم

ہمیں نہ تو دوزخ کا غم ہے نہ بہشت کی حرص۔ رخ سے پردہ ہٹا دے کہ ہم تیری صورت کے والہ و شیدا ہیں۔

وحدت الوجودی خدا کا ایسا عاشق اور ایسا فنا فی اللہ ہوتا ہے کہ اس کے دیدار کے سوا اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ کوئی منزل۔ وہ اسی کو "حاصل زندگی" "روح اسلام" اور "حقیقت محمدیہ" بلکہ "صراط مستقیم" سے تعبیر کرتا ہے ایک خط میں بیدل لکھتا ہے:

"ہادی تحقیق زمرہ آسمانیاں را از صراط مستقیم "من عرف نفسہ" منحرف نگرداند و بہ ننگ ضلالت من کان فی ہذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی نرساند۔ (۷۸)

جادہ تحقیق کی طرف رہنمائی کرنے والا (خدا) آسمانیوں (خداپرستوں) کی جماعت کو "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کے "صراط مستقیم" سے نہ ہٹائے اور "من کان فی ہذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی" کی ضلالت کے ننگ و عار تک نہ پہونچائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم بیدل کے نزدیک "شناخت و معرفت خدا" ہے۔ جبکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "ان اعبدونی ہذا صراط مستقیم" میری بندگی کرو یہ ہے صراط مستقیم۔

آفاق را در آتش و آب جنوں فگند   خلد و جحیم صنعت امید و بیم ما

دنیا کو "جنون" کی آگ و آب میں جھونک دیا ہے جنت و دوزخ ہماری امید و بیم کی کرشمہ سازی ہے۔

یہاں بھی بیدل نے اسی عقیدہ کا تکرار کیا ہے جنت خدا کی رحمت کی امیدگاہ اور دوزخ اس کے قہر و غضب کی بیم گاہ ہے اس لئے کہتا ہے یہی دو تصور ہے جس نے ساری دنیا کو جنون کے آب و آتش میں جھونک دیا ہے۔ ایسا شخص جرائم سے پہلو تہی اور نیکیوں کی انجام دہی میں جنون کی حد تک اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔

بہشت و کوثر از حرص و ہوس لبریز می باشد   بعقبیٰ ہم رسیدیم جز ہمیں دنیا نشد پیدا

بہشت اور کوثر سب حرص و ہوس سے لبریز ہیں اس دنیا کے سوا کوئی عقبیٰ بھی ہے جہاں ہم بالآخر پہونچیں گے، اب تک واضح نہ ہو سکا۔

یہ شعر بھی بظاہر جاں ریکا اور نیاز فتحپوری کے دعویٰ کی تائید کرتا ہے یعنی یہ کہ بیدل بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس طرح کے اشعار کی سدا اس کے بنیادی عقیدے کی

روشنی میں توضیح کرنی چاہئے وہ ہر چیز کو اس نظریے سے دیکھنے کا عادی ہے اس کی آرزو کی انتہا اور ارمانوں کی آخری حد "جلوہ دوست" ہے وہ چاہے دنیا میں ہو چاہے آخرت میں اسے صرف اس کا جلوہ مطلوب ہے۔ اس کے گوشہ خیال میں اور صفحہ ذہن پر دوست کے سوا کسی کا تصور نہیں ابھرتا ہے لہٰذا بہشت جس کا قرآن پاک میں ذکر آیا ہے کہ ہر طرح آرام و راحت کے اسباب سے معمور ہے۔ بیدل ان تمام چیزوں کو جو زندگی کے ساز و سامان سے وابستہ ہو، دنیا سے تعبیر کرتا ہے اور دنیا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں حرص و آز اور ہوا و ہوس سے بھری ہے اس لئے کہ جہاں دولت و ثروت ہوتی ہے وہاں لوگوں کے درمیان حرص کی بنا پر اس کے حصول کے لئے کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ یہی چیز اگر عقبیٰ میں بھی ہے تو اسے دنیا ہی کہنا چاہئے لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہر طرح کے اسباب عیش و عشرت کے باوجود جنت میں انسان کینہ، حسد، بغض، عداوت، حرص وغیرہ ہر طرح کے امراض سے خالی ہوگا۔ قرآن پاک کہتا ہے و نزعنا ما فی صدورھم من غل (الاعراف ۴۳) اور ان بہشتیوں کے دل میں جو کھوٹ وغیرہ ہوگی سب نکال دیں گے۔ اس بنا پر بیدل کا مذکورہ بالا قول یا تو غلط ہے یا اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس کا مقصد صرف ان زاہدوں پر طعن کرنا ہے جو جنت اور وہاں کے عیش و آرام کی خاطر اور اس کی حرص میں نہ کہ خلوص وللہیت کے ساتھ بندگی کرتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک کمال بندگی فنا فی اللہ یا عشق الٰہی ہے جو عاشق کے اندر دیدار دوست کے سوا کوئی اور جذبہ باقی نہیں رکھتا۔ جس بندگی میں جنت اور وہاں کی راحت کا لالچ شامل ہو وہ بیدل کے نزدیک بے روح اور بے اعتبار ہے۔

درج ذیل اشعار میں بھی وہ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

وصف جنت شنیدہ عبرت گیر   ہر جا ز رو گوہر یست جز دنیا نیست

جنت کے حالات تم نے سنے عبرت حاصل کرو۔ جہاں زر و گوہر کا مسئلہ کھڑا ہو وہ دنیا کے سوا کچھ نہیں۔

گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید   جائیکہ بداغی نہ تپد دل چہ مقام است

کہتے ہیں، بہشت میں ابدی آرام و راحت نصیب ہوگی۔ جہاں دل عشق الٰہی کے داغ میں نہ تپے وہ کیسا مقام ہوگا۔

حرص ہر سو می برد بر سیم و زر دارد نظر   زاہد از فردوس ہم مطلوب جز دنیا نداشت

حرص انسان کو جہاں کشاں کشاں لے جاتی ہے وہ سیم و زر پر نظر رکھتی ہے زاہد کو بھی حصول فردوس سے منظور دنیا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بیدل کا خیال ہے کہ انسان کا اصل مقام وہ ہے جہاں اس کا دل ہر وقت عشق الٰہی کی آگ میں

تیچڑار ہے یہ چیز اگر جنت میں نہیں ہے تو وہ بھی رہائش کے لائق نہیں ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ بیدل کو یہاں غلط فہمی ہوئی اور قرآن وحدیث کا اس نے بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا قرآن میں بھی اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ اللھم انی اسئلک الجنۃ و اعوذ بک من النار کہ خدا میں تجھ سے جنت چاہتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور قرآن کہتا ہے: فمن زحزح عن النار و ادخل الجنۃ فقد فاز جو شخص جہنم سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ آرام کی جگہ اور دوسری تکلیف کی جگہ ہے بلکہ اس لئے کہ جنت خدا کی رضا کی جگہ ہے اور جہنم اس کے قہر وغضب کی جگہ ہے اس لئے جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ کی بات تو خدا اور رسول کی ہدایات پر مبنی ہے۔

آخر میں موضوع سے وابستہ چند اشعار مثنوی عرفان سے نقل کئے جاتے ہیں جن میں اسی قسم کے افکار وخیالات مرتب شکل میں بیان کئے گئے ہیں۔

چیست جنت؟ جہان نعمت و ناز　　که عیان گشته از سرادق راز

جنت کیا ہے؟ نعمت وناز کی دنیا ہے جو راز کے سراپردہ اور خیمے سے عیاں وآشکار ہوئی۔

انجمن زار شوخی انوار　　وعدہ گاہ تجلی دیدار

شوخی انوار الٰہی کی انجمن زار، تجلی دیدار الٰہی کی وعدہ گاہ ہے (حدیث میں ہے وہاں مومنوں کو خدا کا دیدار نصیب ہوگا، کیونکہ قرآن کے مطابق آنکھیں اس دنیا میں اس کو نہیں دیکھ سکتی ہیں۔)

گر نفہمد کسی حقیقت راز　　تو بفہم و بصنع حق ناز

اس راز کی حقیقت کو اگر کوئی نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے تو تو سمجھ اور خدا کی قدرت پر ناز کر۔

بی مقام است حسن جلوہ کمین　　از تو نام آنمقام علیین

حسن جلوہ کمیں (وہ حسن جو جلوہ کی گھات میں بیٹھا ہے) کا کوئی خاص مقام نہیں ہوتا ہے یعنی جمال مطلق اس میں ہر جگہ عیاں ہے۔ تیری خاطر اس مقام کا نام علیین رکھا گیا ہے۔

چشم وا کردہ ای تماشا کن　　هم در امروز کار فردا کن

آنکھیں اگر کھلی ہیں تو اس حسن جلوہ کمین کا تماشا دیکھو اور کل کا کام آج ہی انجام دو۔

اگر آئینہ یقین صافیست　　اینقدر سیر معرفت کافیست

تیرے یقین کا آئینہ اگر صاف ہو تو خداشناسی کے لئے اتنی سیر کافی ہے۔

خلد و دوزخ کجاست چشم بمال　　جز حصول نتائج اعمال

جسے جنت وجہنم کہتے ہیں آنکھیں کھول کے دیکھو تو وہ اعمال کے نتائج کے حصول کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

عمل نیک هر قدر کاری　　همه فردوس بار می آری

جس قدر اعمال صالحہ انجام دو گے سراسر فردوس اور جنت تمہارے ہاتھ لگے گی۔

هر کجا فعل زشتت استاد است　　بی تکلف جہنم ایجاد است (۷۹)

جہاں بُرا عمل سامنے آیا بے تکلف تم نے اپنے لئے جہنم بنا لیا۔

بیدل کے اس خیال کو اقبال نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

چوتھے عنصر میں کرم وبخل کی بحث کے دوران بیدل لکھتا ہے۔

"بی تکلف فردوس اشارتست از دلہای مروت تخمیر و جہنم عبارتست از طبائع خست تاثیر۔" (۸۰)

بلا تکلف "فردوس" اشارہ ہے ایسے دلوں کی طرف جس کی خمیر میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو اور جہنم عبارت ہے اس طبیعت سے جس کے اندر خِست اور کنجوسی کا اثر ہو۔

جنت ودوزخ کے بابت بیدل کے ان واضح اور غیر مبہم بیانات کے سامنے ریکا اور نیاز فتحپوری کے درج ذیل دعویٰ کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں نیاز فتحپوری نے درج ذیل شعر کے تحت لکھا ہے:

"درہای فردوس وا بود امروز　　از بیدماغی گفتیم فردا

اس سے زیادہ صریح انکار حشر ونشر یا دوسرے عالم کا کیا ہو سکتا ہے یعنی جس چیز کو فردوس بتاتے ہیں اس کے دروازے تو ہم پر آج ہی اس دنیا میں کھلے ہوئے تھے لیکن یہ ہماری بیدماغی تھی کہ ہم نے اسے فردا پر ٹال دیا۔" (۸۱)

✪✪✪

زہد وتقویٰ

زہد وتقوی ہم خوش است امّا تکلف برطرف　　درد دل را بندہ ام دردسری درکار نیست

زہد وتقویٰ بھی اچھی چیز ہے لیکن تکلف برطرف میں تو ''درد دل'' کا غلام ہوں مجھے ''دردسر'' مطلوب نہیں۔

جب ''روح اسلام'' کی بحث سامنے آتی ہے تو بے جا نہ ہوگا اگر اس سے انتہائی وابستہ موضوع یعنی زہد وتقویٰ پر یہاں بحث کی جائے۔

بیدل کے نزدیک جیسا کہ پچھلے صفحات میں لکھا گیا عبادت کی روح اخلاص وللہیت اور بے لوثی و بے غرضی ہے۔ اس امر میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں بار بار **فاعبد اللہ مخلصا له الدین، امرت ان اعبداللہ مخلصا له الدین، قل اللہ اعبد مخلصا له دینی یا ابتغاء لوجه اللہ** کے الفاظ آئے ہیں جس کے معنیٰ ہیں دین کا ہر کام محض اللہ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس میں بیدل سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔

بیدل کا ظاہر پرست زاہدوں، عابدوں سے سارا اختلاف اسی امر میں ہے کہ یہ لوگ دولت اخلاص سے عاری ہیں ان کی ساری توجہ ظاہر آرائی اور مکاری وفریب وہی پر مرکوز رہتی ہے۔ اس اختلاف میں اس نے کسی حد تک اعتدال کا دامن ہاتھ سے دیدیا ہے اور شخصیات سے گذر کر ریش و دستار اور جبہ وقبہ سے الجھ گیا اور یہ نہ سمجھا کہ اگر کسی داڑھی والے یا پگڑی والے نے غلطی کی ہے تو اس میں اس ریش یا دستار کا کیا قصور ہے۔ سعدی نے کیا خوب کیا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہ آفتاب را چہ گناہ

دن کے اوقات میں اگر چمگادڑ کی نگاہ کام نہیں کرتی ہے تو اس میں آفتاب کی ٹکیہ کا کیا قصور ہے۔

اس مقصد سے کہ زہد وتقویٰ اور زاہدوں اور پرہیزگاروں کے بابت اس کے افکار وخیالات واضح ہوکر سامنے آئیں ضروری ہے پہلے ان کی تعریف کی جائے۔ بیدل نے سب سے پہلے شاہ ملوک کی صحبت میں زہد وتقویٰ کا درس لیا۔

''تقویٰ'' خودرا از توجہ وسواس ماسوی باز داشتن است، نہ اندیشہ بہ تفتیش حسن وقبح اشیا گما شتن۔ و''زہد'' از رعونت کدہ توانائی بکاہش آباد عجز گریختن است، نہ بایذای دلہای شکستہ غبار تعصب انگیختن''۔(۸۲)

''تقویٰ'' ماسوی اللہ کے وسوسوں کی طرف دھیان دینے سے خود کو باز رکھنے کا نام ہے نہ کہ اشیا کے حسن وقبح اور خوبی وخامی پر غور کرنے اور ان کی تفتیش وتحقیق میں الجھنے کا اور ''زہد'' نام ہے طاقت کے ''رعونت کدہ'' سے عجز وبے بسی اور کسر نفسی ونا کسی کی کاہش آباد کی طرف فرار کرنے کا، نہ کہ ٹوٹے ہوئے دلوں کی ایذا رسانی کے لئے تعصب کی گرد وغبار اس پر چھڑکنے کا۔

شاہ ملوک جیسا کہ ہم نے پڑھا، وحدت الوجودی طبقے سے تعلق رکھتے تھے جن کو ان کے ظاہری احوال کے پیش نظر اُن بزرگوں کی فہرست میں شمار کرنا چاہئے جن کے ہوش حواس بجا نہیں ہوتے حتی کہ خود اپنی خوراک پوشاک کا بھی انہیں کوئی خیال نہیں رہتا اور برہنگی میں زندگی گذارتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے اپنی اسی ذوق وحدت الوجودی کے مطابق اس کی تعریف کی اور بیدل نے اس کا اثر پوری طرح قبول کیا ہے۔

تقویٰ از تشویش دام و دانہ فارغ بودنست　　سبحہ و زاہد ہماں طفل است و ذوق گردگان

تقویٰ اصل میں دام ودانہ (دنیاوی الجھنوں) کی تشویش سے فارغ ہونے کا نام ہے۔ زاہد کے ہاتھ میں تسبیح کی مثال ایسی ہے جیسے لڑکے کے ہاتھ میں اخروٹ لڑھکانے کا عمل۔

غیر تقویٰ نیست اصل کار رندیہای ما　　از گداز سبحہ پیدا کردہ اند اینجا سراب

لیکن نکات میں اس نے تقویٰ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ''تقوی اہل دنیا'' منحصر است دامن از لوث ظاہر چیدن با نضباط شرایط صوم وصلوۃ۔

تقوی اہل دنیا، (دنیا داروں کا تقویٰ) صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ دامن کو ظاہری گندگیوں اور آلائشوں (گناہ) سے بچانے کا نام ہے۔

۲۔ ''تقویٰ اہل عقبیٰ'' منع نفس از شغل مناہی بطلب درجات مزجات۔

تقویٰ اہل عقبیٰ (آخرت والوں کا تقویٰ) نام ہے نفس کو منہیات اور منکرات سے روکنے کے ساتھ اعلیٰ درجوں کی طلب کا۔

۳۔ ''تقویٰ اہل اللہ'' باز داشتن دل از خطرات اسماء وصفات بپاس ناموس تنزہ ذات'' (۸۳)

تقویٰ اہل اللہ (اللہ والوں کا تقویٰ) نام ہے تنزہ ذات الٰہی کی ناموس کا پاس ولحاظ رکھنے کے ساتھ دل کو اسماء وصفات کے خطرات سے باز رکھنے کا۔

اہل تقویٰ کے ان تین طبقوں کی تعریف کرنے کے بعد بیدل یہ نہیں بتاتا کہ وہ خود کو ان میں سے کس طبقے میں شامل کرتا ہے لیکن اس کی دوسری تصانیف کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو تیسرے طبقے میں شامل کرتا ہے کیونکہ اہل اللہ کا تقویٰ درحقیقت وحدت الوجودی طبقے کا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اور اس نے وحدت الوجود کے مسئلے کو جیسا کہ ہم نے پڑھا پوری توانائی قلم اور زور بیان کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایک جگہ تو صاف لفظوں میں کہہ دیا ''از وحدتیانیم'' یا ''مقیم وحدتم'' (میں وحدت الوجودی ہوں)۔

اہل اللہ کے تقویٰ کی تعریف کی اساس پر کچھ عجب نہیں اگر بیدل صرف فنافی اللہ اور ذات احدیت میں کمال انہماک اور توجہ کو ہی تقویٰ شمار کرے اور جو اس خصوصیت سے عاری ہو اس کو اس دائرے سے خارج سمجھے۔ یہاں ایک اہم نکتہ بھی ہمارے ہاتھ لگتا ہے کہ بیدل اسلام کے ظاہری شعار کو اتنی اہمیت کیوں نہیں دیتا ہے اور صوم وصلوٰۃ پر اس کی توجہ اس سے کہیں کم ہے جتنا کہ ایک صوفی باصفا سے امید کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آسانی سے یہ فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اورنگ زیب کی مذہبی سیاست کو اپنی تنقید کا نشانہ کیوں بنایا جبکہ بہت سے دیندار عالموں نے اس کی تعریف کی ہے۔

پہلے باب میں ''سماجی حالات'' کے تحت ہم نے پڑھا کہ اورنگ زیب نے اسلامی اصول و ضوابط سے غیر معمولی تعلق اور لگاؤ کی وجہ سے (یا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے اس سیاست کی بنا پر جو اس نے اکبر بادشاہ اور داراشکوہ کی ملحدانہ سیاست کے مقابلے پر اپنایا تھا تاکہ عام مسلمانوں میں اسے مقبولیت حاصل ہو) اسلامی احکامات اور ہدایات کو عملی شکل دینے کے لئے کچھ اقدامات کئے تھے مثلاً لوگوں کے کردار پر کڑی نظر رکھنے، ان کو اسلام کے تمام ظاہری شعار ڈاڑھی دستار وجبہ وغیرہ کی پابندی کرانے کے لئے اور بہت سی ایسی رسوم ورواج کو ختم کرنے کے لئے جو اسلام سے متصادم تھیں محتسب مقرر کررکھے تھے۔

بیدل نے اس کی اس پالیسی کے خلاف زبردست ردعمل کا اظہار کیا اس نے اسے ظاہر پرستی، دوروئی، ریاکاری اور اسلامی روح کے خلاف تصور کیا۔

از محتسب بترس کہ این فتنہ زادہ را　　چوں وا رسند دختر رز خالہ می شود

اس کا خیال تھا کہ ظاہری احکام شریعت کی جبری پابندی پر اصرار سے لوگوں میں ریا ونمود کی خصوصیت پیدا ہوتی ہے اور خالص عبدیت اور بندگی جس کو اخلاص وللہیت سے تعبیر کرتے ہیں مفقود ہوجاتی ہے۔ لوگ اس خیال سے کہ بڑے بڑے عہدے حاصل کریں اپنی ڈاڑھی بڑھاتے، لبے کرتے پہنتے اور لمبی پگڑی باندھتے ہیں اور ساری توجہ اپنی ظاہری آرائش پر مرکوز کردیتے ہیں پھر

دھیرے دھیرے تقویٰ کو لمبی داڑھی، لمبی پگڑی لمبے اور دلکش جبے اور قبے میں محدود کردیتے ہیں۔ ایک رباعی میں وہ اپنے معاصر لوگوں کے نفاق پر اس طرح برستا ہے۔

ابنای زماں کہ نفاق آہنگ اند　　در پردۂ صلح، دستگاہ جنگ اند
چو مژگان شان تفرقہ بہتر، کاین قوم　　ہرجا بہم آمدند چشم تنگ اند

میرے ابنای روزگار نفاق میں مبتلا ہیں صلح کی آڑ میں جنگ کرتے ہیں، پلکوں کی طرح ان کا انتشار بہتر ہے۔ کیونکہ جہاں یہ لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو تنگی چشم میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ ڈاڑھی کے سلسلے میں اکبر اور اورنگ زیب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

دی پادشہی تراش ریشش خوش بود　　امروز شہ دگر در منع کشود
در دیدۂ اعتبار از حکم دوشاہ　　جز پشم نبود کہ کاہید و فزود

کل ایک بادشاہ کو داڑھی منڈانی اچھی لگتی تھی آج دوسرے بادشاہ نے اسے منع کردیا۔ ان بادشاہوں کے حکم سے دیدہ اعتبار میں اس کے سوا کچھ نہ ہوا کہ اون گھٹا اور بڑھا۔

ایک جگہ طنزیہ انداز میں کہتا ہے:

آدم گری از ریش بیاموز کہ امروز　　ہر پشم ز صد خرس و بز ومیش گذشتہ است

آج وہ زمانہ ہے جب داڑھی کو آدم گری کا معیار سمجھا جاتا ہے چنانچہ ہر داڑھی سیکڑوں ریچھ، بکری اور بھیڑ کی داڑھی سے آگے نکل چکی ہے۔

مایہ صوم و صلوٰۃ، آنگاہ سودای بہشت　　می شود معلوم زاہد جز دکان بنگ نیست

نماز روزے کے سرمایے پر بہشت کا خطب سوار ہے زاہد کو جلد پتہ چل جائیگا کہ یہ بھنگ کی دوکان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مثنوی محیط اعظم جو ۱۰۷۸ھ کی تصنیف ہے میں ''کیفیت زہد وریا'' کے زیر عنوان کہتا ہے۔

بیا ساقی ای محرم راز دل　　بیا ای طپش فہم انداز دل

اے ساقی میرے محرم راز دل! آ۔ اے دل کی تڑپ کو سمجھنے والے آ۔

کہ آفاق ز نگار تقوی گرفت　　ریا سینہ صافی ز دلہا گرفت

کہ دنیا پر اس وقت ''تقویٰ'' کا زنگ لگ گیا ہے ''ریا'' نے دلوں سے صاف ستھرے سینے کو نکال باہر کیا۔

بہ آرایش دستگاہ ریا　　شکستہ است خلقی کلاہ ریا

ریا کی دستگاہ کو سجانے کیلئے عوام نے ریا کی ٹوپی پہن پہن کر پھاڑ ڈالی ہے۔

همه غافل از مستی و تو بکار — ز بی نشه نا برده رنگ خمار

سب مستی کے عالم میں حقیقت سے بے خبر ہیں اور تو کام میں لگا ہے۔ بغیر نشہ کے خمار کا رنگ نہیں چڑھتا ہے۔

همه نوشگافان اسرار ریش — دم خرفروشان بازار ریش

سب داڑھی کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھانے والے ہیں اور بازار ریش کے دم خرفروش ہیں۔

به دستار گردون مباهات و بس — ز مسواک طوبی کرامات و بس

آسمان کی طرح بلند پگڑیوں پر انہیں فخر ہے مسواک طوبی کی کرامت کافی ہے۔

به بین ریش و در فکر دیگر مکوش — که مردان را ز اند پشمینه پوش

داڑھی کو دیکھو اور کسی اور سونچ میں نہ پڑو کیونکہ مرداں راز پشمینہ پوش (اونی موٹا جھوٹا کپڑے پہننے والے) ہوتے ہیں۔

بآرایش ریش اکثر هلاک — همه شانه ساں زین هوس سینه چاک

بیشتر لوگ داڑھی کی آرائش میں برباد ہو رہے ہیں سب اس کی ہوس میں کنگھیوں کی طرح سینہ چاک کئے بیٹھے ہیں۔

که فردا چو شور قیامت شود — همان ریش شاں ستر عورت شود

کہ کل جب قیامت کا شور و ہنگامہ برپا ہوگا تو وہی داڑھی ان کے عیوب کیلئے ستر عورت کا کام دے گی۔

چه ریش و چه ریش و چه ریش — هماں خرمن پشم و یکدست میش

داڑھی بھی کیسی؟ وہی اون کا ایک کھلیان اور بھیڑی سے ملتی جلتی۔

نگر دید عمامه جلوه گر — که سر زیر بارش نشد پشت خر

کوئی عمامہ ایسا رونما نہیں ہوا جس کے بوجھ تلے سر گدھے کی پیٹھ جیسا معلوم نہ ہوتا ہو۔

درین قوم آنکس بزرگی فروخت — که صد جبه در پیچ دستار دوخت

اس طبقہ (زہاد) میں اس آدمی نے بزرگی سے زیادہ کام لیا جس نے اپنی پگڑی کی پیچ میں سیکڑوں جبے سی ڈالے (یعنی بہت بڑی پگڑی باندھی۔)

به شیخی کسی زین خران پیش شد — که چون خرس سرتاقدم ریش شد

شیخی میں ان گدھوں سے وہ آدمی بازی مار لے گیا جو ریچھ کی طرح سر سے پاؤں تک سراپا ریش بن گیا ہو۔

بزرگی گر این پوچ بالیدن است — بیک خرس صد ریش بخشیدن است

اگر اس بے مغز چیز کو بڑھانے کا نام بزرگی ہے تو ایک ریچھ کو سیکڑوں داڑھی عطا کرنا ہے۔

پر است این زمان شهر و باز ار ها — ز بیمغزی ریش و دستارها

اس دور میں سارا شہر اور بازار داڑھی اور پگڑی کے کھوکھلے پن سے پٹا پڑا ہے۔

سرموی از آدمیت کجاست — جهاں سر بسر ریش و یک روستاست

بال برابر بھی انسانیت سے انہیں واسطہ نہیں ہے دنیا سراسر داڑھی اور دیہاتی گنوار ہو کر رہ گئی ہے۔

درین ورطه من هم زدم دست و پا — چو زاهد نمودم بخشکی شنا

اس بھنور میں میں نے بھی ہاتھ پیر مارے اور زاہد کی طرح خشکی میں تیرا کی کرتا رہا۔

عیاں شد بدرس ریا خواندنم — ز اسرار تحقیق وا ماندنم

پتہ یہ چلا کہ میں ریا کا سبق پڑھ رہا ہوں اور تحقیق کے اسرار سے دور جا پڑا ہوں۔

کشادی ز تقوی نشد حاصلم — چو ذکر حق از سجه پا در گلم (۸۴)

اس تقویٰ سے میرے دل کو کشادگی حاصل نہ ہو سکی۔ تسبیح کے ذریعہ خدا کا ذکر کر کے ایسا لگا جیسے کیچڑ میں میرا پاؤں پھنس گیا ہو۔

یہ ہے تصویر بیدل کے معاصر زاہدوں کی جو صورتاً متقی لگتے تھے پر سیرتاً شیطان تھے۔ لگتا ہے ان سے سابقہ پڑنے کے بعد بیدل کو کچھ تلخ تجربات ہوئے خصوصیت سے آخر کے تین اشعار بتاتے ہیں کہ بیدل نے ابتدا میں داڑھی رکھی تھی چنانچہ Bihar thought the ages میں بیدل کی ایک ایسی تصویر نظر آئی جس میں وہ امیر الامراء سید حسین علی خاں کے سامنے شعر پڑھتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اس میں بیدل نحیف اور باریش نظر آتا ہے جبکہ خوشگو لکھتا ہے کہ وہ ڈاڑھی منڈاتا تھا۔ ممکن ہے یہ اس زمانے کی تصویر ہو جب داڑھی رکھتا تھا۔ بہرحال زاہدوں کی صحبت میں پہنچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچا کہ ان کا سارا دین دھرم اور ان کی ساری عظمت و بزرگی صرف لمبی داڑھی، پیچ در پیچ پگڑی اور جبہ وقبہ میں منحصر ہے۔ انسانیت و مروت اور اسلامی روح انہیں چھو تک نہیں گئی ہے اس لئے اس نے نہ صرف یہ کہ ان کو اپنے تیر و نشتر کا نشانہ بنایا بلکہ اپنی ظاہری شکل و صورت کو بھی جوان سے مشابہ تھی بدل دیا اور ریش تراشی کو اپنا اصول زندگی قرار دیا۔

بیدل نے بہت سے اشعار میں اپنے معاصر ریا کار مفتی، شیخ، زاہد، ملا، قاضی، امام اور مولویوں کی کھنچائی کی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں سے اس کو تلخ تجربہ ہوا ہے یا ان سے اکثر نوک جھونک کی نوبت آتی رہی ہے۔

جز مکر در طبیعت زہاد شہر نیست   این گربہ طینتاں ہمہ یک چشم ازرق اند

شہر کے زاہدوں میں مکروفریب کے سوا کچھ نہیں رکھا ہے یہ گربہ صفت لوگ نیلی آنکھوں والے ہیں۔

ریش دفتر تزویر، خرقہ محضر بہتاں   دین شیخ اگر اینست فسق پارسائیہاست

داڑھی مکروتزویر کا دفتر بن گئی ہے گدڑی بہتاں کا محل ہے۔ شیخ کا دین دھرم اگر یہی ہے تو یہ فسق پارسائی ہے۔

این ہرزہ فطرتاں بہر علم وفن دخیل   در نسخہ قدیم عبارات ملحق اند

ہرزہ فطرت مولوی ہر علم وفن میں دخل دے بیٹھے ہیں قدیم قلمی نسخوں کے کیڑے بنے ہوئے ہیں اور ان پر عرق ریزی کرتے ہیں۔

مسائل مفتیاں شنیدم   بہ پشت و روی ورق رسیدم
تصرف مال غصب دیدم   حلال در دل حرام بر لب

مفتیوں کے مسائل سنے اور ان کے فتووں کو الٹ پلٹ کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ غصب کی ہوئی جائداد پر قبضہ کئے ہیں زباں سے حرام کہتے ہیں پر دل میں اسے حلال سمجھتے ہیں۔

ز خانقاہ ہر کہ سر برآرد مراتب جوع می شمارد   طریقہ صوفیاں ندارد بغیر ذکر طعام برلب

خانقاہ سے جو کوئی باہر آتا ہے وہ بھوک بھوک کی صدا لگاتا ہے ہونٹوں پر طعام کا ذکر کئے بغیر نہیں رہتا صوفیوں کے اصول سے اسے کوئی مطلب نہیں۔

صحبت واعظ بغیر از درد سر چیزی نداشت   آرمیدن مفت خاموشی کزین مردک گذشت
چگونہ کم شود از ما ملامت زاہد   کہ صد زبان درازش بچوب مسواک است
اسیر شانہ و حیران سرمہ زاہد   کجاست عظمت وکوعفت، ایں ہمہ جلبی است
ہنوز موی سفیدش بشیر می شویند   فریب جبہ و دستار شیخ چند جبی است

اور آخر میں ایک پوری غزل ملاحظہ ہو جس میں شیخ، زاہد، امام، ملا، قاضی، سب پر بری طرح برس پڑا ہے اور سب کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے ''حیز طینت''، یعنی ''زنخہ طبع'' قرار دیا ہے۔

آن جنگجو بظاہر اگر پشت دادہ است   پنہاں دری ز فتح نمایاں کشادہ است

اس جنگجو اور لڑاکو نے اگر بظاہر پشت پھیری ہے تو در پردہ اپنی نمایاں فتح کا دروازہ بھی کھول رکھا ہے۔

از بسکہ سعی ہمت مرداں فروتنی است   پشت سپہ قوی بسوار و پیادہ است

مرداں خدا کی انتہائی جرأتمندانہ کوشش عجز وفروتنی اور تواضع وانکساری ہوتی ہے۔ فوج کی

پشت پیادہ اور سوار فوجیوں سے ہی قوی ہوتی ہے۔

محو قفا ست آئینہ پردازی صفا   از ریش دار ہیچ مپرسید سادہ است

صفا کی آئینہ پردازی گدی میں محو ہوتی ہے داڑھی والے شخص سے مت پوچھو کہ وہ سیدھا سادہ ہے۔

طفلی چہ ممکن است رود از مزاج ''شیخ''   ہر چند مو سفید کند پیر زادہ است

شیخ کے مزاج سے بھلا بچپنا رخصت ہو جائے ممکن ہی نہیں بال کو اگر مصنوعی طور پر سفید کرے تو پیرزادہ تو کہلائے گا ہی۔

از علت ''مشائخ'' و اطوار شان مپرس   بالفعل طینت نر این قوم مادہ است

مشائخ کے طور طریقے اور ان کی علتوں کی بابت مت دریافت کرو اس قوم کی مردانہ طبیعت اس وقت زنانہ ہو گئی ہے۔

ہر جا مزیتی است بحکم صلاح شرع   در ریش ''محتسب'' بچہ اش را نہادہ است

جہاں شریعت کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے تو محتسب داڑھی کی جگہ بچہ ریش رکھ لیتا ہے۔

اینجا خیال گنبد ''عمامہ'' ہیچ نیست   بار سرین بگردن ''واعظ'' فتادہ است

واعظ کی گردن پر سرین کا بوجھا اتنا زیادہ ہے کہ گنبد عمامہ کا تصور بھی اس کے مقابل کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے۔

زاہد کجا و طاعت یزدانش از کجا   از وضع سجدہ شیوہ خاصش ارادہ است

زاہد کو بھلا خدا پرستی اور طاعت الٰہی سے کیا تعلق۔ جس انداز سے وہ سجدہ کرتا ہے اس سے بھی مخصوص ادا کا اظہار منظور ہوتا ہے۔

''رعنائی امام'' ندارد سر نماز   می نازد از عصا کہ بدستش چہ دادہ است

امام کی رعنائی وخود آرائی کا مطلب بھی یہی ہے کہ نماز کی ادائیگی اس کے پیش نظر نہیں ہے۔ اسے تو اس عصا پر فخر ہے جس نے اس کی شان و شوکت بڑھائی ہے۔

''ملا'' ہزار بار بانگشتہای دخل   تہ کردہ درس و گرم تلاش اعادہ است

ملا نے ہزاروں دفعہ اپنی آمدنی کو انگلیوں پر گنتی کر کے درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کیا اور اس کے اضافے کی کوشش میں وہ سرگرم ہے۔

نا مرد و مرد تا نکشد زحمت گواہ   ''قاضی'' دریں مقدمہ غورش زیادہ است

اس مقصد سے کہ نامرد اور مرد گواہی دینے کی زحمت نہ گوارا کریں قاضی کا اس مقدمہ پر غوروفکر کا سلسلہ بڑھ گیا۔

اقبالِ خلق بسکہ بادبار بستہ عہد | پیش اوفتادہ است و قفا ایستادہ است

لوگوں کا اقبال بڑی حد تک سرینوں سے وابستہ ہوگیا ہے اگاڑی سامنے پڑی ہوتی ہے پچھاڑی کھڑی ہے۔

پستی کشید دامن این ''حیز طینتان'' | چندانکہ نام شان بزبانہا فتادہ است

حیز طینتوں (زنخہ صفت انسانوں) کے دامن کو پستی نے اس حد تک نیچے گرادیا ہے کہ ان کے ناموں کا چرچا لوگوں کی زبانوں پر ہونے لگا ہے۔

بیدل ز جہاں محو شد آثار مروت | امروز بجز مو کہ گذارد بسر انگشت

خروش بی مزۂ صوفیاں کبابم کرد | دعا کنید کہ میخانہ خانقاہ شود

ای بسا شیخی کہ ارشادش دلیل گمرہی است | غول اکثر راہ خلق از شمع و مشعل می زند

زاہد خیال جبہ و دستار وا گذار | اینہا بزرگی سر کوچک نمی شود

حذر ز تزویر زہد کیشان، مخور فریب صفای ایشاں | وضوی مکروہ خام ریشان ہزار شان و تراش دارد

عرفان نصیب زاہد جنت پرست نیست | این جوی خشک مغز بدریا نمی رسد

زاہدان حاشا کہ در خلد بریں یابند بار | چون عصا این خشک مغزان باب آتشخانہ اند

اس میں ذرا شک نہیں کہ داڑھی اسلامی شعار میں داخل ہے اور داڑھی والے شخص کے تقدس اور بزرگی کی وہ علامت سمجھی جاتی ہے لیکن جب لوگ اس کی آڑ میں نازیبا حرکتیں کریں تو پھر وہ بزرگی کی علامت باقی نہیں رہ جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم داڑھی کا مذاق اڑائیں، اس کی تحقیر کریں، جناب رسول خدا ﷺ کے ارشاد اعفوا اللحی داڑھی بڑھاؤ سے بے پروائی برتیں اور گفتگو میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے دیدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بیدل کو یہاں ایک زبردست مغالطہ ہوا۔ کہتا ہے۔

چہ ریش و چہ ریش و چہ ریش | ہماں خرمن پشم و یکدست میش

داڑھی کیا ہے؟ اون کا ایک کھلیان اور بھیڑوں سے یگانگت و مشابہت ہے۔

ایک طرف تو کہتا ہے ''دین احمد ہمہ جا رہبر ماست۔''

احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ ﷺ کا دین ہر جگہ ہماری رہنمائی کرتا ہے اور حضور سے اپنی گرویدگی و شیفتگی کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

جنون می کنم از کمالش مپرس | ز خود می روم از جمالش مپرس

آپ کے کمالات و جمالات کا حال مجھ سے نہ پوچھو اس کے تصور سے مجھ پر جنون اور بیخودی کی کیفیت طاری ہے۔

دوسری طرف اس داڑھی کا جس کے بڑھانے کا حکم آپ نے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے، مذاق اڑاتے ہوئے ''خرمن پشم'' اور ''یکدست میش'' سے تعبیر کرتا ہے اور اس تقوئ کو جس کو آپ نے ''ملاک الحسنات'' فرمایا ہے ''دردسر'' سے تعبیر کرتا ہے اور دل کی عدم کشادگی کا باعث قرار دیتا ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔ علم عقائد و کلام کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر آدمی شریعت کے احکام پر عمل نہیں کرتا ہے لیکن ایمان پر قائم ہے تو وہ بدعمل ہے لیکن اگر ان احکام کا مذاق اڑاتا ہے تو کفر کے دائرے میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کی اس غلط فہمی اور غلط گوئی کا اعتراف کرنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ خدا سے دعا ہے کہ اس کی ان قلمی لغزشوں کو اپنے دامن عفو میں جگہ دے۔ آمین۔ لگتا ہے بیدل کو اپنی ان خامیوں کا احساس بڑھاپے میں ہوا ہے کہتا:

بیدل اشغال خطا را مایہ دانش مگیر | صرف لغزش چوں قلم سرتا بپا می بینمت

بیدل اپنے غلط کاموں کو علم و دانش کا سرمایہ مت قرار دے۔ قلم کی طرح سر سے پاؤں تک تو مجھے محو لغزش نظر آتا ہے۔

از شرم روسیاہی اعمال زشت خویش | بر رخ کشیدہ ایم ز دست دعا نقاب

علی قلی خاں والہ نے اسی قسم کا ایک واقعہ اپنے تذکرے میں لکھا ہے جو اس کی غلط گوئی کو واشگاف کرتا ہے۔

ایک دن میرزا بیدل نواب نظام الملک کے سامنے بیٹھا تھا کسی نے مرزا سے کہا: آپ داڑھی منڈاتے ہیں؟ مرزا نے جواب دیا ہم داڑھی مونچھ ضرور منڈاتے ہیں پر کسی کا دل نہیں دکھاتے۔ نواب نے سن کر کہا: اس سے برا کیا ہوگا کہ آپ نے پیغمبر کے دل کو تکلیف پہونچائی اور خلاف شریعت کام کیا اور سنت ترک کیا۔ (۸۵)

میر حسین دوست نے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے۔

کہتے ہیں مرزا پگڑی میں پنبہ اور داڑھی میں بچہ ریش پر اکتفا کرتا تھا۔ ایک ظریف الطبع شخص نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر درج ذیل شعر لکھا اور اس کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

پنبہ و ریش مرزا بیدل | بچہ ریش و بچہ دستار

بیدل کا پنبہ اور داڑھی بچہ ریش (چھوٹی داڑھی) اور بچہ دستار (چھوٹا صافا) ہے۔

جب بیدل کی نظر اس کاغذ پر پڑی تو اسے اٹھا کر اس کی پشت پر یہ رباعی لکھ دی۔

ای مغز خرد غبار تشویش مباش | عمامہ و بزرگی اندیش مباش

گر یک سر موست آدمیت کافیست | چوں خرس ز فرق تا قدم ریش مباش (۸۶)

اے سراپا مغز دانش تشویش کی گرد و غبار مت بن۔ عمامہ پہن کر بزرگی اور عظمت کا ڈھنڈورا مت پیٹ اگر تیرے اندر بال برابر بھی انسانیت اور آدمیت ہے تو یہی کافی ہے۔ ریچھ کی طرح سر سے پاؤں تک سراپا ریش مت بن۔

اسی قسم کا ایک واقعہ خوشگو بھی لکھتا ہے جو مجموعی طور پر بیدل کے رجحان اور اس عہد کے لوگوں کے اس پر اعتراض کا نمائندہ ہے۔

لیکن بیدل درحقیقت سیدھی سادی زندگی کا قائل تھا جس میں سب سے بڑی خصوصیت انسانی ہمدردی، مروت و انسانیت، لطف و مہربانی ہو۔ وہ ریا و نمود سے بھری زندگی کا سخت مخالف تھا۔ اس نے لمبی داڑھی اور پگڑی کی برائی صرف اس لئے کی کہ لوگوں نے اس کی آڑ میں غلط کاریاں شروع کر دی تھیں اور تقدس کی اس علامت کا پاس و لحاظ نہ رکھا۔ وہ ریا کو زنا کے مشابہ قرار دیتا ہے۔

ریا گر چنیں کار حق می کند   ہم از سبحہ ات دین عرق می کند

ریا اگر اس انداز سے حق کا کام انجام دے تو تیری تسبیح سے مارے شرم کے دین کے ماتھے سے پسینہ ٹپکے۔

بمعنی ریا از زنا نیست کم   اگر بنگری صورت لفظ ہم

معنی کے لحاظ سے ریا زنا سے کم نہیں ہے اگر غور سے دیکھو تو صورتاً بھی دونوں ایک جیسے ہیں۔

کسانیکہ مشق ریا کردہ اند   بہ تصحیف نامش زنا کردہ اند

جن لوگوں نے ریا کی مشق و ریاضت کی ہے انہوں نے نام میں تصحیف و تبدیلی کر کے زنا کیا ہے۔

وہ خلوص اور یکروئی کا قایل اور دلدادہ تھا ع

مرد را چوں تیغ در ہر امر یکرو بودن است

بیدل نے مثنوی میں بھی اور غزلوں میں بھی اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے اور ظاہر پرستی پر سخت حملہ کیا ہے۔

تو معذوری ای زاہد بیخبر   کہ در بزم مستان نداری گذر

اے بے خبر زاہد تو معذور ہے کیونکہ مستوں کی محفل میں تیرا گذر نہیں ہے۔

تو در خلوت مست وہم و گمان   چساں یابی از ذوق مستی نشان

تو خلوت میں وہم و گمان میں مست ہے بھلا مستی کا مزہ تجھے کہاں ملے گا۔

کنم ایں زماں شرح طامات تو   بتو وا نمایم کرامات تو

اب میں تیرے لاف و گزاف کی تفصیلات پیش کرتا ہوں اور کرامات کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔

رہ خجلت دعویت وا کنم   ترا ہم بہ پیش تو رسوا کنم

تیرے نرے دعوی کی ندامت و خجالت واضح کروں گا تجھے خود تیرے سامنے رسوا کروں گا۔

کہ مستان کفیل ادب نیستند   ظہور ریا را سبب نیستند

کہ (شراب عشق میں) مست و مولا لوگ ادب کا پاس و لحاظ اگرچہ نہیں رکھتے ہیں پر ریا و نمود کے ظہور کا سبب نہیں بنتے۔

بعمامہ لافت ندارد حساب   کہ پر پوچ باقیست کار حساب

عمامہ پر تیری لاف زنی کی کوئی حد و حساب نہیں ہے کیونکہ حساب کتاب کا کام سستی و کاہلی سے بھرا ہے۔

اگر زاہدی جبہ و جامہ است   سماروق ہم مرد عمامہ است (۸۷)

اگر زاہدی جبہ و قبہ اور لباس و پوشاک کا نام ہے سماروق (چھتری کی طرح کا سفید پھول جسے ہندی میں بھی چھتر کہتے ہیں) بھی دستار والا آدمی ہے۔

اور آخر میں داڑھی کو اپنی تنقید اور طنز و نشتر کا نشانہ کیوں بنایا اس کا تذکرہ کرتا ہے۔

بیا ساقی ای رحمت ایزدی   کرم شامل رندی و زاہدی

اے ساقی اے رحمت الٰہی آ کہ تیرا کرم رند اور زاہد دونوں کو شامل حال ہے۔

کہ ما را باہل ورع جنگ نیست   یقین عالم شیشہ و سنگ نیست

کہ اہل تقویٰ سے مجھے کوئی لڑائی نہیں ہے یقین شیشہ و سنگ کی دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے۔

بحرفیکہ بنیاد او سرسریست   اگر جنگ واقع شود زرگریست

جس بات کی اساس اور بنیاد ایک سرسری بات ہو اگر اس پر جنگ ہو تو وہ جنگ زرگری (بناوٹ کی لڑائی) ہے۔

مگو قدح زہد و ریا کردہ ام   حق مدحی از سر ادا کردہ ام

یہ نہ کہو کہ میں نے زہد و ریا کی مذمت کی ہے بلکہ مدح کا حق ادا کیا ہے۔

بدل داشتم صافی سینہ ای   بروں رُفتم زنگ آئینہ ای

میرے دل میں ایک صاف ستھرا سینہ تھا میں نے اس کے زنگ اور مورچے کو صاف کر دیا۔

کہ اہل ریا را درین روز گار   گذشت است از شانہ و سر بکار

کہ اس زمانے میں اہل ریا کا معاملہ شانہ و سر بھی آگے بڑھ چکا ہے۔ (یعنی ظاہری آرائش سے بھی آگے مکر و فریب کے دائرے تک پہنچ چکا ہے)۔

سزد کاین زمان دیده ای وا کنید — در آئینه خود را تماشا کنید (۸۸)

اس وقت اگر اپنی نگاہیں واکر کے آئینے میں خود کو جھانک کر دیکھو تو مناسب ہوگا۔

بیدل ظاہری آرائش وزیبائش کا قائل نہیں ہے۔اس کا خیال ہے کہ دو دن کی زندگی اس لائق نہیں کہ ہم ظاہری زیب وزینت اور ٹیپ ٹاپ میں گذاریں۔ ظاہری آرائش بسا اوقات مقصود تک رسائی میں سنگ راہ ثابت ہوتی ہے۔ موت کے وقت انسان دو گز کپڑے کے سوا کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لے جاتا ہے اس لئے انجام پر نظر کر کے ساری توجہ آرائش باطن پر مرکوز کریں۔

ز تشویش کسوت مکش درد سر — مباد این غبارت به پوشد نظر

لباس و پوشاک کی فکر میں دردسر مت مول لے مبادا یہ غبار تمہاری نظر سے منزل کو اوجھل کردے۔

بایں پرده گر محرمی بایدت — کفن باید از جامه یاد آیدت

اس پردے کی رازداری اور محرمی اگر درکار ہے تو لباس و پوشاک کے طور پر صرف کفن کو یاد کرلے۔

مشو مائل آب ورنگ فریب — مباش از حضور خضر بی نصیب (۸۹)

مکر وفریب کے آب ورنگ کی طرف مت مائل ہو خضر کی موجودگی سے بے بہرہ مت رہ۔

زہد وتقویٰ اور ریش ودستار سے متعلق اس کی غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

بیدل از افسون گریت خرس وبز آدم نشود — جنگ برریش مزن از ہوس شانه برآ

بیدل تیری افسوں گری (منتر پڑھنے) سے ریچھ اور بکری انسان نہیں بن جائیں گے داڑھی کے معاملے میں جنگ وجدال مت کر کنگھے کی خواہش سے نکل آ۔

از چه پرواز بزرگی نفروشد زاہد — ریش بر تافته کم نیست بز اخفش را

زاہد اپنی بزرگی کی پرواز کا ڈھنڈورا کیوں نہ پیٹے بز اخفش کے پاس داڑھی بھی بٹی ہوئی داڑھی سے کچھ کم نہیں ہے۔

زاہد زعیش رندان پر غافلست بیدل — فردوس درہمیں جاست گر ریش رخش نباشد

زاہد کو رندوں کے عیش وآرام کی سرے سے خبر نہیں ہے۔ فردوس تو اسی جگہ ہے اگر ریش رخش (سفید سیاہ رنگ کی ملی ہوئی) نہ ہو۔

مگر زاہد ابلہانرا سر خط درس ریاست — سامری تعلیم باطل می کند گوساله را

بیوقوف زاہدوں کے پاس شاید درس ریا کی کوئی یادداشت ہو سامری گوسالہ کو غلط قسم کی تعلیم دے رہا ہے۔

لازم افتاده است واعظ را باظهار کمال — کرناواری غریوش مایه گفتارہا

واعظ کو اپنے کمال کے اظہار کے لئے اپنی تقریر میں کرناک (بڑی ترئین) کی طرح چیخنا چلانا ضروری ہوا ہے۔

زاہدان گوشه را ساز بزرگی ناقص است — ریش ہم می باید اینجا درخور دستارہا

گوشہ نشیں زاہدوں کے لئے بزرگی کا ساز ناقص ہے یہاں ریش بھی پگڑی کے لحاظ سے لمبی ہونی چاہئے۔

زہد خشک زاہد نیست باکی سیر مستا نرا — که ایمن از خزان باشد بہار گلشن مینا

زاہد کے خشک زہد سے مستوں کی سیر وسیاحت کو کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہے کیونکہ مینا کی بہار گلشن خزاں کی دستبرد سے محفوظ رہتی ہے۔

ہر صید غلق در زہد ریائی جاں مکن — زین تکلف عالمی بیدین شد و دنیا نه شد

ان خیالات کے برعکس حضرت امام شافعیؒ کا خیال بھی ملاحظہ ہو۔

وما احد من السن الناس سالما — و لو انه ذاک النبی المطهر

فان کان سکیتا یقولون: ابکم — و ان کا منطیقا یقولون: اهذر

و ان کا صواما و باللیل قائما — یقولون زراق یرائی و یمکر

فلا تخش الا الله جل جلاله — هو الواحد المنان الله اکبر (۹۰)

کوئی آدمی بھی چاہے وہ اس نبی کی ذات مقدس ہو، لوگوں کی زبان سے محفوظ نہیں ہے۔ اگر وہ خاموش رہے تو کہیں گونگا ہے اور اگر باتیں کرے تو کہیں بڑا لغو گو ہے۔ اگر روزہ نماز اور تہجد کا بہت پابند ہو تو کہیں مکار، فریبیا اور ریاکار ہے سو اللہ جل جلالہ کے سوا کسی سے مت ڈرو وہ اکیلا، احسان کرنے والا اور بزرگ وبرتر ہے۔

✪✪✪

سیرِ دل

از تماشاگاه ہستی مدعا ''سیر دل'' است　　چوں نفس باید بر این آئینہ ہم پیچید و رفت
ستم است اگر ہوست کشد کہ بگشت سرو سمن درآ　　تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ ای، در دل کشا بچمن درآ
[ستم ہے اگر ہوہوس تجھے کرے سیر باغ و بہار کی　　نہیں غنچہ سے تو ہے کم کوئی دردل کو کھول وچمن میں آ]

دل کیا ہے اور اس کی کرشمہ سازیاں کیا ہیں؟ بیدل کا ایک انتہائی دلچسپ اور پسندیدہ موضوع ہے جس کو اس نے اپنی شاعری کے تقریباً تمام اصناف میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک حوصلہ منداور شوقین قاری اس کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوگا۔

حدیث میں آیا ہے الا ان فی الجسد مضغة، اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله. الا هی القلب. جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ وہ لوتھڑا دل ہے۔

طب میں بھی دل کو اعضائے رئیسہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کی صحت و سلامتی پر تمام اعضائے بدن اپنے وظائف صحیح طریقے سے انجام دیتے ہیں خصوصاً ہمارے عہد میں دل کے مرض نے طب میں خاص اہمیت حاصل کرلی ہے اور دل کے مخصوص ڈاکٹروں کی پریکٹس کا بازار نہایت پر رونق ہے کیونکہ دل کے مریضوں کی تعداد آئے دن بڑھتی جارہی ہے جس کے نتیجے میں شرح اموات میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔

لیکن بیدل نے یہاں اس حیثیت سے اس پر بحث کی ہے کہ عرفان و سلوک میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ اسی کے ساتھ اس کے بیان میں ایک فلسفیانہ رنگ بھی پیدا ہو گیا ہے جس کے اندر جسمانی، شرعی اور نفسیاتی پہلو بھی شامل ہو گئے ہیں۔

غزلوں کے علاوہ مثنویوں خصوصاً محیط اعظم میں ''کیفیت دل'' کے عنوان سے اس کی منظم و مرتب شکل میں وضاحت کی ہے جبکہ غزلیات میں انہیں خیالات کو پراگندہ شکل میں پیش کیا ہے اس لئے بہتر ہے اول مثنوی سے استفادہ کریں۔

یہ دل ہے ساری کائنات جس کا ساز و آواز ہے۔ اس کی آواز سے دونوں جہاں پر بیخودی کی

کیفیت طاری ہے۔ لفظ ''کن'' سے خدائے تعالیٰ نے جو بساط بچھائی ہے اسے دل کے دائرے سے باہر مت سمجھو۔ یہ دل ہے جس نے ذات کے آئینہ تحقیق کو وجود عطا کیا کہ اگر خدائے تعالیٰ کی ذات تک رسائی چاہتے ہو تو اس کی صفات پر غور کرنا ضروری ہے۔ دل کے کرشمے انگنت ہیں اس کا سب سے اہم کرشمہ یہ ہے کہ جو لفظ و معنیٰ ہمیں نظر آتا ہے سب کا تعلق کتاب دل سے ہے اور جو جہل و دانش نظر آتی ہے سب کا ربط اسی سے ہے۔

چہ لفظ و چہ معنی کتاب دل است　　ہمہ جہل و دانش حساب دل است

کیا لفظ اور کیا معنیٰ سب کا تعلق کتاب دل سے ہے کیا جہالت و کیا دانش سب کا حساب دل سے وابستہ ہے۔

یہ دل ہے جو بظاہر قطرہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے پر ساری دنیا کو اس نے تہ و بالا کر رکھا ہے اگر اس میں شگاف ڈال کر جھانکئے تو ساری دنیا اس میں سمٹی نظر آئے گی۔

دلست اینکہ آفاق برہم زدہ است　　دلست اینکہ آتش بعالم زدہ است
دلست اینکہ انگیخت شور دوئی　　دلست اینکہ گوید دوعالم توئی

یہ دل ہے جس نے دوئی کا ہنگامہ کھڑا کیا ہے یہ دل ہے جو کہتا ہے دونوں جہاں تجھ سے عبارت ہے۔

معمای سحر است این قطرہ خون　　چو بشگافی آفاق آید برون

خون کا یہ قطرہ جادو کا معما ہے اسے چیرو تو ایک جہان اسی میں گم نظر آئے گا۔

دل میں اچھی بری ہر طرح کی صلاحیت موجود ہے جو راہ و روش وہ اپناتا ہے اہل دل کو ویسا ہی لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اگر حق کی طرف مائل ہوا تو اسے حق حاصل ہے اگر باطل کی طرف جھکا تو باطل اسے حاصل ہے۔ جمود و رکود کی راہ اختیار کی تو دوزخ بن گیا اگر محنت و مشقت اور عرق ریزی و جفاکشی سے کام لیا تو بہشت بن گیا۔ اگر اپنی نگاہ وا کی تو ساری دنیا اپنے اندر سمو لیا۔ اگر سانس لے تو آسمان بھی اس کے اندر محو ہو جائے۔ اگر خلوت میں پڑا ہے تو ''وحدتی'' ہے اور اگر جلوت میں ہے تو ''کثرتی'' ہے۔ باطنی طور پر وہ مٹھی بھر خون ہے پر بظاہر ایک دنیائے حیرت ہے۔

بحق تا گرایید حق حاصل است　　بباطل اگر محو شد باطلست
گر افسرد دوزخ کمین است و بس　　چون خون شد بہشت آفرین است و بس
نظر می کشاید جہان می شود　　نفس می زند آسمان می شود
خفا وحدتی و جلا کثرتی　　نہاں مشت خون و عیان حیرتی

اور آخر میں اپنے بابت کہتا ہے:

سراپا دلم گر ہمہ بیدلم — حق اوست در پردہ باطلم

اگر چہ میں بیدل ہوں پر سراپا دل ہوں میرے پردہ باطل میں حق وہی ہے۔

حتی کہ کفر و اسلام، روز و شب اور ہدایت و ضلالت میں جو تمیز ہم کرتے ہیں اور ان کے درمیان حد فاصل قائم کرتے ہیں یہ بھی دل کی کرشمہ سازی ہے۔

چہ کفر و چہ اسلام نیرنگ دل — چہ روز و چہ شب گردش رنگ دل

کیا کفر اور کیا اسلام کیا دن اور کیا رات، یہ سب ایک دل کی کرشمہ سازی ہے۔

ہدایت براہ وفا رفتنش — ضلالت ہمان راہ گم کردنش

ہدایت نام ہے اس کی وفا کی راہ پر چلنے کا یا اس کی وفاداری نبھانے کا اور ضلالت نام ہے اس راستے کو کھو دینے کا۔

غرض ساری پستی و بلندی، افسردگی و تازگی، سردی و گرمی، حق و ناحق، محبت و عداوت، قہر و مہر، وحدت و کثرت، خلوت و جلوت، دوزخ و بہشت، یگانگت و دوئیت سب کا سرچشمہ دل ہے۔ یہ ایک آفت کا پرکالہ ہے کونسا کام ہے جو انجام نہیں دیتا ہے۔

ز نیرنگ این رمز مشکل مپرس — کس این عقدہ نکشود از دل مپرس

اس مشکل رمز کی نیرنگیاں کیا کیا ہیں یہ نہ پوچھو۔ کوئی بھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھا سکا ہے دل سے مت پوچھو۔

بقامی فروشد، فنا می کند — مپرس ایں قیامت چہا می کند (۹۱)

بقا فروشی اور فنا پذیری کرتا ہے یہ ایک قیامت ہے اس کی کرشمہ سازیوں کے بابت کچھ نہ پوچھو۔

اس سلسلے میں بیدل نے ایک شیریں اور دلچسپ حکایت بیان کی ہے جس کے ذریعہ وہ قارئین کو دل کی رنگا رنگ کرشمہ سازیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ قصہ اگر چہ کافی لمبا ہے مگر ذیل میں اس کا خلاصہ پیش ہے۔

ہندوستان کے ایک علم دوست اور ادب نواز بادشاہ نے تمام اہل علم و دانش کو دعوت دی کہ اس کے حضور اپنے مخصوص فن کا مظاہرہ کریں۔ ملک کے گوشے گوشے سے اہل فن اس کے دربار میں اکٹھا ہوئے اور اپنے اپنے فن کی نمائش کی۔ ایک شخص لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اس گھوڑے میں پرواز کی صلاحیت ہے۔ بادشاہ فوراً اس گھوڑے پر سوار ہو گیا جو چشم زدن میں بلندی پر پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ایک ایسے صحرا میں اسے گرا دیا جہاں دور دور تک آدم نہ

آدم زاد کا پتہ تھا جب ہوش میں آیا تو خود کو ایک ویران و سنسان جنگل میں عالم اضطراب میں پایا۔ تین دن تک اسی حالت میں پڑا رہا اس کے بعد ایک دن دور سے ایک خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ مختصر سی گفتگو کے بعد لڑکی نے کہا: میں تم کو اس شرط پر پانی اور روٹی فراہم کروں گی کہ وعدہ کرو مجھ سے شادی کرو گے۔ بادشاہ کو ہاں کہنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ لڑکی اسے اپنی برادری کے پاس جو مہتروں کی تھی لے گئی۔ یہ قبیلہ مردار کا گوشت کھاتا تھا۔ بادشاہ نے جو یہ منظر دیکھا تو اسے چھوڑ کر بھاگنا چاہا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ غرض اس کی برادری کی رسم کے مطابق دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ ابھی سال پورا ہونے کو نہیں آیا تھا کہ ایک لڑکا اس کے ہاں پیدا ہوا۔ دس سال اسی حال میں بیت گئے۔ اس مدت میں دس بچے اس سے پیدا ہوئے۔ بادشاہ جو شروع میں اس سے نفرت کرتا تھا دھیرے دھیرے ان تمام عادات و رسوم کا عادی ہو گیا۔ خصوصاً اس کے بچوں اور بیوی نے اس برادری سے اس کا تعلق استوار اور مضبوط کر دیا۔ دس سال کے بعد اتفاق سے وہاں قحط رونما ہوا اس کے نتیجے میں اس برادری کے تمام افراد تلاش معاش میں ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ بادشاہ نے بھی بیوی بچوں کے ساتھ پردیس کی راہ لی۔ اپنے ناسازگار حالات سے تنگ آ کر اس نے ایک دن خودسوزی کا ارادہ کیا تاکہ بھوک کی دستبرد سے خود کو پوری طرح آزاد کرلے لیکن جونہی آگ جلا کر اس نے خودسوزی کرنا چاہا تو بجائے اس کے کہ آگ اسے جلائے اس نے خود کو اپنے قدیم پایہ تخت میں پایا جہاں اس کا تخت و تاج، شان و شوکت، جاہ و جلال اور حشم و خدم سب اس کے گرد حسب سابق برقرار تھے۔ حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے اپنے دل کا راز کسی سے بیان کرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس وقت وہ اگر چہ عیش و آرام میں تھا پر اس کا دل بیوی بچوں سے ملنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔

بدل منکشف گشت اشگرف — کز افشای آن داغ شد صوت و حرف

اس کے صفحہ دل پر ایک حیرت انگیز نکتہ رونما ہوا جس کے افشا سے صوت و حرف پر صدمہ طاری ہو گیا۔

نمی یافت ہمراز دل ہیچکس — بلب بود شق انگشت حیرت نفس

کوئی اسے اپنا ہمراز نظر نہیں آتا تھا حیرت سے انگشت بدنداں تھا۔

آخر اپنے عہد کے پیغمبر کی طرف رجوع کیا اور سارا ماجرا انہیں سنا کر ان سے مشکلات دور کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے جواب دیا۔

کہ ای ماندہ از مرکز اصل دور — نداری خبر از طلسم ظہور

اے آدمی چونکہ تو اپنے اصلی مرکز سے دور جا پڑا ہے، طلسم "ظہور" کی تجھے کچھ خبر نہیں۔

برویت در راز وا کردہ اند   برمز خودت آشنا کردہ اند

راز کا دروازہ تجھ پر وا کر دیا گیا ہے تجھ کو تیرے رمز سے واقف کر دیا گیا ہے۔

در آندم کہ شوقت ز اہل ہنر   طلب کرد علم فریب نظر

تیرے شوق نے جس دم فنکاروں سے نظر فریبی کا علم طلب کیا۔

تقاضای نیرنگ دل جوش داشت   گل راز تمہید آغوش داشت

نیرنگ دل (دل کی شعبدہ بازی) کے تقاضوں میں ایک ابال آیا گل راز تمہید کے آغوش میں تھا۔

برون ریخت دل ہم اثرہای خویش   بخونت نشاند از ہنرہای خویش

دل کے اثرات نمایاں ہو گئے اور اپنی کرشمہ سازیوں سے تجھ کو خون آلودہ کر دیا۔

دلت صورت و معنی عالم است   وگر نہ وجود و عدم مبہم است

تیرا دل دنیا کی صورت و معنی ہے ورنہ تیرا وجود و عدم سب پردہ ابہام میں ہے۔

بہر جا مصور کند نقش غیب   نمود جسد سر برآرد ز جیب

مصور (فوٹو گرافر) جہاں غیب کے نقوش بناتا ہے اس کے گریباں سے جسم کا نمود ہوتا ہے۔

غرض یہ سب دل کی کرشمہ سازیاں اور نیرنگ آفرینیاں تھیں پھر اسے یہ نصیحت کرتا ہے کہ دل کی نیرنگیوں کے ساز سے غفلت نہ برتے۔ پھر یہ قوت واہمہ کا کرشمہ تھا جس نے یہ دشت و در پیدا کئے جبکہ دل کے دائرے سے باہر قدم رکھنا اور خارجی دنیا کی سیر و سیاحت کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

تو از دشت و در پختہ ای وہم غیر   ولی خارج از دل محالست سیر

تو نے دشت و در کا تصور کر کے ''غیر دل'' کا وہم کیا حالانکہ دل کے دائرے سے نکل کر سیر و سیاحت کرنا محال ہے۔

بفہم ای زخود بیخبر !کیستی؟   کہ از پردۂ دل بروں نیستی

اے اپنی ہستی سے یا اس کی اہمیت سے بے خبر آدمی! ذرا دھیان دے کہ تو آخر کون ہے؟ تو دل کے پردے سے خارج نہیں ہے۔

دل کا قبض و بسط بھی اس کی کرشمہ سازی ہے۔ اپنی کلفتوں اور زحمتوں پر اگر غور کرو تو ازل سے ابد تک وہ ایک گرہ کی شکل میں نظر آئیں گی اور اگر شعور کی اساس ''بسط'' پر قائم نہ ہو تو اس کی تنگی سیکڑوں دشت تک پھیل جائے گی۔ زمانے کی تعریف و تحدید کے لئے مہینوں اور سال کی جو اصطلاح ہم نے وضع کی ہے وہ حقیقت میں دل کے قبض و بسط کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ''غبار خیال'' پردۂ دل سے نکل کر جب چند عمارتوں پر آکر رُکا تو اس نے خود کو ایک ''حیز محدود'' تصور کیا جو ''مکان'' کی شکل میں سامنے آیا اور

جب اس ''حیز'' کو ''امل'' سے جوڑ دیا تو ''زمان'' وجود میں آیا۔ لہذا جو چیزیں ذہن سے خارج میں نظر آتی ہیں سب کا سرچشمہ ''خیال دل'' ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ دونوں عالم قوت خیال کی طپش گاہ ہے۔ اور بھانت بھانت کے افکار و خیالات جو نظر آتے ہیں سب اسی ایک شیشہ کی شراب ہیں۔ ارباب کمال کی نظر میں ساری دنیا قوت خیالیہ کی مشق کے نتیجے میں سیاہ اور تاریک ہو چکی ہے اور تعلق کی نوعیت اور کیمیت کے لحاظ سے قوت خیالیہ ہم کو حالات سے متاثر کرتی ہے۔

خیالت بہرجا گذر می کند   بقدر تعلق اثر می کند

تیرے ''خیال'' کا جہاں جہاں سے گذر ہوتا ہے اس سے تعلق کے مطابق اس کا اثر تجھ پر ظاہر ہوتا ہے۔

نخستیں تعلق بدل پرورد   دگر ہرچہ خواہی بعرض آورد

اس تعلق کی پرورش اور نشو و نما پہلے دل میں کرتا ہے پھر جو تمہاری منشا کے مطابق ہو وہ اسے پیش کرتا ہے۔

کنون بگذر از خویش چشمی بمال   نظر کن عروج و نزول خیال

اب اپنے شعور کے دائرے سے نکل جاؤ اور آنکھیں مل کر دیکھو اور قوت خیالیہ کی پستی و بلندی پر نظر ڈالو۔

آخری شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شاہ کا ایک مہتر کی لڑکی سے عقد کرنا، اس سے بچے پیدا ہونا، دس سال تک بیوی بچوں کے درمیان زندگی گذارنا، قحط و گرسنگی کی وجہ سے آپ کو نذر آتش کرنا، اپنے سابق تخت و تاج پر پہنچنا، بیوی بچوں کی جدائی میں آہیں بھرنا، ان کی تلاش میں جنگل کی خاک چھاننا، ان کو دوبارہ پانا، مہتروں کے خاندان میں ہونے کی وجہ سے بادشاہ کا ان کو اپنے پاس لانے کی جرأت نہ کرنا، اس کے دل میں کشمکش پیدا ہونا اور عام لوگوں پر اس راز کو فاش نہ کرنا یہ سب دل کی کرشمہ سازیاں تھیں ان ساری پستی و بلندی اور اتار چڑھاؤ کا سرچشمہ وہی دل ہے۔ یہ بادشاہ کا قوت خیال سے تعلق تھا جس نے عروج و زوال کے مختلف مراحل سے اسے دوچار کیا۔ اس تعلق نے دل کو پابہ زنجیر کیا ہے۔

غبار تعلق درین خاکدان   دلت راست افسوں ضبط عنان

دنیا کے اس خاکدان میں ''غبار تعلق'' تیرے دل کے لئے عناں گیر ہے۔

خیالت بموہومی آشفتہ است   وگرنہ بقا در عدم خفتہ است (۹۲)

تیرا خیال ایک وہمی چیز سے آشفتہ و پریشان ہے ورنہ بقا تو عدم میں محو خواب ہے۔

’’دل‘‘ ’’خیال‘‘ کو وجود بخشتا ہے اور خیال تعلق کو جنم دیتا ہے اور تعلق نگاہ کو حکم دیتا ہے کہ ہر طرف آوارہ گردی کرے۔ اس طرح بیکلی و بیقراری دل کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

بیدل نے مثنوی ’’عرفان‘‘ میں اس موضوع پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

آفتابت در آستیں خفتہ　　سیر پر تو دماغ آشفتہ

تیرا آفتاب خود تیری آستین میں محو خواب ہے اس کے عکس کی سیر و سیاحت نے تیرے دماغ کو آشفتہ کر دیا ہے۔

آنسوی چرخ اگر پر افشانی　　نیست ممکن بروں ز دل مانی

اڑان بھر کر اگر آسمان کے پرے بھی چلے جاؤ تو بھی دل کے دائرے سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔

ہر طرف می روی دل افتادہ است　　رفتن از خویش مشکل افتادہ است

جدھر جاؤ گے دل وہاں پڑا ملے گا خود آپ یا اپنے دل کے دائرے سے باہر جانا مشکل ہے۔

ذرہ تا عرش آگہی منزل　　سیر گاہ وضوح و دقت دل

ذرہ سے لے کر عرش تک سراپا آگہی منزل ہے دل کے واضح اور دقیق امور کی سیر گاہ ہے۔

دیر تا کعبہ رنگ پر تو اوست　　وضع تعمیر کہنہ و نو اوست

دیر سے لے کر کعبہ تک سب اسی کے پرتو کا مختلف رنگ ہے کہنہ و نو کی تعمیر کی قدیم و جدید تعمیر کی شکل و صورت سب اسی سے ہے۔

زین عمارت دوانده صد شعبہ　　یک عجم دیر و یک عرب کعبہ

اس عمارت سے سیکڑوں شاخیں نکلی ہیں ایک پورا عجم دیر ہے ایک پورا عرب کعبہ ہے۔

گر بنای جہاں رود برباد　　رہ ندارد خلل درین بنیاد

دنیا کی اساس اگر ڈھے بھی جائے تو اس بنیاد میں کوئی خلل پڑنے والا نہیں ہے۔

بیش ازین بر خیال پوچ مپیچ　　ہر دو عالم دلست باقی ہیچ

اس سے زیادہ اس پوچ، لچر اور بے وقعت خیال پر پیچ و تاب مت کھا جہاں درحقیقت دل کا نام ہے باقی کچھ نہیں ہے۔

خلوت و انجمن دلست اینجا　　فہم اسرار مشکلست اینجا (۹۳)

خلوت ہو چاہے جلوت سب دل ہے (دل کی کرشمہ سازی سے خلوت یا جلوت حاصل ہوتی ہے) اسرار رموز کا سمجھنا یہاں بڑا مشکل کام ہے۔

شاہ کابلی کی خدمت میں استفادہ کے دوران دل سے متعلق ان کے ارشاد کو بیدل نے اس طرح نقل کیا ہے۔

’’دل اجتماع کیفیات علوم است۔‘‘ ’’وعلوم‘ ادراکات معانی نامفہوم‘‘ (۹۴)

دل نام ہے ’’انواع و اقسام کے علوم کی جولانگاہ و آماجگاہ‘‘ کا اور ’’علوم‘‘ نام ہے ایسے مطالب و معانی کے ادراک کا جو بہ آسانی دائرہ فہم میں نہیں آتے۔

دل گویا ایک چشمہ ہے جہاں سے تمام علوم و دانش کی دھارا نکلی ہے۔ علم کیا ہے شاہ صاحب نے جامع اور دلچسپ تعریف کرتے ہوئے کہا ہے علم دراصل نام ہے ان معانی کے ادراک کا جو ہمارے دائرہ فہم میں بہ آسانی نہیں آتے ہیں۔ کیونکہ جاننے سے مقصود یہی ہے کہ جن باتوں سے ہم ناواقف ہیں ان کو اپنے دائرہ فہم میں لائیں اور چونکہ سارے علوم کا سرچشمہ دل ہے اس لئے اس کا سراغ ہمیں وہاں ملے گا۔ بیدل نے اس نکتے کی وضاحت کے لئے ایک دلچسپ غزل کہی ہے۔

چہ شد آستان حضور دل کہ تو رنج دیر و حرم کشی　　بجریدہ سبق وفانہ زدی رقم کہ قلم کشی

’’حضور دل‘‘ کا آستانہ کہاں چلا گیا جو تو دیر و حرم کی زحمت اٹھا رہا ہے سبق ’’وفا‘‘ کے صحیفے پر ابھی تو نے کچھ لکھا نہیں تھا کہ اس کو قلم زد کر دیا۔

بقبول صورت بی اثر مکش انفعال فسردگی　　چہ قدر مصور عبرتی، کہ چو سنگ، بار صنم کشی

بے اثر شکل و صورت قبول کرنے کی خاطر جمود و فسردگی کی ندامت مت اٹھا تو ’’عبرت‘‘ کا کتنا بڑا نمائندہ ہے کہ پتھر کی طرح بت ہونے کا بار گراں اٹھائے ہوئے ہے۔

رمقیست صورت مغتنم بہوس فسون عمل مدم　　چو حباب سعی کمی مدان کہ نفس بہ پیکر خم کشی

صورت مغتنم (دل کی شکل و صورت جو ایک غنیمت چیز ہے) صرف ایک رمق بھر ہے ہوا و ہوس میں پڑ کر عمل کا منتر اس پر مت پھونک۔ پیکر خم (جھکی ہوئی قامت) کے باوجود اگر تو سانس لے رہا ہے تو اسے بلبلے کی طرح کوئی معمولی کوشش مت سمجھ۔

بہ برت زجوہر ائینہ ورقیست نسخہ طراز دل　　سیہ است نامہ اگر ہمہ نفسی بجائی رقم کنی

’’نسخہ طراز دل‘‘ تیرے سامنے جوہر آئینہ کا ایک ورق ہے یہ نامہ سیاہ رہے گا اگر تو سراسر سانس سے اس پر لکھتا رہے گا۔ (جس طرح آئینہ پر سانس لینے سے اس پر تاریکی چھا جاتی ہے اور عکس برداری کی خصوصیت اس میں نہیں رہتی ہے۔)

ایک جگہ بیدل کہتا ہے جسے ہم ’’تسلیم‘‘ سے معنون کرتے ہیں وہ درحقیقت ’’سجود در اندیشہ دل‘‘ کا نام ہے اندیشہ دل میں سجود کا مطلب یہ ہے کہ دل کے تقاضوں کے سامنے جھک جائے)۔

چیست تسلیم ؟ سجود در اندیشہ دل   کہ یقین ہم زہمیں پردہ بدری آید

تسلیم کیا ہے "دل کے اندیشے میں سجود کا نام ہے" کیونکہ یقین وایمان بھی اسی پردے سے نکلتا ہے۔

محرم حیرت این آئینہ باید بود   کہ بطوفش چہ معانی چہ صوری آید

اس آئینے کی حیرت کا محرم اور راز داں بننا چاہئے جس کا طواف کیا معانی اور کیا صورتیں سب کررہی ہیں۔

قاصد ونامہ وپیغام طپشہای دلست   محو دل باش کز این کوچہ خبری می آید

قاصد، نامہ اور پیغام، سب دل کی دھڑکنوں کا نام ہے اس لئے دل کی طرف متوجہ رہو جہاں سے خبریں آرہی ہیں۔

اس موضوع پر غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں جو درحقیقت اُسی قسم کے خیالات کے نمائندہ ہیں جو مثنوی میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

بیدل از بس بگرفتاری دل خو کردیم   بی غم دام وقفس دل ما خرم نیست

عمرما بیدل بطوف کعبہ دلہا گذشت   گرد چندین نقطہ یک پرکار ما گردیدہ است

عمر بست سراغ دل گم گشتہ نداریم   یا رب بکجا این ورق از دفتر من ریخت

این صدفہا یکقلم بی گوہر اند   عالمی دل دارد اما دل کجاست

آئینہ چند ین تب وتا بست دل ما   چون داغ جنون شعلہ نقابست دل ما

ہمارا دل چند تب وتاب کا آئینہ ہے داغ جنون کی طرح ہمارا دل بھی شعلے کا نقاب اوڑھے ہوئے ہے۔

آتش زن و نظارہ بیتابی ما کن   جز سوختن آخر بچہ بایست دل ما

اسے نذر آتش کردے پھر ہماری بیتابی وبیقراری کا تماشا دیکھ۔ ہمارے دل کو جلنے کے سوا آخر چاہئے ہی کیا۔

حسرت ثمر کوشش بیحاصل خویشیم   از بسکہ نفس سوخت، کبابست دل ما

اپنی لاحاصل کوششوں کے ثمرہ کی حسرت رکھتا ہوں۔ میرے سانس میں اتنی ہی سوزش اور جلن تھی کہ میرا دل جل بھن کر کباب ہوگیا۔

بیدل آن فتنہ کہ طوفان قیامت دارد   غیر دل نیست ہمیں خانہ خرابست اینجا

بیدل وہ فتنہ جس میں طوفان قیامت کا منظر چھپا ہے دل کے سوا کچھ نہیں ہے وہ یہی خانہ خراب ہے۔

دل آمادہ چندین ہوس داری بہم بشکن   مبادا فتنہ زائیہا کند آبستن مینا

تیرے دل میں طرح طرح کی ہوس کا خبط سوار ہے انہیں باہم ٹکرا دے۔ شیشۂ دل کا ان ہوا و ہوس سے حامل ہونا خدانخواستہ کہیں فتنہ وفساد کا دروازہ نہ کھول دے۔

ذوق گدازدل چقدر زور داشت است   انگور از ریشہ برآورد تاک ما

گداز دل کے ذوق میں کتنی توانائی تھی کہ ہمارے تاک (انگور کی لت) نے آخرکار جڑ سے انگور کے خوشے نکالے۔

گر زبان درکام باشد، راز دل بی پردہ نیست   ساز ما می نالد از ابرام این مضرابہا

زباں چاہے حلق کے اندر رہے پر راز دل فاش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مضراب کے لگاتار چھیڑنے سے ہمارا باجا آہ وفغاں کررہا ہے۔

گر نفس زیر و زبر باشد، دل دلست   تہمت خط بر نداد نقطہ ازاعراب ہا

سانس اوپر نیچے ہوتو ہوا کرے، دل تو پھر دل ہے (وہ متاثر نہیں ہوتا) اعراب (زیر وزبر) ڈالنے سے نقطہ لکیر نہیں بن سکتا۔

شوق دل وا ماندہ پست وبلند دہر نیست   نالہ فرہاد بیرون است زین کہسارہا

دل کا شوق حالات کی پستی و بلندی سے ہار مانتا اور نہ پسپا ہوتا ہے۔ فرہاد کا آہ و نالہ اِن پہاڑیوں کی بلندی سے پرے ہے۔

رازدل راشکست از آسیای چرخ نیست   سودہ کی گردد گہر از گردش گردابہا

آسمان کی چکی سے راز دل کو کوئی شکست نہیں ہوتی ہے۔ موتی بھنور کی گردش سے کب فرسودہ ہوتا ہے۔

از تماشا گاہ دل ما راسر پرواز نیست   طوطی حرمان ما دارد قفس آئینہ را

دل کی تماشا گاہ سے پرواز کرنے کا ہمارا کوئی خیال نہیں ہے ہماری بدنصیبی کی طوطی آئینے کو پنجرا سمجھتی ہے۔

کدامیں راہ، کو منزل، کجا می تازی ای غافل   بفکر دشت و در مردی و در جیب است میدانت

اے غافل انسان کس راستے پر اور کس منزل کے لئے تگ ودو کر رہا ہے، دشت و در کی فکر میں مرے جارہے ہو حالانکہ تیرا میدان تیرے دامن میں ہے۔

ہمہ جا جمال تو جلوہ گر، ہمہ سو مثال تو در نظر   بتاملی مژہ باز کن کہ نسازد آئینہ غافلت

بدیر و کعبہ کارت چیست بیدل   اگر فہمیدہ ای دل خانہ کیست

بیدل! اگر یہ سمجھو کہ دل کس کا گھر ہے تو دیر وکعبہ سے واسطہ نہ رہے۔

برون دل نتوان یافت هر چه خواهی یافت　　کدام گنج که در خانه خراب تو نیست

جو کچھ حاصل کرنا چاہو دل کے دائرے سے باہر نہیں ہے کونسا خزانہ ہے جو تیرے ویران گھر میں نہیں ہے۔

به یک صفحه ز صد نسخه فراغت داریم　　دل آشفته اگر جمع شود دفتر ماست
سعی خلوت دل کن، شاه ملک عزت باش　　در برون در خفتن ذلت گدایهاست
عرش و فرش اینجا محاط وسعت اباد دلست　　کعبه ما را سواد تنگی از اطراف نیست
بدل رو کن اگر سر منزل امنی هوس داری　　نفس در خانه آئینه آلام سفر دارد
از کسب صفا شد بدلم کشف معانی　　آئینه ام اندیشه نما شد، چه بجا شد
صافی دل چیست؟ از تمیز گذشتن　　آئینه با خوب و زشت کار ندارد
گر دلست صافست از مکروهی دنیا چه باک　　قبح شخص آئینه را بدنام نتوانست کرد
بر همین ابله ختم است ره کعبه و دیر　　کاش می کرد کسی سیر مقام دل ما
بیدل نمی تواں ز سر دل گذشتنم　　این مشت خون ز آبله صد بار نازکست
کدامین راه و کو منزل کجا می تازی ای غافل　　بفکر دشت و در مردی و در جیب است میدانت

✪✪✪

کشف قلوب

بیدل تو همیں بصیقل دل پرداز　　کایں آئینه چو صاف شد اندیشه نماست

بیدل! تو دل کی صیقل گری اور باطنی آلائشوں سے اس کی تطہیر میں لگا رہ کیونکہ یہ آئینہ اگر صاف ہوگیا تو اس میں افکار و خیالات کی پرچھائیں نظر آنے لگے گی۔

یہ مضمون مثنوی معنوی میں مولانا روم نے بھی بیان کیا ہے اور بیدل کا سرچشمہ وہی ہے۔

کہتے ہیں۔

آئینه دل چو شود صافی و پاک　　نقشها بینی در و بیروں ز خاک
روزها فکر من این است و شبها سخنم　　که چرا غافل از احوال دل خویشتنم

پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا کہ ''دل'' بہت سے دوسرے موضوعات کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے منجملہ اس کے ''کشف قلوب'' کا مسئلہ ہے۔ اس موضوع سے متعلق بیدل نے ''چہار عنصر'' میں چند واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ کشف قلوب کیا ہے؟ بیدل کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''جمعی که بر بساط بی طلبی آرمیده اند، اراده دیگران را مراد خود فهمیده اند۔ کشف قلوب از معنیهای این عبارتست۔ واشراق ضمائر از مضامین این استعارت۔'' (۹۵)

جو لوگ بے غرضی و بے لوثی کی بساط پر محو استراحت ہیں دوسروں کے ارادے کو خود اپنی مراد سمجھتے ہیں ''کشف قلوب'' اسی خصوصیت کا نام ہے اور ''اشراق ضمائر'' (دل کو منور کرنا) اسی مضمون کو کہتے ہیں۔

بی طلبی و بے لوثی کی بساط پر محو استراحت ہونے کا مطلب بیدل کے نزدیک یہ ہے کہ خدا شناسی کے مقام پر پہنچنے کے بعد آدمی ہر قسم کی نفسانی خواہشات اور ہوا و ہوس کی قید و بند سے آزاد ہو جاتا ہے اور ان سے بے اعتنائی برتتا اور سرد مہری کا اظہار کرتا ہے اور اپنی رضا کو دوست کی رضا میں نابود کر دیتا ہے۔ اس وقت اس کا دل آئینے کی طرح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے اس کے سامنے جو تمثال یا تصویر آتی ہے اس کا عکس اس میں نمایاں ہو جاتا ہے ''کشف قلوب'' کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں بیدل نے ۱۰۸۳ھ میں حضرت شاہ قاسم ہو اللّٰہی کی اڑیسہ میں وفات کا واقعہ

بیان کیا ہے جو بیدل کے اکبر آباد کے قیام کے دوران خواب کی حالت میں اسے پیش آیا۔ اس کے بعد جو لوگ اڑیسہ سے اکبر آباد آئے تھے انہوں نے ان کی وفات کی توثیق کی تو اسے اپنا خواب واقعہ کے عین مطابق نظر آیا۔

دوسرا واقعہ بھی بیدل کے انہیں روحانی استاد سے وابستہ ہے۔ بیدل نے خواب کے عالم میں ایک مجلس میں شاہ قاسم ہواللہی کو دیکھا جہاں ''حیا'' کے موضوع پر کچھ بحث ہو رہی تھی۔ بیدل نے شاہ صاحب کا اشارہ پا کر درج ذیل شعر ''حیا'' سے متعلق کہا۔

''حیا خواندم نگہ در گرد خط ماند   ادب کردم رقیمہ در نقط ماند

میں نے ''حیا'' کا لفظ کیا پڑھا کہ نگاہ محبوب کے خط میں الجھ کر رہ گئی شرم کے مارے دیکھ نہ سکا۔ ادب سے کام لیا تو تحریر نقطوں میں اٹک کر رہ گئی۔

اتفاق سے چند دن کے بعد شاہ صاحب سے ملاقات کی نوبت آئی۔ اس مجلس میں حضرت شیخ عطار کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' پڑھی جا رہی تھی۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں مسئلہ ''حیا'' پر گفتگو کا ذکر تھا بیدل کو ان کے بیان پر حیرت ہوئی شاہ قاسم نے فوراً فرمایا۔

''حق آنست کہ تو آن شب بنظم معروض داشتہ ای''۔(۹۶)

سچی بات وہی ہے جو تو نے اس رات کو نظم میں کہی تھی۔ یعنی حیا کی تعریف سے متعلق جو شعر تو نے کہا تھا۔

اس حیرت انگیز واقعہ سے بیدل اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بعض لوگوں کے دل پر جو غیبی امور الہام ہوتے ہیں اس کا اصلی سبب ''دل کی تحریک'' ہے جب تک اس کا پردہ چاک نہیں کرتے وہ نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے یہی بے نام ونشان حرکت ہے جو مختلف اعضا میں نہاں ہو کر مختلف تعبیر اختیار کرتی ہے مثلاً زبان کے لئے بیان، آنکھ کے لئے آشنائی، قدم کے لئے رفتار، ہاتھ کے لئے گرفت۔ اس حرکت نے ساری کائنات کو ان کے سانس کی حرکت کے بقدر اپنی آغوش میں لے رکھا ہے اس کے بعد کہتا ہے:

''بہر جا طبیعتی را ''آئینہ تمثال حقایق'' یافتہ اند، دل آنجا بمطالعہ حقیقت خود پرداختہ است۔ وہر کجا از تحقیق بیخبرش دیدہ اند، بحکم بی نیازی نظر بر کیفیت خود نینداختہ۔''(۹۷)

انسانی طبیعت کو جہاں ''تمثال حقائق'' کا آئینہ پایا دل وہاں اپنی حقیقت کے مطالعہ میں لگ گیا اور جہاں اس کو تحقیق سے بے خبر دیکھا ہے بے نیازی کے حسب اقتضا اس نے اپنی کیفیت پر نظر نہیں ڈالی ہے۔

طبیعت کا ''آئینہ تمثال حقائق'' ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دل کو اس کی حقیقت کا سراغ مل گیا ہے اور جہاں یہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ دل کو ابھی اپنی حقیقت کا سراغ نہیں ملا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جن لوگوں نے حقیقت دل کا پتہ لگانے کے بعد امکانی اور دنیاوی امور کے رخ سے نقاب ہٹایا اس سے پہلے کہ اعیان کی طبیعت میں کوئی خیال اور تصور سر اٹھائے اس کے مرقوم کا مشاہدہ کر لیا ہے لیکن عوام کا دھیان چونکہ صرف ظاہری اعمال واشغال کی طرف ہوتا ہے اس لئے دل کی حقیقت سے وہ بے خبر ہوتے ہیں۔ ورنہ نگاہ اگر دوسری نگاہ کی محرم ہو سکتی ہے اور ہاتھ دوسرے ہاتھ کے لمس سے واقف ہو سکتا ہے تو پھر دل ایک دوسرے کے ارادے کا آئینہ دار کیوں نہیں ہو سکتا۔ یہ جو اہل اللہ عموماً ایک دوسرے کے حال سے آگاہ ہوتے ہیں بیدل اس کو اسی اصول پر مبنی سمجھتا ہے یعنی ان کے دل تمثال حقائق کا آئینہ ہو چکے ہیں۔ لکھتا ہے:

''آگاہی صاحبدلان از احوال، ہم بنا بر آنست کہ اجزای آب، بی غبار موانع پیوستہ در یکدیگر می جوشد۔ وغفلت مقیدان بعلت اینکہ عنصر سنگ جز حجاب وافسردگی نمی کوشد۔ اگر یکسر آب حرکت می دہند بسراسر روی دریا می رود۔ واگر ہزار سنگ برہم کوبند پہلو ہا متاثر جنبشی نمی شود۔ آئینہ داران معنی صفا اگر از باطن کدورت طینتان نیز اسرار واکشند، بعید نیست زیرا کہ جوہر آب بقوت نظافت ہم سیّاح مساحت ہواست وہم غواص طبیعت خارا۔ در خانہ ایکہ آئینہ نصب کردہ باشند، ہرچہ در آن خانہ جلوہ نماید اینجا مرئی است وآنچہ در آنجا بعرض می آید درین مقام متجلی۔''(۹۸)

صاحب دل حضرات کا ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہونا اسی اصول پر مبنی ہے کہ پانی کے اجزا کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر سدا ایک دوسرے کے اندر جوش زن ہوتے ہیں اور دنیوی دھندوں میں گرفتار لوگوں کی ایک دوسرے کے حال سے بے خبری اور غفلت اسی وجہ سے ہے کہ پتھر کا عنصر حجاب و افسردگی کے سوا کسی اور چیز کو جنم نہیں دیتا اگر پانی کے کسی ایک سرے کو متحرک کریں تو اس کا اثر دوسرے سرے پر بھی نظر آتا ہے اور اگر ہزاروں پتھر کو کوٹیں تو اس کے پہلو میں ذرا جنبش نہیں ہوتی ہے ''معنیٰ صفا'' کے آئینہ دار ''کدورت طینتوں'' کے باطن کے اسرار بھی معلوم کر لیں تو کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ پانی کا جوہر اپنی لطافت کے بل پر ہوا کی مساحت کی بھی سیاحت کر لیتا ہے اور سخت طبیعت والوں کے دریا کی بھی غواصی کر لیتا ہے جس گھر میں آئینہ (عہد حاضر میں سرکٹ کیمرہ) نصب ہوتا ہے اس گھر میں جو چیز بھی جلوہ فرمائی کرے گی وہاں نظر آئے گی اور جو واقعہ بھی رونما ہوگا اس کا عکس اس میں دکھائی دے گا۔

گویا اہل اللہ کا دل اس آئینے کی طرح ہے جو گھر میں نصب ہو اس گھر کی ساری چیزوں کا عکس

اس کے اندر نظر آئے گا اسی طرح دل تمام افکار وخیالات کی جلوہ گاہ ہے شرط یہ ہے کہ وہ آلودگیوں سے صاف شفاف ہو اسی لئے وہ اس کی صیقل کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔

آئینہ این ہمدیگری را نور صفا ست　　عکس صوراست آنچہ کہ دروی پیداست

بیدل تو ہمیں بہ صیقل دل پر داز　　کاین آئینہ چو صاف شد اندیشہ نماست

اس کا آئینہ ایک دوسرے کے لئے ''نور صفا'' خالص روشنی کی حیثیت رکھتا ہے یہ صورتوں کا عکس اوران کا پرتو ہے جو اس کے اندر نمایاں ہوتا ہے۔ بیدل تو دل کی صیقل گری میں لگا رہ کیونکہ یہ آئینہ جب صاف ہو جائے گا تو اس میں افکار وخیالات ابھرتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں بیدل ایک صاحب دل بزرگ کا قصہ لکھتا ہے کہ ایک دن ایک آدمی اس خیال سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اگر واقعی وہ بزرگ ہیں تو مجھ کو انگور کھلا کر مطمئن فرمائیں گے جیسے ہی اس نے ان کے آستانے پر قدم رکھا بزرگ نے اپنے خادم کو ہدایت کی کہ انگور کا ایک طبق اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ یہاں کشف قلوب کی مناسبت سے اس خواب کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا جس میں بیدل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی جس کی تعبیر بھی شیر خدا حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے عالم خواب میں بیان فرمائی (پچھلے صفحات میں اس کی تفصیلات گذر چکی ہے) راقم السطور اس خواب کے سلسلے میں پس وپیش میں مبتلا تھا کہ اس کو رویا صادقہ کے زمرے میں شمار کیا جائے یا نہیں کیونکہ وہ ظاہر شریعت سے متصادم ہے تعبیر کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''تعبیر خواب اینست کہ حقیقت محمدیہ ہمہ وقت سایہ فگن احوال تست، با آنکہ غفلت چشمت نکشاید و باطن نبوت ہیچگاہ در دامن تربیت از سر برنمی گیرد ہر چند آداب ظاہر از تو بجانمی آید۔'' (۹۹)

خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ''حقیقت محمدیہ'' سدا تجھ پر سایہ فگن رہے گی اگرچہ غفلت تیری آنکھ کو وا نہیں ہونے دے گی اور باطن نبوت کسی وقت بھی تیری تربیت کا دامن نہیں سمیٹے گا اگرچہ آداب ظاہری تجھ سے انجام نہیں پائیں گے۔

اس سے پہلے بیدل کے خیالات میں تضاد کے مسئلہ پر بحث ہو چکی ہے۔ کیا حقیقت محمدیہ اور باطن نبوت، صرف ''زبانی عشق'' کا نام ہے اور عشق بھی کیسا؟ جو کفر و اسلام کے درمیان کسی تمیز کا قائل نہیں یا جو صرف اس بات میں منحصر ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ موڑ کر صرف خدا کے ہو رہیں۔ اس کے بعد نہ تو اس کے اوامر کے انجام دینے کی اور نہ نواہی سے بچنے کی ضرورت ہے۔

اس قسم کے عشق کو میں زبانی عشق کا نام دیتا ہوں کیونکہ حقیقی عشق وہ ہے جس میں انسان محبوب

کی معمولی اداؤں اور اشاروں پر بھی جان چھڑکتا ہے اور عشق الٰہی و حقیقت محمدیہ کی حقیقت آیت ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کے مطابق یہ ہے کہ حضور کی پیروی میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کردے۔ جیسا کہ حضرات صحابہ نے اپنی عملی زندگی میں کر کے دکھایا جس کی مثالیں کثرت سے اسد الغابہ فی سیر الصحابہ وغیرہ اہم کتابوں میں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک معمولی واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے ایک دفعہ ایک یہودی نے از راہ مذاق کہا کہ تمہارا رسول کیسا ہے کہ آب دست کرنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے انہوں نے انتہائی فخر کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں ہمارا پیغمبر آب دست کرنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہے اگرچہ یہ بہت معمولی بات ہے مگر چونکہ معشوق کا اشارہ اور اس کی ادا ہے اس لئے وہ بھی محبوب ہے۔

راقم السطور بیدل کے خواب کی تعبیر کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا لیکن حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ لکھتے ہیں:

''بعض صوفیہ جو مخالف شریعت کشف بیان کرتے ہیں وہ یا سہو ہے یا سکر باطن ہے'' (۱۰۰)

علاوہ ازیں خود قرآن کہتا ہے **ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون** (جاثیہ ۱۸ پارہ ۲۵) پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستے پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی۔ یعنی اختلافات اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپ کو دین کے صحیح راستے پر قائم کر دیا تو آپ کو اور آپ کی امت کو چاہئے کہ اس راستے پر برابر مستقیم رہیں کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔

اس آیت کی روشنی میں بیدل کے خواب کی تعبیر میں کہ ''آداب ظاہر'' (ظاہری احکام شریعت) اگرچہ تجھ سے انجام نہیں پاتے پر باطن نبوت تیری تربیت میں مشغول ہے'' اس جملے پر غور کیجئے کیا تضاد نہیں ہے۔؟

رسالہ ''سخن'' میں ایک مضمون ''یک تحقیقی علمی درباره رویا'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار اصل کالون ایس ہال Calvin S. Hall ہیں جس نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے۔ مختصر یہ کہ اس نے ظاہری روحانی (یا ذہنی) کشمکش کو جو خوابوں کے وجود میں آنے کا باعث ہوتی ہے ابتدائی کشمکش قرار دیا ہے جو شاذ و نادر ہی انسانی ذہن سے نکلتی ہے۔ (۱۰۱)

بیدل بھی شریعت و طریقت کے درمیان کشمکش میں ساری زندگی گرفتار نظر آتا ہے۔ یہ خواب بظاہر اس کشمکش کا نتیجہ نظر آتا ہے جو حقیقت محمدی اور احکام شریعت کے درمیان اس کے صفحہ ذہن پر ابھرتی رہتی تھی۔

✪✪✪

خودی

تو گر خود را بہ بینی نیست عالم غیر دیدارش ''خودی'' آئینہ ای دارد کہ محرومیست اظہارش

اگر خود آپ اپنی ذات کو دیکھو تو دنیا اس کے دیدار کے سوا کچھ نہیں معلوم ہو گی خودی ایک آئینہ کا حامل ہے جس کا اظہار محرومی ہے۔

''خودی'' کسی اور چیز کا نام نہیں ہے بلکہ ''سیر دل'' اور عرفان ہی کا دوسرا نام ہے جس پر پچھلے صفحات میں تفصیل سے بحث ہوئی۔ اس لئے یہاں اس کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن بعض غزلوں میں اس اصطلاح کا بار بار استعمال ہوا ہے اس لئے تھوڑی سی بحث اس پر ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔

دو چیزیں ہیں ایک ''جہاں آفاق'' اور دوسرا ''جہاں انفس'' اور خدا کے ارشاد ان فی اختلاف اللیل والنہار الخ و فی انفسکم افلا تبصرون الخ کے مطابق بندے اس بات کے مکلف ہیں کہ ان دونوں جہانوں پر غور و فکر کریں جہاں آفاق پر غور و فکر تصوف کی اصطلاح میں تفکر اور جہان انفس پر غور و فکر کو ''تامل'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

''جہاں آفاق'' میں تفکر و تدبر حیرت و استعجاب کو جنم دیتا ہے لیکن اس کے دوش بدوش خدائے تعالیٰ کی عظمت و رفعت اور بزرگی و برتری کا سکہ بھی دل میں بٹھاتا ہے اور ''جہان انفس'' میں تامل کے بغیر انسان جمال مطلق تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ بیدل کہتا ہے۔

بکنہ خویش تا نتوان رسیدن جمال حق چہ امکانست دیدن

انسان کی جب تک خود اپنی حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی ہے جمال حق کا دیدار کہاں ممکن ہے۔

اسی جہان ''انفس'' میں تامل کو بیدل ''خودی''، خود بینی، خود شناسی، عرفان، اور سیر گریباں کی مختلف تعبیروں سے بیان کرتا ہے جیسا کہ اس کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

شاہ ابوالفیض معانی کی صحبت سے استفادہ کے دوران اس سلسلے میں ان کے ارشاد کو نقل کرتا ہے:

''مقصود از ''سیر گریبان'' بفکر تحقیق خود افتادن است، نہ از سر گرانیہای بی حسی دردسر

زانو دادن۔ و مدعای ''تامل'' بکنہ معنی وارسیدن نہ غبار مژگان برفرق بینش پاشیدن۔ و معنی ''تفکر'' غور حقیقت اشیا است۔'' (۱۰۲)

اصطلاح ''سیر گریباں'' سے مقصد خود اپنی شخصیت اور ذات کی تحقیق کی فکر کرنا ہے نہ کہ بے حسی کی سرگرانی کی وجہ سے دردسر مول لینا اور اصطلاح ''تامل'' کا مقصد معنیٰ کی تہہ تک پہنچنا ہے نہ کہ پلکوں کی گرد و غبار کو نگاہ کی پیشانی پر اڑانا اور ''تفکر'' کا مفہوم اشیاء کی حقیقت پر غور و خوض کرنا ہے۔

تیسرے عنصر میں ''خودی'' کے مفہوم کی اس طرح وضاحت کرتا ہے:

''اعیان محفل امکانی را تا شمع وار سیر تأمل بہ پا منتہی نمی گردد، تشویش ہرزہ نگاہی باقیست۔ وتا سر اندیشہ بزانوی ساغر نمی رساند، گداز کلفت ساقی۔ اگر بوئی از بہار معنی می بردند، عبارات اینہمہ رنگ نمی ریخت۔ واگر باصل کار راہی می شگافند، شاخ و برگ اینقدر غبار نمی انگیخت۔ ''ساحل گریبان'' پیوستہ موج و کف می شمارند۔ و''فرو رفتگان'' از محیط ہم خبر ندارند۔ ''نامحرمی گریبان'' بصد دامن دست التجامی برد۔ و نا آشنای خویش'' ہزار بیگانہ در خیال می پرورد۔'' (۱۰۳)

محفل امکان (کائنات) کے اعیان کا سیر تامل جب تک شمع کی طرح پاؤں پر منتہی نہیں ہوتا نگاہ کی آوارہ گردی کی تشویش برقرار رہتی ہے اور اس کا سیر اندیشہ جب تک ساغر کے زانو تک رسائی حاصل نہیں کرتا ساقی کی زحمتوں کا سلسلہ باقی ہے۔ اگر ''بہار معنی'' کی ذرہ برابر بھی بو باس ان کے اندر ہوتی تو عبارتوں کے اتنے رنگ و روپ نہ پیدا ہوتے اور اگر اصل کار کی راہ کا سراغ لگاتے تو اتنی شاخ و برگ اس میں نہ نکلتیں۔ ساحل گریباں (ساحل پر براجمان لوگ) سدا لہروں اور جھاگ کو گنا کرتے ہیں اور فرو رفتگاں (سمندر میں ڈوبے ہوؤں) کو سمندر کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ ''گریباں'' کی اہمیت کا نامحرم سیکڑوں دامن سے دست التجا پھیلاتا رہتا ہے اور ''نا آشنائے خویش'' (آپ سے نا آشنا آدمی) ہزاروں بیگانوں کو خیال کی دنیا میں بسائے رہتا ہے۔

بیدل کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ نگاہ کی ہر طرف آوارہ گردی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ شمع کی طرح ہم بھی اپنے غور و فکر کا سلسلہ سر سے لے کر پاؤں تک پہونچائیں (دوسرے الفاظ میں ''عالم انفس'' کا مطالعہ کریں) ساحل پر بیٹھنے والوں کو سدا سمندر کی لہریں اور جھاگ ہی نظر آتی ہیں جبکہ اس سمندر کے اندر غرق لوگوں کو خود سمندر کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ لہذا جس آدمی کو ''سیر گریباں'' کی اہمیت کا اندازہ نہیں اور اپنی شخصیت کو اس نے پہچانا نہیں سدا آوارگی میں زندگی بسر کرتا ہے اس طرح خودی اس کے نزدیک درحقیقت ''خود شناسی'' اور ''خود محرمی'' کا نام ہے اس موضوع پر ایک غزل ملاحظہ ہو۔

توگرخود را بہ بینی نیست عالم غیر دیدارش   خودی آئینہ می دارد کہ محرومیت اظہارش

اگر خود آپ اپنی ہستی پر نظر ڈالو اور "مطالعہ نفس" میں مشغول ہو تو معلوم ہوگا کہ دنیا اس کے دیدار کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں ہے۔ "خودی" ایک ایسے آئینہ کا حامل ہے جس کا اظہار "محرومی" ہے۔

چہ لازم مایل پست و بلند دہر گردیدن   تو خود اینجا نہ ای تا بایدت فہمید مقدارش

کیا ضروری ہے کہ زمانے کی پستی و بلندی نشیب و فراز اور اونچ نیچ کے سمجھنے کی طرف متوجہ ہو جو تو خود یا تیری ذات کا شعور تجھے نہیں ہے تو اس کی کمیت و کیفیت کو کیا سمجھے گا۔

گمانی بردہ ای گویا بہ نقد اعتبار خود   کہ بر ہر جنس ی پیچی و می گردی خریدارش

جیسے اپنی نقد اعتبار (ہستی) پر تمہیں اُمر ہونے کا یقین ہو کہ ہر جنس کے پیچھے پڑے ہو اور اس کے خریدار بنے ہو۔

نبودی اینقدر رہا کتخدائی مجمع امکان   کہ افتادی بچندین جہد در فکر خر و بارش

مجمع امکان (یعنی کائنات) اتنی اہمیت اور وقعت کا سزاوار نہ تھا کہ اس کے خر و بار (بوجھ اور گدھے یعنی اسباب و مال) کی فکر میں تو اس قدر جتن کرتا۔

دکان صبح چیدن جنس خجلت درنظر دارد   نفس بر خود فروش افتادہ ای آتش بہ بازارش

"صبح" کی دوکان کا سمیٹنا یا بڑھانا پشیمانی کا منظر پیش کرتا ہے (کوئی چیز ٹکاؤ نہیں ہے سب چیزیں رواروی پر ہیں) سانس کو خود اپنی ذات پر تو نے بیچ رکھا ہے۔ (سانس کی آمد و رفت کو بامقصد کام میں نہیں لگایا) آگ لگے اس کے بازار میں۔

شرارت فرصت دانگاہ ذوق ہرزہ پردازی   باین ہستی حیا کن از خیال چرخ دوّارش

چنگاری کی نمود کی طرح زندگی کی فرصت تجھے حاصل ہے اور اس پر ہرزہ پردازی اور بیہودہ آوارہ گردی کا یہ ذوق۔ گردش کرنے والے آسمان کا تصور کر کے ہی تو اپنی ہستی پر شرم کر۔

بحق تسلیم شو تا وارہی ازاین و آن بیدل   بدریا قطرہ چون گم گشت دریا داند و کارش

بیدل! خود کو خدا کے سپرد اور اس کے حوالے کر دے تاکہ ادھر ادھر کے بیہودہ تصورات و خیالات سے تجھے رہائی حاصل ہو جائے۔ قطرہ جب دریا میں کھو جاتا ہے تو دریا جانے اور اس کا کام جانے۔

کیا خوب کہا ہے کہ انسانی زندگی چنگاری کی نمود کی طرح زود گذر ہے اس لمحہ بھر کی نمود کو رائیگاں مت جانے دو اور آوارہ گردی اور بیہودسری میں نہ گذارو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ جو در حقیقت "عالم انفس" پر غور و فکر اور خود اپنی ہستی کی تحقیق کا نام ہے کہ ہماری پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دریافت کرنا چاہئے اور صرف دل ہے جو ان سوالات کا جواب دے سکتا ہے۔

بدل روکن گلستان توانیست   بخود می پیچ جولان توانیست

دل پر دھیان دو تمہارا گلستاں یہی ہے آپ اپنی ذات کے گرد طواف کرو تمہاری جدو جہد کا میدان یہی ہے۔

نفس را جادہ دشت طلب کن   تامل چون دلیلت شد طرب کن

سانس کو صحرائے طلب کا جادہ "تامل" بناؤ جب تمہاری رہنمائی کرے تو خوشی مناؤ۔

کجا سرمی زنی ای موج بیتاب   سری در خود بد زد و بحر دریاب

اے بیقرار موج! تو کہاں ٹکراتی پھرتی ہے آپ اپنی ذات میں ڈوب کر دریا کا سراغ لگا۔

سراغت از غبار خود برون نیست   محیطت از کنار خود برون نیست

تیرا سراغ خود تیری اپنی غبار ہستی سے باہر نہیں ملے گا تیرا سمندر اپنے کنارے سے باہر نہیں ہے خود تیرے پہلو میں واقع ہے۔

زجیب خویش بیرون نیست راہی   نگاہی کن نگاہی کن نگاہی (۱۰۴)

خود اپنی گریباں کے باہر کوئی راستہ نہیں ہے ایک نظر اس پر ڈال ایک نظر اس پر ڈال۔ اسی خیال کو درج ذیل غزل میں بھی بیان کیا ہے۔

ایک رباعی میں بھی وہ عارف کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عارف بتماشای چمنزار کمال   جز در قفس دل نکشاید پر و بال
ہر چند ز امواج قدم بردارد   از خویش بروں رفتن دریاست محال

ستمت اگر ہوست کشد کہ بیکشت سرو سمن درآ   تو ز غنچہ کم ندمیدہ ای در دل کشا بچمن درآ

بڑا غضب ہوگا اگر تیری ہوس تجھے سرو سمن کی سیر و تفریح پر آمادہ کرے، تیری حیثیت کلی سے کم نہیں ہے۔ دل کے دروازے کو کھول اور چمن میں داخل ہو جا۔

اس شعر کا منظوم ترجمہ راقم السطور نے اس طرح کیا ہے۔

ستم ہے اگر ہو ہوس تجھے کریں سیر و باغ و بہار کی   نہیں غنچے سے تو ہے کم کوئی دردل کو کھول اور چمن میں آ

واقعی اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہوگا کہ انسان "گلستاں دل" کو چھوڑ کر سرو سمن کی تفریح کرے حالانکہ اس کی حیثیت غنچہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

پی نافہ ہای رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو   بخیال حلقہ زلف او گرہی خور و بختن درآ

ایسے نافہ کی خاطر جسکی خوشبو جاتی رہی ہے تلاش و جستجو کی زحمت مت گوارا کر۔ اس کے حلقہ زلف کے تصور میں گرہیں لگا تار ہا اور ختن میں داخل ہو جا۔

نیست از جیب تو بیروں گوہر مقصود تو　　　بیخبر سری زنی چون موج بر ساحل چرا

تیرا گوہر مقصود تیرے دامن سے باہر دستیاب نہیں ہے۔ غافل آدمی! موج کی طرح اپنا سر کیوں ادھر ادھر ساحل سے ٹکراتا رہتا ہے۔

بکنعان ہوس گردی، ندارد یوسف مطلب　　　مگر در خود فرورفتن کند ایجاد چاہ اینجا

ہوس کے کنعان کی خاک چھانتا پھرا پر یوسف مطلب تیرے ہاتھ نہیں لگا۔ اگر خود اپنی ذات میں ڈوب جائے یعنی ''عالم النفس'' کا مطالعہ کرے تو شاید یہاں یوسف گم گشتہ کا کنواں مل جائے یعنی مطلب تجھے حاصل ہو جائے۔

آخر بفکر خویش فرورفتن است وبس　　　چون شمع کندہ است گریبان مغاک ما

بالآخر آپ اپنی ہستی میں ڈوب جانا ہی کافی ہے۔ ہمارے گڑھے نے شمع کی طرح گریبان کو کھود ڈالا ہے۔

ہرگز ندارد ہیچکس پر وای فہم خویشتن　　　رازی وگر نہ اینقدر نامحرم رازی چرا

کسی کو اپنی ہستی کی حقیقت سمجھنے کی پروا نہیں ہے۔ تیری ہستی ایک راز ہے ورنہ اس قدر نامحرم راز کیوں ہوتا۔

نامحر می خویشت سد رہ آزادیست　　　چشمی بکشا و بکُش قفل درزند انہا

اپنی ذات سے تیری ناآشنائی تیری آزادی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ آنکھیں کھول اور قید خانے کے تالے توڑ ڈال۔

بعروج وسوسہ تاختی نفست بہرزہ گداختی　　　تہ پای خود نشناختی مژہ ای بچشم نزدی چرا

اوہام و وساوس کے عروج پر تو بھاگتا دوڑتا رہا اور اپنی سانس کو بلاوجہ پگھلاتا رہا (ہانپتا رہا) خود اپنے پاؤں کی تہ کی شناخت حاصل نہ کی اور نہ ایک پلک بھی خود اپنی ہستی پر جھپکائی۔

بتوگرز کوشس قافلہ نرسید قسمت حوصلہ　　　بطریق سایہ وآبلہ ز پاقدم نزدی چرا

قافلے کی کوشش سے اگر تیرے اندر ہمت و حوصلہ کی خصوصیت نہیں پیدا ہوئی تو سایہ و آبلہ ہی کی طرح تو کیوں نہ گرم رفتار ہوا۔

زکشاد عقدہ کارہا ہمہ داشت سعی ندامتی　　　در عالمی زدی از طمع کف خود بہم نزدی چرا

کاموں میں پڑی گتھی کے سلجھنے سے سب کو سعی ندامت (ایسی کوشش جو ندامت خیز ہو) حاصل تھی حرص و آز کی بدولت تو نے دنیا کے دروازے پر دستک دی خود اپنی ہتھیلیوں سے تو نے تالی کیوں نہ بجایا۔

قدم بصد دشت و در کشادی، زنالہ در گوشہا فتادی　　　عنان بضبط نفس ندادی طبیعت نی سوار خودرا

سیکڑوں دشت و در کی خاک تم نے چھانی تمہارے آہ و نالے لوگوں کے کان میں پہونچے پر اپنی طبیعت نے سوار کی باگ تم نے ضبط نفس کے حوالے نہ کی (یعنی بانسری بجانے والی طبیعت کی باگ تو نے ضبط نفس Self Control کے حوالے نہ کی کہ اپنی ذات کے بابت کچھ سوچتا)۔

نشاط اینجا، بہار اینجا، بہشت اینجا، نگار اینجا　　　تو کز خود غافلی صرف عدم کن، دور بینیہا

کدام راز، چہ اسرار، خویش را دریاب　　　کہ ہرچہ ہست نہاں غیر آشکار تو نیست

✪✪✪

فقر وغنا

در حقیقت بیدل ما صاحب گنج بقا ست — گو بصورت در رہ فقر و فنا افتادہ است

حقیقت میں ہمارا بیدل گنج بقا کا مالک ہے اگر چہ بظاہر وہ فقر وفنا کی راہ میں گامزن ہے۔

فقر وغنا بھی تصوف کے اہم ترین مقامات میں ہے جس پر بیدل نے اپنے کلام میں جا بجا کثرت سے روشنی ڈالی ہے۔امام غزالی فقر وغنا کی اس طرح توضیح و تشریح کرتے ہیں:

''واضح رہے کہ ''فقر'' اس امر کا نام ہے کہ آدمی کو کسی چیز کی حاجت ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو۔آدمی کو سب سے پہلے خود اپنے وجود کی ضرورت ہوتی ہے پھر بقا کی پھر غذا کی پھر مال کی اس کے علاوہ بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ان میں سے کوئی چیز اس کے اختیار میں نہیں جبکہ وہ ان سب چیزوں کا محتاج ہے۔اور غنی وہ ہے جو غیروں سے بالکل بے نیاز ہو اور وہ خدائے جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں ہے اور دوسری جو چیزیں بھی وجود کی صفت رکھتی ہیں مثلاً جنات وانسان، فرشتے، شیاطین وغیرہ ان سب کی ہستی کو باقی رکھنا خود ان کے اختیار میں نہیں ہے۔بس حقیقت میں یہ سب فقیر ہیں اسی وجہ سے اللہ نے فرمایا واللہ الغنی و انتم الفقراء۔'' (۱۰۵)

لیکن بیدل کے نزدیک فقر وغنا کا مفہوم کچھ اور ہے۔۱۰۸۰ھ/ ۱۶۶۹ء کے آس پاس بیدل شہزادہ اعظم شاہ کی ملازمت میں داخل ہوا اور معاش کی طرف سے اگر چہ اسے ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا لیکن اس کی طبیعت کا میلان آزادمنشی کی طرف تھا جو اسے مجبور کرتا تھا کہ ملازمت کا جوا جلد کاندھوں سے اتار پھینکے اس وقت وہ فقر وغنا کے بابت عجیب کشمکش سے دوچار نظر آتا ہے اور فیصلہ نہیں کر پاتا تھا کہ وہ درحقیقت کس خصوصیت کا حامل ہے تا آنکہ الہام کدہ بی حرف وصوت سے اس کے کان میں یہ آواز آئی:

''ای مقید شناس عالم آثار اطلاق !طلب مقصد یکہ وجدان آن جہدی نمی خواہد از ہمت دور است۔ وازروی طلبیکہ حصولش رنج کوشش نمی پسندد، محض قصور۔فقر حقیقت تست کہ تراچارہ ترک آن ہیچ وجہ راست نیاید۔ ''غنا'' سامان اسباب مجاز کہ در گرد آوریش ہزار

رنگ جہد می باید۔غنارا آرائش چمنی تصور باید نمود کہ فقر در نقاب گردش رنگش خوابیدہ است۔ وفقر آئینہ ای کہ در حصول تمثال غنا چندین جہد سینہ خراشیدہ۔فراہم آوردن اشیاء دماغ می خواہد، نہ واگذاشتن۔ واز دوش افگندن بار سہولت دارد، نہ برداشتن۔آنچہ داشتی گم نکردہ ای، تازحمت جستجو بایدت کشید۔وآنچہ باتو بود دور نرفتہ است، تا در قفابش باید دوید۔صاحب لباس پیوستہ عریانی در بغل دارد۔وشخص عریان دامن کسوت بی سعی بدست نمی آرد پس فقر در جمیع احوال موجود است۔وغنا در اکثر مقام مفقود۔ساز ہمت بکسب دشواری کوشیدن است۔نہ بہوای تن آسانی جوشیدن۔'' (۱۰۶)

اے عالم آثار مطلق کے مقید شناس! ایسے مقصد کا حصول جس کو پانے کے لئے محنت ومشقت کی چنداں ضرورت نہیں ہے ہمت سے دور ہے۔اور ایسی چیز کی طلب جسکی دستیابی کے لئے کوشش کی مشقت اٹھانی پسند نہیں سراسر قصور اور کوتاہی ہے۔فقر تیری حقیقت ہے جس کو تیاگ دینے کی تدبیر تجھے کبھی راس نہیں آسکتی اور غنا مجاز کے سامان واسباب ہیں جس کی جمع آوری کے لئے ہزاروں طرح کے جتن درکار ہیں۔''غنا'' کو چمن کی زیبائش وآرائش تصور کیجئے جس کی گردش رنگ کے نقاب میں فقر محو خواب ہے اور فقر کو ایک آئینہ سمجھئے جس نے غنا کی تمثال کا عکس حاصل کرنے کے لئے بڑی جدوجہد سے سینہ خراشی کی ہے۔اشیاء کی فراہمی کے لئے دل ودماغ درکار ہے اس کے ترک کیلئے نہیں اور کاندھے سے بوجھ گرانے میں سہولت ہے اس کو اٹھانے میں نہیں ہے۔جو کچھ تیرے پاس تھا وہ ہاتھ سے گیا نہیں کہ اس کی تلاش کے لئے تجھے زحمت کرنی پڑے اور جو کچھ تیرے پاس تھا تجھ سے فاصلے پر واقع نہیں کہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑنا پڑے۔جو صاحب لباس ہے اس کے پہلو میں عریانی سدا سے موجود ہے اور جو عریاں ہے اسے بغیر جتن کئے کپڑا نہیں مل سکتا۔لہذا فقر تمام حالات میں موجود اور غنا بیشتر مقام میں مفقود ہے ہمت کا ساز دشواریوں کو سہنے اور انگیز کرنے میں پوشیدہ ہے نہ کہ تن آسانی کی خواہش میں جوش وخروش دکھانے کے اندر۔

بیدل کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ عرق ریزی وجانفشانی کے بغیر جو مقصد حاصل ہوتا ہے وہ ہمت کے تقاضوں سے دور ہے مثلاً یہی فقر جس سے مراد تہی دستی ہے اگر کوئی اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے تو اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ اصول زندگی مردوں کے حوصلہ وہمت کے تقاضوں سے دور ہے لہذا اس حیثیت سے کہ زندگی کے اسباب اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں فقر اس کی حقیقت ہے جسے کبھی ترک نہیں کرنا چاہئے دوسری طرف غنا جو اسباب کے حصول کا نام ہے اور جس کی خاطر انسان بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کرتا ہے اس ملازمت کی وجہ

سے جس سے وہ وابستہ ہے نیز حاصل ہے۔

لہٰذا اغنا وفقر کیا ہے؟

بیدل نے فقر وغنا کو ایک چمن سے تشبیہ دے کر یہ بتانا چاہا ہے کہ غنا درحقیقت چمن کی آرائش کے درجے میں ہے جبکہ فقر اس کے رنگ کے نقاب میں چھپا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ چمن کی آرائش طرح طرح کے رنگ برنگے پھولوں، پتیوں، شاخوں، درختوں اور سرسبز وشاداب گھاس وغیرہ سے ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں چمن کی آرائش میں برابر کی شریک وسہیم ہیں لہٰذا غنا ان پھولوں وغیرہ کے درجے میں ہے اور فقر ان پھولوں کے رنگ کے پردے میں اس معنیٰ میں محو خواب ہے کہ بو کی طرح وہ اس کے اندر موجود ہے اگرچہ بظاہر نظر نہیں آتا۔

اس کے بعد ایک مثال کے ذریعہ غنی اور فقیر کی جداگانہ حالت بیان کرتا ہے غنی ایک لباس کا پابند ہے جس کے پہلو میں عریانی سدا موجود رہتی ہے اور فقیر عریانی وبرہنگی کا حامل ہے جو لباس کی خاطر ہاتھ پیر مارے بغیر اپنی عریانی کو دور نہیں کرسکتا ہے۔

اس طرح فقر تمام حالات میں موجود ہے جبکہ غنا اکثر مفقود ہوتا ہے۔

فقر وغنا کے درمیان جو نسبت ہے بیدل اس کو مثنوی کے چند اشعار میں واضح کرتا ہے۔

گر ز ہستی فقر باشد مدعا   جلوہ بیروں عدم تا زد چرا

ہستی سے مقصد اگر فقر ونا داری ہوتی تو جلوہ عدم سے باہر قدم رکھ کر کیوں تگ ودو کرتا۔

ذات موہوم است بی ساز صفات   پس غنا ہا وصف باشد فقر ذات

''ذات' صفات کے ساز کے بغیر ایک موہوم چیز ہے پس ''غنا'' وصف ہے جبکہ ''فقر'' ذات ہے۔

بیدل کہتا ہے کہ ''انما الدنیا خلقت لکم'' کے مطابق دنیا پیدا کرنے سے خدا کی غرض یہ ہے کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے پس انسانی زندگی کا مقصد اگر فقر ہوتا تو اس کے عدم سے وجود میں آنے کا فائدہ کیا تھا۔ اس بنا پر کہنا چاہئے دنیاوی جاہ وحشمت اور عزت وآبرو کا اعتبار اسباب کی جمع آوری میں ہے لیکن دوسری طرف ذالک متاع الحیاۃ الدنیا کے مطابق یہ بھی ارشاد ہے کہ دنیا کی چندروزہ زندگی اس لائق نہیں ہے کہ انسان اس میں ایسا مشغول ہوجائے کہ اپنی تخلیق کی اصلی غرض وغایت کو ہی بالائے طاق رکھدے اس لحاظ سے فقر بھی مطلوب ہے۔

بیدل کا خیال ہے کہ دونوں کی اپنی اپنی جگہ پر اہمیت ہے اور ان کے درمیان ذات وصفات کی نسبت ہے۔ اس موضوع پر پہلے ''وحدت الوجود'' کے تحت تفصیل سے بحث ہوچکی ہے ''ذات'' صفت کے بغیر موہوم چیز ہے اور صفت ''ذات'' کے بغیر معدوم ہے اسی طرح غنا صفت ہے اور فقر ذات ہے۔

ذات ''فقر'' غنا کی صفت کے بغیر موہوم ہے لیکن اس مقصد سے کہ ''ذات'' صفت کے رنگ میں رنگ جائے اس کے لئے فرصت درکار ہے لیکن صفت کو معدوم ہونے کے لئے بجلی جیسی زود گذر فرصت کی ضرورت نہیں ہے۔

فرصتی می خواہد ای بی معرفت   تا بر آید ذات در رنگ صفت

اے معرفت سے بے بہرہ شخص ''ذات'' کے صفت کے رنگ میں رنگنے کے لئے فرصت درکار ہے۔

لیک ساماں صفت چوں برق رنگ   بہر معدومی نمی خواہد درنگ

لیکن ''صفت'' کے سامان کو کالعدم ہونے کے لئے بجلی کی طرح کسی مہلت کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد بیدل اپنا مقصد بیان کرتا ہے۔

مدعا اینست کز ہر وہم وظن   رخت اسباب غنا برہم مزن (۱۰۷)

مقصد اصل یہ ہے کہ محض وہم وظن کی اساس پر اسباب غنا کے سامان کو درہم برہم مت کر۔

ان اشعار کے مضامین کی تحلیل وتجزیہ سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ بیدل فقر وغنا کو بعض مخصوص حالات میں ایک جگہ اکٹھا دیکھتا ہے اور جب ایسی صورت حال کسی کو پیش آئے تو سمجھنا چاہئے کہ مفت کا خزانہ اس کے ہاتھ آگیا ہے اور اس کو تلف نہ ہونے دے۔ یہ صورت حال اس وقت حاصل ہوتی ہے جب زیادہ زحمت اور تردد کے بغیر زندگی کا ساز وسامان اسے حاصل ہوجائے جس میں ایک طرف فقر اور دوسری طرف غنا دونوں چیزیں موجود ہوں۔

جیسا کہ ہم نے پڑھا بیدل اگرچہ اعظم شاہ کے دربار سے وابستہ ہوگیا تھا پر اپنی حقیقت وہ ''فقر'' ہی تصور کرتا تھا اس معنیٰ میں کہ جو اسباب معاش اسے اس ذریعے حاصل ہوئے تھے ان سے اس کو اتنا تعلق اور لگاؤ نہ تھا کہ ان کے نہ ہونے کی شکل میں رنج وغم یا افسوس ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہ وگدا کے درمیان قصیدہ کہنے کے مسئلے پر اختلاف ہوا تو بیدل نے فوراً اسے ترک کردیا۔ شاید اسی وجہ سے اسی نے کہا ہے۔

آخر ز فقر بر سر دنیا زدیم پا   خلقی بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

چونکہ شیوہ فقر کو اپنا لیا تھا اس کی وجہ سے آخر میں نے دنیا کو لات ماری۔ ایک طبقے نے جاہ وحشمت پر بھروسہ کیا اور میں نے اس کو لات ماری۔

اور دوسروں کو فہمائش کرتا ہے۔

بفقر تکیہ زدی بگذر از تملق خلق   بمرگ ریشہ دواندی دراز کن پارا

فقر پر اگر بھروسہ کیا ہے تو لوگوں کی خوشامد درآمد اور تملق وچاپلوسی سے کام نہ لینا جب فقر کی

وجہ سے موت تک اپنی تنگ ودو کی ہے تو اپنے پاؤں بھی پھیلا دو۔

ملازمت سے استعفا دینے کی وجہ سے اگر چہ اس کو کچھ مالی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا تاہم اس صورت میں اس کے جذبۂ آزادمنشی اور خودداری کی تسکین ہوتی تھی اس لئے اپنی وضع سے وہ مطمئن تھا۔ اور اعظم شاہ کے بار بار کے اصرار پر اس نے لکھا کہ میں نے شیوہ فقر اختیار کرلی ہے اور اب میں کسی قیمت پر اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہوں۔

مزاج فقر ما باگرم و سرد الفت نمی گیرد   ہوائی نیست بیدل سر زمین بی کلاہا نرا

ہمارے فقیرانہ مزاج کو گرم وسرد حالات سے کوئی الفت نہیں یعنی ان سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔
بیدل! جن کے سر پر ٹوپی نہیں ان کی سرزمین میں ہوا نہیں چلتی جو اسے اڑا لے جائے۔

دمی کآئینہ دار امتحان شد شوکت فقرم   کلاہ عرش دیدم خاک درگاہ مذلت را

جس دم میرے فقر کی شان وشوکت امتحان کی آئینہ دار ہوئی یعنی اس کی جانچ پڑتال ہوئی تو درگاہ مذلت کی خاک کو میں نے عرش کی ٹوپی تصور کیا۔

در حقیقت بیدل ما صاحب گنج بقاست   گر بصورت در رہ فقر و فنا افتادہ است

ہمارا (بیدل) در حقیقت گنج بقا اور دائمی خزانے کا مالک ہے اگر چہ بظاہر وہ فقر وفنا کے راستے پر گامزن ہے۔

معنیٔ اقبال فقر از غافلان پوشیدہ اند   ورنہ در ہر خاک چندیں دستگاہ افتادہ است

اقبال 'فقر'' کا کیا معنی ومفہوم ہے غافلوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی۔ نہیں تو ہر سرزمین پر فقر کی کئی دستگاہیں اور ٹھکانے موجود ہیں۔

فقر ما را شہرہ آفاق کرد   کوس زد در بی نگینی نام ما

فقر نے سارے عالم میں ہمارا چرچا کر دیا ہمارا نام اگر چہ نگینے میں کھدا نہیں ہے پر اس کا ڈنکا بجا ہوا ہے۔ بیدل نے فقر کی اہمیت پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

غبار فقر رنگ سرکشی را می شود صیقل   سیاہی می برد از شعلہ خاکستر نشینہا

''غبار فقر'' رنگ سرکشی کے لئے قلعی کا کام کرتا ہے جب راکھ تہ میں بیٹھ جاتی ہے تو اس کی سیاہی ختم ہو جاتی ہے۔

آدمی کو اپنی کیفیت پیدائش کے لحاظ سے زیب نہیں دیتا کہ خدا کی کبریائی اور بزرگی کے مقابلہ پر سرکشی اور تکبر کی راہ وروش اپنائے اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ خدائے تعالیٰ کے مقابلے پر سرکشی اور تکبر کرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ بیدل کہتا ہے رنگ سرکشی کو دور کرنا اور اس کی قلعی کرنا منظور ہو تو شیوہ

فقر کو اپناؤ جس طرح خاکستر نشینی شعلے کی سیاہی کو دور کر دیتی ہے اور اسے صاف وشفاف کر دیتی ہے۔

فقر صاحب جوہر آثار کمال عزت است   تیغ در ہر جا تنگ شد بیشتر می دارد آب

صاحب جوہر حضرات کا فقر کمال عزت کی علامت ہے تلوار جہاں تنگ ہوتی ہے اس میں چمک دمک زیادہ ہوتی ہے۔

پختگی خواہی بدرد بی نوائی صبر کن   آسماں سرسبز دارد میوہ ہای خام را

اگر زندگی میں پختگی مطلوب ہے تو بے نوائی کے درد پر صبر کر آسمان کچے میووں کو سبز وشاداب رکھتا ہے۔

فرش مخمل ہمبساط بوریای فقر نیست   چوں صف مژگاں کشاید محو گردد خوابہا

مخمل کا فرش فقر کی بوریا کا ہم بساط وہم پلہ نہیں ہوسکتا ہے جب پلکوں کی صف کھلتی ہے تو خواب محو ہو جاتے ہیں۔

غبار زر اگر می گردد از روی محک ظاہر   سواد فقر روشن می کند زنگ خزانہ را

سونے کی گرد اگر کسوٹی پر رکھنے سے ظاہر ہوتی ہے تو سواد فقر خزانے کے زنگ اور مورچے کو چمکا دیتی ہے۔

ز زخم بی امان احتیاج آگہ نہ ای ورنہ   بچیں خون دیت خواہد آب روی سائلہا

احتیاج کے زخم بے اماں سے تم واقف نہیں ہو ورنہ سائل کی آبرو دیت اور خوںبہا چاہتی ہے۔

بہ شوخی آمد از بیدستگاہی احتیاج من   درازی کرد دست آخر زکوتہ آستینہا

میری احتیاج بے دستگاہی (بے مائیگی وبے بضاعتی) کی وجہ سے شوخی کرنے لگی۔ ہاتھ نے کوتاہی آستین کی وجہ سے درازی کی۔

بمہر مادر گیتی مکش رنج امید اینجا   کہ خونہا می خورد تا شیر می گردد سپید اینجا

مادر گیتی (دنیا) کی محبت میں یہاں امید کی زحمت مت اٹھا کہ یہ پہلے خون پیتی ہے تب کہیں جا کر اس کا دودھ سفید ہوتا ہے۔

ایک رباعی میں بھی اس نے فقر کی اہمیت پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

تا گوشہ فقرت چمن ہمت نیست   ہر جا باشی رہائی از ذلت نیست
بر ضرب بساط خسرواں می نازی   غافل کہ بحضرت خود عزت نیست

اور فقر وغنا کی نسبت پر ایک اور عمدہ رباعی۔

آواز کریم را صلہ می خوانند   سایل چو دم زند دعا می خوانند
یک نغمہ شوق است، چہ فقر و چہ غنا   کز پردۂ ہر ساز جدا می خوانند

فقر پر بیدل کے بہت سے اچھے اشعار ہیں۔

اعتبار غیر بسیار است در اسباب جاہ — بافقیری ساز کاینجا ما سوای حق کم است
در سواد فقر گم شو، زندۂ جاوید باش — درہمیں خاک سیہ آب بقا پوشیدہ است
نیست ممکن بیدل اصلاح طبائع جز بفقر — خلق را آدم ہمیں بیدستگاہی می کند

یہ تو تھے بیدل کے خیالات فقر کی اہمیت کے بابت اب آیئے دیکھیں ''غنا'' کے بابت اس کے خیالات کیا ہیں۔

بیدل کے نزدیک جیسا کہ عرض کیا گیا فقر و غنا میں ذات وصفت کی نسبت ہے ذات بغیر صفت کے موہوم ہوتا ہے اس بناپر فقر بغیر غنا کے موہوم ہے۔ لہٰذا وہی فقر بیدل کے نزدیک قابل تعریف ہے جس میں غنا کی صفت ہو اور جس فقر کے اندر غنا پوشیدہ نہ ہو وہ اس کے خیال میں ایک وہمی اور خیالی امر ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں غنا کا کیا مفہوم ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ الفقر فخری فقر میرے لئے باعث فخر ہے۔ علماء نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کا فقر اختیاری تھا یعنی ہوتے ہوئے خود نہیں کھاتے دوسروں کو کھلا دیتے تھے، فقر اجباری نہ تھا کہ کچھ ہے ہی نہیں کسی کو دینے اور خود بھوکے رہنے کا سوال تو دور رہا۔ بیدل نے غالباً اسی فقر اختیاری کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے کلام کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ بیدل کے نزدیک غنا نام ہے حرص وآز کے دام میں گرفتار ہونے سے بچنے کا جس نے انسان کو اس کی زندگی کے اصل نصب العین سے دور کر دیا ہے نہ یہ کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں کاہلی کو راہ دینے کا چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے۔

مریز آب رخ سعی جز بقدر ضرور — کہ سیم و زر زفزونی ودیعت خاک است

کوشش کے چہرے کی آبرو خاک میں مت ملا الا یہ کہ جتنی کوشش ضروری ہو کیونکہ ضرورت سے زیادہ سیم و زر کا آخری انجام یہ ہے کہ اسے خاک کے سپرد کیا جاتا ہے۔

منعماں تا چند باید زر بزیر خاک برد — حیف ہمتہا کہ صرف خدمت قارون کنید

مالدارو! روپے پیسے کب تک زیر خاک لے جاتے رہوگے؟ افسوس ہے اس ہمت پر جو قارون کی خدمت پر لگا رہے ہو، یعنی قارون جیسی خصوصیت اپنا رہے ہو۔

فرقی نداشت عزت و خواری درین بساط — بیدار شد غنا بطمع تا زدیم پا

اس بساط عالم میں عزت و خواری میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب ہم نے حرص وآز کو لات ماری تو غنا کی خصوصیت ہمارے اندر پیدا ہوئی۔

دماغ بی نیازاں ننگ خواہش بر نمی دارد — بلندی زیر پا می آید از دست دعا اینجا

بے نیاز لوگوں کا دماغ خواہش کے ننگ و عار کو سہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے دعا کیلئے جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو رفعت و بلندی میرے پاؤں تلے آجاتی ہے۔

ان اشعار میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا ہے کہ جو آدمی بے نیازی کو اپنا اصول زندگی بنالیتا ہے وہ ہوا و ہوس اور حرص وآز سے جو اس کے لئے شرم و حیا کا سبب ہوسکتے ہیں دست کش ہوجاتا ہے۔ مانگتے وقت ہاتھ اوپر اٹھایا جاتا ہے تاکہ جو ہم چاہتے ہیں منعم سے حاصل کریں لیکن بے نیازی کا بلند مقام اس وضع کو بھی پسند نہیں کرتا ہے، سوال کرنا تو دور کی بات رہی چنانچہ بیدل نے بندرابن کے بازار میں اس پر عمل کر کے دکھلایا جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذکور ہوا۔

آب رخ کس نرود جز بتقاضای ہوس — شیشہ تہی گیر زمی یا لب ساغر مکشا

ہوا و ہوس ایسی چیز ہے جس کی تکمیل کے تقاضے کی بنا پر ہر آدمی کی عزت خاک میں مل جاتی ہے لہٰذا یا تو شراب سے خالی جام لے یا لب ساغر کو مت کھول۔

ہوا و ہوس ہی نے بہت سے لوگوں کی آبرو خاک میں ملادی ہے اور ان کو معاشرے میں ذلیل و رسوا کر دیا اگر ہم اپنے نان جویں پر قناعت کریں اور اس پر مطمئن رہیں تو کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی نوبت نہ آئے اور نہ غلط طریقے پر روپیہ کمائیں۔ اچھے لباس، پرشکوہ مکان، عمدہ سواری اور جملہ اسباب عیش و عشرت کی خواہش نے بہتوں کو مجبور کر دیا کہ چوری چماری، ڈاکہ و رہزنی، رشوت خوری، غصب و بدعنوانی، قتل و غارتگری وغیرہ سماجی برائیوں کا ارتکاب کریں اس لئے بیدل نصیحت کرتا ہے۔ یا تو شیشہ دل کو ہوس کی شراب سے خالی کر دو یا لب ساغر کو منہ نہ لگاؤ۔

در پی حرص و ہوس سوخت جہانی نفس — لیک نپرسید کس خانہ عبرت کجاست
تسلی کو اگر منظورت اسباب ہوس باشد — ندارد برگ راحت ہر کہ را در دیدہ خس باشد
ابرام ہوس می کشدت بر در دوناں — شاہی اگر ایں وضع گدایانہ نباشد
پیش تونگر منشان پہلوی لاغر مکشا — دست بہر دست مدہ چشم بہر در مکشا

ع کم و بیش آبلہ سامان تلاش ہوسیم

تونگر منش لوگوں کے سامنے اپنے لاغر پہلو کو کھول کے مت دکھا۔ ہر ہاتھ اس لائق نہیں ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ڈالے اور نہ ہر دروازہ ایسا ہوتا ہے کہ اس پر آنکھ کھولے اور کچھ امید رکھے۔

سوسائٹی میں دو طرح کے مالدار پائے جاتے ہیں ایک تو واقعی دولتمند ہیں جن کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہے دوسرے وہ ثروتمند ہیں جن کے پاس اتنی دولت تو نہیں ہے پر وہ خود کو کسی طرح ان سے کمتر نہیں سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ تونگر منش یا تونگر طبع یا تونگر مزاج کہلاتے ہیں۔ بیدل

کی ژرف نگاہی کی داد دیجئے جو کہتا ہے ان تونگر منش لوگوں کے سامنے بھی اپنے لاغر پہلو کی نمائش نہ کرو اوران سے مالی پریشانی اور پراگندہ حالی کا ذکر نہ کرو جو واقعی مالدار اور ثروتمند ہیں ان کے سامنے اس کا تذکرہ کرنا تو دور رہا۔ نہ تو ہر ہاتھ اس لائق ہوتا ہے کہ ہاتھ دو اور نہ ہر آستانہ اس لائق ہوتا کہ وہاں چشم امید لگائی جائے۔ بیدل کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ صورتاً بھی مالدار ہیں ان کے سامنے بھی بے نیازی اور استغنا سے کام لو اور اپنی پریشانی کا اظہار کرنے سے گریز کرو۔

ہمت تمکیں نظرت نیست کم از موج گہر　　جیب حیا تا ندری خاک شو و پر مکشا

تیری تمکین نظر ہمت (ایسی ہمت جس میں استقلال اور ثابت قدمی ہو) کسی طرح موج گوہر سے کم نہیں۔ تاکہ شرم وحیا کے دامن کو چاک کرنے کی نوبت نہ آئے خاک ہو جانا گوارا کر مگر پریشانی کا اظہار مت کر۔

دریں گلشن کہ یکسر رنگ تکلیف ہوس دارد　　مژہ بر داشتن کوہست استغنا نگاہاں را

اس باغ میں جہاں سراسر ہوا وہوس کی کارفرمائی ہے استغنا نظر (بے نیازی سے ہر چیز کو دیکھنے والوں) کے لئے پلک اٹھانا بھی پہاڑ کی طرح گراں ہے۔

حیف است با ساز غنا مغلوب خست زیستن　　تیغ ظفر در پنجہ ای دستی نمی بازی چرا

غنا کا ساز رکھتے ہوئے بھی خست وذلت کے زیر اثر جینا افسوس کی بات ہے۔ کامرانی و کامیابی کی تلوار تیرے پنجے میں ہے پھر ہاتھ کو جنبش کیوں نہیں دیتا ہے۔

تا دل بگرہ بستیم با حرص نہ پیوستیم　　جمعیت گوہر ریخت آب رخ طوفانہا

جب سے دل پر بے نیازی کی گرہ باندھی ہے حرص سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ گوہر کے سکون خاطر نے طوفانوں کی آبرو خاک میں ملادی۔

مخور فریب غنا از ہوس گدازی یاس　　مباد آب دہد مزرع تمنا را

یاس ونومیدی کی ہوس گدازی سے غنا کا فریب نہ کھانا ایسا نہ ہو کہ وہ مزرع تمنا کی سنچائی کرنے لگے۔ (مطلب یہ ہے کہ انسان ہوس کے تقاضے سے مجبور ہو کر کوشش کرتا ہے مگر کبھی ناکام ہو کر مایوس ہو جاتا ہے تب وہ بہانہ کرتا ہے کہ ہم نے غنا و بے نیازی اختیار کی ہے حالانکہ وہ فریب غنا ہے غنا نہیں ہے اور تلاش میں رہتا ہے یہ سب مزرع ہوس کی سینچائی کا موقعہ ہے۔)

شبستان جہاں وسایہ دولت چہ فکر است ایں　　مگر در چشم خفاش آشیان بندد سیاہ اینجا

دنیا کی خوابگاہ اور بلند اقبالی کا سایہ کوئی فخر ومباہات کی چیز ہے؟ چمگادڑ کی آنکھ کو جو صرف راتوں کو دیکھتی ہے آشیانہ بھی سیاہ نظر آتا ہے۔

خروش اہل جاہ از خفت ادراک می باشد　　تنک ظرفیست یکسر علت فریاد چینیہا

اہل جاہ واقتدار کا سارا جوش وخروش عقل وادراک کی خفت اور ہلکے پن کی بنا پر ہے چینی کے برتنوں کے ٹوٹنے کی آواز یا ان کے کھنکنے کی آواز ان کی تنک ظرفی اور تنگ دلی کی بنا پر ہے۔

فلک تکلیف جاہت گر کند فال حماقت زن　　کہ غیر از گاو نتواند کشیدن بار دنیا را

فلک اگر تمہیں جاہ وحشمت کی پیش کش کرے تو اسے حماقت پر محمول کرنا کیونکہ دنیا کے بوجھ کو گائے بھینس وغیرہ کے سوا کوئی نہیں اٹھاتا ہے۔

ہمتی گر ہست پای بر سر نیاز نید　　ہمچوں گردوں خیمہ ای در عالم بالا زنید

تمہارے اندر اگر کچھ ہمت ہے تو دنیا کو لات مارو آسمان کی طرح کا ایک خیمہ عالم بالا پر تیار کرو۔

اسی وجہ سے وہ حرص وآز اور ہوا وہوس سے بچنے اور قناعت وسیر چشمی کی روش اپنانے کی نصیحت کرتا ہے۔

طبائع را فسون حرص دارد در بدر بیدل　　جہاں لبریز استغناست گر باشد حیا اینجا

حرص کا جادو انسانی طبیعتوں کو در بدر کی ٹھوکریں کھلاتا ہے اگر شرم وحیا کی خصوصیت ہو تو دنیا استغنا و بے نیازی سے معمور نظر آئے گی۔

قانع صفتان بیدل برمایدہ قسمت　　چوں موج گہر باشد از خوردن پہلو ہا

بیدل! قناعت پسند لوگ حرص وآز سے پہلو تہی کرنے کی وجہ سے قسمت کے دسترخوان پر موج گوہر کی طرح صاف وشفاف اور لطیف ہوتے ہیں۔

اگر سنگ و قارت در نظرہا شد سبک بیدل　　فلاخن کردہ باشی گردش رنگ قناعت را

بیدل اگر تیرے وقار وطمانیت کا پتھر نگاہوں کو ہلکا اور سبک معلوم ہونے لگے تو شیوۂ قناعت کی خصوصیت کو فلاخن (گوپھن) کے اندر رکھ کر پھینکنا ہوگا۔

با قناعت ساز اگر حسرت پرست راحتی　　باش آرام گوہر گر قطرہ واری آرزوست

قناعت سے سمجھوتہ کرلے اگر تجھے سکون وراحت کی تمنا ہے اگر قطرے کی طرح رہنے کی آرزو ہے تو گوہر کا آرام وآسائش حاصل کر۔

از فریب و مکر دنیا اہل ترک آلودہ اند　　دام راہ تشنگاں می باشد امواج سراب

نی نقش چین نہ حسن فرنگ آفریدن است　　بہزادی تو دست ز دنیا کشیدن است

مرگ می باشد علاج تشنہ کامیہای حرص　　پر نشد پیمانہ تا پیمانہ نشکست و نریخت

حرص کی تشنہ کامی کا علاج موت کے سوا کچھ نہیں ہے جب تک ایک پیالہ ٹوٹا اور گرا نہیں دوسرا پیالہ بھرا نہیں۔

بر حرص پشت پا ز دم اما چه فایده   گردی فشانده ام که ز دامان تر نرفت

حرص کو میں نے گولات ماری پر کیا فائدہ میں نے وہ دھول اڑائی ہے جو دامن تر سے نہیں گذری کہ اسے خشک کردیتی۔

ان تمام اشعار میں بیدل نے ایک ہی مضمون کو مختلف انداز اور اسلوب سے بیان کیا ہے کہ یہ حرص وآز ہے جس نے انسان کو اپنی دور دراز آرزوؤں کی تکمیل کی خاطر سدا اضطراب سے دوچار کر رکھا ہے اور اس کا سارا امن چین اس سے چھین لیا ہے۔ اس کے ظالم پنجوں سے رہائی کا واحد علاج قناعت و سیر چشمی اور حالات سے سمجھوتہ ہے۔

ع   جمعیت اگر خواہی پیشانی و زانوہا

ع   گر بقناعت برسی فقر غنا می شود

سکون خاطر اگر مطلوب ہے تو پیشانی اور زانو کو اختیار کرو یعنی قناعت سے کام لو۔ کبر وغرور سے معمور زندگی کے مقابلے پر وہ خاکساری وفروتنی اور تواضع وانکساری کی روش اپنانے کی نصیحت کرتا ہے۔

بارگاه نیاز دارد فروتنی ناز سربلندی   بخاک روزی دو ریشه گم کن دگر ببال و شجر بروں آ

فروتنی اور انکساری نیاز کے آستانے پر سربلندی کا ناز رکھتی ہے۔ دو دن کے لئے اپنی جڑیں خاک میں گم کر کے درخت اور شاخیں بن کر ابھر آ۔

خاک گردیدیم و از طعن خساں وارستیم   آخر انباشتیم از خود دہن بدگو را

ہم خاک ہو گئے یعنی خاکساری اختیار کی اور ذلیل وکمینے لوگوں کے طعن وتشنیع سے رہائی حاصل کرلی اور عیب گو لوگوں کا منہ میں نے اپنی طرف سے بھر دیا یعنی ان کو لعن طعن کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا۔

بیدل بخاکساری خود ناز می کند   ای در غبار دل ز خیالت دفینه ها

بیدل اپنی خاکساری پر ناز کرتا ہے اے وہ شخص کہ تیرے دل کے غبار میں تیرے خیالات کا دفینہ ہے۔

مآل سجده هم دامنست اگر آسودگی خواهی   بصد گردن مده از کف جبین سجده فرسا را

اگر تجھے آسودگی مطلوب ہے تو سجدے کا مآل کار بھی دامن ہے یعنی اپنے گریبان میں غور وفکر کرنا جبین سجدہ فرسا (سجدے میں گھسنے والی پیشانی) کو سیکڑوں گردن کے عوض بھی ہاتھ سے مت دینا۔

خصم سرکش را فنا ساز از ملایم طینتی   آتش سوزان ندارد چاره جز مردن در آب

سرکش دشمن کو اپنی نرم طبیعت کے ذریعہ فنا کے گھاٹ اتار دو۔ جلا کر راکھ کر دینے والی آگ کو پانی میں بجھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

✪✪

سخن

دستگاه رنگ و بوی عالم غیب و شهود   نیست غیر از صورت پنهان و پیدای سخن

عالم غیب کے رنگ و بو کی دستگاہ "سخن" کی معنوی اور ظاہری صورت کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں ہے۔

جن موضوعات سے بیدل کو بڑی دلچسپی تھی ان میں ایک سخن بھی ہے چند واقعات کا تذکرہ کرنے کے بعد اس نے سخن کی حقیقت کا سراغ لگایا اور اپنا سارا زور قلم اس کی اہمیت واضح کرنے پر صرف کردیا۔

اس سلسلے میں اس کے قلم جادو رقم سے دو تین جملے ایسے نکلے ہیں جو آفاقی صداقت کے حامل ہیں اور بجا طور پر ان کو فارسی ادب کے ضرب المثل کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

آفاق معمای سخن است (دنیا سخن کا چیستاں ہے)

"سخن روح کائنات است و اصل حقیقت موجودات است" سخن کائنات کی روح اور موجودات کی اصل حقیقت ہے۔

"ہر نقشیکہ می بینی حرفیست کہ می شنوی"۔ جو نقش بھی تمہیں نظر آرہا ہے وہ درحقیقت ایک حرف ہے جس کو تم سنتے ہو۔

پہلا واقعہ جس کے نتیجے میں اس کو "سخن" کی اہمیت کا اندازہ ہوا وہ قلعہ متھرا میں دفع اجنہ سے وابستہ ہے جس کی تفصیلات پچھلے صفحات میں گذری۔ قلعہ دار کی اس شکایت پر کہ جنات نے یہاں کے باشندوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے بیدل نے اس کے تدارک کے طور پر شعر

با عفاریت جہانی دگر   کم نیست مکانی دگر

ایک کاغذ پر لکھ کر دیا اور کہا کہ اس کو بانس میں باندھ کر قلعے پر نصب کردے۔ جیسے ہی اس پر عمل کیا، جناتوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ موقوف ہوگیا اس کے بعد بیدل تین سال تک متھرا میں رہا لیکن اجنہ کی ایذا رسانی کی کوئی شکایت اس کو نہیں ملی اس واقعہ سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے۔

اے دماغ فطرتت سرگرم سودای سخن   زین بیان در یاب اسرار اثرهای سخن

اے بیدل کہ تیرا دماغ فطرت ''سخن'' کے عشق میں سرگرم ہے اس بیان سے ''سخن'' کے اثر کا اسرار معلوم کر۔

نقطہ و خطیکہ از پرکار امکان دیدہ ای　　فہم کن قدرت نگاریہای اجزاء سخن

پرکار امکان کا جو خط اور نقطہ تجھے نظر آیا ہے اس سے ''اجزاء سخن'' کی قدرت نگاری کا اندازہ لگا۔

دستگاہ رنگ و بوی عالم غیب و شہود　　نیست غیر از صورت پنہاں و پیدای سخن

عالم غیب وشہود کے رنگ و بو کی دستگاہ ''سخن'' کی ظاہری اور باطنی شکل کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جن و انس آئینہ تاثیر ایں حکم اند و بس　　آہ ازاں طبعیکہ غافل ماند ز ایمای سخن

جن وانس سب اس حکم کی تاثیر کے آئینہ ہیں۔ افسوس ہے اس طبیعت پر جو سخن کے اشارے کو نہ سمجھ سکا۔ بیدل کا مطلب ہے کہ لفظ ''کن'' سے ساری دنیا خصوصا جنات وانسان جو مکلف ہیں پیدا ہوئے اس طرح وہ حکم (کن) کی تاثیر کے آئینہ ہیں۔

از زمیں تا آسمان یک حلقۂ آغوش اوست　　تنگ نتوان کرد از بیدانشی جای سخن

زمین سے لے کر آسمان تک کا سارا فاصلہ اسی کا ایک حلقہ آغوش ہے (ساری کائنات کو لفظ ''کن'' نے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے)۔ اس لئے ناسمجھی سے سخن کی جگہ تنگ نہیں کی جاسکتی۔

تہمت مضمون دیگر بر طلسم خود مبند　　جز سخن دیگر چہ داری ای معمای سخن (۱۰۸)

کسی اور مضمون کی تہمت اپنے طلسم وجود پر مت لگا (کسی اور موضوع کے بابت مت سوچو) اے معمائے سخن! تیرے پاس سخن کے سوا کیا رکھا ہے۔

یہ بحث کہ کیا یہ واقعہ ایک اتفاق تھا یا واقعی ''سخن'' کا اثر تھا یا ہر کس وناکس کی بات کا یہی اثر ہوتا ہے، اگرچہ ایک طویل بحث ہے مگر ضروری بھی ہے۔

لگتا ہے بیدل کو بھی اس واقعہ کے بابت قارئین کے اس ممکن شک وشبہے کا اندازہ بلکہ علم تھا۔ اسی بنا پر اس نے سخن کی بحث کو طول دیا اور مختلف پہلوؤں سے اس پر روشنی ڈالی آخر میں ثابت کرتا ہے کہ غور سے دیکھا جائے تو ساری دنیا سخن ہی کا معمہ اور چیستاں ہے۔

قارئین کو اختیار ہے جو چاہیں اور جس طرح چاہیں اس کے بابت اپنے خیال کا اظہار کریں۔

ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ صرف اس واقعہ کی بنا پر بلکہ بہت سے دوسرے حیرت انگیز واقعات کی بنا پر جنہیں بیدل نے چہار عنصر میں بیان کیا ہے اسے جھوٹا اور دروغ گو کہتے ہیں جیسے قاضی عبدالودود، پروفیسر عبدالودود اظہر اور پروفیسر شریف حسین قاسمی، دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو ان حیرت انگیز واقعات کی بنا پر بیدل کو ایک باکرامت صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ سمجھتے ہیں جیسے غلام حسن مجددی نے

اپنی کتاب ''بیدل شناسی'' میں افغانیوں کی بیدل سے غیر معمولی ارادت وعقیدت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کا اظہار کیا ہے۔ کابل کے ایک پروفیسر میر حسن شاہ کہتے ہیں کہ ایک طبقہ بیدل کو جنید وشبلی کا ہم پلہ قرار دیتا ہے۔

راقم السطور کو ان واقعات کے رد وقبول کی بحث میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں یہاں بیدل نے ایک جملہ ایسا استعمال کیا ہے جو بڑی حد تک سخن کی تاثیر کے سبب پر روشنی ڈالتا ہے۔ خاکسار اسی نکتے پر غور کرنا چاہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''درانحالت افسون قدرتیکہ عبارت از ''کلام موزون انتظام'' است از نسخہ اسرار بعرض اظہار رسید۔'' (۱۰۹)

اس حالت میں قدرت کا وہ جادو جسے ''کلام موزوں انتظام'' سے تعبیر کرتے ہیں نسخہ اسرار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

بیدل کا مقصد یہ ہے کہ موزوں کلام میں قدرتی طور پر جادو کا سا اثر ہوتا ہے جس کا انسان وجنات بلکہ اشیا پر بھی خاطر خواہ اثر ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ دل سے جو کہ ''نسخہ اسرار'' ہے نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو۔ حدیث شریف میں بھی آتا ہے ''ان من الشعر لسحرا'' بعض اشعار کے اندر جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر کلام میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی ہے ایسا کلام جو مخاطب کو متاثر کرے بیدل کے خیال میں دو خصوصیت کا حامل ہونا چاہیئے۔

۱۔ موزوں ہونا ۲۔ دل سے نکلنا۔ لیکن اقبال نے صرف دل سے نکلنے کو ہی کافی سمجھا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ملک الشعراء محمد تقی بہار کلام کے موزوں اور دل سے نکلنے کے علاوہ ایک تیسری شرط (دل میں اتر جانے) کے بھی قائل ہیں۔

شعر آں باشد کہ خیزد از دل و جوشد زلب　　و آنگہی در دل نشیند ہر کجا گوشی شنفت

شعر تو اصل میں وہی ہے جو دل سے نکلے، لب سے جوش مارے اور سامع کے دل میں اتر جائے۔

بیدل دوسری خصوصیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ورود سخن نزول ملائکہ است از عرش حقیقت دل بظہور آباد عالم تصرف وتدبیر وکارفرمائی اعیان ممکنات بہ حکم کمال قدرت وتاثیر۔'' (۱۱۰)

سخن کی آمد دراصل فرشتوں کا حقیقت دل کے عرش سے عالم تصرف و تدبیر کے ظہور آباد میں اترنے اور اعیان ممکنات کے کمال قدرت و تاثیر کے بموجب کارفرمائی کرنے کا نام ہے۔

جس کلام کا سرچشمہ ''دل'' ہوتا ہے بیدل کے خیال میں وہ گویا ایک فرشتہ ہے جو عرش حقیقت دل سے نزول کر کے جہاں تصرف و تدبیر میں قدم رکھتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کارخانہ قدرت کے امور کی تدبیر خدا کے فرشتوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے اگر چہ خدائے تعالیٰ بغیر کسی توسط کے اس کے انجام دینے پر قادر ہے چونکہ یہ فرشتے خدا کے حسب حکم ان امور کو انجام دیتے ہیں اس لئے کائنات کی کوئی چیز ان کو عملی شکل دینے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

بیدل کہتا ہے کہ جو کلام دل سے نکلتا ہے وہ بھی وہی رول ادا کرتا ہے جو فرشتے تدبیر کائنات کے سلسلے میں ادا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی گفتگو کو طول دیتے ہوئے آگے لکھتا ہے:

''نفس رحمانی کہ در اصطلاح اہل تحقق ''منشا اسماء الہی کلیش'' نامیدہ است و مصدر حقائق موجودات کلی و جزئی متعین گردانیدہ، فی الحقیقت ''حقیقت سخنی'' است در غیب۔ و ارواح و امثال و اشباح کہ عناصر ظہور کیفیات اوست دائر۔ ولا یزال در ہر مرتبہ شوخیہای تعینش سایر۔ عالم غیبش بمنزلہ جز ناریست با نوار ہویت مطلق پیوستہ کہ مدرکہ را در استفہام آں کیفتی محض تو ہم کردنست۔ در ''ارواح'' یعنی جز و ہوائیش معنی بسیط با حاطہ تعقل آوردن، و در ''مثال'' بحکم جز و مائی افسانہ امواج عبارات شنیدن و در ''اشباح'' بغلبہ ترابی نقوش کماہیتش محسوس دیدن۔ بتلاش شخص ظہورش در ہر مقامیکہ قدم شوق می ساید بقدر توہم مراتب خود را باسمی وامی ستاند، چہ اجسام و چہ عناصر و چہ اجرام۔'' (۱۱۱)

''نفس رحمانی'' جسے اہل تحقق کی اصطلاح میں ''اسمائے الٰہی کلی کا منشا'' کہتے ہیں اور جسے تمام کلی و جزئی موجودات کے حقائق کا مصدر اور سرچشمہ قرار دیتے ہیں دراصل وہ ''حقیقت سخن'' ہی ہے جو عالم غیب اور عالم ارواح، عالم امثال و اشباح میں جو اس کی کیفیات کے ظہور کے عناصر ہیں، دائر ہے اور اس کے ''تعین'' کے ہر مرحلہ شوخی میں سدا سائر ہے۔ اس کا ''عالم غیب'' ناری جزو کے درجے میں ہے جو ''ہویت مطلق'' کے انوار سے وابستہ ہے کہ قوت مدرکہ کو اس کیفیت کا پتہ لگانے میں محض توہم سے کام لینا پڑے گا۔

''عالم ارواح'' میں اس کا ہوائی جز ایک معنی بسیط ہے جس کو عقل و فہم کے دائرے میں لایا جا سکتا ہے۔ اور عالم مثال میں ایک آبی کے حکم میں ہے جس میں لہروں کی کہانی سنی جا سکتی ہے اور عالم اشباح میں ترابی جزو ہے جس کے غلبہ کی وجہ سے نقوش کو اس کی ہیئت کذائی کی طرح محسوس طریقے پر

دیکھے جا سکتے ہیں اس کے شخص ''ظہور'' کی تلاش میں جس مقام پر قدم شوق اٹھاتا ہے تو ہم کے بقدر اپنے مختلف مراتب کو چاہے وہ اجسام ہوں چاہے عناصر چاہے اجرام ایک مخصوص نام سے متعارف کراتا ہے۔

بیدل کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جس چیز کو تصوف کی اصطلاح میں ''نفس رحمانی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اصل میں وہ ''حقیقت سخن'' ہے جو عالم غیب سے لے کر عالم اشباح تک کئی نام سے معنون ہے۔ تمام عناصر و موالید، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں وہی ایک حقیقت مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ جمادات میں ''آتش''، نباتات میں ''ہوا''، حیوان میں ''صدا'' اور انسان میں ''سخن'' یہ سب ایک حقیقت کے مختلف نام ہیں اور اس لحاظ سے سارا آفاق ''معمائے سخن'' کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن ان سب میں صرف انسان ہے جو اس مقفل کمرے کے کھولنے اور اس معمہ کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب آدمی اپنی قوت فکر یہ کو استعمال کر کے اپنے خیال کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو وہ انفاس (سانس) سے پردہ سرکاتا ہے ''نفس'' (سانس) درحقیقت اس دنیا میں ظہور اشیا کا ذریعہ ہے یعنی جو کچھ ہم سوچتے ہیں سانس کے ذریعہ وہ اسماء کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور کام و زبان کے تعاون سے مثال کی صورت اختیار کرتے ہیں اور جب خطوط و سطور کا روپ دھارتے ہیں تو وہ عالم جسم کو اختیار کر لیتے ہیں۔

عنصر سوم میں بیدل لکھتا ہے کہ ''دبستان صنع'' کے موضوع پر ایک مقالہ سپرد قلم کرتے ہوئے ایک بہت ہی برجستہ اور دلچسپ جملہ اس کے رشحہ قلم سے نکلا:

''ہر نقشیکہ می بینی حرفیست کہ می شنوی''۔ جو نقش بھی دنیا میں تم کو نظر آرہا ہے وہ ایک بیان ہے جسے تم سن رہے ہو۔

اس جملے کی برجستگی اور موزونی کا اس کے احباب پر اتنا اثر ہوا کہ وہ اسے سن کر جھوم اٹھے اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس مجمل جملے کی تفسیر کریں۔ تب اس نے ''نغمہ وحدت'' کے عنوان سے ایک اور مضمون سپرد قلم کیا جس کا آخری حصہ اس لائق ہے کہ یہاں اسے نقل کیا جائے۔

''باید دانست کہ جمیع موجودات عقلی و حسی معلومات مراتب کاف و نون اند، وہمہ اشیای ذہنی و خارجی مفہومات ہمان نوای قدرت افسون۔ یعنی آنچہ در تعقل آید بہ اشارۂ اسمی ممتاز است، و ہر چہ محسوس نماید بہ عبارت لقبی سرافراز۔ اگر آسمان است بہ تشریف اسم بالیدہ، و اگر آفتاب بہ نور اسم تابیدہ۔ دنیا و عقبیٰ ہمان مستفیض نسبت اویند، و نور و ظلمت ہمچنان مستعار اضافت او۔ چون نقاب اسم واشگافند حاصل صدایی است از ساز حقیقت کن و اشیا اشکال آن صدا۔ چون خط اشکال سخن از نسخہ ذات مطلق ہمین لفظ متعین بیان گردید کہ بہ عرض مراتب الٰہی و کونی اینہمہ نقوش و خطوط بر ہم چید۔ یکی را عمارت گفت بہ ہمان اسم نقش

اعتباریست، دیگری را ویرانہ خواند بہ ہمین نام کلاہ اشتہار شکست۔ بہ این کیفیت در جمیع افراد اعیان سریان حکم آن اشارت است چون تصرف معنی در اجزای لفظ و عبارت۔

از اینجا متحقق گردید کہ سخن روح کاینات است، و اصل حقیقت موجودات۔ ہرگاہ بہ اخفای معنی کوشید جہانی را نفس وزدیدن است، و چون بہ افشای عبارت جوش عالمی را برخود بالیدن۔ غیب او اشارت است بہ وجوب واحدیت، شہود او عبارت از امکان و واحدیت۔ اگر ممکن است نفی آن بی گواہی سخن ناممکن، و اگر واجب اثباتش بی شہادت سخن نامتیقن۔ عقل را خارج مراتبش قدم شمردن راہ بہ جای نبردن است، و فکر را آن سوی مدارجش تردد نمودن عنان بہ تحیر سپردن۔" (۱۱۲)

"واضح رہے کہ تمام عقلی اور حسی موجودات "کاف و نون" (کن) کے مختلف مراتب کی معلومات کی حیثیت رکھتے ہیں اور تمام تر ذہنی اور خارجی مفہوم کے ساتھ اسی افسوں قدرت کی آواز ہیں یعنی جو چیز بھی عقل اور فہم کے دائرے میں آتی ہے وہ کسی "اسم" کے اشارہ سے ممتاز ہے اور جو چیز بھی محسوس ہوتی ہے وہ یقیناً کسی نہ کسی عبارت میں جلوہ نما ہے۔ اگر وہ "آسمان" ہے تو اپنے اسم کی بدولت اس کی بالیدگی کے ساتھ بڑھا ہے اور اگر آفتاب ہے تو اپنے اسم کے نور سے اس کی درخشندگی سے دنیا اور عقبیٰ سب روشن ہیں اور "نور و ظلمات" سب اسی اسم کی نسبت سے فیضیاب اور شگفتہ ہیں۔ جب اس پر پڑے نقاب کو ہٹائیں گے تو حقیقت (سخن) کی صدا کا وہ حاصل نظر آئے گا۔ ساری چیزیں اس صدا کی شکلیں ہیں جیسے خط سخن کی شکل ہے۔ ذات مطلق کے نسخہ سے یہی خاص لفظ بیان ہوا ہے جس نے مراتب الٰہی اور کونی کو پیش کرنے کے لئے سارے نقوش اور خطوط کا سلسلہ پھیلا دیا ایک کو "عمارت" سے تعبیر کیا تو وہ اسی اسم کے ساتھ مشہور ہو گیا دوسرے کو کھنڈر اور ویرانہ سے تعبیر کیا وہ اسی نام مشہور ہو گیا۔ اس طرح اعیان کے تمام افراد میں اسی ایک اشارہ کا حکم جاری و ساری ہے جیسے لفظ و عبارت کے اندر معنیٰ کا تصرف ہوتا ہے۔

یہاں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ سخن روح کائنات اور اصل حقیقت موجودات ہے جب کبھی وہ اپنے معنیٰ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو ایک عالم کو اپنا سانس روکنا پڑتا ہے اور جب عبارت کی بے پردگی کے ساتھ ساتھ وہ جوش زن ہوتا ہے تو ایک عالم کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اس کا غیب واحدیت کے وجوب کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس کا شہود مراد ہے امکان اور واحدیت احدت سے، لٰہذا ہر نقش جو تمہیں نظر آتا ہے در حقیقت ایک سخن ہے جسے تم سنتے ہو۔

"مطلق" کا "مقید" کی طرف سیر تنزل کا تذکرہ پہلے تفصیل سے ہو چکا ہے اور اس پر کافی

بحث بھی ہو چکی ہے، قرآنی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عقلی یا حسی مظاہر طبیعت زمین سے آسمان تک، ذرہ سے لے کر آفتاب تک اور جمادات سے لے کر انسان تک ہماری نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں سب خدائے ذوالجلال کے حکم و ارادے کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔

خدائے تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود بخشنا چاہتا ہے تو اسے کہتا ہے کن اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اس طرح ساری دنیا گویا ساز حقیقت "کن" کا حاصل ہے اس کے ارادے کے نتیجے میں جو چیز منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں وہ دو قسم کی ہیں عقلی اور حسی۔ جو موجودات ہماری قوت عقل و ادراک کے دائرہ فہم میں آتے ہیں وہ کسی نہ کسی اسم کا امتیازی رنگ و روپ اختیار کرتے ہیں اور جو ہمارے حواس کے ذریعہ محسوس ہوتے ہیں ان کو یقینی کہتے ہیں جیسے آسمان، زمین، آفتاب، بیابان، صحرا و دریا، آبشار و کہسار، دنیا و عقبیٰ، نور و ظلمات عرض یہ سب چیزیں ایک صدائے "کن" کا ثمرہ ہیں اور صرف یہی حکم ان سب کے اندر جاری و ساری نظر آتا ہے۔

اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ "سخن روح کائنات اور اصل حقیقت موجودات ہے۔"

صدائیست پیچیدہ در کائنات   کہ پر کردہ از شوق ظرف جہات

پوری کائنات میں ایک آواز گشت کر رہی ہے جس نے ظرف جہات کو مئے شوق سے لبریز کر دیا ہے۔

کدامین صدا؟ نغمہ ساز "کن"   ہماں دستگاہ ظہور سخن

وہ کونسی آواز ہے؟ ساز "کن" کا نغمہ ہے وہی ظہور "سخن" کی توانائی۔

باخفا حقیقت، بافشا مجاز   بہ تشبیہ عالم بہ تنزیہہ راز

اگر پردہ راز میں ہے تو حقیقت ہے اور اگر منصۂ شہود پر ہے تو مجاز ہے اگر تشبیہ دیجئے تو دنیا ہے اور تنزیہ سے کام لیجئے تو راز ہے۔

"بیان" عرصہ شوخی جلوتش   "خموشی" ادب محفل خلوتش

"بیان" اس کی شوخی جلوت کا میدان ہے "خموشی" اس کی محفل خلوت کا روپ ہے۔

سخن کاروا نیست بی کیف و کم   روان از عدم ہم بسوی عدم

"سخن" ایک کارواں کی طرح ہے جس میں کیفیت و کیمت نام کی کوئی چیز نہیں ہے عدم سے چلا اور عدم کی طرف رواں ہے۔

جہان کاینقدر عرصہ ہای و ہوست   غبار رہ آمد و رفت اوست

دنیا جو اس قدر ہائے و ہو اور شور و ہنگامے کی جلوہ گاہ ہے اس کی آمد و رفت کی غبار راہ ہے۔

عقول و نفوس از دلش تا زبان　　موالید عنصر زبان تا بیان

عقول ونفوس سب اس کے دل سے زبان تک ہیں موالید اور عناصر زبان سے لے کر بیان تک وہی ہیں۔

سہ حرف از کتاب کمالش "ابد"　　ازل تا ہماں از سہ حرفش سند

"ابد" اس کی کتاب کمال کے تین حروف ہیں "ازل" بھی اسی طرح اس کے تین حرفوں کی سند ہے۔

تامل بمعدن، نفس در نبات　　بحیوان "صدا" و در انسان "لغات"

معدنیات میں وہ "تامل" ہے نبات میں وہ "نفس" ہے حیوان میں وہ "صدا" ہے اور انسان میں "لغات"۔

چہ دنیا؟ رہ لفظ سر کردنش　　چہ عقبیٰ؟ بمعنی نظر کردنش

دنیا کیا ہے؟ اس کے لفظ کے راستے سے گذرنا۔ عقبیٰ کیا ہے؟ اس کے "معنیٰ" پر نظر ڈالنا ہے۔

ز اسماء اگر جملہ اسرار اوست　　چو در جلوہ آید سخن نام اوست

"اسماء" اگر سرتاسر اس کے راز ہیں تو منصۂ شہود میں جلوہ گر ہونے پر ان کا نام "سخن" ہو جاتا ہے۔

ز اعجاز ایں عیسیٰ افسوں مپرس　　جہان زندہ اوست افسون مپرس

عیسیٰ علیہ السلام جیسی جادو کی خصوصیت رکھنے والے اس لفظ کے اعجاز کے بابت مت پوچھو۔ دنیا اسی کی بدولت بقید حیات ہے آگے مت پوچھو۔

ز ہستی ظہور انتظام است ازو　　عدم نیز ممتاز نام ست ازو

اس کی بدولت نہ صرف یہ کہ "ہستی" کا ظہور ہے بلکہ "عدم" بھی اسی کی بدولت ممتاز ہے۔

کدام است جای آشنای سخن　　چہ مردن؟ تہی گشتہ جای سخن

کون سی جگہ ہے جو "سخن" سے آشنا نہیں ہے موت کیا ہے؟ سخن کی جگہ کا خالی ہو جانا۔

امم را رسول از سخن شد دلیل　　نیاورد غیر از سخن جبرئیل

سخن ہی کی بدولت پیغمبر اپنی امتوں کے لئے دلیل و سند قرار پائے۔ جبرئیل امین سخن کے سوا کچھ نہیں لائے۔

بہ فہمی اگر رمز لوح و قلم　　بغیر از سخن چیست آنجا رقم

لوح و قلم کے راز کو اگر سمجھنے کی کوشش کرو تو "سخن" کے سوا وہاں کیا لکھا ملے گا۔

بہ فکر مخارج گرت جستجو است　　الف اول و واو در آخر اوست

حروف کے مخارج کا اگر پتہ لگانا چاہو تو الف اس کے اول میں ہے تو واؤ اس کے آخر میں ہے۔

بوصف سخن نیست یارای من　　مگر وصف خود خود بگوید سخن

میرے بس میں نہیں کہ "سخن" کی تعریف کروں سخن خود ہی اپنی تعریف آپ کرتا ہے۔

حقیقت در ایں پردہ دارد خطاب　　کہ گر چشم داری منم بی نقاب

اس پردے میں حقیقت یہ خطاب کر رہی ہے کہ اگر نگاہ تمہاری وا ہو تو دیکھو "میں بے نقاب ہوں"۔

بسر رشتہ وہم دیگر مپیچ　　کہ غیر از سخن در جہاں نیست ہیچ (۱۱۳)

"وہم" کی بھول بھلیاں میں مت پھرو کہ "سخن" کے سوا دنیا میں کچھ نہیں رکھا ہے۔

یہاں تک تو سخن کی اہمیت اور اس کی تاثیر کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی گئی اب ہم روی سخن اس کی تاثیر کی پہلی علت کی طرف موڑتے ہیں یہ علت درحقیقت "موزونی کلام" سے عبارت ہے۔

جیسا کہ اس سے پہلے مختلف مقامات میں گذرا بیدل نے کلام میں "موزونیت" کا درس شاہ ملوک کی خدمت میں لیا۔ اگرچہ وہ فطری طور پر طبع موزوں کا حامل تھا لیکن شاہ ملوک کی صحبت نے اس کی اس فطری استعداد پر صیقل گری کا کام کیا اور اسے بڑی حد تک جلا بخشی جیسا کہ اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے۔

بیدل چقدر بر تو نفس سوختہ اند　　کان شعلہ بیان ترا کلامت آموختہ اند

بیدل اس شعلہ بیان شاہ صاحب نے تجھ پر کتنی محنت کی ہے تب جا کر تجھے کلام (شاعری) سے آشنا کیا اور ان کی لگاتار حوصلہ افزائی کے نتیجے میں موزونی خانہ کی ریاضت جاری رکھی۔ شاہ صاحب نے اسے وصیت کی۔

"ہیئت انسانی در کمال موزونی مصور است و ہیکل بشری بصفت سنجیدگی تمام جلوہ گر۔" (۱۱۴)

انسان کی ہیئت کدائی کا تصور انتہائی موزونی میں ممکن ہے اور بشری صورت تمام تر سنجیدگی کی صفت سے متصف ہو کر جلوہ گر ہوتی ہے۔

اس جملے نے بیدل کی شخصیت سازی اور اس کے مخصوص اسلوب کی تشکیل میں شروع سے آخر تک بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔

بیدل لکھتا ہے کہ قوت گویائی کی وجہ سے انسان کو حیوان پر برتری حاصل ہے۔ حیوان میں بھی یہ صلاحیت موجود ہے لیکن اس فرق کے ساتھ کہ وہ اپنی آواز کو اپنے حسب خواہ الٹ پھیر نہیں سکتا جبکہ انسان اس کام کو انجام دے سکتا ہے اس حد تک کہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ جانور کی گویائی میں چند زیر و بم کے سوا کچھ نہیں ہے جبکہ انسان کی گویائی اپنی موزونی کے لحاظ سے شہرت کے بام عروج پر پہنچ سکتی ہے پس خط امتیاز کھینچنے والی چیز کلام کی موزونی اور لطف ہے اور موزونی

فصاحت و بلاغت کو بھی شامل ہے۔ نفس کی موزونی کو بیدل مطلع سحر سے تعبیر کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے حتیٰ کہ دشنام طرازی بھی خوشی کا باعث اور نیش نوش کا باعث ہوتی ہے اور اس کی عدم موجودگی کی صورت میں وہ دعا بھی کہ جس کے قبول ہونے کی امید ہوتی رد ہو جاتی ہے۔

آدمی فطرتست قطرہ نام — نیست روشن مگر ز لطف کلام

آدمی فطری طور پر قطرہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کی آب و تاب لطف کلام سے ہی واضح ہے۔

عالمی شوخی نفس دارد — از سخن باد در قفس دارد

ایک دنیا کو شوخی نفس (سانس کی شوخی) کی خصوصیت حاصل ہے سخن کی بدولت وہ اپنے پنجرے میں ہوا کو قید کئے ہوئے ہے۔

لیک موزونی نفس دگر است — آں نفس نیست مطلع سحر است

لیکن سانس کی موزونی کسی اور ہی چیز کا نام ہے وہ سانس نہیں ہے مطلع سحر ہے۔

ہر کہ موزون نباشد انساں نیست — فہم نیرنگ معنیٰ آساں نیست

جو آدمی موزوں افتاد طبع کا حامل نہ ہو وہ انسان نہیں ہے۔ معنیٰ کے طلسم و جادو کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

طبع موزوں نہ کسبی و عملی است — از عطیات فیض لم یزلی است (۱۱۵)

طبع موزوں کوئی کسبی اور عملی چیز نہیں ہے فیض لم یزل یعنی خدائے تعالیٰ کی بخشش اور اس کا دین ہے۔

حتیٰ کہ کلام اللہ، معجزات انبیاء اور کرامات اولیا سب کلام کی موزونی اور فصاحت و بلاغت کی خصوصیات سے آراستہ ہیں اور سی وجہ سے منکروں کو اس کے مقابلے پر سپر ڈالنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

سخن کی اثر اندازی کے دو اسباب پر چونکہ اب تک کافی و شافی بحث ہو چکی ہے اس لئے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موزونی اور دل سے اس کے تراوش کرنے کا کلام کی اثر اندازی میں بڑا اہم رول ہوتا ہے لیکن یہ بات کہ وہ جنون کے دفع کرنے میں بھی کارگر ہوتا ہے یا ہر کس و ناکس کا کلام موزوں، موثر ہوتا ہے اس بحث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ یہاں ایک بزرگ کے واقعہ کا لکھنا بے محل نہ ہوگا۔

ان کا نام تھا سیاح عبداللہؒ۔ راقم السطور کے والد حکیم احسن التوحید صاحب مرحوم ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ حضرت سیاح عبداللہ صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مریدوں میں تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ ان کے واسطے ایک فربہ بکرہ ذبح کر کے اس کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک حصہ پڑوسیوں کو دیدے۔ اتفاق سے اس کے ایک پڑوسی سے اس کے تعلقات خوشگوار نہ تھے اس نے ہدیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی اس کی بیوی پر آسیب کا اثر ہوا اور وہ بیہوش ہو کر موت کے دہانے پر پہنچ گئی۔ حضرت سیاح عبداللہ مرحوم کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے ایک مرید کو ہدایت کی کہ بسم اللہ پڑھ کر یہ دعا اس کے کان میں دم کرے جونہی اس نے دم کیا اچھی ہوگئی۔ جس آدمی کے یہ کام سپرد ہوا تھا اس کا کہنا ہے کہ بعد میں نے بہت سے مواقع پر اس عمل کو دہرایا مگر کامیابی نہیں ہوئی کیا اس کو بھی کلام کی اثر اندازی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اس لئے راقم السطور کا خیال ہے کہ صرف موزونی کلام اور اس کے دل سے نکلنے کی خصوصیت کسی کو متاثر نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ خود اس روحانی مقام کا حامل نہ ہو۔

بیدل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا، کیونکہ اس کے حالات اور خیالات کے ضمن میں ہم نے بارہا پڑھا کہ وہ زندگی بھر شریعت و طریقت کی گتھیوں کو سلجھاتا رہا اور دونوں کے تقاضوں کے درمیان الجھتا رہا۔ عملی زندگی میں بھی اس کی کارکردگی ایسی نہیں ہے کہ اس کو بلند بالا روحانی مقام کا حامل کہا جائے۔ اگر اس واقعہ اور اسی طرح دوسرے واقعات کو جو دفع اجنہ سے وابستہ ہیں صحیح تسلیم کریں تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس کا روحانی مقام بہت اونچا تھا۔ لیکن دوسری طرف بعض غیر شرعی امور خصوصاً ریش تراشی، استہزاء ریش، تقوی کو دردسر کہنا، زاہدوں کی مذمت کرنا اور (بہ قول خوشگو می نوشی اور بھنگ نوشی وغیرہ اگر اسے درست مانیں) ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ اس کو صرف ایک شاعر تسلیم کریں۔ ایسا شاعر جو مولوی، عطار اور سنائی وغیرہ صوفی شاعروں کے کلام کا مطالعہ کر کے عارفانہ افکار و خیالات اپنے کلام میں پیش کرے۔

✪✪✪

تحقیق و تقلید

از رہ تقلید نتواں بہرہ عزت گرفت　　نشہ جمعیت گوہر نباشد ژالہ را

تقلید کر کے کسی کو عزت و آبرو نہیں مل سکتی ہے۔ موتی کی تقلید کر کے اولے کو جمعیت کا نشہ نہیں ملتا۔

تقلید اور تحقیق بھی ان موضوعات میں ہے جن کا بیدل نے نثر اور نظم میں کثرت سے تذکرہ کیا ہے۔ اس کی سرگزشت کو اگر مدنظر رکھا جائے تو اس کی ساری پیشرفت اس درس تحقیق کی مرہون منت نظر آئے گی جو شروع میں اس کو اپنے عم بزرگوار مرزا قلندر سے حاصل ہوا تھا۔

ایک ناخوشگوار واقعہ کے نتیجے میں جس کا تذکرہ پہلے ہوا مرزا قلندر نے بیدل کو مشورہ دیا کہ مکتب ترک کر کے شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات کا خود اپنے گھر ہی پر مطالعہ کرے ضمنی طور پر ''نسخہ دل'' کی طرف اس کی توجہ مبذول کرا کے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ تقلید کا اصول نہ اپنائے۔

''آنچہ از نسخہ ''دل'' فہم کنی اگر ہمہ نقطہ ایست چوں مردمک، طوفانش از جانمی برد و ہر چہ از خارج جمع نمائی، ہر چند دفترہاست، در چشم کشودنی چون مژہ برہم می خورد۔ زنہار با گفت و گوی مبحث عالم خون گیری تا ہمچو عوام در شکنجہ رسم زندہ نمیری۔'' (۱۱۶)

''نسخہ دل'' کے مطالعہ سے جو معلومات تجھے حاصل ہوا گر وہ ایک نقطہ بھی ہے تو مردمک چشم کی طرح طوفان بھی اس کو اپنی جگہ سے ٹلا نہیں سکتا اور خارجی دنیا سے جو کچھ اکٹھا کرو گے اگر چہ پورے دفتر کا دفتر بھی جمع کر لو تو آنکھ کھولنے کے ساتھ پلکوں کی طرح وہ درہم برہم ہو جائے گا۔ مبحث عالم کی گفتگو کے ساتھ ہرگز نہ الجھنا تا کہ عوام کی طرح رسم و رواج کے شکنجے میں زندہ رہتے ہوئے موت کی آغوش میں نہ پہنچ جاؤ۔

اس وقت بیدل کی عمر دس سال کی تھی اور مکتب ترک کر کے وہ چچا کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔

مرزا قلندر نے بیدل کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ دو سر چشمے ہیں جن سے انسان کو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دل اور خارج دل، پہلا سر چشمہ اس لحاظ سے کہ اس سے حاصل ہونے والی معلومات پایہ یقین کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں اور کوئی انہیں اپنی جگہ سے ٹلا نہیں سکتا، بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے پہلے

سرچشمہ سے یعنی دل سے ایک نکتہ بھی اگر تیرے ہاتھ لگتا ہے تو بدرجہا بہتر ہے لیکن دوسرا سرچشمہ جو خارجی دنیا ہے تو اس لحاظ سے کہ چشم شعور کے کھلنے کے ساتھ ہی اس کی نادرستی ظاہر ہو جاتی ہے اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہے اس لئے اس راستے سے اگر علم و دانش کا ایک بڑا دفتر بھی جمع ہو جائے تو چونکہ وہ ظنیات سے وابستہ ہے اس لئے اس میں ہر وقت تبدیلی کا امکان رہتا ہے۔

تحقیق نقطہ دل از علم و فن مبراست　　پرکار ہمت اینجا گرد ہنر نگردد

لوگوں کی بڑی تعداد چونکہ رسم و رواج کی پابند ہے۔ رسم و رواج کے شکنجے میں یہ لوگ اگر چہ زندہ نظر آتے ہیں پر حقیقت میں مردہ ہیں پس تم خود کو ان لوگوں کی طرح دنیا کی بحث و مباحثے کا پابند نہ کرو۔

زندگی در بند و قید رسم و عادت مردن است　　دست دست تست بشکن ایں طلسم ننگ را

زندگی رسم و رواج اور عادات و اطوار کی قید و بند میں درحقیقت موت ہے ہاتھ تو تیرا ہاتھ ہے ننگ و عار کے اس طلسم کو توڑ ڈال۔

بیدل تو جنون کن وزین ورطہ بدر زن　　عالم ہمہ زندانی تقلید و رسوم است

یہ پہلا درس تھا جس نے بیدل کو روایت شکنی پر آمادہ کیا۔ اسی وجہ سے بعد کی زندگی میں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں وہ اپنی الگ راہ و روش اختیار کرتا نظر آتا ہے خصوصاً شاعری کے میدان میں جو اس کی موج آسا طبیعت کی جولانگاہ تھی، بڑی حد تک اسی مقولے سے متاثر نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں (نکتہ) کے عنوان سے اس موضوع کی مزید وضاحت کرتا ہوا لکھتا ہے:

''طبایع را تقلید اوضاع یکدیگر رہزن تحقیق است، و تبعیت عادات و رسوم مانع سر منزل توفیق۔ اکثر استعدادہا در حجاب قوہ از فعل محروم ماندہ و یکی از آنہا عنان خیال بعرصہ وقوع ناگردیدہ...... دیریان را بحکم تسلط رسوم، سراز جیب بر نیاوردہ درخروش ناقوس غوطہ خواری است۔ و مسجدیان را سر حساب و ادراک نفس ناگردیدہ ہماں تعلق سبحہ شماری۔ نہ برہمن را از کشاکش دام اختلاف زنار تعلق گسیختن، تا بتامل کوشد کہ ناقوس دیرستان فطرت چہ آہنگ دارد و نہ شیخ را از آفات رجوع خلق بحصار تنہائی گریختن، تا فہم نماید کہ لبیک طپید نگاہ کعبہ دل چہ سبحہ شمارد۔'' (۱۱۷)

لوگوں کی طبیعتوں میں ایک دوسرے کے حالات و کیفیات کی تقلید کا جو رجحان ہے وہ تحقیق کا رہزن ہے اور رسم و رواج میں ایک دوسرے کی پیروی کا جو مزاج ہے وہ توفیق کی منزل تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ بیشتر صلاحیتیں ''قوت'' کے پردے میں محصور ہو کر ''فعل'' سے محروم ہو گئی ہیں انہیں سے ایک کا بھی عنان خیال عرصہ وقوع کی طرف نہیں مڑا۔

دیریان (بت پرستوں) پر رسم و رواج کا ایسا غلبہ ہے کہ اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے سر گریباں تھکے باہر نہیں نکالے اور سنکھ کی آواز میں غرق ہو گئے ہیں اور مسجدیان (مسلمانوں) کو ادراک نفس (خود شناسی اور معرفت) کی فکر سے بے نیاز ہو کر صرف تسبیح گردانی کا تعلق دامنگیر ہے۔ نہ تو برہمن کو دام تعلق کی کشاکش سے زنار تعلق کو توڑنے کی فکر ہے کہ غور کرتا دیرستان فطرت کے ناقوس کی آخر کیا صدا ہے اور نہ شیخ کو عوام کے رجوع کی آفت سے تنہائی کے حصار میں فرار کرنے کی فکر کہ سوچتا کعبہ دل کی طپشگاہ کی لبیک کون سی تسبیح پڑھ رہی ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ انسانوں کی بڑی تعداد شیوہ زندگی نیز نظری امور سے متعلق افکار و خیالات اور عقائد میں ایک دوسرے کے حالات اور کیفیات کی پیروی کرتی ہے جو لوگ اپنے افکار و خیالات کی تفتیش اور عقائد و حالات کی تحقیق کرتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گن لئے جانے کے برابر ہے ع

تقلید محال است برد لذت تحقیق

روایت پرستی نے معاشرہ کے تمام افراد خواہ مسلمان ہو خواہ غیر مسلم خواہ موحد ہو خواہ مشرک خواہ ایک خدا کا پجاری ہو خواہ سیکڑوں خداؤں کا سب کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ کسی کو بھی روایت پرستی اور تقلید کے دائرے سے باہر نہیں دیکھا جا سکتا۔ اگر مسلمان سے پوچھئے کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کیوں کرتا ہے اور اسے ایک کیوں کہتا ہے تو بڑی تعداد اس کا جواب نہیں دے سکتی اسی طرح بت پرستوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی حاجتیں ان بے روح پیکروں سے کیوں مانگتے ہو اور ان کے سامنے پیشانی کیوں ٹیکتے ہو تو اس کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ جو افکار و خیالات اور عقائد و اعمال اپنے باپ دادا سے ان کو ترکے میں ملے ہیں اس کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کئے بغیر نہ صرف یہ کہ ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں بلکہ ان خیالات اور عقائد کا ان کے دل و دماغ پر ایسا تسلط ہے کہ رشتہ داری ٹوٹ سکتی ہے پر ان کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صورت حال ہر دین و مذہب کے پیروؤں میں نظر آتی ہے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بیدل کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کی اس طرح تقلید کرنا تحقیق کے لئے رہزن ہے۔ تقلید کی سب سے زیادہ افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ آدمی کو کبھی منزل نہیں ملتی ہے اور مقصد تک رسائی نہیں ہوتی کتنی صلاحیتیں ایک دوسرے کے احوال کی تقلید کی وجہ سے بروئے کار نہ آسکیں۔

اس سلسلے میں وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے کہ برہمن اپنی روایات کی پابندی میں سنکھ کی آواز میں ایسا گم ہے کہ اس کو ناقوس فطرت کی آواز پر کان دھرنے کی مہلت نہیں اور مسلماں مسجد کے اندر تسبیح خوانی میں ایسا مشغول ہے کہ کعبہ دل کی طرف توجہ کرنے کی اسے فرصت ہی نہیں ہوتی۔

شیخ و برہمن ہماں مست خیال خوداند آگہی اینجا کہ است بیدل ما عالمی است

شیخ و برہمن سب اپنے اپنے خیال اور عقیدے میں مست ہیں کس کو صحیح خبر حاصل ہے۔

اس نے نہ صرف شیخ و برہمن بلکہ عیسائیوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور کہا ہے کہ وہ زمانہ لد گیا جب تقلید سے لوگوں کو شرم آتی تھی۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے سنگی مجسمے بنا کر ان کو عیسیٰ و مریم سمجھ کر ان کی عزت کرنے لگے ہیں۔

رفت ایامیکہ تقلید انفعال خلق بود صورت سنگ این زمان عیسیٰ و مریم می شود

اس تفصیل سے واضح ہے کہ "تقلید" بیدل کے نزدیک روایت پرستی اور رسم و رواج کی پابندی کا نام ہے اور "تحقیق" دل کی طرف توجہ اور دھیان دینے کا نام ہے جس کو "سیر گریباں" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیدل کہتا ہے یہ صرف "دل" ہے جس پر دھیان دینے سے بہت سے حقائق و معارف سے پردہ اٹھ سکتا ہے اور وہ بھی یقینیات کی قبیل کی چیز ہوں گی جس کو تہذیب و تمدن کا طاقتور سیلاب بھی بہا نہیں لے جا سکتا۔ اس موضوع پر اس سے پہلے تفصیل سے بحث ہو چکی ہے مثنوی محیط اعظم میں "تقلید" اور "تحقیق" پر بحث کرتا ہوا صاف لفظوں میں کہتا ہے۔

بدیوان امکان سخنہا بسی است از انجملہ یک حرف تحقیق نیست

کائنات میں یوں تو بہت سی باتیں کہنے کی ہیں لیکن ان میں ایک بھی حرف "تحقیق" نہیں ہے۔

عزیزانکہ غور سخن کردہ اند بہ تقلید در خون وطن کردہ اند

جن حضرات نے شعر و شاعری میں طبع آزمائی کی ہے انہوں نے عموماً دوسروں کے اسلوب و مضامین کی تقلید میں عرق ریزی کی ہے۔

ازاں نقش کار جہاں ابتر است کہ آثار تقلید یکدیگر است

دنیاوی امور کے نقوش اسی لئے ابتر نظر آتے ہیں کہ ان کے اندر ایک دوسرے کی تقلید کی علامات پائی جاتی ہیں۔

چناں گرد تقلید شد آشکار کہ تحقیق ہم می طپد در غبار

تقلید کی گرد کچھ اس طرح اڑی کہ تحقیق اس کے غبار تلے تپنے لگی۔

بخار از دماغ یکی شد بلند بگردوں رسانید و ہمش کمند

ایک شخص کے دماغ سے بھاپ اڑا اس کے وہم نے اس کے کمند کو آسمان پر پہونچا دیا۔

بہ پیش خود از فطرت سرسری بر آمد فلاطون دانشوری

اپنی دون طبعی کی وجہ سے خود کو دانشوری کا افلاطون سمجھنے لگا۔

نہ از حادثش شور شوقی بگوش   نہ درک قدیمش سرو برگ ہوش

نہ تو "حادث" کا شور و ہنگامہ اس کے کان میں ہے اور نہ "قدیم" کی دریافت کے لئے اس کے پاس ہوش و گوش ہے۔

بافسوں اوہام غفلت رقم   ارسطوی درس حدوث و قدم

اوہام غفلت رقم سے ایسا سحر زدہ ہے کہ حدوث و قدم یا حادث و قدیم کی ارسطوئی بحث چھیڑ رکھی ہے۔

یکی بر قیاسات رفع حجب   ہمہ عمر خون شد بجمع کتب

ایک طبقے نے قیاس کے ذریعہ حقائق سے پردہ اٹھانا چاہا اور اس کی خاطر ساری زندگی کتابیں جمع کرنے کا خبط اس پر سوار رہا۔

نبرد آخر از پیچش وہم خویش   دریں شیوہ جز حکم شیرازہ پیش

قوت واہمہ کی کرشمہ سازی سے اس شیوہ میں آخر شیرازہ کی خصوصیت (پراگندگی) کے سوا کچھ نہ لے گیا۔

بچندیں ورق تو بتو چند جہل   یقین را نگردید یک نقطہ اہل

کچھ جہالتیں تو چند اوراق میں لپٹی تھیں ان میں ایک لفظ یقین کئے جانے کا اہل نہ تھا۔

بلاف بیان فخر تکمیل و بس   دم امتحان ننگ تجہیل و بس

بس زبان و بیان کی قوت پر فخر و مباہات رہ گیا ہے لیکن جب آزمائش کے شکنجے میں کسے جاتے ہیں تو تجہیل (جہالت ولاعلمی) کے ننگ سے ان کا سابقہ ہوتا ہے۔

غرض عالمی زین بساط جنون   در انداز می ساغری زد بخون

غرض اس بساط جنون کی وجہ سے ایک عالم شراب نوشی کے انداز میں خون کا ساغر پی رہا ہے۔

یکی شد مہندس بگفت و شنید   یکی شاعر . فیلسوفی کشید

بحث و تمحیث کے بعد ایک تو انجینئر بن گیا اور دوسرا فلسفی شاعر ہو گیا۔

بہر ناقصی بی غبار شکی   جہان کمالات خود ہر یکی

بغیر کسی شک و شبہے کی گرد و غبار کے ہر ناقص و نااہل آدمی (بزعم خود) کمالات کی ایک دنیا ہے۔

ہمہ دعوی آہنگ علم نبی   ز بو جہلی خویش یکسر غبی

سب علم نبی (احادیث) پر کامل دسترس کے مدعی ہیں اپنی بوجہلی (زبردست جہالت ولاعلمی) کے سبب یکسر غبی اور کند ذہن ہیں۔

نفس رشتہ ولاف عنقا شکار   شرر عجز و جرأت ابد انتظار

سانس کی حیثیت معمولی دھاگے کی ہے اور اس سے عنقا شکار کرنے کا دعوی ہے چنگاری جیسی عجز و بے بسی ہے اس پر جرأت کا عالم یہ ہے کہ ابد کو بھی تابع کرنے کا اسے انتظار ہے۔

بقدر توہم حصول مراد   نتائج ہماں درخور اعتقاد

وہم کے مطابق مرادیں حاصل ہیں جیسا عقیدہ ہوتا ہے اسی کے مطابق نتائج سامنے آتے ہیں۔

کتاب قیاس و گماں پیش شان   اثر ہا باندازہ کیش شان (۱۱۸)

ان کے سامنے قیاسات وظنیات کی کتاب ہے اور جب ان کا دین دھرم یہی ٹھہرا ہے تو اسی کے مطابق آثار و علامات بھی ظاہر ہوں گے۔

تحقیق کے بابت اس سے زیادہ بہتر اور صحیح بات کیا کہی جاسکتی ہے۔ بیدل نے اپنے خیالات کا اظہار چونکہ نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے اس لئے مزید شرح وتفسیر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ عہد حاضر کے بڑے بڑے محقق اور نقاد کی تخلیقات وتصنیفات کا اگر جائزہ لیں اور انکی تحلیل و تجزیہ کریں تو ہم اسی نتیجے پر پہنچیں گے جس پر بیدل پہونچا ہے۔

چناں گرد تقلید شد آشکار   کہ تحقیق ہم می طپد در غبار

تقلید کی گرد کچھ اس طرح اڑی کہ تحقیق اس کے تلے تپنے لگی۔

ایک محفل میں ایک مشہور دانشور سے راقم السطور کی ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ عموماً جو لوگ عربی، فارسی اور اردو میں پی ایچ۔ ڈی کرتے ہیں ان کی تصانیف کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یا تو انہوں نے دوسری کتابوں کا ترجمہ کر دیا ہے یا اس میں کچھ تصرف کر کے اسی کو نقل کر دیا ہے اور کبھی کبھی تو ایسا لگا کہ شروع سے آخر تک ہو بہو اسی طرح نقل کر دیا۔ موصوف نے اس سلسلے میں اپنا ایک مضمون لکھنا شروع کیا جس کی ایک قسط چھپ گئی دوسرے دانشوروں نے ان کو اس کام سے باز آنے کو کہا تا کہ ان کا راز فاش نہ ہو پائے اب بیدل کی یہ بات: چناں گرد الخ کس قدر درست اور صحیح عکاسی حالات کی معلوم ہوتی ہے۔

پی ایچ۔ ڈی کے ان نام نہاد اسکالر سے اگر صرف نظر کیجئے اور ان لوگوں پر نظر ڈالئے جو حقیقت میں عظیم محقق اور نقاد تسلیم کئے جاتے ہیں ان کی تصانیف کی تحلیل و تجزیہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی کسی نہ کسی عالمی ادبی تحریک سے وابستہ یا متاثر ہیں اور ان کے زیر اثر اپنے افکار و خیالات کو اپنی تنقید کا معیار و مقیاس قرار دیتے ہیں اور اپنے ملکی شعر و ادب کو ان پر پرکھتے ہیں اس کی واضح مثال اردو ادب میں کلیم الدین احمد کی ہے موجودہ معیار بہ قول بیدل یہ ہے کہ جو علم و دانش بھی کسی کو نصیب ہوا اس نے خود کو

افلاطون و دانش تصور کیا جبکہ کوئی آدمی اپنے خودساختہ افکار و خیالات کے دائرے سے باہر قدم نہیں رکھتا ہے۔ بیدلؔ نے ایک شعر میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

نتواں محرم تحقیق شد از علم   وضعہا ساختہ و ما و من آموختہ است
ہر چند کنم دعوی خلوتکدہ تحقیق   چوں حلقہ بجز خانہ بیرون درم نیست
گم گشتہ تحقیق خود آوارۂ وہم است   ما را بگذارید بدرد طلب ما

کیا خوب کہا ہے۔

نفس رشتہ ولاف عنقا شکار   شرر عمر و جرأت ابد انتظار

سانس کی حقیقت دیکھئے اور اس پر عنقا جیسے لاپتہ پرندے کو شکار کرنے کا حوصلہ دیکھئے۔ چنگاری جیسی زود گذر زندگی کو دیکھئے اور اس پر ابد تک انتظار کرنے کی جرأت دیکھیے۔ سانس کی اس بے مائیگی اور زندگی کی اس زود روی کے ساتھ کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ اشیاء کی تہہ تک پہنچ گیا، اس کی تحقیق کر لی ہے اور اس نے تمام علوم و دانش کا احاطہ کر لیا ہے؟

بقدر توہم حصول مراد   نتائج ہماں در خور اعتقاد

توہم کے مطابق مرادیں حاصل ہوتی ہیں اور جیسا عقیدہ ہوتا ہے اس کے مطابق نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے خواجہ عباداللہ اختر نے لکھا ہے:

''بیدل کا نظریہ تحقیق یا مشاہدہ یہ ہے کہ ہر شخص کی تحقیق اس کی اپنی حد نظر ہے۔''

ہر کس اینجا از مقام و حال خود گوید خبر   از زبانم حرف او گر بشنوی باور مکن

ایک رباعی میں یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ سایہ خاک پر تو سیاہ نظر آتا ہے لیکن پانی میں تمثال ہے جس نے سایہ خاک پر دیکھا اس نے اسے سیاہ کہا وہ بھی سچا ہے اور جس نے اسے پانی میں دیکھا اس نے تمثال سے تعبیر کیا، یہ بھی سچ کہتا ہے۔(۱۱۹)

لیکن بیدل کے ہاں تحقیق کا مطلب ہے خداشناسی اور خودشناسی جس نے یہ نہ کیا وہ تحقیق سے بیگانہ ہے۔

حیف است تحقیق آشنا جو شد بوہم ماسوی   تا چند باید داشتن خود را ز خود بیگانہ ات
پُر غرہ مباشید چہ تحقیق و چہ تقلید   اینہا ہمہ بیحاصلی عشق غیور است

بیدل پر تحقیق کے دوران ایک انگریزی رسالہ نظر سے گذرا جس کا نام تو اب یاد نہیں آتا پر اس میں ایک مضمون کا عنوان تھا تحقیق Research اسے غور سے پڑھا، مضمون نگار نے تحقیق کی دو قسمیں قرار دی تھیں۔ ایک وہ تحقیق جو ادبیات اور علوم انسانی کے میدان میں ہوتی ہے اس کے لئے لفظ

Applied Research استعمال کیا تھا اور جو تحقیق سائنسی علوم مثلاً فزکس، کیمسٹری، بایولوجی اور ٹکنالوجی کے میدان میں ہوتی ہے اس کو Original Research اصلی تحقیق سے تعبیر کیا تھا۔

مضمون نگار نے اس نکتے پر زور دیا تھا کہ اپلائڈ ریسرچ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کیونکہ جو نتائج اس سے برآمد ہوتے ہیں اس کا فائدہ معاشرے کے ایک مخصوص طبقے تک ہی محدود رہتا ہے جبکہ حقیقی ریسرچ جو سائنسی علوم کے میدان میں ہوتی ہے اس کے نتائج سے خاص و عام سب لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس کی زیادہ اہمیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹکنالوجی، طبی، میکانیکی میدانوں میں جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان سے عوام و خواص سب یکساں طور پر فیضیاب ہیں۔

اس کے نزدیک تحقیق کا معیار گویا یہ تھا کہ کتنے لوگ اس کے نتائج سے کس قدر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ظاہر ہے بیدل کا دور (۱۶۴۴ تا ۱۷۲۰) ٹکنالوجی وغیرہ کا دور نہ تھا۔ مختلف قسم کے دیوپیکر مشینوں کی ایجاد کا زمانہ نہ تھا، ٹرین، ہوائی جہاز، راکٹ، ٹیلی ویژن، ٹیلی پرنٹر، ٹیلی کمیونیکیشن، کمپیوٹر، موبائل وغیرہ کا دور نہ تھا۔ ایسا دور نہ تھا کہ تحقیق کے نتائج سے عوام الناس کی زندگی میں خوشحالی اور آسودگی آتی۔

بیدل کا زمانہ فلسفہ، ہیئت، رمل و نجوم، کیمیا اور سیمیا وغیرہ کا تھا جن کی معلومات کی اساس سراسر قیاس اور گمان پر تھی اس لئے وہ اس میدان میں تحقیق کی مذمت کرتا ہوا کہتا ہے۔

چنیں است کسب علوم جہاں   مکش رنج رمل و نجوم جہان

دنیاوی علوم کے حصول کا معاملہ بس ایسا ہی ہے اس لئے نجوم اور رمل وغیرہ کے حصول کی زحمت مت مول لو۔

خرد ہر کجا نقطہ خاک خواند   خط ہیئت وضع افلاک خواند

عقل نے جہاں سرزمین کے نقطے کا مطالعہ کیا آسمانوں کی ہیئت کدائی کے خطوط پڑھنے شروع کر دیئے۔

اور اپنے معاصر محققوں کا حال اس طرح لکھا ہے۔

ندیدند از ہوش جہل اکتساب   کہ ہست از چہرہ این سکون و شتاب

اپنی اس ہوش و عقل سے جو حقیقت میں جہالت کے حصول میں مصروف ہے حرکت و سکون کا سبب نہیں معلوم کیا۔

دمی کز معارف بیان می کنند   حوالت بفہم کساں می کنند

جب وہ علوم و معارف کا تذکرہ کرتے ہیں تو دوسروں کی عقل و فہم کا حوالہ دیتے ہیں۔

که ارباب معنی چنیں گفته اند   گهرهای راز ایں چنیں گفته اند

کہ ارباب معنی نے یوں بیان کیا ہے اور گہرہائے راز کو اس طرح واشگاف کیا ہے۔

بیدل نقل قول کو تحقیق کے خلاف تصور کرتا ہے کیونکہ یہ رجحان بتاتا ہے کہ خود اس کی جھولی علم و ادب کے سرمایہ سے خالی ہے اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

گر اینست فهم آگهی باطلست   در اینست ره گمرهی باطلست

سوجھ بوجھ اور فہم وفراست کا اگر یہی حال ہے تو سارا علم ودانش باطل ٹھہرتا ہے اور اگر صحیح راستہ یہی ہے تو جسے گمراہی کہئے وہ باطل ہے۔

ز پهلوی علم گمان و قیاس   نمی گردد اندیشه معنی شناس

قیاسات کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم ودانش سے قوت فکر یہ معنی شناس نہیں ہو جاتی ہے۔

کسی تکیه بر فهم مردم کند   که چوں جهل راه خرد گم کند

عام لوگوں کی فہم پر بھروسہ وہی کرتا ہے جو جہالت ولاعلمی کی طرح عقل وخرد کی راہ ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے۔

اس لئے وہ نصیحت کرتا ہے کہ دوسروں کے مقولے نقل کرنے کے بجائے خود اپنی عقل وفہم پر بھروسہ کرو اور اتنی کاوش کرو کہ تمہارے دامن سے صبح تحقیق بہار نمودار اور بیش قیمت مضامین تمہارے ذہن ودماغ سے ترشح کریں۔

ترا پیرو آگهی بودنست   یکی فهم خود کار فرمودنست

تجھے علم ودانش کے تقاضوں پر چلنا ہے اور خود اپنی فہم وفراست سے کام لینا ہے۔

در آں جهد کن تا کند بیغبار   ز جیب توصبح تحقق بهار

اپنی کاوش اس نکتے پر مرکوز کرو کہ صبح تحقق بہار تمہارے دامن سے چھن کر نمودار ہو۔

به تحقیق نا برده جهدی بکار   ز تحقیق رمز آگهان شرم دار

اس چیز پر محنت کرو جس کی تحقیق اب تک نہیں ہوئی ہے رمز آگہوں کی تحقیق سے ندامت محسوس کرو۔

که ترسم در آئینه امتحان   هماں عکس بیمغز گردی میان

مجھے اندیشہ ہے اس بات کا کہ امتحان کے آئینے میں وہی عکس پوچ اور بی مغز ہوتا ہے۔

دمی کا امتحاں آشکا را شود   مقلد به تحقیق رسوا شود

آزمائش کی گھڑی میں مقلد کو اپنی تحقیق پر رسوائی اور بے عزتی کا سامنا ہوتا ہے۔

اگر ژاله تقلید گوهر کند   گداز خجالت بساغر کند(۱۲۰)

اولہ اگر موتی کی تقلید کرے تو ندامت وخجالت کے سوا کیا اس کے ہاتھ لگے گا۔

گویا بیدل اپنے معاصر لوگوں کے شیوہ تحقیق سے جو دوسروں کے مقولے نقل کرتے اور اپنی فہم وعقل پر بھروسہ نہ کرتے تھے بہت ہی دلگرفتہ تھا وہ معاصرین کو اس بات پر آمادہ کرتا تھا کہ عقل ودانش، فہم وفراست اور تامل وتفکر سے کام لے کر کوئی نئی چیز پیش کریں یا نیا نکتہ دریافت کریں جس کا سراغ دوسروں کو نہیں مل سکا ہے ورنہ تکرار مضامین سے کیا حاصل۔ آخر دور حاضر کے دانشوروں خصوصاً سائنس دانوں نے اس کام کی طرف توجہ کی جس کو کہنا چاہئے بیدل کی اپنے دور کے لوگوں کو تجویز تھی۔

بکتاب دانش این وآن مکن آنقدر سبقت رواں   که دمد ز پشت ورخ ورق خط شبه حق و باطلت

✪✪✪

تجددِ امثال

تجدد کسوت شان وجود است همین است آنچہ سامان نمود است

''تجدد'' شان وجود'' کی پوشاک ہے یہی ایک چیز'' سامان نمود'' ہے۔

''تجدد امثال'' بھی بیدل کے اہم ترین موضوعات میں داخل ہے جس پر اس نے غزلیات اور مثنوی دونوں میں بحث کی ہے۔ ''تجدد امثال'' کیا ہے؟ مولانا عبدالرحمٰن جامی لوائح میں لکھتے ہیں جو شاید بیدل کا سرچشمہ رہا ہے۔

''شیخ رضی اللہ عنہ'' در نص شعیبی ''می فرماید: عالم عبارتست از اعراض مجتمعہ در عین واحد کہ حقیقت ہستی است و آں متبدل و متجدد می گردد مع الانفاس والانات، در ہر آنی عالم بعدم می رود و مثل آں بوجود می آید و اکثر اہل عالم ازیں معنی غافل اند کما قال سبحانہ تعالی بل هم فی لبس من خلق جدید و از ارباب نظر کسی بریں معنی مطلع نشدہ است مگر اشاعرہ در بعضی اجزاء عالم کہ اعراض است حیث قالوا الاعراض لا تبقی زمانین ـ دیگر جسمانیہ کہ معروفند بہ ''سوفسطائیہ'' در ہمہ اجزاء عالم چہ جواہر و چہ اعراض۔ و ہر یک ازیں فریقین من وجہی خطا کردہ اند اما اشاعرہ بسبب آنکہ اثبات جواہر متعددہ کردہ اند ورای حقیقت وجود۔ و اعراض متبدلہ متجددہ را بآنہا قایم داشتہ اند و ندانستہ اند کہ عالم بجمیع اجزاء نیست مگر اعراض متجددہ متبدلہ مع الانفاس والانات کہ در عین واحد جمع شدہ اند و در ہر آنی ازیں عین زایل می شوند و امثال آنہا بوی متلبس می گردد پس ناظر بواسطہ تعاقب مثال در غلط می افتد پندارد کہ ایں امریست واحد مستمر کما یقول الاشاعرہ فی تعاقب الامثال علی محل العرض من غیر خلوان من العرض المماثل للشخص الاول فیظن الناظر انها امر واحد مستمر.

اما خطای سوفسطائیہ آنستکہ مع قولہم بالتبدل فی العالم باسرہ متوجہ نشدہ اند با آنکہ یک حقیقت است کہ متلبس می شود بصور و اعراض عالم۔ و موجودات متعینہ متعددہ می نماید و ظہور نیست اورا در مراتب کونی جز بایں صور و اعراض چنانکہ وجود نیست اینہا را بدون او در خارج۔

واما ارباب کشف و شہود می بینند کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ در ہر نفسی متجلی است بہ تجلی دیگر و در تجلی او اصلا تکرار نیست یعنی در دو آن بیک تعین و بیک شان متجلی نمی گردد بلکہ ہر نفسی بہ تعینی دیگر ظاہر می شود و ہر آنی بشانی دیگر تجلی می کند۔'' (۱۲۱)

شیخ (ابن عربی) رضی اللہ عنہ ''نص شعیی'' میں فرماتے ہیں ''عالم'' نام ہے ان اعراض کا جو ''عین واحد'' کے اندر اکٹھے ہیں جو ''ہستی'' کی حقیقت ہے اس میں سانس اور لمحوں کے ساتھ لگاتار تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ دنیا ہر لحہ عدم ہوتی رہتی ہے اور اس کی مثل رونما ہوتی رہتی ہے لیکن بیشتر دنیا والوں کو اس کی خبر بالکل نہیں ہوتی ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ''بل هم فی لبس من خلق جدید'' (نئی پیدائش کے بابت وہ شک و شبہے میں پڑے ہوئے ہیں) اور اہل نظر حضرات میں اشاعرہ کے سوا کسی کو اس کا سراغ نہیں ملا۔ انہوں نے عالم کے بعض اجزائے کے بابت کہا ''الاعراض لاتبقی زمانین اعراض دو وقتوں میں باقی نہیں رہتے ہیں دوسرا طبقہ جسے اس کا علم ہے ''جسمانیہ'' کہتے ہیں جو سوفسطانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ سارے اجزا عالم خواہ جواہر ہوں خواہ اعراض سب کے بابت یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں ہر ایک فرقہ نے ایک لحاظ سے غلطی کی ہے جہاں تک اشاعرہ کا تعلق ہے انہوں نے حقیقت ''وجود'' سے پرے کئی جواہر کو تسلیم کیا ہے اور ہر آن بدلتے اعراض کو اس کے ساتھ وابستہ تصور کیا ہے اور یہ نہ سمجھا کہ دنیا اپنے تمام تر اجزاء سمیت انفاس و آنات کے ساتھ سدا بدلتی رہتی ہے اور وہ تازہ بہ تازہ اعراض کے سوا کچھ نہیں ہے جو عین واحد کے اندر ایک جگہ اکٹھے ہوتے اور ہر آن اس عین سے محو ہوتے رہتے ہیں اور ان کی مثلیں اس سے وابستہ ہوتی رہتی ہیں۔ دیکھنے والا ان امثال کے لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہنے کی وجہ سے بھرم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ تصور کرنے لگتا ہے کہ ایک ہی چیز ہے جو لگاتار چل رہی ہے، جیسا کہ امثال کے سلسلہ منقطع ہوئے بغیر ایک محل عرض پر لگاتار تعاقب کے بابت اشاعرہ کہتے ہیں کہ پہلے شخص کی عرض مماثل کو دیکھنے والا یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ ایک لگاتار چلتے رہنے والا امر ہے۔

سوفسطائی طبقے کی غلطی یہ ہے کہ یہ ماننے کے باوجود کہ دنیا میں تجدد و تبدیلی کا عمل لگاتار جاری ہے ادھر متوجہ نہیں ہوتے کہ ایک ہی حقیقت ہے جو مختلف صورتوں کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے اور موجود چیزوں کو متعین اور متعدد شکل میں دکھاتی ہے۔ مراتب کونی میں ان صورتوں اور اعراض کے سوا کسی اور شکل میں اس کا ظہور نہیں ہوتا ہے جیسا کہ خارج میں اس کے بغیر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جو لوگ اہل کشف و شہود ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہر سانس میں ایک نئی تجلی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس کی تجلیوں میں سرے سے کوئی تکرار نہیں ہے۔ یعنی دو آن میں ایک ہی تعین

اور ایک ہی شان میں اپنی تجلی دکھاتا ہے بلکہ ہر دم ایک نئے تعین کے ساتھ نمایاں ہوتا ہے اور ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ آرا ہوتا ہے۔

یہ اقتباس دراز ضرور ہو گیا پر ''تجدد امثال'' کا مفہوم کیا ہے؟ بیدل کے افکار و خیالات کا سرچشمہ کیا ہے؟ اس عقیدہ کا بانی کون ہے؟ اور لوگوں کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ان سب امور کو جاننے کے لئے اس کا یہاں نقل کرنا ضروری تھا۔

اس اقتباس سے اتنی بات واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے کہ محمد بن عربی کے مطابق جن کو اس عقیدے کا بانی کہنا چاہئے یہ دنیا نام ہے ''عین واحد کے اندر جمع شدہ اعراض کا'' جو ہر آن بدلتے رہتے ہیں اور ان میں انقلاب آتا رہتا ہے جیسا کہ آیت **"بل هم فی لبس من خلق جدید"** سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

کافر کہتے تھے: **أ اذا متنا و کنا ترابا. ذالک رجع بعید۔(ق)**

یعنی جب مر کر ہم مٹی میں مل جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو پھر کہیں دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ ایسا تصور ہے جو ہماری عقل و فہم کے دائرے سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے نت نئے انداز سے ان کو یہ باور کرایا کہ موت کی آغوش میں پہنچانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اس آیت کے آخر میں کہتا ہے کہ پہلی بار پیدا کر کے ہم تھک گئے جو دوسری بار ان کو زندہ نہ کر سکیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ **"خلق جدید"** ''نئے جنم'' کے بابت تم شبہے میں گرفتار ہو۔

اس آیت میں بعث بعد الموت کو ''خلق جدید'' سے تعبیر کیا ہے۔ شیخ نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ نہ صرف قیامت کو خلق جدید کہہ سکتے ہیں بلکہ ساری دنیا ہر لحہ ''خلق جدید'' سے گذر رہی ہے کیونکہ دنیا نام ہے ''عین واحد کے اندر جمع شدہ اعراض کا''۔ ہستی کی حقیقت جو عین واحد ہے بدستور اپنی جگہ برقرار ہے اور اعراض جو اس پر نمایاں ہوتے رہتے ہیں تبدیلی کی حالت میں سدا اپنے امثال کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن شیخ محی الدین ابن عربی کی اس دلیل سے راقم السطور کو اتفاق نہیں کیونکہ ''خلق جدید'' سے مراد قیامت میں انسانوں کا اٹھنا ہے جو مشرکوں اور کافروں کے بعث بعد الموت کے بارے میں شبہے کو جواب میں ہے۔ اس کا تذکرہ مختلف اسالیب سے قرآن پاک میں سیکڑوں جگہ آیا ہے۔ **''ان الساعة آتية لاريب فيه، و ان الله يبعث من فی القبور، قل يحييها الذی انشاء ها اول مرة الخ انكم الينا ترجعون** وغیرہ

بیدل نے تیسرے عنصر میں لکھا ہے:

''تجدد امثال بی تامل اشغال ورق گردانی ست و تبدل آثار بی اختیار معنی تازہ رسانی۔'' (۱۲۲)

''تجدد امثال'' بلا توقف ورق گردانی میں مصروف ہے اور ''تبدل آثار'' بلا ارادہ تازہ بہ تازہ معانی کی فراہمی میں لگا ہے۔

یہ وہی مضمون ہے جس کا تذکرہ شیخ نے کیا اور جامی نے اس کی توضیح و تشریح کی ہے جامی اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تین طبقے صرف اس نکتے سے واقف ہیں طبقہ اشاعرہ، طبقہ سوفسطائیہ اور طبقہ شہودی۔

طبقہ اشاعرہ دنیا کے صرف ایک حصے کو جسے اعراض سے تعبیر کرتے ہیں ''تجدد امثال'' کی مشق گاہ قرار دیتا ہے چنانچہ ان کا قول **الاعراض لا یبقی زمانین** اعراض دو وقتوں میں نہیں ٹک سکتے۔ ''طبقہ سوفسطائیہ'' جو ''جسمانیہ'' کے نام سے بھی مشہور ہے سارے اجزا عالم کو چاہے وہ جواہر ہوں اور چاہے اعراض ''تجدد امثال'' کی کارفرمائی کا مظہر قرار دیتا ہے۔

جامی کا خیال ہے کہ یہ دونوں طبقے غلط فہمی کے شکار ہیں اشاعرہ ''حقیقت وجود'' کے علاوہ جو کہ خدائے تعالیٰ ہیں کئی ''جواہر'' کے قائل ہیں اور اعراض جو تجدد امثال کی مشق گاہ ہیں ان جواہر سے وابستہ ہیں جبکہ ساری دنیا اپنے تمام تر اجزاء کے ساتھ ''اعراض'' کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ اعراض جو ہر لحہ ''تجدد و تبدل'' کے زیر اثر نت نئے ہوتے رہتے ہیں عین واحد کے اندر اکٹھے ہوتے اور ہر لحہ اس سے جدا ہو کر ان کی مثالیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔ دیکھنے والا ان مثالوں کے باہم ایک دوسرے کا تعاقب کرنے کی وجہ سے مغالطہ کا شکار ہوتا ہے اور اسے وہ امر واحد تصور کرتا ہے۔

سوفسطائی طبقے کی غلط فہمی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اگرچہ تجدد امثال کے قائل ہیں مگر اس کے ساتھ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ صرف ایک حقیقت ہے جو نئے نئے صور و اعراض کے ساتھ چولے بدلتی رہتی ہے۔ یہ لوگ ان صورتوں اور اعراض کو ''موجودات متعینہ متعددہ'' سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ صور و اعراض اسی ایک حقیقت کے مراتب کا ظہور ہے۔

تیسرے طبقے کو جامی ''ارباب کشف و شہود'' سے تعبیر کرتے ہیں یا مختصر لفظ میں اسے طبقہ شہودی کہہ لیں۔ جو غالباً وہی طبقہ ''وحدت الوجودی'' ہے۔ یہ لوگ آیت کریمہ **"کل یوم هو فی شان"** کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہر آن اپنی تازہ بہ تازہ تجلی دکھاتا رہتا ہے، اس کی تجلیوں میں سرے سے تکرار نہیں ہے۔ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے لطیفہ و قہر یہ یا جمالیہ اور جلالیہ متضاد اسماء و صفات نے سارے حقائق کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا ہے۔ اسمائے لطیفہ ان حقائق ''وجود'' کا احاطہ کرتے ہیں اور اسے ایک ممتاز و مشخص ''تعین'' عطا کرتے ہیں

اس کے چند اسماء قہریہ انہیں نابود کرتے ہیں۔ دوسری بار پھر اسمائے لطیفہ ان پر اپنی عنایتیں کرتے ہیں اور انہیں دوسرا ''تعین'' بخشتے ہیں جو تعین اول سے بظاہر ملتا جلتا ہوتا ہے۔ شکست و ریخت کا یہ سلسلہ لگاتار جاری رہتا ہے جب تک خدا کی مرضی ہوتی ہے۔ اس بنا پر دنیا ہر لحہ عدم کی طرف رواں دواں ہے اور اسی جیسی دوسری دنیا وجود میں آتی رہتی ہے لیکن جس کی نگاہ ان امثال کے تعاقب کا درک نہیں کر پاتی اسے دنیا ایک ہی حال میں نظر آتی ہے۔

ان ہی نکات کا اظہار بیدل نے مثنوی طور معرفت میں کیا ہے۔

تجدد کسوت شان وجود است　　ہمیں است آنچہ سامان نمود است

''تجدد'' شان ''وجود'' کی پوشاک ہے نمود وظہور کا جو سامان نظر آرہا ہے اس کی حیثیت بس اتنی ہی ہے۔

چمن بیرنگ و مارنگ آشنائیم　　جہاں خاموش و ما مست نوائیم

''چمن'' کسی خاص رنگ سے آزاد ہے اور ہم رنگ سے مانوس و آشنا ہیں دنیا خاموش ہے اور ہم مست نوا ہیں۔

دریں گلشن ہزاران رنگ بالید　　ازیں قانون ہزار آہنگ نالید

اس گلشن میں ہزاروں رنگ ابھرے اس آلہ موسیقی سے ہزاروں آہنگیں پیدا ہوئیں۔

تگ و پوی نفس تا دارد اقبال　　بہاری و خزانی می زند بال

سانس کی تگ ودو میں جب تک عروج واقبال مقدر ہے بہار اور خزاں دونوں اپنے اپنے بازو پھیلاتے سمیٹتے رہیں گے۔

نفس آہنگ بی تکرار دارد　　تجدد زیں نوا بسیار دارد

سانس کی آہنگ میں تکرار نہیں ہے۔ اس کی آواز میں ''تجدد'' کی صورت حال بہت زیادہ مشاہدہ ہوتی ہے۔

بسامانست بی ساز تردد　　بہر مژگان زدن چندین تجدد

تجدد ساز تردد کے بغیر سروسامان کا حامل ہے ہر پلک جھپکنے میں کئی کئی تجدد نمودار ہوتی ہے۔

نہ شد فرصت دریں ویرانہ پیدا　　وگرنہ دل چہا می کرد پیدا

اس کھنڈر (دنیا) میں ''فرصت'' میسر نہیں ورنہ دل کیا کچھ کرشمے نہ دکھاتا۔

تاملہا اگر ماندے بیک حال　　نمی گردید رنگ من بصد سال (۱۲۳)

غور وفکر کا انداز اگر ایک ہی صورت حال پر قائم رہتا تو سو سال میں بھی میرے رنگ میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔

''تجدد امثال'' کا پوری کائنات کے اندر عمل دخل ہے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے بعد اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ صوفیا کا آخر اس سے مقصد کیا ہے؟ بیدل پر سب سے پہلے کتابی شکل میں قلم اٹھانے والے ایک پاکستانی مصنف خواجہ عباداللہ اختر نے اس نظریے کے اہم نتائج کی طویل وضاحت کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ دنیا پر قدامت اور کہنگی کبھی طاری نہیں ہوتی ہے۔

نوی بیدل از ساز امکان نرفت　　نشد کہنہ تجدید ایجاد ما

بیدل ''ساز امکاں'' (دنیائے ممکن) سے تجدد کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا ہماری ایجاد کی تجدید میں کہنگی نہیں آتی۔

۲۔ دنیا چونکہ تبدیلی کے مراحل سے گذر رہی ہے اس لئے ہر لحہ وہ فنا ہوتی ہے اور اس کی مثل وجود میں آتی ہے اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ ہر لحظہ خالق، بدیع اور مصور ہے کل یوم ھو فی شان.

۳۔ تجدد کا سلسلہ کب تک اور کہاں تک جاری رہے گا اس میں کوئی آخری حد نہیں ہے۔

ز کارگاہ تجدد عیان نشد بیدل　　جز اینقدر کہ کسی اینجا با نتہا نرسید

بیدل! ''تجدد'' کے کارخانے سے اس کے سوا کوئی نکتہ واضح نہ ہوسکا کہ کوئی اپنی آخری حد تک پہونچ نہ سکا۔

۴۔ ارتقا کے لوازمات میں ایک امر یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا آخر اول سے بہتر ہوتا ہے والآخرۃ خیر و ابقی۔

۵۔ نیستی میں تکرار نہیں ہے۔

تکرار مبندید بر اوراق تجدد　　تقویم نفس را خط پارینہ نباشد

تجدد کے اوراق پر ''تکرار'' کا اطلاق نہ کرو سانس کی تقویم (جنتری) کا خط کہنہ نہیں ہوتا ہے۔

۶۔ از اول تا آخر ساری دنیا ایک ''واقعہ واحدہ'' ہے امروز وفردا، زمان ومکان، دنیا وعقبیٰ سب اعتباری، اضافی اور غیر حقیقی چیزیں ہیں صرف حال موجود ہے اور جسے ماضی ومستقبل سے تعبیر کرتے ہیں وہ تغیرات وتبدلات کا نام ہے۔

نہ دی گذشت نہ فردا بہ پیش می آید　　تجدد من تا قیامت آغازیست

نہ تو ماضی گذرا اور نہ آئندہ آئے گا میرے تجدد کا سلسلہ قیامت تک آغاز ہی آغاز ہے۔

غبار ماضی و مستقبل از حال تو می جوشد　　در امروز است گم گرو اشگافی دی و فردا را

ماضی ومستقبل کی گرد تو تیرے حال سے موج زن ہے ماضی ومستقبل کی اگر تحلیل وتجزیہ کر کے

دیکھو گے تو وہ حال میں گم ملے گا۔

غم مستقبل و ماضی است کانرا حال می نامی   نقابی درمیان است از غبارش پیش و پس اینجا

جسے تم حال سے تعبیر کرتے ہو وہ ماضی و مستقبل کا ہی غم ہے۔

۷۔ جب ہستی میں تکرار نہیں ہے تو کوئی چیز بھی ایک مخصوص حالت پر قائم نہیں رہ سکتی۔ ہمیں تو اسے دیکھنے کی بھی فرصت حاصل نہیں ہے کیونکہ جب تک ہم آنکھیں کھولتے ہیں وہ چیز کئی رنگ بدل چکی ہوتی ہے۔

دمیدہ است چو نرگس دریں تماشا گاہ   ہزار چشم و یکی را نصیب دیدن نیست

نرگس کی طرح اس تماشا گاہ دنیا میں ہزاروں آنکھیں لے کر پیدا ہوئے جس میں ایک سے بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔

من نمی گویم زیان کن یا بفکر سود باش   ای ز فرصت بی خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں نہیں کہتا نقصان اٹھاؤ یا فائدے کی فکر کرو۔ اے فرصت کی اہمیت سے بے خبر آدمی! جو کچھ کرنا ہے جلدی جلدی انجام دے جاؤ۔

تا دم زنی آئینہ گردانده است رنگ   این کارگاہ جلوہ چہ مقدار نازک است

جب تک سانس لینے کی نوبت آئے آئینہ اپنا رنگ بدل چکا ہوتا ہے خدا کی تجلیوں کی یہ جلوہ گاہ آئینہ کس قدر نازک واقع ہوا ہے۔ (۱۲۴)

یہ تو تھا خواجہ عباداللہ اختر کے بیان کا خلاصہ لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ بیدل کے نزدیک تجدد امثال کی بحث سے مقصد کیا ہے۔

راقم السطور کے خیال میں بیدل نے مثنوی عرفان میں اس مقصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

از تو تکرار جلوہ نتواں دید   ای کہن ساز نغمہ تجدید

اے نغمہ تجدید کو کہنگی کا روپ دینے والے! تیرے اندر تکرار جلوہ کو دیکھنے کی تاب نہیں۔

ہر نفس از تو در لباس نفس   پر فشانست یک حقیقت و بس

تیرے سانس کی پوشاک میں ہر آن ایک ہی حقیقت پر فشانی کر رہی ہے۔

آں حقیقت بقای مطلق تست   کز طلسمت بایں تقید است

وہ حقیقت ہے تیری ''بقائے مطلق'' جو تیرے طلسم جسم کی بدولت اس قید و بند میں ہے۔

از مقید برای مطلق باش   باطل است این و آں تو باحق باش

''مقید'' کے دائرے میں رہ کر ''مطلق'' کے حلقے میں داخل ہو جاؤ۔ ادھر ادھر کے خیالات

بے تکی باتیں ہیں تم حق کے ہمراہ رہو۔

حرفی از درس راز می گویم   گفتہ ام آنچہ باز می گویم

راز کی ایک بات تجھے بتاتا ہوں جس بات کو بارہا کہہ چکا ہوں پھر کہتا ہوں۔

کایں طریق سکوت و وضع خروش   از تو گردید امتیاز فروش

کہ تیری یہ سکوت و خاموشی اور تیرا یہ جوش و خروش امتیاز فروش (خط امتیاز کھینچنے والا) واقع ہوا ہے۔

کاش ایں و ہمہای گردوں تاز   یک نگہ سوی خویش گردی باز (۱۲۵)

کاش آسمان پر اڑان بھرنے والے ان اوہام سے ہٹ کر ایک نظر تو خود اپنی شخصیت پر ڈالتا۔

ان اشعار سے واضح ہے کہ ''تجدد امثال'' اور ''تغییر احوال'' پر غور و فکر کرنے سے بیدل کا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی زیادہ سے زیادہ شناخت حاصل کی جائے، اس سے اپنا تعلق استوار اور محکم کیا جائے اور خود اپنی شناخت حاصل کی جائے۔ دوسری جگہ بھی اس مضمون کو اس نے اس طرح بیان کیا ہے۔

فقر می جوشد از مزاج غنا   اینک آئینہ بقا و فنا

''غنا'' کے مزاج سے ''فقر'' موجزن ہے یہ بقا و فنا کا آئینہ ہے۔

ہر نفس ازیں حقیقت بیرنگ   جزر و مدیست بی شتاب و درنگ

اس ''بے رنگ حقیقت'' سے ہر آن بلا تاخیر و تعجیل جزر و مد (جوار بھاٹا، پستی و بلندی) کا سلسلہ جاری ہے۔

لایزال از کمینگہ آثار   پر فشانست موج این اسرار

آثار کی کمینگاہ سے ان اسرار کی لہریں لگاتار اٹھ رہی ہیں۔

ہمہ جا از تجدد امثال   دانہ ہا ریشہ است و ریشہ نہال

''تجدد امثال'' کا ہی کرشمہ ہے کہ ہر جگہ دانے جڑ کی شکل اور جڑیں پودے کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔

آگہی کوست کز انقلاب صفت   نشناسد مگر ''تعین ذات''

وہ سوجھ بوجھ اور علم و دانش کہاں ہے جو صفات کے اندر اس انقلاب سے ''تعین ذات'' کی شناخت حاصل کرے۔

''ذات'' سے مراد خدائے تعالیٰ ہے جو ہر قسم کی تغیرات سے بالا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ''کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام'' یہاں کی ہر چیز فنا ہونے والی

ہے باقی رہنے والی ذات صرف تیرے رب کی ہے۔ بیدل کا خیال ہے تجدد امثال کے فطری اور ازلی قانون کے نتیجے میں خدا فقیر کو غنی اور غنی کو فقیر بناتا ہے کسی کو دنیا میں لاتا ہے کسی کو یہاں سے چلتا کرتا ہے۔ حالات میں یہ انقلاب اس وجہ سے آتے ہیں کہ انسان اس پر غور کرے اور خدا سے اپنا تعلق استوار کرنے کی معرفت وشناخت حاصل کرے۔

جلوہ اینجا ہر نفس جامی دگر دارد بکف
محرم کیفیت آں حسن بی تکرار باش

یہاں جلوہ ہر آن دوسرا جام ہاتھ میں لئے چلا آرہا ہے یعنی ہر لحظہ نت نیا جلوہ وہ دکھا رہا ہے اس لئے وہ حسن بے تکرار کے محرم رہو۔

یاد گذشتگان ہم آیندہ است اینجا
در کارگاہ تجدید چیزی کہن نباشد

قبل و بعد عالم تجدید، تجدید است وبس
نیست تقدیمی کہ بیشی جوید از تاخیر ما

درکارگاہ تجدید یکدست چمن سازیست
تقویم بہار اینجا پارینہ نمی باشد

نیرنگ اعتبار بہار تجددت
باہم چہ رنگہا کہ گلباز می کند

مہ و سال و شب و روزت مجازیست
حقیقت نہ زمان دارد نہ ساعات

نشاط و رنج ما تبدیل اوضاع
بلند و پست ما تغییر حالات

رنگہا بال افشان می رود و می آید
این چمن عالم تجدید کہن تکرار است

✪✪✪

انسانی ہستی

’’انسانی وجود‘‘ ایک اہم موضوع ہے جس پر بیدل نے اپنی تمام تصانیف میں بحث کی ہے ایک خط میں وہ لکھتا ہے:

’’نسخہ ہستی‘‘ کہ زیر مشق خیالات موہومہ است، درضمن ہر نفس کشیدنش حک واصلاحی است تازہ ودر تیغ ہر مژہ زدن احتیاط بستن وگسیختن شیرازہ۔‘‘ (۱۳۶)

نسخہ ’’ہستی‘‘ جو موہوم افکار وخیالات کی جولانگاہ ہے ہر دفعہ سانس لینے میں اس کے اندر ایک تازہ حک واصلاح ہوتی رہتی ہے اور ہر پلک جھپکنے میں شیرازہ بندی اور گسستگی کا احتیاط ہے۔

بیدل نے یہاں انسان کے جسمانی وجود کو موضوع بحث بنایا ہے جس کی اساس پوری طرح سانس کی آمد ورفت پر استوار ہے۔ انسانی زندگی اور ہستی کیا ہے؟ اس موضوع پر مختلف زبانوں اور تہذیبوں کے شاعروں نے مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک نے اپنی اپنی ذہنی رسائی کے مطابق اپنے خیال کا اظہار کیا ہے۔

بیدل نے جس کے قادر الکلام شاعر ہونے میں کسی کو شبہ نہیں اپنی غزلیات میں اس موضوع پر مختلف انداز سے روشنی ڈالی ہے جو دلچسپ بھی اور قابل مطالعہ بھی۔ ایک جگہ کہتا ہے۔

’’زندگی‘‘ موضوع اضداد است صلح ایں جا کجاست
با نفس باقیست تا قطع نفس برخاش ما‘‘

زندگی اضداد کا مجموعہ ہے یہاں ہماہنگی کہاں ہے۔ سانس کا سلسلہ جب تک جاری اس سے ہماری آویزش کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ مجنوں گورکھپوری اس کو جدلیت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بیدل زندگی کا بہت بڑا راز داں تھا۔ اس کو کائناتی اور انسانی وجود کی تضاد در آغوش حقیقت کا حکیمانہ عرفان حاصل تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جس کو ہم بڑے زعم وپندار کے ساتھ منزل رسی سمجھتے ہیں وہ ایک ’’لغزش پا‘‘ سے زیادہ قدر اپنے اندر نہیں رکھتی، اور وہ اس حقیقت سے خوش تھا۔ دیکھو کس نشاط کے ساتھ کہتا ہے:

بہ وصل لغزش پای رسیدہ ام بیدل
بیا کہ دادرس سعی نارسا اینجا است‘‘ (مجلہ سویرا سالنامہ)

انسانی زندگی سراسر سانس کی آمد وشد پر قائم ہے اور انسان آخری دم تک مختلف حالات اور ماحول کے تحت مختلف قسم کے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے اور متضاد تاثرات پیش کرتا ہے اس

لحاظ سے زندگی اضداد کا موضوع ہے۔

دوسری جگہ لکھتا ہے:

زندگی درحقیقت سانس کی آمد و رفت کا نام ہے جس کا سلسلہ ایک مقررہ وقت تک جاری رہتا ہے اس لئے بیدل کہتا ہے کہ سانس کی آمد و رفت سے قافلہ زندگی کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ جس طرح لہر جو سیلاب کے چلے جانے کے بعد حرکت میں آتی ہے۔

کاروان عمر بیدل از نفس دارد سراغ　　جنبش موج است گرد گرفتن سیلاب با

اسی سانس کو دوسری جگہ ''سرمایہ عجز'' سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے زندگی کے ان قیمتی لمحات سے غفلت نہ برتو۔ نفس ''سرمایہ عجز'' اس معنیٰ میں ہے کہ وہ ایک وقت مقررہ تک اپنی آمد و رفت کو جاری رکھنے میں بے بس ہے ورنہ زندگی کا سرا ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ پس عجز و بے بسی کی اس پونجی کو غفلت ولاپرواہی میں نہ گذارو اور زیادہ سے زیادہ اس کو صحیح مصرف میں لگاؤ۔ صراحی میں جب تک شراب ہے اس کی گردن کی خمی کو اس سے دور نہیں کیا جاسکتا بالکل اسی طرح جب تک سانس چل رہی ہے زندگی کا قافلہ رواں دواں ہے۔

نفس سرمایہ عجز است از ہستی مشو غافل　　کہ تا صہباست نتواں بردخم از گردن مینا

کبھی اس دنیا کی چندروزہ زندگی کو ایک عقدہ تار نفس سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی بے مائگی کی نشان دہی کرتا ہے۔

درغم آباد فلک چوں خانہ وہم حباب　　نیست جز یک عقدہ تار نفس ساماں مرا

کبھی سانس کی آمد و رفت کے تکرار کے باعث زندگی سے گویا اوب کر کہتا ہے کہ بہتر ہے ''نیرنگ ہستی'' کا نسخہ اپنے ورق لپیٹ دے کیونکہ نفس کی آمد و رفت کی وجہ سے اس کا تکراری عمل پرانا ہو چکا ہے۔

نسخہ نیرنگ ہستی بہ کہ گرداند ورق　　کہنہ شد از آمد و رفت نفس تکرارہا

کبھی بلبلے سے سبق لیتا ہے کہ جو چیز ناممکن نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ سانس کی باگ پر کسی طرح کنٹرول نہیں کیا جاسکتا جو لگا تار آمد و شد میں لگا ہوا ہے ٹھیک جس طرح بلبلہ پانی کی سطح پر نقش بناتا اور مٹتا رہتا ہے۔

از حباب ابنقدرم عبرت احوال بس است　　کانچہ ممکن نبود ضبط عنان نفس است

کبھی اسے موج نظر سے تشبیہ دے کر اس کی خاصیت 'جستجو' کا تذکرہ کرتا ہے۔

نفس در جستجو خاصیت موج نظر دارد　　کہ غیر از چشم بستن نیست منزل کاروانش را

اسی طرح کہتا ہے کہ کدورت سانس کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتی ہے اس لئے سانس کا سلسلہ جب تک جاری ہے کدورت کے ساتھ سمجھوتہ کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

تا نفس باقیست باید با کدورت ساختن　　در کمین آئینہ رہنست وقف رنگہا

اسی مطلب کو دوسرے انداز سے بیان کرتا ہے۔

''عرض ہستی'' بر دل روشن غبار ماتم است　　از نفسہا خانہ می گردد سیاہ آئینہ را

جب آئینے کے سامنے سانس لیتے ہیں تو آئینے کی چمک جاتی رہتی ہے اور اس پر سیاہی چھا جاتی ہے اسی طرح دل روشن گویا ایک آئینہ ہے جس میں ہستی سانس کے درجے میں کدورت اور سیاہی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

یہاں تک ''سانس'' کی بابت اس کے بوقلموں خیالات کا تذکرہ تھا اب دیکھنا ہے کہ زندگی کے بابت اس کے کیا خیالات ہیں۔

جیسا کہ اسی مضمون کے شروع میں گذرا بیدل کہتا ہے۔

''نسخہ ہستی'' سدا موہوم افکار و خیالات کی جولانگاہ رہی ہے کہ ہر دفعہ تازہ سانس لینے میں ایک نئی حک و اصلاح ہوتی ہے'' اس لحاظ سے وہ اُخروی زندگی کے مقابلے پر ہیچ اور عدم ہے۔

عدم گفتن کفایت می کند تا آدم و حوا　　دگر ای ہرزہ درس وہم طومار نسب مکشا

[عدم ہی ہے عدم چھایا ہوا دیکھو جو آدم تک　　پھر اے بیہودہ طومار نسب کا درس ہے کیسا]

اپنی زود گذر مدت کی وجہ سے زندگی کی لئے عدم سے بہتر کوئی عنوان مناسب نہیں ہے عدم کا یہ سلسلہ آدم و حوا تک چلا گیا ہے اس لئے آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے نسب پر فخر کرے۔

افتادہ زندگی بکمیں ہلاک ما　　چندانکہ وارسی بسر ماست خاک ما

زندگی ہماری ہلاکت و تباہی کی گھات لگائے بیٹھی ہے جس قدر غور کرو گے ہماری خاک خود ہمارے سر پر ہے۔

عدم کے اس مفہوم کو مختلف انداز سے درج ذیل اشعار میں پیش کیا ہے۔

بساط نیستی گرم است کو شمع و چہ پروانہ　　کف خاکستری در خود فرو بردہ است محفل را

کیا شمع کیا پروانہ ہر جگہ ''نیست و نابودی'' کی بساط گرم ہے مٹھی بھر راکھ نے محفل کو اپنے اندر ہضم کر لیا ہے۔ اخباروں اور ٹیلی ویژن سے ہمیں برابر معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ہر روز ہزاروں افراد ہوائی جہاز، ٹرین، موٹر وغیرہ کے حادثوں، زلزلوں سیلابوں، طوفانوں یا جنگی آویزشوں میں ہلاک ہوتے اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اس طرح دیکھا جائے تو بساط نیستی گرم ہے۔

…د و رفت نفس سامان شوق جانکنی است — زندگی تا تیشہ بر دوش است فرہادیم ما
…ل حق وافیست بیدل، از فنا غمگیں مشو — عمر باطل بود گر بسیار و گر اندک گذشت

…رق تا مغرب و عرب تا عجم — دیدیم معاملات اہل عالم
…ں شیشۂ ساعت ہمہ در داد و ستد — خاکی است کہ می کنند در کاسہ ہم

مشرق سے مغرب اور عرب سے عجم تک دنیا والوں کے حالات اور معاملات پر غور کیا تو وہ …یشہ ساعت کی طرح لین دین میں مٹی کو پیالے میں رکھتے اور گراتے نظر آئے۔

بیدل نے اگرچہ مغربی دنیا یا عرب ممالک کا سفر نہیں کیا تھا مگر ہندوستان کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک، بنگال سے لے کر پنجاب اور جنوب سے لے کر شمال تک کا سفر کیا تھا۔ ان …سافرتوں میں وہ بھی ایسے زمانے جب سفر کی موجودہ دور کی سہولتیں حاصل نہ تھیں بیدل کو مختلف قسم کے …دثات یا نشیب و فراز خصوصیت سے تیموری سلاطین کے عروج و زوال دیکھنے کو ملے ان تجربات کی بنا …ان وہ انسان کو شیشہ ساعت کی طرح مٹی کو اولتے بدلتے دیکھتا ہے۔

…دل از ما نیستی ہم خجلت ہستی نبرد — بر نمی دارد ہوا گشتن تری از آبہا

نابودی بھی ہماری ہستی کی شرم نہیں لے جا سکی ہوا میں بدل جانے سے پانی کی تری ختم نہیں ہو…تی ہے۔

…ح ہستی صورت چاک گریباں فناست — عمرہا شد روزما جوشد از بیگاہ ما

ہستی کی صبح در حقیقت گریبان فنا کا چاک ہے۔ ایک مدت بیت گئی ہمارے ایام ہماری ناہنگامی …سے جوش زن ہیں۔

…ش ہستی سر خط لوح خیالی بیش نیست — ہم بچشم بستہ باید خواند ایں تحریرہا

''ہستی'' کی چھاپ خیالی اور فرضی لوح کی خوش خطی یا سند سے زیادہ کچھ نہیں ہے ان تحریروں کو …نکھیں بند کر کے پڑھنا چاہئے۔

…نگہا گل کردہ ایم اما در آغوش عدم — بیضہ طاؤس و زیر بال عنقائیم ما

گو ہماری شخصیت رنگا رنگ واقع ہوئی ہے پر عدم کی آغوش میں ہماری حیثیت بیضہ طاؤس کی …ہے جو عنقا کے زیر بازو ہے۔ ظاہر ہے بیضہ طاؤس بہ آسانی میسر نہیں ہے اور پھر جب وہ بال عنقا کے …ت ہو تو عنقا کی طرح وہ بھی افسانہ کی طرح ہے۔

…گردی دگر بلند نمی گردد از نفس — تعمیر می رمد ز بنای خراب ما

ہمارے سانس سے نیستی کے سوا کوئی اور گرد نہیں اڑ رہی ہے۔ ہمارے کھنڈر سے تعمیر فرار کر رہی ہے۔

بغیر از نیستی لوح عدم نقشی نمی بندد — اگر خواہی نگردی جلوہ گر آئینہ کن ما را

نیستی اور عدم کے سوا لوح عدم پر کوئی اور نقش نہیں بنتا ہے اگر تو جلوہ گر نہیں ہونا چاہتا تو ہمیں آئینہ بنا۔

اقامت تہمتی در محفل کم فرصت ہستی — چو عکس از خانہ آئینہ بیروں گرم کن مارا

''ہستی'' کی کم مہلت محفل میں تیرا قیام ایک تہمت ہے عکس کی طرح خانہ آئینہ سے باہر جگہ گرم کر۔

مرگ است آخر کار عبرت نمای ہستی — غیر از عدم کہ خندد بر روزگار عنقا

''موت'' بالآخر ''ہستی'' سے عبرت حاصل کراتی ہے عنقا کے زمانے پر ''عدم'' کے سوا کسے ہنسی آئے گی۔

بناز ای تخیل بنال اے توہم — کہ ہستی گماں دارم و نیستم من

اے تخیل! تو فخر کر، اے توہم تو ناز کر، مجھے ''ہستی'' کا گمان ہوتا ہے حالانکہ میں نیست و نابود ہوں۔

عمر شرار و برق بفرصت نمی کشد — بیدل گذشتہ گیرد رنگ از شتاب ما

شرار و برق کی سی مختصر زندگی کی فرصت کے اندر گنجائش نہیں ہے۔ بیدل ہماری جلد بازی سے جو رنگ ابھر رہا ہے وہ ماضی کا روپ دھار لیتا ہے۔

میر تقی میر نے غالباً بیدل سے یہ مضمون اخذ کر کے کہا ہے۔

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصت ہستی — فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

محو زنجیر نفس بودن دلیل ہوش نیست — ہر کہ می بینی بقید زندگی دیوانہ است

سانس کی زنجیر میں جکڑے رہنا ہوش و خرد کی دلیل نہیں ہے۔ قید زندگی میں جو آدمی بھی نظر آتا ہے وہ دیوانہ ہے۔

غیر از ادای حق عدم چیست زندگی — بیش و کم نفس ہمہ یک وام داشتہ است

ان اشعار میں بیدل نے مجموعی طور پر زندگی کی اساس کے سست و پوچ ہونے، اس کی زود گذری اور معدومی سے بحث کی ہے۔ اس قسم کے اشعار اس کی کلیات میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ بیدل کا تعلق وحدت الوجودی صوفیہ سے ہے اس لئے وہ ہر چیز کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے کا عادی ہے۔ یہ طبقہ خدا کے وجود کے مقابلے پر ساری کائنات کے وجود کو وہمی خیالی اور فرضی تصور کرتا ہے یہاں تک کہ کہتا ہے۔

بچشم بستہ ہم پیدا نشد گرد خیال من — نہانتر از نہانہا جلوہ دادند آشکارم را

میرے خیالی وجود کی گرد چشم بستہ میں بھی نہیں ابھری میرے اسی وجود کو نہاں سے نہاں طریقے پر پیش کیا گیا ہے۔

منزل عدم و جادہ نفس ما ہمہ رہرو　　رنج عبثی می کشد این قافلہ ہا ہیچ
دیدی عدم ہستی و چیدی الم دہر　　با ایں ہمہ عبرت ندمید از تو حیا ہیچ
اگر ز ملک عدم تا وجود فہم گماری　　بجز کلام تو بیدل دگر کلام نباشد

زندگی آگ کی چنگاری اور بجلی کی چمک کی طرح زود گذر ہے۔ یہاں کچھ سوچنے سمجھنے کی بھی مہلت حاصل نہیں۔ اس لئے اس کے ساز وسامان جتانے اور آرائش وزیبائش میں اس درجہ مشغول نہ ہو کہ اصل مقصد ہی نظر سے اوجھل ہوجائے۔

مایہ دار ہستی رالاف ما ومن ننگ است　　بی بضاعتاں دارند عرض خود فروشیہا

''ہستی'' کی پونجی رکھنے والے کے لئے 'ما ومن'' کی ڈینگ ہانکنا شرم کی بات ہے بے بضاعت اور تہی مایہ لوگ ہی خود فروشی کیا کرتے ہیں۔

یہ زندگی اس لائق نہیں ہے کہ اپنے آرام وراحت کی خاطر کسی کے شیشہ دل کو ٹھیس پہنچائیں۔

بفسوں ہستی بیخبر ز شکست شیشہ دل حذر　　شبخون بخواب پری مبر ز فسانہ ہای ترنگ ما

اسی طرح یہ زندگی اس لائق نہیں ہے کہ اپنی توانائی کا مظاہرہ کریں اور بہادری کا ڈھنڈورا پیٹیں اور دوسروں پر اپنی برتری جتائیں۔

شکنج جسم و عرض دستگاہ ای بیخبر شرمی　　غبار انگیز ازیں خاک و تماشا کن تجمل را

اے بےخبر آدمی! جسم کا یہ شکنجہ (دبانے کا اوزار) اور اپنی توانائی کا اظہار، شرم کر۔ اس خاکی جسم سے دھول اڑا اور تجمل کا تماشا دیکھ۔

اسی طرح یہ چندروزہ زندگی اس لئے نہیں ہے کہ لباس وپوشاک کا اہتمام کرے۔

محرم فنا بیدل زیر بار کسوت نیست　　شعلہ جامہ ای دارد از بر ہنہ دوشیہا

بیدل! جو محرم فنا ہے وہ لباس وپوشاک کا بار اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھاتا۔ شعلہ جو جلد ہی فنا کے گھاٹ پہنچ جاتا ہے اپنی برہنہ دوشی زیب تن کئے ہے اور عہد حاضر کے خلا بازوں کو خطاب کرتا ہوا کہتا ہے:

خواہ بر گردوں قدم زن خواہ رو بر زمین　　جز ہمیں ویرانہ نتواں یافت جای دیگری

چاہے آسمان پر چلے جاؤ چاہے زمین پر چلو اس ویرانہ کے سوا کوئی اور جگہ تمہارے لئے نہیں ہے۔

اس مست مولا رند کا کیا کہنا جو فانی دنیا سے عبرت حاصل کر کے زندگی کے اہتمام میں نہیں لگا۔

خوشا رندیکہ چوں صبح اندریں بازیچہ عبرت　　بہستی دست افشاندن کند دامن فشانی را

اور یہی نہیں کہ یہ جسمانی ہیئت کدائی روحانی پیشرفت کے لئے ایک بڑی رکاوٹ ہے اور اس سے ہاہنگ نہیں ہوتی ہے جس طرح چوزہ جب تک انڈے کو نہیں توڑتا ہے خوشی کے بازو نہیں پھیلا سکتا اسی طرح اس بیضہ جسم کو جب تک نہیں توڑتے روح اپنے بازوئے طرب کو نہیں کھول سکتی۔

سبک روحی نیاید راست با وہم جسد بیدل　　طلسم بیضہ تا نشکنی بال طرب مکشا
طلسم ''جسم'' گردد مانع پرواز روحانی　　چو بوی گل کہ دیوار چمن گیرد عنانش را
غبار ''جسم'' حجاب جہاں نورانیست　　ز ننگ جامہ بر آ آفتاب را دریاب

زندگی کے مختصر لمحات نے جونا چیز لگتے ہیں سارے فتنوں کو اپنے اندر سمولیا ہے۔

جانے کتنی پستی وبلندی، نشیب وفراز، اتار وچڑھاؤ، کدورت ومسرت، نالہ وشیون اور تب و تاب کا اس زود گذر زندگی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن کو ضبط تحریر میں نہیں لاسکتے۔ بیدل کہتا ہے اس نے ''قیامت ہستی'' کی بےکلی اور بےچینی اس قدر برداشت کی ہے کہ موت کا اسے کوئی اندیشہ ہے اور نہ اس کی پروا، یعنی موت کو گلے لگانے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔

تاب وتب قیامت ''ہستی' کشیدہ ایم　　از مرگ نیست آنہمہ تشویش وباک ما
گاہ آہم می ربایدگاہ اشکم می برد　　نقد من یکمشت خاک و ایں ہمہ سیلابہا

کبھی آہ اور کبھی اشک مجھے کھینچے لئے جارہا ہے میری کل کائنات ایک مشت خاک ہے اور یہ سب سیلاب ہیں۔

تا دریں گلزار چوں شبنم گذرداریم ما　　بادۂ در جام عیش از چشم تر داریم ما

جب سے شبنم کی طرح اس گلزار میں ہم نے قدم رکھا ہے میرے جام عیش میں چشم تر کی شراب ہے۔ بےکلی وبیقراری سے بچنے کی راہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ ناگفتہ بہ حالات سے سمجھوتہ کرلیں۔

تانفس باقیست باید با کدورت ساختن　　در کمین آئینہ آہست وقف رنگہا

جب تک سانس کا سلسلہ جاری ہے کدورت سے سمجھوتہ کرنا ہوگا آئینے کی گھات میں ایک آہ وقف رنگ ہے۔

چو اشک از کلفت پندار ہستی در گرہ بودم　　چکیدم ناگہ از چشم خود وحل گشت مشکلہا

''ہستی' کے زعم کی کلفت سے آنسو کی طرح گرہ خوردہ تھا اچانک آنکھ سے وہ ٹپک پڑا اور مشکلیں حل ہوگئیں۔

بیدل شکستہ ازین چمن زدہ ام پای گذشتنی　　کہ بشتاب اگر ہم خوں شود نرسد بگرد در رنگ ما
بسواد نسخہ نیستی نرسید مشق تاملت　　قلمی بخاک سیاہ زن بنویس خط غبار ما

اس زود گذر زندگی کے بابت بیدل کے گونا گوں خیالات ملاحظہ ہوں۔

رنج دنیا، فکر عقبیٰ، داغ حرماں، درد دل　　یکنفس ہستی بدوشم عالمی را بار کرد

دنیا کا غم، آخرت کی فکر، بدنصیبی کا داغ، دل کا درد ایک سانس کی مہلت والی ہستی کے دوش پر ایک پوری دنیا کا بوجھ ہے۔ اسی بوجھ کا تذکرہ بیدل نے کئی اشعار میں کیا ہے۔

فریاد کہ بستند بریں ہستی باطل　　یک گردن و صد رنگ ادا کردن حق ہا

چہ بار کلفتی ای زندگی کہ ہمچو حباب　　تمام آبلہ بر دوش کردہ ای ما را

زندگی بر گردنم افتاد بیدل چارہ نیست　　شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

بی تکلف بود ہستی لیک فکر بد معاش　　جامہ عریانی ما را گریباں دار کرد

زندگی بے تکلف تھی لیکن معاش کی بری فکر نے ہمارے جامہ عریانی کو گریبان دار کر دیا۔

زندگی را صفحہ انشای قدرت کردہ اند　　تا نفس پر میزند تفسیر کاف و نون کنید

زندگی کو انشائے قدرت کا ایک صفحہ قرار دیا ہے جب تک سانس چل رہی ہے کاف و نون (کن) کی تفسیر کئے جاؤ۔

بیاد نیستی رو تا شوی از زندگی ایمن　　بآسانی بروں نتواں ز کام ایں نہنگ آمد

نیست اور فنا کی یاد کے ساتھ جیو تا کہ زندگی سے محفوظ رہو۔ اس گھڑیال کے منہ سے آسانی سے نجات نہیں مل سکتی۔

یاد آزادیست گلزار اسیران قفس　　زندگی گر عشرتی دارد امید مردن است

قفس کے قیدیوں کے لئے آزادی کی یاد بھی گلزار ہے زندگی میں اگر کوئی عشرت و راحت بھی ہے تو وہ موت کی امید ہے۔

در نظرہا گرد حیرت، در نفسہا شور عجز　　ساز بزم زندگانی را ہمیں زیر و بم است

نگاہوں میں حیرت، سانس میں عجز و بے بسی کا شور بزم زندگانی کے ساز زیر و بم یہی ہے۔

تا نمیری رمز این معنی نگردد روشنت　　کاشنای زندگی از عافیت بیگانہ است

جب تک مرتے نہیں یہ بات تم کو نہیں معلوم ہوگی کہ زندگی سے آشنا آدمی کو عافیت و قرار نہیں ہے۔

تا توانی گاہ گاہی بی تکلف زیستن　　زین تعلقہا کہ داری اندکی وارستن است

جہاں تک ہو سکے کبھی کبھی بے تکلف ہو کر بھی زندگی گذارو انواع و اقسام کے تعلقات سے تھوڑا آزاد ہو کر بھی رہو۔

بی تکلف زی، تب و تاب امید و یاس چند　　عالم شوق است اینجا، جای بوک و کاش نیست

تا غنچہ دم زند ز شگفتن بہار رفت　　تا نالہ گل کند ز جرس، کاروان گذشت

جب تک جب تک کلی کھلے موسم بہار رخصت ہو چکا ہے۔ جب تک جرس سے آواز آئے قافلہ نکل چکا ہے۔

مردہ ہم فکر قیامت دارد　　ارمیدن چقدر دشوار است

مردہ بھی قیامت کی راہ تک رہا ہے، آرام و سکون کس قدر دشوار کام ہے۔

زندگی دستگاہ خواب غفلت بود و بس　　چشم تا بیدار کردم گوش بر افسانہ ریخت

زندگی بس خواب غفلت کی دستگاہ تھی جب تک جب تک آنکھ کھلے کان میں اس کا افسانہ باقی رہ گیا۔

بحسن خویش نگاہی کہ در جہاں ظہور　　خطاب احسن تقویم داری از خلاق

اپنے حسن و جمال پر ایک نظر ڈالو کیونکہ اس دنیائے وجود و شہود میں خالق کائنات کی طرف سے احسن تقویم کا خطاب تمہیں ملا ہوا ہے۔

جلوہ ہستی غنیمت داں کہ فرصت بیش نیست　　حسن اینجا یک نگہ آئینہ بیں گردیدہ است

فریب جلوۂ نیرنگ زندگی نخوری　　کہ شستہ اند ازیں صفحہ غیر نقش سراب

زندگی کی نیرنگیوں کے فریب میں نہ آنا کیونکہ اس صفحہ بے نقش میں سراب کے سوا سب نقوش دھو ڈالے۔ کبھی خیام کے نظریے کا ہمنوا نظر آتا ہے۔

چوں رنگ عیاں نیست کہ این ہستی موہوم　　آمد ز کجا آمد و گر رفت کجا رفت

✪✪✪

جہد و ہمت

جہد و ہمت مختلف شعبہ ہائے حیات میں انسان کی کامیابی کے لئے دو بڑے عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صنعت و حرفت کی مختلف شاخوں میں جو ترقی اور پیشرفت آج نظر آتی ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ آئے دن بڑھتی جارہی ہے اگر ہم ان پر غور کریں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ سب ان لوگوں کی لگاتار کدو کاوش اور ہمت و جرأت کا ثمرہ ہے جنہوں نے اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں۔

عہد حاضر کی حیرت انگیز ایجادات پر غور کیجئے جب کہ انسان مریخ اور چاند پر اپنی کمندیں ڈالنے لگا ہے، اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے اور پوری کائنات کو مسخر کرنا چاہتا ہے طرح طرح کی چھوٹی بڑی مشینیں ایجاد کر رہا ہے تاکہ کائنات کے تمام اسرار و رموز سے پردہ ہٹائے۔ علاوہ ازیں تاریخ کے اوراق پر جانے کتنے حیرت انگیز واقعات ضبط ہیں انسان کی ہمت کائنات تسخیر اور اس کے طبع مہم جو کی نشاندہی کرتے ہیں۔

چار جلدوں پر مشتمل جو ضخیم کلیات بیدل نے یادگار کے طور پر چھوڑی ہے وہ بھی اس کی غیر معمولی ہمت و جرأت اور لگاتار کدوکاوش کی علامت ہے۔ مطالعہ کے دوران ایسا محسوس ہوا کہ اس کی ضخیم کلیات کا پڑھنا بھی ہمت و جرأت اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے پھر جس نے اسے صفحۂ قرطاس پر ثبت کیا۔ ظاہر ہے وہ کتنی ہمت و حوصلے والا اور کتنا محنتی اور جفاکش رہا ہوگا اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے ع

پر گوئی من آفت آگاہی دل است

طبعت هم عنان هرزه گویان تا کجا نازد　　خیالم محو شد از کثرت مصرع رسانیها

بلاشبہ بیدل نے مرزا قلندر اور شاہ ملوک کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں سلف کے کلام کے دقیق و عمیق مطالعہ پر اتنی محنت کی اور اپنی طبع آزمائی پر اتنی ریاضت کی کہ مشہور معاصر شاعروں کے درمیان اسے بلند و بالا مقام حاصل ہو گیا اسی وجہ سے اپنی مختلف تخلیقات میں اس نے ان دونوں موضوع پر زبردست روشنی ڈالی ہے اور اس قدر دلکش انداز میں اسے بیان کیا ہے کہ بے ساختہ صدائے تحسین دل سے نکلتی ہے۔ مثنوی طلسم حیرت میں ہمت کی زبان سے بادشاہ سے کہتا ہے۔

مرا یاریست همت آنکه نامش　　نشانها دارد از اوج مقامش

میرا ایک دوست ہے اس کا نام ہمت ہے اس کے پاس اوج مقام کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

بهر کاریکه او سعی نظر کرد　　توان آسانی از دشواری آموخت

جس کام میں وہ جٹ گئی اس کی دشواری آسانی میں بدل جاتی ہے

وقارش گر ببالد یک صداوار　　توان چیدن گل سامان کهسار

آواز کی طرح اگر اس کا وقار بھی بالیدگی دکھائے تو پہاڑ پر اُگے ہوئے پھول بھی توڑ لا سکتی ہے۔

پر کاهی که از همت کمر بست　　بر آتشخانه ها چون سنگ در بست

جس تنکے نے بھی ہمت سے کام لیا آتش خانے پر بھی پتھر جیسا دروازہ نصب کر دیا۔

بهمت جبهه ای برخاک بستن　　ز گردون صد فلک بر تر نشستن

ہمت کر کے خاک پر اپنی پیشانی ٹیکی تو آسمان سے پرے سیکڑوں آسمان پر بالاتری حاصل ہو گئی۔

اگر تدبیر عقل آفت نشان نیست　　سپاه همت آخر ناتوان نیست

عقل کی تدبیر اگر فتنوں کو دبانے والی نہیں ہے تو ہمت کی فوج بھی کوئی نحیف و ناتواں نہیں ہے۔

رهی کز برق همت نیم گام است　　خرد آنجا بیابان مرگ نام است (۱۲۷)

جو راستہ برق ہمت کی بدولت نیم گام معلوم ہوتا ہے وہاں عقل "بیابان مرگ" کا نام ہے۔

مثنوی عرفان میں بھی زیادہ واضح الفاظ میں ہمت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے جس کا ہر شعر قابل قدر ہے۔

ای دلت را بکارگاه خیال　　غم دشوار و پیچ و تاب محال

اے آدمی! ترے دل کو "کارگاہ خیال" میں دشواریوں اور سختیوں کا غم گھیرے ہے۔

هرچه پیش تو ساز دشواریست　　همه وهم فسرده اطواریست

دشواری کا جو ساز تیرے سامنے ہے وہ سب فسردہ روش کا وہم ہے۔

این خیالات جز خیالی نیست　　گر تو جهدی کنی محالی نیست

دشواریوں کا خیال ایک خیال کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے اگر تو کدوکاوش سے کام لے کر جٹ جائے تو کوئی چیز محال اور دشوار نہیں ہے۔

سر ز وضع فسرده برگردان　　قدمی زن بجادهٔ مردان

افسردگی پیدا کرنے والی صورت حال سے پیچھا چھڑا جیالوں کے انداز سے قدم بڑھا۔

نشئه همت بسامان نیست　　ورنه کو مشکلی که آسان نیست

ہمت کا نشہ تیرے اندر پیدا نہیں ہوا ورنہ ایسی کونسی مشکل ہے جو حل نہیں ہوسکتی۔

گر ہمہ عزم آسماں باشد   مرد را ننگ امتحاں باشد

اگر آدمی کا سارا عزم و ارادہ آسمان کی بلندی تک پہنچنے کا ہے تو یہ اس کے لئے ننگ امتحان ہوسکتی۔

طاقت مرد اگر قدم فشرد   کوہ از سایہ پشت دست خورد

انسانی توانائی اگر گام فرسائی کرے تو سایے کی بدولت پہاڑ بھی الٹے ہاتھ کا طمانچہ کھائے۔

ہمت آنجا کہ بستہ است کمر   مور بر شیر بردہ است ظفر

ہمت نے جہاں کسی کام پر کمر باندھی چیونٹی کو بھی شیر پر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

عرق سعی مرد در ہمہ حال   نیست بی آبیاری اقبال

کدو کاش سے بہایا ہوا پسینہ ہر قیمت و ہر حالت میں انسان کے اقبال کی آبیاری کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔

کوشش مرد اگر قدم ساید   آسماں با زمین بہم ساید

انسانی کوشش اگر قدم بڑھائے تو آسمان کو زمین سے لا ملائے۔

ننگ ہمت خیال بیش و کم است   غیرت آندم کہ جوش زد حشم است (۱۲۸)

کمی بیشی کا خیال ہمت کے لئے باعث ننگ ہے غیرت جس لحہ ابھرتی ہے تو حشمت و عزت حاصل ہوتی ہے۔

مباش مردہ رنگ این دیار   نظر بلند کن و ہمت حیات طلب

غرض ہمت ایک عجیب و غریب طلسم ہے جس کی بدولت بہت سے مشکل کام آسان ہوجاتے ہیں اور انسان کے تمام بڑے بڑے کارنامے جو آج اس کے لئے اعزاز و افتخار اور عظمت و رفعت کے سبب ہیں درحقیقت اسکی اسی ہمت کا نتیجہ ہیں جو دنیا کو زیرنگوں کرنا چاہتی ہے اور آئندہ بھی ساری ترقیاں اس کوہ آسا عزم و ہمت اور لگاتار جدوجہد پر منحصر ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان اور روس وغیرہ تمام دنیا کی ترقی یافتہ قومیں عزم و ہمت اور محنت و مشقت کی بدولت دنیا کی غیر ترقی یافتہ قوموں پر بالاتری اور برتری حاصل کرچکی ہیں اور ان ملکوں پر اس حد تک اثر انداز ہوئیں کہ اقوام متحدہ میں دوسرے ملکوں کی تجاویز پر اگر ویٹو کردیں پھر کوئی اسے پاس نہیں کرا سکتا ہے یہ سب کرشمہ ہے اسی حوصلہ و ہمت کا اور اسی محنت و مشقت کا، اسی لگن و دھن کا اور اسی طلب و جستجو کا جس کی وجہ سے وہ اسرار کائنات سے پردہ ہٹانا چاہتے ہیں۔ جدید ٹکنالوجی کے جو نمونے مختلف علوم و فنون کے میداں میں آج

نظر آرہے ہیں وہ سب انہیں کی رہین منت ہیں ہم ایشیائی لوگوں نے اسکو اپنا سر مشق نہیں بنایا اس لئے قافلہ سے بچھڑ گئے۔ ملک الشعراء محمد تقی بہار نے کیا خوب کہا ہے۔

ز غرب علم فراگیر و دہ بمعدہ شرق   کہ فعل ہاضمہ اش با تن انضمام دہد

مغرب سے علم حاصل کرو اور اسے مشرق کے معدے میں ڈالو تا کہ ہضم کا فعل اس کے ساتھ مل کر انجام پائے۔

بیدل کے بھی اس سلسلے میں نہایت عمدہ اشعار ہیں۔

از فسردن ننگ دارد جوہر تمکیں مرد   چوں کماں در خانہ باش و بر سر میداں برآ

انسان کا جوہر تمکین و وقار تقاضا کرتا ہے کہ وہ سدا تلاش و جستجو میں لگا رہے اور جمود و رکود کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہ دے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے باعث ننگ و عار ہے جس طرح کمان گو تیر کے خانے میں رہتا ہے پر سدا میدان میں اپنی جولانی دکھانے کے لئے آمادہ رہتا ہے افسردگی کو اپنے اندر راہ پانے کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر قدر افسردہ گردد شعلہ از خود می رود   در شکست بال پرواز دگر داریم ما

شعلہ جس قدر افسردہ اور ٹھنڈا پڑتا ہے وہ بیخود ہوتا جاتا ہے۔ بازو اگر ٹوٹ جائے تو اس میں ایک اور پرواز کی توانائی پیدا ہوجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعلہ افسردگی کی وجہ سے راکھ میں بدل جاتا ہے اور بظاہر اپنی ہستی کو ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنی ہستی کو ہاتھ سے نہیں دیتا بلکہ بیخود ہوجاتا ہے اونچے درجے میں پہنچ جاتا ہے اسی طرح اگر لگاتار پرواز کی وجہ سے ہمارے بازو شکستہ ہوگئے ہیں تو اسی شکستگی سے ہمت و حوصلہ کی بدولت ہم ایک اور بازو پیدا کرلیتے ہیں۔

عروج ہمت ما فاش شد ز شرم نفس   کسی چہ خیمہ فرازد باین گسستہ طناب

ہماری ہمت کے عروج کی قلعی شرم نفس سے کھل گئی اس ٹوٹی ہوئی طناب سے بھلا کوئی خیمہ کیونکر لگائے۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم عالی ہمت اور بلند حوصلہ تھے پر اس کی ساری رفعت و بلندی کی قلعی شرم نفس کی وجہ سے کھل گئی کیونکہ ایک طرف اگر ہمت بلند زمین و آسمان اور ساری کائنات کو تسخیر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو دوسری طرف سانس کی عجز و بےبسی کو دیکھتا ہوں جس کے لئے بیدل نے سرمایہ عجز کی تعبیر اختیار کی۔ ع

”نفس سرمایہ عجز است از ہستی مشو غافل“

اس سرمایہ عجز کے شرم سے ہم کونسا بڑا کام انجام دے سکتے ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے

کوئی ٹوٹی ہوئی طناب سے خیمہ کھڑا کرنا چاہے۔

همت بجهد شبنم ما ناز می کند　　بستیم اشک خویش بمژگان آفتاب

ہمت ہماری شبنم کی جدوجہد پر ناز کرتی ہے ہم نے اپنے آنسو مژگاں آفتاب سے باندھے ہیں۔ ہم انسانوں کی جدوجہد کیا ہے؟ ہماری حیثیت پوری کائنات کے مقابلہ پر وہی ہے جو ذرے کو آفتاب سے ہے۔ شبنم کی یہ جدوجہد ہے کہ آفتاب کا وصال حاصل کرتا رہے وہ اگرچہ ایک ناچیز ہستی ہے پھر بھی اس کی ہمت وحوصلہ کی داد دیجئے ہم بھی کائنات کے مقابلے پر ایک ناچیز ہیں اور ہماری شبنم صفت جدوجہد چاہے جو کچھ ہو قابل تحسین ہے کہ ہماری ہمت اس پر فخر کرتی ہے۔ شبنم کی طرح ہم نے بھی اپنے آنسو آفتاب کی پلکوں سے وابستہ کردیئے ہیں۔

بیا که جام مروت دهیم حوصله را　　بسایه کف پا پروریم آبله را

آ کہ حوصلہ کو جام مروت وانسانیت عطا کریں اور کف پا کے سایہ تلے آبلے کی پرورش کریں۔

حوصلے کو جام مروت بخشنا اس میں اضافہ کرنے سے کنایہ ہے کیونکہ مروت انسانیت وشرافت اور دلیری وبہادری کو کہتے ہیں۔ بیدل کا مقصد یہ ہے کہ حوصلہ چاہے جیسا کچھ ہو اسے عمداً بڑھاتے رہنا چاہئے حتیٰ کہ آبلہ کی کف پا کے سایہ تلے پرورش کریں۔ ہمیں معلوم ہے کہ گرم اور سنگلاخ زمین پر پا زیادہ چلنے سے پیروں میں چھالے پڑجاتے ہیں اور اس حالت میں اگر اپنی رفتار جاری رکھیں تو ممکن ہے کہ چھالے پھوٹ کر بہہ جائیں۔ بیدل کہتا ہے یہ ہماری پست ہمتی ہوگی کہ یہ صورت حال پیدا ہو۔ ہمارے حوصلے کا تقاضا یہ ہے کہ سایہ کف پا سے اس کی حفاظت کرتے رہیں اس اور چلتے رہیں حالانکہ چھالے پیر میں ہوں تو چلنا مشکل ہوتا ہے مگر ہماری بلند حوصلگی کا تقاضا ہے کہ تمام تر دشواریوں کے باوجود آگے بڑھتے رہیں اور ترقی کے زینے طے کرتے رہیں۔

دین و دنیا چیست تا از لغزش نتواں گذشت　　پیش همت این دو منزل یک ره خوابیده است

ع　فروغ جوہر ہر کس بقدر همت اوست

ع　رنج جہاں بهمت مردانه راحت است

...... بڑی تعداد لوگوں کی ایسی ہی ہے جو زندگی کی دشواریوں کے مقابلے پر گھٹنے ٹیک دیتی ہے اور کدوکاوش سے دست کش ہوجاتی ہے جو سراسر پست ہمتی کی علامت ہے لیکن صرف ہمت سے کام نہیں چلتا اس کے بعد طلب کی شرط ہے۔ ذوق طلب وجستجو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ علم ودانش کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کریں چنانچہ طلب کے بابت کہتا ہے۔

ای طلب در وصل هم مشکن غبار جستجو　　آتشم گر زنده می خواهی زپا منشین مرا

اے طلب! منزل مل جانے پر بھی جستجو کی دھول اڑانے کا سلسلہ بند نہ کر اگر تو میری آگ کو زندہ رکھنا چاہتی ہے تو مجھے چین سے نہ بیٹھنے دے۔

انسان عموماً اپنی تلاش وجستجو کا سلسلہ منزل تک جاری رکھتا ہے جونہی منزل مل گئی وہ مطمئن ہوکر تلاش وجستجو کا سلسلہ بھی بند کردیتا ہے لیکن بیدل کہتا ہے اگر ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں تب بھی ہمیں طلب سے باز نہ آنا چاہئے حُبِّ استطلاع کی آگ کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنی کاوشوں کا سلسلہ جاری رکھے۔

شوق می باید، ز پا افتادگیها هم عصاست　　خضر راهی گر نباشد جاده رهبر می شود

فسردن گر همه گوهر بود بی آبرو باشد　　بکن جهد آنقدر کز خاک برداری توکل را

جمود ورکود اور افسردگی وبے حرکتی میں اگر یکسر موتی بھی ہاتھ آئیں تو عزت وآبرو کی بات نہیں ہے اتنی کدوکاوش اور جدوجہد کرو کہ "توکل" کا عام مفہوم (اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے اور خدا کے بھروسہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے) ذہن سے نکال دو۔

سمندر طینتم، ننگ فسردن بر نمی دارم　　پر و بال من آتش بود پیش از رستن پر ها

میں سمندر مزاج ہوں جمود وفسردگی کا عار برداشت نہیں کرسکتا۔ میرے پر وبال اُگنے سے پہلے آتش کی طرح تھے۔

شوق تا گرم عناں نیست فسردن بر جاست　　گر براحت نزند ساحل ما هم دریاست

توکل کیا ہے اس کو سمجھنے میں اکثر لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے توکل کا یہی مفہوم سمجھا تھا کہ اسباب کا استعمال نہ کیا جائے اور خود اپنی ذات اور جائداد کو خدا تعالیٰ کی تحویل میں دے کر آزاد ہوجائے چنانچہ انہوں نے اپنی اونٹنی کو رسی اور کھونٹے سے باندھنے کے بجائے خدا کے بھروسے آزاد چھوڑ دیا صبح ہوئی تو اونٹنی غائب تھی، حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ حضرت خدا کے بھروسہ میں نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا اور اب وہ گم ہے آپ نے فرمایا توکل یہ ہے کہ اسباب کا ارتکاب کرو مگر بھروسہ خدا کی حفاظت ونگہداشت پر کرو رسی اور کھونٹے پر نہ کرو۔

لہٰذا توکل درحقیقت خدا کی قدرت وتوانائی پر بھروسہ کرنے کا نام ہے۔ نہ کہ اسباب پر، چاہے اسباب کا ارتکاب ظاہری طور پر کیا جائے اب بیدل کا مطلب سمجھئے۔ اس کا خیال ہے کہ قطرہ اپنی لگاتار جمود کی بدولت سیپ کے پیٹ میں موتی میں بدل تو گیا پر اس کی بنا پر اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اس لئے اگر حصول آبرو مقصود ہے تو اس قدر کاوش کرو کہ توکل کو بھی خاک سے اٹھا لو یعنی ممکن ہے کہ خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ کرکے جذبہ عمل میں کچھ کوتاہی پیدا ہو اس لئے اس کا تصور بھی صفحہ ذہن پر ابھرنے نہ دو

اگر چہ یہ تجویز درست نہیں ہے لیکن بیدل کا مقصد شاید تلاش و جستجو میں مبالغہ سے کام لینا ہے۔

خواجہ عباداللہ اختر کے خیال میں خاک سے توکل کو اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ توکل کو ذلت و رسوائی کی خاک سے آلودہ نہ ہونے دو لیکن اس شکل میں شعر کی خوبی کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔

شرر ہای زمیں گیر است ہر سنگی کہ می بینی — تن آسانی فسردن می کند آتش عنانی را

پتھر کے اندر چنگاری چھپی ہوتی ہے چنانچہ جب دو پتھروں کو ٹکراتے ہیں تو اس سے چنگاری نکلتی ہے لیکن پتھر چونکہ سدا زمین پر افتادگی و تن آسانی کی حالت میں پڑا رہتا ہے اس لئے اس کی چنگاری زمین گیر ہو کر رخصت ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے تن آسانی اچھی چیز نہیں ہے جس کے نتیجے میں ساری چستی اور پھرتی انسان ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے۔ اس لئے کہتا ہے کہ تن آسانی کی وجہ سے اس کی آتش فشانی کی خصوصیت جاتی رہی تم خدارا ایسی حرکت نہ کرو۔

کوشش بیدست و پایاں از اثر نومید نیست — انتظار دام آخر می کشد زنجیر را

قرآن پاک میں ارشاد ہے: "لیس للانسان الا ما سعی" انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس کی کوشش و پیروی سے اس کے ہاتھ لگا۔ چنانچہ بے دست و پا اور لنگڑے لولوں کی کوشش بھی اثر سے خالی نہیں جاتی ہے جیسے پرندوں کے شکار کے لئے زمین پر جال بچھاتے ہیں۔ جال باوجود کہ بے دست و پا ہے شکار کو اپنی طرف کھینچتا ہے لہٰذا انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کی کوشش کیونکر رائگاں جائے گی اور اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

مرا از پیچ و تاب گرد باد این نکتہ شد روشن — کہ در راہ طلب معراج دا مانست چیدنہا

بیدل کہتا ہے کہ گرد باد یعنی بگولا کی چرخ زنی اور گردش سے یہ نکتہ واضح ہو کر سامنے آیا کہ تلاش و جستجو کی راہ میں دامن کا معراج یہ ہے کہ دانہ چنتا ہی چلا جائے جیسا کہ دوسرے شعر میں کہتا ہے۔

ای طلب در وصل ہم مشکن غبار جستجو — آتشم گر زندہ می خواہی زپا منشاں مرا

اے طلب! منزل ملنے پر بھی تلاش و جستجو کی گرد اڑاتا رہ میری آتش شوق کو اگر زندہ رکھنا چاہتی ہے تو مجھے ستانے کا موقع نہ دے۔

بہ پستیہای آہنگ طلب خفتہ است معراجی — نفس گروا گذارد تا مسیحا می برد مارا

طلب اور ارادوں کی پستی میں انسانی رفعت و بلندی چھپی ہے مطلب یہ ہے کہ آدمی چاہے جتنی پستی میں ہو اگر طلب و جستجو اس کے اندر ہے تو وہ بلندیوں کی معراج تک پہنچ سکتا ہے جس کے لئے ایک بیرونی محرک کی ضرورت ہے اور وہ سانس کو آزاد چھوڑ دیتا ہے تا کہ وہ اسے مسیح یعنی چوتھے آسمان تک لے جائے۔

بحصول مقصد عافیت نہ دلیل جو نہ عصا طلب — تو ز اشک آن ہمہ کم نہ ای قدمی ز آبلہ پا طلب

حصول مقصد کے لئے نہ راہبر کی تلاش کرو نہ عصا کی مدد لو تم اشک سے گئے گذرے نہیں ہو اس لئے آبلہ ہونے کے باوجود اس قدم سے چلو۔

ما ز کوری اینقدر در بند رہبر ماندہ ایم — چشم اگر بینا بود بر کف عصا زنجیر پاست

مباش ہمچو گہر مردہ ریگ این دیار — نظر بلند کن و ہمت حباب طلب

قدم بوادی فرصت زن و مژہ بردار — بہار می رود ای بیخبر شتاب طلب

دست طلب بہرچہ رسد مفت عجز گیر — دور است آسمان تو مراد از زمین طلب

گلہای این چمن ہمہ در زیر پای تست — ای غافل از ادب نگہ سرگیں طلب

اقبال کے درج ذیل شعر میں اس کا عکس پایا جاتا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

در طلب باید گذشت از ہرچہ می آید بہ پیش — گر ہمہ سر منزل مقصود باشد جادہ است

اسی کے ساتھ بیدل یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی شخص صرف کوششوں سے کامیاب نہیں ہوتا ہے بلکہ اللہ کا فضل بھی شامل ہونا ضروری ہے۔

بجہد مسند عزت نمی شود حاصل — نمی تواں بفلک از دویدن رفت

اگر چہ تلاش و جستجو اور جدوجہد کو منزل تک پہنچانے میں بڑا دخل ہے پر ضروری نہیں کہ وہ صرف جدوجہد کی بدولت بلندیوں کے آسمان پر پہنچ جائے بلکہ اللہ کے فضل سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے جیسا کہ متنبی کہتا ہے۔

الامر للہ رب مجتہد — ما خاب الا انہ جاہد

سارا اختیار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے کتنے ہی کوشش کرنے والے اس لئے ناکام ہیں کہ وہ کوشش کرتے ہیں۔ بیدل کا مقصد شاید یہ ہے کہ جہد ایک ظاہری سبب ہے اصل سبب اللہ کا فضل و کرم ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جدوجہد اور ہمت وحوصلہ پر اتنے اچھے نکات بیان کرنے کے باوجود بیدل جبریہ فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔

باختیار نرفتیم ہر کجا رفتیم — غبار ما و نفس حکم صید و فتراک است

چنین کہ نیک و بد ما بعجز وابستہ است — قضا بدست حنا بستہ نقش ما بستہ است

در اختیار دریں بزم دم مزن بیدل — جہاں، جہان نیاز است جای ناز تو نیست

بیدل نے اس موضوع میں بہت سے عمدہ اشعار مثنوی عرفان میں کہے ہیں۔

جهد همه دانائی ست، جهل مگیر　　در طلب فیضهاست سهل مگر

کدوکاوش سراسر دانشمندی ہے جہالت ولاعلمی مت اختیار کرو طلب وجستجو میں بڑی برکتیں ہیں سہل اور آسان امور کومت اختیار کرو۔

مژده داری گر پر افشانی است　　رستن از دامگاه حیرانی است

کوششوں کا سلسلہ اگر تو جاری رکھے ہے تو تجھے خوشخبری ہو۔ دامگاہ سے آزاد ہونا حیرانی کی بات ہے۔

شبنمی گر بجهد می تازد　　اشک را آفتاب می سازد

شبنم ضعیف اگر تگ ودو کرے تو آنسو کو آفتاب کی شکل دیدیتی ہے۔

کاہلی فسردگی ثمر است　　دست خوابیدگان بزیر سر است

کاہلی کا نتیجہ افسردگی اور جمود ہے سونے والوں کا ہاتھ سر کے نیچے ہوتا ہے۔

سایه هم از تردد کم و بیش　　تا بخورشید می برد پی خویش

سایہ بھی کم وبیش محنت کرکے سورج کا پیچھا کرتا ہے۔

در تلاش آئینه بسنگ خورد　　به کز آسودگیش زنگ خورد

تلاش وجستجو میں آئینہ اگر پتھر سے ٹکراجائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ رکھے رکھے اس میں زنگ لگ جائے۔

جهد هرگز نمی شود پامال　　ریشه ها از دویدنست نهال

تلاش وجستجو کبھی رائگاں نہیں جاتی ہے جڑوں کے اندرون خاک دوڑتے رہنے سے ہی پودے ہرے بھرے رہتے ہیں۔

قطره کش جهد راهبر باشد　　چون بمنزل رسد گهر باشد

جس قطرے کی رہبری کا کام جدوجہد انجام دے جب وہ منزل پر پہنچتا ہے تو موتی میں بدل جاتا ہے۔

آرمیدن بطبع بحر خطاست　　همتست آنچه موج خیزیهاست

دریا کی طبیعت میں سکون وآرام نہیں ہے ہمت ہی ہے جو لہروں کو انگیز کرتی رہتی ہے۔

بی طلب وصل یار نتواں یافت　　بی طپیدن کنار نتوان یافت

تلاش وجستجو کے بغیر دوست کا وصل ممکن نہیں ہے بغیر تپے اور تڑپے محبوب کے پہلو میں نہیں پہونچا جاسکتا۔

همت آسودگی نمی خواهد　　شعله تا وقت مرگ می پوید

ہمت آرام وآسودگی کا تقاضا نہیں کرتی شعلہ بجھنے تک تگ وپو میں رہتا ہے۔

مثنوی ''طلسم حیرت'' میں کہتا ہے۔

بازار تردد گاه امکاں　　بهم چیده است نقد و جنس الوان

کائنات کی تردد گاہ کے بازار میں طرح طرح کے جنس ونقد قرینے سے لگے ہوئے ہیں۔

متاعی را که جهد آمد خریدار　　اگر عنقا ست بیعش نیست دشوار

جس پونجی کا خریدار جدوجہد ہو اگر وہ عنقا بھی ہے تو اس کا خریدنا مشکل نہیں ہے۔

بقدر جهد هر کس مزد یاب است　　خوش آں جهد یکه منظورش ثواب است

ہر آدمی کو اس کی جدوجہد کے مطابق ہی اس کا صلہ ملتا ہے اس جہد کا کیا پوچھنا جس کا مقصد حصول ثواب ہو۔

مثنوی ''طور معرفت'' میں کہتا ہے۔

زہی جهد ضعیفیهای انساں　　که دشواری چنین کرد آساں

انسانوں کی ضعیفی کمزوری کی جدوجہد کا کیا پوچھنا جس نے ایسی دشواری کو آسان کردیا۔

فلک را با تردد پیشه عهد است　　کز اسباب آنچه یابی مزد جهد است

دوڑ بھاگ کرنے والے محنتی آدمی سے آسمان کا عہد ہے کہ سامان واسباب میں جو کچھ تمہارے ہاتھ لگے گا وہ تمہاری محنت کا ثمرہ ہوگا۔

دوسری جگہ اسی مثنوی میں کہتا ہے:

در آں معرض که باشد جهد درکار　　گداز کوه کاری نیست دشوار

جہاں جدوجہد کا عمل دخل ہو وہاں پہاڑ کا پگھل جانا بھی کوئی دشوار کام نہیں ہے۔

بهر کار که جهدش راهبر بود　　عرق از چهره تا ریزی گهر بود (۱۲۹)

جہد جس کام کی رہنمائی کا فرض انجام دے جب تک چہرے سے پسینہ گرے وہ موتی بن چکا ہوتا ہے۔

افسردگی کمین گر تعطیل وقت ماست　　تا دست گرم کار بود شل نمی شود

افسردگی ہمارے وقت کو رائگاں کرنے کی گھات میں بیٹھی ہے جب تک ہاتھ کام کرتے رہتے ہیں وہ شل نہیں ہوتے۔

ان تمام اشعار میں جدوجہد کی اہمیت کو چند دلچسپ مثالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جڑیں جب تک مٹی کے اندر دوڑتی رہتی ہیں پودے ہرے بھرے اور شگفتہ وشاداب

ہتے ہیں بیدل کہتا ہے ٹھیک اسی طرح انسان جب تک کوشش پیروی کرتا رہتا ہے شگفتہ وشاداب اور
اش بشاش رہتا ہے۔ جہد اگر قطرے کی رہنمائی کا فرض انجام دے تو وہ موتی میں بدل جاتا ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ آدمی لگاتار محنت کے ذریعہ قیمتی معلومات حاصل کرتا ہے اور اپنے علم و
ش کے دائرے کو وسیع کرتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے بیدل کی تعبیر میں ''جہد'' کو سراپا ''دانائی'' کہنا
ت موزوں ہے۔ بیدل کا خیال ہے کہ علوم وفنون سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کے لئے
روری ہے کہ ہم دشوار پسند بنیں کیونکہ سہولت پسندی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ صرف اسی قدر معلومات پر
س کریں جو بآسانی حاصل ہوجائے۔

بی آرامی است آسائش ذوق طلب بیدل   خوش آں رہرو کہ خار پای خود فہمید منزل را

بیدل! ''ذوق طلب'' کا سارا سکون بیقراری وبیکلی میں مضمر ہے اس راہ گیر کا کیا پوچھنا جس
نے منزل کو بھی اپنے پاؤں کا کانٹا تصور کیا۔

وصل مدعا سعی طلب مایوس می گردد   بہ بیکاری نشاند التیام زخم مرہم را

بیدل کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ذوق طلب علم ودانش کے میدان میں
ابل تحسین ہے لیکن روزی روٹی کی تلاش میں وہ صرف بقدر ضرورت کوشش کا قائل تھا۔

ریز آب رخ سعی مگر بقدر ضرور   کہ سیم و زر ز فزونی و دیعت خاک است

✪✪✪

اضطراب و بے سکونی

سختی دوراں بوضع کاملاں نزدیک تر   سنگ زاں بر سینہ بستی خاتم پیغمبراں

زمانے کی سختیاں اور دشواریاں کاملوں کے حالات سے زیادہ قریب ہیں اسی وجہ سے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے پتھر باندھے۔

اضطراب و بے سکونی ایک ایسی انسانی خصوصیت ہے جس میں معاشرہ کے کم وبیش سارے افراد مبتلا ہیں۔ ایسا آدمی مشکل سے ملے گا جو اپنی زندگی کے حالات سے پوری طرح مطمئن ہو اور اس کے دل ودماغ کو کوئی اضطراب نہ ہو۔

اس امر کے علاوہ کہ بے کلی و بے سکونی معاشرہ کے کسی طبقے کو کیا مسلمان اور کیا کافر کیا صوفی اور کیا غیر صوفی نہیں بخشتی ہے پھر بھی اسلام کے اندر اور خصوصیت سے تصوف کے اندر تو حدیث الدنیا سجن للمؤمنین الخ (دنیا مومن کے حق میں قید خانہ اور کافر کے حق میں جنت ہے) کے حسب اقتضا دنیا کو مومن کے لئے دارالمحن سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے مومن کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس امید میں نہیں رہنا چاہئے کہ یہاں اسے سکون وآرام نصیب ہوگا۔

ممکن ہے بیدل کی نظر میں مسئلے کا یہ پہلو رہا ہو خاص طور سے اس وجہ سے کہ اپنے افکار و خیالات کے لحاظ سے وہ طبقہ صوفیہ وحدت الوجودی سے تعلق رکھتا ہے اس نے اپنی نثری اور شعری تصانیف میں اپنے تجربات کو نہایت واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

''اہل زندگی را تا کشاکش نفس باقیست بستگی ابواب تردد محال است و تا رشتہ عمر پیچ وتابی دارد کمند پریشانی را چین کوتاہی وہم خیال۔'' (۱۳۰)

زندوں میں سانس کی کشاکش کا سلسلہ جب تک باقی ہے تردد (پریشانی اور بے سکونی) کے دروازوں کا بند ہونا محال ہے اور زندگی کے دھاگے میں پیچ وتاب جب تک موجود ہے کمند پریشانی میں کمی کی شکن پڑنا وہم وخیال ہے۔

گویا اضطراب و بے سکونی زندگی کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی ہے انسان اس سے رہائی کے چاہے جتنے جتن کرے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس نکتے کو بیدل نے گونا گوں تشبیہات واستعارات سے

آراستہ کچھ کے موزوں الفاظ اور مخصوص آہنگ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے غیر معمولی لطف حاصل ہوتا ہے۔

بیدل دوسرے خط میں اسی موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے لکھتا ہے ''جس دن سے زندگی کے لئے ساز و سامان مہیا کرنے اور روزی روٹی کمانے کی کوشش میں جٹا ہوں بے سکونی اور بے کلی سے دوچار ہوں'' اور انسان کو بند تعلق کے کوچے میں پڑی ایک گرد سے تشبیہ دے کر کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی ہوس کی گردن اٹھاتا ہے تو گرد باد بگولا کا شکار ہوتا ہے اور اپنا سارا امن چین غارت کرتا ہے اور اگر سکون کی خاطر اپنی جگہ ٹکا رہتا ہے تو مٹی اسے ناپید کر دیتی ہے غرض کسی حال میں اسے سکون میسر نہیں ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''غباری در کوچہ بند تعلق ہوا افتادہ، اگر گردن ہوس بر افراز دگرد بادی بلند، آشفتگی بہم رسانده باشد و اگر بفکر آرائش تمکین پردازد، خاک گم گشتگی بر فرق تو ہم افشانده باشد۔ در فراہم آوردن اسبابیکہ رابطہ سلسلہ زندگی در یده ایم نغمات آشفتگی و پراگندگی نیز از ہماں ساز عشرت آہنگ شنیده ایم۔'' (۱۳۱)

پھر اسی خط میں اس بے سکونی کے سبب کی تحلیل و تجزیہ کرتا ہے:

''فطرت را از وضع ترکیب جوارح خبری نیست کہ بضبط افعال و اعمال تواند کوشید و نہ از کیفیات حرکات و سکنات حواس و قوی اثری کہ بآثار و احوال آں تواند وارسید۔ با ایں برگ و ساز عجب تر آنکہ از وجدان ہر خیال ہنگامہ وجدی بھصور چیدنست و از فقدان ہر مطلبی گریبان چندیں قیامت دریدن۔'' (۱۳۲)

انسانی فطرت کو اعضا و جوارح کی ترکیب کی صورت حال کی کوئی خبر نہیں ہے کہ اپنے افعال و اعمال پر کنٹرول کرنے کی کوشش کر سکے اور نہ ہی حواس و قوی کی حرکات و سکنات کی کیفیات کا اس پر کوئی اثر ہے کہ اس کے آثار و احوال پر غور و خوض کر سکے۔ ان خصوصیات کے ساتھ سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہر خیال کے عملی شکل اختیار کرنے پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور ہر مطلب کے پورا نہ ہونے پر چند قیامت برپا ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعضا و جوارح کی ترکیبی نوعیت اور حواس و قوی کی ساخت اس طرح ہے کہ ہم کو اسکے اعمال کی کچھ خبر نہیں اور اپنی بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے ہم ان سے صادر ہونے والے اعمال و افعال پر کنٹرول نہیں کر پاتے ہیں۔ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ علم تشریح الاعضا اور علم النفس کے شعبے میں تحقیقات کے نتیجے میں اعضا و جوارح کی ترکیبی ساخت سے ہم اس قدر واقف ہیں کہ ہر قسم کی

آفت، بلا اور مصیبت جو جسم و حواس پر طاری ہونے والی ہوتی ہے اس سے بچنے کے لئے پیش گوئی کر سکیں اور احتیاطی قدم بھی اٹھائیں لیکن جیسا کہ بیدل نے ''تحقیق و تقلید'' کے تحت جو کچھ لکھا ہے اور اپنی جگہ پر اس پر تفصیل سے بحث ہوئی ہے کہ ہماری ساری تحقیقات کا منشا اور منبع عقل و فہم ہے اور عقل قیاس و گمان کے سوا کوئی چیز فراہم نہیں کرتی ہے اس لئے ساری تحقیقات قیاس پر مبنی ہے جو سدا بدلتی رہتی ہے جس نظریے کو آج کے مختلف میدان کے ماہرین پیش کر رہے ہیں ممکن ہے کل وہ دوسروں کی نظر میں غلط ثابت ہو۔

لہٰذا فطرت کے راز ہای سربستہ کو بے نقاب کرنے کی تمام تر تحقیقات کے باوجود ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم کسی چیز کی اصل حقیقت تک پہنچ گئے ہیں اس کے ثبوت کے لئے ہمیں زیادہ طویل بحث میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے آج طبی میدان میں ہر قسم کی تحقیقات اور طرح طرح کے آلات اور دواؤں کی ایجاد کے باوجود انواع و اقسام کی بیماریوں کا سلسلہ عروج پر ہے اور اس کی تکلیف کا کسی مرحلے پر خاتمہ نظر نہیں آتا ہے۔

بہرحال بیدل کا خیال ہے ہماری بے سکونی کا اصل سبب اپنے اعضا و جوارح کے فنکشن اور حواس کی باطنی قوتوں کی سرگرمیوں سے لاعلمی کا نتیجہ ہے اس صورت میں سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ کسی آرزو کی تکمیل کے وقت ہم پھولے نہیں سماتے گویا ہم پر ایک وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اگر کوئی آرزو شرمندہ تعبیر نہیں ہوتی تو اس قدر رنجیدہ ہوتے ہیں کہ ایک قیامت برپا ہو گئی ہے۔

اس خط کے آخر میں بیدل لکھتا ہے کہ اس قسم کے افکار و خیالات کو اگر چہ ہم کھیل تماشہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں پھر بھی دل کسی طرح خوش و خرم نظر نہیں آتا۔

بیدل نے اس موضوع پر اپنی غزلیات میں دو حیثیت سے روشنی ڈالی ہے منفی پہلو سے اور مثبت پہلو سے یعنی اس کی تنقیص کی ہے یا تعریف کی ہے۔

جہاں تک منفی پہلو کا تعلق ہے تو اس نے اپنی پر اضطراب زندگی پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے اس میں اگر چہ کوئی تازگی نہیں ہے پھر بھی استعارات و کنایات اور تشبیہات و تمثیلات کے استعمال سے اس میں جدت پیدا کر دی ہے۔

اس کا خیال ہے کہ ہماری کمر دوہری ہو گئی ہے پھر بھی ہم آرام و راحت اور سکون و چین کی جستجو میں لگے ہیں۔ اس لئے ہماری مثال اس آدمی کی سی ہے جو حلقے کے ذریعہ مچھلی کی طرح لہروں کو بھی شکار کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ خیال سراسر لغو اور بیہودہ ہے اس لئے دوہری کمر کے ساتھ آرام و سکون کے حصول کی ہماری تمام تر کوشش سراسر جہل و نادانی ہے۔

فکر صید عشرت از [illegible] دو تا جہل است جہل　　موج چوں ماہی نیفتد در خم قلابہا

کبھی اس کا سبب معشوق کی پلکوں کو قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ تیری پلکوں نے میری نیند کو تلوار کی دھار پر رکھا ہے اس کی وجہ سے ایسی بے سکونی حاصل ہوگئی ہے کہ ایک مدت سے تڑپ رہا ہوں۔

بستر و بالیں من عمری ست قطع راحت است　　مردم شمشیر زد خوابم ز مژگان شما

امن و عافیت کی تلاش میں اپنی ناکامی کو کبھی ایک شمع سے تشبیہ دیتا ہے جو نقش کف پا کو رفتہ رفتہ گریباں میں بدلتی رہتی ہے یعنی فنا کی طرف رواں دواں ہے۔

دریں محفل سراغ گوشہ امنی نمی یابم　　چو شمع آخر گریباں می کنم نقش کف پارا

کبھی اپنی بے کلی کو موج دریا سے تشبیہ دے کر کہتا ہے کہ جس طرح موج دریا کی ساحل سے ہم نشینی مشکل ہے ہم بیقراروں نے بھی اپنا آرام و سکون منزل کی نذر کر دیا ہے جب تک منزل پر پہنچ نہیں جاتے دم نہیں لیں گے۔

موج دریا را بساحل ہم نشنی مشکل است　　بیقراران نذر منزل کردہ اند آرام را

کبھی اس کی بیکلی و بیقراری میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ لگاتار اضطراب کی وجہ سے گویا مر چکا یا مردہ جیسی صورت رکھتا ہے پھر بھی آرام و سکون اس سے کوسوں دور ہے۔ اس کی طبیعت ایسی نازک واقع ہوئی کہ بوئے گل اپنی تمام تر تازگی و دلکشی کے باوجود اس کے مشام دماغ کو معطر کرنے کے بجائے زخم کی طرح اذیت دیتی ہے اور اس کے ہاتھوں ستم سہ رہا ہے۔

مردہ ام اما ز آسائش ہماں بی بہرہ ام　　می کشد طبعم چو زخم از بوی گل آزارہا

غالب نے شاید اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

ب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اسی مضمون کو درج ذیل اشعار میں بھی بیان کیا ہے۔

گوشہ آرام دیگر از کجا یابد کسی　　چوں نفس در خانہ دل ہم نمی پائیم ما

سکون و آرام کا گوشہ اب کہاں سے کسی کو حاصل ہوگا۔ سانس کی طرح خانہ دل میں بھی ہم کو قرار نہیں۔

ہمچو شبنم نیست در آشوبگاہ ایں چمن　　گوشہ امنی بغیر از دیدہ حیران ما

اس چمن کی آشوبگاہ میں شبنم کی طرح دیدہ حیران کے سوا کوئی گوشہ امن نہیں ہے۔

زنہار بہ جمعیت دل غزہ مباشید　　آسودگی از بحر جدا کرد گہر را

خبردار جمعیت دل اور سکون خاطر پر مت پھولنا آسودگی نے موتی کو دریا سے بے تعلق کر دیا۔

آشفتگی اور پریشانی کا زندگی کے ساتھ کچھ اس طرح کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ آسمان اگر

سیکڑوں بار کوشش کرے کہ دنیا کی خاک اڑا لے جائے اور اسے جڑ سے غائب کر دے تو بھی آشفتگی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوگی۔

گردہد صد بار گردوں خاک عالم را بباد　　نشکند آشفتگی رنگی بروی گردباد

اسی طرح زندگی میں حصول راحت میں ناکامی کو دلچسپ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے یہ ایک مشت خون بستہ جسے ''دل'' سے تعبیر کرتے ہیں اس لائق نہیں ہے کہ اس سے آرام و راحت کی توقع کریں خون بستہ دل آبلے کے ساغر کی طرح ہے جس میں خالص خون کے سوا کوئی اور شراب نہیں ہے لہذا دل کے ہاتھوں خون کے گھونٹ پینے کے سوا کسی اور چیز کی امید مت رکھو۔

از دل خوں بستہ، بیدل، نشۂ راحت مخواہ　　بادہ جز خونابہ نبود ساغر تبخالہ را

یہ تھا تو اس کا منفی پہلو۔ مثبت پہلو یعنی یہ کہ بیدل اضطراب و بے سکونی سے بھری زندگی کے سامنے بجائے اس کے کچھ اضطراب آمیز جذبات تاثرات کا اظہار کرے اسے نہ صرف خوش آمدید کہتا ہے بلکہ اسے زندگی کے لئے ایک لازمی عنصر تصور کرتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ سکون و آرام ہی کی بدولت قیمتی گوہر خاک کا لقمہ بن گیا اس لئے عافیت کو زندگی کی بلا قرار دے کر کہتا ہے کہ اسکی طرف سے محتاط رہے۔

از بلای عافیت ہم آنقدر ایمن مباش　　آب گوہر طعمہ خاکست از آرامہا

گویا کہ وہ ایسی زندگی کے حق میں ہے جس میں سکون چین نہ ہو اسی مضمون کو دوسری جگہ وضاحت کے ساتھ کہتا ہے کہ ذوق طلب کا سارا سکون درحقیقت ''نا آرامی'' میں پوشیدہ ہے یہاں اپنے ''ذوق طلب'' کی تعریف کر کے وہ بتاتا ہے کہ اسکے ذوق کا سارا آرام و سکون اس امر میں مضمر ہے کہ سدا حقائق و معارف کی تلاش میں سرگرم رہے اور کہیں نہ ٹھہرے حتی کہ وہ راہ گیر جس نے اپنے پاؤں کے کانٹوں کو اپنی منزل تصور کیا اور بے سکونی کے عالم میں رہتا ہے اس کے نزدیک مبارک و مسعود آدمی ہے۔

بہ بی آرامی است آسائش ذوق طلب بیدل　　خوش آنز ہرو کہ خار پای خود فہمید منزل را

ع　ز بسکہ دشمن آسودگی طینت من

تا نمیری رمز ایں معنی نگردد روشنت　　کاشنای زندگی از عافیت بیگانہ است

جب تک مرتے نہیں یہ بات تم پر واضح نہ ہوگی کہ زندگی کا آشنا عافیت سے بیگانہ ہوتا ہے۔

مطلبی گر بود از ہستی ہمیں آزار بود　　ورنہ در کنج عدم آسودگی بسیار بود

اس ''ہستی'' سے مقصود اگر کچھ تھا تو یہی آزار تھا ورنہ گوشہ عدم میں بہت آرام حاصل تھا۔

راحت دریں قلمرو از آثار ہوش نیست　　خوابیدہ است گر کسی آرام داشتہ است

اس قلمرو دنیا میں راحت عقل و ہوش کے آثار سے نہیں ہے آرام اسی کو ہے جو محو خواب ہے۔ ✪✪

اخلاق

صد پردہ در پردۂ اخلاق نہانست　　مرہم شدہ بر ہیئت ناسور بہ بینید

بیدل کا تعارف معاشرہ کے ایک مصلح شاعر کی حیثیت سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اخلاق حمیدہ کے بابت اپنے نت نئے افکار و خیالات کا اظہار نہایت خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ بہت سے اشعار اور نثری تصانیف میں جود و کرم، احسان و انعام، خندہ پیشانی و تازہ روئی، انسان دوستی و محبت، اتفاق و یگانگت، انکساری و فروتنی، عیب پوشی، راست بازی، صاف دلی، شیریں کلامی وغیرہ اخلاق قدروں سے آراستگی اور کینہ و حسد، کبر و غرور، عجب و خود پسندی، غیبت و عیب جوئی، ظلم و جبر حرص و آز وغیرہ اخلاق رذیلہ سے دامن کشی پر اپنا پورا زور قلم صرف کر دیا ہے اور نفیس اشعار کہے ہیں بلکہ اپنی شاعری کا مقصد ہی اسے قرار دیا ہے۔

وضع ہمواری ابنای زماں مطلوب ماست　　آدمیت گر نباشد ہر کہ خواہد خر شود

ہمارا مقصد تو اہل زمانہ کی طبیعت میں ہمواری پیدا کرنا یعنی اخلاق فاضلہ اسے ان کو آراستہ کرنا ہے اگر انسان کے اندر آدمیت اور انسانیت نہیں تو وہ گدھا کہلانے کا مستحق ہے۔

از پی اصلاح ناہمواری طبع درشت　　آمد و رفت نفسہا بس بود سوہان مرا

سخت اور سنگین طبیعت کی ناہمواری کی اصلاح کی خاطر میرے سانس کی آمد و رفت میرے لئے سوہان روح ثابت ہو رہی ہے۔

با فسون قبول خلق تا کی ہرزہ گو باشم　　اگر حرفم بخاک افتد دعاہا مستجاب افتد

مشہور ادیب اور شاعر مجنون گورکھپوری بیدل کی اخلاقی اور اصلاحی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

'' آج ہم محسوس کرنے لگے ہیں کہ ایران اور ہندوستان کے تمام شعراء میں گنتی کے چند کو چھوڑ کر بیدل سب سے بڑا مربی فن اور معلم اخلاق تھا اور اس کے شعری اور نثری کارناموں کا غائر مطالعہ کرنے سے یہ سبق ملتا ہے کہ فن اور اخلاق کے درمیان کوئی بیگانگی نہیں ہے بلکہ فن کی تربیت بغیر تہذیب اخلاق کے ممکن نہیں اور اصل فن وہی ہے جو اخلاق کی تہذیب

میں مددگار ثابت ہو۔ بیدل کا اولین مقصد یہ تھا کہ وہ انسان کے نفس و اخلاق میں شرافت و پاکیزگی پیدا کرے اور اس کے عام شعور کی سطح کو بلند کرے''۔ (۱۳۳)

بیدل خود بھی اخلاق حسنہ کا حامل تھا جیسا کہ اس کے بعض معاصر تذکرہ نگار مثلاً عظمت اللہ بیخبر، سرخوش، شیر خان لودھی اور خوشگو نے اس کی شہادت دی ہے۔

'' حقا کہ در کمال خلق و مزہ و درد و شوق یافتم۔'' (۱۳۴)

سچ یہ ہے کہ ان کو انتہائی با اخلاق اور صاحب درد و شوق پایا:

'' بسیار آرمیدہ در حسن خلق گذاشتہ است۔'' (۱۳۵)

حسن اخلاق سے انتہائی آراستہ و پیراستہ ہیں'' فرشتہ خویی صاحب دل'' (۱۳۶) فرشتہ صفت صاحب دل۔''

خود بیدل نے اپنے اخلاق کے بابت اس طرح کہا ہے ۔

بسکہ عالم را بہ حسن خلق ممنون کردہ ام　　رنگ ہم نتواند از جرأت بروی ما شکست

میں نے دنیا کو اپنے اخلاق حسنہ سے بے انتہا ممنون کیا ہے اور اس کا رنگ ایسا چوکھا مجھ پر چڑھا ہے کہ اگر کوئی جرأت کر کے اسے اڑانا چاہے تو نہیں اڑا سکتا۔

اخلاق کی اہمیت:

اخلاق خصوصاً احسان یعنی لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل کہتا ہے کہ اس کی اساس پر آپ چاہیں تو ایک دنیا کا دل جیت سکتے ہیں اس لئے کسی کے ساتھ سلوک کرنے سے گریز مت کیجئے۔ کوئی آدمی دنیا میں آپ کا غلام نہیں ہو سکتا لیکن آپ کا سلوک اسے آپ کا غلام بنا سکتا ہے۔

در کف اخلاق تست رشتہ تسخیر خلق　　غافل از احسان مباش ہیچکست بندہ نیست
اگر تسخیر دلہا در خیالت بگذرد بیدل　　باحسان جہد کن کانجا خدای بندہ می گردد
صاحب خلق حسن گلہا بدامن داشتہ است　　چرب و نرمی در طبایع آب و روغن داشتہ است

یہ وہی مضمون ہے جس کو حافظ نے اس انداز سے بیان کیا ہے۔

بحسن خلق توان صید کرد اہل نظر　　بہ بند و دام نگیرند مرغ دانا را

حسن اخلاق کے ذریعہ آپ اہل فکر و نظر کو اپنا بنا سکتے ہیں عقلمند مرغ کو آپ دام و دانہ کے ذریعہ اپنے قبضے میں نہیں کر سکتے۔

ممکن ہے بیدل نے یہ خیال بھی حافظ کے کلام سے ہی مستعار لیا ہو کیونکہ اس نے ایک جگہ کہا ہے۔

بیدل کلام حافظ شد ہادی خیالم — دارم امید کا خر مطلوب من بر آید

بیدل حافظ کا کلام میرے خیال کے لئے رہنما ثابت ہوا ہے امید ہے کہ میرا مقصد بھی پورا ہوگا۔

بیدل ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ اخلاق کے دروازے پر دستک دے کر اگر اسے بہ تکلف حاصل کیا جا سکتا ہے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جس کام کو ہم بار بار کرتے ہیں تکرار عمل کے سبب وہ کام عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔

از تکلف نیز باید بر در اخلاق زد — ہرچہ می آری بتکرار عمل خو می شود

ترک اخلاق مشق ادبار است — سرو کم سایہ است کہ بی برگ است

اخلاق کو ترک کرنا ادبار و پستی کی مشق کرنا ہے سرو میں چونکہ پتے نہیں ہوتے اس لئے وہ کم سایہ والا درخت ہے۔

ا۔ جود و کرم:

بیدل خود بھی دریا دل اور سخی تھا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتا تھا، ایثار و فداکاری، انسانی ہمدردی و دلسوزی، اور احسان کو تو اس نے خاص طور سے اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ چہار عنصر میں جود و کرم کی وضاحت اس طرح کرتا ہے:

> ''معنیٰ کرم در جمیع احوال بسرور طبائع کوشیدنست، و در ہمہ اوقات برضای دلہا جوشیدن، بے نوایان را بدرہم و دینار نواختن، و بیماران را بہ عیادت و امداد خرسند ساختن، امداد نابینایان بدستگیری عصای، و اعانت گم گشتگان تجریک درای، آبلہ پایان را تکلیف خار نمودن، و بید ماغان را بہ صحبت دعوت نہ فرمودن، پیش ناتوانان ترک اظہار توانائی، و در چشم مفلسان تغافل اوضاع خود آرائی، بر قبور تکبیر گفتن و فاتحہ خواندن، و در زمین ہای خشک آب پاشیدن و نہال نشاندن، غائبان را بہ نیکی یادی، و حاضران را بمدارا امدادی، القصہ بقدر طاقت زبان بجز عرض فوائد نیاراستن، و بوسع امکان از ہیچکس غیر عذر نخواستن، ازین عالم ہا ہرچہ پردازند از شعبہ ہای جود و سخاست، و ازین دست از آنچہ از دست برآید از شیوہ ہای مروت و وفا۔'' (۱۳۷)

کرم کی معنیٰ ہیں ہر قسم کے حالات میں انسانی طبیعتوں کو خوش کرنا، ہمہ وقت لوگوں کو قلبی خوشی پہونچانا، بے نواؤں کی روپے پیسوں سے مدد کرنا، بیماروں کو ان کی عیادت اور علاج معالجہ کرا کے خوش

کرنا، اندھوں کو لاٹھی کا سہارا دینا، گم شدہ لوگوں کی ڈھول پٹوا کر تلاش کرنے میں مدد کرنا، جن کے پاؤں میں چھالے پڑے ہیں ان کو کانٹوں کی زحمت نہ دینا (پریشان لوگوں کو مزید پریشان نہ کرنا)، مغرور اور بد دماغوں کو نشست و برخاست کی دعوت نہ دینا، کمزوروں کے سامنے اپنے کس بل کا اظہار نہ کرنا، مفلسوں کی نگاہ میں خود آرائی کی خصوصیت اور کیفیت سے تغافل برتنا، قبروں پر پہونچ کر خدا کی عظمت اور کبریائی کا ذکر کرنا اور فاتحہ پڑھنا، خشک زمین پر پانی چھڑکنا اور پودے لگانا، غیر موجود لوگوں کو نیکی سے یاد کرنا، حاضرین کی خاطر مدارات کرنا، غرض جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے سوا کسی اور کام کیلئے کے زبان نہ کھولنا اور دوسروں کے عذر اور مجبوری کو قبول کرنا۔ ان امور میں سے جس کام میں مشغول ہو گے وہ جود و سخاوت کہلائے گا اور جو بھی تم سے بن پڑے وہ مروت و انسانیت کے دائرہ میں داخل ہوگا۔

بوالفضول جود باش این بزم اکرام است و بس — ہر قدر بخشد کسی آب از محیط اسراف نیست

جود و کرم کے بوالفضول بنو، یہ بزم تو بزم اکرام و انعام ہے جس قدر آپ دوسروں کو بخشیں گے وہ اسراف کے حد میں داخل نہ ہوگا۔ بوالفضول کی ترکیب بھی خوب ہے ہم اس کا ترجمہ فضول خرچی کرنے والے سے کریں تو بہتر ہے۔

بیدل کا مقصد شاید یہ ہے کہ فضول خرچی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ وہ اسراف میں داخل ہے اور شرعی طور پر ممنوع بھی ہے مگر جب دوسروں کے ساتھ جود و کرم اور سخاوت و دریا دلی میں حد سے زیادہ خرچ کریں تو یہ فضول خرچی نہیں کہلائے گی اور نہ اسراف کہلائے گا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو حضور اکرم ﷺ اور بہت سے ازواج مطہرات اور صحابہ میں پائی جاتی تھی کہ جو کچھ آیا سب دوسروں پر خرچ کر دیا آپ بھوکے رہ گئے قرآن ایسے لوگوں کی تعریف میں کہتا ہے: "یؤثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ" (قرآن) اس طرح دیکھا جائے تو بیدل کی یہ تعلیم قرآنی تعلیم سے ہماہنگ ہے۔

در سعی بذل کوش کہ اینجا خسیس ہم — جاں دادنش بحسرت جاوید جود کرد

لوگوں پر خرچ کرتے رہو کیونکہ یہاں کنجوس بھی اگر اس کو اس کی اہمیت معلوم ہو جائے حسرت جاوید میں جان دینے کی سخاوت کرے گا۔

ہر چہ دارد عالم اخلاق بی ایثار نیست — دست بسیار است گر آستین بیرون کنید

عالم اخلاق ایثار و فداکاری کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں اگر آپ اپنی آستین دینے کے لئے باہر کریں تو بہت سے ہاتھ لینے کیلئے اٹھیں گے۔

تا از گلت جز ایثار رنگ دگر نہ خندد — سر تا قدم چو خورشید دست کرم بروں آ

تیرے گلِ ہستی سے ایثار و فداکاری کے سوا کوئی اور رنگ ظاہر نہ ہو اس مقصد کیلئے تو سورج کی طرح سرتاپا جود و کرم بن جا جس کی روشنی سے دنیا کی کوئی جاندار اور بے جان چیز محروم نہیں ہے۔

تراوشہای آثار کرم ہم موقعی دارد   مباد اسراف سازد منفعل روزی رسانم را

آثارِ کرم کی تراوش یعنی داد و دہش کا بھی موقع و محل ہوتا ہے کہاں، کس کو، کتنا دیا جائے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے نہیں تو اسراف اور خرچ بیجا کے حد میں داخل ہو کر کہیں وہ میرے روزی رساں یعنی خدا کو شرمندہ نہ کرے۔

خصوصیت سے سائلوں کو دروازے سے محروم واپس کرنا بیدل کے نزدیک بہت ہی مذموم حرکت ہے اس سلسلے میں اس نے نہایت عمدہ اور رنگارنگ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے۔

از سائلان دریغ مدار از تبسمت   گیرم کفت تہی است لب آفریں کشا

میں نے مانا کہ تم تہی دست ہو، تمہارے پاس سائلوں کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرو اور ''معاف کیجئے'' کے الفاظ استعمال کرو۔ یہ بھی قرآنی ہدایت کے موافق ہے حضورؐ کو اللہ نے فرمایا کہ اگر آپ خدا کے فضل کی امید لگائے ہیں اور آپ کے پاس ان کو دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو **قل لھم قولا میسورا** ان سے نرمی سے بات کیجئے (جیسے معاف کیجئے)۔

گر اہل جود و کرامتی بکشا کفی بہ شگفتنی   کہ سحر طواف چمن کند ز تبسم لب سائلت

اگر تم سخی داتا ہو تو ہنستے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ سے بخشو کیونکہ تمہارے سائل کی مسکراہٹ سے سحر بھی چمن کا طواف کرتی ہے۔

مدعا محو است از اظہار مطلب دم مزن   از زبان خامش سائل کرم بی پردہ است

مدعا ظاہر ہے اظہار مطلب کی ضرورت نہیں سائل کی خاموش زباں سے کرم کا مسئلہ بالکل عیاں ہے۔

اثرہای دعا روش نہ شد بی احتیاج اینجا   ز اسرار کرم گر آگہی دارد گدا دارد

دعا کے اثرات بغیر احتیاج کے واضح نہ ہو سکے جود و کرم کے اسرار سے اگر کوئی واقف ہے تو وہ گدا ہے۔

حتی کہ چہار عنصر میں ایثار یہ، کے عنوان سے بارہ صفحات پر مشتمل پورا ایک مقالہ لکھ ڈالا جس کی ابتدا ان الفاظ سے:

''سرمایہ کیسہ گاہ ہستی نقد انفاسیت بی توقف از گنج خانہ ہویت مدد فرمای تنگ مایگان بازار وجود، وبی تشویش تردد غنا بخش بی بضاعتان چارسوی شہود۔ آمد و رفت او دلیلی است بر آنکہ

این نقد ایثاریست نہ اندوختنی، و دریافت معنی این عطیہ نیز موہبتی است نہ آموختنی۔'' (۱۳۸)

''کیسہ گاہ ہستی'' کا کل سرمایہ چند سانس ہیں جو نقد کی شکل میں ہویت (اللہ) کے خزانے سے ''تنگ مایگان بازار وجود'' کی بلا توقف مدد کرتے ہیں اور ''بی بضاعتان چارسوی شہود'' کو بلا تردد غنا سے نوازتے ہیں۔ اس کی آمد و رفت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نقد ایثار و فداکاری کے لئے ہے جمع کرنے کے لئے نہیں ہے اور اس عطیہ کے مفہوم کی دریافت وہبی اور عطائی ہے سیکھنے کی چیز نہیں ہے۔

اور آخر میں جنت اور جہنم کی تفسیر بھی انہیں بنیادوں پر کی ہے:

''بی تکلف ''فردوس'' عبارتست از ''دلہای مروت تخمیر'' و جہنم از ''طبائع خست تاثیر'' (۱۳۹)

بلا تکلف فردوس نام ہے ایسے دلوں کا جن کی خمیر میں انسانیت اور مروت ہو اور جہنم نام ہے ایسی طبیعتوں کا جن میں خست و بخیلی کی خصوصیت اور اس کا اثر ہو۔

۲۔ خندہ پیشانی اور تازہ روئی:

خندہ پیشانی بھی ایک اہم اخلاقی قدر ہے جس کو بیدل نے تشبیہات و استعارات کے استعمال کے ذریعہ نہایت خوبصورتی سے مثالیہ کے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے موسم بہار کی ساری کشش اس وقت تک ہے جب چمن میں رنگ و بو ہو اسی طرح انسان کی ساری کشش اسی وقت تک ہے جب اس کا چہرہ کھلا ہوا اور لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتا ہو۔

ز تازہ روئی اخلاق نگذری بیدل   بہار تا اثر رنگ و بوست، می باشد

بہار تازہ روی حسن فردوس دگر دارد   کشاد جبہہ رشک ربع مسکوں کرد صحرا را

اسی طرح کہتا ہے۔

بہ حسن خلق بیدل تا تواں در جنت آسودن   چہ لازم در دل دوزخ نشستن از شرارتہا

اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کر کے جب تک جنت میں آسودگی کے ساتھ رہنا ممکن ہے کیا ضرور ہے کہ اپنی شرارتوں کی بدولت اپنے کو جہنم میں جھونک دیں۔

در کف اخلاق تست رشتہ تسخیر خلق   غافل از احساں مباش ہیچکست بندہ نیست

اس پالیسی کو حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی پالیسی اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں داخل کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس، جرمنی وغیرہ بڑی طاقتیں جن کو آج کی اصطلاح میں ''آٹھ بڑے'' سے تعبیر کرتے ہیں چاہتی ہیں کہ تیسری دنیا کو گولہ بارود اور مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے اپنے کنٹرول میں کریں اور اس پر بے حساب مال و دولت خرچ کر رہی ہیں۔ اگر یہی رقم وہ اخلاق حسنہ کے اصول کے

طابق ان کی معاشی فلاح و بہبود اور سماجی ترقی پر خرچ کرتیں تو یہ ممالک ان کے زرخرید غلام ہو جاتے۔
کیونکہ احسان کا فطری ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جس پر احسان کیا جائے وہ اپنے محسن کے سامنے جھک جاتا ہے۔

۴۔انسان دوستی ومحبت:

انسان دوستی اور آپسی میل محبت کے بابت وہ ایک نفیس اور پرکشش تشبیہ کا استعمال کر کے کہتا
ہے کہ جس طرح خون ماں کے پستان میں جب دودھ بن جاتا ہے تو وہ شکر میں بدل جاتا ہے اسی طرح
نسانی دوستی اور محبت دشمن کو دوست بنا دیتی ہے اس لئے میل ملاپ کی حلاوت کو ترک نہ کرنا چاہئے۔

لذر از فیض حلاوتکدہ مہر و وفاق   خون چو شد شیر کند لذت شکر پیدا

میل ملاپ اور مہر و محبت کے حلاوتکدے کے فیض کو ترک نہ کرنا خون جب دودھ کی شکل اختیار
کرلیتا ہے تو اس میں مٹھاس آجاتی ہے۔

بیار مزرع اخلاق اگر باشد وفاق   جای گندم آدمیت می تواں انبار کرد
لفی، امدادی، مدارائی، نیازی، خدمتی   اے ز معنیٰ غافل آدم شو بایں مقدارہا

کیا عمدہ بات کہی ہے آدمیت کا مفہوم کیا ہے؟ عام لوگ اس سے غافل ہیں۔آدمیت نام ہے
ف و مہربانی، بے کسوں کی نصرت و مددگاری، خاطر مدارات، نیاز مندی اور خدمت گذاری کے
ذبات کا۔اس لئے کہتا ہے کہ اگر آدمی بننا ہے تو یہ خصوصیات پیدا کرو۔

علق دو نفس ما و من غنیمت گیر   کہ این غبار نیابی دم دگر بہوا

ا۔اتفاق واتحاد:

فاق است آنکہ دشوار آساں می کند   ورنہ از تدبیر یک ناخن گرہ نتواں کشود

اتفاق واتحاد ایسی چیز ہے جو دشوار کام کو آسان بنا دیتی ہے، نہیں تو ایک ناخن کی کوشش سے گرہ
ہیں کھولی جاسکتی ہے۔

۔عاجزی وانکساری:

اخلاقی قدروں میں تواضع وخاکساری اور فروتنی وانکساری بیدل کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

اوج عزت فروتنی دارد ،   قطرہ پستی گزید و گوہر گشت

فروتنی اور انکساری کے ذریعہ انسان عزت کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے قطرہ نے پستی اختیار کی تو
تی بن گیا۔

چوں آسماں کمال بزرگی فروتنی است   وضع تواضع آب رخ جاہ می شود

آسمان کی طرح کمال بزرگی فروتنی وانکساری ہے تواضع وخاکساری کا شیوہ جاہ و مرتبے کے
چہرے کی چمک دمک کا سبب ہے۔

بیدل بتواضعہا صید دل ما کردی   ما بندہ این وضیم کاین صورت ابروہست

بیدل تو نے تواضع وخاکساری سے میرے دل کو جیت لیا میں تو اسی وضع کا غلام ہوں کیونکہ اس
میں بھوں کی صورت ہے۔

خاکسار یہاست بیدل رونق اہل صفا   می کند خاکستر افزوں آبرو آئینہ را

اہل صفا و خلوص کی رونق ساری خاکساری کی بدولت ہے، راکھ آئینے کی آبرو میں اضافہ کرتی ہے۔

ادب نہ کسب عبادت نہ سعی حق طلبیست   بغیر خاک شدن ہرچہ ہست بی ادبیست
می تواں در خاکساری یافت اوج اعتبار   آبلہ شد صاف افسر بسکہ زیر پا نشست

٦۔عیب پوشی:

بہ بند پردہ بچشم و دلت ز عیب کساں   کشاد کار خود از بند این نقاب طلب

اپنی آنکھ اور دل پر پردہ ڈال دو تا کہ لوگوں کے عیوب تمہیں نظر نہ آئیں اپنے کام کی کشادگی
اس نقاب کی بند سے حاصل کرو۔

کسی کہ نیک و بد ہشیار و مست بپوشد   خدا عیوب وی از ہر کہ ہست می پوشد

جو آدمی مست و ہشیار کے بھلے برے سے مطلب نہیں رکھتا اور اس پر پردہ ڈالے رہتا ہے خدا
اس کے عیوب کو دوسروں کی نظر سے چھپا دیتا ہے۔

ع   کس عیب کس نہ بیند تا بی حیا نباشد

۷۔صدق وراست بازی:

گرنہ ای از اہل صدق دامان پاکان رامگیر   آئینہ و روی زشت کافر و روز جزا

اگر تم راستبازوں میں نہیں ہو تو پاک اور مقدس ہستیوں کا دامن مت پکڑو ورنہ تمہاری مثال
ایسی ہے جیسے آئینہ کے سامنے بدصورت چہرہ ہو یا کافر کو روز جزا سے سابقہ ہو۔

زفیض صدق اگر دارد کلامت بوی آگاہی   بباد یک نفس چشم جہانی چوں سحر بکشا

اگر تیرے کلام میں صدق وراستبازی کی برکتوں کی کچھ خبر تجھے ہے تو سحر کی طرح ایک پھونک
میں ایک عالم کی آنکھ وا کر دے۔

جادہ سر منزل ما راستی است   چون برون افتد خط از مسطر پریشاں می شود
در عرصہ تعین ہیچ بی راستی ظفر نیست   ہرجا بجلوہ آئی با ایں علم بروں آ

تعین کے میدان میں راستبازی کے بغیر کامیابی ملنی ممکن نہیں جہاں کہیں جلوہ آرائی کرو اس علم کے ساتھ کرو۔

۸۔ صفای دل:

صفای دل چیست؟ از تمیز گذشتن   آئینہ با خوب و زشت کار ندارد

دل کی صفائی اور پاکیزگی کیا ہے؟ کسی کے اعتقاد و مسلک اور نسل ورنگ کی بنیاد پر اس سے بھید بھاؤ نہ کرنا۔ آئینہ کو کسی کے چہرے کی خوبی اور زشتی سے کوئی سروکار نہیں ہے اچھے برے اور خوب و زشت کے درمیان وہ کوئی فرق نہیں کرتا۔

باصفای دل چہ لازم اینقدر پرداختن   جلوہ نیرنگ است اینجا نیست راہ آئینہ را

دل اگر آلودگیوں سے پاک وصاف ہے تو ادھر ادھر مشغول ہونے کی ضرورت ہی نہیں جلوہ یہاں نیرنگ ہے، آئینہ کو وہاں تک رسائی کا راستہ نہیں ہے۔

گر دلت صافیست از مکروہی دنیا چہ باک   قبح شخص آئینہ را بدنام نتوانست کرد

تیرا دل کینہ وعداوت سے پاک صاف ہے تو دنیا کی مکروہات سے تجھے کیا اندیشہ ہے کسی کی بدصورتی آئینے کو بدنام نہیں کرسکتی ہے۔

صافی دیدہ و دل مانع تمیز دوئیست   پشت عینک بتفاوت نرساند رو را

۹۔ شیریں کلامی، موقع شناسی و سنجیدہ گوئی:

می تواں کردن بدی را ہم بہ حرف نیک، نیک   از اثر خالی مداں خاصیت افواہ را

اچھی بات کہہ کر آپ برائی کو بھی بھلائی میں بدل سکتے ہیں افواہ کی خاصیت کو اثر سے خالی مت سمجھئے۔ وہی قرآنی تعلیم ہے ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔"

ستم می پرورد آغوش گل از خار پروردن   زبانی را کز و کار درود آید بہ سب مکشا

پھول اپنے پہلو میں کانٹوں کی پرورش کرکے آپ پر ستم ڈھا رہا ہے جس زبان سے درود وسلام کا کام انجام پاسکتا ہے اسے گالم گلوج کے لئے مت کھولو۔

بحرف نا ملایم زحمت دلہا مشو بیدل   کہ ہر جا جنس سنگی ہست باشد دشمن مینا

بیدل نامناسب اور سخت گفتگو کے ذریعہ دلوں کو ٹھیس نہ پہونچاؤ کیونکہ جہاں پتھر کی جنس کی کوئی سخت چیز ہوتی ہے تو وہ مینا کی دشمن ہوتی ہے۔

درد سر زباں مدہ از حرف نا رسا   از خم بروں میار می نا رسیدہ را
خصم سرکش را فنا ساز از ملایم طینتی   آتش سوزان ندارد چارہ جز مردن در آب

سرکش دشمن کو اپنی نرم مزاجی سے فنا کے گھاٹ اتار دو آتش سوزان کو پانی میں ٹھنڈی ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ آج افغان مسئلے کا حل اسی پالیسی میں ہے۔ اسی کے ساتھ وہ موقع ومحل کے مطابق گفتگو کا قایل ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

دشمن امن است موقع ناشناس دم زدن   زندگی بر خود مکن چون مرغ بی ہنگام تلخ

نیز گفتگو میں سنجیدگی اور وقار وطمانیت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

باہر کہ ہر چہ گوئی سنجیدہ بایدت گفت   تا کفہ وقارت پا در ہوا نباشد

اخلاق حمیدہ کے ساتھ ساتھ بیدل کینہ وعداوت، حسد وجلن، کبر وغرور، عجب وخود پسندی، عیب جوئی، ظلم وجبر اور حرص وآز وغیرہ اخلاق رذیلہ سے اجتناب کی نصیحت بھی کرتا ہے۔

کینہ وحسد:

ہر کرا دل از غبار کینہ جومیہا تہی است   می کشد ہیچو نیام آسودہ در بر تیغ را

جس کا دل کینہ جوئی کے غبار سے خالی ہوتا ہے وہ غلاف شمشیر کی طرح تلوار کو نہایت آرام سے بغل میں دبائے چلا جاتا ہے۔

افسانہ ہای بیژن و رستم بطاق نہ   گر مرد قدرتی دلت از بند کیں کشا

بیژن ورستم کے افسانے کو طاق پر رکھو اگر تم واقعی بڑے زور آور بلوان ہو تو دل سے عداوت و کینہ نکال دو۔

صافی دل مفت عیش است از حسد پرہیز کن   ہوش گر جاہت دہد بر شیشہ بگزیں سنگ را

دل اگر آلودگیوں سے پاک صاف ہے تو مفت میں تمہیں عیش حاصل ہے اس لئے حسد سے پرہیز کرو ہوش وعقل اگر تم کو کوئی جاہ ومرتبہ عطا کرے تو شیشے پر پتھر کو ترجیح دینا۔

کبر وغرور:

بر خاک نہ تبختر و جاہ و جلال را   چینی سلام کرد بیک مو سفال را

کبر وغرور اور جاہ وجلال کی عمارت کو زمین بوس کردو چینی کے برتن نے ایک بال پڑجانے کے

ساتھ ہی سفالی (مٹی کے برتن) کو سلام کیا۔

ہر سر کہ پخت دیگ خیال رعونتی   پوشیدش آسمان تہ سرپوش نقش پا

جس آدمی نے رعونت اور نخوت کے تصور کا دیگ پکایا آسمان نے اس کو نقش پا کے ڈھکن کے نیچے ڈھک دیا یعنی انتہائی پستی میں پہونچا دیا۔

غرور اندیشہ ای تا کی خیال بندگی پختن   تو در جیب آدمی داری کہ پروردا ست شیطانش
فیض حلاوت از دل بی کبر و کیں طلب   زنبور را از خانہ برآر انگبیں طلب
از اہل تکبر نطلب ساز شگفتن   چین بر رخ ایں شعلہ مزاجاں رگ سنگ است
بیدل از انجام نفس ہر کہ برد بوی اثر   گر ہمہ آفاق شود ناز کروفر نکند

عجب وشوخی:

نفس سرمایہ ای، از لاف خود شیخی تبرا کن   مبادا دل شود سنگ ترازوی گرانیہا

تیرے پاس لے دے کے ایک سانس کا سرمایہ ہے اس لئے شیخی بگھارنے سے اجتناب کرو خدانخواستہ دل ترازو کی گرانی کا باٹ نہ ہو جائے۔

بہ پرہیز از بلای خود نمائی   مسلمانی تو و عالم فرنگ است

خودنمائی کی بلا سے بچو تم مسلمان ہو اور دنیا اس وقت فرنگستان ہے یعنی فرنگیوں کی طرح خودنمائی پر آمادہ ہے جبکہ مسلمان ریا و نمود سے عاری ہوتا ہے۔

با ہمہ جہل رسا در حق دانائی خویش   حرف پوچیکہ نداریم ستودن بود است

عیب وعیب جوئی:

بچشم شوخ تا کی عیب جوی یکدگر بودن   مژہ برہم زنید و بشکنید آئینہ ہم را

اپنی بیباک نگاہوں سے کب تک ایک دوسرے کا عیب ڈھونڈتے رہو گے پلکیں جھکاؤ اور ایک دوسرے کے آئینہ بننے کی صورت کو ختم کرو۔

ظلم وجبر:

ظالماں را دستگاہ آرد پی کسب فساد   مشق خونریزی کند تا نیشتر می دارد آب

ظالموں کی طاقت اور ان کا زور انہیں فساد انگیزی پر ابھارتا ہے نشتر میں جب تک دھار کی چمک دمک رہتی ہے وہ خونریزی کی مشق کرتا رہتا ہے۔ یہ بات [illegible] بش اور اس کے حواریوں خصوصاً

اسرائیلیوں پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

اس مفہوم کو اس شعر میں بھی ادا کیا ہے۔

طبع ظالم را قوی سرمایہ سازد دستگاہ   سختی افزوں تر کند الماس گشتن سنگ را

طاقت ظالم کی طبیعت کو قوی سرمایہ بنا دیتی ہے پتھر اگر الماس (ہیرے) میں بدل جاتا ہے تو اس کی سختی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس لئے بیدل ظالم کو نصیحت کرتا ہے۔

از مکافات عمل غافل مباش   آتش ایمن نیست از اشک کباب

حرص وہوس:

عالمی در امتحانگاہ ہوس تگ می زند   گر نہ ای قانع تو ہم بیتاب این و آن برآ

ایک دنیا ہوس کی امتحانگاہ میں تگ و دو میں لگی ہے اگر تم قناعت پسند نہیں ہو تو تم بھی انکی طرح بے کلی اور بیتابی سے ادھر ادھر دوڑتے رہو۔

سرمایہ در اندیشہ اسباب تلف شد   آہ از نفس چند کہ در شغل ہوس سوخت
آزادگی کز وست مباہات عافیت   دل را ز حکم حرص و ہوس وا خریدن است
روز و شب ناموران در قفس سیم و زر اند   ہیچ زندان بہ نگین سخت تر از خاتم نیست

اپنوں کی اعانت سے پرہیز:

بیدل از خویشاں نمی باید اعانت خواستن   مومیائی چارہ فرمای شکست شیشہ نیست

اپنوں سے کسی امداد و اعانت کی درخواست نہیں کرنا چاہئے۔

شکم پروری:

سخت در تعمیر جسم افتادہ ای ہشیار باش   عاقبت از سعی تعمیر این بنا خواہد شکست

تم بری طرح جسم کی تعمیر میں لگے ہوئے ہو دھیان رہے کہ ان تعمیری کوششوں کے باوجود انجام کار یہ عمارت ڈھ کر رہے گی۔

میل غذاست مرکز بنیاد زندگی   پیچیدہ معدہ بر ہوس جوع و ناف شد

○○○

علم وعمل اور علماء

علم کی اہمیت:

بیدل نے ''علم وعمل'' کے زیر عنوان اپنے متنوع افکار وخیالات ظاہر کئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے بلکہ ساری زندگی خود بھی اس پر عمل پیرا رہا ہے۔ بقول خود اپنا عزیز وقت وہ یا تو مطالعہ میں گذارتا تھا یا کچھ لکھنے میں یا اپنے مخلص احباب کے ساتھ گفتگو اور مشاعرہ میں چنانچہ مثنوی عرفان میں کہتا ہے:

گرچہ ہر پیشہ سحر پردازیست　　پیشہ علم و فضل اعجازیست

ہر پیشہ اپنی جگہ گوکہ سحر پردازی کی حیثیت رکھتا ہے لیکن علم وفضل کا پیشہ تو اعجازی حیثیت کا حامل ہے۔ اس لئے وہ نصیحت کرتا ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے علم ودانش حاصل کرو اور اپنی استعداد و صلاحیت بناؤ۔

استعداد است آنچہ سرمایہ تست　　جز دست تو ہیچ چیز دردست تو نیست

تمہاری اصل پونجی تمہاری اپنی استعداد وصلاحیت ہے جتنی صلاحیت اور لیاقت پیدا کرو گے اسی قدر آگے بڑھو گے۔ تمہاری طاقت کے سوا کوئی چیز تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ اردو میں اسی طرح کی ایک مثل ہے ''بل اپنا بل پرایا بل جائے خاک میں جل'' یہ بھی بیدل کے سلیم الطبع ہونے کی علامت ہے کہ اس نے پرایا بل کو بد دعا نہیں دی۔

کسب ہوشی کن کہ در دنیای راز　　اند کی فہمیدن از بسیار گفتن خوشتر است

علم ودانش اور سوجھ بوجھ حاصل کرو کیونکہ اس دنیائے راز میں تھوڑا سمجھنا زیادہ بولنے سے بہتر ہے۔

بیدل کا خیال ہے کہ علم وہنر کی دولت سے جب تک کوئی آراستہ نہ ہو عروج واقبال کے دروازے اس پر نہیں کھلتے۔

تا فضل و ہنر آئینہ پرداز نہ شد　　اقبال درش بر روی کس باز نہ شد

اسی طرح درج ذیل اشعار میں بھی وہ علم ودانش کی اہمیت پر روشنی ڈالتا ہے۔

فولاد بر آہن شرف از جوہر یافت　　بی علم بہ جنس خویش ممتاز نہ شد

فولاد (عمدہ قسم کا لوہا) کو آہن (عام لوہے) پر صرف جوہر کی وجہ سے شرافت اور بزرگی حاصل ہے علم کے بغیر کوئی آدمی اپنے ہم جنسوں میں ممتاز نہیں ہوا ہے۔

آگہی گر ریشہ پردازد جہانی می شود　　سیر این مزرع یکی صد نما ید دانہ را

علم وآگہی اگر اپنی جڑیں گہری کرنی شروع کرے تو ایک پوری دنیائے علم میں وہ بدل جاتی ہے اس کھیت کی سیاحت ایک دانے کو سیکڑوں دانے کی شکل میں دکھاتی ہے۔

کسب عمل آگہی آسان نشمارید　　چشم ہمہ کس از مژہ خوردہ است عصاہا

علم ودانش کے حصول کو آسان کام نہ سمجھو اس سلسلے میں ہر آدمی کی آنکھ کو پلکوں کی لاٹھی کی چوٹ سہنی پڑتی ہے یعنی مطالعہ کتب کیلئے بڑی دیدہ ریزی اور جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔

افسردہ اور تیرہ طبع لوگوں کی علم سے بے فیضی:

حصول علم کی ترغیب وحوصلہ افزائی کے ساتھ بیدل کا خیال ہے کہ جو لوگ طبعی طور پر افسردہ، تیرہ طبع اور ہلکے دماغ کے ہوتے ہیں ان کو حصول علم سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جس طرح سرمہ اگر پلکوں میں لگایا جائے تو اس سے اس کے اندر قوت بینائی نہیں آسکتی۔

زکسب علم نبود فیض دانش تیرہ طبعاں را　　کہ بینائی چو چشم از سرمہ دشوار است مژگاں را
عبث تعلیم آگاہی مکن افسردہ طبعاں را　　کہ بینائی چو چشم از سرمہ ممکن نیست مژگاں را
فیض معنی در خور تعلیم ہر بی مغز نیست　　نشہ را چوں بادہ نتواں در دل پیمانہ ریخت

فیض معنی ہر بے شعور اور بے دماغ کی تعلیم کے لائق نہیں ہے، شراب کی طرح پیمانے میں نشہ کی کیفیت نہیں پیدا کی جاسکتی۔

بہرہ از کسب معارف کی رسد بی مغز را　　سرخوشی از نشہ می قسمت پیمانہ نیست

بے مغز اور ہلکے دماغ کے آدمی کو حصول علم سے بھلا کیا ملے گا، سرمستی پیمانے کی نصیب میں نہیں ہوتی ہے۔

بہت سے جاہل لوگ ہیں جو کتابیں تو خوب جمع کرتے ہیں پر مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے بے فیضے رہتے ہیں ان کی مثال شیرازہ کی سی ہے جو کتاب کے اجزا کو جوڑے رکھتی ہے لیکن اسے سخندانی سے کوئی نسبت نہیں۔

جاہل از جمع کتب صاحب معنی نہ شود　　نسبتی نیست بشیرازہ سخندانی را
نگردد جمع نور آگہی باظلمت غفلت　　صفای دل نمک دردیدہ خوابست شبنم را

نور علم اور تاریکی ایک ساتھ اکٹھی نہیں ہوسکتی صفائے دل شبنم کے لئے نمک در دیدہ خواب کی طرح کھٹکتی ہے۔

۳۔ عمل کی اہمیت:

اسی طرح عمل کی اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بیدل کہتا ہے کہ آدمی جب تک اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے اس کی اپنے علم و ہنر کی لاف زنی ایک بیہودہ عمل ہے۔

لاف ہنر بیہودہ است تا نمائی عمل　　　تیغ نگردد چنار گر ہمہ تن جوہر است

اور عمل کو انسان کے اعتبار اور اس کی عزت و آبرو کی اساس قرار دیتا ہے۔

نہ شد بی عمل معتبر ہیچکس　　　عمل شاہد اعتبار است و بس

کوئی آدمی عمل کے بغیر معتبر نہیں ہے اور عمل ہی اعتبار کا گواہ ہے۔

اگر معرفت با عمل بار نیست　　　کس از علم عطار عطار نیست

علم اگر عمل کے ہمراہ نہیں ہے تو کوئی آدمی عطاری کے علم سے عطار (دوا فروش) نہیں ہوسکتا۔

۴۔ بیدل کے معاصر علماء اور دانشوروں کی حالت:

باوجودیکہ بیدل علم و عمل کو بڑی اہمیت دیتا تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس کے عہد میں اور اس کے بعد بھی عرصے تک دانشوروں کا طبقہ حادث و قدیم اور ہیئت و نجوم کی بحثوں، قیاسات اور قدیم نسخوں پر دیدہ دریزی کے غیر ضروری کاموں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا تھا ان بحثوں میں کبھی کبھی یہ صورت حال ہوجاتی تھی کہ ان کی گردن کی رگیں تن جاتی تھیں اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگتے تھے اور کبھی کبھی نوبت دست و گریبان تک پہنچ جاتی تھی۔ معاصر دانشوروں کے ان رجحانات کو دیکھ کر بیدل کو بڑا قلق ہوتا تھا اس پر اس نے تلخ ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

تو ہیچ باش و علم و عمل را بطاق نہ　　　گو خلق ہرزہ فکر حدوث و قدم کند

تو خاکسار بن کر رہ اور علم و عمل کو اٹھا کر طاق پر رکھ دے اور ہرزہ و بیہودہ لوگوں کو حدوث و قدم کی بحث میں الجھنے دے۔

تلاش خلق ز علم و عمل دری نکشود　　　مآل کار چوں بیدل بہ ہیچ خو کردند

علم و عمل کے ذریعہ لوگوں کی تلاش و جستجو کا سلسلہ کامیابی اور شائستگی کا کوئی دروازہ نہ کھول سکا آخر بیدل کی طرح وہ بھی ہیچ مدانی کے عادی ہوگئے۔

مثنوی محیط اعظم میں اس موضوع پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے:

نہ از حادثش شوقی بگوش　　　نہ درک قدیمش سر و برگ ہوش

نہ تو حادث کا شوق اس کے کان میں گونج رہا ہے نہ قدیم کو درک کرنے کا ہوش و گوش اس میں ہے۔

بافسوں اوہام غفلت رقم　　　ارسطوی درس حدوث و قدم

اوہام غفلت رقم کے جادو سے حدوث و قدم کے ارسطو بنے بیٹھے ہیں۔

یکی بر قیاسات رفع حجب　　　ہمہ عمر خون شد بجمع کتب

ایک آدمی قیاسات سے پردہ اٹھانے کی خاطر ساری زندگی کتابیں جمع کرتا رہا۔

بچندین ورق تو بتو چند جہل　　　یقیں را نگردید یک نکتہ اہل

ان کی ورق گردانی میں اس نے تہ بہ تہ جہالت کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔
ایک لفظ کے برابر بھی اسے یقین و ایمان کی دولت حاصل نہ ہوئی۔

بلاف بیاں فخر تکمیل و بس　　　و امتحاں ننگ تجہیل و بس

زور بیان سے اپنے کامل ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن امتحان کے وقت تجہیل کے لئے بھی باعث ننگ و عار ہیں۔

غرض عالمی زیں بساط جنون　　　در انداز می ساغری زد بخون

غرضکہ ایک دنیا نے بساط جنوں پر شراب کے انداز میں خون کو ساغر میں انڈیلا یعنی جانفشانی کی۔

ہمہ دعوی آہنگ علم نبی　　　ز بو جہلی خویش یکسر غبی

سب کو علم نبی یعنی حدیث کے ماہر ہونے کا دعویٰ ہے لیکن اپنی بوجہلی سے اکثر لوگ غبی اور کند ذہن ہیں۔

بیدل نے بحث کی ردیف میں ایک پوری غزل لکھی ہے جس میں اپنے زمانے کے دانشوروں اور عالموں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ دلچسپی سے خالی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعض اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں۔

خواریست بہر کج منش از راست رواں بحث　　　بر خاک فتد تیر چو گیرد بکمال بحث

راست باز لوگوں کی ہر ٹیڑھی سمجھ والے سے بحث کرنا ذلت و خواری کی بات ہے بحث جب کمان سنبھال لیتی ہے تو تیر خاک پر گرتا ہے۔

گویائی آئینہ بس است از لب حیرت　　　حیف است شود جوہر روشن گہراں بحث

لب حیرت سے آئینے کا گویا ہونا کافی ہے۔ روشن گہر یعنی علماء وفضلا کا جوہر اگر صرف بحث و مباحثہ ہو جائے تو یہ انہی کے لئے افسوس کی بات ہوگی۔

ماتم کدہ علم شمر مدرسہ کانجاست — انصاف بخوں غوطہ زن و نوحہ کناں بحث

اس مدرسے کو علم کا ماتم کدہ تصور کرو جہاں انصاف خون میں غوطہ زن ہو اور بحث مرثیہ خواں ہو۔

غالبًا اقبال نے یہیں سے یہ مضمون اخذ کیا ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا — کہاں سے آئے صدائے لا الہ الا اللہ

آن کیست کہ گردد طرف مولوی امروز — یک تیغ زبان دارد وصد نوک سناں بحث

آخر کس میں جرأت ہے کہ مولوی کے مد مقابل ٹھہرے وہ مولوی جس کی بحث میں ایک تیغ زباں اور سو نوک سناں ہے یعنی اس کی زبان تلوار کی طرح کاٹنے والی اور برچھے کی طرح سیکڑوں انی والی ہے۔ سعدی نے کہا ہے ''مال بی تجارت، علم بی بحث'' یعنی تجارت کے بغیر مال نہیں بڑھتا اور بحث کے بغیر علم نہیں بڑھتا۔ اس طرح سعدی بحث کی اہمیت جتاتے ہیں جبکہ بیدل اس کی تنقیص کرتے ہیں لیکن بیدل کی مراد شاید وہ بحث ہے، جس میں انسان کج بحثی کر کے ہاتھا پائی پر اتر آتا ہے اور مخالف کو ہر طرح زیر اور رسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

بیدل اصل میں تواضع وانکساری کو زیادہ اہمیت دیتا تھا اور حصول علم سے مقصد انسان کے اندر ادب وتہذیب اور شائستگی وشستگی پیدا کرتا ہے اس کے بجائے اگر اس کے اندر غرور وتکبر اور تعلّی وانانیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو نہایت سخت لہجے میں اس پر ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔

…ریں ہمہ علم و عمل قدر خموشی در یاب — ہر کجا بحث سوالست و جوابست اینجا

ان تمام علم وعمل سے خموشی کی قدر معلوم کرو جہاں کہیں کسی مسئلے پر بحث چھڑی وہاں جواب رکھا ہوا ہے جس کا سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آئے گا۔

…ی دعوی علم و عمل افسون حجابست — گرد تب و تاب نفس است آنچہ علوم است

اے وہ شخص جس کے علم وعمل کا دعویٰ اس کے لئے حجاب بن گیا ہے ان علوم کی حقیقت کیا ہے؟ سانس کے تب وتاب کی ایک گرد ہیں۔

…عوی فضل و ہنر خوار بست در ابنای دہر — ابرو می خواہی اندکی نادان برآ

علم و ہنر کا دعوی اب ابنائے دہر میں ذلت وخواری کی بات ہے اگر عزت چاہتے ہو تو تھوڑا بیوقوف بن کر رہو۔

گفتیم: ز چہ دانش سبقت کنیم بر خلق — ''تعلیم ہیچ بودن'' فرمود موبد ما

وضع عقلای عصر دیدم — دیوانہ ہا مؤدب آمد

عہد حاضر کے دانشوروں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے لگا کہ ان کے مقابلے میں دیوانے مؤدب اور سلیقہ مند ہیں۔

این علماء کہ جملہ تابع جہلاءیند — پختگی اقبال طبع خام ندارد

یہ علما سارے جاہلوں کے تابع ہیں یعنی ان کے رسوم ورواج کے پیروکار ہیں۔ ان میں جرأت نہیں کہ جاہل عوام کے غلط رسم ورواج اور عقیدہ وخیال کے خلاف آواز اٹھائیں اور معاشرہ کی اصلاح کی ذمہ داری قبول کریں۔ بیدل کا خیال ہے کہ یہ بات اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے علم میں راسخ، پختہ اور بالغ نظر نہیں ہیں ورنہ پختگی اور بالغ نظری عام جاہلوں کی خام طبیعت کو قبول کرنے سے ابا کرتی ہے۔

نیز یہ کہ یہ علماء علماء السلطان ہیں چنانچہ ایک رباعی میں کہتا ہے:

ہر چند بہ عدل دین حق رہبر بود — جہد علما پیرو حکم زر بود
سلطاں ہرگاہ ریخت خون پدرش — گفتند جہاد کردہ، او کافر بود

دین حق اگر چہ عدل وانصاف کی راہ دکھاتا ہے پر علماء کی جد وجہد زر وسیم کی پیرو ہے۔ بادشاہ نے جب بھی اپنے باپ کا خون بہایا انہوں نے کہا جہاد کیا کیونکہ وہ کافر تھا۔

ممکن ہے یہ اشارہ اورنگ زیب کی طرف ہو اس لئے کہ اس نے اس مقصد سے کہ اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو اور اپنی حکومت کو مستحکم کرے اپنے باپ شاہجہاں کو اکبرآباد میں قید کر دیا اور بھائیوں کو ایک ایک کر کے راستے سے ہٹا دیا جس میں داراشکوہ کا بری طرح قتل بھی شامل ہے۔

علماء کی اس دین فروشی کی پالیسی پر اس نے اس طرح حملہ کیا ہے۔

آتش از چہرہ زریں اثر زر نہ دہد — دین بدنیا مفروشید کہ دنیا دنیاست

چہرہ زریں سے آگ زر کا اثر نہیں دیتی ہے یعنی چہرے کو سرخ کر کے اور بنا سنوار کے پیش کرنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی ہے دین کو دنیا کے عوض مت بیچو کہ دنیا آخر دنیا یعنی گھٹیا چیز ہے۔

اپنے زمانے کے ان دانشوروں اور عالموں کے علاوہ سماج کے دوسرے معزز اور مخصوص طبقہ جیسے شیخ، محتسب، واعظ، ملا، زاہد، پیش امام، قاضی وغیرہ کو بھی بیدل نے آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ایک پوری غزل میں ان کی خصوصیات جیسے شیخ کی طفل مزاجی، محتسب کی خشخشی ڈاڑھی، واعظ کے عمامہ، مشائخ کی نسوانی فطرت، زاہد کی ریائی طاعت وعبادت، پیش امام کی رعنائی، ملا کا درس وتدریس کو اٹھا کر بالائے طاق رکھنا اور مزید آمدنی کی فکر، قاضی کا مقدمے پر غور وخوض وغیرہ گنائے ہیں۔ اس غزل سے

معلوم ہوتا ہے کہ خواص کا یہ طبقہ جو بیدل کا معاصر تھا کس قدر ریا و نمود، مصلحت اندیشی، دین فروشی، امرد پرستی حتی کہ زنخہ پرستی میں مبتلا تھا۔ ان اشعار کی روشنی میں اس عہد کی جو تاریخ سامنے آتی ہے وہ اس تصویر سے مختلف ہے جو شاہی مؤرخوں نے پیش کی ہے۔ اس دور کی ایک سب سے بڑی خرابی زنخہ پرستی اور اغلام بازی تھی جس میں معاشرے کا ہر طبقہ ملوث تھا۔ یہ غزل درج ذیل ہے۔

این دور دور حیز است وضع متین کہ دارد
باد بروت مردی غیر از سرین کہ دارد

آثار حق پرستی ختم است بر مخنث
غیر از دبر سرشتان سر بر زمین کہ دارد

ہر سو بحرکت نفس مطلق عنان بتازید
ای زیر خر سواران پالان و زین کہ دارد

زاہد ز پہلوی ریش پشمینہ میفروشی
بازار نورہ گرمست این پوستین کہ دارد

رنگ بنای طاعت بر خدمت سرین نہ
امروز طرح محراب جز گنبدین کہ دارد

بر کیسہ کریمان چشم طمع ندوزی
جز دست خردرین عصر در آستین کہ دارد

از منعمان گدا را دیگر چہ میتوان خواست
تن دادہ اند بر فحش داد این چنین کہ دارد

خلق وسیع خفتہ است در تنگی سرینہا
جز کام این حواصل دامن بچین کہ دارد

یک غنچہ صد گلستان آغوش می گشاید
مقعد بخندہ باز است طبع حزین کہ دارد

از بسکہ دور گردون گرداند طور مردم
تا پشت بر نتابد برزن یقین کہ دارد

ادبار مرد و زن را نگذاشت نام اقبال
یک کاف واو نون است تا کاف وسین کہ دارد

آن خرقہ کہ جیبش باب رفو نباشد
بردار دامنی چند آنگہ ببین کہ دارد

در چار سوی آفاق بالفعل این منادیست
لعل خوشاب باکیست در نمین کہ دارد

جز جوہر گران سنگ مطلوب مشتری نیست
ساق بلور بنما جنس گزین کہ دارد

سرد است بی تکلف ہنگامہ تہور
کرکن تفنگ وخوش باش جز مہر کین کہ دارد

(بیدل) بہ تیغ و خنجر نتوان شدن بہادر
لشکر عمود خواہد تا آہنین کہ دارد

⚪⚪⚪

فرصت و امل

ہر چند کار فرداست، امروز مفت خود گیر
شاید دماغ و طاقت وقت دگر نباشد

بیدل نے فرصت پر نہایت عمدہ اشعار کہے یں اور مختلف انداز سے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے نیز اپنی طبع دقت پسند اور نکتہ رس کی بدولت اس میں غیر معمولی نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے۔

فرصت کو وہ امل کے مقابلے پر پیش کرتا ہے۔ امل کہتے ہیں لمبی زندگی کی امید۔ قرآن پاک میں غیر مسلموں کے تذکرہ میں ایک جگہ آتا ہے .... **و یلھھم الامل فسوف یعلمون** (الحجر ۳) کافرون کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کسی وقت آرزو کریں گے کیا اچھا ہوتا جو مسلمان ہوتے اللہ نے فرامایا کہ ان کے غم میں نہ پڑیے بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر مزے اڑالیں ور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ لمبی زندگی کی امید نے ان کو غفلت و بیخبری کے عالم میں ڈال دیا ہے۔ امل کا مفہوم ایک حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے زمین پر ایک درخت کا نقشہ کھینچا اور دونوں طرف اس کے تنے اور شاخیں بنا کر فرمایا کہ انسان کی زندگی یہیں تک ہے اور اس کی آرزوئیں اور امیدیں اوپر کی شاخوں اور تنوں تک پھیلتی چلی گئی ہیں۔ اس کو آپؐ نے ''امل'' فرمایا۔ ''امل'' یعنی لمبی زندگی کی امید آدمی کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ ابھی تو مجھے بہت سے کام انجام دینے ہیں ابھی ساری زندگی پڑی پھر نیکی کر لیں گے۔ جبکہ اسے معلوم ہے موت بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت کسی کو بھی جب اس کا وقت آچکا ہوتا ہے چھوڑتی نہیں ہے۔ بیدل نے چہار عنصر اور رقعات میں بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''حصر حدود طول امل در احاطۂ ادراک، عمل محال و حمل دوام عمر، در دل آگاہ واسطۂ گرد ملال۔'' (۱۴۰)

''طول امل'' کے حدود کو دائرۂ ادراک میں گھیرنا امر محال ہے اور دوام عمر کو دل آگاہ پر لادنا ملال کا ذریعہ ہے۔

'' آدمی بعلت ''افسون امل'' در جمیع احوال دشمن آسایش خود است اگر در منزلست فضولی ہوای سفرش بیاباں مرگ و دوری وطن دارد و اگر در سفر خار خار سودای وطن دامنش نمی

گذارد۔ نہ درصورت سفر بہرہ یاب کیفیت سفر است و نہ در حالت وطن ار جمعیت باخبر۔"(۱۴۱)

"افسون امل" کی بدولت انسان تمام حالات میں اپنے آرام وراحت کا دشمن بنا رہتا ہے۔ اگر گھر میں پڑا ہے تو سفر کی غیر ضروری خواہش اسے بیاباں مرگی اور وطن سے دوری پر آمادہ کرتی ہے اور اگر سفر میں ہے تو سودائی وطن کے کانٹے اس کے دامن کو تار تار کیے دیتے ہیں۔ نہ تو سفر کی حالت میں سفر کے پر کیف مناظر سے بہرہ یاب ہے اور نہ وطن میں رہنے کی حالت میں وطن کے سکون اور جمعیت کی اسے خبر ہے۔

بیدل کہتا ہے۔

درنظر داریم مرگ و از امل فارغ نہ ایم　　پیش پا دیدن نشد مانع خیال دور را

موت نگاہوں کے سامنے کھڑی ہے پھر بھی امل تراشی سے فارغ نہیں ہیں پاؤں کے سامنے کی چیز کو دیکھنا دوراز کار خیال سے رکاوٹ نہیں بنتا ہے۔

امل تراشی کے نتیجے میں انسان نیکی کی انجام دہی کو ٹالتا جاتا ہے اور فرصت کو ہاتھ سے دے بیٹھتا ہے۔ بیدل نے اس امل تراشی کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی اور لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ

بیدل این نقد بہ تاراج غم نسیہ مدہ　　کار امروز کن امروز ز فردا فردا

آج جو نقد فرصت تم کو حاصل ہے اس کو مستقبل کے غم میں برباد مت کرو آج کا کام آج ہی کر ڈالو کل کا کام کل کرنا۔

بہر کہ می نگرم طالب دوام بقاست　　مدار خلق بفکر محال می گذرد

جس کو دیکھئے دوام و بقا کا طالب ہے مخلوق کی سوچ کا دارو مدار محال چیز پر قائم ہے۔

املہا بدوش نفس بستہ ایم　　سفر یکقدم راہ و این زادہا

دوش نفس پر "امل" کا بار باندھ رکھا ہے سفر ایک قدم کا ہے اور اتنا بڑا توشہ ساتھ لئے ہیں۔

ہر نفس چندین امل می زاید از اندیشہ ات　　شرم دار از لاف مردیہا کہ طبعت مادہ است

تیرے فکر و اندیشہ سے ہر آن کئی امل جنم لے رہے ہیں اپنی رجولیت اور لاف زنی پر شرم کر کہ تیری طبیعت مادہ واقع ہوئی ہے۔

از امل جمعیت دل وقف غارت کردہ ایم　　ریشہ گر افسوں نخواند دانہ ماخرمن است

امل کی بدولت ہم نے اپنا سارا امن چین غارت کر دیا ہے جڑ اگر جادو کی پھونک مارے تو دانہ خرمن کی شکل ہے۔

ترک ہستی گیر و بیروں آ ز تشویش امل　　ورنہ یکسر رشتہ باید تافتن تا سوزن است

دوام ہستی کا تصور ترک کرو اور امل کی تشویش سے نکل آؤ ورنہ جب تک سوئی ہے دھاگہ لگاتار بٹتے رہنا پڑے گا۔

دل از سعی امل بر وضع آرامیدہ می لرزد　　مبادا دور بینی جادہ سازد منزل مارا

امل کی بدولت دل اپنی موجودہ پرسکون حالت پر لرزتا رہتا ہے خدا نہ کرے دور بینی منزل کو راستے میں بدل دے۔

بعمر موہوم فکر فرصت فزود صد بیش و کم زغفلت　　تو گر عیار امل نگیری نفس چہ داند شمار خود را

موہوم زندگی (اپنی زود روی کی وجہ سے یہ زندگی بیدل کے خیال میں موہوم ہے) میں فرصت کی فکر نے از راہ غفلت سیکڑوں کمی بیشی پیدا کر دیے "امل" کو اگر تم اپنی اس زود گذر زندگی کا معیار نہ بناؤ تو سانس کو اپنی گنتی کا علم کیسے ہو۔

ہوس تعمیری خواب امل چند　　ز فرصت غافلی، امروز فرداست

خواب امل کی ہوس تعمیری کا سلسلہ کب تک چلے گا یعنی "امل" کے حسین سپنے کب تک دیکھتے رہو گے "فرصت" سے غافل آدمی حال ہی تیرا مستقبل ہے۔

ز صاحب امل آزادگی چہ امکانست　　دریں بساط گراں خیزی است حاملہ را

صاحب امل کو ممکن نہیں آزادی نصیب ہو حاملہ عورت کو اس بساط میں سدا بوجھ اٹھائے رہنے کی فکر لاحق رہتی ہے۔

بیدل ز جنون امل از پا نہ نشینم　　کاش ابلہ گیرد سر راہ ہوس ما

بیدل! امل کے جنون کی بدولت ہم سکون سے نہیں بیٹھے بلکہ چلتے رہے کاش آبلہ ہماری راہ ہوس کو روک لے۔

ز استقبال و حال این امل کیشان چہ می پرسی　　قدح در دست فردا نیست بے رنج خمار امشب

ان امل تراشوں کے حال و مستقبل کے بابت کیا پوچھتے ہو۔ مستقبل کے ہاتھ میں قدح آج رات رنج خمار اٹھائے بغیر نہیں آتا ہے۔

الوداع ای نغمہ فرصت کز افسون امل　　عشرت امروز ما بنیاد بر فردا گذشت

اے نغمہ فرصت! تجھے خدا حافظ ہے کیونکہ امل کے جادو کے سبب آج کے آرام کی بنیاد کل پر قائم ہے۔

ز بس بردہ است افسون امل از خود جہانی را　　گر از امروز می پرسی ز فردا گفتگو دارد

اہل کے جادو نے ایک دنیا کو بے خود کردیا ہے اگر آج کے بابت ان سے پوچھو تو کل کی بات کریں گے۔

دور شکم اہل دول بیں و دہل زن — کاین طائفہ را تخم اہل حاملہ دارد

ارباب اقتدار واہل دول کے دور شکم کو دیکھو اور نقارہ بجاؤ اس طبقے کو اہل کی بیج نے حاملہ کردیا ہے۔

ہوس چوں نارسا شد نسیہ نقد حال می گردد — اہل را رشتہ کوتہ ساز و عقبیٰ گیر دنیا را

کو فرصتی کہ فکر سلامت کند کسی — آہ از سواد کشتی بی لنگر حباب

[فرصت کسے ہے فکر سلامت کرے کوئی — افسوس ہے حباب کی کشتی پر کیا کہوں]

اس شعر میں اگر غور کریں تو بیدل نے آج کی اسلامی دنیا کی زبوں حالی پر بہترین تبصرہ کیا ہے۔ اس وقت (۲۰۰۱ تا ۲۰۰۹ء) عراق وافغانستان پر امریکن حملہ اور فلسطین ولبنان پر اسرائیلی حملہ کے نتیجے میں اسلامی دنیا کے سربراہوں میں جو سرد مہری، بے حسی اور بے اعتنائی پائی جاتی ہے اس کی بنا پر ہم اس عالم اسلام کو کشتی بے لنگر حباب سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ بلبلے کی کشتی میں لنگر ہوتا ہے نہ اس میں پائداری ہوتی ہے۔ اس وقت اسلامی دنیا کی کشتی ایسی ہی ہے اور مزے کی بات یہ ہے جس میں اس کی سلامتی کی فکر ہونی چاہئے تھی وہ سرد مہری اور مصلحت اندیشی کا شکار ہے۔ ان ملکوں میں سیکڑوں آدمی ناٹو فوج کی ظلم و بربریت کا شکار ہو رہے ہیں اور وہ تباہی و بربادی کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر جو صاحب اقتدار مسلم حکمراں ہیں وہ خواب خرگوش میں مبتلا ہیں۔

بیدل نے فرصت کے متعلق گوناگوں مضامین باندھے ہیں فرصت سے متعلق اس کا ایک شعر اورنگ زیب کو اتنا پسند آیا کہ اپنے بیٹے کے نام ایک خط میں اسے نقل کیا ہے۔

من نمی گویم زیان کن یا بفکر سود باش — ای ز فرصت بی خبر در ہرچہ باشی زود باش

میں نہیں کہتا نقصان اٹھاؤ یا نفع کی فکر میں رہو ہاں ممکن ہے یہ فرصت اور موقع پھر نہ ملے اس لئے اے غافل آدمی! جو کچھ کرتا ہے جلدی جلدی انجام دے جاؤ۔

وحشت متاع قافلہ دشت فرصتیم — محمل بدوش عمر شرر می کشیم ما

ہم دشت فرصت کے وہ کارواں ہیں جس کے پاس وحشت کی پونجی ہے چنگاری جیسی زود گذر زندگی کے دوش پر ہم اپنے کجاوے کو کھینچے چلے جارہے ہیں۔

عمر شرار و برق بفرصت نمی کشد — بیدل گذشتہ گیرد رنگ از شتاب ما

چنگاری اور بجلی جیسی نمود رکھنے والی زندگی کو رکنے کی فرصت کہاں ہے اس کی جلد بازی کی وجہ سے حال ماضی کا روپ اختیار کرتا جارہا ہے۔

تا نگاہی گل کند ذوق تماشا رفتہ است — چوں شرر سامان فرصت اینقدر داریم ما

جب تک نگاہ وا کریں ذوق تماشا رخصت ہو چکا ہوتا ہے ہم کو بس اسی قدر فرصت حاصل ہے جتنی چنگاری کی نمود کو۔

قدم بوادی فرصت زن و مژہ بردار — بہار می رود ای بیخبر شتاب طلب

وادی فرصت میں قدم رکھ نگاہ وا کر اے غافل! جلدی کر موسم بہار رخصت ہو رہا ہے۔

اہل کجا ست گر از فرصت آگہی داری — قصور فطرت ما بیش فہمی کم اوست

فرصت کی اہمیت کا اگر علم ہو تو اہل کی کیا حقیقت رہ جائے گی؟ ہماری فطرت کا قصور اس کی کمی کو زیادہ سمجھنا ہے۔

اس لئے آج جو کام درپیش ہے اسے آج ہی انجام دو۔

بیدل این نقد بہ تاراج غم نسیہ مدہ — کار امروز کن امروز، ز فردا فردا

بیدل یہ نقد فرصت جو تجھے آج حاصل ہے کل کی ادھار فرصت کے غم میں برباد نہ کر آج کا کام آج ہی انجام دے کل جب آئے گا تو پھر کل کا کام کرنا۔

فرصت صحبت گل پا برکاب رنگ است — آرزو چند اگر ہست نگاہی دریاب

''صحبت گل'' کی فرصت پا بر کاب رنگ ہے اگر کچھ آرزو ہے تو ایک نگاہ پیدا کر اور گل یعنی اچھے لوگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھالے۔

لیکن خود اسے اس کا احساس رہا کہ افسوس میں نے فرصت کا فائدہ نہیں اٹھایا اور جو کام کرنا تھا نہیں کیا۔

فرصت از دست رفت و دل کاری نکرد افسوس عمر — کارواں بگذشت و من درخواب غفلت وای من

افسوس اس زندگی پر کہ فرصت ہاتھ سے جاتی رہی اور دل اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہا۔ افسوس کہ قافلہ نکل گیا اور میں خواب غفلت میں پڑا سوتا رہا۔

اور جس لائن پر اس نے اپنی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا اس کو ''کوشش بیجا'' سے تعبیر کرکے اس پر افسوس کرتا ہے۔

حیف اوقاتیکہ صرف کوشش بیجا شود — تیشہ عمری چہ بر جان کندن فرہاد داشت

زندگی کے جو اوقات کوشش بیجا میں صرف ہوئے ان پر افسوس ہے تیشہ عمر فرہاد کی جاں کنی پر کس طرح رواں ہے۔

اس لئے کہتا ہے کہ مظاہر قدرت کی سیر کرکے علم و دانش اور تجربے حاصل کرو۔

سیر این گلشن غنیمت دان که فرصت بیش نیست — در طلسم خنده گل بال و پر دارد بهار

اس گلشن کائنات کی سیر و سیاحت کو غنیمت سمجھو کیونکہ فرصت کچھ زیادہ حاصل نہیں خندہ گل کے طلسم میں موسم بہار کے بال و پر بھی چھپے ہوئے ہیں یعنی پھول جب کھلتا ہے تو اس کے جلد ہی مرجھا کر ناپید ہونے کا عمل بھی شروع ہو جاتا ہے۔

فرصت هستی ندارد دستگاه انتظار — مفت امروزیم پس ای وعده فردا بیا

فرصت ''ہستی'' کو کہیں بھی راہ تکنے کی مہلت حاصل نہیں ہے آج جو فرصت اور وقت ہمیں ملا ہوا ہے وہ مفت حاصل ہے تو کل کے وعدے پر بھروسہ کرنے والے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

اقبال نے اسی قسم کے اشعار سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا — فقط امروز ہے تیرا زمانہ

اسی طرح فرصت کی اہمیت پر بیدل کے بہت سے خوبصورت اشعار ہیں۔

فرصت برق و شرر با تو حسابی دارد — امتیازی که نفس در چه شمار است اینجا
فرصت کفیل سیر تامل نمی شود — آتش زده است صفحه نظم متین ما
راه فرصت از گرد خیال افگنده ای دامی — پری خوانیست کز غفلت کنی در شیشه ساعت را
قامت تهمتی در محفل کم فرصت هستی — چو عکس از خانه آئینه گرم کن جا را
شیشه ساعت خبر از ساز فرصت می دهد — خود سران غافل مباشید از صدای طاسها
سبک تازان فرصت یکقلم رفتند ازین وادی — سراغی می دهد موج سراب از نعل مرکبها
فرصت شرر و هم امل چند توان زیست — ای وعده دیدار قیامت کجا رفت

لیکن فرصت کی اصل حقیقت بیدل کے خیال میں یہ ہے کہ انسان اپنی اصل حقیقت کہ ہم کون ہیں، مخلوقات میں ہماری حیثیت کیا ہے اور ہماری تخلیق کی غرض و غایت کیا ہے؟ کو پہچاننا ہے جسے خود شناسی سے بھی تعبیر کیا ہے۔

فرصت از ماست گر بخود برسیم — که کدامین شی ایم یا چه کسیم

فرصت کا فائدہ اٹھانے والے ہم اسی وقت کہلائیں گے جب ہم خود اپنی شخصیت کی شناخت حاصل کر لیں کہ ہم کیا ہیں، یا کون ہیں؟

خویش را یک پر زدن دریاب مفت جهد گیر — زندگی برقیست نتوانی بخود دیگر رسید

ایک بار پر جھاڑنے کے برابر ہی خود شناسی کی خصوصیت حاصل کر لو زندگی بجلی کی طرح زود گذر ہے دوبارہ اسے نہیں پا سکتے۔

✪✪

حواشی

باب سوم

(بیدل ایک ادیب کی حیثیت سے)

۱۔ شاہکار نثر فارسی معاصر (مقدمہ) ص۱۴، ۱۵
۲۔ سبک شناسی ج۲ ص۲۶۰
۳۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص۳۶۲
۴۔ مجمع الانشاء ص۱۸۳
۵۔ ایضاً ص۳۷۸
۶۔ نثری ص۱۳
۷۔ مجمع الانشاء ص۲۵۰
۸۔ ایضاً ص۲۰۷
۹۔ ایضاً ص۲۷۸
۱۰۔ وقائع نعمت خان ص۲۳، ۲۴
۱۱۔ انشای جلیل ص۱۵
۱۲۔ انشای خلیفہ ص۶
۱۳۔ سبک شناسی ج۳ ص۲۵۹
۱۴۔ کلمات الشعراء قلمی ص۱۵
۱۵۔ مجمع النفائس قلمی ص۶۵
۱۶۔ سفینہ خوشگو ص۱۲۸
۱۷۔ تبصرۃ الناظرین قلمی ۲۵۶
۱۸۔ سرو آزاد ص۱۴۸
۱۹۔ نشتر عشق قلمی ص۳۱۵
۲۰۔ نتائج الافکار ص
۲۱۔ ریاض الوداد قلمی ص۴۵
۲۲۔ رقعات بیدل (مشمولہ چہار عنصر) ص۱۷۷
۲۳۔ چہار عنصر ص۴۹۷
۲۴۔ رقعات ص۱۰۶
۲۵۔ ایضاً ص۱۳۶
۲۶۔ چہار عنصر ص۳۱۷
۲۷۔ غیاث اللغات ص۶۰۷
۲۸۔ نقد و ادب ص۴۹
۲۹۔ رقعات بیدل ص۲۰۲
۳۰۔ مثنوی عرفان، کلیات بیدل کابل ص۳۶۰، ۳۶۱
۳۱۔ فرہنگ نفیسی ج۵ ص۳۶۹۶
۳۲۔ ایضاً ج۳ ص۱۶۹۵
۳۳۔ رقعات بیدل ص۹۱
۳۴۔ نقد و ادب ص۵۳
۳۵۔ چہار عنصر ص۴۴۹
۳۶۔ ایضاً ص۴۷۳
۳۷۔ نقد بیدل مطبوعہ تہران ص۴۶۱
۳۸۔ ایضاً ص۵۹۳
۳۹۔ چہار عنصر ص۳۴۲
۴۰۔ ایضاً ص۴۴۸
۴۱۔ قلمرو سعدی ص۷۵
۴۲۔ ایضاً ص۷۸

۴۳۔ فرہنگ ادبیات دری ص ۲۶۲
۴۴۔ چہار عنصر ص ۳۱۶
۴۵۔ ایضاً ص ۴۱۷
۴۶۔ نقد و ادب ص ۵۴ تا ۵۶
۴۷۔ نکات بیدل (مشمولہ چہار عنصر) ص ۳۲، ۳۳
۴۸۔ نقد و ادب (حاشیہ) ص ۵۴
۴۹۔ رقعات بیدل ص ۱۳۷
۵۰۔ ایضاً ص ۱۸۸
۵۱۔ مقدمہ شاہکار نثر فارسی معاصر ص ۱۵
۵۲۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۴۸، ملاحظاتی در بارہ ریالزم بیدل
۵۳۔ ایضاً ص ۱۵۰
۵۴۔ ایضاً ص ۱۴۱ تا ۱۵۳
۵۵۔ عبدالحق انگلش ڈکشنری ص ۱۲۰۳
۵۶۔ نقد بیدل ص ۵۶۹
۵۷۔ چہار عنصر ص ۵۵۲
۵۸۔ ایضاً ص ۵۵۲
۵۹۔ ایضاً ص ۵۶۲
۶۰۔ شاہکار نثر فارسی معاصر (مقدمہ) ص ۱۵
۶۱۔ سخندان فارس ص ۹۳، ۹۴
۶۲۔ رقعات بیدل ص ۱۰۵
۶۳۔ ایضاً ص ۱۷۶
۶۴۔ ایضاً ص ۷۵
۶۵۔ ایضاً ص ۱۸۷
۶۶۔ History of Iranian Literature
۶۷۔ دیباچہ چہار عنصر مطبوعہ صفدری پریس بمبئی
۶۸۔ چہار عنصر ص ۳۴۰
۶۹۔ سفینہ خوشگو ص ۱۰۶
۷۰۔ نشتر عشق ص ۳۱۲
۷۱۔ مجلہ نگار مارچ ۱۹۲۵ء
۷۲۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۷
۷۳۔ چہار عنصر ص ۳۰۰
۷۴۔ مجلہ کابل ج ۱، شمارہ ۴
۷۵۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۵
۷۶۔ بیدل ص ۱۱
۷۷۔ چہار عنصر ص ۴۳۶
۷۸۔ تذکرۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵۳
۷۹۔ رقعات بیدل ص ۱۸۸
۸۰۔ ایضاً ص ۲۰۶
۸۱۔ ایضاً ص ۱۵۳
۸۲۔ ایضاً ص ۱۷۳
۸۳۔ ایضاً ص ۱۳۷
۸۴۔ چہار عنصر ص ۳۲۱
۸۵۔ ایضاً ص ۴۵۵
۸۶۔ ایضاً ص ۴۸۸
۸۷۔ مرأۃ الخیال ص ۴۶۰
۸۸۔ رقعات ص ۷۲، ۱۵۵، ۱۱۹، ۱۳۸، ۱۳۶، ۱۰۵
۸۹۔ صحایف شریف ورق ۹۳
۹۰۔ چہار عنصر ص ۳۰۱
۹۱۔ رقعات بیدل ص ۱۳۹
۹۲۔ بیدل ص ۸۲
۹۳۔ سفینہ خوشگو ص ۱۰۵
۹۴۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۵
۹۵۔ مخزن الغرائب قلمی ص ۱۱۱، ۱۱۲
۹۶۔ بیدل شناسی ج ۱ ص الف
۹۷۔ مجلہ کابل ج ۱، شمارہ ۴
۹۸۔ مقدمہ بر کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۱ ص ۱
۹۹۔ بہ حوالہ غلام حسن مجددی

۱۰۰۔ نقد بیدل ص ۴۵۸
۱۰۱۔ شعر العجم فی الہند ص ۱۲۸
۱۰۲۔ سی مقالہ در بارہ بیدل (بیدل شناسی در اتحاد جماہیر شوروی) ص ۳۰۲
۱۰۳۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۴۲۰
۱۰۴۔ بیدل ص ۵
۱۰۵۔ چہار عنصر ص ۵۱۲
۱۰۶۔ ایضاً ص ۲۹۸
۱۰۷۔ محیط اعظم ص
۱۰۸۔ نقد بیدل ص ۵۵۸
۱۰۹۔ چہار عنصر ص ۳۹۰، ۳۹۱
۱۱۰۔ ایضاً ص ۲۹۵
۱۱۱۔ ایضاً ص ۲۹۶
۱۱۲۔ ایضاً ص ۲۹۶
۱۱۳۔ ایضاً ص ۲۹۷
۱۱۴۔ ایضاً ص ۴۵۲
۱۱۵۔ ایضاً ص ۴۵۲
۱۱۶۔ ایضاً ص ۴۵۵
۱۱۷۔ ایضاً ص ۴۷۳
۱۱۸۔ ایضاً ص ۴۷۳
۱۱۹۔ ایضاً ص ۴۸۴
۱۲۰۔ ایضاً ص ۴۸۹
۱۲۱۔ ایضاً ص ۴۹۰
۱۲۲۔ ایضاً ص ۴۹۴
۱۲۳۔ بیدل شناسی ج ۲، ص ۵۰۸
۱۲۴۔ چہار عنصر ص ۵۰۴
۱۲۵۔ ایضاً ص ۵۱۲
۱۲۶۔ نقد بیدل بحوالہ بیدل شناسی ص ۵۱۳
۱۲۷۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۴۲۱
۱۲۸۔ چہار عنصر ۲۹۸
۱۲۹۔ ایضاً ص ۴۳۵
۱۳۰۔ بیدل شناسی ج ۲ ص
۱۳۱۔ چہار عنصر ص ۵۸۸
۱۳۲۔ نقوش لاہور مکاتیب نمبر ج ۱، علم ادب میں خطوط کا درجہ از غلام رسول مہر
۱۳۳۔ نقد بیدل ص ۵۷۰
۱۳۴۔ ایضاً ص ۵۷۰
۱۳۵۔ ایضاً ص ۵۷۰
۱۳۶۔ بیدل شناسی ج ۲ ص ۵۴۵
۱۳۷۔ نقد بیدل ۵۵۸
۱۳۸۔ چہار عنصر ص ۲۹۷
۱۳۹۔ نکات بیدل (مشمولہ چہار عنصر) ص ۲
۱۴۰۔ ایضاً ص ۲۳
۱۴۱۔ ایضاً ص ۳
۱۴۲۔ بیدل شناسی ج ۲ ص ۵۴۵

باب چہارم
(بیدل ایک شاعر کی حیثیت سے)

۱۔ مقدمہ گنج سخن ج ۱ ص ۶۶ تا ۷۲
۲۔ تاریخ ادبیات ایران و تاریخ شعر ص ۱۳۴
۳۔ مجلہ سخن دورہ ۲۲ شمارہ ص ۴۷۷
۴۔ نقد بیدل ص مطبوعہ تہران ص ۹۶
۵۔ مقدمہ گنج سخن ج ۱ ص ۷۱
۶۔ تاریخ ادبیات ایران ص ۳۱۷
۷۔ مقدمہ گنج سخن ج ۱ ص ۷۱، ۷۲
۸۔ نقد بیدل مطبوعہ تہران ص ۸۸
۹۔ دیباچہ کلیات عرفی قلمی محفوظہ پروفیسر ولی الحق انصاری، از عبدالباقی نہاوندی

۱۰۔ مجلہ نگار جولائی ۱۹۶۲ء ''بیدل کی ایک جمالیاتی علامت'' از ڈاکٹر عبدالغنی
۱۱۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۱۹
۱۲۔ رقعات بیدل ص ۲۰۲
۱۳۔ فہرست ربوج ۲ ص ۷۳۷
۱۴۔ چہار عنصر ص ۴۹۲
۱۵۔ سفینہ خوشگو ص ۱۲۴
۱۶۔ ایضاً ص ۱۱۳
۱۷۔ بحوالہ بیدل شناسی ص ۱۶۷
۱۸۔ دیوان حافظ مطبوعہ تہران ص
۱۹۔ محیط اعظم مطبوعہ تہران ص
۲۰۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص ۱۷۱
۲۱۔ چہار عنصر ص ۴۴۴
۲۲۔ رقعات بیدل ص ۷۳
۲۴۔ مثنوی عرفان کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۳۶۰
۲۵۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴
۲۶۔ مجلہ سویرا لاہور شمارہ ۱۹۵۷ پردیسی کے خطوط از مجنون گورکھپوری
۲۷۔ مجلہ یغما سال ۲۹، شمارہ ۹، خصیصہ شاہکار ہا، از ڈاکٹر محمد اسلامی ندوشن
۲۸۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۶
۲۹۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۶
۳۰۔ نشتر عشق ص ۳۱۶
۳۱۔ مخزن الغرائب ج ۱ ص ۱۱۲
۳۲۔ صحف ابراہم ص ۱۴۷
۳۳۔ ریاض الشعراء ص
۳۴۔ خزانہ عامری ص ۱۵۷
۳۵۔ مجلہ سخن دورہ ۲۴، شمارہ ۲ زبان فصیح از ناتل خانلری

۳۶۔ مجلہ یغما سال ۲۸ شمارہ ۵ زبان و ادب فارسی، از جعفر محجوب
۳۷۔ نقد و ادب ص ۴۵
۳۸۔ مخزن الغرائب قلمی ج ۱ ص ۱۱۲
۳۹۔ تذکرہ حسینی قلمی ص ۲۲۳
۴۰۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۷
۴۱۔ ایضاً ص ۱۱۷، ۱۱۶
۴۲۔ دیوان بیدل مطبوعہ تہران ص
۴۳۔ چہار عنصر ص ۳۹۰
۴۴۔ ایضاً ص ۴۰۳
۴۵۔ ایضاً ص
۴۶۔ ایضاً ص ۴۱۲
۴۷۔ مجمع النفائس قلمی ص ۲۶
۴۸۔ خلاصۃ الکلام قلمی ۸۴
۴۹۔ مجلہ ارمغان شمارہ ۱۱، ۱۲، سال ۱۳۵۲
۵۰۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۶
۵۱۔ تاریخ ادبیات ایران ج ۵ ص ۱۳۸۰
۵۲۔ شاعر آئینہ ہا ص ۶۶، ۶۷
۵۳۔ ایضاً ص ۸۰
۵۴۔ نقد ادب ص ۴۸
۵۵۔ مجلہ نگار مارچ ۱۹۲۶ء
۵۶۔ رقعات بیدل ص ۱۲۹
۵۷۔ مجلہ سویرا سالنامہ ۱۹۵۷ ص ۱۱
۵۸۔ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص ۹۷
۵۹۔ سیری در دیوان شمس ص ۷۸
۶۰۔ سبک شناسی ج ۳ ص ۲۶۰
۶۱۔ خزانہ عامرہ ص ۱۵۷
۶۲۔ نقد بیدل مطبوعہ تہران ص ۱۱۱، ۱۱۲

۶۳۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴ مرزا بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب از ڈاکٹر عبدالغنی
۶۴۔ مجلہ نگار بہ حوالہ حیرت زار ص ۱۰۱
۶۵۔ مجلہ سویرا ۱۹۵۷ء ص
۶۶۔ رقعت بیدل ص ۱۰۸
۶۷۔ مجلہ یغما شمارہ ۹، سال ۲۹ خصیصہ شاہکار ہا
۶۸۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴
۶۹۔ مجلہ یغما شمارہ ۹ سال ۲۹ آذر ماہ ۱۳۵۵
۷۰۔ چہار عنصر ص ۴۰۷
۷۱۔ ایضاً ص ۴۰۸
۷۲۔ مجلہ ارمغان شمارہ افروردین ۱۳۵۳
۷۳۔ ایضاً
۷۴۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴
۷۵۔ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص ۶۰
۷۶۔ سرو آزاد ص ۱۵۰
۷۷۔ نگار مارچ ۱۹۲۶
۷۸۔ رقعات بیدل ص ۱۹۱
۷۹۔ سرو آزاد ص ۱۵۰
۸۰۔ مجلہ مہر نیمروز کراچی ص ۲
۸۱۔ فرہنگ ادبیات دری ص ۴۱۶
۸۲۔ ایضاً ص ۸۰
۸۳۔ گنج سخن ج ۳، ص ۱۱۸
۸۴۔ چہار عنصر ص ۴۰۷
۸۵۔ ایضاً ص ۴۰۷
۸۶۔ ایضاً ص ۴۰۸
۸۷۔ ایضاً ص ۴۰۸
۸۸۔ ایضاً ص ۴۴۲، ۴۴۳
۸۹۔ دیباچہ کلیات بیدل مطبوعہ صفدری بمبئی
۹۰۔ نقد و ادب ص ۵۲

۹۱۔ چہار عنصر ص ۴۴۴
۹۲۔ دیباچہ کلیات بیدل مطبوعہ صفدری
۹۳۔ ایضاً
۹۴۔ تاریخ ادبیات ایران ج ۵ ص ۱۳۸۱
۹۶۔ سبک شناسی ج ۳ ص ۳۶۰
۹۷۔ نگاہی بہ صائب ص ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۲۹
۹۸۔ نقد غالب ص ۷۰
۹۹۔ نقد غالب ص ۲۶۵
۱۰۰۔ ایضاً ص ۳۱۷
۱۰۱۔ History of Iranian Literature By Jan Rypka
۱۰۲۔ دیباچہ کلیات بیدل مطبوعہ صفدری بمبئی
۱۰۳۔ مقدمہ بر کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۱
۱۰۴۔ نقد بیدل ص ۲۴
۱۰۵۔ مجلہ نگار مارچ ۱۹۲۶ء
۱۰۶۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴
۱۰۷۔ نقد بیدل ص ۲۴
۱۰۸۔ ایضاً ص ۶۰
۱۰۹۔ مقدمہ بر خلاصہ منطق الطیر باہتمام سید صادق گوہرین ص ۱۰
۱۱۰۔ سیری دیوان شمس از علی دشتی ص ۴۷
۱۱۱۔ مجلہ پیک جوانان شمارہ ۱۰، دورہ ۴
۱۱۲۔ قلمرو سعدی ص ۹۹
۱۱۳۔ ایضاً ص ۹۸
۱۱۴۔ بہ حوالہ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۰۳
۱۱۵۔ بیدل شناسی ج ۱ ص ۱۷۲
۱۱۶۔ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴ مرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب
۱۱۷۔ کلمات الشعراء قلمی ص ۱۵

۱۱ـ سرو آزاد ص۱۵۰
۱۱ـ ریاض الوداد ص۴۵
۱۲ـ مرآۃ الخیال ص۴۵۹
۱۲ـ سرو آزاد ص۱۴۸
۱۲ـ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص۱۱۰
۱۲ـ خزانہ عامرہ ص۱۵۷
۱۲ـ رقعات بیدل ص۴۷
۱۲ـ ایضاً ص۲۱۳
۱۲ـ ایضاً ص۱۰۳
۱۲ـ ایضاً ص۱۶۵
۱۲ـ ایضاً ص۱۸۴
۱۳ـ تاریخ ادبیات ایران ج۵ ص۱۳۸۰، ۱۳۸۱
۱۳ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۹۴، ۱۹۵
۱۳ـ مجلہ نگار جنوری ۱۹۶۰ء
۱۳۱ـ محیط اعظم (کلیات بیدل مطبوعہ کابل) ج۳ ص۴
۱۳ـ مجلہ کابل ج ۱ شمارہ ۴ مرزا عبدالقادر بیدل از قاری عبداللہ
۱۳ـ History of Iranian Literature by Rypka P
۱۳ـ رقعات بیدل ص۸۲
۱۳ـ مقدمہ محیط اعظم
۱۳ـ نقد بیدل ص۴۷
۱۳ـ سفینۂ خوشگو ص۴۷
۱۴ـ مقدمہ محیط اعظم مطبوعہ تہران ص
۱۴ـ مجلہ اقبال کراچی ج ۶ شمارہ ۴ مرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب
۱۴ـ مقدمہ محیط اعظم مطبوعہ تہران ص۱۱
۱۴۱ـ ایضاً ص۲۵۴
۱۴ـ گنج سخن (مقدمہ) ج ا ص۸۵ تا ۸۸

۱۴۵ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۰۰
۱۴۶ـ چہار عنصر نولکشور ص۳۲۸
۱۴۷ـ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص۷۵
۱۴۸ـ مجمع النفائس قلمی ص۶۵
۱۴۹ـ سفینۂ خوشگو ص۱۲۴
۱۴۹ـ سفینۂ خوشگو ص۱۲۴
۱۵۰ـ طلسم حیرت سالار جنگ نمبر ۹۲۹ ورق ۱۸ بہ حوالہ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۰۷
۱۵۱ـ رقعات بیدل ص۷۳
۱۵۲ـ نقد بیدل مطبوعہ کابل ۴۳۴
۱۵۳ـ اقبال کراچی ج ۶ ش ۴، مرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب از ڈاکٹر عبدالغنی
۱۵۴ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۰۷، ۲۰۸
۱۵۵ـ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص۴۳۷
۱۵۶ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۱۲
۱۵۷ـ مجلہ اقبال کراچی ج۶ شمارہ ۴
۱۵۸ـ نقد بیدل ص۴۴۹، ۴۵۰
۱۵۹ـ مرزا عبدالقادر بیدل سیمنار، پٹنہ ۱۹۸۲ ص۲۰۶
۱۶۰ سفینۂ خوشگو ص۱۲۴
۱۶۱ـ رقعات بیدل ص۱۳۳
۱۶۲ـ روح بیدل ص۱۴۳
۱۶۳ـ رقعات بیدل ص۱۰۲
۱۶۴ـ ایضاً ص۱۱۷
۱۶۵ـ رقعات بیدل ص۱۱۴
۱۶۶ـ نقد بیدل مطبوعہ کابل ص۴۲۹
۱۶۷ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۱۴
۱۶۸ـ مجلہ سخن شمارہ اردوی بہشت دورہ ۲۵
۱۶۹ـ مجلہ نگار جولائی ۱۹۶۲ء بیدل کی ایک جمالیاتی علامت از ڈاکٹر عبدالغنی

۱۰ـ فارسی بعہد اورنگ زیب ص۲۱۵
۱۷۱ـ نقد بیدل ص۴۳۰
۱۷۲ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۱۵
۱۷۳ـ ایضاً ص۲۱۷
۱۷۴ـ سفینۂ خوشگو ص۱۲۴
۱۷۵ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۲۱۸
۱۷۶ـ History of Iranian Literature By Jan Rypka
۱۷ـ نقد بیدل ص۴۲۲
۱۷۸ـ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص۳۶۱
۱۷۹ـ نقد بیدل ص۴۲۳
۱۸۰ـ ایضاً ص۴۲۳
۱۸۱ـ لوائح جامی ص۱۷
۱۸۲ـ غیاث اللغات ص۷۵۱
۱۸۳ـ چہار عنصر نولکشور ص۴۸۹
۱۸۴ـ نقد بیدل ص۴۲۶
۱۸۵ـ مجلہ ہنر و مردم شمارہ ۱۳۲
۱۸۶ـ History of Iranian Litrature Jan Rypka
۱۸۷ـ نقد بیدل ص۴۲۶
۱۸۸ـ داستان کامدی و مدن از عبدالعزیز مہجور ص۴ تا ۹
۱۸۹ـ فرہنگ نفیسی ناظم الاطباج ۳ ص۱۹۷۸ء
۱۹۰ـ نقد بیدل ص۴۲۷، ۴۲۸
۱۹۱ـ مجلہ اقبال کراچی ج۶ شمارہ ۴
۱۹۱ـ مجلہ اقبال کراچی ج۶ شمارہ ۴
۱۹۲ـ سفینۂ خوشگو ص۱۲۵
۱۹۳ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۹۷
۱۹۴ـ نقد بیدل ص۱۰۷
۱۹۵ـ چہار عنصر نولکشور ص۳۸۹

۱۹۶ـ ایضاً ص۳۹۰
۱۹۷ـ ایضاً ص۴۰۳
۱۹۸ـ نقد بیدل ص۵۰۹
۱۹۹ـ ایضاً ص۵۱۰، ۵۱۱
۲۰۰ـ سی مقالہ ص۳۰۵، بیدل شناسی در شوروی از اسد اللہ حبیب
۲۰۱ـ چہار عنصر ص۳۶۵
۲۰۲ـ ایضاً ص۳۶۵
۲۰۳ـ کلمات الشعراء ص۲۰
۲۰۴ـ سی مقالہ ص۳۰۲
۲۰۵ـ بہار میں علوم و ادبیات ص۲۹۴، کلمات الشعراء پر تبصرہ از عبدالمالک آروی
۲۰۶ـ سی مقالہ ص ۳۰۵ بیدل شناسی در شوروی از اسد اللہ حبیب
۲۰۷ـ مرآۃ الخیال ص۴۶۰
۲۰۸ـ مجلہ کابل ج۴، شمارہ ۱
۲۰۹ـ سفینۂ خوشگو ص۱۲۴
۲۱۰ـ کلمات الشعراء ص۲۰، ۲۱
۲۱۱ـ چہار عنصر ص۴۹۲
۲۱۲ـ نقد بیدل ص۵۱۶
۲۱۳ـ ایضاً ص۵۲۰
۲۱۴ـ ایضاً ص۵۲۱
۲۱۵ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۹۱
۲۱۶ـ مجلہ اقبال کراچی ج۶ شمارہ ۴
۲۱۵ـ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص۱۹۱
۲۱۶ـ مجلہ اقبال کراچی ج۶ شمارہ ۴
۲۱۷ـ چہار عنصر ص۳۸۳
۲۱۸ـ القول المفید علی کتاب التوحید ص۱۶۶
۲۱۹ـ نگار جولائی ۱۹۶۲ء

۲۲۰۔ بیدل شناسی ج۲ ص ۶۰۰
۲۲۱۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۸
۲۲۳۔ نقد بیدل کابل ص ۵۳۳، ۵۳۴
۲۲۴۔ مجمع النفائس قلمی ص ۷۰
۲۲۵۔ ید بیضا ص ۴۰
۲۲۶۔ مجمع النفائس ص ۶۵
۲۲۷۔ نقد بیدل ص ۵۳۶
۲۲۸۔ ایضاً ص ۵۵
۲۲۹۔ سیمنار مرزا عبدالقادر بیدل، پٹنہ ص ۱۴۶ تا ۱۵۰ مرزا عبدالقادر بیدل کی کہانی ٹونک کی مخطوطات کی زبانی از صاحبزادہ شوکت علی خان

باب پنجم

(بیدل کے افکار وخیالات)

۱۔ مجلہ سویرا لاہور شمارہ ۱۹۵۷ ص ۱۵، ۱۶، پردیسی کے خطوط از مجنوں گورکھپوری
۲۔ مجمع النفائس قلمی ص ۶۵
۳۔ سفینہ خوشگو ص ۱۱۵
۴۔ فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب ص ۲۱
۵۔ سی مقالہ ص ۲۰۶
۶۔ مباحث وسائل (کیا تصوف خالص اسلامی ہے) از ضیاء احمد بدایونی ص ۱۱
۷۔ کیمیائے سعادت ص ۵۱۰
۸۔ تفسیر حقانی ج ۵ ص ۲۱۷
۹۔ لوائح جامی ص ۸
۱۱۔ تجدید تصوف وسلوک از مولانا عبدالباری ندوی ص ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۶۲
۱۲۔ نقد بیدل ص ۷
۱۳۔ مجلہ ہنر ومردم شمارہ ۱۳۲
۱۴۔ مباحث و مسائل (کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے) ص ۳۱، ۳۲
۱۵۔ چہار عنصر ۳۱۵
۱۶۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۷۔ ایضاً ص ۳۱۵
۱۸۔ ایضاً ۳۲۸
۱۹۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ (محیط اعظم) ص ۲۳
۲۰۔ چہار عنصر ص ۳۹۲، ۳۹۳
۲۱۔ ایضاً ص ۴۱۱
۲۲۔ ایضاً ص ۴۱۱
۲۳۔ ایضاً ص ۴۲۲
۲۴۔ ایضاً ص ۴۲۲
۲۵۔ ایضاً ۴۲۵
۲۶۔ ایضاً ص ۴۲۵
۲۷۔ ایضاً ص ۴۳۴
۲۸۔ ایضاً ص ۴۳۵
۲۹۔ محیط اعظم (کلیات بیدل مطبوعہ کابل) ج ۳ ص ۱۹۲، ۱۹۳
۳۰۔ لوائح جامی ص ۱۰، ۱۱
۳۱۔ محیط اعظم مطبوعہ تہران ص ۴۷
۳۲۔ لوائح جامی ص ۱۸
۳۳۔ رقعات بیدل ص ۱۲۰
۳۴۔ نقد بیدل ص ۴۴۹ تا ۴۵۲
۳۵۔ رسالہ شیخ عبدالباقی انصاری ص ۷۶
۳۶۔ چہار عنصر ص ۴۸۸
۳۷۔ کیمیائے سعادت ص ۴۹۵
۳۸۔ مجلہ نگار مارچ ۱۹۲۶ء
۳۹۔ چہار عنصر ص ۴۹۰ تا ۴۹۴

۴۰۔ بکھرے خیالات ترجمہ Stray Reflection ص ۸۵
۴۱۔ رقعات بیدل ص ۱۳۵
۴۲۔ ایضاً ص ۲۰۱
۴۳۔ چہار عنصر ص ۴۲۵
۴۴۔ رقعات بیدل ص ۹۲
۴۵۔ در مکتب استاد ص ۱۳۷
۴۶۔ چہار عنصر
۴۷۔ ایضاً ص ۲۹۹
۴۸۔ کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۱۰۲
۴۹۔ کیمیائے سعادت ص ۵۳۰، ۵۳۱
۵۰۔ مجلہ ہنر ومردم شمارہ ۱۳۲ تجلی عرفان وتصوف در ادب فارسی از ڈاکٹر جعفر سجادی
۵۱۔ فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۱۹۷
۵۲۔ چہار عنصر ص ۵۵۴ تا ۵۶۱
۵۳۔ ایضاً ص ۳۷۴
۵۴۔ ایضاً ص ۳۷۷
۵۵۔ ایضاً ص ۴۸۴
۵۶۔ ایضاً ص ۳۱۱
۵۷۔ مجلہ ادب کابل بہ حوالہ سی مقالہ ص
۵۸۔ مجلہ سروش شمارہ ۲۶ ص ۱۱
۵۹۔ مثنوی دفتر اول
۶۰۔ شاعر آئینہ ہا ص ۸۷
۶۱۔ History of Iranian Literatue P
۶۲۔ رقعات بیدل ص ۱۴۴
۶۳۔ ایضاً ص ۱۴۴
۶۴۔ دیباچہ کلیات بیدل ج ۱ ص ۱
۶۵۔ مثنوی عرفان کلیات بیدل کابل ج ۳ ص ۲۰۹
۶۶۔ محیط اعظم (کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۳۰)
۶۷۔ ایضاً ص ۱۳۶
۶۸۔ ایضاً ص ۵۳
۶۹۔ مجلہ ہنر ومردم شمارہ ۱۳۲
۷۰۔ محیط اعظم (کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۴۲)
۷۱۔ چہار عنصر ص ۵۸۶
۷۲۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل ج ۳ ص ۲۰۳
۷۳۔ چہار عنصر ص ۵۴۲
۷۴۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل، ج ص ۱۳۶
۷۶۔ بیدل در خواجہ عباد اللہ اختر ص ۲۵۹
۷۷۔ تفسیر قرآن از شبیر احمد عثمانی ص ۴۲۷
۷۸۔ چہار عنصر
۷۹۔ مثنوی عرفان (کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳، ص ۳۲۸)
۸۰۔ چہار عنصر ص ۴۶۰
۸۱۔ حیرت زار ص ۶
۸۲۔ چہار عنصر ص ۳۱۰
۸۳۔ نکات (مشمول کلیات بیدل نولکشور) ص ۲۰
۸۴۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل ج ۳ ص
۸۵۔ بحوالہ مخزن الغرائب ص ۱۱۲
۸۵۔ تذکرہ حسینی ص ۷۵، ۷۶
۸۶۔ تذکرہ حسینی ص ۷۵، ۷۶
۸۷۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل) ج ۳ ص ۱۰۲، ۱۰۵
۸۸۔ ایضاً ص ۱۰۵
۸۹۔ ایضاً ص ۱۰۶
۹۰۔ دیوان امام شافعی ص ۵۸
۹۱۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل ج ۳ ص ۱۴۴ تا ۱۴۶۔

۹۲۔ ایضاً ص ۱۴۲ تا ۱۶۲
۹۳۔ مثنوی عرفان (کلیات بیدل کابل ج ۳، ص ۱۹۰، ۱۹۱
۹۴۔ چہار عنصر ص ۴۳۴
۹۵۔ ایضاً ص ۴۳۹
۹۶۔ ایضاً ص ۴۳۶
۹۷۔ ایضاً ص ۴۳۸
۹۸۔ ایضاً ص ۴۳۸
۹۹۔ ایضاً ص ۵۸۶
۱۰۰۔ مکتوبات مجدد الف ثانی بحوالہ مباحث و مسائل ص ۳۴
۱۰۱۔ مجلہ سخن دورہ ۲۱، شمارہ ۳ ص ۲۷۴
۱۰۲۔ چہار عنصر ص ۳۹۷
۱۰۳۔ ایضاً ص ۴۸۷، ۴۸۸
۱۰۴۔ طلسم حیرت (کلیات بیدل کابل ج ۳ ص ۱۰۲
۱۰۵۔ کیمیائے سعادت ص ۴۵۳
۱۰۶۔ چہار عنصر ص ۴۳۱
۱۰۷۔ ایضاً ص ۴۳۱، ۴۳۲
۱۰۸۔ ایضاً ص ۴۱۷
۱۰۹۔ ایضاً ص ۴۱۶
۱۱۰۔ ایضاً ص ۴۱۷
۱۱۱۔ ایضاً ص ۴۱۸
۱۱۲۔ ایضاً ص ۱۱۲
۱۱۳۔ ایضاً ص ۴۵۸
۱۱۴۔ ایضاً ص ۴۱۶
۱۱۵۔ ایضاً ص ۳۱۶
۱۱۷۔ ایضاً ص ۳۴۳
۱۱۸۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل) ج ۳ ص ۲۰۲، ۲۰۳
۱۱۹۔ بیدل خواجہ عباد اللہ اختر ص ۱۱۷
۱۲۰۔ محیط اعظم (کلیات بیدل کابل) ج ۳، ص ۲۰۱، ۲۰۲
۱۲۱۔ لوائح جامی ص ۱۹، ۲۰
۱۲۲۔ چہار عنصر ص ۴۵۲
۱۲۳۔ مثنوی طور معرفت (کلیات بیدل مطبوعہ کابل) ج ۳ ص ۴۷، ۴۸
۱۲۴۔ بیدل از خواجہ عبادہ اللہ اختر ص ۲۵۱ تا ۲۷۹
۱۲۵۔ مثنوی عرفان (کلیات بیدل مطبوعہ کابل ج ۳ ص ۱۸
۱۲۸۔ مثنوی عرفان (کلایت بیدل کابل) ج ۳
۱۲۹۔ ایضاً ج ۳
۱۳۰۔ رقعات بیدل ص ۱۳۷
۱۳۱۔ ایضاً ص ۲۰۵
۱۳۲۔ ایضاً ص ۲۰۵
۱۳۳۔ مجلہ سویرا سالنامہ ۱۹۵۷، پردیسی کے خطوط بیدل کے سلسلے میں ص ۱۵، ۱۸
۱۳۴۔ سفینہ بے خبر قلمی
۱۳۵۔ کلمات الشعرا
۱۳۶۔ مرآۃ الخیال ص ۴۵۹
۱۳۷۔ چہار عنصر ص ۴۶۰، قرآن پاک
۱۳۸۔ چہار عنصر ص ۴۶۱
۱۳۹۔ ایضاً ص ۴۶۰
۱۴۰۔ رقعات ص ۱۵۱
۱۴۱۔ چہار عنصر ص ۳۶۹

✪✪✪

کتابیات

تذکرے اور تواریخ

نام کتاب	مصنف، مولف، مترجم	سن تالیف	مطبوعہ یا مخطوطہ	تاریخ کتابت
مرآۃ الخیال	شیر خاں لودی	۱۱۰۰۲	مطبوعہ	
خزانہ عامرہ	میر غلام علی آزاد	۱۱۷۶	مطبوعہ نولکشور پریس	
نتائج الافکار	قدرت اللہ گوپاموی	۱۲۵۷	مطبوعہ	
عقد ثریا	مصحفی	۱۱۹۹	مطبوعہ	
مخزن الغرائب	شیخ احمد علی	۱۲۱۸	قلمی	
مجمع النفائس	سراج الدین علیخاں آرزو	۱۱۴۶	قلمی	قرن سیزدہم
ریاض الشعراء	علی قلی خان والہ	۱۱۶۱	قلمی	
سرو آزاد	میر غلام علی آزاد	۱۶۶	مطبوعہ لاہور	
تذکرہ بی نظیر	میر عبدالوہاب افتخار	۱۱۷۲	مطبوعہ	
نشتر عشق	آقا حسین خان عظیم آبادی	۱۲۳۳	قلمی	
تبصرۃ الناظرین	سید محمد بن میر عبدالجلیل		قلمی	۱۳۱۵ کاتب ولایت حسین
مرقع دہلی	درگاہ قلی خان		مطبوعہ	
صحف ابراہیم	علی ابراہم خان خلیل	۱۲۰۸	قلمی	
ہمیشہ بہار	کشن چند اخلاص	۱۲۳۶	قلمی	
تذکرہ حسینی	میر حسین دوست	۱۱۶۲	قلمی	
سفینہ عشرت	درگاداس عشرت	۱۱۷۵	قلمی	
اویماق مغل	میرزا محمد عبدالقادر خان	۱۱۹	مطبوعہ امرتسر	
گل رعنا	لچھمی نرائن شفیق	۱۱۸۱-۸۲ھ	قلمی	
خلاصۃ الکلام	علی ابراہم خاں خلیل	۱۱۸۷-۹۸	قلمی	
تذکرۃ طاہر نصر آبادی	طاہر نصر آبادی	۱۰۸۳	قلمی	

تذکرۃ الشعراء ہندی ج	سید میر قاسم عرف میر قدرت اللہ قاسم		قلمی
سفینہ بے خبر	عظمت اللہ بیخبر	۱۱۴۱	قلمی
سفینہ ہندی، تذکرۂ شعراء فارسی	بھگوان داس بنارسی	۱۲۱۹	مطبوعہ ادارہ تحقیقات دینیہ
کلمات الشعراء	محمد افضل سرخوش		مطبوعہ مدراس یونیورسٹی
مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	۱۲۶۴	مطبوعہ
ریاض العارفین	رضا قلی ہدایت	۱۲۶۰	مطبوعہ چاپ خانہ آفتاب تہران
شمع انجمن	سید محمد صدیق حسن خان	۱۲۹۳	مطبوعہ رئیس المطابع شاہجہانی
سفینہ خوشگو دفتر ثالث	بندرابن داس خوشگو	۱۱۳۷-۴۷	مطبوعہ لیتھو پریس پٹنہ
شعرالعجم فی الہند	شیخ اکرام اللہ		مطبوعہ
ید بیضا	میر غلام علی آزاد	۱۱۴۸	قلمی
تذکرہ نویسی فارسی در ہندو پاکستان	دکتر سید علی رضا نقوی		مطبوعہ تہران
تذکرۃ الشعراء	محمد عبدالغنی خان	۱۳۲۸	مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ
نزہۃ الخواطر	مولانا سید عبدالحی		مطبوعہ حیدرآباد
عمدۂ منتخبہ	نواب اعظم الدولہ میر محمد خان بہادر	۱۲۱۹	مطبوعہ دہلی یونیورسٹی
تذکرہ مسلم شعرای بہار ج ا	حکیم سید احمد اللہ ندوی		مطبوعہ کراچی
واقعات عالمگیری	عاقل خان رازی		مطبوعہ علی گڈھ
وفیات الشعراء			مطبوعہ
نکات الشعراء	میر تقی میر		مطبوعہ
تذکرۃ الکتب المصنفین	لامعلوم		مطبوعہ حیدرآباد
مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خان		مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی
عالمگیرنامہ	محمد کاظم ابن محمد امین		مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی
تاریخ ادبیات ایران و تاریخ شعرا	حسین فریور		مطبوعہ تہران
تاریخ ادبیات ایران	ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا		مطبوعہ تہران
گنج سخن	دکتر ذبیح اللہ صفا		مطبوعہ تہران
سیدان بادشاہ گر	دکتر سید صفدر حسین		مطبوعہ لاہور

تاریخ جدید صوبہ اوڑیسہ و بہار	سید اولاد حیدر بلگرامی	مطبوعہ
جلوہ خضر ج ا	فرزند احمد صفیر بلگرامی	مطبوعہ نورالانوار آرہ
نوای وطن	علی محمد شاد عظیم آبادی	مطبوعہ
حیات فریاد	سید شاہ الف حسین فریاد	مطبوعہ
بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا	دکتر اختر اورینوی	مطبوعہ
شاہکارہای نثر فارسی	ترتیب و مقدمہ از استاد سعید نفیسی	مطبوعہ کانون معرفت تہران
سبک شناسی ج ۳	محمد تقی بہار	مطبوعہ تہران
فارسی ادب بعہد اورنگ زیب	نورالحسن انصاری	مطبوعہ دہلی
فرہنگ ادبیات فارسی دری	دکتر زہرای خانلری	مطبوعہ بنیاد فرہنگ
در مکتب استاد	سعید نفیسی	مطبوعہ تہران
نقش پارسی در احجار ہند	دکتر علی اصغر حکمت	مطبوعہ تہران
Jan Rypka History of Iranian Literature		
By Dr. Abdul Ghani Life & Works of Abdul Qadir Bedil "		
روح بیدل	ڈاکٹر عبدالغنی	مطبوعہ لاہور
کلیات و دواوین و رقعات		
کلیات بیدل ۴ چار	مراعبدالقادر بیدل	مطبوعہ کابل
کلیات بیدل یک جلد	مراعبدالقادر بیدل	مطبوعہ نولکشور
کلیات بیدل	مراعبدالقادر بیدل	مطبوعہ صفدر بمبئی
کلیات بیدل	مراعبدالقادر بیدل	قلمی
کلیات بیدل	مراعبدالقادر بیدل	قلمی
رباعیات بیدل	مراعبدالقادر بیدل	قلمی
رباعیات بیدل	مراعبدالقادر بیدل	قلمی
چہار عنصر	مراعبدالقادر بیدل	قلمی
ریاض الوداد	ایزد بخش رسا	قلمی
کلمات طیبات	عنایت اللہ خاں شاکر	قلمی
دیوان بیدل	باہتمام حسین آہی	مطبوعہ تہران

محیط اعظم	بیدل	مطبوعہ تہران
صحایف شرایف	محمد عسکری حسین بلگرامی	مطبوعہ تہران
مکتوبات مجدد الف ثانی	مجدد الف ثانی	مطبوعہ

کتب تصوف ونقد ادبیات

کیمیای سعادت	امام غزالی	مطبوعہ نولکشور
لوائح جامی	عبدالرحمن جامی	
رسالہ شیخ عبدالباقی	مترجم مولوی محمد حلیم	
نقد وادب	تالیف دکتر مندو ترجمہ دکتر علی شریفی	مطبوعہ تہران
نقد بیدل	صلاح الدین سلجوقی	مطبوعہ کابل
بیدل	خواجہ عباداللہ اختر	مطبوعہ لاہور
بیدل شناسی دو جلد	غلام حسن مجددی	مطبوعہ کابل
میرزا عبدالقادر بیدل	صدرالدین عینی	مطبوعہ اتحاد شوروی
بکھرے خیالات	ترجمہ از دکتر عبدالحق	مطبوعہ دہلی

Stray Reflection By Dr Iqbal

مطالعہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں	اقبال	مطبوعہ لاہور
سی مقالہ دربارہ بیدل	مرتب سرور پاکفر	
حل نکات بیدل	احمد حسین شوکت	مطبوعہ میرٹھ
شاعر آئینہ ہا	ڈاکٹر شفیعی کدکنی	
بیدل وسبک ہندی	حسن حسینی	مطبوعہ تہران
قلمرو سعدی	علی دشتی	مطبوعہ تہران
سیری در دیوان شمس	علی دشتی	مطبوعہ تہران
مقالات سید سلیمان ندوی	مرتب سید صباح الدین عبدالرحمن	مطبوعہ اعظم گڑھ
مباحث ومسائل	ضیا احمد بدایونی	مطبوعہ مجتبائی دہلی
نقد غالب	مرتبہ مختار الدین آرزو	مطبوعہ علی گڑھ

بزرگترین شاعر صوفی بعد از جامی	محمد عثمان خواجہ	ہلال کراچی
دیباچہ کلیات عرفی	عبدالباقی	قلمی
فہرست ریو	دکتر ریو	

رسائل

عنوان — نویسندہ — نام مجلہ — جلد وشمارہ

رسائل

عنوان	نویسندہ	نام مجلہ	جلد	شمارہ
ملاحظاتی دربارہ ریالزم بیدل	الکساندر بوزانی	ادب کابل	۱۳	۴
وصف طبیعت در اشعار بیدل	الکساندر بوزانی	ادب کابل	۱۳	۴
میرزا عبدالقادر بیدل کی شخصیت اور ان کا اسلوب	عبدالغنی	اقبال لاہور	۶	۴
مکتب ہندو ومکتب بیدل	حبیبی عبدالحی	کابل	۴	
تذکرہ بیدل		اورینٹل کالج میگزین لاہور	۲۸	۴
میرزا عبدالقادر بیدل	قاری عبداللہ	کابل	۱	۴
میرزا عبدالقادر بیدل	نیازی یٰسین	اورینٹل کالج میگزین لاہور	۸	۴
بیدل	شاہ ولی الرحمن	نقوش لاہور شخصیات نمبر ۲	۹	۲،۱
کیا بیدل عظیم آبادی نہ تھے	سید سلیمان ندوی	معارف اگست ۱۹۴۰		
میرزا عبدالقادر بیدل	ڈاکٹر محمد شفیع	مقالات دینی وعلمی حصہ دوم		
عبدالقادر بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
اشعار بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
ذکر بیدل	نیاز فتحپوری	نگار		
بیدل کے اشعار	نیاز فتحپوری	نگار		
(مزار بیدل) آرامگاہ بیدل	دکتر عبدالغنی	نگار		
میرزا بیدل	اسرار احمد ندوی	ندیم گیا		
سطحیات سید سلیمان ندوی	م.ا.	نگار		

بیدل کی ایک جمالیات علامت	دکتر عبدالغنی	نگار		
میرزا بیدل کے تعلقات	نیازی یٰسین	اورینٹل کالج میگزین		
رامائن بیدل	قاضی عبدالودود	معاصر پٹنہ		
بحثی در احوال و آثار	پروفسور میر حسن شاہ مترجم	ادب کامل		۶،۵
میرزا عبدالقار بیدل				
تجلی عرفان و تصوف در ادب پارسی	دکتر سید جعفر سجادی	ہنر و مردم		۱۳۲
شعر چیست	عبدالعظیم یمنی	ارمغان		۱۲،۱۱
یک تحقیق علمی در بارہ رویا	کالون. ایس. ہال	سخن	۲۱	۳
انواع و سبک ہای ادبی	پرویز ناتل خانلری	سخن	۲۲	۵
زبان فصیح	پرویز ناتل خانلری	۲۴	۲	
زبان و ادب فارسی	جعفر مجوب	یغما	۲۸	۵
طبیعت در نظر صائب	پرویز ناتل خانلری	سخن	۲۵	اردی بہشت

✪✪✪

Rampur Raza Library Publications Series

About the Book:

Name of the Book : **Mirza Abdul Qadir Bedil:Hayat Aur Karname** (Life and Works) (Vol-II [Karname])

Name of Author : **Dr. Syed Ahsanuz Zafar**

Published by : **Prof. Shah Abdus Salam**
O.S.D. Rampur Raza Library
Rampur

First Edition : 2009

Printed by : Diamond Printers, New Delhi
9811126868

Pages : 720

Price : Rs.650/-

Rampur Raza Library
Hamid Manzil,
Rampur - 244 901

Phone Library : 0595-2325045, 2327244
0595-2325346
Fax : 0595- 2340546
Website : www.razalibrary.com
E-mail : osdrampurrazalibrary@gmail.com
raza–library@nic.in